حسب ضابطہ رجسٹری شدہ ہے

تہذیب الاخلاق

جلد دوم

یعنی

عالیجناب جواد الدولہ عارف جنگ آنریبل ڈاکٹر سر سید احمد خاں صاحب بہادر

کے سی ۔ ایس ۔ آئی ۔ ایل ۔ ایل ۔ ڈی ۔ ایف ۔ آر ۔ ایس

بانئے مدرستہ العلوم علیگڈھ

مرحوم و مغفور علیہ الرحمۃ

کے

وہ تمام مضامین جو مرحوم و مغفور نے سنہ ۱۲۸۷ ہجری سے سنہ ۱۲۹۳ ہجری تک تہذیب الاخلاق میں لکھے ۔ بڑے زبردست اور درد آمیز مضامین ہیں کہ جن کی اشاعت سے مسلمانان ہندوستان میں ایک غیر معمولی جوش کے ساتھ ترقئ تعلیم شروع ہوئی مع دیباچہ

مرتبہ ، ملک فضل الدین ککے زئی

حسب فرمائش ملک چنن الدین و ملک تاج الدین ککے زئی تاجران کتب قومی بازار کشمیری لاہور

باہتمام منیجر

نولکشور گیس پرنٹنگ ورکس لاہور میں صحت و صفائی کیساتھ شائع ہوئی

قیمت فی جلد ۔۔۔ تین روپے ۔۔۔ (عہ)

ڈیڈیکیشن

بعالی جناب

نواب محسن الدولہ محسن الملک مولوی سید مہدی علی خاں صاحب بہادر منیر نواز جنگ دام ظلہ

مولانا۔

آنریبل سر سید احمد خاں صاحب بہادر بالقابہ کے مضامین پر جس عالی خیالی کے ساتھ آپ نے توجہ کی ہے اور جس خوبی کے ساتھ ان کے خیالات کا موازنہ آپ نے فرمایا ہے بزرگ سید کے سب دوستوں میں سے آپ اس امر کے زیادہ مستحق ہیں کہ یہ بیش قیمت اور بے نظیر مجموعہ آپ کے نام نامی سے معنون کیا جاوے۔

"گر قبول افتد زہے عزّ و شرف"

خادم قوم

ملک فضل الدین تاجر کتب قومی لاہور

یکم ربیع الاول ۱۳۱۳ ہجری

تصنیفات سرسیّد احمد خاں صاحب بہادر مرحوم و مغفور

الخطبات الاحمدیّہ فی العرب و السّیرۃ المحمدیّہ

اس کتاب میں ایک دیباچہ اور بارہ خطبے شامل ہیں، دیباچہ میں یہ بحثیں ہیں، مذہب کیا چیز ہے؟ سچے مذہب کے پرکھنے کا سچا اصول کیا ہے؟ اسلام صحیح طور پر کن احکام کا مجموعہ ہے۔ اُن کتابوں پر بحث جو عیسائی اور مسلمانوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے حالات پر لکھی ہیں۔ سر ولیم میور کی کتاب لائف آف محمد کا ذکر جس کے جواب میں یہ کتاب لکھی گئی ہے +

خطبہ۱ عرب کا جغرافیہ عرب کے قبائل اور سلاطین پر محققانہ بحث، الفظ سارا سن کی تحقیق، حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل کے حالات پر محققانہ بحثیں، حضرت ہاجرہ کی حریت پر بحث + **خطبہ۲** عرب جاہلیت کی رسوم عادات، بت پرستی، حجر اسود اور خانہ کعبہ کا ذکر حج زمانہ جاہلیت میں۔ رسوم ازدواج **خطبہ۳** عرب جاہلیت کے ادیان پر بحث نہایت تفصیل سے۔ اسلام کی مناسبت دیگر الہامی مذاہب سے **خطبہ۴** اسلام انسان کیلئے رحمت اور تمام انبیاء کے مذاہب کی پشت پناہ ہے۔ اسلام انسانی تمدن کے موافق ہے۔ کثرت ازدواج۔ طلاق اور غلامی پر محققانہ بحثیں یہودیوں اور عیسائیوں کے مذہب کو اسلام سے کیا فائدہ پہنچا۔ **خطبہ۵** مسلمانوں کی مذہبی کتابوں پر محققانہ بحث۔ **خطبہ۶** مذہبی روایتوں کے معتبر اور غیر معتبر ہونے پر مدلل بحث **خطبہ۷** قرآن مجید کی جمع و ترتیب اور نزول پر بحثیں۔ **خطبہ۸** خانہ کعبہ کی مفصل تاریخ۔ **خطبہ۹** آنحضرت کے نسب نامہ پر محققانہ بحث۔ شجرہ نسب آنحضرت مع شجرہ نسب مصنف کتاب **خطبہ۱۰** بشارات آنحضرت کی جو توریت و انجیل میں ہیں **خطبہ۱۱** روایات شق صدر اور معراج کی تحقیق **خطبہ۱۲** جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے بارہ برس تک کے حالات + اس کتاب کے شروع میں مرحوم سرسیّد کی رنگین عکسی تصویر بھی ہے یہ کتاب نہایت خوشخط اور اعلے درجہ کے کاغذ پر طبع کی گئی ہے +

قیمت ... مجلد (للعہ) بلاجلد ... (للعہ)

قومی ماتم

یعنی جواد الدولہ عارف جنگ نجم الہند آنریبل ڈاکٹر سر سیّد احمد خاں صاحب بہادر مرحوم و مغفور کی بے نظیر زندگی کے حالات مع مجموعہ قطعات تاریخ وفات مراثی و نوحہ جات جو تمام ہندوستان کے بڑے بڑے لائق اور مشہور صاحبان نے مرحوم کی وفات حسرت آیات پر لکھے ہیں + قیمت ... ۸/

احکام طعام اہل کتاب

مُسلمانوں کو یہود اور نصاریٰ کے ساتھ کھانا کھانے کیواسطے اسلامی احکام اس میں سرسیّد مرحوم نے نہایت معتبر احادیث اور قرآن پاک کی آیات جمع کر کے اس پر بحث کی ہے نہایت خوبی سے اس بات کو ثابت کیا ہے کہ قرآن مجید اور نبی عرب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیں اس معاملہ میں کیا تعلیم دی ہے +

سرسیّد مرحوم و مغفور کے آخری مضامین

یہ وہ عالی قدر اور مقدس مضامین ہیں جو مرحوم سرسیّد نے ابتدائے یکم شوال ۱۳۱۴ھ ہجری لغایت ماہ ذیقعدہ ۱۳۱۵ھ ہجری تک نہایت افسوس کی ساتھ لکھے اور آہ لکھتے لکھتے ہی ہم سے دائمی مفارقت کر کے اپنے مالک حقیقی کی طرف تشریف لے گئے۔ راقم نے اس خیال سے کہ یہ گوہر بے بہا ضائع نہ ہو جاویں نہایت تلاش اور تجسّس جمع کر کے طبع کرایا اور یہ مضامین اسی قوم کی نام نامی پر معنون کئے جسکے واسطے وہ جگر گوشہ بتول و آل رسول عمر بھر سر توڑ کوششیں کرتا رہا۔ وطن بے وطن ہوا۔ خویش و بیگانے اپنے بیگانے کا ہدف تیر ملامت بنا۔ سختیاں سہتا رہا۔ بُرے بول سنتا رہا کبھی سودائی بنا کبھی مجنوں۔ پر حرف شکایت لب پر نہ لایا کہا تو یہی کہا کہ رب اهد قومی انهم لا یعلمون۔ قوم کی یاد میں جیا قوم کی دھن میں مرا۔ اور حب قومی کی شغف میں فنا فی القوم کا درجہ پایا اب میں دیکھتا ہوں کہ وہ قوم اس تحفہ کی کہاں تک قدر کرتی ہے + علاوہ محصول ڈاک قیمت ... ۶/

الدعاء والاستجابۃ

اس رسالہ میں دعا اور اُس کے مقبول ہونے کی حقیقت بیان کی گئی ہے اور قرآن شریف سے تمام دعائیں یکجا جمع کر دی گئی ہیں اور نہایت محققانہ بحث ہے قیمت .. ۲/

تحریر فی قصہ اصحاب الکہف و الرقیم

اس رسالہ میں اصحاب کہف کے قصہ پر جو قرآن مجید میں ہے نہایت متانت اور سنجیدگی سے محققانہ بحث کی گئی ہے + قیمت ..

فہرست مضامین کتاب تہذیب الاخلاق جلد دوم یعنی مضامین آنریبل ڈاکٹر سر سید احمد خاں صاحب بہادر کے۔ سی۔ ایس۔ آئی۔ ایل۔ ایل۔ ڈی

حصہ اوّل

مضامین اخلاق و تمدّن

حصہ دوم

مضامین مذہبی و علمی

اُن کو معلوم ہوگا کہ یہ تدبیر موجودہ حالات کے لحاظ سے غیر تسلی بخش اور ناکافی ہیں تو فاتح قوم

تہذیب الاخلاق کی اشاعت کی ضرورت

جن لوگوں نے خواجہ نصیر الدین طوسی کی کتاب اخلاق ناصری پڑھی ہے وہ اس بات کو خوب جانتے ہیں کہ تہذیب الاخلاق کیا کتاب ہے اور حکمائے کرام و علمائے عظام کی مجلس میں وہ کس عزت اور عظمت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔ لیکن جن لوگوں کو اخلاق ناصری کے دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا ہم اُن کو بتائے دیتے ہیں کہ آج سے قریباً نو سَو برس پیشتر ترکستان کے شہر رَے میں جو ایک حکیم فاضل اور اُستاد کامل ابو علی مسکویہ خازن رازی گزرا ہے یہ اُس کی تصنیف ہے اس کتاب نے مضامین کی عمدگی۔ بیان کی خوبی زبان کی سلاست کی وجہ سے ایسا حسن قبول حاصل کیا تھا کہ خواجہ نصیر جیسے شخص نے جو اپنے زمانہ کا ایک نامور عالم اور مشہور فاضل تھا جب قہستان کے حاکم امیر ناصر الدین عبد الرحیم کی پاس خاطر کتاب اخلاق ناصری مرتب کی تو فن اخلاق کے متعلق صرف اسی کتاب کے ترجمہ پر اکتفا کیا اور کسی جدید کتاب کے تصنیف کرنے کی ضرورت نہ سمجھی ؛

حصہ سوم

مضامین متفرق

اُس کو معلوم ہو گیا کہ یہ تدبیریں موجودہ حالات کے لحاظ سے غیر تسلی بخش اور ناکافی ہیں تو فاتح قوم کے عروج اور اقبال مندی کا زندہ نمونہ دیکھنے کے واسطے لندن تک کا سفر اختیار کیا۔ اُس کے حالات کو نظرِ عبرت سے دیکھا۔ اُس کی ترقی کے اسباب کو جانچا۔ پھر ان سب اسباب کا موازنہ اپنی قوم کے حالات سے کیا۔ اور اس تمام تر سفر کا نتیجہ یہ نکالا کہ **جو قوم دوسری قوم کے ماتحت رہ کر ترقی کرنا چاہے۔ عزت اور آرام سے زندگی بسر کرنے کی خواہشمند ہو۔ غیر قوموں کے سامنے اولوالعزمی کا پھریرا بلند کرنا اُس کے مدنظر ہو۔ اُس کو لازم ہے کہ فاتح قوم کی زبان اور اُن علوم کو سیکھے جو دنیا میں مفید اور بکار آمد ہوں۔ اور ایک قومی دار العلوم قائم کرے جو اِس ضرورت کے انصرام کا کفیل ہو** ۔

اب اس بزرگوار نے ہندوستان میں واپس آ کر چاہا کہ جو تجارب عظیمہ اس لمبے چوڑے سفر میں حاصل کئے ہیں قوم کو اُن سے آگاہ کرے۔ مگر قوم کو دیکھا کہ قومی سلطنت کا سایہ اُٹھ جانے سے۔ علوم و فنون کی تحصیل چھوڑ بیٹھنے سے اُس پر ادبار چھا گیا ہے۔ خواب غفلت میں پڑی اینڈ رہی ہے۔ نہ سرسری پکار سے اُس کی آنکھ کھلتی ہے۔ اور نہ معمولی جھنجوڑ سے کروٹ بدلتی ہے۔ تب ایک شیریں کلام۔ بلند آواز۔ آن بھتک طبیعت کو اُس پر متعین کیا۔ اس کی سریلی آواز میں وہ غضب کی طاقت تھی کہ جس دل میں گئی جادو کی طرح اثر کر گئی۔ جس گھر میں پہنچی مقناطیس کا کام کر دکھایا۔ سوتوں کو جگا دیا۔ مستوں کو ہوشیار کر دیا۔ مُردہ تنوں میں رُوح پھونک دی۔ زندہ دلوں کو رُوح القدس کا اثر عطا کیا۔ وہ شیریں کلام کون تھا؟ **مقدس تہذیب الاخلاق**۔ جس کی اشاعت کا انتظام درپیش ہے ۔

آہا!! یہ وہی تہذیب الاخلاق ہے :۔

جس نے مسلمانوں کی حسن معاشرت کا بیڑا اُٹھایا ۔

جس نے اسلامیوں کے اصلاح تمدن کا بارِ گراں اپنے ذمہ لیا ۔

جس نے پاک مذہب سے رسم و رواج کے اوہام باطلہ کو دُور کر دیا ۔

جس نے دنیا کو بتا دیا کہ سچا اسلام ہر قسم کی دینی و دُنیادی ترقیات کرنے کو بہمہ وجوہ آمادہ ہے ۔

جس نے غیر مذہب والوں پر ثابت کر دیا کہ اسلام ہی وہ مذہب ہے جو انسانی فطرت کے مطابق ہے ۔

جس نے عام و خاص پر ظاہر کر دیا کہ مصلحان بنی آدم میں سے جس کی شریعت دنیا کی زندگی کے ساتھ وابستہ ہے وہ نبی عرب **محمد** صلعم کی ذات بابرکات ہے ۔

جس زمانہ میں یہ کتاب تصنیف ہوئی اسلامی سلطنت کا آفتاب ترقی کے نصف النہار پر چمک رہا تھا۔ گھر گھر علم و فضل کا چرچا تھا۔ رعایا اُس کو ترقی مدارج کا ذریعہ سمجھتی تھی۔ حکام اپنی سلطنت کی زیب و زینت کا باعث تصور کرتے تھے۔ اور تو اور۔ صرف ابو علی سینا اور ابو ریحان بیرونی اس حکیم کے ہمعصروں میں دو ایسے باکمال ہو گزرے ہیں جن کا نام ایشیا اور افریقہ کی اسلامی قوموں میں عموماً اور یورپ کے تہذیب یافتہ ملکوں میں خصوصاً نہایت عزت اور توقیر کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ فاتح اور مفتوح قوم کی زبان۔ تمدن۔ معاشرت۔ علوم و فنون۔ حرفت و صنعت میں کسی قسم کی مغائرت نہ تھی۔ اس واسطے حکیم مذکور نے اس امر کو کافی سمجھا کہ وہ اپنی کتاب میں صرف نفس ناطقہ کی صفات سے بحث کرے اور اُس کے فضائل اور رذائل کے بیان سے اُس کو مکمل کرے۔ لیکن اگر ابو علی ہمارے زمانہ میں ہوتا اور دیکھتا کہ فاتح اور مفتوح قوم کی زبان میں اختلاف۔ دونوں قوموں کے تمدن اور معاشرت کا طریق جدا۔ ایک قوم کے علوم و فنون دوسری قوم کے علوم و فنون کے مقابلہ میں نقل تقویم پارینہ۔ حرفت اور صنعت کا یہ حال کہ تکلفات کی چیزیں تو بجائے خود رہیں جاقو۔ قینچی بلکہ سوئی دھاگہ تک جو ہمارے روزمرہ کے استعمال کی چیزیں ہیں ہم اُس میں غیر قوموں کے محتاج۔ تو کیا ان حالات پر یہ ممکن تھا کہ وہ علاوہ مضامین مذکورہ بالا کے ایسے مضامین درج نہ کرتا جو قوم کو تاریکیٔ جہالت کے تنگ گڑھے سے نکلنے اور ترقی کے نورانی میدان میں قدم رکھنے کا ذریعہ ہوتے ؛

خدا کا شکر ہے کہ جب ایسی کتاب کی ضرورت پیش آئی تو اُس نے اپنے فضل و کرم سے ہمارے زمانہ کے مناسب حال ایک اور ابو علی کو پیدا کر دیا جو رسائیٔ عقل اور صفائیٔ ذہن کے باعث قوم کی ضرورت سے۔ زمانہ کی رفتار سے۔ ترقی کے موانعات اور اُس کی اصلاح کی تجاویز سے ایسا ہی آگاہ ہے جو ایک مصلح قوم اور بہی خواہ مُلک کو ہونا چاہیئے۔ وہ کون؟ **آنریبل ڈاکٹر سر سید احمد خاں بہادر کے۔ سی۔ ایس۔ آئی۔ ایل۔ ایل۔ ڈی۔** اس مرد خدا نے جب سے دُنیا کی زندگانی میں قدم رکھا اور قوم کی موجودہ حالت کو دیکھ کر معلوم کیا کہ یہی قوم ہے کہ ایک زمانہ میں علم و فضل۔ حرفت و صنعت۔ تجارت و حکمرانی میں ترقی کے اعلےٰ درجہ پر پہنچی ہوئی تھی یا اب وہی قوم ہے کہ ترقیات کو اس سے ایسی مغائرت ہے جو ایمان کو کفر سے۔ یا نور کو ظلمت سے۔ یا آبادی کو ویرانہ سے۔ تو ان حالات سے اُس کا جی بھر آیا۔ اور ہمہ تن اُس کی حل مشکلات میں مصروف ہو گیا۔ اور جو کچھ ہو سکتا تھا ہر سو اُس پر سوچا کیا۔ دل اور دماغ سے۔ قلم اور زبان سے۔ مال اور جان سے جو مدد مل سکتی تھی وہ ساری اُس پر صرف کر دی۔ اور آخر کو ایک سوسائٹی قائم کی۔ اخبار جاری کیا۔ علمی کتابوں کے ترجمے کرا کر شائع کئے۔ مگر جب تھوڑے عرصہ کے تج

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حِصّۂ اوّل

مضامین اخلاقی و تمدّنی

تمہید

اِس پرچہ کے اجرا سے مقصد یہ ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کو کامل درجہ کی سولیزیشن یعنی تہذیب اختیار کرنے پر راغب کیا جاوے تاکہ جس حقارت سے سولیزڈ یعنی مہذب قومیں اُن کو دیکھتی ہیں وہ رفع ہو اور وہ بھی دنیا میں معزز و مہذب قوم کہلاویں ٭

سولیزیشن انگریزی لفظ ہے جس کا تہذیب ہم نے ترجمہ کیا ہے مگر اِس کے معنی نہایت وسیع ہیں اُس سے مُراد ہے انسان کے تمام افعال ارادی اور اخلاق اور معاملات اور معاشرت اور تمدّن اور طریقہ تمدّن اور صَرفِ اوقات اور علوم اور ہر قسم کے فنون و ہنر کو اعلےٰ درجہ کی عُمدگی پر پہُنچانا اور اُن کو نہایت خوبی اور خوش اسلوبی سے برتنا جس سے اصلی خوشی اور جسمانی خوبی ہوتی ہے اور تمکّن اور وقار اور قدر و منزلت حاصل کی جاتی ہے اور وحشیانہ پن اور انسانیت میں تمیز نظر آتی ہے ٭

یہ بات نہایت سچ ہے کہ کسی قوم کے مہذب ہونے میں اُس قوم کے مذہب کو بھی بڑا دخل ہے بے شک بعضے مذہب ایسے ہیں کہ وہ تہذیب قومی کے بڑے مانع ہیں پس اَب دیکھنا چاہئے کہ کیا مسلمانی مذہب بھی ایسا ہی ہے ٭

ہاں کتاب تو ایسی ہی ہے مگر اب کہاں۔ کچھ تو پہلے ہی گنتی کے نسخے چھپا کرتے تھے
اور اب بیس۲۰ برس کی مدت نے اُس کو اور ناپید کر دیا۔ اگر کہیں اتفاقیہ بکتی ہوئی مل بھی جائے تو کچھ
عام کو اُس کی خریداری اور نفیس طبائع کو اُس کی گرانباری متعذر۔ غریب آدمی ۱۸ کہاں سے
لائے اور امیر آدمی اُس کی سات جلدوں کی ورق گردانی کا کس طرح متحمل ہو۔ پس سہولت اِس کی
مقتضی ہوئی ہے کہ کُل اولڈ اڈیشن (عہد عتیق) چار حصوں میں شائع کیا جائے۔ اور ہر حصہ کی
قیمت حسب ذیل اور ترتیب مضامین کے لحاظ سے تفصیل حصص یوں ہے:-

پہلے حصہ میں نواب محسن الملک محسن الدولہ مولوی سید مہدی علی خان صاحب بہادر
منیر نواز جنگ کے مضامین۔ قیمت تین (للعہ۳) روپیہ۔

دوسرے حصہ میں عالی جناب آنریبل ڈاکٹر سر سیّد احمد خاں صاحب بہادر
کے۔ سی۔ ایس۔ آئی کے کُل مضامین۔ قیمت تین (للعہ) روپے۔ (۹۹ مضامین)

تیسرے حصہ میں نواب اعظم یار جنگ مولوی محمد چراغ علی خاں صاحب بہادر مرحوم
کے مضامین۔ قیمت (عہ) ڈیڑھ روپیہ۔

چوتھے حصہ میں نواب انتصار جنگ مولوی مشتاق حسین۔ مولوی الطاف حسین حالی۔
شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ۔ مولوی مہدی حسن۔ سید محمود وغیرہ صاحبان کے مضامین۔
قیمت (۱۲)

خـــــــــادم قوم

خاکسار **فضل الدین** تاجر کتب قومی و مالک اخبار اشاعت لاہور بازار کشمیری

کرنے والا اور ذلت میں ڈالنے والا ہے[1]"۔

پس اب کیا یہ غیرت کی بات نہیں ہے کہ ہم غیر قوموں سے ایسی حقارت کے الفاظ اپنی نسبت اور اپنے روشن اور سچے مذہب کی نسبت سنیں اور اپنی تہذیب و تربیت و شائستگی کی طرف متوجہ نہ ہوں ۔

یہ سب ہی ہو سکتا ہے جبکہ ہم فواد پاشا کی رائے کو جو بڑے بڑے عقلاء اور علماء کے اتفاق سے لکھی گئی ہے اختیار کریں اور بخوبی ہوشیار ہو کر نیک دلی اور غور سے اپنی حالت پر خیال کریں اور جو رسوم و عادات اب ہم میں موجود ہیں اور جو مانع تہذیب ہیں اُن کو دیکھیں کہ وہ کہاں سے آئیں اور کیونکہ ہم میں مل گئیں اور یا کیونکر خود ہم میں پیدا ہو گئیں اور اُن میں جون جون سی ناقص اور خراب اور مانع تہذیب ہوں اُن کو ترک کریں اور جو قابل اصلاح ہوں اُن کی اصلاح کریں اور ہر ایک بات کو اپنے مذہبی مسائل کے ساتھ مقابلہ کرتے جاویں کہ وہ ترک یا اصلاح موافق احکام شریعت بیضا کے ہے یا نہیں تاکہ ہم اور ہمارا مذہب دونوں غیر قوموں کی حقارت اور اُن کی نظروں کی ذلت سے بچے کہ اس سے زیادہ ثواب کا کوئی کام اس زمانہ میں نہیں ہے ۔

یہی ہمارا مطلب اپنے ہندوستان کے مسلمان بھائیوں سے ہے اور اسی مقصد کے لئے یہ پرچہ جاری کرتے ہیں تاکہ بذریعہ اس پرچہ کے جہاں تک ہم سے ہو سکے اُن کے دین دنیا کی بھلائی میں کوشش کریں اور جو نقصان ہم میں ہیں گو ہم کو نہ دکھائی دیتے ہوں مگر غیر قومیں اُن کو بخوبی دیکھتی ہیں اُن سے اُن کو مطلع کریں اور جو عمدہ باتیں اُن میں ہیں ترقی کرنے کی اُن کو رغبت دلاویں۔ واللہ ولی التوفیق ۔

السعی منی والاتمام من اللہ تعالیٰ۔ اللھم آمین ثم آمین ۔

رسم و رواج

جو لوگ کہ حسن معاشرت اور تہذیب اخلاق و شائستگی عادات پر بحث کرتے ہیں اُن کے لئے کسی ملک یا قوم کے کسی رسم و رواج کو اچھا اور کسی کو برا ٹھہرانا نہایت مشکل کام ہے۔ ہر ایک قوم اپنے ملک کے رسم و رواج کو پسند کرتی ہے اور اسی میں خوش رہتی ہے کیونکہ جن باتوں کی بچپن سے عادات اور موانست ہو جاتی ہے وہی دل کو بھلی معلوم ہوتی ہیں لیکن اگر ہم اسی پر اکتفا کریں تو اس کے

[1] یہ مت سمجھو کہ اس مصنف کا صرف یہ قول ہی قول ہے بلکہ حالات اور اطوار و عادات موجودہ اہل اسلام سے اس کا ثبوت بھی ہے اور جب اُن سب کو لکھا جاوے تو بجز رونے کے اور کچھ چارہ نہیں۔ اپنی ٹانگ کھولئے اور آپ ہی لاجوں مریئے ۔ منہ

اس باب میں مختلف رائیں ہیں۔ ایک عیسائی متعصب مورخ نے ٹرکی یعنی روم کی سیر کے بعد اپنے سفرنامہ میں لکھا ہے کہ ٹرک جب تک مذہب اسلام کو نہ چھوڑینگے مہذب نہ ہونگے کیونکہ مذہب اسلام انسان کی تہذیب کا مانع قوی ہے ÷

سلطان عبدالعزیز خاں سلطان روم کو جو بالفعل بادشاہ ہے اس بات کی تحقیقات منظور ہوئی کہ درحقیقت مذہب اسلام مانع تہذیب ہے یا نہیں اور چند علماء اور عقلاء اور وزراء کی کونسل اس امر کی نسبت رائے لکھنے کو مقرر کی جس کا افسر فواد پاشا تھا اس کونسل نے جو رپورٹ لکھی اس کے دو فقروں کا ترجمہ اس مقام پر لکھا جاتا ہے ÷

"اسلام میں وہ سب سچی باتیں ہیں جو کہ دنیا کی ترقی کو حاصل کرنے والی اور انسانیت اور تہذیب اور رحمدلی کو کمال کے درجہ پر پہنچانے والی ہیں مگر ہم کو اپنی بہت سی رسوم و عادات کو جو اگلے زمانہ میں مفید تھیں مگر حال کے زمانہ میں نہایت مضر ہو گئی ہیں چھوڑنا چاہیئے" ÷

اب دونوں رایوں میں سے کسی ایک رائے کا سچ کر کر دکھا دینا مسلمانوں کے اختیار میں ہے اگر وہ اپنے عملی کاموں سے مثل اور دنیا کی مہذب قوموں کے اپنے تئیں بھی مہذب کر دکھاوینگے تو فواد پاشا کی رائے کی تصدیق کرینگے ورنہ از خود اس پہلی رائے کی تصدیق ہوگی ÷

ایک اور انگریزی مورخ ہندوستان کے مسلمانوں کی موجودہ حالت کی نسبت یہ لکھتا ہے کہ "ہندوستان کے مسلمان ذلیل ترین امت محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) سے ہیں اور قرآن کے مسئلوں اور ہندوستان کی بت پرستی سے مل ملا کر ان کا مذہب ایک عجیب مجموعہ ہو گیا ہے" ÷

ہماری سمجھ میں فواد پاشا کی رائے اور اس پچھلے انگریزی مورخ کا بیان بالکل درست ہے ہم مسلمانوں میں بہت سے پرانے قصے یہودیوں کے اور بہت سی باتیں اور خیالات اور اعتقادات رومن کیتھلک کے جو ایک قدیم عیسائی فرقہ ہے اور جو مدت سے عرب میں بھی موجود تھا اور بہت سی رسمیں اور عادتیں ہندوؤں کی مل گئی ہیں اور مزید برآں بہت سی باتیں خود ہماری طبیعتوں یا ہماری غلط فہمیوں نے پیدا کی ہیں جو درحقیقت مذہب اسلام میں نہیں ہیں اور اسی سبب سے مسلمانوں کی عجیب حالت ہو گئی ہے اور یہی باعث ہے کہ غیر قومیں ہماری اس ہیئت مجموعی پر خیال کر کر اس مجموعہ کو مذہب اسلام قرار دیتی ہیں اور اس کی نسبت نہایت حقارت کی رائے دیتی ہیں جیسے کہ ایک انگریزی مورخ نے مفصلہ ذیل رائے لکھی ہے ÷

"عیسائیت اس بڑی سے بڑی خوشی کے جو قادر مطلق نے انسان کو دی ہے صرف موافق اور مطابق ہی نہیں ہے بلکہ اس کو ترقی دینے والی ہے اور برخلاف اس کے اسلام اس کو نیست

کچھ شبہ نہیں ہے کہ جو عادتیں اور رسمیں قوموں میں مروج ہیں اُن کا رواج یا تو ملک کی آب و ہوا کی خاصیت سے ہوا ہے یا اُن اتفاقیہ امور سے جن کی ضرورت وقتاً فوقتاً بضرورت تمدن و معاشرت کے پیش آتی گئی ہے یا دوسری قوم کی تقلید و اختلاط سے مروج ہو گئی ہیں یا انسان کی حالت ترقی یا تنزل نے اُس کو پیدا کر دیا ہے۔ پس ظاہرا یہی چار سبب ہر ایک قوم اور ہر ایک ملک میں رسوم و عادات کے مروج ہونے کا مبداء و منشاء معلوم ہوتے ہیں ❊

جو رسوم و عادات کہ بمقتضائے آب و ہوا کسی ملک میں رائج ہوئی ہیں اُن کے صحیح اور درست ہونے میں کچھ شبہ نہیں کیونکہ وہ عادتیں قدرت اور فطرت نے اُن کو سکھلائی ہیں جس کے سچ ہونے میں کچھ شک نہیں مگر صرف اُن کے برتاؤ کا طریقہ غور طلب باقی رہتا ہے ❊

مثلاً ہم یہ بات دیکھتے ہیں کہ کشمیر میں اور لندن میں سردی کے سبب انسان کو آگ سے گرم ہونے کی ضرورت ہے۔ پس آگ کا استعمال ایک نہایت سچی اور صحیح عادت دونوں ملکوں کی قوموں میں ہے مگر اب ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ آگ سے استعمال کے لیئے یہ بات بہتر ہے کہ مکانات میں ہندسی قواعد سے آتش خانہ بنا کر آگ کی گرمی سے فائدہ اُٹھاویں یا مٹی کی کانگڑیوں میں آگ جلا کر گردن میں لٹکائے پھریں جس سے گورا گورا پیٹ اور سینہ کالا اور بھونڈا ہو جاوے ❊

طریق تمدن و معاشرت روز بروز انسانوں میں ترقی پاتا جاتا ہے اور اس لیئے ضرور ہے کہ ہماری رسمیں و عادتیں جو بضرورت تمدن و معاشرت مروج ہوئی تھیں اُن میں بھی روز بروز ترقی ہوتی جاوے اور اگر ہم اپنی اُن پہلی ہی رسموں اور عادتوں کے پابند رہیں اور کچھ ترقی نہ کریں تو بلاشبہ بمقابل اُن قوموں کے جنہوں نے ترقی کی ہے ہم ذلیل اور خوار ہونگے اور مثل جانوروں کے خیال کیئے جاوینگے۔ پھر خواہ اس نام سے ہم برا مانیں یا نہ مانیں انصاف کا مقام ہے کہ جب ہم اپنے سے کمتر اور ناتربیت یافتہ قوموں کو ذلیل و حقیر مثل جانوروں کے خیال کرتے ہیں تو جو قومیں کہ ہم سے زیادہ شائستہ و تربیت یافتہ ہیں اگر وہ بھی ہم کو اسی طرح حقیر اور ذلیل مثل جانوروں کے سمجھیں تو ہم کو کیا مقام شکایت ہے ہاں اگر ہم کو غیرت ہے تو ہم کو اس حالت سے نکلنا اور اپنی قوم کو نکالنا چاہیئے ❊

دوسری قوموں کی رسومات کا اختیار کرنا اگرچہ بے تعصبی اور دانائی کی دلیل ہے مگر جب وہ رسمیں اندھے پنے سے صرف تقلیداً بغیر سمجھے بوجھے اختیار کی جاتی ہیں تو کافی ثبوت نادانی اور حماقت کا ہوتی ہیں دوسری قوموں کی رسومات اختیار کرنے میں اگر ہم دانائی اور ہوشیاری سے کام کریں تو اس قوم سے زیادہ فائدہ اُٹھا سکتے ہیں اس لیئے کہ ہم کو اُس رسم سے تو موانست نہیں ہوتی اور اس سبب سے اُس کی حقیقی بھلائی یا برائی پر غور کرنے کا بشرطیکہ ہم تعصب کو کام میں نہ لاویں بہت اچھا موقع ملتا ہے اُس قوم کے حالات دیکھنے سے جس میں وہ رسم جاری ہے ہم کو بہت

معنی یہ ہو جاوینگے کہ بھلائی اور برائی حقیقت میں کوئی چیز نہیں ہے بلکہ صرف عادت پر موقوف ہے جس چیز کا رواج ہو گیا عادت پڑ گئی وہی اچھی ہے اور جس کا رواج نہ ہوا اور عادت نہ پڑی وہی بری ہے ٭

مگر یہ بات صحیح نہیں۔ بھلائی اور برائی فی نفسہٖ مستقل چیز ہے رسم و رواج سے البتہ یہ بات ضرور ہوتی ہے کہ کوئی اُس کے کرنے پر نام نہیں دھرتا عیب نہیں لگاتا کیونکہ سب کے سب اُس کو کرتے ہیں مگر ایسا کرنے سے وہ چیز اگر فی نفسہٖ بری ہے تو اچھی نہیں ہو جاتی۔ پس ہم کو صرف اپنے ملک یا اپنی قوم کی رسومات کے اچھے ہونے پر بھروسہ کر لینا نہ چاہئیے بلکہ نہایت آزادی اور نیک دلی سے اُس کی اصلیت کا امتحان کرنا چاہئیے تاکہ اگر ہم میں کوئی ایسی بات ہو جو حقیقت میں بد ہو اور بسبب رسم و رواج کے ہم کو اُس کی بدی خیال میں نہ آتی ہو تو معلوم ہو جاوے اور وہ بدی ہمارے ملک یا قوم سے جاتی رہے ٭

البتہ یہ کہنا درست ہوگا کہ ہر گاہ معیوب اور غیر معیوب ہونا کسی بات کا زیادہ تر اُس کے رواج و عدم رواج پر منحصر ہو گیا ہے تو ہم کس طرح کسی امر کے رسم و رواج کو اچھا یا برا قرار دے سکینگے۔ بلاشبہ یہ بات کسی قدر مشکل ہے مگر جبکہ یہ تسلیم کر لیا جاوے کہ بھلائی یا برائی فی نفسہٖ بھی کوئی چیز ہے تو ضرور ہر بات کی فی الحقیقت بھلائی یا برائی قرار دینے کے لئے کوئی نہ کوئی طریقہ ہوگا پس ہم کو اس طریقہ کے تلاش کرنے اور اُسی کے مطابق اپنی رسوم و عادات کی بھلائی یا برائی قرار دینے کی پیروی کرنی چاہئیے ٭

سب سے مقدم اور سب سے ضروری امر اس کام کے لئے یہ ہے کہ ہم اپنے دل کو تعصبات سے اور ان تاریک خیالوں سے جو انسان کو سچی بات کے سننے اور کرنے سے روکتے ہیں خالی کریں اور اُس دلی نیکی سے جو خدا تعالےٰ نے انسان کے دل میں رکھی ہے ہر ایک بات کی بھلائی یا برائی دریافت کرنے پر متوجہ ہوں ٭

یہ بات ہم کو اپنی قوم اور اپنے ملک اور دوسری قوم اور دوسرے ملک دونوں کے رسم و رواج کے ساتھ برتنی چاہئیے تاکہ جو رسم و عادت ہم میں بھلی ہے اُس پر مستحکم رہیں اور جو ہم میں بری ہے اُس کے چھوڑنے پر کوشش کریں۔ اور جو رسم و عادت دوسروں میں اچھی ہے اُس کو بلا تعصب اختیار کریں اور جو اُن میں بری ہے اُس کے اختیار کرنے سے بچتے رہیں ٭

جب کہ ہم غور کرتے ہیں کہ تمام دنیا کی قوموں میں جو رسوم و عادات مروج ہیں اُنہوں نے کس طرح ان قوموں میں رواج پایا ہے تو باوجود مختلف ہونے اُن رسومات و عادات کے اُن کا مبدا اور منشا متحد معلوم ہوتا ہے ٭

اُن کا پاک اور روشن ہزاروں حکمتوں سے بھرا ہوا مذہب ہے اُسی طرح اپنی رسومات معاشرت و تمدّن کو بھی عُمدہ اور پاک و صاف کریں اور جو کچھ نقصانات اُس میں ہیں گو وہ کسی وجہ سے ہوں اُن کو دور کریں ✤

اِس تحریر سے یہ نہ سمجھا جاوے کہ میں اپنے تئیں اُن بدعادتوں سے پاک و مبرّا سمجھتا ہوں یا اپنے تئیں نمونہ عادات حسنہ جتاتا ہوں یا خود ان امور میں مقتدا بننا چاہتا ہوں۔ حاشا وکلاّ۔ بلکہ میں بھی ایک فرد اُنہیں افراد میں سے ہوں جن کی اصلاح دلی مقصود ہے بلکہ میرا مقصد صرف متوجہ کرنا اپنے بھائیوں کا اپنی اصلاح حال پر ہے اور خدا سے اُمید ہے کہ جو لوگ اصلاح حال پر متوجہ ہونگے سب سے اوّل اُن کا چیلہ اور اُن کی پیروی کرنے والا میں ہونگا البتہ مثل مخمور کے خراب حالت میں چلا جانا اور روز بروز بدتر درجہ کو پہنچتا جانا اور نہ اپنی عزت کا اور نہ قومی عزت کا خیال و پاس رکھنا اور جھوٹی شیخی اور بیجا غرور میں پڑے رہنا مجھ کو پسند نہیں ہے ✤

ہماری قوم کے نیک اور مقدس لوگوں کو کبھی کبھی یہ غلط خیال آتا ہے کہ تہذیب اور حسن معاشرت و تمدّن صرف دنیاوی امور ہیں جو صرف چند روزہ ہیں اگر اُن میں ناقص ہوئے تو کیا اور کامل ہوئے تو کیا اور اُس میں عزت حاصل کی تو کیا اور ذلیل رہے تو کیا۔ مگر اُن کی اِس رائے میں قصور ہے اور اُن کی نیک دلی اور سادہ مزاجی اور تقدس نے اُن کو اس عام فریب غلطی میں ڈالا ہے جو اُن کے خیالات ہیں اُن کی صحت اور اصلیت میں کچھ شبہ نہیں مگر انسان امور متعلق تمدّن و معاشرت سے کسی طرح علیحدہ نہیں ہو سکتا اور نہ شارع کا مقصود اُن تمام امور کو چھوڑنے کا تھا کیونکہ قواعد قدرت سے یہ امر غیر ممکن ہے پس اگر ہماری حالت تمدّن و معاشرت ذلیل اور معیوب حالت پر ہوگی تو اُس سے مسلمانوں کی قوم پر عیب اور ذلت عائد ہوگی اور وہ ذلت صرف اُن افراد اور اشخاص پر منحصر نہیں رہتی بلکہ اُن کے مذہب پر منجر ہوتی ہے کیونکہ یہ بات کہی جاتی ہے کہ مُسلمان یعنی وہ گروہ جو مذہب اسلام کا پیرو ہے نہایت ذلیل و خوار ہے پس اس میں درحقیقت ہمارے افعال و عادات قبیحہ سے اسلام کو اور مُسلمانی کو ذلت ہوتی ہے پس ہماری دانست میں مسلمانوں کی حسن معاشرت اور خوبئے تمدّن اور تہذیب اخلاق اور تربیت و شائستگی میں کوشش کرنا حقیقت میں ایک ایسا کام ہے جو دنیاوی امور سے جس قدر متعلق ہے اُس سے بہت زیادہ معاد سے علاقہ رکھتا ہے اور جس قدر فائدے کی اُس سے ہم کو اس دنیا میں توقع ہے اُس سے بہت بڑھ کر اُس دنیا میں ہے جس کو کبھی فنا نہیں ✤

عُمدہ مثالیں سینکڑوں برس کے تجربہ کی ملتی ہیں جو اُس رسم کے اچھے یا بُرے ہونے کا قطعی تصفیہ کر دیتی ہیں * مگر یہ بات اکثر جگہ موجود ہے کہ ایک قوم کی رسمیں دوسری قوم میں بسبب اختلاط اور ملاپ کے اور بغیر قصد و ارادہ کے اور اُن کی بھلائی اور بُرائی پر غور و فکر کرنے کے بغیر داخل ہو گئی ہیں جیسے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کا بالتخصیص حال ہے کہ تمام معاملات زندگی بلکہ بعض امورات مذہبی میں بھی ہزاروں رسمیں غیر قوموں کی بلا غور و فکر اختیار کر لی ہیں یا کوئی نئی رسم مشابہ اُس قوم کی رسم کے ایجاد کر لی ہے مگر جب ہم چاہتے ہیں کہ ہم اپنے طریق معاشرت اور تمدّن کو اعلےٰ درجہ کی تہذیب پر پہنچا دیں تاکہ جو قومیں ہم سے زیادہ مہذب ہیں وہ ہم کو بنظر حقارت نہ دیکھیں تو ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنی تمام رسوم و عادات کو بنظرِ تحقیق دیکھیں اور جو بُری ہوں اُن کو چھوڑیں اور جو قابل اصلاح ہوں اُن میں اصلاح کریں *

جو رسومات کہ بسبب حالت ترقی یا تنزّل کسی قوم کے پیدا ہوتی ہیں وہ رسمیں ٹھیک ٹھیک اُس قوم کی ترقی اور تنزل یا عزت اور ذلت کی نشانی ہوتی ہیں *

اِس مقام پر ہم نے لفظ ترقی یا تنزّل کو نہایت وسیع معنوں میں استعمال کیا ہے اور تمام قسم کے حالات ترقی و تنزّل مراد لئے ہیں خواہ وہ ترقی و تنزّل اخلاق سے متعلق ہو خواہ علوم و فنون اور طریقِ معاشرت و تمدّن سے اور خواہ مُلک و دولت و جاہ و حشمت سے *

بلاشُبہ یہ بات تسلیم کرنے کے قابل ہے کہ دنیا میں کوئی قوم ایسی نہیں نکلنے کی جس کی تمام رسمیں اور عادتیں عیب اور نقصان سے خالی ہوں مگر اتنا فرق بے شک ہے کہ بعضی قوموں میں ایسی رسومات اور عادات جو درحقیقت نفس الامر میں بُری ہوں کم ہیں اور بعضی میں زیادہ اور اسی وجہ سے وہ پہلی قوم پچھلی قوم سے اعلےٰ اور معزز ہے اور بعضی ایسی بھی قومیں ہیں جنہوں نے انسان کی حالت ترقی کو نہایت اعلےٰ درجہ تک پُہنچایا ہے اور اس حالتِ انسانی کی ترقی نے اُن کے نقصانوں کو چھپا لیا ہے جیسے ایک نہایت عمدہ و نفیس شیریں دریا تھوڑے سے گدلے اور کھاری پانی کو چھپا لیتا ہے یا ایک نہایت لطیف شربت کا بھرا ہوا پیالہ نیبو کی کھٹی دو دو بوندوں سے زیادہ تر لطیف اور خوشگوار ہو جاتا ہے اور یہی قومیں ہیں جو اَب دنیا میں سویلیزڈ یعنی مہذب گنی جاتی ہیں اور درحقیقت اس لقب کی مستحق بھی ہیں *

میری دلسوزی اپنے ہم مذہب بھائیوں کے ساتھ اسی وجہ سے ہے کہ میری دانست میں ہم مسلمانوں میں بہت سی رسمیں جو درحقیقت نفس الامر میں بُری ہیں مروّج ہو گئی ہیں جن میں سے ہزاروں ہمارے پاک مذہب کے بھی برخلاف ہیں اور انسانیت کے بھی مخالف ہیں اور تہذیب و تربیت و شائستگی کے بھی برعکس ہیں اور اس لئے میں ضرور سمجھتا ہوں کہ ہم سب لوگ تعصب اور ضد اور نفسانیت کو چھوڑ کر اُن بُری رسموں اور بدعادتوں کے چھوڑنے پر مائل ہوں اور جیسا کہ

ہوجاتی ہے اور جو کچھ اُس میں سمائی ہوئی ہے اُس کے سوا اَور کسی بات کے سمجھنے کی اُس میں طاقت اور قوت نہیں رہتی۔ وہ ایک ایسے جانور کی مانند ہوجاتا ہے کہ اُس کو جو کچھ بالطبع آتا ہے اُس کے سوا اَور کسی چیز کی تعلیم و تربیت کے قابل نہیں ہوتا ؛

بہت سی قومیں ہیں جو اپنے تعصب کے باعث سے تمام باتوں میں کیا اخلاق میں اور کیا علم و ہُنر میں اور کیا فضل و دانش میں اور کیا تہذیب و شائستگی میں اور کیا جاہ و حشمت اور مال و دولت میں اعلےٰ درجہ سے نہایت پست درجۂ مذلت اور خواری کو پہنچ گئی ہیں۔ اور بہت سی قومیں ہیں جنہوں نے اپنی بے تعصبی سے ہر جگہ اور ہر قوم سے اچھی اچھی باتیں اخذ کیں اور ادنےٰ درجہ سے ترقی کے اعلےٰ سے اعلےٰ درجہ پر پہنچ گئیں ؛

مجھ کو اپنے مُلک کے بھائیوں پر اس بات کی بدگمانی ہے کہ وہ بھی تعصب کی بدخصلت میں گرفتار ہیں اور اس سبب سے ہزاروں قسم کی بھلائیوں کے حاصل کرنے سے اور دنیا میں اپنے تئیں ایک معزز قوم کو دکھانے سے محروم اور ذلت اور خواری اور بے علمی اور بے ہُنری کی مصیبت میں گرفتار ہیں اور اسی لئے میری خواہش ہے کہ وہ اِس بدخصلت سے نکلیں اور علم و فضل اور ہُنر و کمال کے اعلےٰ درجہ کی عزت تک پہنچیں ؛

ہم مسلمانوں میں ایک غلطی یہ پڑی ہے کہ بعضی دفعہ ایک غلط نما نیکی کے جذبہ سے تعصب کو اچھا سمجھتے ہیں اور جو شخص اپنے مذہب میں بڑا متعصب ہو اور تمام شخصوں کو جو اُس مذہب کے نہیں ہیں اور تمام اُن علوم اور فنون کو جو اُس مذہب کے لوگوں میں نہیں ہیں نہایت حقارت سے دیکھے اور بُرا سمجھے اُس شخص کو نہایت قابل تعریف اور توصیف کے اور بڑا پختہ اور پکا اپنے مذہب میں سمجھتے ہیں مگر ایسا سمجھنا سب سے بڑی غلطی ہے جس نے حقیقت میں مسلمانوں کو برباد کر دیا ہے ؛

ہمارا مذہب اور مذہبی علوم اور دنیا اور دنیاوی علوم بالکل علیحدہ علیحدہ چیزیں ہیں پس بڑی نادانی ہے جو دنیاوی علوم اور فنون کے سیکھنے میں کسی قسم کے تعصب مذہبی کو کام میں لاویں ؛

اگر یہ خیال ہو کہ اُن دنیاوی علوم کے سیکھنے سے ہمارے عقائد مذہبی میں سستی آتی ہے کیونکہ مذہبی مسائل اُن دنیاوی علوم کے پڑھنے سے مشتبہ یا غلط معلوم ہوتے ہیں تو نہایت ہی افسوس کا مقام ہے کہ مسلمان اپنے ایسے روشن اور مستحکم سچے مذہب کو ایسا ضعیف اور کمزور سمجھتے ہیں کہ دنیاوی علوم کی ترقی سے اُس کی برہمی کا خیال کرتے ہیں۔ نعوذ باللہ منہا۔ مذہب اسلام ایسا مستحکم اور سچا مذہب ہے کہ جس قدر دینی اور دنیاوی علوم کی ترقی ہوتی جاویگی اُسی قدر اُس کی سچائی زیادہ تر ثابت ہوگی ؛

تعصّب

انسان کی بدترین خصلتوں میں سے تعصّب بھی ایک بدترین خصلت ہے۔ یہ ایسی بدخصلت ہے کہ انسان کی تمام نیکیوں اور اُس کی تمام خوبیوں کو غارت اور برباد کرتی ہے متعصب گو اپنی زبان سے نہ کہے مگر اُس کا طریقہ یہ بات جتلاتا ہے کہ عدل و انصاف کی خصلت جو عمدہ ترین خصائل انسانی سے ہے اُس میں نہیں ہے۔ متعصب اگر کسی غلطی میں پڑتا ہے تو اپنے تعصب کے سبب اُس غلطی سے نکل نہیں سکتا کیونکہ اُس کا تعصب اُس کے برخلاف بات کے سُننے اور سمجھنے اور اُس پر غور کرنے کی اجازت نہیں دیتا اور اگر وہ کسی غلطی میں نہیں ہے بلکہ سچّی اور سیدھی راہ پر ہے تو اُس کے فائدے اور اُس کی نیکی کو پھیلنے اور عام ہونے نہیں دیتا کیونکہ اُس کے مخالفوں کو اپنی غلطی پر متنبہ ہونے کا موقع نہیں ملتا۔

تعصب انسان کو ہزار طرح کی نیکیوں کے حاصل کرنے سے باز رکھتا ہے اکثر دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ انسان کسی کام کو نہایت عمدہ اور مفید سمجھتا ہے مگر صرف تعصب سے اُس کو اختیار نہیں کرتا اور دیدہ و دانستہ بُرائی میں گرفتار اور بھلائی سے بیزار رہتا ہے۔

مذہبی تعصبات کی نسبت بھی ہم کچھ تھوڑا سا بیان کرینگے۔ مگر اوّل امور تمدن و معاشرت میں جو نقصان تعصب سے پیدا ہوتے ہیں اُن کا ذکر کرتے ہیں۔

انسان قواعد قدرت کے مطابق مدنی الطبع پیدا ہوا ہے وہ تنہا اپنی حوائج ضروری کو مہیّا نہیں کرسکتا اُس کو ہمیشہ مددگاروں اور معاونوں کی جو دوستی اور محبت سے ہاتھ آتے ہیں ضرورت ہوتی ہے مگر متعصب بسبب اپنے تعصب کے تمام لوگوں سے منحرف اور بیزار رہتا ہے اور کسی کی دوستی اور محبت کی طرف بجز اُن چند لوگوں کے جو اُس کے ہم رائے ہیں مائل نہیں ہوتا۔ عقل اور قواعد قدرت کا مقتضا یہ معلوم ہوتا ہے کہ امور متعلق تمدن و معاشرت میں جو باتیں زیادہ منفعت اور زیادہ آرام اور زیادہ لیاقت اور زیادہ عزت کی ہیں اُن کو انسان اختیار کرے مگر متعصب اُن سب نعمتوں سے محروم رہتا ہے۔

ہنر اور فن اور علم ایسی عمدہ چیزیں ہیں کہ ان میں سے ہر ایک چیز کو نہایت اعلےٰ درجہ تک حاصل کرنا چاہیئے مگر متعصب اپنی بدخصلت سے ہر ایک ہنر اور فن اور علم کے اعلےٰ درجہ تک پہنچنے سے محروم رہتا ہے۔

وہ اُن تمام دلچسپ اور مفید باتوں سے جو نئی تحقیقات سے اور نئے علوم اور فنون سے حاصل ہوتی ہیں محض جاہل اور ناواقف رہتا ہے اُس کی عقل اور اُس کے دماغ کی قوت محض بیکار

دغابازی اور فریب و مکاری کی اپنے میں پیدا کرتا ہے ٭

دنیا میں کوئی قوم ایسی نہیں ہے جس نے خود ہی تمام کمالات اور تمام خوبیاں اور خوشیاں حاصل کی ہوں بلکہ ہمیشہ ایک قوم نے دوسری قوم سے فائدہ اٹھایا ہے مگر متعصب شخص ان نعمتوں سے بدنصیب رہتا ہے ٭

علم میں اُس کو ترقی نہیں ہوتی۔ ہُنر و فن میں اُس کو دستگاہ نہیں ہوتی۔ دنیا کے حالات سے وہ ناواقف رہتا ہے۔ عجائبات قدرت کے دیکھنے سے محروم ہوتا ہے۔ حصول معاش اور دنیاوی عزت اور تموّل مثل تجارت وغیرہ کے وسیلے جاتے رہتے ہیں اور رفتہ رفتہ تمام دنیا کے انسانوں میں روز بروز ذلیل اور خوار اور حقیر و ناچیز ہوتا جاتا ہے ٭

اُس کی مثال ایک ایسے جانور کی ہوتی ہے جو اپنے ریوڑ میں ٹارہتا ہے اور نہیں جانتا کہ اُس کے اور ہمجنس کیا کر رہے ہیں۔ بُلبل کیا چہچہاتی ہے اور قمری کیا غل مچاتی ہے۔ بیا کیا بُن رہا ہے اور مکھی کیا چُن رہی ہے ٭

وہ بجز کوڑے پر کی گھانس چرنے کے اور کچھ نہیں جانتا کہ باغ کیوں بنا ہے اور پھول کیوں کھلا ہے۔ نرگس کیا دیکھتی ہے اور انگور کی تاک کیا تاکتی ہے ٭

تعصب میں سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ جب تک وہ نہیں جاتا کوئی ہُنر و کمال اُس میں نہیں آتا۔ تربیت و شائستگی۔ تہذیب و انسانیت کا مطلق نشان نہیں پایا جاتا اور جبکہ وہ مذہبی غلط شناسیکی کے پردہ میں ظہور کرتا ہے تو اور بھی سمّ قاتل ہوتا ہے کیونکہ مذہب سے اور تعصب سے کچھ تعلق نہیں ہے انسان کے خراب و برباد کرنے کے لئے شیطان کا سب سے بڑا داؤں تعصب کو مذہبی رنگت سے دل میں ڈالنا اور اس تاریکی کے فرشتہ کو روشنی کا فرشتہ کر کر دکھلانا ہے ٭

پس میری التجا اپنے بھائیوں سے یہ ہے کہ ہمارا خدا نہایت مہربان اور بہت بڑا منصف ہے اور سچا سچائی کا پسند کرنے والا ہے وہ ہمارے دلوں کے بھید جانتا ہے وہ ہماری نیتوں کو پہچانتا ہے۔ پس ہم کو اپنے مذہب میں نہایت سچائی سے پختہ رہنا مگر تعصب کو جو ایک بُری خصلت ہے چھوڑنا چاہئے۔ تمام بنی نوع انسان ہمارے بھائی ہیں ہم کو سب سے محبت اور سچا معاملہ رکھنا اور سب سے سچی دوستی اور سب کی سچی خیر خواہی کرنا ہمارا قدرتی فرض ہے پس اسی کی ہم کو پیروی چاہیئے ٭

اب ہم یہ بات بتاتے ہیں کہ اپنے مذہب میں پختہ ہونا جدا بات ہے اور یہ ایک نہایت
عمدہ صفت ہے جو کسی اہل مذہب کے لئے ہو سکتی ہے اور تعصب گو کہ وہ مذہبی باتوں میں کیوں
نہ ہو نہایت بُرا اور خود مذہب کو نقصان پہنچانے والا ہے ؛

غیر متعصب مگر اپنے مذہب میں پختہ ہمیشہ سچا دانا دوست اپنے مذہب کا ہوتا ہے اُس کی
خوبیوں اور نیکیوں کو پھیلاتا ہے اُس کے اصول کو دلایل و براہین سے ثابت کرتا ہے مخالفوں اور
معترضوں اور جرا کہنے والوں کی باتوں کو ٹھنڈے دل سے سُنتا ہے اور خود بھی اُس کے دفعیہ پر مستعد
ہوتا ہے اور اَور لوگوں کو بھی اُس کے دفعیہ کا موقع دیتا ہے ؛

برخلاف اس کے متعصب نادان دوست اپنے مذہب کا ہوتا ہے وہ سراسر اپنی نادانی سے
اپنے مذہب کو نقصان پہنچاتا ہے - پہلی بسم اللہ ایسی بد خصلت اختیار کرنے سے جو ہر عقلمند کے
نزدیک نفرت کے قابل ہے اپنے مذہب کے حسن اخلاق اور اُس کے نتیجوں کی خوبی پر داغ لگاتا ہے -
اپنے مذہب کی خوبیوں کے پھیلنے اور لوگوں کو اُس کی طرف راغب کرنے کے بدلے اُلٹا اُس کا
هارج قوی ہوتا ہے - اپنے تعصب کے سبب بداخلاق اور مغرور اور متقشف سخت دل ہو جاتا ہے
اور ٹھیک ٹھیک اس آیت کریمہ لَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ سے
مخالفت صریح کرتا ہے ؛

مذہب میں متعصب شخص دوسروں کے اعتراضوں کو جو اس کے مذہب پر ہیں سُننا یا
مشہور ہونا پسند نہیں کرتا اور اس سبب کے ضمناً وہ اِس بات کا باعث ہوتا ہے کہ مخالفوں کے اعتراض
بلا تحقیقات کئے اور بلا جواب دئے باقی رہ جاویں وہ اپنی نادانی سے تمام دنیا پر گویا یہ بات ظاہر کرتا ہے
کہ اُس کے مذہب کو مخالفوں کے اعتراضوں سے نہایت اندیشہ اور اس کے برہم ہو جانے کا
خوف ہے - پس یہ تمام باتیں مذہب کی دوستی کی نہیں ہیں بلکہ مخالفوں کی فتح یابی اور میدان
جیت لینے کی ہیں ؛

غرضکہ تعصب خواہ دینی باتوں میں ہو یا دنیاوی باتوں میں - نہایت بُرا اور بہت سی
خرابیوں کا پیدا کرنے والا ہے ؛

مغرور و متکبر ہو جانا اور اپنے ہمجنسوں کو سوائے چند کے نہایت حقیر و ذلیل سمجھنا
متعصب کا خاصہ ہوتا ہے ؛

اُس کے اصول کا مقتضا یہ ہوتا ہے کہ تمام دنیا کے لوگوں سے سوائے چند کے کنارہ گزیں
ہو مگر ایسا کر نہیں سکتا اور مجبوری ہر ایک سے ملتا ہے اور اوپرے دل سے اُن کا ادب اور اپنی
جھوٹی نیازمندی بھی ظاہر کرتا ہے اور ایسا کرنے سے ایک اور بد خصلت نفاق اور کذب اور

ہم مسلمانوں نے اپنے میں اس نقص کو نہایت درجہ پر پہنچا دیا ہے اور جو نقصان دینی اور دنیوی اس سے ہم نے اُٹھائے ہیں اُن کی کچھ انتہا نہیں۔ بھلا دینی باتوں کو اس وقت رہنے دو اور صرف اس بات پر غور کرو کہ دنیوی علوم اور دنیوی کاروبار اور دنیا کی باہمی معاشرت اور مجالست اور رسوم و عادات اور طریقہ تعلیم و تربیت اور ترقی علم مجلس میں کیوں ہم نہ کوشش کریں اور جس طرح اور قوموں نے ان باتوں میں ترقی کی ہے ہم بھی اسی طرح کیوں نہ ترقی کریں ۔

ارسطو کچھ ہمارا مذہبی پیشوا نہ تھا جو ہم اُس کے علوم اور اُس کے فلسفہ اور اس کے الٰہیات کو ناقابل غلطی کے سمجھیں۔ بوعلی کچھ صاحب وحی نہ تھا کہ اُس کی طب کے سوا اور کسی کو نہ مانیں۔ جو علوم دنیوی ہم مدت دراز سے پڑھتے آتے تھے اور جو اپنے زمانہ میں ایسے تھے کہ اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے۔ اُنہی پر پابند رہنے کے لئے ہم پر کوئی خدا کا حکم نہیں آیا تھا۔ پھر کیوں ہم اپنی آنکھ نہ کھولیں اور نئے نئے علوم اور نئی نئی چیزیں جو خدا تعالےٰ کی عجائب قدرت کے نمونے ہیں اور جو روز بروز انسان پر ظاہر ہوتی جاتی ہیں اُن کو کیوں نہ دیکھیں ۔

یہ جو کچھ ہم نے کہا یہ صرف خیالی ہی باتیں نہیں ہیں۔ بلکہ اس وقت دنیا میں ہمارے سامنے اس کی مثالیں بھی موجود ہیں ۔

ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں دو قسم کی قومیں ہیں جن میں سے ایک نے اپنے باپ دادا کو درجہ کمال پر پہنچا ہوا اور ناقابل سہو و خطا سمجھ کر اُن کے علوم و فنون اور طریق معاشرت کو کامل سمجھا اور اُسی کی پیروی پر جمے رہے اور اُس کی ترقی اور بہتری پر اور نئی چیزوں کے اخذ و ایجاد پر کچھ کوشش نہیں کی اور دوسری نے کسی کو کامل نہیں سمجھا اور ہمیشہ ترقی میں اور نئے نئے علوم و فنون و طریقہ معاشرت کے ایجاد میں کوشش کرتی رہی۔ اب دیکھ لو کہ ان دونوں میں کیا فرق ہے اور کون تنزل اور کون ترقی کی حالت میں ہے ۔

ہندو اور مسلمان وہ قومیں ہیں جو پچھلی لکیر کو کامل سمجھ کر اُسی کو پیٹتے آتے ہیں۔ انگریز فرنچ اور جرمن ایسی قومیں ہیں جو ہمیشہ ترقی کی کوشش میں ہیں۔ ایک زمانہ تھا کہ وہ پہلی قومیں علم و ہنر و تربیت و شایستگی میں اپنے دور میں اپنی ہمعصر قوموں سے مقدم اور اعلےٰ تھیں اور خاص مسلمانوں کو بھی یہ عزت تھی کہ وہ یورپ کی بعض قوموں کے لئے بمنزلہ استاد کے گنے جاتے تھے مگر اُسی عیب نے جو اُن قوموں میں تھا اور اب بھی ہے اور اُسی خوبی نے جو پچھلی قوموں میں تھی اور اب بھی ہے ٹھیک معاملہ بالعکس کر دیا ہے۔ اب یورپ کی قومیں ایشیا کی قوموں سے علم و ہنر و تربیت و شایستگی میں اعلےٰ ہیں۔ پس میرا مطلب صرف یہی ہے کہ ہماری قوم کو بھی چاہئے کہ اپنے دماغ کو اُن بیہودہ اور لغو خیالات سے جنہوں نے اُن کی عقل اور سمجھ کو بالکل خراب کر رکھا ہے

تکمیل

ایک فارسی مثل مشہور ہے کہ "ہر کمالے را زوالے" مگر اس کے معنی اور اس کی وجہ بخوبی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ ایک اور بڑے حکیم نے اسی مطلب کو نہایت عمدگی اور وضاحت سے بیان کیا ہے۔ اُس کا یہ قول ہے کہ "ہم کو اپنے تئیں درجہ کمال پر پہنچا ہوا سمجھنا ہی زوال کی نشانی ہے" اور بلاشُبہ ایسا ہی ہوتا ہے اس لئے کہ جب کوئی شخص یا قوم کسی بات میں اپنے تئیں کامل سمجھ لیتی ہے تو اُس میں سعی اور کوشش اور زیادہ تحقیقات اور نئی نئی باتوں کے ایجاد سے باز رہتی ہے اور رفتہ رفتہ اُس چیز میں جس کو کامل سمجھا تھا زوال آجاتا ہے ؛

کامل مطلق بجز ذات باری کے اور کوئی نہیں ہے پس جو کچھ کہ خدا نے کیا یا کہا وہ تو اپنی قسم میں کامل ہے اور اُس کے سوا اور کوئی چیز جو انسان نے کی ہو یا کہی ہو کامل نہیں ہے کیونکہ قابل سہو و خطا ہونا انسان کی شان سے ہے۔ اگر یہ بات اس طرح پر نہ ہوتی تو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر وحی نازل ہونے کی ضرورت نہ رہتی۔ پس اُن تمام چیزوں کو جو انسان سے ایجاد ہوئی ہیں یا نتائج عقل انسانی ہیں اُن کو کامل سمجھ لینا ہماری ٹھیٹ غلطی اور ہمارے تنزل وادبار کی ٹھیک نشانی ہے ؛

کسی شخص یا کسی قوم کو کسی چیز میں کامل سمجھ لینا بہت سی خرابیوں اور نقصانوں کا باعث ہوتا ہے ؛

جو چیز کہ حقیقت میں کامل نہیں ہے ہم اُس کو غلطی سے کامل سمجھ لیتے ہیں ؛ ہم میں ایک استغنا پیدا ہوتا ہے جس سے سوائے اُس کے اور کسی بات یا تحقیقات کو حقارت سے دیکھتے ہیں اور اُس بات کے فائدہ سے محروم رہتے ہیں ؛ لوگوں کے اعتراضوں کے سُننے کو گوارا نہیں کرتے اور اس سبب سے اپنی غلطیوں پر متنبہ نہیں ہوتے اور جہل مرکب میں پھنسے رہتے ہیں کوشش سے جو ایک ترقی کا فائدہ ہے اُس کو ہاتھ سے کھو بیٹھتے ہیں ؛ خدا نے جو ہم کو عقل دی ہے اور جس کا یہ فائدہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے ہم اُس کو کام میں لادیں اُوروں پر بھروسا کر کر اُس کو بیکار کر دیتے ہیں ؛

ایسا کرنے میں ہم صرف اپنا ہی نقصان نہیں کرتے بلکہ آیندہ نسلوں کو بھی بہت بڑا نقصان پہنچاتے ہیں کیونکہ ہماری اور ہماری آیندہ نسلوں کی عقل اور جودت طبع اور تیزی ذہن اور طاقت انتقال ذہنی اور قوت ایجاد سب مٹ جاتی ہے اور صرف اوروں کی ٹکساری پر ہماری چال رہ جاتی ہے اور ہم ٹھیک اس مثل کے مصداق ہو جاتے ہیں۔ " چارپائے بروکتابے چند" ؛

کبھی یہ سمجھ میں آتا ہے کہ جانوروں کے خیالات محدود ہونے کے سبب متفق ہیں اور انسان کے خیالات میں نامحدود ہونے کے سبب وہ صفت نہیں ہے مگر یہ بات تسلیم نہیں کی جاسکتی اِس لئے کہ نامحدود ہونے کے لئے مختلف ہونا ضرور نہیں ہے پس انسانوں کے خیالات سے جہاں تک ہم کو واقفیت ہو اُسی قدر عجائبات قدرت الٰہی سے ہم کو زیادہ واقفیت ہوتی ہے اور اُن خیالات کا صحیح ہونا یا غیر صحیح ہونا ہمارے اِس فائدہ میں کچھ نقصان نہیں پہنچاتا بلکہ درصورت مختلف ہونے کے اور بھی زیادہ فائدہ دیتا ہے اس لئے ہم اپنے اس آرٹیکل میں ایک انسان کے خیالات بیان کرتے ہیں جن کو وہ اِس طرح پر کہتا ہے ؎

مجھ کو خیال آیا کہ جس قدر اور جانداروں کو کرنا ہے اُتنا ہی مجھ کو بھی کرنا ہے یا اُس سے زیادہ؟

مگر میرے خیال میں یہ آیا کہ انسان کے سوا تمام جاندار مخلوقات کے لئے جن چیزوں کی ضرورت ہے اُن کے بنانے والے کاریگر نے سب کچھ اُن کے ساتھ بنا دی ہیں۔ اُن کو اُن چیزوں کے بہم پہنچانے یا پیدا کرنے کی حاجت نہیں ہے۔ تمام جانداروں کی خوراک بغیر اُن کی سعی و تدبیر کے پیدا ہوتی ہے۔ سرد مُلک کے جانوروں کے لئے نہایت عُمدہ پشمینہ کا گرم لباس اُن کے بدنوں پر پیدا کیا ہے۔ پرند جانوروں کے لئے مینہ سے بچنے کا باران کوٹ اُنہی کے بدنوں پر سیا ہے گرم مُلک کے جانوروں کے لئے اُسی آب و ہوا کے مناسب اُن کا جامہ قطع کیا ہے مگر انسان کے لئے کچھ نہیں کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس کو یہ سب کچھ خود کرنا ہے ؎

پھر میں نے خیال کیا کہ حیوان اپنے کاموں کے کرنے کے لئے کسی سے کچھ سیکھنے یا تعلیم پانے کے محتاج نہیں ہوتے خود سیکھے سکھائے ہی پیدا ہوتے ہیں۔ شہد کی مکھی کو رس چوسنے کے لئے عُمدہ قسم کے ماخذوں کی شناخت کوئی نہیں بتاتا اور اپنے گھروں کو ایسی عُمدہ تقسیم کا نکالنا جس میں ایک بڑا اقلیدس بھی حیران ہو جاوے کوئی نہیں پڑھاتا۔ بئے کو ایسا عُمدہ اور محفوظ کاشانہ بنانا کوئی نہیں سکھاتا۔ مگر انسان کو بغیر سیکھے کچھ بھی نہیں آتا ؎

پھر میں نے خیال کیا کہ حیوان کے کام خواہ وہ افعال جوارح سے ہوں یا دوسری قسم کے اور وہ ازخود اُن کو آئے ہوں یا تعلیم سے نہایت محدود ہیں مگر انسان کے ہر قسم کے کام نامحدود ہیں۔ اِن سب باتوں سے میں نے خیال کیا کہ انسان کو اور جانوروں سے بہت کچھ زیادہ کرنا ہے ؎

پھر میں نے خیال کیا کہ ایسے بڑے کاریگر نے جو انسان کو اور جانوروں سے بھی زیادہ درماندہ بنایا ہے اور طرح طرح کی مشکلات میں ڈالا ہے تو کیا چیز اُس کو دی ہے جس سے وہ سب چیزیں کرسکتا ہے اور تمام مشکلوں پر فتح پاسکتا ہے۔ اتنے میں میرا دل بول اُٹھا کہ عقل ؎

میں یہ بات سُن کر سوچ میں گیا کہ کیا یہ بات سچ ہے مگر میں نے خیال کیا کہ عقل سے تو یہ کام

اور اُن کی تمام خوبیوں کو خیالات فاسد کے کیچڑ میں لتھڑ پتھڑ کر دیا ہے خالی کریں اور علوم اور فنون اور تہذیب و شائستگی میں ترقی کرنے کی کوشش کریں اور انصاف سے دیکھیں کہ ان کی تہذیب اور شائستگی میں نقصان ہونے کے سبب سے اُن کی قوم کی کیسی بدنامی ہے اور اُن عمدہ اخلاق اور قواعد کو جو خدا تعالیٰ نے مذہب اسلام کی بدولت اُن کو دیئے تھے بُری طرح سے استعمال میں لانے اور اُن کو بدصورت کر دینے سے غیر قومیں اسلام کو ہماری نالائقی کی بدولت کیسی حقارت اور نفرت سے دیکھتی ہیں۔ کیسے خندہ زن اشارات اور کنایات اُس پر کرتی ہیں اور ہماری شامت اعمال کو نتیجہ مذہب اسلام ٹھہراتی ہیں اُن کا ایسا کہنا اور خیال کرنا کچھ بیجا نہیں ہے۔ اسلام کوئی مٹی کا پُتلا نہیں ہے جس کو کوئی دیکھ سکے مسلمانوں کی حالت اور اُن کے چال چلن سے اسلام کی صورت دکھائی دیتی ہے سو اُنہوں نے اُس کو ایسا بدصورت بنایا ہے کہ جو کوئی نفرت کرے کچھ تعجب نہیں۔ پس اب میری یہ خواہش ہے کہ مسلمان اپنے اخلاق اور تہذیب و شائستگی کی درستی میں کوشش کر کر اور اپنے حال اور چال چلن کو درست اور عمدہ کر کر اسلام کی جو اصلی صورت ہے وہ دنیا کو دکھا دیں ❊

انسان کے خیالات

جہاں اور بہت سے عجائبات قدرت الٰہی ہیں اُنہی میں سے انسان کے خیالات بھی نہایت عجیب ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک قسم کی مخلوقات ایک ہی سا خیال رکھتی ہے۔ جانوروں کی وہ حرکات اور افعال جو جاندار ہونے کے سبب سے ہیں اور وہ چیز جو محرک اُن افعال یا حرکات کی بواسطہ یا بلاواسطہ ہے اُس کا کچھ ہی نام رکھو مگر وہ وہی چیز ہے جس کو انسانی حالت میں خیال کہتے ہیں ❊

تمام افعال اور حرکات جانوروں کی بلاشبہ ارادی ہیں اور کچھ شک نہیں کہ وہ متحرک بالارادہ ہیں۔ اُن کی تمام حرکتوں کا باعث بواسطہ یا بلاواسطہ ایک خیال جلب منفعت مادی جیسے غذا اور مسکن وغیرہ یا غیر مادی جیسے فرحت و انبساط اور بشاشت یا خیال دفع مضرت مادی و غیر مادی کا ہوتا ہے۔ ہم نہیں پاتے کہ انسان میں اور کوئی چیز اس سے زیادہ ہے بلاشبہ اتنا فرق پاتے ہیں کہ جانور میں وہ خیالات محدود اور انسان میں نامحدود ہیں ❊

مگر تعجب تو ہم کو اس بات سے ہوتا ہے کہ ہرگاہ ایک قسم کے جانداروں میں ایک ہی سے خیالات ہیں اور اُن پر وہ سب ایک ہی سا یقین کامل رکھتے ہیں تو تمام انسان بھی باوجودیکہ ایک قسم کے جاندار ہیں ایک سے خیالات اور ایک ہی سا یقین کیوں نہیں رکھتے ہیں ❊

اور اُن کو کچھ بھی مشکل نہیں ہوتی۔ میں کیوں ایسی مشکلات میں پڑا ہوں۔ بہتر ہے کہ اُن لوگوں سے پوچھوں کہ تم نے اُن سب باتوں پر کس طرح سے یقین حاصل کیا ◆

یہودی نے کہا کہ مجھے اس بات پر یقین کامل ہے کہ خدا ایک ہے اس لئے کہ موسیٰ نے کہا ہے ◆

عیسائی بولا کہ غلط۔ خدا تین ہیں۔ اور مجھ کو اس پر کامل یقین ہے۔ اس لئے کہ یوحنا نے یوں ہی بتایا ہے ◆

ایسے اختلاف سے میں اور بھی گھبرایا۔ میں نے خیال کیا کہ ایک شئے کے علم یا یقین میں اختلاف ہے تو وہ یقین ہی نہیں۔ پھر کیونکر اُن کو ایسا مختلف یقین ہوا۔ جب میں نے غور کیا تو سمجھا کہ اُن کو تو نہ خدا کے ایک ہونے پر یقین ہے نہ خدا کے تین ہونے پر۔ بلکہ اُن کو تو اس بات پر یقین ہے کہ موسیٰ اور یوحنا نے ایسا کہا ہے ◆

یہودی بولا کہ موسیٰ نے خدا سے باتیں کیں۔ لکڑی کو سانپ بنایا۔ پھر اُس نے جو کہا اُس میں کیا شک ہے ◆

عیسائی بولا کہ یسوعؑ نے مردوں کو جلایا۔ مارنے سے بھی نہ مرا بلکہ قبر میں اُٹھ کر آسمان پر چلا گیا۔ پھر اس کے خدا ہونے میں کیا شک ہے ◆

پہلے تو میں شک میں پڑا کہ دلیلیں تو اچھی ہیں مگر پھر مجھے خیال ہوا کہ اُن کو تو خدا سے موسیٰ کے باتیں کرنے پر اور لکڑی کو سانپ بنانے پر اور یسوعؑ کے مردوں کے جلانے پر اور خود جی اُٹھنے پر یقین ہے خدا کے ایک یا تین ہونے پر یقین نہیں ◆

ان سب خیالات کے بعد میں نے یقین کیا کہ علم یا یقین یا ایمان حاصل کرنے کا وسیلہ صرف عقل ہے جو اُن چیزوں کے حاصل کرنے کے لئے آلہ اور نہایت عمدہ رہنما ہے ◆

پھر میں نے خیال کیا کہ عقل پر غلطی سے محفوظ رہنے کا کیونکر یقین ہو۔ میں نے اقرار کیا کہ غلطی نہیں ہونے پر یقین تو نہیں ہو سکتا۔ مگر جب عقل ہمیشہ کام میں لائی جاتی ہے تو ایک شخص کی عقل کی غلطی دوسرے شخص کی عقل سے۔ اور ایک زمانہ کی عقلوں کی غلطی دوسرے زمانہ کی عقلوں سے صحیح ہو جاتی ہے۔ مگر جب کہ علم یا یقین یا ایمان کا مدار عقل پر نہ رکھا جاوے تو اُس کا صحیح ہونا کسی زمانہ اور کسی وقت میں بھی ممکن نہیں ◆

میرے دل نے پھر یہ شبہ ڈالا کہ عقل کو دنیا میں سب سے بڑا رہنما سمجھا گیا (?) مگر یہ ممکن نہیں [illegible] عقل کو بھی شکست [illegible] ہم کو اس سے واقفیت نہ ہوتی [illegible]

نہیں نکل سکتا۔ نہ تو وہ خود یہ کام نکال سکتی ہے اور نہ اس کے بغیر یہ مشکل حل ہو سکتی ہے۔ یہ تو کسی دوسری چیز کے حاصل کرنے کو بطور آلہ کے ہے جیسے کہ سونا چاندی ہماری بھوک نہیں کھو سکتا مگر اس چیز کو ہم پہنچا دیتا ہے جو ہماری بھوک کھو دیتی ہے ؛

بہت سی تلاش اور جستجو میں نے کی اور خیال دوڑایا کہ وہ کیا چیز ہے جس کے حاصل کرنے کے لئے عقل بھی صرف آلہ ہے تو خیال میں آیا کہ وہ چیز علم ہے جس کے معنی دانستن ہیں۔ تب میں سمجھا کہ مجھ کو اور جانوروں سے زیادہ جو کچھ کرنا ہے وہ صرف تمام باتوں کی اصلیت دریافت کرنا ہے ؛

میں نے خیال کیا کہ علم اور یقین یہ دونوں آپس میں لازم و ملزوم ہیں جس چیز کا مجھ کو علم ہوگا بے شک اس کا یقین بھی ہوگا۔ اور جس کا یقین ہوگا اس کا علم بھی ہوگا۔ پس میں نے خیال کیا کہ یقین بغیر علم کے اور علم بغیر یقین کے سچا اور پورا نہیں ہے ؛

میں نے اس بات کو بالکل سچ سمجھا اور خیال کیا کہ مثلاً مجھ کو اعداد کے حساب میں تین کا اور دس کا علم ہے اور اس لئے یقین ہے کہ دس بہ نسبت تین کے زیادہ ہوتے ہیں۔ تو اگر کوئی شخص اس کے برخلاف کہے اور اپنے بیان کے ثبوت کے لئے یہ بات کہے کہ میں اس لکڑی کو سانپ بنا دیتا ہوں اور وہ اس کو سانپ بنا بھی دے تو کچھ عجب نہیں کہ اس کا ایسا کرنا مجھ کو حیرت میں ڈال دے مگر کسی طرح اس بات کے یقین میں کہ دس بہ نسبت تین کے زیادہ ہوتے ہیں شک نہیں لائے گا ؛

میں نے خیال کیا کہ مسلمانوں کے مذہب کا یہ ایمانی مسئلہ کہ اقرار باللسان و تصدیق بالقلب بے شک سچا مسئلہ ہے۔ اس کا پہلا جزو دنیاوی باتوں سے متعلق ہے مگر جو اصل مطلب ہے وہ دوسرے جزو میں ہے۔ تصدیق بالقلب اور یقین اگرچہ ایک ہی چیز ہے مگر البتہ تصدیق قلبی زیادہ شاملانہ اور [illegible] ہے کیونکہ [illegible] [illegible] میں نے خیال کیا کہ ایمان بے یقین نہیں ہے اور یقین بغیر علم کے نہیں ہو سکتا ؛

میں نے یہ بھی خیال کیا کہ علم یا یقین جس کے بغیر ایمان نہیں حاصل ہو سکتا ایسا ہی ہونا چاہیے جیسے کہ دس اور تین کی زیادتی و کمی کا یقین ہے تاکہ کسی طرح زائل نہ ہو سکے کیونکہ اگر وہ کسی طرح زائل ہو گیا تو وہ حقیقت میں علم یا یقین نہ تھا بلکہ محض ایک وہم تھا ؛

ان تمام خیالات سے مجھ کو یہ ٹھہر گیا اور میں چاروں طرف ڈھونڈنے لگا کہ علم یا یقین بلکہ یوں کہو کہ ایمان حاصل کرنے کا کیا طریقہ ہے ؛

میں نے دیکھا کہ ہزاروں لاکھوں کروڑوں آدمی بہت سی باتوں پر یقین رکھتے ہیں

ہمدردی

ہر کوئی اپنی آپ ہمدردی کرتا ہے

کیا دھوکے کی چیز ہے۔ کیا بھلاوے میں پڑے ہیں۔ جو سمجھتے ہیں کہ دوسروں کی مصیبت میں مدد کرنا ہمدردی کرنا ہے۔ کیا قدرت کا کوئی کام بیفائیدہ ہے؟ نہیں۔ گو ہم بہتوں کے سمجھنے سے عاجز ہیں۔ کیا ہم اُس فائدے میں شریک نہیں؟ نہیں۔ بے شک واسطہ یا بلا واسطہ یا واسطہ در واسطہ شریک ہیں۔ پھر دوسرے کی مدد کرنا کہاں رہا۔ بلکہ اپنی آسایش کے کسی وسیلہ سے اپنی آپ مدد کرنا ہوا۔ اِس لئے جو لوگ ہمدردی کرتے ہیں وہ حقیقت میں اپنی آپ مدد کرتے ہیں اور جو نہیں کرتے وہ خود اپنی آسائش کے وسیلہ کو نقصان پہنچاتے ہیں ۞

ہمدردی کا لفظ ہمارے خیال کو ایسی امداد کی طرف لے جاتا ہے جو رنج و مصیبت کی حالت میں ہو لیکن اگر ہم مصیبت کے لفظ کی اصلی مراد پر غور کریں تو ضرور غلطی میں پڑیں ۞ عام مفہوم مصیبت کا جو اس لفظ سے ہماری سمجھ میں آتا ہے کوئی مستقل مفہوم نہیں ہے بلکہ ایک نسبتی مفہوم معلوم ہوتا ہے۔ جو چیز کہ ایک کے لئے مصیبت ہو ممکن ہے کہ دوسرے کے لئے نہ ہو۔ وہ عادت اور استعمال سے ایسی مختلف ہو جاتی ہے کہ مصیبت نہیں معلوم ہوتی۔ وہ کسی جوش کے سبب سے ایسی بدل جاتی ہے کہ بالکل راحت سمجھ میں آتی ہے۔ بے شک یہ تمام مفہوم نسبتی ہیں اور جو اصلی مفہوم ہے وہ ایسی حالت کا ہونا یا واقع ہونا ہے جو قدرتی فرحت اور راحت کے برخلاف ہو ۞

اُس حالت کا ہونا غیر اختیاری حالتوں کا ہونا ہے اور واقع ہونا اختیاری حالتوں کا۔ مگر پچھلی حالت اگر نتیجہ کی لاعلمی یا نقصانات غیر متعدی کے سبب سے ہے تو مجازاً وہ پہلی ہی سی ہے ورنہ حقیقت میں وہ مصیبت نہیں بلکہ سزا ہے اور اس سلئے اس میں ہمدردی نہیں پس اصلی یا اصلی سی مصیبت میں کسی کی مدد کرنا البتہ سچی ہمدردی ہے ۞

رحم اور موانست اور ہمدردی شاید نتیجہ میں متحد ہوں مگر ہر ایک کا منشا مختلف ہے۔ رحم ایک فطرتی نیکی ہے جو ہمجنس اور غیر ہمجنس دونوں کے ساتھ برتی جاتی ہے۔ موانست کا انحصار ہمجنسوں ہی میں پایا جاتا ہے۔ ہمدردی جو عقل کے نتیجوں میں سے ہے ذی عقل ہی میں ہو سکتی ہے۔ اور اس سلئے صرف انسان ہی میں منحصر ہے۔ پس جس میں ہمدردی نہیں اُس کی

مگر میں نے خیال کیا کہ ایسے رہنما کے موجود ہونے کے احتمال سے ہمارا کام نہیں چلتا۔ اُس کے موجود ہونے کا ہم کو علم اور یقین چاہیئے۔ جب یہ نہیں ہے تو عقل کے سوا اور کوئی رہنما بھی نہیں ہے ؛

مجھے خواب کا خیال آیا۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ سونے کے وقت ہم خواب دیکھتے ہیں اور اُس حالت میں ہم اس کو واقعی اور اصلی سمجھتے ہیں۔ اور اُس کے سچے ہونے میں ہم کو کچھ شبہ بھی نہیں ہوتا۔ مگر جب جاگتے ہیں تو جانتے ہیں کہ وہ اصلی نہ تھا۔ بلکہ صرف خواب و خیال تھا تو کیس وجہ سے ہم کو یقین ہے کہ جو کچھ ہم حالت بیداری میں جانتے اور سمجھتے ہیں وہ در اصل صحیح اور واقعی ہے ممکن ہے کہ یہ سب کچھ ہمارے اِس وقت کی حالت کے مطابق صحیح ہو مگر ایک دوسری حالت پیش آوے جو ہماری بیداری کی حالت کے ساتھ ایسی ہی مناسبت رکھتی ہو جیسے کہ ہماری بیداری کی حالت خواب کے ساتھ ہے اور اُس وقت ہم کو معلوم ہو کہ ہماری حالت بیداری کی درحقیقت خواب کی حالت تھی ؛

مگر پھر مجھے خیال آیا کہ ایسی حالت کا احتمال ہمارے یقین کو کافی نہیں۔ ہم کو یقین ہونا چاہیئے کہ درحقیقت ایسی بھی کوئی حالت ہے اور احتمال اور یقین میں بڑا فرق ہے۔ پھر عقل کے سوا کوئی ذریعہ نہیں رہا ؛

میں نے خیال کیا کہ ممکن ہے کہ ورائے عقل کے اور کوئی طریقہ بھی ہو جس سے صورت یا کیفیت روح کی تبدیل ہو جاوے اور وہی تبدیل یا ترقی آلہ حصول علم یا یقین یا ایمان کی ہو اور اِس کیفیت میں اور اُس سے پہلی کیفیت میں ایسا ہی فرق ہو جیسا کہ ایک تندرست شخص میں اور اُس شخص میں جو صرف تندرستی کے حال سے واقف ہو فرق ہے ؛

پھر مجھ کو خیال آیا کہ تندرستی کے حال سے واقف ہونا بغیر تندرست رہے ممکن نہیں اور صورت یا کیفیت روح کی تبدل کی حالت میں اس بات کی تمیز کرنے کے لئے کہ دونوں حالتوں میں سے بیماری کی حالت کون سی ہے۔ کیا چیز ہے وہی تبدل صورت یا کیفیت روح تو اُس کی تمیز ہو نہیں سکتی بلامحالہ دوسری چیز چاہیئے اور وہ دوسری چیز بجز عقل کے اور کوئی نہیں ہے اِس لئے کسی طرف جاؤ اور کہیں سے پھر پھرا کر آؤ علم یا یقین یا ایمان کا مدار صرف عقل ہی پر رہتا ہے ؛

ان تمام خیالوں نے مجھے یہ ہدایت کی کہ عام لوگوں میں جو یہ مسئلہ ہے کہ ایمان اور مذہب کو عقل سے کچھ علاقہ نہیں ہے یقینی غلط ہے اور جب میں نے مذہب اسلام کو بالکل عقل کے مطابق پایا۔ تو اُس کی سچائی پر اور اُس مسئلہ کی غلطی پر اور بھی کامل یقین ہوا ؛

افسوس ہے کہ یہ عُمدہ صفت کبھی دھوکہ کھا کر معیوب بھی کر دی جاتی ہے جبکہ پہلی کو ادنیٰ صفت سمجھ کر چھوڑتے ہیں اور دوسری کو اعلیٰ صفت سمجھ کر پکڑتے ہیں۔ مگر پہلی کے چھوڑنے کی بُرائی دوسری کی بھلائی کو بھی لے ڈوبتی ہے۔ پس سچی ہمدردی وُہی ہے جو قدرت کے قانون کے مطابق اور قدرت کے منشار کی تکمیل کے لئے ہو ✦

کیا عُمدہ اور سہل طور پر عام عملدرآمد کے لائق کر دیا ہے۔ اِس مضمون کو بڑی قدرت والے اور معاشرت و تمدن کے زبردست قانون جاننے والے نے جبکہ ہم سے یوں کہا "لیس البران تولوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب ولکن البر من امن باللہ والیوم الاخر والملئکۃ والکتاب والنبیین واتی المال علیٰ حبہ ذوی القربیٰ والیتامیٰ والمساکین وابن السبیل والسائلین وفی الرقاب" جو عُمدہ ترتیب ہمدردی کی اس میں بتائی ہے وہ بالکل قانون قدرت کے مطابق ہے جس سے یقین ہوتا ہے کہ جس نے قدرت کے قانون کو بنایا ہے اُسی نے یہ عملی قانون ہم کو دیا ہے۔ بے شک دونوں کا بانی ایک ہی ہے جس کے فعل اور قول دونوں کا ایک ہی مقصد ہے ✦

رسم و رواج کی پابندی کے نقصانات

ہم اپنے اس آرٹیکل کو بعض بڑے بڑے حکیموں کی تحریروں سے اخذ کر کے لکھتے ہیں۔ کیا عُمدہ قول ایک بڑے دانا کا ہے کہ "انسان کی زندگی کا منشا رہ یہ ہے کہ اُس کے تمام قولے اور جذبات نہایت روشن اور شگفتہ ہوں اور اُن میں باہم نامناسبت اور تناقص واقع نہ ہو بلکہ سب کا ملکر ایک کامل اور نہایت متناسب مجموعہ ہو" مگر جس قوم میں کہ بُرانی رسم و رواج کی پابندی ہوتی ہے یعنی اُن رسموں پر نہ چلنے والا ملعون اور حقیر سمجھا جاتا ہے۔ وہاں زندگی کا منشاء معلوم ہو جاتا ہے ✦

ایک اور بڑے دانا شخص کی رائے کا یہ نتیجہ ہے کہ آزادی اور اپنی خوشی پر چلنا جہاں تک کہ دوسروں کو ضرر نہ پہنچے ہر انسان کی خوشی اور اُس کا حق ہے۔ پس جہاں کہیں معاشرت کا قاعدہ جس کا کوئی چلتا ہے خاص اُس کی خصلت پر مبنی نہیں ہے بلکہ اگلی روایتوں پر یا پُرانی رسم و رواج پر مبنی ہے تو وہاں انسانوں کی خوشحالی کا ایک بڑا جزو موجود نہیں ہے اور جو کہ خوشحالی ہر فرد بشر کی اور نیز کل لوگوں کی ترقی کا بہت بڑا جزو ہے تو اُس ملک میں جہاں رسموں کی پابندی ہے وہ جزو

سلہ نیکی یہی نہیں کہ مُنہ کرو اپنے مشرق کی طرف یا مغرب کی طرف۔ لیکن نیکی وہ ہے جو کوئی ایمان لاوے اللہ پر اور پچھلے دن پر اور فرشتوں پر اور کتاب پر اور نبیوں پر اور دیوے مال اُس کی محبت پر قرابت والوں کو اور یتیموں کو اور محتاجوں کو اور راہ کے مسافر کو اور مانگنے والوں کو اور گردنیں چھٹانے میں ✦

انسانیت میں نقصان ہے ٭

قدرتی قاعدے کے مطابق ہمدردی کے بقدر تفاوت اپنی آسائش کے وسیلوں کے متفاوت درجے ہیں جس طرح کہ باپ۔ بھائی۔ جورو۔ بیٹے۔ پھر اور درجہ بدرجہ کے رشتہ مند۔ پھر اپنے ملک کے۔ پھر اپنے ہمسایہ ملک کے۔ پھر اس سے دور کے ملک کے باشندے وجہ بوجہ ہماری آسائش کے وسیلے ہیں۔ اسی طرح اُس قادرِ مطلق کی کامل قدرت نے ہمدردی کے رشتہ کی مضبوطی اور استواری کو بھی درجہ بدرجہ بنایا ہے۔ باپ کو بیٹے سے جو جوش ہمدردی ہے وہ پوتے سے نہیں۔ اور جو پوتے سے ہے وہ پڑپوتے سے نہیں۔ اسی طرح یہ رشتہ جتنا کہ بڑھتا جاتا ہے اتنا ہی گھٹتا جاتا ہے۔ اور جب وہ اپنے ملک یا اپنے ہمسایہ ملک یا اُس سے دور کے ملک تک پہنچتا ہے تو اور بھی پتلا ہو جاتا ہے ٭

بعضے کہتے ہیں کہ " یہ ایک دھوکہ ہے اور اگر یہ دھوکہ نہیں ہے اور یہ متفاوت درجے قدرتی ہیں تو انجان بیٹے اور ان پہچان باپ میں کیوں وہ ہمدردی نہیں۔ حقیقت میں یہ صرف ایک خیال ہے جس سے موانست پیدا ہوتی ہے اور وہی باعث ہمدردی ہے۔ نفرت جو اُس کی ضد ہے اس کا بخوبی ثبوت کرتی ہے کہ جب وہ پیدا ہوتی ہے تو باوجود موجود ہونے قدرتی رشتہ کے کچھ بھی ہمدردی نہیں رہتی "٭

بے شک ایسا یا ایسا سا ہوتا ہے مگر اس میں کچھ غلطی بھی ہے۔ قریب رشتہ والا بہ نسبت دور کے رشتہ والے کے بلا شبہ ہم سے زیادہ تر جزئیت رکھتا ہے اور اسی طرح بعید بہ نسبت ابعد کے پھر اگر وہ جزئیت قدرتی ہے تو وہ ہمدردی بھی قدرتی ہے۔ ہاں موانست اس کو نہایت تیز کر دیتی ہے اور کبھی ایسی جو قدرتی سی معلوم ہوتی ہے نفرت اُس کی تیزی کو دباتی ہے اور کبھی ایسا کر دیتی ہے جو کبھی ہوئی سی معلوم ہوتی ہے۔ انجان بیٹے اور ان پہچان باپ میں جو وہ جھلکتی نہیں اس لئے کہ وہ نہیں ہے بلکہ اس لئے کہ اُن میں انسانیت کا ایک بڑا جزو یعنی واقفیت نہیں ہے وہ نہیں ہے۔ مگر تعجب یہ ہے کہ جو ہمدردی اعلےٰ ہے وہ مذہب میں اعلےٰ اور انسانیت میں ادنےٰ ہے اور جو ادنےٰ ہے۔ وہ مذمت میں ادنےٰ اور صفت میں اعلےٰ ہے۔ اس لئے کہ ایک میں کھونا قدرتی صفت کا اور دوسری میں متصف ہونا قدرتی صفت میں ہے ٭

قریبوں سے ہمدردی نہ کرنی نہایت بدخصلت قابل سزا کے ہے اس لئے کہ قدرت کے نہایت مستحکم قاعدے کو توڑنا ہے اور کرنی کچھ بڑی صفت نہیں کیونکہ قدرت نے اس کے کرنے پر مجبور کر رکھا ہے بعیدوں سے ویسی نہ کرنی کچھ سخت مذمت نہیں اس لئے کہ قدرت کے کسی مستحکم قاعدہ کی برخلافی نہیں اور کرنی نہایت عمدہ صفت ہے کیونکہ قدرت کے منشا کو بدرجہ اتم کامل کرنا ہے ٭

اندھوں کی طرح یا ایک کل کی مانند ہمیشہ اُسی سے لپٹے رہیں ٭

یہ بات خیال کی جاتی ہے کہ رسومات کی پابندی نہ کرنے سے آدمی خراب کاموں اور بُری باتوں میں مبتلا ہو جاتا ہے مگر یہ بات صحیح نہیں ہے اِس لیئے کہ انسان کی ذات میں جیسے کہ خراب کام کرنے کی قوتیں اور جذبے ہیں ویسے ہی اُن کے روکنے کی بھی قوتیں اور جذبے ہیں۔ مثلاً ایمان یا نیکی جو ہر انسان کے دل میں ہے۔ پس خراب کام ہونے کا یہ باعث نہیں ہے کہ اُس نے رسومات کی پابندی نہیں کی بلکہ یہ باعث ہے کہ اُس نے ایک قسم کی قوتوں اور جذبوں کو شگفتہ اور شاداب اور قوی کیا ہے۔ اور دوسری قسم کی قوتوں اور جذبوں کو پژمردہ اور ضعیف۔ اگر رسومات کی پابندی نہ رکھنے کے ساتھ انسان کا ایمان ضعیف نہ ہو یا وہ دلی نیکی جو ہر انسان کے دل میں ہے پژمردہ نہ ہو تو بجز عمدہ اور پسندیدہ باتوں کے اور کسی بات کا ارتکاب نہ ہو ٭

ہمارے زمانہ میں ہر شخص اعلےٰ سے لیکر ادنےٰ تک رسم و رواج کا ایسا پابند ہے جیسے کوئی شخص ایک بڑے زبردست حاکم کے نیچے اپنی زندگی بسر کرتا ہو کوئی شخص یا کوئی خاندان اپنے دل سے یہ بات نہیں پوچھتا کہ ہم کو کیا کرنا چاہیئے اور ہمارے مناسب یا ہماری پسند اور ہماری پسند کے لائق کیا بات ہے یا جو عمدہ صفتیں مجھ میں ہیں اُن کا ظہور نہایت عمدگی سے کس طرح ممکن ہے اور کونسی بات اُن کی ترقی اور شگفتگی کی معاون ہے بلکہ وہ اپنے دل سے یہ پوچھتے ہیں کہ میری حالت اور رتبہ کے کونسی چیز مناسب ہے۔ میرے رتبہ اور مقدور کے آدمی کس رسم و رواج کے مطابق کام کرتے ہیں۔ اور اگر کوئی اس سے بھی زیادہ ہو تو نہ ہوا تو وہ اپنے دل سے اس سے بھی زیادہ بدتر سوال کرتا ہے اور یوں پوچھتا ہے کہ جو لوگ مجھ سے برتر ہیں اور رتبہ اور مقدور میں زیادہ ہیں وہ کن رسموں کو بجا لاتے ہیں تاکہ یہ شخص بھی ویسا ہی کرکر اُنہی کی سی شان میں شامل ہو ٭

اِس بات سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ جو لوگ اِس طرح پر رسومات کو بجا لاتے ہیں وہ اپنی خواہش اور مرضی سے اُن رسومات کو اور چیزوں پر ترجیح دیتے ہیں اور ترجیح دیکر پسند کرتے ہیں۔ نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اُن لوگوں کو بجز ایسی بات کے جو رسمی ہوتی ہے اور کسی بات کی خواہش کرنے کا موقع یا اتفاق نہیں ہوتا اور اس لیئے طبیعت خود متحمل اور مطیع رسموں کی پابندی کی ہو جاتی ہے یہاں تک کہ جو باتیں دل کی خوشی کی کرنی ہوتی ہیں اُن میں بھی اوروں کے مطابق کام کرنے کا خیال اوّل دل میں آتا ہے۔ غرض کہ اُن کی پسند وُہی ہوتی ہے جو بہت سے لوگوں کی ہے وہ صرف ایسی باتوں کے پسند کرنے پر راغب ہوتے ہیں جو عام پسند ہوں اور مذاق اور اصلی سلیقہ جو رسم و رواج کے مطابق نہ ہو اُس سے ایسی ہی گریز کی جاتی ہے جیسے کہ جرموں سے یہاں تک کہ اپنی خاص

بھی ناپید ہوتا ہے ٭
کسی شخص کی یہ رائے نہ ہوگی کہ آدمیوں کو بجز ایک دوسرے کی تقلید کے اور کچھ مطلق کرنا چاہئے اور نہ کوئی شخص یہ کہے گا کہ آدمیوں کو اپنی اوقات بسری کے طریقے اور اپنے کاروبار کی کارروائی میں اپنی خوشی اور اپنی رائے کے مطابق کوئی بات بھی کرنی نہ چاہئے۔ سیدھا طریقہ یہ ہے کہ آدمی کو اس کی جوانی میں اس طرح سے تعلیم ہونی چاہئے کہ اور لوگوں کے تجربوں سے جو نتیجے تحقیق ہو چکے ہیں اُن کے فوائد سے مستفید ہو اور پھر جب اُس کی عقل پختگی پر پہنچے تو خود اُن کی بھلائی اور برائی کو جانچے ٭
بے سونچے اور بے سمجھے رسومات کی پابندی کرنے سے گو وہ رسمیں اچھی ہی کیوں نہ ہوں آدمی کی اُن صفتوں کی ترقی اور شگفتگی نہیں ہوتی جو خدائے تعالے نے ہر آدمی کو جُدا جُدا عنایت کی ہیں۔ اُن قوتوں کا برتاؤ جو کسی چیز کی بھلائی بُرائی دریافت کرنے اور کسی بات پر رائے دینے اور دو باتوں میں امتیاز کرنے اور عقل و فہم کو تیز رکھنے بلکہ اخلاقی باتوں کی بھلائی و برائی تجویز کرنے میں مستعمل ہوتی ہیں صرف ایسی ہی صورت میں ممکن ہے جبکہ ہم کو ہر بات کے پسند یا ناپسند کرنے کا اختیار حاصل ہو۔ جو شخص کوئی بات رسم کی پابندی سے اختیار کرتا ہے وہ شخص اُس بات کو پسند یا ناپسند نہیں کرتا اور نہ ایسے شخص کو اُس بات کی تمیز یا خواہش میں کچھ تجربہ حاصل ہوتا ہے اخلاقی اور عقلی قوتوں کی ترقی اُس صورت میں حاصل ہوتی ہے جبکہ وہ استعمال میں لائی جاویں اُن قوتوں کو اوروں کی تقلید کرنے سے کسی بات کی مشق حاصل نہیں ہوتی بلکہ ایسے شخص کے لئے بجز ایسی قوت تقلید کے جو بندر میں ہوتی ہے اور کسی قوت کی حاجت نہیں ٭
البتہ جو شخص اپنا طریقہ خود پسند کرتا ہے وہ اپنی تمام قوتوں سے کام لیتا ہے زمانۂ حال پر نظر کرنے کے لئے اُس کو قوت تحقیق درکار ہوتی ہے اور انجام کار پر غور کرنے کے لئے قوت تجویز اور اُس کا تصفیہ کرنے کو قوت استقراء اور بھلا بُرا ٹھہرانے کو قوت امتیاز اور سب باتوں کے تصفیہ کے بعد اُس پر قائم رہنے کے لئے قوت استقلال۔ اور یہی سب کام ہیں جو انسان کے کرنے کے لائق ہیں آدمی مثل ایک کل کے نہیں ہے کہ جو اُس کے واسطے مقرر کر دیا ہے اُسی کو انجام دیا کرے بلکہ وہ ایک ایسا درخت ہے جو اُن اندرونی قوتوں سے جو خدا نے اُس میں رکھی ہیں اُن کے سبب سے وہ زندہ مخلوق کہلاتا ہے ہر چہار طرف پھیلے اور بڑھے۔ پھولے اور پھلے ٭
جو امر کہ پسندیدہ اور تسلیم کے قابل ہے وہ یہ ہے کہ لوگ اپنے فہم اور اپنی عقل سے کام لیں اور رسم و رواج کی پابندی بھی ایک معقول طور پر رکھیں یعنی جو عمدہ و مفید ہیں اُن کو اختیار کریں جو قابل اصلاح ہوں اُن میں ترمیم کریں اور جو بُری اور خراب ہوں اُن کی پابندی چھوڑ دیں نہ یہ کہ

ان مشرقی یا ایشیائی قوموں میں بھی کسی زمانہ میں قوت عقل اور جودت طبع اور مادۂ ایجاد ضرور موجود ہوگا جس کی بدولت وہ باتیں ایجاد ہوئیں جو اب رسمیں ہیں اس لئے کہ اُن کے بزرگ ماں کے پیٹ سے تربیت یافتہ اور حسن معاشرت کے فنون سے واقف پیدا نہیں ہوئے تھے بلکہ یہ سب باتیں اُنھوں نے اپنی محنت اور علم اور عقل اور جودت طبع سے ایجاد کی تھیں اور انھی وجوہات سے دنیا کی نہایت بڑی اور قوی اور مشہور قوموں سے ہو گئے تھے مگر اب اُن کا حال دیکھو کہ کیا ہے اسی رسومات کی پابندی سے اُن کا مآل یہ ہوا ہے کہ اب وہ ایسی قوموں کے محکوم ہیں اور ایسے لوگوں کی آنکھوں میں ذلیل ہیں جن کے آبا و اجداد اُس وقت جنگلوں میں آوارہ پڑے پھرتے تھے۔ جس وقت اُن قوموں کے آبا و اجداد عالی شان محلوں میں رہتے تھے اور بڑے بڑے عبادت خانے اور مکانات شاہی اور شہنشاہی محل بنواتے تھے اُس کا سبب یہی تھا کہ اُس زمانہ میں اُن قوموں میں رسم کی پابندی قطعی نہ تھی اور جو کسی قدر تھی تو اُس کے ساتھ ہی آزادی اور ترقی کا جوش اُن میں قائم تھا ✣

تواریخ سے ثابت ہے کہ ایک قوم کسی قدر عرصہ تک ترقی کی حالت پر رہتی ہے اور اُس کے بعد ترقی مسدود ہو جاتی ہے مگر یہ دیکھنا چاہیئے کہ یہ ترقی کب مسدود ہوتی ہے۔ یہ اسی وقت مسدود ہوتی ہے جبکہ اُس قوم میں سے وہ قوت اُٹھ جاتی ہے جس کے سبب سے نئی نئی باتیں پیدا ہوتی ہیں اور ٹھیک ٹھیک مسلمانوں کا اِس زمانہ میں یہی حال ہے بلکہ میں نے غلطی کی کیونکہ ترقی مسدود ہونے کا زمانہ بھی گذر گیا اور تنزل اور ذلت و خواری کا زمانہ بھی انتہا درجہ کو پہنچ گیا ہے ✣

ممکن ہے کہ کوئی شخص یہ بات کہے کہ یورپ کی قوموں میں بھی جو اِس زمانہ میں ہر قسم کی ترقی کی حالت میں شمار ہوتی ہیں بہت سی رسمیں ہیں اور اُن رسموں کی نہایت درجہ پر پابندی ہے تو وہ قومیں کیوں ترقی پر ہیں ✣

یہ اعتراض سچ ہے اور درحقیقت یورپ میں رسموں کی پابندی کا نہایت نقصان ہے اور اگر اُس کی اصلاح نہ ہوتی رہیگی جیسے کہ اب تک ہوتی رہی ہے تو اُن کو بھی بدنصیبی کا دن پیش آویگا مگر یورپ میں اور مشرقی ملکوں کی پابندیٔ رسومات میں ایک بڑا فرق ہے۔ یورپ میں رسومات کی پابندی ایک عجیب اور نئی بات ہونے کو تو مانع ہے مگر رسومات کی تبدیلی کا کوئی مانع نہیں اگر کوئی شخص عمدہ رسم نکالے اور سب لوگ پسند کریں فی الفور پرانی رسم چھوڑ دی جاویگی اور نئی رسم اختیار کر لی جاویگی اور اِس سبب سے اُن لوگوں کے قوائے عقلی اور حالت تمیز اور قوت ایجاد ضائع نہیں ہوتی ✣

طبیعت کی پیروی نہ کرتے نے اُن میں اپنی طبیعت ہی باقی نہیں رہتی کہ جس کی پیروی کریں اور اُن کی ذاتی قوتیں بالکل پژمردہ اور بیکار رہنے کے سبب بالکلیہ ضایع ہو جاتی ہیں اور وہ شخص اپنی دلی خواہش کرنے اور ذاتی خوشی اُٹھانے کے قابل نہیں رہتے اور عموماً ایسی طبعزاد رائیں یا خیالات نہیں رکھتے جو خاص اُن کی اصلی خوشی سے مخصوص ہوں اب غور کرنا چاہیئے کہ انسان کی ایسی حالت پسندیدہ ہو سکتی ہے یا نہیں ✤

رسومات جو مقرر ہوئی ہیں غالباً اُس زمانہ میں جبکہ وہ مقرر ہوئیں مفید تصور کی گئی ہوں مگر اس بات پر بھروسہ کرنا کہ درحقیقت وہ ایسی ہی ہیں محض غلطی ہے۔ ممکن ہے کہ جن لوگوں نے اُن کو مقرر کیا اُن کی رائے میں غلطی ہو اُن کا تجربہ صحیح نہ ہو یا اُن کا تجربہ نہایت محدود اور صرف چند اشخاص سے متعلق ہو یا اُس تجربہ کا حال صحیح صحیح بیان نہ ہوا ہو۔ یا وہ رسم اُس وقت اور اس زمانہ میں مفید ہو الاّ حال کے زمانہ میں مفید نہ رہی ہو بلکہ مضر ہو یا وہ رسم جن حالات پر قائم کی گئی تھی کسی شخص کی وہ حالت نہ ہو غرض کہ رسموں کی پابندی میں مبتلا رہنا ہر طرح پر نقصان کا باعث ہے اگر کوئی نقصان نہ ہو تو یہ نقصان تو ضرور ہے کہ آدمی کی عقل اور دانش اور جودت طبع اور قوت ایجاد باطل ہو جاتی ہے ✤

یہ بات بے شک ہے کہ کسی عمدہ بات کی ایجاد کی لیاقت ہر ایک شخص کو نہیں ہوتی بلکہ چند دانا شخصوں کو ہوتی ہے جن کی پیروی اور سب لوگ کرتے ہیں لیکن رسم کی پابندی اور اس قسم کی پیروی میں بہت بڑا فرق ہے۔ رسومات کی پابندی میں اُس کی بھلائی و بُرائی و مفید و غیر مفید و مناسب حال و مطابق طبع ہونے یا نہ ہونے کا مطلق خیال نہیں کیا جاتا اور بغیر سوچے سمجھے اُس کی پابندی کی جاتی ہے اور دوسری حالت میں بوجہ پسندیدہ ہونے کے اور اس لئے دوسری حالت میں جو قوتیں ترقی کی انسان میں ہیں وہ معدوم و مفقود نہیں ہوتیں الاّ پہلی حالت میں معدوم و نابود ہو جاتی ہیں ✤

رسم کی پابندی ہر جگہ انسان کی ترقی کی مانع و مزاحم ہے چنانچہ وہ پابندی ایسی قوت طبعی کے جس کے ذریعہ سے بہ نسبت معمولی باتوں کے کوئی بہتر بات کرنے کا قصد کیا جاوے برابر مخالف رہتی ہے اور انسان کی تنزل حالت کا اصلی باعث ہوتی ہے ✤

اب اس رائے کو دُنیا کی موجود قوموں کے حال سے مقابلہ کرو۔ تمام مشرقی یا ایشیائی ملکوں کا حال دیکھو کہ اُن ملکوں میں تمام باتوں کے تصفیہ کا مدار رسم و رواج پر ہے۔ اُن ملکوں میں مذہب اور استحقاق اور انصاف کے لفظوں سے رسموں کی پابندی مراد ہوتی ہے۔ پس اب دیکھو کہ شرقی یا ایشیائی قوموں کا جن میں مسلمان بھی داخل ہیں کیسا ابتر اور خراب اور ذلیل حال ہے ✤

اُس پر سب کو رسائی ہوتی ہے - آمد و رفت کے ذریعوں کی ترقی سے مختلف مقاموں کے لوگ مجتمع اور شامل ہوتے ہیں اور ایک جگہ سے دوسری جگہ چلے جاتے ہیں اور اِس سبب سے بھی مشابہت مذکور ترقی پاتی ہے - کارخانوں اور تجارت کی ترقی سے آسائش اور آرام کے وسیلے اور فائدے زیادہ شائع ہوتے ہیں اور ہر قسم کی عالی ہمتی بلکہ بڑی سے بڑی اولوالعزمی کے کام ایسی حالت کو پہنچ گئے ہیں کہ ہر شخص اُن کے کرنے کو موجود و مستعد ہوتا ہے - کسی خاص شخص یا گروہ پر منحصر نہیں رہا ہے بلکہ اولوالعزمی تمام لوگوں کی خاصیت ہوتی جاتی ہے اور ان سب پر آزادی اور عام رائے کا غلبہ بڑھتا جاتا ہے اور یہ تمام امور ایسے ہیں جیسے انگلستان کے تمام لوگوں کی رائیں اور عادتیں اور طریق زندگی اور قواعد معاشرت اور امورات رنج و راحت یکساں ہوتے جاتے ہیں اور بلاشبہ مُلک اور قوم کے مہذب ہونے کا اور ترقی پر پہنچنے کا یہی نتیجہ ہے اور ایسا عُمدہ نتیجہ ہے کہ اُس سے عُمدہ نہیں ہو سکتا ؛

مگر باوصف اِس کے ہم اس نتیجہ کو بشرطیکہ اس کی اصلاح نہ ہوتی ہے باعث تنزل قرار دیتے ہیں تو ضرور ہم کو کہنا پڑیگا کہ کیوں یہ عُمدہ نتیجہ باعث تنزل ہوگا - سبب اِس کا یہ ہے کہ جب سب لوگ ایک سی طبیعت اور عادت اور خیال کے ہو جاتے ہیں تو اُن کی طبیعتوں میں سے وہ قوتیں جو نئی باتوں کے ایجاد کرنے اور عُمدہ عُمدہ خیالات کے پیدا کرنے اور قواعد حُسن معاشرت کو ترقی دینے کی ہیں زائل اور کمزور ہو جاتی ہیں اور ایک زمانہ ایسا آتا ہے کہ ترقی ٹھہر جاتی ہے اور پھر ایسا زمانہ ہوتا ہے کہ تنزل شروع ہو جاتا ہے ؛

اِس مُعاملہ میں ہم کو مُلک چین کے حالات پر غور کرنے سے عبرت ہوتی ہے چینی بہت لئیق آدمی ہیں بلکہ اگر بعض باتوں پر لحاظ کیا جاوے تو عقلمند بھی ہیں اور اُس کا سبب یہ ہے کہ اُن کی خوش قسمتی سے ابتدا ہی میں ان کی قوم میں بہت اچھی اچھی رسمیں قائم ہو گئیں - اور یہ کام اُن لوگوں کا تھا جو اس قوم میں نہایت دانا اور بڑے حکیم تھے ؛

چین کے لوگ اس باب میں مشہور و معروف ہیں کہ جو عُمدہ سے عُمدہ دانش اور عقل کی باتیں اُن کو حاصل ہیں اُن کو ہر شخص کی طبیعت پر بخوبی منقش کرنے کے واسطے اور اس بات کے لئے کہ جن شخصوں کو وہ دانشمندی کی باتیں حاصل ہیں اُن کو بڑے بڑے عہدے ملیں نہایت عُمدہ طریقے اُن میں رائج ہیں - اور وہ طریقے حقیقت میں بہت ہی عُمدہ ہیں بے شک جن لوگوں نے اپنا ایسا دستور قائم رکھا اُنہوں نے انسان کی ترقی کے اسرار کو پا لیا اور اس لئے چاہیے تھا کہ وہ قوم تمام دنیا میں ہمیشہ افضل رہتی مگر برخلاف اِس کے اُن کی حالت سکون پذیر ہو گئی ہے اور ہزاروں برس سے ساکن ہے اور اگر اُن کی کبھی کچھ اور ترقی ہوگی تو بے شک غیر ملکوں کے

تم دیکھو کہ یہ پوشاک جو اب انگریزوں کی ہے اُن کے باپ دادا کی نہیں ہے بالکل اپنی پوشاک بدل دی ہے۔ ہر درجہ کے لوگوں کا جو مختلف لباس تھا اُس رسم کو چھوڑ دیا گیا ہے اور ضرور سمجھا گیا ہے کہ ہر شخص ایک سا مثل اَوروں کی لباس پہنے۔ اِس وقت کوئی رسم یورپ میں ایسے درجہ پر نہیں ہے کہ اگر کوئی شخص کوئی رسم اُس کے برخلاف مگر اُس سے عمدہ ایجاد کرے اور لوگ اُس پر اتفاق کریں اُسی وقت تبدیل نہ ہو سکے اور اسی تبدیلی کے ساتھ ان کی ترقی بھی ہوتی جاتی ہے۔ چنانچہ نئی نئی کلیں ہمیشہ ایجاد ہوتی رہتی ہیں اور تاوقتیکہ اُن کی جگہ بہتر کلیں ایجاد نہ ہو جاویں وہ بدستور رہتی ہیں۔ ملکی معاملات اور تعلیم میں بلکہ اخلاق میں بلکہ مذہب میں ہمیشہ ترقی کے خواہاں ہیں پس یہ تصور کرنا کہ یورپ بھی مثل ہمارے مگر دوسری قسم کی رسموں میں مبتلا ہے محض نادانی اور ناواقفیت کا سبب ہے ٭

البتہ یورپ میں اور بالتخصیص انگریزوں میں جو بات نہایت عمدہ اور قابل تعریف اور لائق خواہش کے ہے اور درحقیقت بغیر اس کے کوئی قوم مہذب اور تربیت یافتہ نہیں ہو سکتی وہی بات اُس کی تنزل کا باعث ہوگی بشرطیکہ اُس کی اصلاح نہ ہوتی رہیگی اور وہ یہ ہے کہ تمام انگریز جو محب وطن نامی ہیں اس بات پر نہایت کوشش اور جانفشانی کر رہے ہیں کہ کُل قوم کے لوگ یکساں ہو جاویں اور سب اپنے خیالات اور طریقے یکساں مسائل اور قواعد کے تحتِ حکومت کر دیں اور ان کوششوں کا نتیجہ انگلستان میں روز بروز ظاہر ہوتا جاتا ہے جو حالات کہ اب خاص خاص لوگوں اور فرقوں کے پائے جاتے ہیں اور جن کے سبب ان کی خاص خاص عادتیں قائم ہوئی ہیں وہ اب روز بروز ایک دوسرے کے مشابہ ہوتی جاتی ہیں۔ انگلستان میں اس زمانہ سے پہلے مختلف درجوں کے لوگ اور مختلف ہمسایوں کے لوگ اور مختلف پیشہ والے گویا جُدی جُدی دنیا میں رہتے تھے یعنی سب کا طریقہ اور عادت جُدا جُدا تھی۔ اب وہ سب طریقے اور عادتیں ہر ایک کی ایسی مشابہ ہو گئی ہیں کہ گویا سب کے سب ایک محلہ کے رہنے والے ہیں۔ انگلستان میں بہ نسبت سابق کے اب بہت زیادہ رواج ہو گیا ہے کہ لوگ ایک ہی قسم کی تصنیفات کو پڑھتے ہیں اور ایک ہی سی باتیں سُنتے ہیں اور ایک ہی سی چیزیں دیکھتے ہیں اور ایک ہی سے مقاموں میں جاتے ہیں اور یکساں باتوں کی خواہش رکھتے ہیں اور یکساں ہی چیزوں کا خوف کرتے ہیں اور ایک ہی سے حقوق اور آزادی سب کو حاصل ہے اور اُن حقوق اور آزادیوں کے قایم رکھنے کے ذریعے بھی یکساں ہیں اور یہ مشابہت اور مساوات روز بروز ترقی پاتی جاتی ہے۔ اور تعلیم و تربیت کی مشابہت اور مساوات سے اس کو اور زیادہ وسعت ہوتی ہے۔ تعلیم کے اثر سے تمام لوگ عام خیالات کے اور غلبہ اور رائے کے پابند ہوتے جاتے ہیں۔ اور جو عام ذخیرہ حقایق اور مسائل اور رایوں کا موجود ہے

آزادئ رائے

ہم اپنے اس آرٹیکل کو ایک بڑے لائق اور قابل زمانۂ حال کے فیلسوف کی تحریر سے اخذ کرتے ہیں۔ رائے کی آزادی ایک ایسی چیز ہے کہ ہر ایک انسان اُس پر پورا پورا حق رکھتا ہے۔ فرض کرو کہ تمام آدمی بجز ایک شخص کے کسی بات پر متفق الرائے ہیں مگر صرف وہی ایک شخص اُن کے برخلاف رائے رکھتا ہے تو اُن تمام آدمیوں کو اُس ایک شخص کی رائے کو غلط ٹھہرانے کے لئے اُس سے زیادہ کچھ استحقاق نہیں ہے جتنا کہ اُس ایک شخص کو اُن تمام آدمیوں کی رائے کے غلط ثابت کرنے کا (اگر وہ ثابت کر سکے) استحقاق حاصل ہے کوئی وجہ اِس بات کی نہیں ہے کہ پانچ آدمیوں کو تو بمقابلہ پانچ آدمیوں کی رایوں کے غلط ٹھہرانے کا استحقاق ہو اور ایک آدمی کو بمقابل نو آدمیوں کے یہ استحقاق نہ ہو رائے کی غلطی آدمیوں کی تعداد کی کمی بیشی پر منحصر نہیں ہے بلکہ قوت استدلال پر منحصر ہے جیسے کہ یہ بات ممکن ہے کہ نو آدمیوں کی رائے بمقابلہ ایک شخص کے صحیح ہو ویسے ہی یہ بھی ممکن ہے کہ ایک شخص کی رائے بمقابل نو کے صحیح ہو۔

رایوں کا بند رہنا خواہ بسبب کسی مذہبی خوف کے اور خواہ بسبب اندیشہ برادری و قوم کے اور خواہ بدنامی کے ڈر سے اور یا گورنمنٹ کے ظلم سے نہایت ہی بُری چیز ہے۔ اگر رائے اِس قسم کی کوئی چیز ہوتی جس کی قدر و قیمت صرف اُس رائے والے کی ذات ہی سے متعلق اور اُسی میں محصور ہوتی تو رایوں کے بند رہنے سے ایک خاص شخص کا یا معدودے چند کا نقصان متصور ہوتا مگر رایوں کے بند رہنے سے تمام انسانوں کی حق تلفی ہوتی ہے اور کل انسانوں کو نقصان پہنچتا ہے اور نہ صرف موجودہ انسانوں کو بلکہ اُن کو بھی جو آئندہ پیدا ہونگے۔

اگرچہ رسم و رواج بھی اُس کے برخلاف رایوں کے اظہار کے لئے ایک بہت قوی مزاحم گنا جاتا ہے لیکن مذہبی خیالات مخالف مذہب رائے کے اظہار اور مشتہر ہونے کے لئے نہایت اقوی مزاحم کار ہوتے ہیں۔ اِس قسم کے لوگ صرف اسی پر اکتفا نہیں کرتے کہ اُس مخالف رائے کا ظاہر ہونا اُن کو ناپسند ہوا ہے بلکہ اُسی کے ساتھ جوش مذہبی اُمنڈ آتا ہے اور عقل کو سلیم نہیں رکھتا۔ اور اُس حالت میں اُن سے ایسے افعال و اقوال سرزد ہوتے ہیں جو انہیں کے مذہب کو جس کے وہ طرفدار ہیں مضرت پہنچاتے ہیں۔ وہ خود اِس بات کے باعث ہوتے ہیں کہ مخالفوں کے اعتراض لامعلوم رہیں۔ وہ خود اس بات کے باعث ہوتے ہیں کہ بسبب پوشیدہ رہنے اُن اعتراضوں کے اُنہیں کے مذہب کے لوگ اُن کے حل پر متوجہ نہ ہوں اور مخالفوں کے اعتراض بلا تحقیق کئے اور بلا دفع کئے باقی رہ جاویں۔ وہ خود اس بات کے

لوگوں کی بدولت ہوگی۔ اِس خرابی کا سبب یہی ہوا کہ اُس تمام قوم کی حالت یکساں اور مشابہ ہوگئی اور سب کے خیالات اور طریق معاشرت ایک سے ہوگئے اور سب کے سب یکساں قواعد اور مسائل کی پابندی میں پڑگئے اور اس سبب سے وہ قوتیں جن سے انسان کو روز بروز ترقی ہوتی ہے اُن میں سے معدوم ہوگئیں ؂

پس جبکہ ہم مسلمان ہندوستان کے رہنے والے جن کی رسومات بھی عمدہ اصول و قواعد پر مبنی نہیں ہیں بلکہ کوئی رسم اتفاقیہ اور کوئی رسم بلاخیال اور قوموں کے اختلاط سے آگئی ہے جس میں ہزاروں نقص اور برائیاں ہیں پھر ہم اُن رسوموں کے پابند ہوں اور نہ اُن کی بھلائی بُرائی پر غور کریں اور نہ خود کچھ اصلاح اور درستی کی فکر میں ہوں بلکہ اندھا دھندی سے اُنھی کی پیروی کرتے چلے جاویں۔ تو سمجھنا چاہیئے کہ ہمارا حال کیا ہوگیا ہے اور آیندہ کیا ہونے والا ہے ؂

ہماری نوبت چینیوں کے حال سے بھی رسومات کی پابندی کے سبب بدتر ہوگئی ہے اور اب ہم میں خود اتنی طاقت نہیں رہی کہ ہم اپنی ترقی کرسکیں اس لیئے بجز اس کے کہ دوسری قوم ہماری ترقی اور ہمارے قوائے عقلی کی تحریک کا باعث ہو اور کچھ چارہ نہیں۔ بعد اِس کے کہ ہمارے قوائے عقلیہ تحریک میں آجاویں اور پھر قوت ایجاد ہم میں شگفتہ ہو تب ہم پھر اس قابل ہونگے کہ خود اپنی ترقی کے لیئے کچھ کرسکیں ؂

مگر جبکہ ہم دوسری قوموں سے ازراہ تعصب نفرت رکھیں اور کوئی نیا طریقہ زندگی کا کہ وہ کیسا ہی بے عیب ہو اختیار کرنا صرف بسبب اپنے تعصب یا رسم و رواج کی پابندی کے معیوب سمجھیں تو پھر ہم کو اپنی بھلائی اور اپنی ترقی کی کیا توقع ہے ؂

مگر جو کہ ہم لوگ مسلمان ہیں اور ایک مذہب رکھتے ہیں جس کو ہم دل سے سچ جانتے ہیں اِس لیئے ہم کو مذہبی پابندی ضرور ہے اور وہ اسی قدر ہے کہ جو بات معاشرت اور تمدن اور زندگی بسر کرنے اور دنیاوی ترقی کی اختیار کرتے ہیں اُس کی نسبت اتنا دیکھ لیں کہ وہ مباحات شرعیہ میں سے ہے یا محرمات شرعیہ میں سے۔ درصورت ثانی بلاشبہ ہم کو احتراز کرنا چاہیئے اور درصورت اول بلالحاظ پابندی رسوم کے اور بلالحاظ اس بات کے کہ لوگ ہم کو بُرا کہتے ہیں یا بھلا اُس کو اختیار کرنا ضرور بلکہ واسطے ترقی قومی کے فرض ہے ؂

خدا ہمہ مسلمانان را بریں کار توفیق دہد ؂

آمین!

انسانوں کی سمجھ پر بڑا افسوس ہے کہ جس قدر کہ وہ اپنے خیال و قیاس میں اپنے سے اس مشہور مقولہ کی سند پر کہ "الانسان مرکب من الخطاء و النسیان" سہو و خطا کا ہونا ممکن سمجھتے ہیں اُس قدر اپنی رایوں اور اپنی باتوں کے عملدرآمد میں نہیں سمجھتے اُن کی عملی باتوں سے اُس کی قدر و منزلت نہایت ہی خفیف معلوم ہوتی ہے۔ گو خیال و قیاس میں اُس کی کیسی ہی بڑی قدر و منزلت سمجھتے ہوں۔ اگرچہ سب اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ ہم سے سہو و خطا ہونی ممکن ہے مگر بہت ہی کم آدمی ایسے ہونگے جو اُس کا خیال رکھنا اور از روئے عمل کے بھی اُس کی احتیاط کرنا ضرور سمجھتے ہوں اور عملی طور پر اس بات کو تسلیم کرتے ہوں کہ جس رائے کی صحت کا اُن کو خوب یقین ہے شاید وہ اُسی سہو و خطا کی مثال ہو جس کا ہونا وہ اپنے سے ممکن سمجھتے ہیں۔

جو لوگ کہ دولت یا منصب اور حکومت یا علم کے سبب غیر محدود تعظیم و ادب کے عادی ہوتے ہیں وہ تمام معاملات میں اپنی رایوں کے صحیح ہونے پر یقین کامل رکھتے ہیں اور اپنے میں سہو و خطا ہونے کا احتمال کبھی نہیں کرتے اور جو لوگ اُن سے کسی قدر زیادہ خوش نصیب ہیں یعنی وہ کبھی کبھی اپنی رایوں پر اعتراض اور بحث اور تکرار ہوتے ہوئے سنتے ہیں اور کچھ کچھ اس بات کے عادی ہوتے ہیں کہ جب غلطی پر ہوں تو متنبہ ہونے پر اُس کو چھوڑ دیں اور درست بات کو مان لیں اگرچہ اُن کو اپنی ہر ایک رائے کی درستی پر یقین کامل تو نہیں ہوتا مگر اُن رایوں کی درستی پر ضرور یقین ہوتا ہے جن کو وہ لوگ جو اُن کے اردگرد رہتے ہیں یا ایسے لوگ جن کی بات کو وہ نہایت ادب و تعظیم کے قابل سمجھتے ہیں اُن رایوں کو تسلیم کرتے ہیں۔ یہ ایک قاعدہ کلیہ ہے کہ جو شخص جس قدر اپنی ذاتی رائے پر اعتماد نہیں رکھتا وہ شخص اُسی قدر دنیا کی رائے پر عموماً زیادہ تر اعتماد رکھتا ہے جس کو بعضی اصطلاحوں میں جمہور کی رائے یا جمہور کا مذہب کہا جاتا ہے۔

مگر یہ بات سمجھنی چاہیئے کہ ایسے لوگوں کے نزدیک دنیا سے یا جمہور سے کیا مراد ہوتی ہے ہر ایسے شخص کے نزدیک دنیا سے اور جمہور سے وہ چند اشخاص معدود مراد ہوتے ہیں جن سے وہ اعتقاد رکھتا ہے یا جن سے وہ ملتا جلتا ہے مثلاً اُس کے دوستوں یا ہم رایوں کا فریق یا اُس کی ذات برادری کے لوگ یا اُس کے درجہ و رتبہ کے لوگ۔ پس اُس کے نزدیک تمام دنیا اور جمہور کے معنی اُنہی لوگوں پر منحصر ہو جاتے ہیں۔ اور اس لیے وہ شخص اس رائے کو دنیا کی یا جمہور کی رائے سمجھ کر اُس کی درستی پر زیادہ تر یقین کرتا ہے۔ اس ہیئت مجموعی رائے کا جو اعتماد اور یقین اُس کو زیادہ ہوتا ہے اور ذرا بھی اس میں لغزش نہیں آتی۔ اُس کا سبب یہ ہی ہوتا ہے کہ وہ

باعث ہوتے ہیں کہ اُن کی آیندہ نسلیں بسبب ناتحقیق باقی رہ جانے اُن اعتراضوں کے جس وقت
اُن اعتراضوں سے واقف ہوں اُسی وقت مذہب سے منحرف ہو جاویں۔ وہ خود اِس بات
کے باعث ہوتے ہیں کہ وہ اپنی نادانی سے تمام دنیا پر گویا یہ بات ظاہر کرتے ہیں کہ اِس مذہب کو
جس کے وہ پیرو ہیں مخالفوں کے اعتراضوں سے نہایت ہی اندیشہ ہے اگر انہی کے مذہب
کا کوئی شخص بغرض حصول اغراض مذکورہ اُن کا پھیلانا چاہتا ہے تو خود اُس کو معترض کی جگہ تصوّر
کرتے ہیں اور اپنی نادانی سے دوست کو دشمن قرار دیتے ہیں ؛

کیا عمدہ رائے اُس فیلسوف کی ہے کہ "کسی رائے کے حامیوں کا اُس رائے کے برخلاف
رائے کے شہرت ہونے میں مزاحمت کرنے سے خود اُن حامیوں کا بہ نسبت اُن کے مخالفوں کے
زیادہ تر نقصان ہے اِس لئے کہ اگر وہ رائے صحیح و درست ہو تو اُس کی مزاحمت سے غلطی کے
بدلے صحیح بات حاصل کرنے کا موقع اُن کے ہاتھ سے جاتا ہے اور اگر وہ غلط ہے تو اِس بات کا موقع
باقی نہیں رہتا کہ غلطی اور صحت کے مقابلہ سے جو بات کو زیادہ آشکار اور اُس کی سچائی زیادہ تر
دلوں پر مؤثر ہوتی ہے اور اُس کی روشنی دلوں میں بیٹھ جاتی ہے اس نتیجہ کو حاصل کریں جو فی الحقیقت
نہایت عمدہ فائدہ ہے" ؛

کچھ شبہ نہیں ہے کہ عموماً مخالف اور شوقی رایوں کا پھیلانا اور مشتہر ہونا خواہ وہ دینی
معاملہ سے علاقہ رکھتی ہوں یا دنیوی معاملہ سے ہمارے لئے بہت ہی عمدہ اور مفید ہے تو اُس قسم کی رایوں پر علیحدہ علیحدہ
غور کرنے کا موقع ملتا ہے کہ اُن میں سے کونسی بہتر ہے یا اِن دونوں کی [illegible] ہوتی
ہے جو جداگانہ ہر ایک کے مناسب ہیں۔ ہم کو اِس بات کا کبھی یقین کامل نہیں ہو سکتا کہ جس
رائے کی مزاحمت میں پابند رہنے میں ہم کوشش کرتے ہیں وہ غلط ہی ہے اور اگر یقین بھی ہو کر
وہ غلط ہے تو بھی اُس کی مزاحمت اور اُس کا انسداد برائی سے خالی نہیں ؛

فرض کرو کہ جس رائے کا بند کرنا ہم چاہتے ہیں حقیقت میں وہ رائے صحیح و درست ہے اور
جو لوگ اُس کا انسداد چاہتے ہیں وہ اُس کی درستی اور صحت سے منکر ہیں مگر غور کرنا چاہئے کہ وہ لوگ
یعنی اُس رائے کے بند کرنے والے ایسے نہیں ہیں جن سے غلطی اور خطا ہونی ممکن نہ ہو اُن کو
اِس بات کا حق نہیں ہے کہ وہ اُس خاص معاملہ کو تمام انسانوں کے لئے خود فیصل کریں اور اور
شخصوں کو اپنی رائے کام میں لانے سے محروم کر دیں کسی مخالف رائے کی سماعت سے اس
وجہ سے انکار کرنا کہ ہم کو اُس کے غلط ہونے کا یقین ہے گویا یہ کہنا ہے کہ ہمارا یقین یقین کامل
کا رتبہ رکھتا ہے اور اُس پر بحث و گفتگو کی ممانعت کرنا انبیا سے بھی بڑھ کر اپنا رتبہ سمجھنا ہے اور
اپنے تئیں ایسا سمجھنا ہے کہ ہم سے سہو و خطا کا ہونا ناممکن ہے ؛

اور مضر ہیں لوگوں کو خراب یا بد اخلاق یا بد مذہب نہ کریں۔

مگر مخالف رائے کے بند کرنے میں صرف اتنا ہی نہیں ہوتا کہ اُنہوں نے اپنے تئیں قابل سہو و خطا سمجھ کر اپنے ایمان اور اپنے یقین کے موافق عمل کیا ہے بلکہ اُس سے بہت زیادہ کیا جاتا ہے اِس بات میں کہ ایک رائے کو اِس وجہ سے صحیح سمجھا جاوے کہ اُس پر اعتراض و حجت کرنے کا ہر طرح پر لوگوں کو موقع دیا گیا اور اُس کی تردید نہ ہو سکی اور اِس بات میں کہ ایک رائے کو اِس وجہ سے مان لیا گیا کہ اُس کی تردید کی کسی کو اجازت نہیں ہوئی زمین اور آسمان کا فرق ہے۔ پس مخالف رایوں کی مزاحمت کرنے والے اپنی رائے کو اس وجہ سے صحیح نہیں سمجھتے کہ اُس کی تردید نہیں ہو سکی بلکہ اس لیئے صحیح ٹھہراتے ہیں کہ اُس کی تردید کی اجازت نہیں ہوئی حالانکہ جس شرط سے ہم بطور جائز اپنی رائے کو عملدرآمد ہونے کے لئے درست قرار دے سکتے ہیں وہ صرف یہی ہے کہ لوگوں کو اس بات کی کامل آزادی ہو کہ وہ اُس رائے کے برخلاف کہیں اور اُس کو غلط ثابت کریں اس کے سوا اور کوئی صورت نہیں ہے کہ انسان جس کے قوائے عقلی اور ادراک کامل نہیں ہیں۔ اپنے آپ کو راہ راست پر ہونے کا یقین کر سکے اہل مذاہب جو صرف اپنے معتقدفیہ کی پیروی ہی کو راہ راست سمجھتے ہیں جب تک کہ وہ بھی اِس بات پر مباحثہ اور اظہار رائے کی اجازت نہ دیں کہ جس طرح پر اُن کا عملدرآمد اور چال چلن یا اعتقاد اور خیال ہے وہ صحیح طور سے اُن کے معتقدفیہم کی پیروی ہے یا نہیں اُس وقت تک وہ بھی اپنے آپ کو راہ راست پر ہونے کا یقین نہیں کر سکتے۔

انسان کی پچھلی حالتوں کو موجودہ حالتوں سے مقابلہ کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ ہر زمانہ میں انسانوں کا یہی حال ہے کہ سو میں سے ایک ہی شخص اس قابل ہوتا ہے کہ کسی دقیق معاملہ پر رائے دے اور ننانوے شخص اس میں رائے دینے کی لیاقت نہیں رکھتے مگر اس ایک آدمی کی رائے کی عمدگی بھی صرف اضافی ہوتی ہے اس لیئے کہ اگلے زمانہ کے لوگوں میں اکثر آدمی جو سمجھ بوجھ اور لیاقت میں مشہور تھے ایسی رائیں رکھتے تھے کہ جن کی غلطی اب بخوبی روشن ہو گئی ہے۔ بہت سی ایسی باتیں اُن کو پسندیدہ اور اُن کے عملدرآمد تھیں جن کو اب کوئی بھی ٹھیک اور درست نہیں سمجھتا اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انسانوں میں ہمیشہ معقول رایوں اور پسندیدہ رایوں کو غلبہ رہتا ہے مگر اس کا سبب بجز انسان کی عقل و فہم کی ایک عمدہ صفت کے جو نہایت ہی پسندیدہ ہے اور کوئی نہیں۔ اور وہ صفت یہ ہے کہ انسان کی غلطیاں اصلاح کی صلاحیت رکھتی ہیں یعنی انسان اپنی غلطیوں کو مباحثہ اور تجربہ کے ذریعہ سے درست کر لینے کی قابلیت رکھتا ہے پس انسان کی رائے کی تمامہ قوت اور قدر و منزلت کا

اس بات سے واقف نہیں ہوتا کہ اُس کے زمانہ سے پہلے اور زمانوں کے اور مُلکوں کے - اور فرقوں کے اور مذہبوں کے لوگ اُس میں کیا رائے رکھتے تھے اور اب بھی اور ملکوں اور فرقوں اور مذہبوں کے لوگ کیا رائے رکھتے ہیں - ایسے شخص کا یہ حال ہوتا ہے کہ وہ اِس بات کی جوابدہی کو کہ درحقیقت وہ راہ راست پر چلتا ہے اپنی فرضی دنیا یا جمہور کے ذمّہ ڈالتا ہے پس جو کچھ اُس کی رائے یا اُس کا حال ہو کچھ بھی اعتبار اور یقین کے لایق نہیں ہے اِس لئے کہ جن وجوہات سے وہ شخص بسبب مسلمان خاندان میں پیدا ہونے کے اِس وقت بڑا مقدّس مسلمان ہے اُنہی وجوہات سے اگر وہ عیسائی خاندان یا مُلک یا بُت پرست خاندان یا مُلک میں پیدا ہوتا تو وہ بھلا چنگا عیسائی یا بُت پرست ہوتا وہ مطلق اس بات کا خیال نہیں کرتا کہ جس طرح کسی خاص شخص کا خطا میں پڑنا ممکن ہے اُسی طرح اُس کی فرضی دنیا اور خیالی جمہور کی تو کیا حقیقت ہے زمانہ کے زمانہ کا اور اُس سے بھی بہت بڑی دنیا کا خطا میں پڑنا ممکن ہے - تاریخ سے اور علوم موجودہ سے بخوبی ظاہر ہے کہ ہر زمانہ میں ایسی ایسی رائیں قایم ہوئیں اور مسلّم قرار پائیں جو اُس کے بعد کے زمانہ میں صرف غلط ہی نہیں بلکہ سراسر لغو و مہمل سمجھی گئیں اور یقیناً اس زمانہ میں بھی بہت سی ایسی رائیں مروّج ہونگی جو کسی آیندہ زمانہ میں اسی طرح مردود اور نامعقول ٹھہریں گی جیسے کہ بہت سی وہ رائیں جو اگلے زمانہ میں عام طور پر مروّج تھیں اور اب مردود ہو گئی ہیں +

اِس تقریر پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ جو لوگ مخالف رائے کو غلط اور مضر سمجھ کر اُس کی مزاحمت کرتے ہیں اُس سے اُن کا مطلب اِس بات کا دعویٰ کرنا کہ وہ غلطی سے آزاد و بری ہیں نہیں ہوتا بلکہ اُس سے اُس فرض کا ادا کرنا مقصود ہوتا ہے جو اُن پر باوصف قابل سہو و خطا ہونے کے اپنے ایمان اور اپنے یقین کے مطابق عمل کرنے کا ہے اگر لوگ اس وجہ سے اپنی رایوں کے موافق کاربند نہ ہوں کہ شاید وہ غلط ہوں تو کوئی شخص اپنا کوئی کام کبھی نہیں کر سکتا - لوگوں کا یہ فرض ہے کہ حتّی المقدور اپنی نہایت درست رائیں قائم کریں اور بغور اُن کو قرار دیں اور جب اُن کی درستی کا بخوبی یقین ہو جاوے تو اُس کے مخالف رایوں کے بند کرنے اور مزاحمت کرنے میں کوشش کریں - آدمیوں کو اپنی استعداد و قابلیت کو نہایت عمدہ طور سے برتنا چاہیئے یقین کامل کسی امر میں نہیں ہو سکتا مگر ایسا یقین ہو سکتا ہے جو انسان کے مطالب کے لئے کافی ہو - انسان اپنی کارروائی کے لئے اپنی رائے کو درست و صحیح سمجھ سکتے ہیں اور اُن کو ایسا ہی سمجھنا چاہیئے اور وہ اس سے زیادہ اور کوئی بات اس صورت میں اختیار نہیں کرتے جبکہ وہ شریر آدمیوں کو ممانعت کرتے ہیں کہ ایسی رایوں کے شایع کرنے سے جو اُن کے نزدیک فاسد

کیا حکیم اور کیا متعصب اہل مذہب سب اُسی کو تسلیم کرتے ہیں اور اُسی کو سچ جانتے ہیں اور
مذہبی عقائد سے بھی زیادہ اُس کی سچائی دلوں میں بیٹھی ہے بغیر آزادی رائے کے کسی چیز کی سچائی
جہاں تک کہ اُس کی سچائی دریافت ہونی ممکن ہے دریافت نہیں ہوسکتی۔ جن اعتقادوں کو
ہم نہایت جائز و درست سمجھتے ہیں اُن کے جواز و درستی کی اور کوئی سند اور بنیاد بجز اس کے
نہیں ہوسکتی کہ تمام دنیا کو اختیار دیا جاوے کہ وہ اُن کو بے بنیاد ثابت کریں۔ اگر وہ لوگ ایسا
قصد نہ کریں یا کریں اور کامیاب نہ ہوں تو بھی ہم اُن پر یقین کامل رکھنے کے مجاز نہیں ہیں۔
البتہ ایسی اجازت دینے سے ہم نے ایک ایسا نہایت عمدہ ثبوت اُن کی صحت کا حاصل کیا ہے
جو انسانوں کی عقل کی حالت موجودہ سے ممکن تھا کیونکہ ایسی حالت میں ہم نے کسی ایسی بات
سے غفلت نہیں کی جس سے صحیح صحیح بات ہم تک نہ پہنچ سکتی ہو۔ اور اگر امر مذکورہ پر مباحثہ
کی اجازت جاری رہے تو ہم اُمید کرسکتے ہیں کہ اگر کوئی بات اُس سے بہتر اور سچ اور صحیح ہے
تو وہ اُس وقت ہم کو حاصل ہوجاویگی جبکہ انسانوں کی عقل و فہم اُس کے دریافت کرنے کے
قابل ہوگی۔ اور اِس اثناء میں ہم اِس بات کا یقین کرسکتے ہیں کہ ہم راستی اور صداقت کے
اِس قدر قریب پہنچ گئے ہیں جس قدر کہ ہمارے زمانہ میں ممکن تھا۔ غرضکہ ایک خطا وار وجود
جس کو انسان کہتے ہیں اگر کسی امر کی نسبت کسی قدر یقین حاصل کرسکتا ہے تو اُس کا یہی
طریقہ ہے جو بیان ہوا اور مسلمانی مذہب کا جو ایک مشہور مسئلہ ہے کہ الحق یعلو ولا یعلی
یہ اُس کی ایک ادنےٰ تفسیر ہے ؛

مگر ایک بہت بڑا دھوکہ ہے جو انسانوں کو اور بعضی دفعہ نیک گورنمنٹوں کو بھی آزادیٔ رائے
کے بند کرنے پر مائل کرتا ہے اور وہ مسئلہ شودنہدی کا ہے جس کو غلط اور جھوٹا نام مصلحت عام کا
دیا گیا ہے وللہ درّ من قال۔ برعکس نہند نام زنگی کافور۔ اور وہ مسئلہ یہ ہے کہ کسی رائے یا مسئلہ
یا عقیدہ کی سچائی اور صحت پر بحث کرنے سے اس لیئے ممانعت کی جاتی ہے کہ گو وہ فی نفسہٖ کیسا ہی
ہو مگر اُس سے عام لوگوں کا پابند رہنا نہایت مفید اور باعث صلاح و فلاح عام لوگوں کا ہے
اور فی زماننا ہذا ہندوستان میں اور خصوصاً مسلمانوں میں یہ رائے بکثرت رائج ہے بلکہ اِس گناہ
کے کام کو ایک نیک کام تصور کیا جاتا ہے اس رائے کا نتیجہ یہ ہے کہ مباحثہ اور رایوں کی
آزادی کا بند کرنا اُس مسئلہ یا عقیدہ کی صحت اور سچائی پر منحصر نہیں ہے بلکہ زیادہ تر مفید عام
ہونے پر منحصر ہے مگر افسوس ہے کہ ایسی رائے رکھنے والے یہ نہیں سمجھتے کہ وہی دعوے
سابق یعنی اپنے آپ کو ناقابل سہو و خطا سمجھنے کا جس سے اُنہوں نے توبہ کی تھی پھر دہرا کر
پھر قائم ہوتا ہے صرف اتنا فرق ہوتا ہے کہ پہلے وہ دعوے ایک بات پر تھا اب وہی دعوے

حصر اِس ایک بات پر ہے کہ جب وہ غلط ہو تو صحیح کی جاسکتی ہے مگر اُس پر اعتماد اُسی وقت
کیا جاسکتا ہے جبکہ اُس کے صحیح کرنے کے ذریعے ہمیشہ برتاؤ میں رکھے جاویں۔ خیال کرنا
چاہئیے کہ جس آدمی کی رائے حقیقت میں اعتماد کے قابل ہے اُس کی وہ رائے اِس قدر و منزلت
کو کس وجہ سے پہنچی ہے۔ اسی وجہ سے پہنچی ہے کہ اُس نے ہمیشہ اپنی طبیعت پر اِس بات کو
گوارا رکھا ہے کہ اُس کی رائے پر نکتہ چینیاں کی جاویں اور اُس نے اپنا طریقہ یہ ٹھہرا دیا ہے کہ
اپنے مخالف کی رائے کو ٹھنڈے دل سے سُننا اور اُس میں جو کچھ درست اور واجب تھا
اُس سے خود مستفید ہونا اور جو کچھ اُس میں غلط اور ناواجب تھا اُس کو سمجھ لینا اور موقع پر اُس
غلطی سے اوروں کو بھی آگاہ کر دینا۔ ایسا شخص گویا اِس بات کو عملی طور پر تسلیم کرتا ہے کہ جس طریقہ
سے انسان کسی معاملہ کے کل مدارج کو جان سکتا ہے وہ صرف یہ ہے کہ اُس کی بابت ہر قسم کی رائے
کے لوگوں کی گفتگو کو سُنے اور جن جن طریقوں سے ہر سمجھ اور طریقہ اور طبیعت کے آدمی اُس
معاملہ پر نظر کریں اُن سب طریقوں کو سوچے اور سمجھے۔ کسی دانا آدمی نے اپنی دانائی بجز اِس
طریقہ کے اور کسی طرح پر حاصل نہیں کی۔ انسان کی عقل و فہم کا خاصہ یہی ہے کہ وہ اِس طور کے
سوا اور کسی طور سے مہذب اور معقول ہو ہی نہیں سکتی اور صرف اس بات کی مستقل عادت
کے سوا کہ اپنی رائے کو اوروں کی رایوں سے مقابلہ کر کے اُس کی اصلاح و تکمیل کیا کرے اور کوئی
بات اُس پر اعتماد کرنے کی وجہ متصور نہیں ہو سکتی۔ اس لئے کہ اِس صورت میں اُس شخص نے
لوگوں کی اُن تمام باتوں کو جو اُس کے برخلاف کہہ سکتے تھے بخوبی سُنا اور تمام معترضوں کے
سامنے اپنی رائے کو ڈالا اور بعوض اس کے کہ مشکلاتوں اور اعتراضوں کو چھپاوے خود اُس
نے جستجو کی اور ہر طرف سے جو کچھ روشنی پہنچی اُس کو بند نہیں کیا تو ایسا شخص البتہ اِس بات
کے خیال کرنے کا استحقاق رکھتا ہے کہ میری رائے ایسے شخص یا اشخاص سے جنھوں نے اپنی
رائے کو اس طرح پر پختہ نہیں کیا بہتر و فایق ہے ✤

جس شخص کو اپنی رائے پر کسی قدر بھروسا کرنے کی خواہش ہو یا یہ خواہش رکھتا ہو کہ عام
لوگ بھی اُس کو تسلیم کریں اس کا طریقہ بجز اس کے اور کچھ نہیں ہے کہ وہ اپنی رائے کو عام مباحثہ
اور ہر قسم کے لوگوں کو اعتراضوں کے لئے حاضر کرے اگر نیوٹن صاحب کی حکمت اور ہیئت اور
مسئلہ ثقل پر اعتراض اور حجت کرنے کی اجازت نہ ہوتی تو دنیا اُس کی صحت اور صداقت پر ایسا
پختہ یقین نہ کر سکتی جیسا کہ اب کرتی ہے کیا کچھ مخالفت ہے جو لوگوں نے اُس دانا حکیم کے
ساتھ نہیں کی اور کونسی مذہبی لعن و طعن ہے جو اُس سچے اور سچی رائے رکھنے والے حکیم کو
نہیں دی گئی مگر غور کرنا چاہئیے کہ اُس کا نتیجہ کیا ہوا۔ یہ ہوا کہ آج تمام دنیا کیا دانا اور کیا نادان۔

رائے کے کوئی بات نہ کہنی مصلحت وقت سمجھ کر یا یہ خیال کر کر کہ گورنمنٹ کے یا کسی کے برخلاف بحث کرنا خیرخواہی نہیں ہے مباحثہ کو ترک کر دیا تو اس کا نتیجہ بجز اس کے اور کچھ نہیں ہوا کہ اُس تجویز نے کسی کے دلوں میں مطلق اثر نہیں کیا اور ایک مردہ رائے سے زیادہ اور کچھ رتبہ لوگوں کے دلوں میں نہیں پایا۔

یہ بات کہ سچی اور درست رائے بے مباحثہ و دلیل کے بھی طبیعتوں میں بیٹھ جاتی ہے اور گھر کر لیتی ہے ایک خوش آیند مگر غلط آواز ہے۔ دنیا کو دیکھو کہ گروہ کے گروہ ایک دوسرے کی متناقض رائے پر جمے ہوئے ہیں اور وہ متناقض رائیں اُن کے دلوں میں گھر کئے ہوئے ہیں۔ پھر کیا وہ دونوں متناقض رائیں سچی اور صحیح ہیں۔ ہاں اس میں کچھ شک نہیں کہ بہت سی باتیں بے سمجھے اور بغیر دلیل کے اور بغیر مباحثہ کے لوگوں کے دلوں میں گھر کر جاتی ہیں مگر اُن کا صحیح و درست ہونا ضرور نہیں۔ سچ میں کوئی ایسی اعجازی کرامات نہیں ہے کہ وہ از خود دلوں میں بیٹھ جاوے۔ اُس میں جو کچھ کرامات ہے وہ صرف اسی قدر ہے کہ مباحثہ کا اُس کو خوف نہیں۔ سچ رائے بھی اگر بلا دلیل و مباحثہ دل میں گھر کر لے تو وہ سچی رائے نہیں کہلاویگی بلکہ تعصب اور جہل مرکب اُس کا مناسب نام ہوگا مگر ایسا طریقہ حق اور سچ بات کے قبول کرنے کا ایک ذیعقل مخلوق کے لئے جیسا کہ انسان ہے شایاں نہیں اور نہ یہ طریقہ راستی و حق کے پہچاننے کا ہے بلکہ جو حق بات اِس طرح پر قبول کی جاتی ہے وہ ایک خیال فاسد اور باطل ہے اور جن باتوں کو حق فرض کر لیا ہے اُن کا اتفاقیہ قبول کر لینا ہے۔

نہایت سچ اور بالکل سچ تو یہ بات ہے کہ جس شخص نے جو رائے یا مذہب اختیار کیا ہے وُہی شخص اُس کا جوابدہ ہے۔ اُس رائے کے موجد یا اُس مذہب کے پیشوا اور معلّم اور مجتہد کچھ اُس کے ذمہ وار نہیں ہیں مگر مسلمانوں نے اِس آفتاب سے بھی زیادہ روشن مسئلہ سے آنکھ بند کر لی ہے اور رومن کیتھلک یعنی بت پرست عیسائیوں کا مسئلہ اختیار کیا ہے۔ رومن کیتھلک مذہب میں اُن لوگوں کے جو اُس مذہب پر ایمان رکھتے ہیں دو فرقے قرار دئے گئے ہیں۔ ایک تو وہ جو اُس مذہب کے مسائل کو بعد دلیل و ثبوت کے قبول کرنے کے مجاز ہیں اور دوسرے وہ جن کو صرف اعتماد اور بھروسہ یعنی تقلید سے اُن کا قبول کر لینا چاہئے۔ اِسی قاعدہ کی پیروی سے مسلمانوں نے بھی اپنے مذہب میں ذو فریق قائم کئے ہیں۔ ایک وہ جنہوں نے مسئلہ مسئلہ کو بعد ثبوت و تحقیقات اور اقامت دلیل تسلیم کیا ہے اور اُن کا نام باختلاف درجات مجتہد مطلق اور مجتہد فی المذہب اور مرجح قرار دیا ہے۔ دوسرا وہ جن کو بے سمجھے بوجھے آنکھ بند کر کر اُن کی پیروی کرنی چاہئے اور اُن کا نام مقلد اور اُس فعل کا نام تقلید قرار دیا ہے اور اِس سبب سے مخالف

دوسری بات پر ہے۔ یعنی پہلے اُس اصل مسئلہ یا عقیدہ کے سچ ہونے پر تھا اور اب اُس کے مفید عام ہونے پر ہے حالانکہ یہ بات بھی کہ وہ مسئلہ یا عقیدہ مفید عام ہے اسی قدر بحث و مباحثہ کا محتاج ہے جس قدر کہ وہ اصل مسئلہ یا عقیدہ محتاج ہے +

ایسی رائے رکھنے والے اِس غلطی پر ایک اور دوسری غلطی یہ کرتے ہیں جبکہ وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم نے صرف اُس کی اصلیت اور سچائی پر بحث کی ممانعت کی ہے اُس کے مفید عام ہونے کی بحث پر ممانعت نہیں کی اور یہ نہیں سمجھتے کہ رائے کی صداقت خود اُس کے مفید عام ہونے کا ایک جزو ہے ممکن نہیں کہ ہم کسی رائے کے مفید عام ہونے پر بغیر اُس کی صحت اور سچائی ثابت کئے بحث کرسکیں۔ اگر ہم یہ بات جاننی چاہتے ہیں کہ آیا فلاں بات لوگوں کے حق میں مفید ہے یا نہیں تو کیا یہ ممکن ہے کہ اِس بات پر توجہ نہ کریں کہ آیا وہ بات سچ اور صحیح و درست بھی ہے یا نہیں۔ ادنٰے اور اعلےٰ سب اِس بات کو قبول کرینگے کہ کوئی رائے یا مسئلہ یا اعتقاد جو صداقت اور راستی کے برخلاف ہے درحقیقت کسی کے لئے مفید نہیں ہوسکتا +

یہ تمام مباحثہ جو ہم نے کیا ایسی صورت سے متعلق تھا کہ رائے مروجہ اور تسلیم شدہ کو ہم نے غلط اور اُس کے برخلاف رائے کو جس کا بند رکھنا لوگ چاہتے تھے صحیح و درست فرض کیا تھا۔ اب اس کے برخلاف شق کو اختیار کرتے ہیں یعنی یہ فرض کرتے ہیں کہ رائے مروجہ اور تسلیم شدہ صحیح ہے اور اُس کے برخلاف رائے جس کا بند کرنا چاہتے ہیں غلط اور نادرست ہے اور اس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ اُس غلط رائے کا بھی بند کرنا خالی برائی اور نقصان سے نہیں +

ہر ایک شخص کو گو اُس کی رائے کیسی ہی زبردست اور مضبوط ہو اور وہ کیسی ہی مشکل اور نارضامندی سے اپنی رائے کے غلط ہونے کے امکان کو تسلیم کرے یہ بات خوب یاد رکھنی چاہئے کہ اگر اُس رائے پر بخوبی تمام اور نہایت بے باکی سے بے دھڑک مباحثہ نہیں ہوسکتا تو وہ ایک مُردہ اور مردار رائے قرار دی جاویگی نہ ایک زندہ اور سچی حقیقت اور وہ کبھی ایسی حق اور سچ بات قرار نہیں پاسکتی جس کا اثر ہمیشہ لوگوں کی طبیعتوں پر رہے +

گذشتہ اور حال کے زمانہ کی تاریخ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بعضی دفعہ ظالم گورنمنٹوں نے بھی نہایت سچی اور صحیح بات کی رواج پر کوشش کی۔ اِلّا اُن کے ظلم نے اُس پر آزادی سے مباحثہ کی اجازت نہیں دی۔ اور بہت سی ایسی مثالیں بھی موجود ہیں کہ نیک اور تربیت یافتہ گورنمنٹ نے نہایت سچی اور صحیح بات کا رواج دینا چاہا اور لوگوں نے یا تو اس خیال سے کہ ہمارے مباحثہ اور دلائل کو اُس رائے میں کچھ مداخلت نہیں ہے یا کوئی التفات نہیں کرتا از خود مباحثہ کو نہیں اٹھایا یا اپنے وہمی خوف سے یا ارکین گورنمنٹ کی بدمزاجی کے ڈر سے یا اُن کی خلاف

یا جو جو باتیں اُن لفظوں سے ابتدا میں مراد رکھی گئیں تھیں اُن میں سے بہت تھوڑی ہی معلوم رہ جاتی اور بعوض اس کے کہ اُس مسئلہ یا رائے کا اعتقاد ہر دم تر و تازہ اور زندہ یعنی موثر رہے اُس کے حرف چند او دوسرے کلمے حافظہ کی بدولت باقی رہ جاتے ہیں اور اگر اُس کی مراد اور معنی بھی کچھ باقی رہتے ہیں تو صرف اُن کا پوست ہی پوست باقی رہتا ہے اور مغز و اصلیت نابود ہو جاتی ہے۔ اب ذرا انصاف سے مسلمانوں کو اپنا حال دیکھنا چاہیئے کہ تمام علوم معقول و منقول میں اسی مزاحمت رائے یا تقلید کی بدولت اُن کا درحقیقت ایسا ہی حال ہو گیا ہے یا نہیں ؛

اِس زمانہ تک جس قدر کہ انسانوں کو تمام مذہبی عقاید اور اخلاقی امور اور علمی مسائل میں تجربہ ہوا ہے اُس سے امر مذکورہ بالا کی صحت ثابت ہوتی ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جو لوگ کسی مذہب یا علم یا رائے کے موجد تھے اُن کے زمانہ میں اور اُن کے خاص مریدوں یا شاگردوں کے دلوں میں تو وہ عقاید یا مسائل طرح طرح کے معنیوں اور مرادوں اور خوبیوں سے بھرپور تھے اور اُس کا سبب یہی تھا کہ اُن میں اور اُن کے مخالف رائے والوں میں اس غرض سے بحث و حجت رہتی تھی کہ ایک کو دوسرے کے عقیدہ اور مسئلہ پر غلبہ اور فوقیت حاصل ہو مگر جب اُس کو کامیابی ہوئی اور بہت لوگوں نے اس کو مان لیا اور بحث اور حجت بند ہو گئی اُس کی ترقی بھی ٹھہر گئی اور وہ اثر جو دلوں میں تھا اُس میں بھی جان یعنی حرکت اور جنبش نہیں رہی ایسی حالت میں خود اُس کے حامیوں کا یہ حال ہوتا ہے کہ مثل سابق کے اپنے مخالفوں کے مقابلہ پر آمادہ نہیں رہتے اور جیسے کہ اُس عقیدہ یا مسئلہ کی پہلے حفاظت کرتے تھے ویسی اب نہیں کرتے بلکہ نہایت جھوٹے غرور اور بیجا استغنا سے سکون اختیار کرتے ہیں اور حتی الامکان اُس عقیدہ اور مسئلہ کے برخلاف کوئی دلیل نہیں سُنتے اور اپنے گروہ کے لوگوں کو بھی کفر کے فتووں کے ڈراوے سے اور جہنم میں جانے کی جھوٹی دہشت دکھانے سے سُننے سے اور اُس پر بحث کرنے سے جہاں تک ہو سکتا ہے باز رکھتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ کہیں علموں کی روشنی جو آفتاب کی روشنی کی طرح پھیلتی ہے اور اعتراضوں کی ہوا اگر وہ صحیح ہوں تو کیا اُن کے روکے رُک سکتی ہے اور جب یہ نوبت پہنچ جاتی ہے تو اس عقیدے یا مسئلہ کا جن کو اُن کے پیشواؤں نے نہایت محنتوں سے قایم کیا تھا زوال شروع ہوتا ہے اُس وقت تمام معلم اور مقدس لوگ جو اُس کمبخت زمانہ کے پیشوا گنے جاتے ہیں اس بات کی شکایت کرتے ہیں کہ معتقدوں کے دلوں میں اُن عقیدوں کا جن کو اُنھوں نے برائے نام قبول کیا ہے کچھ بھی اثر نہیں پاتے اور باوجودیکہ وہ ظاہر میں اُن عقیدوں اور مسئلوں کو قبول کرتے ہیں مگر اُن کا ایسا اثر کہ اُن کے معتقدوں کا چال چلن اور اخلاق اور عادت اور معاشرت بھی

کی مزاحمت مسلمانوں میں بہت زیادہ پھیل گئی ہے اور وہ اس کی نسبت ایک نہایت عمدہ مگر ابلہ فریب تقریر کرتے ہیں اور وہ یہ کہتے ہیں کہ تمام انسانوں کو اُن تمام باتوں کا جاننا ضرور ہے اور نہ ممکن ہے جن کو بڑے بڑے حکیم یا اہل معرفت اور عالم علوم دین جانتے اور سمجھتے ہیں اور نہ یہ ہو سکتا ہے کہ ہر ایک عام آدمی ایک ذکی اور دانشمند مخالف کی تمام غلط بیانیوں کو جانے اور اُن کو غلط ثابت کرے یا تردید کرنے اور غلط ثابت کرنے کے قابل ہو بلکہ صرف اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ اُن کے جواب دینے کے لائق ہمیشہ کوئی نہ کوئی موجود ہونگے جن کی بدولت مخالف کی کوئی بات بھی بلا تردید باقی نہ رہی ہوگی۔ بس سیدھی سادی عقل کے آدمیوں کے لئے یہی کافی ہے کہ اُن باتوں کی اصلیت سکھلا دی جاوے اور باقی وجوہات کی بابت وہ اوروں کی سند پر بھروسا کریں اور جبکہ وہ خود اس بات سے واقف ہیں کہ ہم اُن تمام مشکلات کے رفع دفع کرنے کے واسطے کافی علم اور پوری لیاقت نہیں رکھتے ہیں تو اس بات کا یقین کر کر مطمئن ہو سکتے ہیں کہ جو جو مشکلات اور اعتراض برپا کیئے گئے ہیں وہ لوگ اُن سب کا جواب دے چکے ہیں یا آیندہ دینگے جو بڑے بڑے عالم ہیں +

اِس تقریر کو تسلیم کرنے کے بعد بھی رائے کی آزادی اور مخالف رائے کی مزاحمت سے جو نقصان ہیں اُس میں کچھ نقصان نہیں لازم آتا کیونکہ اس تقریر کے بموجب بھی یہ بات قرار پاتی ہے کہ آدمیوں کو اِس بات کا معقول یقین ہونا چاہیئے کہ تمام اعتراضوں کا جواب حسب اطمینان دیا گیا ہے اور یہ یقین جب ہی ہو سکتا ہے جب کہ اُس پر بحث و مباحثہ کرنے کی آزادی ہو اور مخالفوں کو اجازت ہو کہ تمام اپنی وجوہات کو جو اُس کے مخالف رکھتے ہیں بیان کریں اور اُس مسئلہ کو غلط ثابت کرنے میں کوئی کوشش باقی نہ چھوڑیں +

اگر تقلید کی گرم بازاری کا جیسے کہ آج کل ہے اور آزادانہ مباحثہ کی مزاحمت و عدم موجودگی کا نقصان اور بد اثر درصورتیکہ تسلیم شدہ مسئلہ یا قرار داد رائیں صحیح ہوں اسی قدر ہوتا کہ اُس مسئلہ یا اُن رایوں کی وجوہات معلوم نہیں ہیں تو یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ گو وہ مزاحمت عقل و فہم کے حق میں مضر ہے مگر اخلاق کو تو اُس سے کچھ مضرت نہیں پہنچتی اور نہ اُس مسئلہ کی یا رایوں کی اُس قدر و منزلت میں کہ اُن سے نہایت عمدہ اثر لوگوں کی خصلتوں پر ہوتا ہے کچھ نقصان ہے مگر یہ بات نہیں ہے بلکہ اس سے بہت بڑھ کر نقصان ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مباحثہ اور آزادیٔ رائے کی عدم موجودگی میں صرف مسئلہ یا رایوں کی وجوہات ہی کو لوگ نہیں بھول جاتے بلکہ اکثر اُس مسئلہ یا رائے کے معنی اور مقصود کو بھی بھول جاتے ہیں چنانچہ جن لفظوں میں وہ مسئلہ یا رائے بیان کی گئی ہے اُن سے کسی رائے یا خیال کا قایم کرنا تک موقوف ہو جاتا ہے

سکتا ہے ہر ایک مذہب والا اپنے مذہب میں کسی نہ کسی کتاب کو مقدس سمجھتا ہے اور بطور قانون مذہب کے تسلیم کرتا ہے مگر بایں ہمہ یہ بات کہنی کچھ مبالغہ نہیں ہے کہ شائد ہزاروں میں سے ایک اپنی چال چلن کی جانچ اور اس کے برے یا بھلے ہونے کی آزمائیش اس مقدس تسلیم شدہ قانون کے بموجب کرتا ہو بلکہ جس چیز کی سند اور پابندی پر وہ کام کرتے ہیں وہ صرف اپنی قوم یا فرقے یا مذہبی گروہ کا رسم و رواج ہوتا ہے نہ اور کچھ۔ پس حقیقت میں یہ حال ہوتا ہے کہ ایک طرف تو وہ اخلاقی مسائل کا مجموعہ ہوتا ہے جس کی نسبت وہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ ان کی زندگی کے عملدرآمد کے لئے خدا نے بتایا ہے یا کم سے کم کسی نہایت نیک اور دانا عاقل ناقابل سہو و خطا شخص نے بنایا ہے اور دوسری طرف اُن رسم و رواج اور معتقد رایوں کا مجموعہ ہوتا ہے جو اس قوم یا فرقہ یا گروہ میں مروّج ہوتی ہیں اور اس پچھلے مجموعہ کی بعض باتیں اس پہلے مجموعہ کے بالکل مطابق ہوتی ہیں اور بعض کچھ مطابق اور بعض بالکل برخلاف۔ اور مذہب پر اعتقاد رکھنے والے اُس پہلے مجموعہ کی زبانی تصدیق تو بلا شبہ کرتے ہیں الا اصلی اطاعت اور رفاقت اور پابندی اُس پچھلے مجموعہ کی کرتے ہیں جس پر روزمرہ اُن کا عمل ہوتا ہے اور جس کا ترک کرنا یا اُس کے برخلاف کوئی کام کرنا نہایت ننگ و عار جانتے ہیں۔ پس یہ بیقدری جو اُس پہلے مجموعہ کے مسائل کی ہوگئی جس کو وہ خدا کا بنایا ہوا جانتے تھے اسی بات سے ہوگئی کہ اُس کے مسائل اور اصول پر مباحثہ بند ہوگیا اور اس سبب سے انسان کے باطن سے بے تعلق ہوگیا اور بجائے زندہ عقیدہ کے صرف بطور مُردہ عقیدہ کے لوگوں کے خیال میں رہ گیا ؁

اِس تقریر پر جو بہت بڑا اور نہایت سخت اعتراض وارد ہو سکتا ہے وہ یہ ہے کہ صحیح اور درست علم یا تجربہ حاصل کرنے کے لئے کیا یہ بات ضرور ہے کہ کبھی رایوں میں اتفاق نہ ہو بلکہ ضرور ہے کہ چند آدمی غلطی پر مصر رہیں تا کہ مباحثہ قائم رہے اور اَور لوگ اُن کی بدولت حق بات حاصل کرسکیں کیا دنیا میں غلطیوں کا موجود رہنا صحیح رایوں کے حاصل کرنے کے لئے لابد ہے جبکہ کسی عقیدہ یا علمی مسئلہ کو عموماً تسلیم کرلیا جاوے تو کیا اُس کی حقیقت بدل جاتی ہے اور اُس کی تاثیر جاتی رہتی ہے اور کیا کسی مسئلہ یا عقیدہ کا اُس وقت تک اثر نہیں ہوتا یا لوگ اُس کو بخوبی نہیں سمجھتے جب تک کہ کوئی اُس پر شبہ نہ کرتا رہے جبکہ انسان کسی حق بات کو بالاتفاق قبول کرلیتے ہیں تو کیا اس کی حقانیت معلوم ہو جاتی ہے۔ اب تک یہ خیال کیا گیا ہے کہ علم اور عقل کی ترقی کا عمدہ مقصد اور اعلےٰ نتیجہ یہ ہے کہ تمام انسان اچھی اچھی اور عمدہ عمدہ باتوں میں متفق الرائے ہوویں اور وہ اتفاق رائے روز بروز زیادہ بڑھتا جاوے پھر کیا علم اور عقل اُس وقت تک باقی رہتی ہے جب تک کہ اُس کا مقصد اور اُس کا نتیجہ حاصل نہ ہو یہ تو سنا گیا تھا کہ ہر بات

اُن عقیدوں اور مسئلوں کے مطابق ہو مطلق نہیں پاتے۔ مگر افسوس اور نہایت افسوس کہ وہ معلم اور مقدس لوگ اتنا خیال نہیں فرماتے کہ یہ حال جو ہوا ہے جس کی وہ شکایت کرتے ہیں اُنھی کی عنایت و مہربانی کا تو نتیجہ ہے۔ اب میں صاف کہتا ہوں اور نہایت بے دھڑک کہتا ہوں کہ یہ جو کچھ میں نے بیان کیا اس زمانہ کے مسلمانوں کے حال کا ٹھیک ٹھیک آئینہ ہے ؛

اب اس حالت کے برخلاف حالت کو خیال کرو یعنی جبکہ آزادی رائے کی قائم رہتی ہے جس کے ساتھ مباحثہ کا بھی قایم رہنا لازم و ملزوم ہوتا ہے اور ہر ایک حامی کسی عقیدہ یا علمی مسئلہ کا اپنے عقیدہ یا مسئلہ کی وجوہ کو قایم اور غالب رہنے پر بحث کرتا رہتا ہے۔ تو اُس وقت عام لوگ بھی اور سست عقیدہ والے بھی اس بات کو خوب جانتے اور سمجھتے ہیں کہ ہم کس بات پر لڑ بھڑ رہے ہیں اور ہمارے عقیدہ اور مسئلہ میں اور دوسروں کے عقیدہ اور مسئلہ میں کیا تفاوت ہے اور ایسی حالت میں ہزاروں ایسے آدمی پائے جاوینگے جنھوں نے اس عقیدہ یا مسئلہ کے اصول کو بخوبی خیال کیا ہوگا اور ہر ڈھنگ و طریقہ سے اُس کو خوب سمجھ بوجھ لیا ہوگا اور اُس کے عُمدہ عُمدہ پہلوؤں کو بخوبی جانچ اور تول لیا ہوگا اور اُن کے اخلاق اور اُن کی عادت اور خصلت پر اُس کا ایسا پورا پورا اثر ہوگا کہ جیسا کہ ایسے شخص کی طبیعت پر ہونا ممکن ہے جس میں وہ عقیدہ یا مسئلہ بخوبی رچ بس گیا ہو۔ مگر جبکہ وہ عقیدہ ایک موروثی اعتقاد ہو جاتا ہے اور لوگ باپ دادا یا اُستاد پیر کی رسم متبرک کے طور پر قبول کرتے ہیں تو وہ تصدیق قلبی نہیں ہوتی۔ طبیعت اُس کو مردہ دلی سے قبول کرتی ہے اور اس لئے طبیعت کا میلان اُس عقیدہ اور مسئلہ کے بھُلا دینے پر ہوتا ہے یہاں تک کہ وہ عقیدہ یا مسئلہ انسان کے باطن سے بے تعلق ہو جاتا ہے اور صرف اوپر ہی اوپر رہ جاتا ہے اور تمام اخلاق اور عادات اُس کے برخلاف ہوتے ہیں اور ایسے ایسے حالات پیش آتے ہیں جیسے کہ اس زمانہ میں اکثر پیش ہوتے رہتے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ عقیدہ یا مسئلہ طبیعت کے باہر باہر رہتا ہے اور بجائے اس کے کہ وہ دل میں گھر کرے باہر ہی باہر ایسے خراب اور کانٹے دار پوست کی مانند لپٹا ہوا ہے جس کے سبب وہ باتیں ظہور میں نہیں آتیں جو انسان کے عُمدہ عُمدہ اوصاف درونی سے تعلق رکھتی ہیں بلکہ اُس سے اِس قسم کی قوت ظاہر ہوتی ہے جیسے کانٹے دار بھٹور کے درخت کی باڑھ سے ہوتی ہے کہ وہ نہ خود اُس گھیری ہوئی زمین کو کچھ فائدہ دیتا ہے اور نہ اوروں کو گُل پھُول لیجا کر اُس میں لگانے دیتا ہے اور بجز اس کے کہ دل کی زمین کو ہمیشہ خالی اور ویران اور بیکار پڑا رہنے دے اور کچھ نہیں کرتا ؛

جو بات بیان ہوئی اُس کی صحت ہر ایک مذہب والا اپنے حال پر غور کرنے سے بخوبی جان

جس شخص سے کسی بات کی حقیقت پوچھو اگر وہ بڑا ہی عالم ہے تو بجز اس کے کہ فلاں شخص نے یہ لکھا ہے اور کچھ نہیں بتا سکتا۔ تمام علوم کا مزہ اور تمام عقیدوں کا اثر دل سے جاتا رہا۔ پس آزادئ رائے کے قایم نہ رہنے کے یہ عمدہ اثر ہیں جن کو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں ؞

آزادئ رائے کے غیر مفید ہونے کے ثبوت میں یہ بات اکثر پیش کی جاتی ہے کہ آزادئ رائے سے جس کے ساتھ مباحثہ لازم و ملزوم ہے کسی رائے کے حق یا سچ ہونے کا فیصلہ ممکن نہیں بلکہ ہر ایک فریق کو اپنی اپنی رائے پر اور زیادہ پختگی اور اصرار ہو جاتا ہے۔ میں بھی اس بات کا اقرار کرتا ہوں۔ اور اس بات کو تسلیم کرتا ہوں کہ درحقیقت تمام رایوں کا یہ خاصہ ہے کہ وہ خاص خاص فرقوں کی رائیں ہو جاتی ہیں۔ بحث و مباحثہ کی کمال آزادی سے بھی اس کا کچھ تدارک نہیں ہو سکتا بلکہ اُس سے اور زیادتی ہوتی جاتی ہے اور حق کی یہ کیفیت ہو جاتی ہے کہ بعوض اس کے کہ لوگ اُس کو سمجھیں اور بوجھیں اس وجہ سے اُس کو نہیں سوچتے سمجھتے بلکہ بے سوچے اور سمجھے نہایت زور شور سے رد کرتے ہیں کہ وہ ایسے لوگوں کا قول ہے جن کو وہ اپنا مخالف جانتے ہیں یا اُن سے نفرت رکھتے ہیں۔ مگر یہ بھی خوب جان لینا چاہئے کہ آپس میں رایوں کے اختلاف اور مباحثہ سے اُنہی متعصب گروہوں کو جن کے باہم بحث ہوتی ہے چنداں فائدہ نہیں ہوتا بلکہ اُس کا عمدہ اور مفید اثر اُن لوگوں پر ہوتا ہے جو اُس کے دیکھنے سُننے والے ہیں اور جن کی طبیعتوں میں وہ جذبہ و حرارت اور خود غرضی اور طرفداری نہیں ہوتی جیسے کہ اُن مخالف فرقوں کے حامیوں میں ہوتی ہے اور جبکہ رفتہ رفتہ ان متعصبوں کی بھی حرارت کم ہو جاتی ہے تو جو حق بات ہے وہ اُس کے صحیح ہونے کا اقرار اپنے دل میں یا اپنے خاص دوستوں میں چپکے چپکے کرنے لگتے ہیں گو کہ علانیہ کبھی اُس کا اقرار نہ کریں ؞

سچ بات پر سخت سے سخت نزاع کا ہونا کچھ بُرائی یا نقصان کی بات نہیں بلکہ اُس کا انسداد بہت بڑے نقصان کی بات ہے جبکہ لوگ طرفین کے دلائل سُننے پر مجبور ہوتے ہیں تو ہمیشہ انصاف کی اُمید ہوتی ہے۔ مگر جبکہ وہ صرف یک طرفہ بات سُنتے ہیں تو اُس صورت میں غلطیاں سختی پکڑ کر تعصب بن جاتی ہیں اور سچ میں بھی سچ کا اثر اِس لئے باقی نہیں رہتا کہ اُس میں مبالغہ ہوتے ہوتے وہ خود ایک جھوٹ بن جاتا ہے۔ انصاف کی قوت جو انسان میں ہے وہ اُسی وقت بخوبی کام میں آتی ہے کہ ہر ایک معاملہ کے دونوں پہلوؤں کے حامی اور معاون تصفیہ کے وقت روبرو موجود ہوں اور وہ دونوں ایسے زبردست ہوں کہ اپنے اپنے دلائل اور وجوہات کی سماعت پر لوگوں کو گویا مجبور کر دیں اور سوائے اِس کے اور کوئی صورت حق کے حاصل کرنے کی نہیں ہے ؞

کا کمال اُس کے مقصد اور نتیجہ کا حاصل ہونا ہے مگر یہ نہیں سُنا تھا کہ مقصد اور نتیجہ کا حاصل ہونا ہی اُس کا زوال ہے ❊

مگر میرا مقصد یہ نہیں ہے جو اس اعتراض میں بیان ہوا۔ میں قبول کرتا ہوں کہ بلاشُبہ جس قدر انسانوں کی ترقی اور تہذیب ہوگی اُسی قدر مختلف فیہ رائیں اور مسئلے اور عقیدے گھٹتے جاوینگے بلکہ آدمیوں کی بہبودی اور بھلائی کا اندازہ بالتخصیص اُنہی حقایق کی تعداد اور مقدار سے ہوسکتا ہے جو غیر متنازعہ فیہ یا حقایق محققہ کے مرتبہ کو پہنچ جاتی ہیں اور اُس کے استحکام کے لئے انسانوں کی رایوں کا اجتماع اور اتفاق ضروری شرطوں میں سے ہے اور وہ اجتماع اور اتفاق جیسا کہ غلط رائے پر ہونا نہایت مضر ہے ویسا ہی صحیح رائے پر ہونا نہایت مفید ہے مگر جبکہ ہم کو غلط رایوں پر بھی اجتماع اور اتفاق ہو جانے کا اندیشہ ہے تو ہم کو اُس سے بچنے کی فکر و تدبیر سے غافل رہنا نہیں چاہیئے اور وہ تدبیر یہی ہے کہ آزادیٔ رائے اور مباحثہ جاری رہے۔ اگر اس تدبیر کے قائم رہنے کا بسبب عموماً تسلیم ہو جانے اُس مسئلہ یا عقیدہ کے موقع نہ رہے تو ہم کو اُس کی جگہ کوئی اور تدبیر قائم کرنی چاہیئے۔ سقراط نے اسی تدبیر کے لئے فرضی مباحثہ کا طریقہ ایجاد کیا تھا۔ جس کو افلاطون نے نہایت خوبی سے اپنے سوال و جواب میں بیان کیا ہے ❊

مگر افسوس اور ہزار افسوس کہ اس زمانہ کے مسلمانوں نے بجائے اس کے کہ اُس تدبیر کے قایم رکھنے کا کوئی طریقہ ایجاد کریں اُن تدبیروں کو بھی نسایع کر دیا جو سابق میں ایجاد ہوئی تھیں۔ مسلمانوں میں ہر ایک علم کی تحصیل کا مدت سے یہ حال رہ گیا ہے کہ سب کے سب کیا قصہ اور کہانی کی کتابوں کو اور کیا تاریخ اور واقعات گذشتہ کے روزنامچوں کو اور کیا ٹوٹے پھوٹے اگلے زمانہ کے جغرافیہ کو اور کیا لولی لنجی انسان کے بدن کی تشریح کو اور کیا دقیانوسی بطلیموسی ہیئت اور قدیم ریاضی کو اور کیا انسانوں کے اجتہادیات مسائل دینی کو جس کو علم فقہ کہا جاتا ہے اور کیا علم حدیث اور تفسیر کو اس ارادہ سے مطلق نہیں پڑھتے کہ ہم کو اُس کی اصلیت اور حقیقت معلوم ہو بلکہ صرف یہ ارادہ ہوتا ہے کہ جو کچھ اُس کتاب میں لکھا ہے خواہ غلط خواہ صحیح وہ ہم جان لیں۔ اگر مباحثہ کیا جاوے تو نہ اس بات پر کہ وہ اصول جو اُس کتاب میں لکھے ہیں صحیح ہیں یا غلط۔ بلکہ اس بات پر کہ اس کتاب میں یہی بات لکھی ہے یا نہیں۔ اِس طریقہ اور عادت نے آزادیٔ رائے کو کھو دیا اور اُس سپر کو جس سے غلطی میں پڑنے سے حفاظت تھی توڑ دیا۔ اُن کے تمام علم و فضل غارت ہو گئے۔ اُن کے باپ دادا کی کمائی جس سے توقع تھی کہ اُن کی اولاد فائدہ اُٹھاویگی سب ڈوب گئی۔ اب جو بڑے بڑے عالم فقیہ اور دانا رہ گئے ہیں اُن کا یہ حال ہے کہ کسی چیز کی حقیقت سے کیا مسائل علمی اور کیا عقاید مذہبی میں کچھ بھی واقفیت نہیں رکھتے۔

خیال کیا۔ مگر اس کی صحت بھی مشتبہ ہے۔ تمام اعمال حسنہ آنکھ موندی اور منقطع ہوئے۔ جبکہ انسان موت کی خواب راحت میں استراحت فرماتا ہے تو تمام اعمال حسنہ کا انقطاع ہو جاتا ہے۔ زاہد کی تسبیح ہمہ تن دانۂ اشک بن کر روتی ہے کہ وہ کیا ہوا جو مجھ کو شمار وظائف سے زندہ رکھتا تھا مصلیٰ محراب مسجد میں چت پڑا ہائے ہائے کرتا ہے کہ وہ کہاں ہے جو اپنی پیشانی سے مجھ میں جان تازہ بخشتا تھا۔ منبر فراقِ واعظ سے دل شکستہ ہے کہ میرا واعظ کہاں ہے۔ ملائکہ سقر بین جو اُس کے ذکر و شغل کی مجلس کی خیر و برکت لینے کو آتے تھے اُس کی تلاش میں سرگرداں ہیں اور یہ مشتِ خاک ہزاروں من مٹی کے نیچے دبے پڑے ہیں نہ اپنی کچھ کہتے ہیں اور نہ کسی کی سنتے ہیں صرف زبان حال اُن میں باقی ہے سو وہ یہ کہتی ہے کہ جو ہونا تھا سو ہولیا اور جو کرنا تھا سو کرلیا؛

غرضکہ ہر ایک قسم کی نیکی کو جب خیال کروگے تو وہ اُسی شخص کی ذات پر منحصر ہوگی اور اُس کی فنا کے ساتھ ہی منقطع ہوگی اِس لئے زہد و تقویٰ۔ عبادت و سخاوت خیر دائم نہیں ہوسکتی +

اگر غور سے دیکھا جاوے اور ٹھیک ٹھیک سمجھا جاوے تو بجز رفاہ عام اور انسان کی بھلائی چاہنے کے اور کوئی نیکی خیر دایم نہیں ہے انسان کی بھلائی نہ نیکی کرنے والے کی موت سے ختم ہوتی ہے اور نہ اُس زمانہ کے انسانوں کے فنا ہونے سے فنا ہوتی ہے بلکہ نسل درنسل اور پشت در پشت آیندہ انسانوں میں چلی آتی ہے اور قیام دنیا تک دائم رہتی ہے اور اِس لئے صرف وُہی ایک نیکی ہے جس کو خیر دائم کہہ سکتے ہیں +

یہی نکتہ تھا جس کے سبب خدا تعالےٰ نے انسان کی بھلائی چاہنے کی خدمت انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو دی تاکہ برترین بندگان خدا نیک ترین نیکیوں کے منبع اور مخزن ہوں اور خیر دایم اُن سے باقی رہے پس انسان کی بھلائی میں سعی کرنا انبیاء کا ورثہ لینا ہے اور تمام نیکیوں میں سے افضل اور اعلےٰ نیکی کا اختیار کرنا۔ پس فلاح عام کے کاموں کو عبادات دینی میں سے نہ سمجھنا اور صرف نوافل اور مندوبات اور تسبیح اور تہلیل ہی کو عبادت سمجھنا بہت بڑی غلطی ہے +

یہ خیر دائم جس کا میں نے ابھی ذکر کیا اور بھی زیادہ نیک تو اُس وقت ہو جاتی جبکہ اُس کی ضرورت ہو اور میں سمجھتا ہوں کہ موجودہ زمانہ میں اور بالتخصیص مسلمانوں کے لئے اِس کی بہت ضرورت ہے اور اس لئے میری خواہش مسلمانوں سے یہ ہے کہ وہ صرف تسبیح و تہلیل و زہد و تقویٰ ہی پر تکیہ نہ فرماویں اور صرف ادائے زکوٰۃ و فضلئے دیون ہی پر اقتصار نہ کریں بلکہ تھوڑا سا وقت اور دو چار درم رفاہ و فلاح حالی مسلمانان کے لئے بھی نکالیں اور خیر دایم کی نیکی کو بھی حاصل کریں

رائے کی آزادی پر ایک اور چیز جس کو لوگ سند کہتے ہیں کبھی کبھی مزاحمت پہنچاتی ہے یہ اکثر ہوتا ہے کہ بحث کرنے والے اپنی اپنی تقریر کی تائید میں کسی مشہور شخص کے قول کی سند لاتے ہیں حالانکہ کسی شخص کی سند پر اپنی رائے کو منحصر رکھنا خود آزادی رائے کے برخلاف چلنا ہے۔

اگر ہم کسی کے قول کو صحیح اور سچ سمجھتے ہیں تو اُس کے قول کو پیش کرنا کچھ مفید نہیں ہے بلکہ ہم کو وہ دلیلیں پیش کرنی چاہئیں جن سے اُس قول کو ہم نے صحیح مانا ہے۔ اگر سقراط و بقراط نے کوئی ایسی بات کہی ہے جو درحقیقت صحیح نہیں ہے تو وہ اُن کے کہنے سے صحیح نہیں ہو جانے کی اور اگر کسی جاہل نے کوئی صحیح بات کہی ہے تو وہ اِس لئے کہ کسی جاہل نے کہی ہے غلط نہیں ہو جانے کی کیا عمدہ مسئلہ ہے جس پر ہر انسان کو عمل کرنا چاہئیے مگر افسوس کہ اُس پر نہایت کم عمل ہوتا ہے اور وہ مسئلہ یہ ہے:۔

فانظر الی ما قال ولا تنظر الی من قال

وللہ در من قال

مرد باید کہ گیرد اندر گوش　　در نوشت است پند بر دیوار ✤

خیر دائم

غالباً تمام دنیا اِس بات کو تسلیم کرتی ہے کہ نیکی بلاشبہ نیک ہے اور اس لئے اِس بات کا ماننا بھی لازم آتا ہے کہ ہمیشہ رہنے والی نیکی سب نیکیوں سے افضل اور اعلےٰ نیکی ہو ✤

انسانوں میں نیک وہی ہوگا جس نے بہت سی نیکیاں کی ہونگی۔ مگر سب سے زیادہ نیک وُہی ہوگا جس نے ایسی نیکیاں کی ہوں جو سب نیکیوں سے افضل اور اعلےٰ ہوں ✤

مسلمانوں کے عقاید کے مطابق انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسّلام نیک ترین بندگان خدا ہیں اور اس لئے ضرور ہے کہ وہ ایسی نیکیوں کے منبع یا مخزن ہوں جو تمام نیکیوں سے اعلےٰ اور افضل ہوں ورنہ ترجیح بلا مرجح ہوگی۔ اِس لئے ہر ایک انسان کو ایسی نیکی کی جو ہمیشہ رہنے کی ہے تلاش اور تجسس لازم ہے ✤

بعضوں نے پُل اور مسجد۔ چاہ و مہانسرائے چند روزہ رہنے والی چیزوں کو خیر دائم سمجھا اور بہت بڑی غلطی کی کیونکہ یہ تمام چیزیں ادنیٰ حوادث سے فنا اور معدوم ہونے والی ہیں۔ اب کہاں ہے وہ چاہ یوسفؑ اور کہاں ہے وہ مسجد اقصیٰ۔ سب معدوم ہوگئیں اور اسی طرح ہزاروں بنیں گی اور معدوم ہونگی ✤

نہایت فہمیدہ اور دقیقہ رس لوگوں نے خیر و خیرات میں زُہد و تقوےٰ اور عبادت کو خیر دائم

بحث میں لانا اور ایک امر منقح ٹھہرانا ہمارے لیے ضرور ہے ❖

ان تمام چیزوں کو جو مذہب سے متعلق ہیں ہم نے تہذیب و شایستگی ہیں اس لئے داخل کیا ہے کہ قوم کے مہذب ہونے پر مذہب کا بڑا اثر ہوتا ہے پس جس قدر جس قوم کے مذہب میں نقص ہے اُتنا ہی اُس کی پوری تہذیب میں نقصان ہے ❖

ششم۔ تعلیم اطفال۔ مذہب کے بعد جو چیز سب سے زیادہ ضروری ہے وہ تعلیم ہے۔ ہم کو زمانۂ گزشتہ اور حال پر نظر کر کے ایک ایسا طریقہ تعلیم معین کرنا چاہیئے جس سے علوم دینی اور دنیوی دونوں قسم کی تعلیم کا اعلیٰ درجہ تک ہم کو قابو ملے ❖

ہفتم۔ سامان تعلیم۔ ہمارے لئے صرف طریقہ تعلیم معین کرنا ہی کافی نہ ہوگا بلکہ آپس کی مدد اور مجموعی ہمت اور فیاضی سے اُس کا سامان بھی مہیا کر دینا ضرور ہوگا ❖

ہشتم۔ عورتوں کی تعلیم۔ کچھ شبہ نہیں ہے کہ قومی تہذیب و شایستگی کے لئے عورتوں کا تعلیم یافتہ ہونا ضرور ہے۔ پس ہم کو لڑکیوں کی تعلیم کے لئے اور اُن کو دستکاری سکھلانے کے لئے کوئی عمدہ بندوبست کرنا چاہیے ❖

نہم۔ ہنر و فن و حرفہ۔ اپنی قوم میں ہر قسم کے ہنر اور صنعت اور فن و حرفہ کو پھیلانا و ترقی دینا قومی تہذیب کے لئے ایک بہت بڑا جزو ہے ❖

یہ تمام باتیں وہ تھیں جو مجموعاً و منفرداً ہر شخص سے اور کل قوم سے علاقہ رکھتی تھیں اب اُن باتوں کا ذکر کرتے ہیں جو ہر ایک شخص کی ذات سے علاقہ رکھتی ہیں۔ مگر اُن کا اثر کل قوم پر ہوتا ہے اور ہر ایک میں اُن باتوں کے ہونے سے قومی تہذیب و شایستگی قرار پاتی ہے ❖

دہم۔ خود غرضی۔ سب سے بڑا عیب ہم میں خود غرضی کا ہے اور یہی مقدم سبب قومی ذلت اور نا مہذب ہونے کا ہے۔ ہم میں سے ہر ایک کو ضرور ہے کہ رفاہ عام کا جوش دل میں پیدا کریں اور یقین جانیں کہ خود غرضی سے تمام قوم کی اور اُس کے ساتھ اپنی بھی بربادی ہوگی ❖

اس مقام پر ہم کو ایک کہانی یاد آئی۔ انسان کے اعضا میں تکرار ہوئی اور ہر ایک عضو نے خود غرضی اختیار کی۔ تھوڑی دیر بعد معدہ بھوک کے مارے بے چین ہوا۔ پاؤں نے کہا کہ میں کیوں چل کر غذا بہم پہنچاؤں۔ ہاتھوں نے کہا کہ ہم کیوں غذا کو مُنہ تک پہنچا دیں۔ آنکھوں نے کہا کہ ہم اُس میں کی بال مکھی کیوں دیکھیں۔ ناک نے کہا کہ غذا کا سڑا بسا بساندا ہونا میں کیوں سونگھوں۔ مُنہ نے کہا کہ میں کیوں چبا کر حلق میں نگلوں۔ سب آپ آپ چپکے ہو رہے دو ایک دن تو جوں توں گذر گئے پھر تو پاؤں لڑکھڑانے لگے۔ ہاتھ کانپنے لگے۔ مُنہ ہلانے کی طاقت

کہ صرف یہی ایک نیکی ہے جو ہمیشہ رہے گی ÷

کن کن چیزوں میں تہذیب چاہیئے

جب کہ ہم کسی قوم کو تہذیب کی طرف مائل کرتے ہیں تو ہم کو ضرور ہے کہ ہم یہ بھی بتادیں کہ اُس قوم کو کن کن چیزوں میں تہذیب کرنی چاہیئے۔ ہندوستان کے مسلمانوں کے جو حالات ہیں اُن کے لحاظ سے ہمارے خیال میں آتا ہے کہ مفصلہ ذیل چیزیں ہیں جن کی تہذیب پر اُن کو متوجہ ہونا چاہیئے ÷

اوّل۔ آزادیٔ رائے۔ مسلمانوں کی رائے اور اُن کے خیالات ہر ایک امر میں تقلید کرتے کرتے اور رسومات کے پابند رہتے رہتے ایسے پست اور پامال ہوگئے ہیں جن کے سبب کسی قسم کی ترقی کی تحریک اُن میں نہیں ہوتی۔ پس جب تک کہ رائے کی آزادی اُن میں پیدا نہ ہوگی اُس وقت تک اُن میں تہذیب نہیں آنے کی ÷

دوم۔ درستیٔ عقاید مذہبی۔ ہندوستان کے مسلمانوں کے عقاید مذہبی جو اُن کی کتابوں میں لکھے ہیں وہ اور ہیں اور جو اُن کے دلوں میں ہیں اور جن کا اُن کو یقین بیٹھا ہوا ہے وہ اور ہیں ہزاروں عقاید شرکیہ اُن کے دلوں میں ہیں پس اُن کی تہذیب کرنا اور اپنے عقاید کو ہئیت اسلام کے مطابق کرنا اور اسی پر یقین رکھنا تہذیب و شائستگی حاصل کرنے کی اصل جڑ ہے ÷

سوم۔ خیالات و افعال مذہبی۔ ہندوستان کے مسلمانوں میں صدہا خیال اور توہمات ایسے موجود ہیں جن کو وہ عمدہ افعال مذہبی سمجھ کر ادا کرتے ہیں حالانکہ اُن کو مذہب اسلام سے کچھ علاقہ نہیں ہے یا تو وہ خود بدعت ہیں یا رسومات و خیالات کفر و شرک ہیں جو باعث ہمارے نامہذب ہونے کے ہیں۔ پس ہم کو مہذب ہونے کے لئے اُن کی تہذیب درکار ہے ÷

چہارم۔ تدقیق بعض مسایل مذہبی۔ ہمارے مذہب کے بعض صحیح اور اصلی مسایل ایسے ہیں جن کی پوری پوری تحقیق و تدقیق اب تک نہیں ہوئی اور اگرچہ وہ مسایل فی نفسہ صحیح و درست ہیں الا بیان واضح اور تحقیق کامل نہ ہونے کے سبب علوم عقلیہ کے برخلاف ور تہذیب و شائستگی کے مخالف معلوم ہوتے ہیں پس ہم کو اُن کی تشریح و تفسیر میں تہذیب رنی چاہیئے ÷

پنجم۔ تصحیح بعض مسائل مذہبی۔ ہم کچھ شک نہیں کرتے کہ بعض مسائل ایسے ی ہیں یا یوں کہو کہ بعض ایسے مسائل کا ہونا ممکن ہے جن میں متقدمین نے غلطی کی ہو پس اُن کو

یہ سب باتیں انسان کے دل لو اور اُس کے اخلاق کو خراب کر دیتی ہیں بلاشبہ ہم کو سب سے جھک کر اور خندہ پیشانی سے ملنا چاہیئے۔ مگر وہیں تک جہاں تک کہ انسانیت کا مقتضا ہے مگر اُس کو مکّاری کی حد تک نہ پہنچانا چاہیئے ٭

چہاردھم۔ صدق مقال۔ یہ تو وہ صفت ہے کہ جو انسان کو قطب و ابدال کے رتبہ سے بھی بڑھا دیتی ہے مگر یہاں ہمارا مطلب دُنیاوی باتوں میں سچّے پن کا ہے ضرور ہے کہ سب لوگ سچ میں عزت سمجھیں ایک شخص دوسرے کی بات کو سچ سمجھے تاکہ قایل کو قبل کلام اس بات کی غیرت ہو کہ سامع میرے اس قول کو جھوٹ نہ سمجھے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ہم اپنے لڑکوں سے خوش طبعی میں کہتے ہیں کہ کیوں جھوٹ بولتا ہے آپس میں ایک دوست دوسرے کو کہتا ہے کہ میاں کیوں جھوٹ بولتے ہو ان باتوں سے جھوٹ کے عیب اور جھوٹ کے طعنہ کی غیرت دل سے جاتی رہتی ہے جو بڑا اسبب ذلت قومی اور نا مہذب اور ناشایستہ ہونے قوم کا ہوتی ہے ٭

پانزدہم۔ دوستوں سے راہ و رسم۔ ہماری راہ و رسم جو دوستوں سے ہے اُس میں بھی نہایت نقص ہیں۔ ہم آپس میں اِس طرح پر نہیں ملتے جیسے انسان انسان سے ملتے ہیں بلکہ اِس طرح پر ملتے ہیں جیسے حیوان آپس میں ملتے ہیں اُن کا تمام طریقوں اور قاعدوں میں تہذیب کرنی ایک بڑا امر ضروری ہے ٭

شانزدہم۔ کلام۔ طرز گفتگو و سیاق کلام بھی جزو اعظم تہذیب و شایستگی کا ہے جس کی ہم میں بہت کسر ہے ہمارے کلام میں وہ الفاظ جو مہذبانہ گفتگو میں ہوتے ہیں نہایت کم مستعمل ہیں اور اس لیئے اُس کی اصلاح کی بہت ضرورت ہے ٭

ہفدہم۔ لہجہ۔ اِس کو بھی تہذیب میں بڑا دخل ہے۔ اکثر لہجہ یا اِس قسم کی آواز جس سے شبہ ہو کہ آدمی بولتے ہیں یا جانور لڑتے ہیں ناشایستہ ہونے کی نشانی ہے کسی قدر اِس پر بھی ہم کو توجہ درکار ہے ٭

ہیژدہم۔ طریق زندگی۔ یہ تو ہمارا ایسا ابتر و خراب ہے کہ ہم بے مبالغہ کہہ سکتے ہیں کہ بہت سے جانور ایسے ہیں جن کا طریق زندگی ہمارے طریقۂ زندگی سے نہایت عمدہ اور اچھا ہے ٭

نوزدہم۔ صفائی۔ بدن اور گھر اور لباس سب کی صفائی تہذیب میں داخل ہے انگریزی مثل ہے کہ خدا اور خدا کے بعد صفائی۔ مسلمانوں کے ہاں بھی حدیث ہے کہ "الطہور شطر الایمان" مگر ہم مسلمان بہت کم اس کی طرف متوجہ ہیں۔ صورت دیکھو تو واہ واہ۔ گھر دیکھو تو سبحان اللہ۔ اس لیئے ہم کو صفائی پر توجہ کرنے کی بھی بڑی ضرورت ہے ٭

نہ رہی۔ آنکھوں میں اندھیرا آنے لگا۔ تب تو سب گھبرائے کہ یہ کیا ہوا۔ اُس وقت عقل کے پاس گئے۔ اُس نے کہا کہ خود غرضی نے تمہارا یہ حال کیا ہے تم نے جانا کہ دوسرے کے کام سے ہم کو کیا مطلب ہے۔ حالانکہ حقیقت میں وہ تمہارا ہی کام تھا۔ اور اُس کا نقصان تمہارا ہی نقصان تھا۔ پس جس قوم کے لوگوں میں خود غرضی ہوتی ہے جیسے کہ ہندوستان کے مُسلمانوں میں ہے تو وہ اب آپ اپنے تئیں برباد کرتے ہیں ◆

یازدھم۔ عزت اور غیرت۔ غیرت اور عزت یہ دونوں آپس میں ایسی ملی ہوئی ہیں کہ کبھی جُدا نہیں ہوتیں جس کو عزت ہے اُس کو غیرت ہے جس کو غیرت ہے اُس کو عزت ہے۔ اب مُسلمانوں میں ان دونوں چیزوں کی کمی کیا بلکہ وہ معدوم ہو گئی ہیں۔ اگرچہ میری اس بات سے لوگ متعجب ہونگے کہ مسلمان کیونکر ایسے ہیں۔ اگر ابھی اُن کو کوئی گالی دے جان نکال لیں۔ مر جائیں۔ پر اپنی شان نہ جانے دیں۔ شادی بیاہ میں ہرگز ناک کٹائی نہ ہونے دیں۔ روپیہ قرض لیں اور شادی دھوم سے کریں۔ اگر باوا مر گیا ہے تو اُس کی فاتحہ اور چہلم کی تو وہ بندی میں کبھی دریغ نہ کریں۔ پھر کیونکر اُن کو اپنی عزت یا غیرت کا خیال نہیں ہے ◆

یہ سب باتیں سچ ہیں مگر یہ سب شیطانی اور جھوٹی عزت اور غیرت ہے جو اصلی اور اخلاقی عزت ہے ہم اُس کا ذکر کرتے ہیں کس کو اس بات کی غیرت ہے کہ ہم کو کوئی جھوٹا خیال نہ کرے۔ کس کو اس بات کا خیال ہے کہ ہم آپس میں اور معمولی باتوں میں بھی سچ کی عزت پر بٹہ نہ لگائیں۔ کون ہے جو بلحاظ اپنی اخلاقی عزت کے کسی برائی کے فعل سے بشرطیکہ اُس میں سزائے دنیاوی کا اندیشہ نہ ہو بچکر اپنے تئیں معزز رکھنا چاہتا ہے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ اور قوموں میں یہ نقص نہیں ہے مگر بلا شبہ اتنا کہتے ہیں کہ مہذب و شایستہ قوموں میں نہ خدا کے ڈر سے بلکہ اپنی عزت کے ڈر سے اِن باتوں کا بہت خیال ہے ◆

دوازدھم۔ ضبط اوقات۔ ہماری قومی تہذیب و شایستگی میں اوقات کے منضبط نہ ہونے سے بڑا نقصان پہنچا ہے۔ ہر ایک کو اپنے خاص کاموں میں اپنی خاص اوقات کا اور جو کام عام قوم سے متعلق ہیں اُن میں تمام قوم کو یکساں اوقات منضبط کرنا چاہیے کہ یہ بھی ایک اصل اصول قومی تہذیب و شایستگی کا ہے ◆

سیزدھم۔ اخلاق۔ بالفعل مدار اخلاق ہم لوگوں میں اس پر رہ گیا ہے کہ جس کسی سے ملے جُھک جُھک کر سلام کیا کچھ محبت کی جھوٹی باتیں بنائیں دو چار میٹھی میٹھی باتیں سُنائیں کچھ اپنی جھوٹی نیازمندی کا اظہار کیا کچھ اُن کی جھوٹی تعریف کی آؤ بھگت کی اور دل میں کہا کہ خوب اُلو بنایا۔ جب وہ چلا گیا تو یا تو بُرا کہنے لگے یا جو باتیں کی تھیں اُن کا نقش بر آب کا سا بھی نشان نہ تھا ◆

خدا رحمت کرے مولوی اسمٰعیل پر۔ جن کی بدولت بہت سی نامہذب و ناشائستہ رسمیں شادی
و غمی کی ہم میں سے چھوٹ گئی ہیں مگر اس پر بھی بہت کچھ باقی ہیں جن کی تہذیب پر ہم کو متوجہ
ہونا چاہیئے +

بست و ہشتم ترقیٔ زراعت۔ زراعت کی ترقی اور کاشتکاروں کی حالت کی
بہتری۔ قومی ترقی اور تہذیب میں بڑا اثر رکھتی ہے اور اس میں ہم کو بہت کچھ کرنا ہے +

بست و نہم۔ تجارت۔ یہ سب سے آخر جزو ہے قومی ترقی اور تہذیب و شائستگی
حاصل کرنے کا۔ اور ہم مسلمانوں میں سے یہ امر بالکل متروک ہو گیا ہے پس ہم کو اپنی قوم میں اس کا
رواج دینا اور عمدہ اصول پر اس کو قائم کرنا ایک بہت بڑا امر واسطے تہذیب و شائستگی
حاصل کرنے کے ہوگا +

یہ خیال نہ کرنا چاہیئے کہ یہ تمام دنیا کی چیزوں کی ترقی ہم سے کیونکر ہو سکتی ہے۔ اس لئے کہ
اگر ہم متوجہ ہونگے اور تہذیب و شائستگی حاصل کرنے پر دل لگاوینگے تو سب کچھ ہم سے ہو سکیگا
یہ باتیں ظاہر میں بہت سی معلوم ہوتی ہیں لیکن آپس میں ایک دوسرے سے ایسا علاقہ رکھتی
ہیں کہ جب ایک بات میں ترقی شروع ہوتی ہے تو ہر ایک بات میں از خود ترقی ہوتی جاتی ہے
پر کوشش شرط ہے۔ السعی منی والاتمام من اللہ تعالیٰ +

تربیت اطفال

اگر ہم اس بات پر خیال کریں کہ انسانوں کے عیوب مثل کالے بادلوں کے جمع ہو کر ہم ہی
پر برستے ہیں تو دنیا سے انسانوں کے عیوب بہت ہی کم ہو جاویں۔ اور اگر ہم مرے ہوئے
لوگوں کی آواز پر کان دھریں اور سمجھیں کہ وہ قبروں میں پڑے ہوئے زبان حال سے کیا کہہ
رہے ہیں تو شاید ایک بھی برائی دنیا میں نہ رہے۔ مگر افسوس کہ ہماری آنکھیں اندھی اور ہمارے
کان بہرے ہیں +

اکثر دیکھا جاتا ہے کہ جب وقت گذر جاتا ہے تو بہت سی باتوں کا پچھتاوا آتا ہے کہ افسوس
ہم نے یہ نہ کیا اور وہ نہ کیا اور اس وقت پچھتانے سے کیا ہوتا ہے کیونکہ گیا وقت پھر ہاتھ نہیں
آتا اور لاعلاج رنج کا نہایت ہی جانکاہ رنج ہوتا ہے۔ پس اگر ہم ایسے سخت رنج سے بچنا چاہیں
تو اس کا علاج صرف یہی ہے کہ موجودہ وقت کو غنیمت جانیں ؎

غنیمت داں ہمیں دم را کہ جاست +

یہ بات جو ہم نے کہی ٹھیک ٹھیک انساں کی طفولیت کی حالت سے نہایت ہی مناسبت

بستم۔ طرز لباس۔ لباس کی قطع اور وضع درست ہونی بہت بڑی نشانی تربیت یافتہ ہونے کی ہے۔ دیکھو لوکہ تمام دنیا میں جس قدر وحشیانہ پن کم ہوتا گیا اُسی قدر لباس کی درستی ہوتی گئی۔ پس ہم کو اپنے لباس کی طرف متوجہ ہو کر دیکھنا چاہئے کہ کس قسم کی ترمیم کے لایق ہے ❖

بست ویکم۔ طریق اکل و شرب۔ اگر ہم تعصب نہ کریں اور انصاف سے دیکھیں تو ہمارا طریقہ اکل و شرب ایسا ہے کہ جو قومیں ہم سے زیادہ صفائی سے کھاتی ہیں جب وہ ہم کو کھاتے ہوئے دیکھتی ہیں تو اُن کو قے آتی ہے ❖

بست و دوم۔ تدبیر منزل۔ ہماری تدبیر منزل یعنی انتظام خانہ داری ایسا ابتر و خراب ہے جس میں نہایت درجہ کی اصلاح و ترقی کی حاجت ہے ❖

بست و سوم۔ رفاہ عورتوں کی حالت میں۔ غیر قوموں نے ہمارا برتاؤ عورتوں کے ساتھ جیسا کچھ خیال کیا ہے اور لکھا ہے اُس میں یقینی بہت سی غلطیاں اور غلط فہمیاں ہیں مگر جو اصلی حالت عورتوں کی بلاشبہ ترقی کے لایق ہے اور ہمارا برتاؤ عورتوں کے ساتھ بہت سی اصلاح اور تہذیب کا محتاج ہے ❖

بست و چہارم۔ کثرت ازدواج۔ اگرچہ ہندوستان کے مسلمانوں میں کم ہے مگر پھر بھی زیادہ ہے اور نہایت نالائقی سے اور خدا و خدا کے رسولؐ کے حکم کے برخلاف برتا جاتا ہے یہ ایسی بدخصلت مسلمانوں میں جاری ہے جس کی بدولت اسلام کو شرمندگی و بدنامی ہے ❖

بست و پنجم۔ غلامی۔ اگرچہ ہندوستان میں انگریزوں کی بدولت غلامی کی بدرسم موقوف ہوگئی ہے مگر ہمارے مہذب و شائستہ ہونے کے لئے صرف اُس کا موقوف ہونا ہی کافی نہیں ہے بلکہ ہمارے دل میں اِس بات کا یقین ہونا چاہئے کہ درحقیقت یہ رسم خلاف مسلمانی مذہب کی تھی اور فی نفسہ خراب و نالائق تھی اس لئے ہم کو اُس پر توجہ کرنے کی ضرورت باقی ہے ❖

بست و ششم۔ رسومات شادی۔ جو رسومات شادی کی ہم مسلمانوں میں رائج ہیں ایک بھی اُن میں سے مذہب اسلام کی رسم نہیں ہے اور جیسی نالایق اور نامہذب وہ رسمیں ہیں شاید ہی اور کوئی رسم اُس سے زیادہ ناشائستہ اور نامہذب ہوگی ❖

بست و ہفتم۔ رسومات غمی۔ اسی طرح رسومات غمی کا حال ہے کہ برخلاف مذہب اسلام کے ہم نے نامہذب و ناشائستہ رسمیں اختیار کرلی ہیں ❖

عمدہ عمدہ پھل پھول پیدا ہونگے بہت جلد اُگا دیتا ہے لیکن اگر اُس زمانہ میں تربیت نہیں ہوتی تو پھر بہت ہی کم فائدہ ہوتا ہے کیونکہ جوں جوں دن گذرتے جاتے ہیں عادت میں مضبوطی آتی جاتی ہے یہاں تک کہ آخرکار عادت طبیعت سے مل جاتی ہے اور طبیعتِ ثانی کہلاتی ہے جس کا بدلنا نہایت ہی دشوار ہوتا ہے ÷

ایک نہایت لایق شخص کا حکیمانہ قول ہے کہ "لڑکپن کی طبیعت کتنی بڑے امر اہم کی چیز ہے کہ آیندہ کی بھلائی یا بُرائی اُسی کی احتیاط و غیر احتیاط پر منحصر ہے جو لڑکوں کے مربیّوں کی طرف سے ہوتی ہے" پس جو لوگ کہ قومی تربیت یا قومی ترقی کے خواہاں ہیں اُن کا سب سے بڑا کام یہی ہے کہ لڑکوں کی تربیت کے لئے عمدہ انتظام کریں جن سے ہم کو آیندہ کی بہبودی کی توقع ہے ورنہ ہم پر یہی مثل صادق آویگی کہ "میاں کہیں بوڑھے طوطے بھی پڑھے ہیں" ÷

ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں میں تربیت اطفال کا کوئی ذریعہ موجود نہیں ہے اور بڑا سبب اُن کی حالت کے تباہ ہونے اور اولاد کے نالایق رہنے یا آوارہ ہوجانے کا یہی ہے۔ ہم اُن حالتوں کا ذکر نہیں کرتے جن میں اطفال آوارہ اور خراب ہوجاتے ہیں کیونکہ اُس کو تو سب بُرا جانتے ہیں بلکہ ہم اُس حالت کا ذکر کرتے ہیں جس میں غلطی سے لوگ سمجھتے ہیں کہ ہماری اولاد نے خوب تربیت پائی ہے غلطی اِس لئے ہے کہ حقیقت میں وہ تربیت عمدہ تربیت نہیں ہے اور یہی سبب ہے کہ اُن کو کچھ لیاقت نہیں آتی اور اُن کے دل میں اخلاقی فیاضی اور طبیعت کی آزادگی اور دل کی کشادگی نہیں ہوتی۔ تمام قوائے جو اُن میں خدا تعالےٰ نے رکھے ہیں سب پژمردہ اور ناکارہ رہ جاتے ہیں اور رفتہ رفتہ اُن ہیں وہ قوائے جن سے انسان اپنے کسی زمانہ عمر میں نام آور اور دل چلا اور عالی حوصلہ غیرت والا ہوتا ہے باقی نہیں رہتے ÷

مسلمانوں میں اگر کسی شخص کی اولاد عوام الناس کے لونڈوں میں کھیل کود سے بچے اور اپنے ہی ہمجولیوں میں رہے اور اپنے یا اپنے ہمسر خاندان کی صحبت اُٹھائے اور دوزانو بیٹھنا اور جُھک کے سلام کرنا یا عین کو ٹھیک اُس کے مخرج سے نکال کر سلام علیک کرنا اور ہاتھ جوڑ کر مزاج شریف پوچھنا سیکھ جاوے تو نہایت سعادتمند اور تربیت یافتہ گِنا جاتا ہے اور جب اُس کے ساتھ اُس کو کچھ لکھنا پڑھنا بھی آتا ہو اور کسی میاں جی یا مُلّا سے پڑھتا بھی ہو تو وہ تو تربیت کے کنگورہ پر پہنچا ہوا سمجھا جاتا ہے اور اگر بخت و اتفاق سے اُس نے دو چار کتابیں زیادہ پڑھ لیں اور صدرہ شمس بازغہ پڑھنے لگے تو پھر تو باوا جان پھولے بھی نہیں سماتے اور لڑکے کا میاں مولوی اور میاں فاضل محمد کے سوا اور کوئی نام ہی نہیں لیتے اور اگر ایسا اتفاق ہوا کہ چند تعصبات مذہبی نے اُن کا گلا گھونٹا اور نماز پڑھ پڑھ کر ماتھے پر سیاہ گٹھا ڈال لیا اور دو چار فقہ حدیث

رکھتی ہے اس لئے کہ جو عمر اور وقت تربیت کا ہے جب وہ گذر جاتا ہے تو بجز لا علاج رنج رہ جانے کے اور کچھ نہیں ہوتا اور پھر اُن کا نا تربیت یافتہ رہنا مثل کالی گھٹا کے ہم پر کڑکتا ہے اور ہم پر برستا ہے اور کسی کے گھر کو بہا دیتا ہے اور کسی کے خانماں کو جلا دیتا ہے ٭

ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا کی تمام چیزوں میں قدرتی تبادلہ ہوتا رہتا ہے اور بجز انسان کے ایسی اور کوئی چیز نہیں ہے جس کو اُس تبادلہ میں کچھ دخل ہو اگرچہ انسان کو کسی چیز کے پیدا کرنے کی طاقت نہیں ہے مگر اُس میں اتنی قدرت ہے کہ بہت سی چیزوں کو اپنے اختیار اور قابو میں کر کر اُس قدرتی تبادلہ میں شریک ہو۔ انسان ہی ایک ایسا وجود ہے جو تھوڑا بہت کارخانہ قدرت کے بگاڑنے یا سنوارنے میں دخل رکھتا ہے وہی ایسا ذی عقل اور ذی شعور مخلوق ہے کہ دنیا کی آیندہ کی رفتار کو روک سکتا ہے یا ترقی کر سکتا ہے یا ابتر و خراب حالت میں ڈال سکتا ہے ٭

یہ اقتدار اِس ناکامل اور فانی وجود کا جیسا کہ لڑکوں کے تربیت یافتہ یا نا تربیت یافتہ رکھنے سے ظاہر ہوتا ہے ایسا اور کسی چیز سے ظاہر نہیں ہوتا جبکہ ہم لڑکوں کی حالت پر غور کرتے ہیں اور اُن کی بھولی بھالی اور سیدھی سادی طبیعتوں کو ہر ایک قسم کے گناہ سے پاک پاتے ہیں اور ہر قسم کی تربیت کی استعداد اُن میں دیکھتے ہیں تو ہم کو خدا کی کامل قدرت کا نمونہ دکھائی دیتا ہے اور یقین ہوتا ہے کہ وہ اُس ذات کامل کی دلی بخشش کی ہوئی چیزیں ہیں اُس کے بعد ایک زمانہ تک وہ ہمارے ساتھ رہتی ہیں۔ ہمارے سامنے اُن کی عقل و فہم کی ترقی ہوتی ہے اور ہماری تعلیم اور تربیت اُن میں اثر کرتی ہے اور یا تو اچھی اچھی مثالوں کے دیکھنے سے اُن میں عمدہ عمدہ عادتیں اور خصلتیں بیٹھ جاتی ہیں اور یا بُری بُری نظیروں کے دیکھنے سے شروع ہی سے اُن میں بدعادتیں اور خراب خصلتیں پڑ جاتی ہیں بہرحال لڑکپن کا موسم نکل جاتا ہے اور جو کچھ کہ لڑکوں نے ہماری صحبت اور تربیت سے نیک یا بد حاصل کیا ہو اُس کا اثر دنیا میں رہ جاتا ہے ٭

لڑکپن کے زمانہ میں جو عمر کہ سات برس سے پندرہ برس تک ہے وہی ایسا زمانہ زندگی کا ہے جس میں آیندہ کی بہبودی کے لئے زیادہ تر کوشش ہو سکتی ہے اُس زمانہ میں لڑکوں کا دل ہر چیز کا متلاشی رہتا ہے حافظہ تیز ہوتا ہے قوت غور مضبوط ہوتی ہے اچھی عادتوں کا دیکھنا اور عمدہ عمدہ نظیروں سے تربیت پانا جس کو عموماً نیک صحبت کہتے ہیں نہایت ہی موثر ہوتا ہے۔ یہ زمانہ لڑکوں کے لئے ذہنی و عقلی اور اخلاقی تخم ریزی کا ہوتا ہے کیونکہ اِس وقت تعلیم کو دل نہایت جلد قبول کرتا ہے اور اُس کے تخم کو جس میں آیندہ نہایت

تربیت اور تحصیل علم میں لڑکوں کی زندگی بسر کرنے کی کیا تدبیر کرنی چاہئے جس سے مقاصد مذکورہ بخوب ترین وجوہ حاصل ہوں ٭

کچھ خفا ہونے کی بات نہیں ہے ٹھنڈے دل سے سمجھنا چاہئے کہ مذہبی تعلیم اور پند و نصائح کا اثر صرف دل پر ہوتا ہے یہ ضرور نہیں ہے کہ خواہش پر بھی اُس کا اثر ہو اور اِس لئے راست باز اور متدین اور پرہیزگار عالی ہمت مستقل مزاج اور رنج و مصیبت میں ثابت قدم ہونے کے لئے یہ بات ضرور ہے کہ لڑکوں کا دل اور اُن کی طبیعت ان صفات پر بخوبی حاوی ہو جاوے ورنہ تمام پند و نصائح اور نماز و روزہ نقش بر آب ہوتا ہے اور نہایت جلد سب میں فتور آجاتا ہے اور تمام زندگی کی اُمیدیں اور بہبودیاں جاتی رہتی ہیں اور اِس کا سبب صرف یہی ہے کہ اُن سے کہا گیا پر سمجھنے نہیں دیا کہ فلانی چیز در حقیقت عمدہ ہے اور ہر چیز کی قدر صرف اُس کی عمدگی ہی پر منحصر ہے ٭

اگرچہ لڑکوں کی تعلیم کا فرض مقدم اُن کے ماباپ پر ہے مگر جیسی تعلیم کہ مطلوب ہے وہ بغیر اس کے کہ تمام قوم آپس میں متفق ہو کر اُس کو قایم نہ کرے ممکن نہیں ہے اور اس لئے وہ فرض تمام قوم سے متعلق ہوتا ہے اور کچھ شک نہیں ہے کہ ایسے سامان تعلیم کے موجود نہ ہونے سے تمام قوم گنہگار اور شرمسار ہے اور اِس لئے میں امید کرتا ہوں کہ اب لوگ ہوشیار ہونگے اور اِس فرض کفایہ کے پورا کرنے پر جو بسبب ضرورت و حاجت شدید کے رتبہ میں فرض عین سے زیادہ بڑھ گیا ہے توجہ فرماوینگے ۔ واللہ ولی التوفیق وھو حسبی و نعم الرفیق ٭

غلامی

آزادی اور غلامی آپس میں ایسی نقیض ہیں کہ نہ دونوں کا اجتماع ہو سکتا ہے نہ دونوں کا ارتفاع اور اِس لئے یہ دونوں عمل مرضی پروردگار نہیں ہو سکتیں ورنہ خود پروردگار کی مرضی میں تناقض لازم آویگا جو اُس کی حکمت بالغہ کے شایاں نہیں ہے پس کچھ شبہ نہیں ہے کہ اِن دونوں میں سے صرف ایک ہی پروردگار کی مرضی کے مطابق ہوگی یا یوں کہو کہ قانون قدرت دو نقیضوں کا متقاضی نہیں ہو سکتا اور اِس لئے اُن میں سے ایک ہی مقتضائے قانون قدرت ہوگی ٭

ہم دیکھتے ہیں کہ انسان ایک ایسی ہستی بنایا گیا ہے جس کی فطرت میں آزادی اور خود مختاری رکھی گئی ہے وہ ذی عقل اور ذی شعور ہے اُس کو تمام قوائے ظاہری و باطنی دئے گئے ہیں۔ اُن کے استعمال پر جس طرح کہ وہ چاہے قادر ہے۔ تمام کاموں کے شروع کرنے کی سمجھ اور اُن کے انجام کی سوجھ اُس کو دی گئی ہے تا کہ ہر کام کا آغاز اور انجام دیکھ لے اُس کی فطرت ایسی

کی کتابیں پڑھ لیں اور مسئلہ مسائل بھگارنے لگے پھر تو وہ عرش سے بھی آگے بڑھ گئے اور شبلیؒ و جنیدؒ کو بھی ٹرخانے لگے +

مگر صرف اتنا ہی جتنا کہ بیان ہوا کافی نہیں ہے بلکہ مفید تربیت ہونے کے لئے اور بہت کچھ ہونا چاہئے پس اگر غور سے دیکھا جاوے اور انصاف کیا جاوے تو یہ تربیت کچھ تربیت نہیں ہے ایسی تربیت کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لڑکوں کے خیالات مثل جانوروں کے خیالات کے محدود ہو جاتے ہیں اور کسی قسم کی ترقی کا مادّہ اُن میں نہیں رہتا اُن کی حرکات مودبانہ صرف ایسے بندر کی سی حرکات ہوتی ہیں جس کو سلام کہنا اور ادب سے بیٹھنا اور کھڑے رہنا سکھایا ہو اُن حرکات میں اُن اخلاقی اوصاف کا جن سے از خود حرکات انسانی بلا تصنع قدرتی ادب و اخلاق کے مقتضی پر ہوتی ہیں کچھ بھی اثر نہیں پایا جاتا بلکہ انسان میں جو ایک مہذب دلیری اور مودّب بہادری اور ممدوح خودداری ہونی چاہئے جس کو مختصر لفظ غیرت سے تعبیر کیا جاتا ہے ایسے ادب سکھانے سے باقی نہیں رہتی اُس کی طبیعت بعوض اِس کے کہ بلند ہونے پر مائل ہو پستی پر رجوع کرتی ہے جس کا بد اثر اُس کی آیندہ عمر میں ظاہر ہوتا ہے پڑھنا لکھنا آجانے سے اور منطقی یا فلسفی ہو جانے سے کامل تربیت خیال نہ کر لینی چاہئے قطع نظر اس کے کہ علوم غیر مفید کچھ بھی مفید نہیں ہو سکتے صرف پڑھ لکھ لینے سے تربیت کامل نہیں ہو جاتی بہت سے پڑھے لکھے ایسے موجود ہیں جو بلحاظ تربیت کے محض ایک کندۂ ناتراش ہونے سے کچھ زیادہ رتبہ نہیں رکھتے پس تربیت کامل کے لئے جیسا کہ علوم مفیدہ کا پڑھنا شرط ہے ویسا ہی اُس کے ساتھ لڑکے کی زندگی کا ایسے طور پر اور ایسی حالت پر بسر ہونا ضرور ہے جس سے روز بروز اُس کے خیالات کو وسعت ہوتی جاوے اُس کی اُمنگ بڑھتی جاوے اُس کے قوٰی شگفتہ و شاداب رہیں غیرت جو ایک بڑا جوہر انسان کا ہے اور بُرائیوں سے بچانے کے لئے نہایت عمدہ اور سچا محافظ ہے ہمیشہ ترقی پر رہے۔ ظاہری اخلاقی اور مودبانہ حرکات اوپر اوپر مثل روغن قاز کے نہ لگائے جاویں بلکہ مثل چشمۂ شیریں کے خود اندر سے نکلیں۔ نماز و روزہ اور کتب مذہبی کا پڑھنا فی نفسہ نہایت عمدہ چیز ہے مگر جب اُس کی تعلیم ایسے بد طریقے سے ہوتی ہے جیسے کہ اب مسلمانوں میں مُروّج ہے اُس سے بجز اس کے کہ بد تعصبات بڑھ جاویں اور بعوض نیکی اور نیک دلی کے صفات ذمیمہ ترقی پکڑیں اور مثل کانٹے دار سخت پوست کے دل کو گھیر لیں جس میں نیکی اور رحم اور رقت اور ہمدردی سچائی اور راست بازی مطلق اثر کرنے نہ پاوے اور کچھ نتیجہ نہیں ہوتا ایسا تربیت یافتہ شخص بجائے اس کے کہ فخر اسلام ہوتا ننگ اسلام ہوتا ہے۔ اس لئے مسلمانوں کو جہاں اپنی اولاد کی تعلیم کی فکر ہونی چاہئے اُس کے ساتھ اس بات کی بھی بہت بڑی فکر لازم ہے کہ زمانہ

خیال ہوا۔ پس ہمارا ارادہ ہے کہ ہم اس مضمون کی اصلیت پر بموجب مذہب اسلام کے کچھ تحقیق و تدقیق کریں مگر قبل اس کے ہم چاہتے ہیں کہ اس آرٹکل میں غلامی کا کچھ مختصر حال بیان کریں کہ کس کس طرح پر اور کن کن قوموں میں رایج تھی اور کیسی کیسی بے رحمیاں اُن کی نسبت ہوتی تھیں ❖

غلامی کا رواج ایسا پُرانا معلوم ہوتا ہے جس کا زمانہ انسان کی یاد سے باہر ہے۔ غالباً تواریخ دنیا کے شروع ہی سے غلامی پیدا ہوئی تھی۔ اصلیت شروع غلامی کی صرف یہی پائی جاتی ہے کہ وحشی قوموں نے اپنے قیدیوں کو بجائے مار ڈالنے کے غلامی کی حالت میں رکھنا زیادہ مفید سمجھا اور اس سبب سے دو طریق غلامی کے رایج ہوئے۔ ایک وہ جو لڑائی میں لوگ قیدی ہوتے تھے اور یہ طریقہ طریق جائز اور بے عیب اور گویا قانوناً جائز سمجھا جاتا تھا اور تمام قوموں نے اپنی تہذیب و شائستگی کے زمانہ میں بھی اُس کو صحیح سمجھا تھا۔ دوسرے وہ قیدی جو دغا و فریب سے یا دزدی سے قید کئے جاتے تھے اور اُن کے ساتھ بھی ویسا ہی طریقہ برتا جاتا تھا جیسا کہ جائز غلاموں کے ساتھ۔ اُس کے بعد رفتہ رفتہ اور متعدد طریقے غلامی کے مختلف قوموں میں پیدا ہوتے گئے ❖

تمام مشرقی قومیں جن کا حال ہم کو معلوم ہے غلام رکھتی تھیں۔ یہودیوں کے ہاں غلامی قانوناً جائز تھی۔ ایرانی بھی بموجب اپنے قانون کے غلام رکھتے تھے۔ اُن کے ہاں صرف دوسری ہی قوم کے لوگوں کو غلام بنانے کی اجازت نہ تھی بلکہ اپنی قوم کے لوگوں کو بھی غلام بناتے تھے۔ اُن کے ہاں دستور تھا کہ مفلس مقروض اپنے تئیں بطور غلام کے بیچ ڈالتا تھا۔ چور بطور غلام کے رہتے تھے۔ البتہ بہ نسبت غیر قوم کے غلاموں کے اُن کی نسبت قانون فی الجملہ نرم تھا سات برس بعد ہم قوم غلام آزاد ہو جاتے تھے اور ہر پچاسویں برس عام طور پر ہم قوم غلام آزاد کئے جاتے تھے ❖

یونانیوں میں بھی غلامی کی رسم جاری تھی۔ وہاں ایک قوم وہاں کے قدیم باشندوں کی نسل سے تھی جو اپنے آقا کی زمین کاشت کر کر اُس کو لگان دیتی تھی اور لڑائی کے وقت اپنے آقا کے ساتھ ہوتی تھی۔ ایک قسم غلاموں کی یونان میں ایسی تھی کہ وہ یونان سے باہر دوسرے ملک میں فروخت نہیں ہو سکتی تھی اور نہ اپنے عیال و اطفال سے جُدا رکھی جاتی تھی بلکہ کسی قدر جائیداد پیدا کرنے کے بھی قابل سمجھی جاتی تھی اور وحشی غلام جو بذریعہ خرید حاصل ہوتے تھے وہ تو مثل اور جائیداد کے تھے کہ جب اور جہاں چاہو بیچ ڈالو۔ اُن سے محنت مزدوری کروائی جاتی تھی۔ کانیں کھدوائی جاتی تھیں اور اُن کی اُجرت اور منفعت اُن کے آقا لیتے تھے۔ اُن غلاموں

کہ اپنے لئے آپ تمام چیزیں مہیا کرنے کے لئے حاجتمند ہے پس یہ تمام چیزیں اِس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اِس پُتلے کے صانع کی مرضی یہی تھی کہ یہ پُتلا خود اپنا آپ مالک رہے ٭

صانع نے یہ تمام قوے جو انسان کو عطا فرمائے ہیں اُن سے اُس کی مرضی یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ تمام قوائے انسان میں اس طرح پر شگفتہ و شاداب رہیں کہ اعتدال سے خارج نہ ہونے پاویں اور ایک دوسرے کی نقیض نہ ہو جاویں۔ انسان کی ذاتی محنت اُسی کے لئے سودمند ہو۔ غلامی کی حالت میں انسان کے بہت سے قوائے بعوض شگفتہ و ترو تازہ رہنے کے پژمردہ بلکہ محض معطّل و بیکار ہو جاتے ہیں اُس کی محنت اس کی سُودمندی کے لئے نہیں رہتی۔ پس کسی طرح ایسی حالت صانع کی مرضی نہیں ہوسکتی ٭

انسان کی وہ چیز جس سے انسان انسان کہلاتا ہے اور جس کا نام لوگ روح لیتے ہیں مگر اُس کی حقیقت کچھ نہیں بتلا سکتے ایسی شریف چیز ہے کہ کسی کی مملوک ہونے کی لیاقت ہی نہیں رکھتی کیا نتائج قانون قدرت یا خدا کی روح یا امر رب کسی کی ملکیت ہوسکتی ہے؟ کیا ہم سی ہی ایک مخلوق ہماری ملکیت میں آسکتی ہے؟ حاشا وکلا۔ پس صاف عیان ہے کہ غلامی اُس قادر مطلق کی مرضی اور قانون قدرت دونوں کے برخلاف ہے۔ تمام انسان آزاد اور یکساں پیدا ہوئے ہیں اور کچھ شبہ نہیں کہ زندگی اور آزادی اور خوشی حاصل کرنے میں یکساں اور غیر قابل انتقال استحقاق رکھتے ہیں ٭

مگر انسان کی بدبختی سے کوئی نسل اور کوئی زمانہ ایسا نہیں گذرا کہ غلامی کی مصیبت انسانوں میں نہ رہی ہو۔ بہت عقلمند اور دانا اور حکیم گذرے۔ بہت سے صاحب شریعت گذرے مگر بجز ایک کے اور کسی نے اس قانون قدرت کے مخالف کا کچھ تدارک نہ کیا۔ موسیٰ صلوٰۃ اللہ علیہ نے اس کو جائز ہی رکھا۔ عیسیٰ علیہ السلام نے اُس کی نسبت ایک حرف بھی نہیں کہا۔ یونانی حکیموں نے ازروئے اصول اخلاق کے حالت غلامی کی نسبت کوئی اعتراض ہی نہیں سمجھا۔ ارسطو باوصف اس دانائی کے یہ سمجھا کہ خود خدا نے انسان کو آزادی اور غلامی میں تقسیم کیا ہے وہ یہ سمجھتا تھا کہ جن لوگوں کو غلام بنایا جاتا ہے وہ ایک قسم ہی جُدا ہے۔ اول تو یہ سمجھ ہی اُس بڑے حکیم کی جو ہر طرح ہمارے ادب کے لایق ہے غلط تھی اور سوائے اس کے اُس نے یہ خیال نہ کیا کہ غلامی کسی خاص قوم پر مخصوص نہیں رہ سکتی۔ افلاطون اُس سے بھی زیادہ غلطی میں گرا۔ جب اُس نے یہ کہا کہ صرف یونانی غلام نہ ہونے چاہئیں زیادہ افسوس کی بات یہ ہے کہ اس ایک فیاض شخص کا اصول مقررہ جس نے آیندہ کی غلامی کی جڑ کو کاٹا اور غلاموں کی حالت کو سنوارا اور جہاں تک ممکن ہوا اُن کو آزادی کا خلعت پہنایا۔ ایسا غفلت میں پڑا رہا کہ بہت ہی کم اُس کی

انسان دوسرے انسان کا غلام ہوجاتا تھا۔ لڑائی میں قید ہونے سے۔ خود اپنے تئیں کسی کا غلام بعوض روپیہ کے یا قحط سالی میں بعوض نان و نفقہ دینے کے یا اور کسی سبب کے بنا دینے سے + بعوض زر قرضہ یا کسی جرم کی سزا میں غلام ہوجانے سے۔ ماں باپ کا اپنی اولاد کو بیچ دینے سے۔ اولاد غلاموں کی بھی غلام ہوتی تھی۔ غلاموں کا بیع اور ہبہ کے ذریعہ سے انتقال ہوتا تھا اور روز انتقال سے منتقل الیہ کی غلامی میں آجاتا تھا +

دھرم شاستر کی رو سے غلام مثل مویشی کے اپنے آقا کی ملکیت ہوتا ہے اور اس کو حقیر نام یعنی دوپائی مویشی دیا گیا ہے۔ دھرم شاستر میں کوئی حکم غلام کی نسبت ایسا نہیں ہے جس کے ذریعہ سے وہ بے رحم آقا کے تشدد و بدسلوکی سے محفوظ رہے اور نہ اس میں آقا کے اختیار کی جو اس کو غلام پر ہو کچھ تصریح ہے +

کوئی حق ملکیت دھرم شاستر کی رو سے غلام کو حاصل نہیں ہے۔ اس کا مال کسو بر کبھی اُس کا حق نہیں ہے۔ دھرم شاستر میں بجز آقا کی خوشی کے اور کوئی ایسا طریقہ نہیں ہے جس کے ذریعہ سے غلام کو آزادی حاصل ہو سکے۔ الا اگر اس نے آقا کی جان بچائی ہو تو وہ اپنی اور اپنے بیٹے کی آزادی کی درخواست کرنے کا استحقاق رکھتا ہے۔ اگر آقا سے لونڈی کے اولاد پیدا ہو اور کوئی صحیح النسب اولاد نہ ہو تو دونوں آزاد ہوجاتے ہیں یا جو سبب غلامی کا ہے وہ نہ رہے تو غلام آزاد ہوتا ہے +

ایک دوسری قسم غلاموں کی دھرم شاستر کے بموجب عبید الارض ہیں یعنی غلام جو کاشت اراضی سے تعلق حق موروثی کا رکھتے ہیں اس قسم کے غلاموں سے احکام جائداد غیر منقولہ کے متعلق ہیں یعنی اُن غلاموں پر جو کاشتکاری کے کام کے لئے ہوں باپ اور بیٹے کو یکساں اختیار حاصل ہے +

مذہب اسلام کے پیرؤں کا بلاشبہ حق تھا کہ وہ غلامی کا نشان دنیا میں باقی نہ رکھتے اور غلاموں کی آزادی کا فرمان جیسا کہ اصول مذہب اسلام سے پایا جاتا ہے دنیا میں جاری کرتے مگر افسوس ہے کہ وہ سب سے زیادہ اندھیرے میں پڑے اور باوجودیکہ اس زمانہ میں تمام ملک روشن ہو گئے ہیں مگر اسلامی عملداریاں اب تک اُسی تاریکی اور اندھیرے میں ہیں +

اگرچہ عیسائی مذہب نے کچھ بھلائی غلاموں کے حق میں نہیں کی تھی مگر بلاشبہ عیسائیوں نے اُن کے حال پر رحم کیا اور یہ نیکی اور بلند نامی اُنھوں ہی نے حاصل کی۔ جسٹنین نے غلاموں کے رفتہ رفتہ آزاد ہوجانے میں بڑی کوشش کی۔ عیسائیوں ہی نے اُن آقاؤں کو جو اپنے غلاموں کو بے اطلاع حاکم مار ڈالتے تھے ملعون قرار دیا مگر اُس زمانہ میں یہ آفت رک نہ سکی اور وحشی حملہ کرنے والے بہت سے غلام اپنے ساتھ لائے جو اکثر سلیو نین قبیلہ کے تھے اور جس سے انگریزی

کی جو اولاد ہوتی تھی وہ بھی غلام ہوتی تھی۔ تھریشیا کے لوگوں کی ایسی بدبختی تھی کہ وہ خود اپنی اولاد کو بیچتے تھے۔ ایتھنز[۱] میں غلاموں کی حالت اور ملکوں سے اچھی تھی۔ ڈیماستھنیز کا قول ہے کہ بمقابلہ اور ملکوں کی آزادیوں کے ایتھنز کی غلامی کی حالت اچھی ہے ٭

رومیوں میں بھی غلامی تھی۔ مگر اُن کی سمجھ سب سے عمدہ تھی۔ رومی مقنن سمجھتے تھے کہ خدا تعالے نے سب کو آزاد بنایا ہے اور غلامی قانون خالق کے برخلاف ہے مگر صرف ملکی قانون کے مطابق وہ غلامی کو جائز رکھتے تھے اور اس لئے اُن لوگوں کو جو لڑائی میں قید ہوتے تھے اور اُن آزاد شخصوں کو جو خود اپنے آپ کو بیچ ڈالتے تھے غلام سمجھتے تھے۔ آقا کا اختیار غلام کو سزا دینے یا قتل کرنے کا نامحدود تھا۔ ضعیف و ناکارہ غلام ٹائبر کے جزیرہ میں فاقہ کشی کرتے کرتے مرجانے کے لئے چھوڑ دیئے جاتے تھے۔ سلطنت کے قوانین نے ان بے رحمیوں کی کسی قدر روک تھام کی تھی۔ یہ قانون تھا کہ اگر کوئی آقا اپنے غلام کو بلاسبب قتل کر ڈالے تو اُس کے ساتھ اس طرح پر پیش آیا جاوے کہ گویا اُس نے دوسرے شخص کے غلام کو مار ڈالا ہے۔ اگر کوئی آقا اپنے غلام پر بہت سخت بے رحمیاں کیا کرتا تھا تو آقا اس بات پر مجبور کیا جاتا تھا کہ وہ اُس کو بیچ ڈالے۔ کلاڈیس کے قانون کے مطابق غلام کا مار ڈالنا بمنزلہ قتل کے متصور ہوتا تھا۔ غلام جب بیچے جاتے تھے تو ماں باپ۔ لڑکے۔ بھائی بہن جُدا نہ کئے جاتے تھے۔ غلاموں کو شادی کرنے کا اختیار نہ تھا اور اُن کے اور اُن کی اولاد میں کوئی قانونی رشتہ نہ سمجھا جاتا تھا۔ بھاگے ہوئے غلام کو پناہ دینا جرم تھا۔ اُن کے آزاد کرنے کے بھی بہت سے طریقے تھے جو از روئے قانون کے معین اور محدود کئے گئے تھے ٭

رومیوں کے ہاں ابتدا میں غلام بہت کم تھے لیکن رفتہ رفتہ اُن کی بہت کثرت ہوگئی یہاں تک کہ کُل کاشتکاری غلاموں کے ذریعہ سے ہوتی تھی۔ سلطنت جمہوری کے زمانہ میں جو روم میں تھی ذی مقدور لوگ نہایت کثرت سے غلام رکھتے تھے اور جس قدر زیادہ غلام ہوں اُسی قدر شان و شوکت زیادہ متصور ہوتی تھی۔ ایک شخص کے پاس دو سو غلاموں کا ہونا ایسی بات نہ تھی کہ لوگ اُس کو معمولی بات سے کچھ زیادہ سمجھیں ٭

ابتدا میں غلام کوئی جائیداد پیدا نہیں کرسکتا تھا۔ جو کچھ وہ پیدا کرتا تھا سب کچھ اُس کے آقا کی ملک ہوتا تھا لیکن جب غلام تجارت کے کاموں میں مصروف ہونے لگے تو کچھ حصہ منافع میں سے اُن کا خاص سرمایہ سمجھا جاتا تھا اور بعض دفعہ یہ شرط ہوتی تھی کہ جب وہ سرمایہ اس قدر روپیہ تک پہنچ جاوے گا تو غلام آزاد ہوجاویگا ٭

ہندوؤں میں بھی قدیم زمانہ سے کچھ نہ کچھ غلامی جاری تھی اور منو کے قانونوں میں ایک

---

[۱] یونان کا پایۂ تخت ہے

دل پر نہایت اثر کیا اور میں نے کہا کہ بلاشبہ تم کو اور تمہاری زمین کو یہ بڑی عزت ہے جو خدا نے دی ۔

اُسی زمانہ میں رحیم اور نیک دل اور انسان کی بھلائی چاہنے والے لوگوں کے دل میں خیال آیا کہ غلاموں کی تجارت کی موقوفی پر کوشش کرنی چاہیئے چنانچہ ۱۷۸۷ء میں ایک سوسائٹی واسطے موقوفی غلاموں کی تجارت کے لندن میں قایم ہوئی ۔ اُس کے ابتدائی ممبر ڈبلیو ڈلون صاحب اور طامس کلرکسن صاحب اور گرینول شارپ صاحب تھے جن کی نیکنامی ہمیشہ یاد رہیگی ۔ اِس معاملہ میں سب سے زیادہ پُرجوش اور نہایت مستعدی سے رائے دینے والے اور گفتگو کرنے والے ولیم ولبرفورس صاحب تھے جن کی تائید ولیم پٹ وزیر سلطنت کی جانب سے ہمیشہ ہوتی تھی ۔ غرضکہ شدہ شدہ ان انسان کی بھلائی چاہنے والوں کی بدولت فروری ۱۷۸۸ء میں سلطنت انگلشیہ نے حکم دیا کہ بذریعہ کمیٹی پریوی کونسل نسبت تجارت غلاموں کے تحقیقات کی جاوے اور ایک قانون بنایا گیا جس سے جہاز میں بے انتہا غلاموں کے بھر لینے کی کچھ اصلاح ہوئی بڑی بدقسمتی یہ ہوئی کہ ولبرفورس صاحب نے جو مسودہ قانون کا اِس مطلب سے بنایا تھا کہ آیندہ سے تجارت غلاموں کی موقوف ہو وہ مسودہ ۱۷۹۱ء میں گم گیا ۔ اسی اثناء میں انگریزوں نے ویچ پر فتح پائی اور غلاموں کی تجارت نے پھر افزائش پکڑی ۔ مگر ۱۸۰۵ء میں کونسل سے ایک حکم مشعر امتناع تجارت اُن مفتوحہ نوآبادیوں میں جاری ہوا اور پھر ۱۸۰۶ء میں ایک قانون بنایا گیا کہ انگریزی رعایا کسی طرح غلاموں کی تجارت میں شریک نہ ہو اور اُسی سال مسٹر فاکس صاحب نے ایک رزولیوشن[1] ہوس[2] آف کامنز میں پیش کیا اور وہ جاری بھی ہو گیا کہ آیندہ سے کلیتہً غلاموں کی تجارت موقوف ہو ۔ لارڈ گرینول صاحب کی تحریک سے ہوس[3] آف لارڈ نے اُس رزولیوشن کو منظور کیا اور انگلستان نے اس فیاضانہ اور رحیمانہ بلکہ انسانیت کے کام میں بلندنامی حاصل کی ۔

اُس کے بعد دوسرے ہی سال میں یعنی ۱۸۰۷ء میں لارڈ ہاک صاحب نے جو بعد کو ارل گرے ہوئے ایک مسودہ قانون ہوس آف کامنز میں پیش کیا کہ یکم جنوری ۱۸۰۸ء کے بعد غلاموں کی تجارت عموماً اور قطعاً موقوف ہو ۔ دونوں ہوس یعنی ہوس آف کامنز اور ہوس آف لارڈز نے اس قانون کو پسند کیا اور پچیسویں مارچ ۱۸۰۷ء کو اُس قانون کی نسبت شاہی منظوری حاصل ہوئی ۔

لیکن تعجب کی بات ہے کہ جس ٹکڑۂ زمین پر ایسے فیاض اور عالی ہمت لوگ رہتے تھے جنہوں نے اِس رسم بد کی موقوفی پر بے انتہا کوششیں کیں وہاں کمینہ طبیعت کے لوگ بھی موجود تھے اور اُنہوں نے غلاموں کی تجارت کو نہ چھوڑا اور اسپین اور پرتگال کے جھنڈوں[1]

[1] تجویز ۔ رائے ۔ قرارداد [2] دارالعوام [3] دارالامرا ۔

لفظ سلیو بمعنی غلام نکلا ہے۔ تھوڑے زمانہ بعد تمام یورپ میں ایک قسم کی غلامی مروج تھی جو سرف کے نام سے کہلاتی تھی۔ سلیو اور سرف میں یہ فرق تھا کہ سلیو کو آقا فروخت بھی کرسکتا تھا مگر سرف سے صرف معین کام لینے کا حق رکھتا تھا ٭

جبکہ نئی دنیا یعنی امریکہ دریافت ہوئی تو عیسائی قوموں میں غلامی کے معاملہ کی بڑی گرم بازاری ہوئی۔ امریکہ کے قدیم باشندے کمزور تھے اور جن مشکل اور محنت کے کاموں کی وہاں حاجت تھی اُس کے قابل نہ تھے۔ اِس لئے پرتگال والوں نے جن کے قبضہ میں بہت بڑا حصہ افریقہ کا تھا وہاں سے حبشیوں کو لے جانا شروع کیا۔ لاس کیسس صاحب چیاپا کے بشپ نے امریکہ کے باشندوں کو لائق محنت کانوں کے کھودنے کے نہ دیکھ کر چارلس بادشاہ انگلنڈ سے درخواست کی کہ اُن کے بدلے حبشی غلام کام کرنے کو دئے جاویں کیونکہ وہ مضبوط اور توانا ہیں چنانچہ اُس بادشاہ نے سنہ ۱۵۱۷ء میں حبشی غلاموں کے لائے جانے کا حکم دیا۔ انگریزوں میں سب سے پہلے جس نے غلاموں کی تجارت شروع کی وہ سرجان ہاکنس تھے جن کا نام غلامی کے ساتھ ہمیشہ یاد کیا جاویگا مگر تھوڑے ہی عرصہ میں اور بہت سے لوگ اُن کے ساتھ غلاموں کی تجارت میں شریک ہو گئے۔ انگلستان نے سنہ ۱۶۸۰ء سے لغایت سنہ ۱۷۰۰ء کے تین لاکھ غلام افریقہ سے حاصل کئے اور اُس کے بعد لغایت سنہ ۱۷۸۶ء صرف جمایکہ[1] میں چھ لاکھ دس ہزار غلام بھیجے۔ تجارت غلاموں کی ایسی بے رحمی سے ہوتی تھی جس کا حال سُن کر تعجب آتا ہے۔ جہاز میں نہایت بے احتیاطی سے مثل بکریوں اور بھیڑوں کے بھرے جاتے تھے اور امریکہ پہنچنے کے بعد بھی کچھ اُن کی حفاظت نہ ہوتی تھی مگر جہاں انگریزوں کی عملداری تھی وہاں اُن غلاموں کی حالت کسی قدر بہتر تھی اُن کی فریادرسی کے لئے عدالتیں مقرر تھیں۔ عورتوں کو کوڑے مارنے کی بالکل ممانعت تھی مگر یہ بات پوچھنے کے قابل ہے کہ جس زمانہ میں امریکہ میں جہاں انگریزی عملداری تھی قوانین مذکورہ بالا غلاموں کی نسبت جاری تھے۔ اُس زمانہ میں انگلنڈ میں نسبت غلامی کے کیا قانون تھا۔ اُسی زمانہ یعنی سنہ ۱۷۹۶ء میں مقدمہ غلامی مسمّی سمرسٹ حبشی جو لندن میں چلا آیا تھا پیش ہوا۔ اُس میں یہ تجویز ہوئی کہ انگریزی زمین پر قدم رکھنے کے ساتھ ہی غلام آزاد ہوجاتا ہے گو کہ بعد واپس جانے اُس غلام کے غلامی کے ملک میں اُس کا آقا پھر اُس پر دعوے کرسکتا ہے ٭

ولایت میں ایک میرے انگریز دوست نے مجھ سے کہا کہ صرف ہماری قوم ہی کو آزادی کا فخر نہیں ہے بلکہ ہماری زمین کو بھی یہ افتخار ہے اس لئے کہ جو شخص ہماری زمین پر قدم رکھتا ہے گو وہ کسی کا غلام ہی کیوں نہ ہو اُسی وقت سے آزاد ہے۔ اُس کے بس کہنے لئے پہرے

[1] جمایکہ جزیرہ ہے امریکہ میں

کے لئے قانون کا مسودہ پیش کیا اور ہوس آف کامنز اور ہوس آف لارڈ میں منظور ہوا اور ۲۸۔ اگست ۱۸۳۳ء کو بادشاہی منظوری حاصل ہوئی اور بیس کروڑ پونڈ یعنی دو پدم روپیہ غلاموں کے مالکوں کو بطور معاوضہ نقصان دیا گیا۔ مگر خیال کرنا چاہیئے کہ یہ روپیہ کہاں سے آیا تھا یہ روپیہ اسی مُلک کی رعایا نے دیا تھا جس ملک کو ہم کہتے ہیں کہ تہذیب و شائستگی میں اپنا نظیر نہیں رکھتا پ ۱۸۴۸ء میں فرنچ نے بھی اپنے حبشی غلاموں کو آزاد کردیا اور ۱۸۶۳ء میں ڈچ کے غلام آزاد ہوئے اور شمالی اور جنوبی امریکہ میں جو لڑائی غلاموں کی آزادی کے لئے ہوئی وہ ابھی تک دنیا کی آنکھوں سے محو نہیں ہوئی ہے ❊

انگریزوں کی کوششیں جو غلامی کے بند کرنے میں ہوئیں اُن کے ہم دل سے ثنا خواں ہیں اور اس بات کو بھی قبول کرتے ہیں کہ ہندوستان میں بھی انگلش گورنمنٹ نے غلاموں کی تجارت بالکل موقوف کردی اور بردہ فروشی بھی بند ہوئی مگر ہم دل سے گورنمنٹ کی کاروائی کی جو ہندوستان میں غلامی کی نسبت ہوئی ہے ثنا خواں نہیں ہیں۔ ہم کو ظن غالب ہے کہ ہندوستان میں درمیان ہندوستانی عملداریوں کے بردہ فروشی جاری ہے اور گورنمنٹ کچھ کافی تدبیر اُس کے لئے نہیں کرتی۔ بعض دفعہ ہم کو خود انگریزی عملداری میں بردہ فروشی ہونے یا لونڈی اور غلام لانے کا شُبہ پیدا ہوتا ہے جبکہ ہم کسبیوں کے ہاں نئی نئی نوچیوں کا اور ہیجڑوں کے ہاں نئے نئے چیلوں کا اور نوابوں کے ہاں نئے نئے خواجہ سراؤں کا آنا سُنتے ہیں۔ ہم دل سے کہتے ہیں کہ ان سب باتوں کا گناہ اب تک انگریزی گورنمنٹ کے سر پر ہے موجودہ قانون ان امورات کے تدارک کے لئے کافی نہیں ہیں مگر اُمید ہے کہ کسی دن یہ رسم بد ہندوستان سے بالکل موقوف ہوگی ❊

یہ سب تو ہم نے کہا مگر ہم کو دیکھنا چاہیئے کہ مسلمان گورنمنٹوں نے اِس باب میں کیا عزت کمائی ہے۔ ہماری رائے یہ ہے کہ اِس معاملہ میں دین و دنیا دونوں کا خُسران مسلمان گورنمنٹوں کے نصیب ہے۔ اب بجز مُسلمان گورنمنٹوں کے اور کہیں غلاموں کی تجارت جاری نہیں ہے ہم نے جو دین و دنیا دونوں کا خسران مُسلمان گورنمنٹوں کی نسبت منسوب کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ مذہب اسلام کے مطابق غلاموں کی تجارت اور بردہ فروشی جائز نہیں ہے۔ ایک تو یہ گناہ ہے اور دوسرا گناہ عظیم یہ ہے کہ غیر قومیں اسلام پر طعنہ مارتی ہیں اور حقارت کی نظر سے دیکھتی ہیں کیونکہ وہ ان مسلمان گورنمنٹوں کے افعال سے یہ غلط نتیجہ نکالتی ہیں کہ مسلمانی مذہب میں یہ باتیں جائز ہیں۔ سلطان روم نے دو۔ باب بند کرنے تجارت غلاموں کے کوشش کی ہے اور جہاں تک کہ اُن کی عملداری یورپ کے ٹکڑے میں ہے وہاں کسی قدر وہ کوشش مؤثر بھی

کی آڑ میں اُن کی تجارت کرتے تھے اور پھر کثرت سے غلام جہازوں میں بھرنے لگے اور جب کوئی جہاز اُن کی تلاشی کو جاتا تو حبشی غلاموں کو جہاز پر سے دریا میں پھینک دیتے تھے اور جو حکمنامہ کہ اُس قانون میں غلاموں کی خرید فروخت کرنے پر تھا وہ اس رسم بد کے بند کرنے کو کافی نہ تھا اس لئے فیاض دل اور انسان دوست بلکہ انسانیت مجسّم مسٹر بروہم صاحب نے ۱۸۱۱ء میں ایک مسودہ قانون پیش کیا جو بالاتفاق سب کے منظور ہوگیا اور جس میں یہ بات قرار پائی کہ تجارت غلاموں کی جرم کبیرہ ہے جس کی سزا چودہ (۱۴) برس کی قید مع جلاوطنی یا تین برس سے پانچ برس تک کی قید مع مشقت شاقہ دی جاویگی +

۱۸۲۴ء میں ایک اور ایکٹ لہ جاری ہوا جس میں غلاموں کی تجارت جرم بحری ڈکیتی قرار پایا۔ جو نہایت سنگین جرم ہے اور پھر ۱۸۳۷ء میں اُس کی ترمیم ایک ضابطہ فوجداری کے نفاذ سے ہوئی اور تجارت غلامی کی سزا حبس دوام مع جلاوطنی قرار دی گئی +

ان بڑی کوششوں کے بعد انگریزوں کی عملداری میں سے غلاموں کی تجارت اُٹھ گئی اور اسی کے ساتھ امریکہ کے یونیٹڈ ٹہ اسٹیٹ سے بھی موقوف ہوئی اور رفتہ رفتہ جنوبی امریکہ کی جمہوری سلطنت مقام وِنزدیلہ و چلی و بونس ایرز اور سویڈن اور ڈنمارک اور ہالنڈ سے بھی موقوف ہوئی۔ انگریزوں کی اس فیاضی کو دیکھ کر یوروپ کی اور سلطنتوں کو بھی اس بد تجارت کے اُٹھا دینے کی ترغیب ہوئی اور اُس کے لئے قانون بنائے گئے اور عہد نامے کئے گئے چنانچہ ۱۸۱۵ء و ۱۸۱۷ء میں پرتگال اور اسپین کی سلطنت نے بھی اس پر اپنی رضامندی ظاہر کی اور ۱۸۲۶ء میں برازیل نے قبول کیا کہ بعد ۱۸۳۰ء کے اگر غلاموں کی تجارت اُس مُلک میں ہو تو ڈکیتی بحری کا جرم سمجھا جاوے اور ۱۸۳۱ء و ۱۸۳۳ء میں جو عہد نامہ فرانس سے ہوا اور جس کو قریباً کُل یوروپ کی بحری سلطنتوں نے منظور کر لیا اُس سے استحقاق سمندر میں جہازوں کی تلاشی کا واسطے بند کرنے غلامی کی تجارت کے حاصل ہوا اور پھر کنٹیوپل عہد نامہ کے مطابق جو ۱۸۴۱ء میں ہوا اُس عہد نامہ کو یورپ کی پانچ اعلےٰ سلطنتوں میں وسعت دی گئی۔ پھر اَشبرٹن کے عہد نامہ سے جو ۱۸۴۲ء میں یونیٹڈ اسٹیٹ سے ہوا کچھ فوج مشترکہ افریقہ کے کنارہ پر واسطے موقوفی تجارت غلاموں کے قائم ہوئی پھر ۱۸۴۵ء میں فوج مشترکہ انگلستان اور فرانس کو استحقاق تلاشی غلامان حاصل ہوا +

فیاض اور عالی حوصلہ اور نیک دل انگریزوں کو یہ خیال بھی تھا کہ موجودہ غلام بھی آزاد کئے جاویں۔ اس بات کے لئے سوسائٹیاں بھی بنیں اور ہوس آف کامنز میں بحث بھی ہوا کی۔ آخر کار ۱۸۳۳ء میں مسٹر اسٹینلی صاحب نے جو اُس زمانہ میں نو آبادیوں کے وزیر تھے غلاموں کی آزادی

لہ قانون

ٹہ ممالک متحدہ امریکہ

شائستگی اور انسانیت مذہب اسلام کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی۔ پس ہم نے یہ مضمون اسی لئے اختیار کیا ہے تاکہ ہم دکھائیں کہ مذہب اسلام نے غلاموں اور غلامی کی نسبت کیا کیا ہے اور کس طرح رحم اور انسانیت اور تہذیب کو اعلےٰ درجہ تک پہنچایا ہے۔ چنانچہ انشاءاللہ تعالےٰ ہم دوسرے آرٹیکل میں جو غلامی پر لکھینگے[1] اُس میں مذہب اسلام کے مطابق مضمون غلامی پر بحث کرینگے اور اسلام کی روشنی (مگر نہ زید و عمرو کی) دنیا کی آنکھ میں دکھا دینگے۔ من اورا دوست میدارم و دیگراں زید و عمرو را ❊

عورتوں کے حقوق

تربیت یافتہ ملک اس بات پر بہت غل مچاتے ہیں کہ عورت اور مرد دونوں باعتبار آفرینش کے مساوی ہیں اور دونوں برابر حق رکھتے ہیں۔ کوئی وجہ نہیں ہے کہ عورتوں کو مردوں سے کم اور حقیر سمجھا جاوے۔ اگر تمثیلاً کہا جاوے کہ عورت انسان کے لئے بمنزلہ بائیں ہاتھ کے ہے اور مرد بمنزلہ دائیں ہاتھ کے۔ یا قدر و قیمت میں عورت بمنزلہ سونے کے ہے اور مرد بمنزلہ روپیہ کے۔ تو بھی اس پر راضی نہیں ہوتے۔ با ایں ہمہ ہم دیکھتے ہیں کہ جس قدر قدر و منزلت عورتوں کی مذہب اسلام میں کی گئی ہے اور اُن کے حقوق اور اُن کے اختیارات کو مردوں کے برابر کیا گیا ہے اُس قدر آج تک کسی تربیت یافتہ مُلک میں نہیں ہے۔ انگلنڈ جو عورتوں کی آزادی کی بڑی حامی کار ہے جب اُس کے قانون پر جو عورتوں کے باب میں ہے نظر کی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اُن لوگوں نے عورتوں کو نہایت حقیر اور لایعقل اور لاشئے سمجھا ہے ❊

انگلنڈ کے قانون کے بموجب عورت شادی کرنے کے بعد معدوم الوجود متصور ہوتی ہے اور ذات شوہر سے مبدّل ہو جاتی ہے ❊

وہ کسی قسم کے معاہدہ کی صلاحیت نہیں رکھتی اور اس لئے وہ کسی دستاویز کی جو اُس نے خود اپنی مرضی سے بلا شوہر کی مرضی کے لکھی ہو ذمہ وار نہیں ہو سکتی ❊

جو ذاتی اسباب اور مال و نقد و جائداد قبل شادی عورت کی ملک ہو وہ سب بعد شادی کے بقبضہ شوہر آجاتی ہے ❊

جو جائداد کہ عورت کو وراثتہً قبل شادی کے یا بعد شادی کے ملی ہو اُس سب پر اُس کا شوہر تاحین حیات قابض ہو جاتا ہے اور وُہی اُس کا محاصل لیتا ہے ❊

وہ مثل لایعقل شخص کے نہ کسی پر دعوے کر سکتی ہے اور نہ اُس پر کوئی دعوے رجوع کر سکتا ہے ❊

---

[1] یہ آرٹیکل جس کا وعدہ یہاں کیا گیا ہے بصورت کتاب کے علیحدہ چھپا ہوا ہے اور اس میں اس مسئلہ پر ہر پہلو بالاستیعاب بحث کی گئی ہے

ہوئی ہے مگر اُس کے سوا کچھ کارگر نہیں ہوئی۔ کیا افسوس اور شرمندگی کی بات ہے جب یہ کہا جاتا ہے کہ عرب میں گائے بیل کی مانند نہایت بے رحمی سے لونڈی غلام بازار میں بکتے ہیں۔ دیکھو غلط اوہام مذہبی میں پڑنا اور بیجا رسم کی تقلید کرنا انسان کو ایسا اندھا کر دیتا ہے کہ سلطان سے ایسی رسم قبیح کا جس کے ناجائز اور خلاف شرع ہونے پر علماء اور قضات[1] پایۂ تخت نے فتوے بھی دیا ہے کچھ انتظام نہیں ہو سکتا اور اس فعل ناشایستہ سے دنیا میں جو ذلت اور حقارت اور وحشی اور نصف وحشی کا لقب ہے۔ وہ تو خود ہی ظاہر ہے۔ پس مسلمان گورنمنٹوں کو اس فعل کے سبب ہماری ملامت کرنا اور خسر الدنیا والآخرۃ کہنا کچھ خلاف نہیں ہے*

مگر مصر کا حال سُن کر ہمارا دل تھوڑا سا خوش ہوتا ہے۔ ولیم ہورڈ رسل صاحب جو نہایت نامی گرامی ہیں اپنے روزنامچہ میں اسمٰعیل پاشا خدیو مصر کی بڑی تعریف کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ اُس نے اس نیکی کے حاصل کرنے اور رسم بد کے موقوف کرنے میں بڑی کوشش کی ہے اور کسی قدر کامیاب بھی ہوا ہے اگر یہ بات سچ ہے تو ہم بھی دل سے اسمٰعیل پاشا کی خبر سناتے ہیں اور دُعا دیتے ہیں اور شکر کرتے ہیں مگر ہم نے جو ٹھنڈے دل سے یہ دعا دی اُس کا سبب یہ ہے کہ ہم نے خود مصر میں دیکھا ہے کہ حبشی غلام خواجہ سرا نہایت کثرت سے ہیں اور خود اسمٰعیل پاشا کے محل میں موجود ہیں۔ پس یہ کیا خُدا کی دوہری لعنت یعنی ایک غلامی اور دوسرے خوجہ کرنا مصر والوں کی سیاہ روئی اور پُورے وحشی ہونے کے لئے کم ہے۔ افسوس کہ ان ناخدا ترس مسلمانوں نے اپنے افعال قبیحہ سے کیسے روشن مذہب اسلام کو بدنام کیا ہے اور دھبہ لگایا ہے۔ سبحان اللہ۔ جو فعل مبغوض رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم تھا اُسی قسم کے لوگ یعنی خواجہ سرا روضۂ متبرکہ رسالت مآب علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر اور خانۂ کعبہ پر متعین کئے گئے ہیں اور یہ ہیٹے کے پھو۔ بے مسلمان اُس کو باعث افتخار جانتے ہیں اور اُس کے مخالف کو لامذہب یا کرسٹان بتاتے ہیں۔ فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ*

اگرچہ مسٹر رسل صاحب کی کتاب متعلق غلامئ مصر پڑھ کر ہمارا دل خوش ہوا مگر جس لفظ نے ہمارے دل کو نہایت رنجیدہ کیا اُس کا بیان کرنا بھی ہم کو ضرور ہے اور وہ یہ ہے کہ جہاں اُنہوں نے اسمٰعیل پاشا کے اس نیک کام کی تعریف لکھی ہے وہاں یہ بھی لکھا ہے کہ اُس نے برخلاف اپنے مذہب و ایمان کے یہ نیک کام کیا ہے۔ اس تحریر پر ہم کچھ مسٹر رسل صاحب سے ناراض نہیں ہوئے اُنہوں نے ٹھیک لکھا ہے مگر اُن کافر مسلمانوں سے ناراض ہوئے جنھوں نے اپنے افعال ناشایستہ کو ایسے طور پر رواج دیا ہے جس کے سبب غیر قومیں ان افعال کو مذہبی اور ایمانی افعال سمجھتی ہیں اور مذہب اسلام کو حقارت سے دیکھتی ہیں اور سمجھتی ہیں کہ تہذیب اور

[1] قاضی کی جمع ہے

خود اُس کے محاصل کی لینے والی ہے ٭

وہ مثل مرد کے دعوےٰ بھی کرسکتی ہے اور اُس پر بھی دعوےٰ ہوسکتا ہے ٭

وہ اپنے مال سے ہر ایک چیز خرید سکتی ہے اور جو چاہے اُس کو بیع کرتی ہے وہ مثل مرد کے ہر قسم کی جائداد کو ہبہ اور وصیت اور وقف کرسکتی ہے ٭

وہ رشتہ داروں اور شوہر کی جائداد میں سے بہ ترتیب وراثت ورثہ پاسکتی ہے ٭

وہ تمام مذہبی نیکیوں کو جو مرد حاصل کرسکتا ہے حاصل کرسکتی ہے ٭

وہ تمام گناہوں کے عوض میں دنیا اور آخرت میں وہی سزائیں پاسکتی ہے جو مرد پاسکتا ہے ٭

کوئی قید خاص عورت پر بجز اُس کے جو خود اُس نے بسبب معاہدہ نکاح کے اپنے پر قبول کی ہیں یا اُس تفاوت ستر عورت میں جو نیچر یعنی قدرت نے دونوں میں مختلف طور سے بنایا ہے ایسی نہیں ہے جو مرد پر نہ ہو۔ پس حقیقت میں مذہب اسلام میں جس طرح کہ عورت و مرد کو برابر سمجھا ہے ویسا ہی نہ کسی مذہب میں ہے اور نہ کسی قوم کے قانون میں ہے ٭

مگر تعجب اور کمال تعجب اِس بات میں ہے کہ تمام تربیت یافتہ ملک مسلمانوں کی عورتوں کی جو حالت ہے اُس پر بہت کچھ نام رکھتے ہیں اور اِس میں کچھ شک نہیں کہ تربیت یافتہ ملک کی عورتوں کی حالت مسلمانوں اور مسلمان ملک کی عورتوں کی حالت سے بدرجہا بہتر ہے حالانکہ معاملہ بالعکس ہونا چاہیے تھا ٭

عورتوں کی حالت کی بہتری جو تربیت یافتہ ملکوں میں ہم نے تسلیم کی ہے اُس میں کچھ یہی خیال ہم نے بے پردگی کی آزادی کا نہیں کیا ہے کیونکہ ہماری رائے میں ہندوستان میں اِس باب میں جس قدر کہ تفریط ہے اُسی قدر تربیت یافتہ ملکوں میں افراط ہے اور جو حد کہ شرع نے مقرر کی ہے اور جہاں تک کہ انسان اُس پر غور کرسکتا ہے اور اپنی عقل کو کام میں لاسکتا ہے بلاشبہ وُہی حد نہایت درست اور ٹھیک معلوم ہوتی ہے۔ اِس مقام پر جو ہم کو بحث ہے وہ صرف مردوں کے عورتوں کے ساتھ حسن سلوک اور حسن معاشرت اور تواضع اور خاطرداری اور محبت اور پاس خاطر اور اُن کی آسائیش اور آرام اور خوشی اور فرحت کی طرف متوجہ ہونا اور اُن کو ہر طرح پر خوش رکھنا اور بعوض اس کے کہ عورتوں کو اپنا خدمت گذار تصور کریں اُن کو اپنا انیس اور جلیس اور رنج و راحت کا شریک اور اپنے کو اُن کی اور اُن کو اپنی باعث مسرت اور تقویت کے سمجھنے پر بحث ہے۔ بلاشبہ جہاں تک کہ ہم کو معلوم ہے تربیت یافتہ ملکوں میں عورتوں کے ساتھ یہ تمام مراتب بخوبی برتے جاتے ہیں اور مسلمان ملکوں میں ویسے نہیں برتے جاتے اور ہندوستان میں تو ایسی نالایقی اور خاک اڑتی ہے کہ نعوذ باللہ منہا ٭

وہ بلا اجازت شوہر کے کوئی اسباب نہیں خرید سکتی اور کوئی چیز بیچ نہیں کرسکتی +

وہ بجز روٹی کھانے اور کپڑا پہننے اور ایک مکان میں رہنے کے خرچ کے جو ضروریات زندگی کے لئے درکار ہے اور کوئی خرچ بغیر مرضی شوہر کے نہیں کرسکتی +

سنہ۱۸۵۷ء میں پارلیمنٹ میں منکوحہ عورتوں کی جائداد کا ایک بل پیش ہوا تھا اُس میں صرف یہ بات چاہی گئی تھی کہ وہ قانون جس کے ذریعہ سے بعد شادی کے عورت اپنی جائداد سے محروم ہوجاتی ہے منسوخ کیا جاوے +

آنریبل مسٹر رسل گرنی ممبر پارلیمنٹ نے یہ مسودہ قانون کا پیش کیا تھا اُس وقت اُنہوں نے نہایت لطیف بات یہ کہی تھی کہ حال کے قانون کے بموجب جو کچھ جائداد عورت کے پاس قبل شادی ہوتی ہے اور بعد شادی ملتی ہے اور جو کچھ کہ وہ اپنی محنت ولیاقت سے کماتی ہے بعد شادی کے وہ اُس کا نہیں رہتا۔ سب پر شوہر مالک ہوجاتا ہے۔ پس شادی کا اثر اُس عورت پر ایسا ہوتا ہے جیسا کہ کسی جرم قابل ضبطی جائداد کا اثر ہوتا ہے +

اِس گفتگو پر تمام ہوس آف کامنز ہنس پڑا۔ اور اکثر ممبروں نے آنریبل مسٹر رسل گرے کی تائید کی۔ پس انگلستان کے قانون کا عورتوں کی نسبت یہ حال ہے اور غالباً کوئی قانون اِس سے زیادہ خراب اور مضرت رساں اور نا انصاف نہ ہوگا +

ذکر مسلمانی قانون کا نسبت عورتوں کے

اب خیال کرو کہ مسلمانی قانون میں عورتوں کو کس طرح عزت دی گئی ہے اور مردوں کے برابر اُن کے حقوق اور اختیار تسلیم کئے گئے ہیں +

حالت نابالغی میں جس طرح مرد اُسی طرح عورت بے اختیار اور ناقابل معاہدہ متصور ہے الا بعد بلوغ وہ بالکل مثل مرد کے مختار اور ہر ایک معاہدہ کے لائق ہے +

جس طرح مرد اُسی طرح عورت اپنی شادی کرنے میں مختار ہیں جس طرح کہ مرد کی بے رضامندی نکاح نہیں ہوسکتا اسی طرح عورت کی بلا رضامندی نکاح نہیں ہوسکتا +

وہ اپنی تمام ذاتی جائداد کی خود مالک اور مختار ہے اور ہر طرح اُس میں تصرف کرنے کا اُس کو اختیار کامل حاصل ہے +

وہ مثل مرد کے ہر قسم معاہدہ کی صلاحیت رکھتی ہے اور اُس کی ذات اور اُس کی جائداد اُن معاہدوں اور دستاویزوں کی بابت جوابدہ ہے جو اُس نے تحریر کی ہوں +

جو جائداد قبل شادی اور بعد شادی اُس کی ملکیت میں آئی ہو وہ خود اُس کی مالک ہے اور

فن وہنر وصنعت کاری نکلتی آئی اُسی قدر تربیت یافتہ قوموں نے ساز و سامان سے اپنے طریقۂ زندگی کو آراستہ کرلیا اور جنھوں نے ایسا نہ کیا وہ ویسے ہی حقیر و ذلیل ناتربیت یافتہ رہیں*

طریقہ زندگی سے قوموں کی ذلت اور عزت کا ہونا ایک ایسا امر ہے جس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا مگر ہم چند مثالوں سے اُس کو اور زیادہ واضح کرتے ہیں۔ ہندوستان میں کنجروں کی قوم کو دیکھو جو ایک لنگوٹی باندھے رہتی ہے اور نہایت میلا بدن اور نجس ہاتھ پاؤں رکھتی ہے اور نہایت میلے بدبودار برتن استعمال میں لاتی ہے۔ غذا بھی اُن کی نہایت کثیف ہے اور طرز کھانے کا بھی ایسا بُرا ہے جسے دیکھ کر گھن آتی ہے۔ پس وہ قوم صرف اپنے طریقہ زندگی کے ذلیل ہونے کے سبب ہماری آنکھ میں کیسی ذلیل وخوار معلوم ہوتی ہے*

اب اُن قوموں کو دیکھو جو اُن سے درجہ بدرجہ طریقہ زندگی کی اصلاح میں ترقی کرتی گئی ہیں مثلاً چمار جن کا لباس اور طریق زندگی کنجروں سے بدرجہا اچھا ہے۔ وہ ہماری آنکھ میں ویسے ذلیل نہیں ہیں چماروں کی بہ نسبت عام غریب گنواروں کا لباس اور طریقہ زندگی بدرجہا نہایت عمدہ اور اچھا ہے وہ ہماری آنکھ میں چنداں ذلیل نہیں۔ ہم کبھی اُن کے گھر بھی جاتے ہیں۔ اُن کے ہاں کا پانی بھی پیتے ہیں۔ اُن کے گھر کی پکی ہوئی روٹی بھی کھاتے ہیں۔ اور کچھ نفرت نہیں کرتے*

علاوہ ان کے تین قومیں اور ہندوستان میں ہیں جو اپنے تئیں مؤدب و مہذب تربیت یافتہ وشایستہ سمجھتی ہیں*

ہندو۔ مسلمان۔ انگریز۔ ان تینوں قوموں کا جو طریق لباس اور طرز زندگی اور کھانے پینے کی رسم اور اُٹھنے بیٹھنے کی عادت ہے اُس سے تمام لوگ ہندوستان کے بخوبی واقف ہیں۔ مگر اس میں کچھ شک نہیں کہ ان تینوں قوموں میں سے جس قوم کا طریقہ اعلےٰ ہے وہ قوم باقی دو قوموں کو ایسا ہی ذلیل اور ناتربیت یافتہ اور قابل نفرت کے سمجھتی ہے جیسے کہ ہم اپنے سے اونے قوموں کو سمجھتے ہیں*

مسلمان اپنی دانست میں اپنے لباس اور اپنی مجلس میں نہایت آراستگی اور شان و شوکت کرتے ہیں اور اپنے دسترخوانوں کو انواع انواع طرح کے لذیذ کھانوں سے اور خوبصورت خوبصورت سونے اور چاندی اور چینی اور بلورین برتنوں سے آراستہ کرتے ہیں مگر جو قوم کہ اُن سے بھی زیادہ لباس میں اور کھانے پینے کے طریق میں زیادہ صفائی رکھتی ہے وہ اُن کو اُسی حقارت اور ذلت سے دیکھتی ہے*

جو لوگ کہ چمچے اور کانٹوں سے کھاتے ہیں اور ہر دفعہ رکابیاں اور چھری کانٹے چمچے بدلتے

جو لوگ کہ ان خرابیوں کو مذہب اسلام کی طرف نسبت کرتے ہیں یقینی اُن کی غلطی ہے بلکہ ہندوستان میں جس قدر کہ عورتوں کی حالت میں تنزل ہے صرف اُس کا باعث احکام مذہب اسلام کی بخوبی پابندی نہ کرنا ہے۔ اگر اُن کی پابندی کی جاوے تو بلاشبہ یہ تمام خرابیاں دُور ہو جاویں معہذا بڑا باعث اِس کا اُن سولیزڈ یعنی نامہذب ہونا مسلمانوں کا ہے۔ مہذب قوموں نے باوجودیکہ اُن کے ہاں کا قانون نسبت عورتوں کے نہایت ہی ناقص اور خراب تھا اپنی عورتوں کی حالت کو نہایت اعلےٰ درجہ کی ترقی پر پہنچایا ہے اور مسلمانوں نے باوجودیکہ اُن کا مذہبی قانون نسبت عورتوں کے اور اُن کی حالت بہتری کے تمام دنیا کے قانون سے بہتر اور عمدہ تھا مگر اُنھوں نے اپنے نامہذب ہونے سے ایسا خراب برتاؤ عورتوں کے ساتھ اختیار کیا ہے جس کے سبب تمام قومیں ان کی حالت پر ہنستی ہیں اور ہماری ذاتی برائیوں کے سبب اس وجہ سے کہ قوم کی قوم ایک حالت پر ہے الا ماشاء اللہ اُس قوم کے مذہب پر عیب لگاتی ہیں پس اب یہ زمانہ نہیں ہے کہ ہم ان باتوں کی غیرت نہ کریں اور اپنے چال چلن کو درست نہ کریں اور جیسا کہ مذہب اسلام روشن ہے خود اپنے چال چلن سے اُس کی روشنی کا ثبوت لوگوں کو نہ دکھائیں +

طریقہ زندگی

قوموں کی عزت یا ذلت اُن کی رسم و رواج اور اُن کے طریقہ زندگی اور کبھی کبھی اُن کے مذہب سے بھی علاقہ رکھتی ہے۔ تمام قوموں میں بہت سی رسمیں وحشیانہ اور ناتربیت یافتہ زمانہ کی آپ چلی آتی ہیں۔ مگر تربیت یافتہ قوموں نے اُن رسموں کو تراش خراش کر ایسا کر لیا ہے کہ اُن میں وحشیانہ پن مطلق نہیں رہا بلکہ نہایت فرحت بخش اور دلکش ہو گئی ہیں اور ناترتیب یافتہ قومیں اب تک بدستور وحشیانہ طور سے اُن کو برتتی آتی ہیں اور اسی لئے پہلی قومیں پچھلی کو ذلت اور حقارت کی نظر سے دیکھتی ہیں +

اکثر قوموں نے قدیم زمانہ میں طریقہ زندگی بمقتضائے آب و ہوا ہر ایک ملک کے اختیار کیا تھا جو اکثر نہایت سادہ و حقارت آمیز تھا مگر تربیت یافتہ قوموں نے اُس میں اصلاح کرتے کرتے اعلےٰ درجہ کی ترقی اور شائستگی پر پہنچا دیا اور ناتہذیب یافتہ قومیں اسی جہالت میں پڑی رہیں اور اس لئے پہلی قوموں کی آنکھ میں ذلیل و خوار ہیں +

یہ امر بھی بہت واقع ہوا ہے کہ بسبب نہ ہونے فن و ہنر کے ہر ایک قوم نے جو طریقہ زندگی بسر کرنے کا اختیار کیا تھا وہ اُس زمانہ میں حقیر نہ تھا مگر حال کے زمانہ میں ذلیل ہو گیا ہے چنانچہ جس قدر

عمدگی وصفائی اور نفاست رکھتا ہے ؎

یہ بات کہی جاتی ہے کہ ہاتھ سے کھانا مسنون ہے اور اُس کو حقیر سمجھنا کفر تک نوبت پہنچا دیتا ہے۔ ہم اس رائے کی صحت وسقم کی بحث سے قطع نظر کر کے اُس کو تسلیم کرتے ہیں اور جو یہ کہتے ہیں کہ اُن بزرگوں کی آدھی پیروی کرنا باعث ذلت ہے اگر مسلمان یہ بھی گوارا کریں کہ مرغن کھانے جس سے ہاتھ اور مُنہ بھر جاتا ہے اور یہی امر باعث نفرت اور گھن آنے کا ہوتا ہے چھوڑ دیں اور جو کے بن چھنے آٹے کی سوکھی روٹی ککڑی یا کھجور سے کھا لیا کریں تو اُن بزرگوں کی پوری پوری پیروی ہوگی اور اُس وقت میں کوئی بھی ہاتھ سے کھانے پر نفرت نہ کریگا مگر یہ نہیں ہوسکتا کہ کھانے تو ہوویں فرعونی اور طریق کھانے کا ہو مسنونی ؎

ہم کو خدا کا شکر کرنا چاہیئے کہ اُس نے ہم کو اپنی نعمتیں عطا کی ہیں ہم اُن کو استعمال کریں اور عملی طور پر اُس کا شکر بجالاویں اور جبکہ ہم یہ خیال کریں کہ ان شان کی چیزوں کا ہم بنظر تکبر و غرور استعمال نہیں کرتے بلکہ بطور ادائے شکر ولی النعم استعمال کرتے ہیں اور مسلمانوں کی قوم کو غیر قوموں کی نگاہ میں جو ذلت ہے اُس سے نکالتے ہیں جس میں اسلام کی بھی عزت ہے تو اُس وقت تو ہم چمچہ اور چھری کانٹے سے کھانا مندوبات اور مستحبات سے کم نہیں سمجھتے کما قال علیہ الصلوٰۃ والسلام انما الاعمال بالنیات ؎

تعلیم و تربیت

ایک مصنف کی ایک بات کو ہم اپنی طرز پر اپنے لفظوں میں بیان کرتے ہیں ؎

تعلیم اور تربیت کو ہم معنی سمجھنا بڑی غلطی ہے بلکہ وہ جُدا جُدا دو چیزیں ہیں۔ جو کچھ کہ انسان میں ہے اُس کو باہر نکالنا انسان کو تعلیم دینا ہے۔ اور اُس کو کسی کام کے لایق کرنا اُس کا تربیت کرنا ہے۔ مثلاً جو قوتیں کہ خدا تعالےٰ نے انسان میں رکھی ہیں اُن کو تحریک دینا اور شگفتہ و شاداب کرنا انسان کی تعلیم ہے اور اُس کو کسی بات کا مخزن اور مجمع بنانا اُس کی تربیت ہے ؎

انسان کو تعلیم دینا درحقیقت کسی چیز کا باہر سے اُس میں ڈالنا نہیں ہے بلکہ اُس کے دل کی سوتوں کا کھولنا اور اندر کے سرچشمہ کے پانی کو باہر نکالنا ہے جو صرف اندرونی قوتے کو حرکت میں لانے اور شگفتہ و شاداب کرنے سے نکلتا ہے۔ اور انسان کو تربیت کرنا اُس کے لئے سامان کا مہیا کرنا اور اُس سے کام کا لینا ہے جیسے جہاز طیار ہونے کے بعد اُس پر بوجھ لادنا اور حوض بنانے کے بعد اُس میں پانی کا بھرنا۔ پس تربیت پانے سے تعلیم کا بھی پانا ضرور نہیں ہے۔ تربیت جتنی چاہو کرو۔ اور اُس کے دل کو تربیت کرتے کرتے مُنہ تک بھر دو۔ مگر اُس سے

جاتے ہیں جب وہ ہم مسلمانوں کو ہاتھ سے کھاتے ہوئے دیکھتے ہیں تو اُن کو نہایت نفرت اور کراہت آتی ہے +

ترکوں نے اگرچہ اپنا طریقہ بدل دیا ہے مگر مصر میں عورتیں اب تک نیچی میز پر کھانا رکھ کر اور ہاتھ سے کھاتی ہیں تھوڑے دن ہوتے کہ پرنس آف ویلز یعنی ولی عہد سلطنت انگلستان معہ پرنسس آف ویلز یعنی ولی عہد بیگم کے مصر میں سیر کو تشریف لے گئے تھے۔ اسمٰعیل پاشا خدیو مصر کی ماں نے پرنسس آف ویلز یعنی ولی عہد بیگم کی معلسرائے زنانہ میں دعوت کی اور اپنے ساتھ کھانا کھلایا۔ پرنسس آف ویلز کے ساتھ آنریبل مسس ولیم گرے صاحبہ بھی بطور مصاحب کے تھیں اور دعوت میں بھی شریک تھیں۔ اُنہوں نے وہاں سے واپس آکر سفر کا حال لکھا ہے چنانچہ جو کچھ اُنہوں نے طریق کھانا کھانے کی نسبت لکھا ہے اُس کا انتخاب ہم اس مقام پر لکھتے ہیں تاکہ یہ بات معلوم ہو کہ دوسری قوم جو ہم سے زیادہ صفائی سے کھاتی ہے ہمارے کھانا کھانے کے طریق کو کیسا خیال کرتی ہے +

مسس صاحبہ ممدوحہ اس طرح پر لکھتی ہیں کہ "کھانے کے کمرے کے اندر چاندی کی ایک گول میز بچھی ہوئی تھی۔ فرش سے ایک فٹ اونچی اور ایک بڑا خوان معلوم ہوتی تھی اُس کے گرد گیہے بچھے ہوئے تھے۔ ہم سب آلتی پالتی مار کر میز کے گرد گیہوں پر ہو بیٹھے۔ خدیو مصر کی ماں کی دائیں طرف پرنسس آف ویلز بیٹھیں اور پھر سب بیگمات درجہ بدرجہ بیٹھیں +

سب سے پہلے ایک قاب میں مرغ کا شوربا اور چاول یعنی خشکہ آیا اور سیپی کے چمچے ملے۔ مگر نہ چھری تھی نہ کانٹا تھا۔ اُس کے بعد بڑا مٹن آیا اور دفعہ دفعہ بیس قسم کھانے آئے جو ہاتوں سے اور اُنگلیوں سے توڑ توڑ کر کھائے جاتے تھے +

جس قدر مجھ کو اِس سے نفرت ہوئی اور پھریری آآ کرتے ہونے کی نوبت ہوئی ایسی کبھی نہیں ہوئی۔ کھانے میں اُنگلیوں کا ڈبویا جانا دیکھ کر اور اُنگلیوں سے توڑ کر کھانے سے ایسی نفرت اور گھن آتی تھی کہ میں نے ایک آدھ دفعہ تو کھانے سے انکار کر دیا مگر جو بیگم کہ میرے پاس بیٹھی ہوئی تھیں اُنہوں نے جانا کہ میں شرماتی ہوں تو ہر دفعہ کھانا اپنے ہاتھ سے لے کر میری رکابی میں رکھ دیتی تھیں اور ایک دفعہ شوربے میں سے پیاز نکال کر میرے آگے رکھدی اور میرا جی متلا آتا تھا کھانے پر شراب مطلق نہ تھی۔ انتہی ملخصاً ہ

مسس گرے صاحبہ کا جو یہ حال ہوا بلا شبہ زیادہ اُس کا سبب یہ تھا کہ اِس طرح پر کھانے کی اُن کو عادت نہ تھی مگر انصاف سے ہم کو اس بات کا بھی اقرار کرنا چاہئے کہ چھری اور چمچہ سے کھانا اور ہر قسم کھانے کے لئے جدا برتنوں کا ہونا بہ نسبت ہاتھ سے کھانا کھانے کے زیادہ

کاہلی ہے مگر یہ خیال نہیں کرتے کہ دلی قوے کو بیکار چھوڑ دینا سب سے بڑی کاہلی ہے +
ہاتھ پاؤں کی محنت اوقات بسر کرنے اور روٹی کما کر کھانے کے لئے نہایت ضروری ہے اور روٹی پیدا کرنا اور پیٹ بھرنا ایک ایسی چیز ہے کہ بمجبوری اُس کے لئے محنت کی جاتی ہے اور ہاتھ پاؤں کی کاہلی چھوڑی جاتی ہے اور اسی سبب سے لئے ہم دیکھتے ہیں کہ محنت مزدوری کرنے والے لوگ اور وہ جو کہ اپنی روزانہ محنت سے اپنی بسراوقات کا سامان مہیا کرتے ہیں بہت کم کاہل ہوتے ہیں۔ محنت کرنا اور سخت سخت کاموں میں ہر روز لگے رہنا گویا اُن کی طبیعت ثانی ہو جاتی ہے مگر جن لوگوں کو ان باتوں کی حاجت نہیں ہے وہ اپنے دلی قوی کو بیکار چھوڑ کر بڑے کاہل اور بالکل حیوان صفت ہو جاتے ہیں +
یہ سچ ہے کہ لوگ پڑھتے ہیں اور پڑھنے میں ترقی بھی کرتے ہیں اور ہزار پڑھے لکھوں میں سے شاید ایک کو ایسا موقع ملتا ہوگا کہ اپنی تعلیم کو اور اپنی عقل کو ضرورۃً کام میں لاوے لیکن اگر انسان اُن عارضی ضرورتوں کا منتظر رہے اور اپنے دلی قوے کو بیکار ڈال دے تو وہ نہایت سخت کاہل اور وحشی ہو جاتا ہے۔ انسان بھی مثل اور حیوانوں کے ایک حیوان ہے اور جبکہ اُس کے دلی قوی کی تحریک سست ہو جاتی ہے اور کام میں نہیں لائی جاتی تو وہ اپنی حیوانی خصلت میں پڑ جاتا ہے پس ہر ایک انسان پر لازم ہے کہ اپنے اندرونی قوے کو زندہ رکھنے کی کوشش میں رہے اور ان کو بیکار نہ چھوڑے +
ایک ایسے شخص کی حالت کو خیال کرو جس کی آمدنی اُس کے اخراجات کو مناسب ہو اور اُس کے حاصل کرنے میں اُس کو چنداں محنت و مشقت کرنی نہ پڑے جیسے کہ ہمارے ہندوستان میں ملکیوں اور لاخراج داروں کا حال تھا اور وہ اپنے دلی قوے کو بھی بیکار ڈال دے تو اُس کا حال کیا ہوگا۔ یہی ہوگا کہ اُس کے عام شوق وحشیانہ باتوں کی طرف مائل ہوتے جاوینگے۔ شراب پینا اور مزیدار کھانا اُس کو پسند ہوگا۔ قماربازی اور تماش بینی کا عادی ہوگا اور یہی سب باتیں اُس کے وحشی بھائیوں میں بھی ہوتی ہیں البتہ اتنا فرق ہوتا ہے کہ وہ پھوہڑ بدسلیقہ وحشی ہوتے ہیں اور یہ ایک وضعدار وحشی ہوتا ہے۔ شراب پی کر پلنگ پر پڑے رہنا اور پیچوان کے دھوئیں اڑانا اِس کو پسند ہوتا ہے اور جنگل کے ریت پر پڑے رہنا اور ناریل میں تماکو کے دھوئیں اُڑانا اُس کو پسند ہوتا ہے۔ پس پیچوان اور ناریل اور بچھونے اور ریت کے فرق سے کچھ مشابہت میں جو ان دونوں میں ہے کمی نہیں ہوتی +
ہم قبول کرتے ہیں کہ ہندوستان میں ہندوستانیوں کے لئے ایسے کام بہت کم ہیں جن میں اُن کو قوائے دلی اور قوت عقلی کو کام میں لانے کا موقع ملے اور برخلاف اِس کے اور

دل کی سرچی سوتیں نہیں کھلتیں بلکہ بالکل بند ہو جاتی ہیں۔ اندرونی قویٰ کو حرکت دئے بغیر تربیت تو ہو جاتی ہے مگر تعلیم کبھی نہیں ہوتی اِس لئے ممکن ہے کہ ایک شخص کی تربیت تو بہت اچھی ہو اور تعلیم بہت بری۔ یہی ٹھیک ٹھیک حال ہم مسلمانوں کے عالموں اور تربیت یافتہ لوگوں کا ہے کہ تربیت تو نہایت اچھی ہے اور تعلیم کچھ نہیں۔ ظاہر میں دیکھو تو طمطراق بہت کچھ مگر جب اصلیت ڈھونڈو تو کچھ نہیں۔ بھاری بھرکم تو عمامہ و دستار جبہ اور کرتہ سے بہت کچھ مگر دل کی اور اندرونی قویٰ کی شگفتگی دیکھو تو کچھ بھی نہیں۔ نہایت عمدہ قول ہے کہ کتابوں کا پڑھا دینا تو تعلیم کا نہایت ادنےٰ اور سب سے زیادہ حقیر جزو ہے بلکہ اس قسم کے بہت سے پڑھنے سے جس میں اندرونی قویٰ کی تحریک اور شگفتگی نہ ہو جس قدر دل کے قوے کمزور اور ناکارہ ہو جاتے ہیں ایسے اور کسی چیز سے نہیں ہوتے۔ ہم اپنے ہاں کے عالموں کا حال بالکل یہی دیکھتے ہیں کہ اُن کے روحانی قوے بالکل نیست و نابود ہو جاتے ہیں اور صرف زبانی تکبک یا تکبر و غرور اور اپنے آپ کو بے مثل و نظیر قابل ادب سمجھنے کے اور کچھ باقی نہیں رہتا۔ زندہ رہتے ہیں مگر دلی اور روحانی قویٰ کی شگفتگی کے اعتبار سے بالکل مردار رہتے ہیں۔ کتابیں پڑھتے ہیں اور جس قدر عمدہ کتابیں افراط سے بہم پہنچیں اُن کو اور زیادہ پڑھتے ہیں اور اُن سے تربیت حاصل کرتے ہیں اور ایسے بیل کی مانند ہو جاتے ہیں جو برابر چرتا ہے اور پھر بھی چراگاہ ہی میں رہنے کی خواہش کرتا ہے پس کتابیں پڑھ لینے سے انسانیت نہیں آجاتی بلکہ وہ کتابی علم خود اُن پر بوجھ ہوتا ہے +

اس تقریر سے ہمارا مطلب یہ ہے کہ تمام خرابیوں کی جڑ جو ہم پر نازل ہیں یہی ہے کہ ہم نے اپنے دل کو اور اپنے اندرونی قویٰ کو بالکل خراب کر دیا ہے۔ علم جو حاصل کرتے ہیں وہ بھی بجوئنس اس کے کہ روحانی قویٰ کو شگفتہ و شاداب کرے۔ اُن کو پژمردہ کر دیتا ہے اور ہمارے قویٰ کو جو درحقیقت سرچشمے تمام نیکیوں کے ہیں بالکل کمزور اور ناکارہ کر دیتا ہے اور ہماری حالت تمام معاملات میں کیا دین کے اور کیا دنیا کے خراب ہوتی چلی جاتی ہے۔ پس ہم کو اپنے پر رحم کرنا چاہئے اور ایسی تعلیم کو اختیار کرنا چاہئے جو اندرونی قویٰ کو شگفتہ و شاداب کرے اور دل کی سوتوں کو کھول کر سرچی چشمہ سے پانی باہر نکالے جس سے ہماری زندگی سرسبز و شاداب ہو +

کاہلی

یہ ایک ایسا لفظ ہے جس کے معنی سمجھنے میں لوگ غلطی کرتے ہیں۔ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہاتھ پاؤں سے محنت نہ کرنا کام کاج محنت مزدوری میں چستی نہ کرنا اُٹھنے بیٹھنے چلنے پھرنے میں سستی کرنا

اتنا فرق ہے کہ ہندو چوکہ میں بیٹھتے ہیں۔ مسلمان دسترخوان بچھا کر بیٹھتے ہیں۔ جس طرح ہندو سب طرح کا کھانا ایک ساتھ اپنے آگے رکھ لیتے ہیں اسی طرح مسلمان بھی قابوں اور رکابیوں اور غوریوں اور تشتریوں اور پیالیوں میں سب طرح کا کھانا اور سب قسم کی روٹی اور ہر طرح کے کباب اور فیرنی کے خوانچے اور بورانی کے پیالے اور اچار مربہ کی پیالیاں سیتلا کے پوجاپے کی طرح سب اپنے آگے رکھ لیتے ہیں اور اُس ایک دسترخوان پر کوئی تو فیرنی کلمۂ شہادت کی اُنگلی سے اور کوئی بخیر چاروں اُنگلیوں سے چاٹ رہا ہے۔ کوئی پلاؤ میں اُردی کا سالن ملا ملا کر کھا رہا ہے۔ کسی نے سالن ملا ہوا پلاؤ کھا کر نان آبی سے لتھڑا ہوا پنجہ مبارک پونچھ کر روٹی کو سالن میں ڈبو ڈبو کر کھانا شروع کیا ہے۔ کسی نے بورانی کے پیالے کو مُنہ سے لگا کر پیالہ بھر اور یہ کہہ کر واللہ بڑی تیز ہے اُوہ اُوہ کرنا شروع کیا ہے۔ تمام جھوٹے برتن اور نیم خوردہ کھانا اور چچوڑی ہوئی ہڈیاں اور روٹی کے ٹکڑے اور سالن میں کی نکالی ہوئی مکھیاں سب آگے رکھی ہوئی ہیں۔ اس عرصہ میں جو شخص پہلے کھا چکا ہے اُس نے ہاتھ دھونا کھنگار کھنگار کر گلا صاف کرنا اور بیسن سے دانت رگڑنے اور زبان پر دو اُنگلیاں رگڑ رگڑ کر زبان صاف کرنا شروع کیا ہے اور اَور بے تکلف بیٹھے کھانا نوش فرماتے ہیں نہ اُن ہاتھ مُنہ دھونے والوں کو خیال ہے کہ ہم کھانا کھانے والوں کے قریب کیسی حرکات ناشایستہ کرتے ہیں اور نہ کھانا کھانے والوں کو اُن لوگوں کی کریہہ آواز سُننے اور زرد زرد ہلدی کے ملے ہوئے رنگ کا لعاب نکلنے اور بلغم کے لوتھڑے تھوک کر چلمچی یا تاش میں تھوک دینے اور بتاسے کی طرح اُس کے پانی پر تیرتے پھرنے کی پرواہ ہے۔ نعوذ باللہ منہا ؁

انگریز جس طرح کھانا کھاتے ہیں وہ سب پر روشن ہے اور اس کا بیان بھی کچھ ضرور نہیں ہے کیونکہ ہمارے نیک متبع سنّت ہموطن اُس پر تو حدیث من تشبہ بقوم فہو منہم کا چھُرا مارینگے ؁

عرب میں کھانا کھلانے کا یہ دستور ہے کہ ایک چوکی پر چھوٹا سا خوان بچھایا جاتا ہے اور ایک برتن میں ایک قسم کا کھانا آتا ہے اور جو لوگ چوکی کے گرد بیٹھتے ہیں وہ سب اُس میں کھانا شروع کرتے ہیں۔ چند لقمہ کھانے پر وہ برتن اُٹھ جاتا ہے اور دوسری قسم کا کھانا دوسرے میں آتا ہے اور چند لقمہ کے بعد وہ بھی اُٹھ جاتا ہے اور اسی طرح آتا جاتا رہتا ہے۔ اِس طرح پر کھانے میں یہ فائدہ ہے کہ جھوٹے برتن اور جھوٹا کھانا سامنے نہیں رہتا ؁

مگر جو گھِنونا پن ہندوستان کے مسلمانوں میں کھانے کی مجلس میں ہوتا ہے نعوذ باللہ منہا کسی ملک کے کھانے کی مجلس میں نہیں ہوتا۔ پس نہایت شرم اور افسوس کی بات ہے کہ ہم اپنی

ولایتوں میں اور خصوصاً انگلستان میں وہاں کے لوگوں کے لئے ایسے موقعے بہت ہیں۔ اور اس میں بھی کچھ شک نہیں کہ اگر انگریزوں کو بھی کوشش اور محنت کی ضرورت اور اُس کا شوق نہ رہے جیسا کہ اب ہے تو وہ بھی بہت جلد وحشت پنے کی حالت کو پہنچ جاوینگے مگر ہم اپنے ہموطنوں سے یہ کہتے ہیں کہ ہمارے مُلک میں جو ہم کو اپنے قوائے دلی اور قوت عقلی کو کام میں لانیکا موقع نہیں رہا ہے۔ اِس کا بھی سبب یہی ہے کہ ہم نے کاہلی اختیار کی ہے یعنی اپنے دلی قویٰ کو بیکار چھوڑ دیا ہے۔ اگر ہم کو قوائے قلبی اور قوت عقلی کے کام میں لانے کا موقع نہیں ہے تو ہم کو اسی کی فکر اور کوشش چاہیئے کہ وہ موقع کیونکر حاصل ہو اگر اُس کے حاصل کرنے میں ہمارا کچھ قصور ہے تو اسی کی فکر اور کوشش چاہیئے کہ وہ قصور کیونکر رفع ہو۔ غرضکہ کسی شخص کے دل کو بیکار پڑا رہنا نہ چاہیئے کسی نہ کسی بات کی فکر و کوشش میں مصروف رہنا لازم ہے تاکہ ہم کو اپنی تمام ضروریات کے انجام کرنے کی فکر اور مستعدی رہے اور جب تک کہ ہماری قوم سے کاہلی یعنی دل کو بیکار پڑا رکھنا نہ چھوٹے گا اُس وقت تک ہم کو اپنی قوم کی بہتری کی توقع کچھ نہیں ہے نہایت حکیمانہ قول ہے کہ ؎

بیکار مباش کچھ کیا کر　　　گر کر نہ سکے تو کچھ کہا کر

طریقۂ تناولِ طعام

ضد اور نفسانیت انسان کے بہت بڑے دشمن ہیں۔ کسی اچھی بات کو ضد سے نہ ماننا اور اُس کی نیک و بد پر غور نہ کرنا درحقیقت انسان کا کام نہیں ہے ✦

اس وقت ہم کو نہ انگریزوں کی طرح چھُری کانٹے سے میز کرسی لگا کر کھانے پر بحث ہے اور نہ ہم کو ترکوں کی تقلید کی ہوس ہے بلکہ ہم کو نہایت سیدھی طرح سے کھانے کے طریق پر غور کرنی ہے اور بلا تبدیل وضع جس قدر کہ اُس کے نقصان رفع ہو سکتے ہیں اُسی پر بحث کرنے سے غرض ہے ✦

ہندو چوکے میں چھوٹی چھوٹی پیالیوں یا تشتریوں یا پتلوں میں تھوڑا تھوڑا سب قسم کا کھانا چُن کر آگے رکھ لیتے ہیں اور ہر ایک میں سے کچھ کچھ کھاتے جاتے ہیں اور جو بچتا ہے۔ وہ اُسی برتن میں دھرا رہتا ہے جس میں اُنہوں نے کھایا تھا اور اس سبب سے کھانے کے وقت اُن کے سامنے جھوٹے برتن اور نیم خوردہ کھانا سب دھرا رہتا ہے اور کھا چکنے کے بعد وہ سب اُٹھ جاتا ہے ✦

ہندوستان میں مُسلمانوں کے کھانا کھانے کا بھی یہی طریق ہے جو ہندوؤں کا ہے صرف

پٹلی صاحب کا یہ قول ہے کہ انسان کو دشمن کے ساتھ بھی ایسا برتاؤ رکھنا چاہئے کہ اُس کو دوست بنا لینے کا موقع رہے اور دوست سے اِس طرح برتاؤ کرنا چاہئے کہ اگر کبھی وہ دشمن ہو جاوے تو اُس کے ضرر سے بچنے کی جگہ رہے۔ اس قول کی پہلی بات جو دشمن کے ساتھ برتاؤ کی ہے وہ تو نہایت عمدہ ہے۔ مگر پچھلی بات جو دوست کے ساتھ برتاؤ کی ہے وہ کچھ اچھی نہیں اُس میں سمجھ کی کچھ بھی بات نہیں ہے بلکہ نری مکّاری ہے۔ ایسے برتاؤ سے انسان زندگی کی بہت بڑی خوشی سے محروم رہتا ہے اپنے دلی دوستوں سے بھی دل کی بات نہیں کر سکتا۔ یہ سچ ہے کہ بعضی دفعہ دوست دشمن ہو جاتے ہیں اور دوست کے بھید کو کھول دیتے ہیں مگر دُنیا اُنھی کو دغاباز اور بُرا کہتی ہے اور دوست پر بھروسا کرنے والے کو ناسمجھ نہیں کہتی ہاں البتہ دوستوں کے منتخب کرنے میں بڑی سمجھ چاہئے +

سمجھ صرف باتوں ہی میں منحصر نہیں ہے بلکہ ہر قسم کے کاموں سے بھی تعلق ہے اور گویا ہماری زندگی میں ہمارے تمام کاموں کی رہنما اور ہمارے لئے ہمارے قادرِ مطلق خدا کی نایب ہے انسان میں بہت سی بڑی عُمدہ عُمدہ صفتیں ہیں مگر سمجھ سب سے زیادہ مفید ہے۔ سمجھ ہی کے سبب سے اور تمام صفتوں کی قدر ہوتی ہے۔ سمجھ ہی کے سبب سے وہ تمام صفتیں اپنے اپنے موقع پر کام آتی ہیں۔ سمجھ ہی کے سبب سے وہ شخص جس میں وہ صفتیں ہیں اُن صفتوں سے فائدہ اُٹھاتا ہے سمجھ بغیر علم اور عقل دونوں ناچیز ہیں۔ بھلائی بُرائی دکھائی دیتی ہے باوجودیکہ انسان میں نہایت عُمدہ عُمدہ خصلتیں ہوتی ہیں مگر سمجھ بغیر اُن کے برتاؤ میں غلطیاں کرتا ہے اور نقصان پر نقصان اُٹھاتا ہے۔ سمجھ ہونے سے صرف اُنھی خوبیوں کا جو اُس میں ہیں مالک نہیں ہوتا بلکہ دوسروں میں جو خوبیاں ہیں اُن کا بھی مالک بن جاتا ہے۔ سمجھ دار آدمی جس سے گفتگو کرتا ہے اُس کی لیاقت کو بھی جان لیتا ہے اور اُسی کی لیاقت کے موافق گفتگو کرتا ہے۔ اگر ہم انسانوں کے مختلف فرقوں اور گروہوں اور جماعتوں کی مجلسوں کے حالات پر غور کریں تو ہم کو صاف معلوم ہوگا کہ ہر ایک مجلس میں نہ کسی عقلمند کی گفتگو کو غلبہ ہوتا ہے اور نہ کسی بہادر اور دلیر کی گفتگو کو۔ بلکہ اُسی شخص کی گفتگو سب پر غالب رہتی ہے جس کو سمجھ ہے اور جو اہل مجلس کی لیاقتوں کو اور جو بات کہنی ہے اور جو نہ کہنی ہے اُس میں تمیز کر سکتا ہے۔ جس شخص کو بڑی سی بڑی لیاقت حاصل ہو پر سمجھ نہ ہو وہ ایک نہایت قوی اور زبردست پر اندھے آدمی کی مانند ہے جو بسبب اپنے اندھے پن کے اپنے زور و قوت سے کچھ کام نہیں لے سکتا ہے۔ گو ایسے شخص کو دُنیا میں اور سب طرح کے کمال حاصل ہوں۔ مگر سمجھ نہ ہو تو وہ دُنیا میں کسی کام کا نہیں۔ برخلاف اُس کے اگر اُس کی سمجھ پوری ہو اور صرف اسی ایک صفت

ضد و نفسانیت سے اس غنچلے پن میں پڑے رہیں اور اُس کی درستی و تہذیب پر متوجہ نہ ہوں ✤

ہمارا یہ مطلب نہیں ہے کہ خواہ نخواہ میز کرسی پر بیٹھ کر چھری کانٹے سے کھانا کھاؤ یا عرب کی طرح چھوٹی چوکی پر ایک خوان بچھاؤ بلکہ شوق سے بسم اللہ دستر خوان پر کھانا تناول فرماؤ اور گو بہت سی سنن ہدی کے ادا کی فکر نہ ہو زمین پر بیٹھ کر کھانا کھانے ہی کی سنت عادی کی پیروی کرو مگر برائے خدا یہ غنچلے پن چھوڑو اور سب طرح وضع پر کھانا کھانے میں جہاں تک اصلاح و صفائی ہو سکے اُس کو اختیار کرو۔ صفائی و پاکیزگی اختیار کرنا تو شریعت میں ممنوع نہیں ہے ✤

مگر یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ جب تک کسی کام کے لئے کوئی قاعدہ اور طریقہ مقرر نہیں ہوتا اور بخوبی اُس کی پابندی نہیں کی جاتی اُس وقت تک وہ چلتا نہیں۔ اور جب وہ قاعدہ عمدہ ہوتا ہے تو رفتہ رفتہ از خود اُس کا رواج ہو جاتا ہے اور سب لوگ اُس کو کرنے لگتے ہیں اور چند عرصہ بعد اُسی کی ایسی عادت ہو جاتی ہے کہ طبیعت ثانی گنی جاتی ہے ✤

پس ہمارا مقصد یہ ہے کہ طریقہ تناول طعام کے کچھ قواعد سوچے جاویں اور یہی طریقہ جو دستر خوان پر بیٹھ کر کھانا کھانے کا ہے اسی میں ایسی اصلاح کی جاوے جس کو لوگ مورد طعن من تشبہ بقوم بھی نہ کریں اور اس غنچلے پنے سے نجات پاویں۔ چنانچہ ہم نے اس باب میں کچھ قواعد تجویز کئے ہیں اور ہم اُن کو آیندہ کسی پرچہ میں لکھینگے ✤

سمجھ

یعنی تمیز جس سے بھلائی برائی میں امتیاز کیا جاتا ہے

میرا یہ خیال ہے کہ اگر انسانوں کے دلوں کو چیر کر اُن کا حال دیکھا جاوے تو دانا اور نادان دونوں کے دلوں میں کچھ تھوڑا ہی سا فرق نکلیگا دونوں کے دلوں میں ہمیشہ بہت سے لغو اور بیہودہ خیال آتے ہیں۔ بے شمار وسوسے دونوں کے دلوں میں اُٹھتے ہیں مگر اُن دونوں میں یہی فرق ہوتا ہے کہ دانا آدمی اُن میں سے انتخاب کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ کون سے خیالات ایسے ہیں جن کو گفتگو میں لانا چاہئے اور کون سے ایسے ہیں جن کو چھوڑ دینا چاہئے۔ نادان آدمی ایسا نہیں کرتا۔ اور جو خیال اُس کے دل میں آتا ہے بے سوچے سمجھے مُنہ سے بکتا جاتا ہے دانشمند آدمی بھی دوستوں کے ساتھ بات چیت کرنے میں نادان کی مانند ہوتا ہے۔ جو اُس کے دل میں آتا ہے بے تردد دوست سے کہتا ہے گویا اُس کو خیالات ہی ایک بلند آواز میں آتے ہیں ✤

عاقبت کے خیال کے مخالف ہو چھوڑ دیتا ہے۔ غرضکہ اُس کی تمام تدبیریں عمدہ ہوتی ہیں اُس کا رویّہ ایسے شخص کی مانند ہوتا ہے جو اپنا فائدہ بھی سمجھتا ہے اور اُس کے حاصل کرنے کا مناسب طریقہ بھی جانتا ہے۔ سمجھ جس کو میں نے اِس مضمون میں بطور ایک نیکی اور کمال کے بیان کیا ہے وہ صرف دنیا ہی کے کاموں کے لیئے مفید نہیں ہے بلکہ ہماری ہمیشہ رہنے والی زندگی کے لیئے بھی فائدہ مند ہے۔ وہ صرف اِس فانی انسان کے لیئے ہی رہنما نہیں ہے بلکہ اُس اصلی نافانی انسان کے لیئے بھی جو ہم میں بولتا ہے رہنما ہے۔ بعض مصنف اسی کو عقل کہتے ہیں اور بعض سمجھ یعنی تمیز جس سے اچھی و بُری اور بھلائی و بُرائی میں امتیاز کیا جاتا ہے۔ حقیقت میں یہی چیز سب سے بڑی ہے اس کے فائدے بے انتہا ہیں اور پھر اس کا ہاتھ نہایت ہی آسان ہے ٭

ایک مصنف کا قول ہے کہ سمجھ ہی ایسی رونق کی چیز ہے جس کو کبھی زوال نہیں جو اُس کو چاہتے ہیں آنکھوں کے سامنے دیکھتے ہیں۔ جو اُس کو ڈھونڈتے ہیں وہ آسانی سے پاتے ہیں اس کی تلاش میں اُن کو بہت دُور جانا نہیں پڑتا کیونکہ وہ اُس کو اپنے ہی دروازہ پر پاتے ہیں اُس کا خیال رکھنا ہی اُس میں کمال حاصل کرنا ہے۔ جو کوئی اُس پر خیال رکھتا ہے اُسی وقت جستجو سے چھوٹ جاتا ہے کیونکہ وہ خود ایسے لوگوں کی تلاش میں رہتی ہے اور جو اُس کے لایق ہیں اُن کو رستہ ہی میں ملتی ہے اور پھر کبھی اُن کا ساتھ نہیں چھوڑتی ٭

افسوس کہ ہماری قوم میں سب کچھ ہے پر یہی نہیں ٭

تعلیم

میں سمجھتا ہوں کہ انسان کی روح بغیر تعلیم کے چٹانبرے سنگ مرمر کے پہاڑ کی مانند ہے کہ جب تک سنگ تراش اُس میں ہاتھ نہیں لگاتا اُس کا دھوندلا اور کھردراپن دُور نہیں کرتا اُس کو خراش تراش کر سڈول نہیں بناتا اُس کو پالش اور جلا سے آراستہ نہیں کرتا۔ اُس وقت تک اُس کے جوہر اُسی میں چھپے رہتے ہیں اور اُس کی خوش نما نسین اور دلربا رنگتیں اور خوبصورت بیل بوٹے ظاہر نہیں ہوتے۔ یہی حال انسان کی روح کا ہے۔ انسان کا دل کیسا ہی نیک ہو مگر جب تک اُس پر عمدہ تعلیم کا اثر نہیں ہوتا اُس وقت تک ہر ایک نیکی اور ہر ایک قسم کے کمال کی خوبیاں جو اُس میں چھپی ہوئی ہیں اور جو بغیر اِس قسم کی مدد کے نمود نہیں ہو سکتیں ظاہر نہیں ہوتیں ٭

ارسطو نے تعلیم کے اثر کو مجسم مورتوں کے بنانے کی تشبیہ میں نہایت خوبصورتی سے

میں اُس کو کمال ہو اور باقی اوصاف متوسط درجہ کے رکھتا ہو تو وہ اپنی زندگی میں جو کچھ چاہے کر سکتا ہے ؞

سمجھ جس طرح کہ انسان کے لئے ایک بہت بڑا کمال ہے اُسی طرح مکر اُس کے حق میں بہت بڑا وبال ہے۔ نیک دل کی منتہائے خوبی سمجھ ہے اور بددل کی منتہائے بدی۔ مکر یا یوں کہو کہ وہ نیک دل کے لئے معراج ہے اور یہ بددل کے لئے کمال۔ سمجھ نہایت عمدہ اور نیک مقصد پیدا کرتی ہے اور اُن کے حاصل ہونے کو نہایت عمدہ عمدہ اور تعریف کے قابل ذریعے قائم کرتی ہے مگر مکر میں صرف خودغرضی ہوتی ہے۔ سمجھ مثل ایک روشن آنکھ کے ہے جس میں بے انتہا وسعت ہے اور تمام دنیا کو اور دور دور کی چیزوں کو۔ آسمانوں کو اور آسمانوں کے ستاروں کو بخوبی دیکھ سکتی ہے۔ مکر مثل ایک کوتاہ نظر آنکھ کے ہے جو پاس پاس کی ناچیز چیزوں کو دیکھ سکتی ہے اور دور کی چیزیں گو وہ کیسی ہی عمدہ اور روشن ہوں اُسے نظر نہیں آتیں۔ سمجھ جس قدر ظاہر ہوتی جاتی ہے اُسی قدر انسان کا اختیار اور اعتبار بڑھتا جاتا ہے مگر مکر کاٹ کی منڈیا کی مانند ہے کہ جب ایک دفعہ کُھل گیا تو پھر اُس کی قوت اور عزت بالکل جاتی رہتی ہے۔ پھر انسان کسی کام کا نہیں رہتا۔ جو کام کہ وہ ایسی حالت میں کر سکتا جبکہ لوگ اُس کو ایک سیدھا سادھا بھولا بھالا آدمی سمجھتے۔ اَب وہ کام بھی وہ نہیں کر سکتا۔ سمجھ عقل کے لئے کمال ہے اور ہمارے کاموں کے لئے رہنما۔ مکر ایک قوت ہے جو صرف حال ہی کے فائدوں کو دیکھتی ہے۔ سمجھ نہایت عقلمند اور نیک آدمیوں میں پائی جاتی ہے۔ مکر اکثر جانوروں میں اور اُن لوگوں میں جو جانوروں کی مانند یا اُن سے کچھ بہتر ہوتے ہیں پایا جاتا ہے۔ سمجھ نفس الامر میں ایک نہایت خوبصورت دلکش چیز ہے اور مکر گویا اُس کی بگاڑی ہوئی نقل ہے۔ سمجھ والے آدمی کی طبیعت ہمیشہ زمانہ حال اور استقبال دونوں پر لگی رہتی جو باتیں کہ زمانہ دراز کے بعد ہونے والی ہیں اور جو اب ہو رہی ہیں دونوں کو دیکھتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ رنج و خوشی جو دوسری زندگی یعنی قیامت میں ہونے والی ہے وہ بے شک ہوگی۔ گو اُس کا زمانہ ابھی بہت دور ہے۔ وہ اُس کے دور ہونے کے سبب سے اس لئے اُس کو حقیر نہیں سمجھتا کہ دوسری زندگی یعنی قیامت کی تکلیف و راحت لحظہ لحظہ پاس آتی جاتی ہے اور اسی طرح سے رنج و خوشی دیویں گی جیسے کہ زمانہ حال میں رنج و خوشی ہوتی ہے۔ اِس لئے وہ نہایت غور و فکر سے اُن خوشیوں کے ہاتھ آنے کے لئے کوشش کرتا ہے جو قدرت نے اُس کے لئے بنائی ہیں اور جن کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے۔ وہ اپنے خیال کو ہر کام کے انجام تک دوڑاتا ہے اور اُس کے حال و مآل کے نتیجوں پر غور کرتا ہے اور اس فانی دنیا کے تھوڑے سے نفع اور فائدہ کو اگر درحقیقت وہ نفع اور فائدہ اُس کی سچی

میری یہی خواہش ہے کہ اس قسم کی تحریرات سے نیکی کو ترقی دوں گو میری یہ خواہش پوری نہ ہو۔ مگر میں اس خیال سے تو بہت خوش ہوں کہ میں ہر پندرہ روز میں انسان کے دل کی درستی میں کچھ کچھ مدد کرتا رہتا ہوں؀

وحشیانہ نیکی

انسان وحشیانہ طور پر ایک نیک کام کرتا ہے اور جو کہ وہ اصل میں نیک ہوتا ہے لوگوں کے دل میں بیٹھ جاتا ہے اور اُس وحشیانہ پنے کی بُرائی جس وحشیانہ پن سے وہ کام ہوا آنکھوں سے چھپ جاتی ہے۔ مگر عمدہ تعلیم میں یہ اثر ہے کہ اُن وحشیانہ حرکتوں کو چھڑا دیتی ہے اور صرف نیکی ہی نیکی رہ جاتی ہے؀

نقل ہے کہ ایک شخص کے پاس دو حبشی لڑکے تھے جوان نوعمر۔ اور اپنی قسم کے لوگوں میں نہایت حسین اور خوبصورت اور آپس میں اُن دونوں کے جانی دوستی اور دلی محبت تھی۔ اُسی شخص کے پاس ایک حبشن نوعمر لڑکی بھی تھی جو اُس قوم میں نہایت ہی خوبصورت سمجھی جاتی تھی۔ اتفاقاً وہ دونوں جوان لڑکے اُس پر عاشق ہو گئے اور دونوں نے اُس کو شادی کا پیغام دیا جو کہ وہ دونوں نہایت خوبصورت بھی تھے اور دونوں کا مزاج بھی اچھا تھا اور ہم عمر بھی تھے۔ وہ لڑکی دونوں میں سے جس کے ساتھ شادی ہو راضی تھی مگر اُس نے یہ کہا کہ تم دونوں دوست آپس میں اس بات کا تصفیہ کر لو کہ دونوں میں سے کس کے ساتھ شادی ہو۔ دونوں لڑکے دل و جان سے اُس پر عاشق تھے۔ عشق اس بات کی اجازت نہیں دیتا تھا کہ ایک تو اُس سے شادی کر لے اور دوسرا محروم رہے اور دوستی بھی اُن میں ایسی سچی تھی کہ ایک کو دوسرے کا رنج اور بغیر آپس کی صلاح اور بغیر آپس کی خوشی کے دونوں میں کسی کو شادی کر لینا پسند نہ تھا۔ آخر کار عشق اور دوستی میں جھگڑا ہوا وہ چاہتا تھا کہ میں غالب آؤں اور وہ چاہتی تھی کہ میں فتح پاؤں مگر کوئی جیت نہ سکا۔ دونوں برابر رہے۔ تب وہ دونوں لڑکے اپنی معشوقہ کو ایک دن جنگل میں لے گئے اور دونوں نے اُس کو چھری مار کر مار ڈالا اور جب اُس کا خون بہنے لگا تو دونوں اُسے چاٹنے لگے۔ دونوں نے مُردہ لاش کو خوب گلے لگایا اور دلی محبت سے اُس کے دلفریب گالوں کا نہایت بوسہ لیا اور پھر اُس کی لاش کے گرد بیٹھ کر رونے اور پیٹنے لگے خوب ماتم کیا۔ خوب چھاتی پیٹی اور پھر دونوں نے اپنے تئیں بھی مار ڈالا؀

اس عجیب واقعہ سے انسان کے دل کے جوشوں کی جو تعلیم و تربیت سے شائستہ نہیں ہوئے عجیب و غریب حالتیں معلوم ہوتی ہیں۔ جو واقعہ کہ میں نے ابھی بیان کیا وہ حیرت اور گناہ

بیان کیا ہے وہ کہتا ہے کہ موہنی مورت ایک پتھر کے ڈھوئے میں چھپی ہوئی ہوتی ہے۔ مگر مورت بنانے کا ہنر صرف فضول چیزوں کو اُس میں سے گھڑ دیتا ہے۔ مورت تو پتھر ہی میں ہوتی ہے مگر آذر[1] صرف اُس کو نمود کر دیتا ہے۔ جو نسبت کہ مورت گھڑنے والے کو اُس پتھر کے ڈھوئے سے ہے وُہی نسبت تعلیم کو انسان کی روح سے ہے۔ بڑے بڑے حکیم اور عالم۔ ولی و ابدال۔ نیک عقلمند۔ بہادر و نامور ایک گنوار آدمی کی سی صورت میں چھپے ہوئے ہوتے ہیں مگر اُن کی یہ تمام خوبیاں عمدہ تعلیم کے ذریعہ سے ظاہر ہوتی ہیں۔ جب میں جاہل اور وحشی قوموں کے حالات پڑھتا ہوں تو اُن نیکیوں سے جو اُن میں ہیں مگر ناشایستہ اور اُس دلیری اور جرأت سے جو اُن میں ہے مگر خوفناک اور اُس استقلال سے جو اُن میں ہے مگر بیڈھنگا اور اُس دانائی اور عقلمندی سے جو اُن میں ہے مگر جانوروں کے سے مکر و فریب سے ملی ہوئی اور اُس صبر و قناعت سے جو اُن میں ہے اور گویا نا اُمیدیاں ہی اُن کی اُمیدیں ہیں نہایت خوش ہوتا ہوں۔ سچ ہے کہ انسان کے دل کے جوش مختلف طرح پر کام کرتے ہیں اور جس قدر کم و بیش عقل کی ہدایت اُن کو ہوتی ہے اور جس قدر کہ عقل اُن جوشوں کو درست کرتی ہے اُسی قدر مختلف طور پر اُن سے کام ہوتے ہیں۔ امریکہ کے حبشی غلاموں کا جب ہم یہ حال سُنتے ہیں۔ کہ اپنے آقا کے مرنے پر یا ایک کام پر سے چھوڑا کر دوسرے کام میں لگانے پر جنگلوں کے درختوں میں لٹک کر اپنی جان دیدیتے ہیں یا ایک ہندو عورت اپنے خاوند کی لاش کے ساتھ زندہ جل کر ستی ہو جاتی ہے تو کون شخص ہے جو اُن کی وفاداری اور محبت کی تعریف نہ کریگا گو کہ کیسے ہی ناشایستہ اور نامہذب طور سے ظاہر ہوتی ہے۔ اس قسم کی اور وحشی قوموں کے دلوں میں بھی نہایت عمدہ عمدہ باتیں پائی جاتی ہیں گو وہ وحشی پنے ہی کی حالت میں کیوں نہ ہوں لیکن اگر اُن کی مناسب طور سے اور عمدہ تعلیم سے درستی کی جاوے تو وہی وحشیانہ نیکیاں کس قدر ترقی پاسکتی ہیں اور کیسے کیسے عمدہ کام اور مہذب و شایستہ نیکیاں اُن سے پیدا ہو سکتی ہیں +

مجھ کو اسی بات کا رنج ہے کہ میں اپنی قوم میں ہزاروں نیکیاں دیکھتا ہوں پر ناشایستہ اُن میں نہایت دلیری اور جرأت پاتا ہوں۔ پر خوفناک۔ اُن میں نہایت قوی استقلال دیکھتا ہوں پر بے ڈھنگا۔ اُن کو نہایت دانا اور عقلمند پاتا ہوں پر اکثر مکر و فریب اور زور سے ملے ہوئے اُن میں صبر و قناعت بھی اعلےٰ درجہ کی ہے مگر غیر مفید اور بے موقع۔ پس میرا دل جلتا ہے اور میں خیال کرتا ہوں کہ اگر یہی اُن کی عمدہ صفتیں عمدہ تعلیم و تربیت سے آراستہ ہو جاویں تو دین اور دنیا دونوں کے لیے کیسی کچھ مفید ہوں +

[1] آذر ابراہیم کے باپ کا نام ہے

اُمیّد

دُنیا باُمید قائم ہے

موجودہ حالت گو وہ کیسی ہی اچھّی یا بُری ہو انسان کے دل کے مشغلہ کو کافی نہیں ہوتی۔ موجودہ رنج و خوشی۔ محبت و دوستی کی چیزیں اتنی نہیں ہوتیں کہ انسان کے دل کی قوتوں کو ہمیشہ مشغول رکھیں اس لئے اُس بڑے کاریگر نے جس نے انسان کے پتلے کو اپنے ہاتھ سے اور اپنی ہی مانند بنایا۔ اُس میں چند اور قوتیں دی ہیں جن کے سبب سے دِل کے لئے کاموں کی کبھی کمی نہیں ہوتی اور ہمیشہ وہر وقت دل کے مشغول رہنے کا سامان مہیا اور موجود رہتا ہے۔ اُنہیں قوتوں کے ذریعہ سے گذری ہوئی باتیں پھر دل میں آتی اور آئندہ کی باتوں کا اُن کے ہونے سے پیشتر خیال ہوتا ہے ؞

وہ عجیب قوت جس کو ہم یاد کہتے ہیں ہمیشہ پیچھے دیکھتی رہتی ہے۔ جب کوئی موجودہ چیز ہم کو شغل کے لئے نہیں ملتی تو وہ قوت پچھلی باتوں کو بلا لاتی ہے اور اسی کے فکر یا خیال سے ہمارے دل کو بہلائے رکھتی ہے اُس کی مثال جگالی کرنے والے جانوروں کی سی ہے کہ وہ پہلے تو گھانس دانہ سب کھا لیتے ہیں اور جب ہو چکتا ہے تو ایک کونے میں بیٹھ کر پھر اُسی کو پیٹ میں نکال کر چبائے جاتے ہیں ؞

جس طرح کہ یاد پچھلی باتوں کو خالی وقت میں ہمارے دل کے مشغلہ کو بلا لائی ہے اسی طرح ایک اور قوت ہے جو آیندہ ہونے والی باتوں کے خیال میں دل کو مشغول کر دیتی ہے اور جس کا نام اُمید و بیم یا خوف و رجا ہے۔ انہی دونوں قسم کے خیالوں سے ہم آیندہ زمانہ تک پہنچ جاتے ہیں اور جو باتیں کہ دور زمانہ میں شاید ہونے والی ہیں اور ظلمات کے پردوں میں چھپی ہوئی ہیں اور بڑے گہرے اندھیرے گڑھوں میں پڑی ہوئی ہیں اُن کو ایسا سمجھتے ہیں کہ ابھی ہو رہی ہیں اُن کے ہونے سے پہلے اُن کی خوشی یا رنج اُٹھانے لگتے ہیں۔ یہاں تک کہ اُس زمانہ کا بھی جب نہ یہ زمین ہوگی نہ آسمان۔ اور ہر چہار طرف سے لمن الملك اليوم کی آواز آتی ہوگی ابھی خیال کر لیتے ہیں۔ پھر کون کہہ سکتا ہے کہ انسان کی زندگی صرف موجودہ وقت پر محدود ہے ؞

میرا ارادہ ہے کہ میں اس تحریر میں صرف اُسی کا کچھ بیان کروں جس کو اُمید کہتے ہیں۔ ہماری خوشیاں اس قدر کم و چند روزہ ہیں کہ اگر وہ قوت ہم میں نہ ہوتی جس سے انسان اُن عمدہ

سے بالکل بھرا ہوا ہے تو بھی ایسے نیک دل اور دلی ایمانداری سے سرزد ہوا ہے کہ اگر اُس کی عمدہ طور سے تعلیم وتربیت ہوتی تو اُس سے نہایت عمدہ عمدہ نتیجے حاصل ہوتے *

انسان کا ایسے ملک میں پیدا ہونا یا وہاں جاکر رہنا اور تربیت پانا جہاں تعلیم وتربیت کا چرچا ہو اور علم وشائستگی پھیلی ہوئی ہو نہایت خوش قسمتی کی بات ہے۔ گو اُن ملکوں میں ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو اُن حبشی لڑکوں سے کچھ بہتر نہیں ہوتے مگر ایسے بھی ضرور ہوتے ہیں جن کو تعلیم وتربیت کے بے شمار فائدے حاصل ہوتے ہیں اور مختلف درجہ کا اُس میں کمال رکھتے ہیں *

شائستہ ملک کی مثال مورت بنانے والے سنگ تراش کے کارخانہ کی سی ہے کہ جب آدمی وہاں جاتا ہے تو دیکھتا ہے کہ ابھی تو کوئی پتھر اُسی طرح ڈھوئے کا ڈھوا ہی رکھا ہوا ہے اور کسی میں صرف ابھی ٹانگیں ہی بنی ہیں اور کسی میں ہاتھ پاؤں مُنہ سب کٹ چکا مگر ابھی انگھڑ ہے اور کسی میں انسان کے تمام اعضا درستی سے بن چکے ہیں مگر صاف ہونے اور جلا ہونے باقی ہیں۔ اور کوئی مورت نہایت خوبصورت اور دلربا بالکل بن کر تیار ہو چکی ہے۔ اُس وقت انسان کے دل میں ضرور یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ وہ پتھر کا ڈھوا کہاں تک ترقی پا سکتا ہے اور ہر ایک اَن گھڑ صورت سوائے شاذ ونادر کے آذر سے بت تراش کے ہاتھ سے نہایت خوبصورت یا قریب قریب خوبصورت کے ہو سکتی ہے *

نامہذب ملک کی مثال منڈے پہاڑوں کی سی ہے جہاں بجز پتھر کے ڈھوؤں کے اور کچھ نظر نہیں آتا۔ کوئی مثال ایسی نظر نہیں آتی جس سے انسان کو یہ خیال ہو کہ وہ کہاں تک ترقی کر سکتا ہے اور اُس میں کیا چیز نہیں ہے جو وہ اب تک انگھڑ پتھر کی مانند ہے۔ جو نیکیاں خود اُس میں ہیں اُن سے بھی وہ ناواقف ہے کیونکہ وہ نیکیاں مثل پتھر کے ڈھوئے کے اُس کے جگہ میں چھپی ہوئی ہیں اور بے تعلیم وتربیت کے وہ ظاہر نہیں ہو سکتیں *

یہی خیالات مجھ کو اس بات پر برانگیختہ کرتے ہیں کہ میں اپنی قوم کو مہذب قوم سے ملنے اور شائستہ ملک میں جانے کی ترغیب کرتا ہوں اور اس خیال سے ہمیشہ رنج میں رہتا ہوں کہ ہماری قوم میں جس قدر نیکیاں ہیں وہ بھی نامہذب ہیں۔ دنیاوی برتاؤ آپس کا ملاپ۔ دوستوں کی دوستی۔ دینداروں کی دینداری۔ امیروں کی امیری نہایت ناشائستہ اور نامہذب طور سے واقع ہوئی ہے اگر وہ عمدہ تعلیم وتربیت سے آراستہ ہو جاوے تو انسان کے لئے اس زندگی میں اور آنے والی زندگی میں دونوں میں نہایت ہی مفید ہو *

میں یہ بھی سمجھتا ہوں کہ مذہبی زندگی میں عُمدہ عمدہ چیزوں کی بہت سی امیدیں ہوتی ہیں اور ایسی چیزوں کی ہوتی ہیں جو ہم کو پورا پورا خوش کر سکتی ہیں۔ دینی چیزوں کی اُمیدیں دُنیوی چیزوں کی اُمیدوں سے بہت زیادہ قوی اور مضبوط ہوتی ہیں کیونکہ ان میں عقل کے علاوہ مذہبی اعتقاد کی بھی نہایت قوت ہوتی ہے۔ اس قسم کی اُمیدوں کا خیال ہی ہم کو پورا پورا خوش رکھتا ہے۔ بلاشبہ امید کے اثر سے انسان کی زندگی نہایت شیریں ہو جاتی ہے۔ اگر وہ موجودہ حالت سے خوش نہیں رہتا تو اُس پر صبر تو ضرور آجاتا ہے۔ مگر مذہبی اُمیدیں اس سے بھی زیادہ فائدہ مند ہیں۔ تکلیف کی حالت میں دل کو سنبھال لیتی ہیں بلکہ اُس کو اس خیال سے خوش رکھتی ہیں کہ شاید یہی تکلیف اُس اُمید کے حاصل ہونے کا ذریعہ ہو۔ مذہبی اُمید گویا مردہ کو زندہ کر دیتی ہے اور اُس کے دل کو غایت درجہ کی خوشی بخشتی ہے۔ انسان اپنی تکلیفوں میں خوش رہتا ہے اور روح اُس بڑی چیز کے لپک لینے کو اُچھلتی ہے جو ہمیشہ اُس کی نظر میں رہتی ہے اور آخر کار اس اُمید کی خوشی میں اس فانی جسم کو چھوڑ دیتی ہے کہ قیامت کے دن اس سے مل جائیگی ؛

حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے نہایت مصیبت اور تکلیف کے وقت میں خدا کی مناجات میں اس مضمون کا گیت گایا تھا ؛

میں ہمیشہ خدا کو اپنے سامنے رکھتا ہوں۔ وہ میری دائیں طرف ہے اسی لئے میں گھبراتا نہیں۔ میرا دل خوش ہے۔ میرا گوشت بھی اسی اُمید میں رہیگا کہ تو میری روح کو جہنم میں نہ ڈالے تو اپنی چیز کو خراب ہوتے ہوئے نہ دیکھیگا۔ تو ہی مجھ کو زندگی کے طریق دکھلائیگا۔ تیری ہی حضور میں خوشی کا کمال ہے۔ تیری ہی دائیں طرف ہمیشہ کی خوشی ہے۔ آمین ؛

اخلاق

مسٹر ڈیلسن کا قول ہے کہ مذہب کے دو حصے ہو سکتے ہیں۔ ایک اعتقادیات۔ دوسرا عملیات مسٹر ڈیلسن کی غرض اعتقادیات سے صرف وہ مسائل ہیں جو وحی سے معلوم ہوتے ہیں اور جو عقل سے یا کارخانہ قدرت پر غور کرنے سے معلوم نہیں ہو سکتے۔ مگر ہم کو اُن کے اس بیان سے کسی قدر اختلاف ہے۔ ہم اعتقادیات اُن مسائل کو کہتے ہیں جن کا ہونا عقل و تجربہ یعنی کارخانہ قدرت کے اصول پر ناممکن نہیں ہے۔ الا ہم اُن دونوں کی بنا پر اُن کے ہونے کا یقین نہیں کر سکتے تھے بلکہ صرف اُن کے ہونے پر جب وحی نے ہم کو یقین دلایا ہے یا اُن کا ہونا بتلایا ہے۔ ہم نے اس مقام پر حرف تردید کو اس لئے استعمال کیا ہے کہ ہم کو اس بات میں شبہ ہے کہ اُن مسائل پر جن کو ہم نے اعتقادیات میں داخل کیا ہے یقین لا نا جزو ایمان ہے یا نہیں

اور دل خوش کن چیزوں کا اُن کے ہونے سے پہلے مزہ اُٹھاتا ہے جن کا کبھی ہو جانا ممکن ہے
تو ہماری زندگی نہایت ہی خراب اور بدمزہ ہوتی۔ ایک شاعر کا قول ہے کہ "ہم کو تمام عمدہ چیزوں
کے حاصل ہونے کی اُمید رکھنی چاہیے کیونکہ کوئی چیز ایسی نہیں ہے جس کی اُمید نہ ہو سکے اور
کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو ہم کو دے نہ سکے"۔

فارسی زبان میں مشہور مقولہ ہے کہ "تمنا را عیبے نیست"۔ ایک ظریف نے کہا کہ دنیا میں
مجھے کسی چیز کا رنج نہیں ہے کیونکہ اُمید مجھے ہمیشہ خوش رکھتی ہے۔ دوستوں نے پوچھا کہ
کیا تم کو مرنے کا بھی رنج نہیں ہے اُس نے کہا کیا عجب ہے کہ میں کبھی نہ مروں کیونکہ خدا
اس پر بھی قادر ہے کہ ایک ایسا شخص پیدا کرے جس کو موت نہ ہو اور مجھ کو اُمید ہے کہ شاید وہ
شخص میں ہی ہوں۔ یہ قول تو ایک ظرافت کا تھا۔ مگر سچ یہ ہے کہ زندگی کی اُمید ہی موت کا رنج
ہم سے مٹاتی ہے۔ اگر ہم کو زندگی کی اُمید نہ ہوتی تو ہم سے زیادہ بدتر حالت کسی کی نہ ہوتی۔ زندگی
ایک بے جان چیز کی مانند ہے جس میں کچھ حرکت نہیں ہوتی۔ اُمید اُس میں حرکت پیدا کرتی ہے۔
اُمید ہی کے سبب سے انسان میں سنجیدگی اور بُردباری اور خوش مزاجی کی عادت ہو جاتی ہے۔
گویا اُمید انسان کی روح کی جان ہے۔ ہمیشہ روح کو خوش رکھتی ہے اور تمام تکلیفوں کو آسان
کر دیتی ہے۔ محنت پر رغبت دلاتی ہے اور انسان کو نہایت سخت اور مشکل کاموں کے کرنے پر
آمادہ رکھتی ہے۔ اُمید سے ایک اور بھی فائدہ ہے جو کچھ کم نہیں ہے کہ ہم موجودہ خوشیوں کی
کچھ بہت قدر نہیں کرتے۔ اور اُسی میں محو نہیں ہو جاتے۔ سیزر نے جب اپنا تمام مال اسباب
اپنے دوستوں کو بانٹ دیا تو اُس سے لوگوں نے پوچھا کہ آپ نے اپنے لئے کیا رکھا۔ اُس نے
کہا کہ اُمید۔ اُس کی عالی طبیعت اُن چیزوں کی کچھ قدر نہیں کرتی تھی جو اُس کے پاس تھیں
بلکہ ہمیشہ اُس کا خیال کسی بہتر چیز کی طرف رہتا تھا۔

اگلے زمانے کے لوگ بغیر اُمید کے زندگی کو نہایت ہی بُرا سمجھتے تھے۔ نقل ہے کہ خدا نے
انسان کے پاس ایک صندوقچہ بھجوایا۔ جب اُس کو کھولا تو اُس میں سے ہر ایک قسم کی بلائیں اور
مصیبتیں اور بیماریاں جو انسان کو ہوتی ہیں سب نکل پڑیں۔ اُمید بھی اُسی صندوقچہ میں تھی وہ
نہ نکلی بلکہ ڈھکنے میں چمٹ رہی اور صندوقچہ ہی میں بند ہو گئی تاکہ مصیبت کے وقت انسان
کو تسلی دے۔ پس جس زندگی میں اُمید ہے اُس سے بڑھ کر کوئی خوش زندگی نہیں ہے خصوصاً
جبکہ اُمید ایک عمدہ چیز کی اور اچھی بنا پر ہو۔ اور ایسی چیز کی ہو جو اُمید کرنے والے کو حقیقت
میں خوش کر سکتی ہو۔ اِس بات کی حقیقت وہی لوگ خوب جانتے ہیں جو سمجھتے ہیں کہ زیادہ سے
زیادہ خوش حال آدمی کے لئے بھی زمانہ موجودہ میں کافی خوشی نہیں ہے۔

۵- کفر سے بھی بداخلاقی زیادہ بدتر ہے یا اس مطلب کو یوں کہو کہ اکثر لوگوں نے اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ ایک نیک چلن نپٹ جاہل وحشی جس کو خدا کی باتوں کی کچھ خبر بھی نہیں پہنچی نجات پاسکتا ہے مگر بدچلن معتقد آدمی نجات نہیں پاسکتا ٭

۶- اعتقاد کی خوبی اسی میں ہے کہ اُس کا اثر اخلاق پر ہوتا ہے۔ اگر ہم اس بات پر غور کریں کہ اعتقاد کی یعنی خدا کے دیئے ہوئے مذہب پر ایمان رکھنے کی خوبیاں کیا ہیں تو کیا ہم کو اس بات کی صحت جو ہم نے ابھی بیان کی بخوبی معلوم ہو جاویگی۔ میں سمجھتا ہوں کہ مذہب کی خوبیاں ان باتوں میں ہیں جن کو میں بیان کرتا ہوں ٭

۱- اخلاق کی باتوں کو سمجھنا اور اُن کو اعلےٰ درجہ پر پہنچانا ٭

۲- نیک اخلاق پر عمل کرنے کے لئے نئے نئے اعلیٰ اور قوی اغراض کو بہم پہنچانا ٭

۳- خدا کی نسبت عمدہ خیالات پیدا کرنا اور اپنے ہمجنسوں میں اچھا برتاؤ کرنا جس سے آپس میں محبت زیادہ ہووا اور خود انسان اپنی سچی حالت کو کیا بلحاظ اپنے نیچر کی خوبی کے اور کیا بلحاظ اس کی بدی کے بخوبی سمجھے ٭

۴- بُرائی کی بُرائیوں کو ظاہر کرنا ٭

۵- نجات کے لئے نیک اخلاق کو عام ذریعہ ٹھہرانا ٭

مذہب کی خوبیوں کا یہ ایک مختصر بیان ہے مگر جو لوگ اِس قسم کے مباحثوں میں مشغول رہتے ہیں وہ نہایت آسانی سے اِن خیالوں میں ترقی دے سکتے ہیں اور مفید نتیجے ان سے نکال سکتے ہیں۔ مگر میں یقیناً کہہ سکتا ہوں کہ ان سب باتوں کا ظاہر نتیجہ یہ ہے کہ کوئی شخص اخلاق میں کمال حاصل نہیں کرسکتا جب تک اخلاق کو عیسائی مذہب کا سہارا نہ ہو۔ یہ قول مسٹر ڈیسن کا ہے مگر میں یہ کہتا ہوں کہ کوئی اعتقاد یا کوئی مذہب سچا ہو ہی نہیں سکتا جس کا نتیجہ اخلاق کی عمدگی نہ ہو۔ پس اخلاق کو کسی مذہب کا کچھ سہارا درکار نہیں ہے بلکہ مذہب یا اعتقاد کے سچ سمجھنے کو اخلاق کا سہارا درکار ہے ٭

مسٹر ڈیسن اور بھی دو ایک اصول قائم کرتے ہیں جو اِس گفتگو سے علاقہ رکھتے ہیں ٭

۱- وہ کہتے ہیں کہ ہم کو ایسی بات کو اعتقاد کی جڑ نہ قرار دینا چاہئیے جس سے اخلاق کو استحکام اور ترقی نہ ہوتی ہو ٭

۲- کوئی اعتقاد صحیح بنیاد پر ہو ہی نہیں سکتا جس سے اخلاق خراب یا اُن میں تنزل ہوتا ہو ٭

یہ دونوں اصول مسٹر ڈیسن کے ایسے عمدہ ہیں کہ دنیا میں کوئی شخص جس کے دل کی آنکھ خدا نے اندھی نہ کی ہو اُن سے انکار نہیں ہو سکتا ٭

عملیات میں مسٹر اڈیسن نے اُن مسائل کو داخل کیا ہے جن کو عقل و نیچر کے مطابق مذہب نے بھی ہدایت کی ہے۔ پس وہ پہلے حصہ کا نام عقاید رکھتے ہیں اور دوسرے حصہ کا نام اخلاق ۔

پھر وہ لکھتے ہیں کہ ہم اکثر لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ اعتقادیات پر اس قدر خیال کرتے ہیں کہ اخلاق کو بالکل بھول جاتے ہیں اور بعضے اخلاق پر ایسے متوجہ ہوتے ہیں کہ اعتقادیات کا کچھ خیال نہیں کرتے۔ صاحب کمال آدمی کو ان دونوں میں سے کسی بات میں ناقص نہ رہنا چاہئے ۔ جو لوگ اس بات پر غور کرتے ہیں کہ ہر ایک سے کیا کیا فائدہ حاصل ہوتا ہے وہ دل سے ہمارے اس بیان کی تصدیق کرینگے ۔

افسوس ہے کہ اس مقام پر بھی مجھ کو مسٹر اڈیسن سے کچھ تھوڑا سا اختلاف ہے۔ پچھلا حصہ اُن کے اس مضمون کا نہایت سچ ہے مگر پہلے حصہ میں کچھ غلطی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اعتقادیات میں اور عملیات میں جس کو مسٹر اڈیسن اخلاق کہتے ہیں کچھ علاقہ نہیں ہے۔ انسان اعتقادیات پر کتنا ہی زیادہ خیال کرے اُس کے اخلاق میں کچھ تفاوت نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح اخلاق پر کیسا ہی متوجہ ہو اُس کے اعتقادیات میں کچھ نقصان نہیں آسکتا کیونکہ یہ دونوں کام دو جُدا جُدا آلوں اور دو جُدا جُدا شخصوں سے متعلق ہیں۔ پہلا ہمارے دل یا ہماری روح اور خدا سے۔ دوسرا ہماری ظاہری حرکات اور جذبات اور انسان سے ۔

پھر وہ لکھتے ہیں کہ گو مذہب اخلاق اور اعتقاد پر منقسم ہے اور ان دونوں میں خاص خاص خوبیاں ہیں مگر اخلاق کو اعتقاد پر اکثر باتوں میں ترجیح ہے ۔

۱۔ کیونکہ اخلاق کی اکثر باتیں نہایت صحیح اور بہت مضبوط ہیں یہاں تک کہ اگر اعتقاد بالکل قایم نہ رہے تب بھی وہ باتیں (یعنی اخلاق کے مسائل) بدستور قایم رہتے ہیں ۔

۲۔ جس شخص میں اخلاق ہے اور اعتقاد نہیں وہ شخص بہ نسبت اُس شخص کے جس میں اعتقاد ہے اور اخلاق نہیں انسان کے لئے دنیا میں بہت زیادہ بہتری کر سکتا ہے۔ اور میں اس قدر اور زیادہ کہتا ہوں کہ انسان کے لئے دین اور دنیا دونوں میں بہت زیادہ بھلائی کر سکتا ہے ۔

۳۔ اخلاق انسان کی فطرت کو زیادہ کمال بخشتا ہے کیونکہ اُس سے دل کو قرار و آسودگی ہوتی ہے۔ دل کے جذبات اعتدال پر رہتے ہیں اور ہر ایک انسان کی خوشی کو ترقی ہوتی ہے ۔

۴۔ اخلاق میں ایک نہایت زیادہ فائدہ اعتقاد سے یہ ہے کہ اگر وہ ٹھیک ہوں تو تمام دنیا کی مہذب قومیں اخلاق کے بڑے بڑے اصولوں میں متفق ہوتی ہیں گو کہ عقاید میں وہ کیسی ہی مختلف ہوں ۔

پر کوئی تحریر اس پرچہ میں بھی چھاپینگے ۔

مسٹر اڈیسن اپنے اس مضمون کو کسی مصنّف کے نہایت عمدہ اور دل میں اثر کرنے والے کلام پر ختم کرتے ہیں۔ اور وہ کلام یہ ہے "آپس میں نفرت پیدا کرنے کو تو ہمارے لئے مذہب کافی ہے۔ مگر ایک دوسرے میں محبت پیدا کرنے کے لئے کافی نہیں ۔

میں اس بات کو تسلیم کرتا ہوں کہ جو برتاؤ مذہبوں کا اس زمانہ میں ہے وہ ایسا ہی ہے اور مسلمانوں کا برتاؤ سب سے زیادہ بُرا ہے۔ مگر سچے مذہب کا یعنی اسلام کا سچا مسئلہ یہ ہے کہ "خدا کو ایک جاننا اور انسان کو اپنا بھائی سمجھنا" پس جو کوئی اس مسئلہ کے برخلاف ہے وہ غلطی پر ہے ۔

ریا

دنیا میں ایسے لوگ بھی بہت ہیں جن کا ظاہر کچھ اور باطن کچھ ہوتا ہے۔ دنیا دار اور رند مشرب آدمی جس قدر کہ در اصل وہ بد ہیں اُس سے زیادہ اپنے تئیں بد بناتے ہیں۔ دینداری کی بناوٹ کرنے والے جس قدر کہ ہوتے ہیں اُس سے زیادہ نیک اپنے آپ کو جتلاتے ہیں۔ وہ تو دینداری کی ذرا ذرا سی باتوں سے بھی بھاگتے ہیں اور دن رات عشق و تماش بینی اور لُچ پنے کی باتوں کی جن کو در اصل اُنھوں نے کیا بھی نہیں گپیں اُڑاتے ہیں۔ اور یہ حضرت بے شمار گناہوں اور بدیوں کو ایک ظاہری دینداری کے پردہ میں چھپاتے ہیں اور ستی کی اوچھل اٹکار کھیلتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ دونوں قسم کے آدمی چنداں بُرے نہیں ہیں مگر ایک اور تیسری قسم کے لوگ ہیں جو ان دونوں قسموں سے علیحدہ ہیں اور اُنھیں کا کچھ ذکر میں اس تحریر میں کرنا چاہتا ہوں۔ اُن کی بناوٹ ایک اور ہی عجب قسم کی ہے۔ وہ اپنی بناوٹ سے دنیا کے لوگوں ہی کو فریب نہیں دیتے بلکہ اکثر خود آپ بھی دھوکہ میں پڑتے ہیں۔ وہ بناوٹ خود اُن سے اُنھیں کے دل کے حال کو چھپاتی ہے جس قدر کہ درحقیقت وہ نیک ہیں اُس سے زیادہ اُن کو نیک جتاتی ہے۔ پھر تو وہ لوگ یا اپنی بدیوں پر خیال ہی نہیں کرتے یا اُن بدیوں کو نیکیاں سمجھتے ہیں۔ مقدس داؤد نے نہایت دلچسپ لفظوں میں اس بُرائی سے پناہ مانگی ہے اور اس طرح پر خدا کی مناجات کی ہے "کون اپنی غلطیوں کو سمجھ سکتا ہے تو ہی مجھ کو میرے پوشیدہ عیبوں سے پاک کر" جو لوگ علانیہ بدی کرتے ہیں اگر اُن کو بدیوں اور گناہوں سے بچانے کے لئے نصیحت کی ضرورت ہے تو وہ لوگ جو درحقیقت موت کی راہ چلتے ہیں اور اپنے تئیں نیکی اور زندگی کے رستہ پر سمجھتے ہیں کس قدر رحم کے لائق ہیں۔

اس کے بعد مسٹر اڈیسن انہیں اصولوں پر ایک اور مسئلہ متفرع کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ تمام مشتبہ مقاموں میں ہم کو نہایت غور کرنی چاہیئے کہ اگر بالفرض وہ غلط ہو تو اُس سے کیا کیا بد نتیجے پیدا ہو سکتے ہیں۔ مثلاً اپنے ایمان کے مضبوط کرنے اور خیالی ثواب حاصل کرنے کی اُمنگ میں لوگوں کو تکلیف دینا۔ لوگوں کے دلوں میں رنج اور نفرت۔ غصہ اور سخت عداوت پیدا کرنا اور جس چیز پر اُن کو اعتقاد نہیں ہے زبردستی اُن سے قبول کروانا۔ ایسے جذبات میں ہم اسی پر بس نہیں کرتے بلکہ ان سب باتوں کے سوا ہم اُن کو دُنیا کے فائدہ اور خوشی سے بھی محروم کرتے ہیں۔ اُن کے جسم کو تکلیف دیتے ہیں۔ اُن کی دولت کو خراب کرتے ہیں۔ اُن کی نامسریوں کو خاک میں ملاتے ہیں۔ اُن کے خاندانوں کو برباد کرتے ہیں۔ اُن کی زندگیوں کو تلخ کر ڈالتے ہیں۔ یہاں تک کہ آخرکار اُن کو مار ڈالتے ہیں۔ پس جب کسی مسئلہ سے ایسے بد نتیجے نکلیں تو مجھ کو اُس مسئلہ کے مشکوک ہونے میں کچھ شبہ نہیں رہتا جیسے کہ علم حساب میں دو اور دو چار ہونے میں کچھ شبہ نہیں ہوتا۔ پس ایسے مسئلہ کو اپنے مذہب کی بنیاد نہیں ٹھہرا سکتا اور نہ اس پر عمل کر سکتا ہوں ٭

اس قسم کے معاملات میں ہم صریح اپنے ہمجنسوں کو ضرر پہنچاتے ہیں اور جس مسئلہ سے ہم ایسا کرتے ہیں بلاشبہ وہ مشکوک اور قابل اعتراض ہے۔ اخلاق اُس سے بالکل خراب ہو جاتے ہیں ٭

یہ مضمون مسٹر اڈیسن کا غالباً عیسائی مذہب کے اُس زمانہ پر اشارہ ہے جبکہ رومن کیتھلک اور پروٹسٹنٹ فرقہ میں دشمنی کی آگ بھڑک رہی تھی اور مرد اور عورت و بچے مذہب نہ ماننے پر آگ میں جلائے جاتے تھے اور نہایت بدبخت خونریزیاں جو درحقیقت کرسچیانٹی کے بالکل برخلاف ہو رہی تھیں ٭

لوگ خیال کرتے ہیں کہ مسلمانوں کے مذہب میں بھی ایسا ہی خونخوار امن اور اخلاق کے برخلاف جہاد کا مسئلہ ہے۔ اگر وہ مسئلہ درحقیقت ایسا ہی ہو جیسا کہ بعض یا اکثر حقیقت تک نہ پہنچنے والے یا خودغرض لوگوں نے سمجھا ہے یا اکثر ظالم و مکار مسلمان حکمرانوں نے برتا ہے تو اُس کے اخلاق کے برخلاف ہونے میں کون شبہ کر سکتا ہے۔ مگر ہمارا اعتقاد یہ نہیں ہے بلکہ جو حقیقت جہاد کی درحقیقت مذہب اسلام کی رو سے ہے وہ اخلاق کے برخلاف نہیں ہے۔ اس میں کسی قسم کا جبر یا کسی کے مذہب کو بجبر چھڑانا یا مذہب کے لئے کسی کا خون بہانا مطلق نہیں ہے وہ صرف نیشنل لا پر یعنی اُس قانون پر جو مختلف قوموں کو آپس میں برتنا چاہیئے مبنی ہے اور جو آج کل تہذیب سے مہذب قوموں میں جاری ہے ٭

اِس مسئلہ کا ذکر ہم نے اپنی متعدد تصنیفات میں کیا ہے اور اُمید ہے کہ کبھی اس مضمون

ہوتا ہے تو ہم اپنے عیب سے مطلع ہوتے ہیں۔ اور اگر نہیں ہوتا تو خدا کا شکر کرتے ہیں کہ وہ عیب ہم میں نہیں۔ سچ ہے کہ "دشمن از دوست ناصح تراست ایں جز نکوئی نہ گوید و ایں جز بدی نجوید"

پلوٹارک کا دشمنی کے فائدوں پر جو مضمون ہے اُس میں اُس نے یہ بات لکھی ہے کہ "دشمن جو ہم کو بدنام کرتے ہیں اُس سے ہم کو ہماری بُرائیاں معلوم ہوتی ہیں اور ہماری گفتگو میں اور ہمارے چال چلن میں اور ہماری تحریر میں جو نقص ہیں وہ بغیر ایسے دشمن کی مدد کے کبھی معلوم نہیں ہوتے"

علےٰ ہذا القیاس اگر ہم خود اپنے آپ کو سمجھنا چاہیں کہ ہم کیا ہیں تو ہم کو اس بات پر غور کرنی چاہیئے کہ جو لوگ ہماری تعریف کرتے ہیں اُس میں سے ہم کس قدر کے مستحق ہیں اور پھر یہ سوچنا چاہیئے کہ جن کاموں کے سبب سے وہ تعریف کرتے ہیں وہ کام ہم عمدہ غرض سے اور نیک نیتی سے دنیا کو فائدہ پہنچانے کے لئے کرتے ہیں یا نہیں اور پھر ہم کو یہ بھی سمجھنا چاہیئے کہ وہ نیکیاں جن کے سبب ہماری تعریف کرنے والے ہماری تعریف کرتے ہیں در اصل ہم میں کہاں تک ہیں۔ ان باتوں پر انسان کو بخوبی غور کرنا نہایت ضرور ہے کیونکہ ہمارا یہ حال ہے کہ کبھی تو ہم لوگوں کی رایوں کو جو ہماری نسبت ہیں پسند کر کر اپنے تئیں بہت برا سمجھنے لگتے ہیں اور کبھی اُن کو ناپسند کرتے ہیں اور جو کچھ ہمارا دل کہتا ہے اُس کے مقابلہ میں اُن تمام رایوں کو نہیں مانتے۔

ہم کو ایسی نیکی پر بھی جس کو ہم نے اپنے خیال میں نیک سمجھا ہے مگر درحقیقت اُس کی نیکی مشتبہ ہے زیادہ اصرار کرنا نہیں چاہیئے بلکہ اُن لوگوں کی رایوں کی بھی نہایت قدر و منزلت کرنی چاہیئے جو ہم سے اختلاف رکھتے ہیں اور جو عقلمند اور نیک دل ہیں اور جس طرح ہم نیک دلی سے بات کہتے ہیں اُسی طرح وہ بھی نیک دلی سے ہم سے مخالفت کرتے ہیں۔ مگر یہ بھی دیکھنا چاہیئے کہ اُن اختلاف کرنے والوں نے صرف آزادیِ رائے اور اُس دلی نیکی سے جس کے سرچشمہ کی سوت قدرت نے ہر ایک انسان کے دل میں کھولی ہے اختلاف کیا ہے یا کسی بیرونی دباؤ یا پابندیِ رسم و رواج اور تعصب اور تقلید نے اُن کے دل کو پھیرا ہے کیونکہ اگر یہ پچھلی بات اختلاف رائے کا سبب ہو تو وہ نہایت بے قدر ہو جاتی ہے۔

جہاں ہم کو دھوکہ کھانے کا احتمال ہے وہاں ہم کو نہایت ہوشیاری اور بہت خبرداری سے کام کرنا چاہیئے۔ حد سے زیادہ سرگرمی اور تعصب اور کسی خاص فرقہ کو یا کسی خاص رائے کے لوگوں کو بُرا اور حقیر سمجھنا یہ ایسی باتیں ہیں جن سے ہزاروں آفتیں پیدا ہوتی ہیں۔ وہ فی نفسہ نہایت ہی بُری ہیں گو کہ وہ ہم سے کمزور دل آدمیوں کو اچھی معلوم ہوتی ہوں۔ مگر اس پر بھی

اور کتنی نصیحت کے محتاج ہیں۔ پس میں چند قاعدے بیان کرنا چاہتا ہوں جن سے وہ بدیاں جو دل کے کونوں میں چھپی ہوتی ہیں اور جن کے چھپے رہنے سے انسان خود اپنے دل کا سچا حال آپ نہیں جان سکتا معلوم ہو سکیں ⁂

عام قاعدہ تو اس کے لئے یہ ہے کہ ہم خود اپنے آپ کو اُن مذہبی اصلوں سے جو ہماری ہدایت کے لئے مقدس کتاب اللہ میں لکھے ہیں جانچیں اور اپنی زندگی کو اُس پاک شخص کی زندگی سے مقابلہ کریں۔ جس نے یہ فرمایا کہ "انما بشر مثلکم یوحیٰ الی انما الٰھکم الٰہ واحد" اور جو اُس درجہ کمال تک پہنچا جہاں تک انسان کا پہنچنا ممکن ہے۔ اور جس کی زندگی ہماری زندگی کے لئے نمونہ ہے اور جو اپنی پیروی کرنے والوں کے لئے بلکہ تمام دنیا کے لئے بڑا ہادی اور بہت بڑا دانا اُستاد ہے۔ ان دونوں قاعدوں کے برتنے میں بڑی بڑی غلطیاں پڑتی ہیں۔ کچھ تو لوگوں کی سمجھ میں غلطیاں ہوتی ہیں اور کچھ آپس میں اختلاف رائے ہوتا ہے جو بن ہوئے رہ نہیں سکتا۔ اور کچھ زمانہ کے گذرنے سے ٹھیک ٹھیک حالت اور کیفیت اُن واقعات کی جو گذرے معلوم نہیں ہو سکتی۔ اس لئے برخلاف اگلے مسلمان مصنّفوں کے صرف انہی قاعدوں کے بیان کرنے پر میں اکتفا نہیں کرتا بلکہ اور بھی قاعدے بیان کرتا ہوں جو انسان کو ٹھیک ٹھیک مطلوبہ راہ پر لے آتے ہیں ⁂

اپنے پوشیدہ عیبوں کے معلوم کرنے کا ایک عمدہ قاعدہ یہ ہے کہ ہم اِس بات پر غور کریں کہ ہمارے دشمن ہم کو کیا کہتے ہیں۔ ہمارے دوست اکثر ہمارے دل کے موافق ہماری تعریف کرتے ہیں۔ یا تو ہمارے عیب اُن کو عیب ہی نہیں معلوم ہوتے اور یا ہماری خاطر کو ایسا عزیز رکھتے ہیں کہ اُس کو رنجیدہ نہ کرنے کے خیال سے اُن کو چھپاتے ہیں یا ایسی نرمی سے کہتے ہیں کہ ہم اُن کو نہایت ہی خفیف سمجھتے ہیں۔ برخلاف اس کے دشمن ہم کو خوب ٹٹولتا ہے اور کونے کونے سے ڈھونڈ کر ہمارے عیب نکالتا ہے۔ گو وہ دشمنی سے چھوٹی بات کو بہت بڑا کر دیتا ہے مگر اکثر اُس کی کچھ نہ کچھ اصلیت ہوتی ہے + ع

تا نباشد چیزکے مردم نگویند چیزہا

دوست ہمیشہ اپنے دوست کی نیکیوں کو بڑھاتا ہے اور دشمن عیبوں کو۔ اِس لئے ہمکو اپنے دشمن کا زیادہ احسان مند ہونا چاہئے کہ ہم کو ہمارے عیبوں سے مطلع کرتا ہے۔ اگر ہم نے اُس کے طعنوں کے سبب اُن عیبوں کو چھوڑ دیا تو دشمن سے ہم کو وہی نتیجہ ملا جو ایک شفیق اُستاد سے ملنا چاہئے تھا ⁂

دشمن جو عیب صحیح یا غلط ہم میں لگاتا ہے ہمارے فائدہ سے خالی نہیں۔ اگر وہ ہم میں

ہندوؤں کا حال دیکھ کر ہم کو اس قول کی تصدیق ہوتی ہے۔ انہی دنوں میں ہز ہائی نس مہاراجہ صاحب وتیجے نگرام کے بیٹے کی شادی ہز ہائی نس مہاراجہ جے پور کے ہاں ہوئی ہے وہ اور ان کے احباب جے پور بیاہنے کو گئے تھے۔ اور چند رئیسان بنارس بھی اُن کے ساتھ تھے۔ جب سب لوگ شادی کر کر واپس آئے تو دو صاحبوں نے جو نہایت عالی خاندان رئیس ہیں مجھ سے دعوت کا یہ حال بیان کیا کہ وہاں کئی سو راجپوت نے جو نہایت عمدہ قوم کے ہیں اور جن میں مہاراجہ جے پور و مہاراجہ وجیے نگرام بھی شامل تھے اس طرح پر کچی رسوئی کھائی۔ کہ ایک نہایت پر تکلف مکان فرش فروش سے آراستہ تھا شطرنجی اور نہایت عمدہ دھوئی ہوئی سفید چاندنی بچھی ہوئی تھی اور اُس پر بہت بڑی لمبی خوبصورت مہاگنی کی میز لگی ہوئی تھی اور ہر چہار طرف کرسیاں بچھی ہوئی تھیں۔ تمام راجپوت اپنی پوشاک۔ دستار و قبا پہنے ہوئے اور پاؤں میں جوتیاں پہنے ہوئے۔ ہتھیار لگائے ہوئے سب کرسیوں پر آن بیٹھے۔ میز پر سب کے سامنے انواع اقسام کا کھانا چُنا گیا جس میں دال بھات بھی تھا اور سب نے بے تکلف ایک میز پر بیٹھ کر کھانا تناول فرمایا ۔

زیادہ تعجب یہ ہے کہ چوکے کی بھی کچھ قید نہ تھی۔ کچی رسوئی بھی چل کر بہت دور فاصلہ سے آتی تھی اور سب راجپوت بلا عذر کھاتے تھے ۔

اس بات کے سُننے سے البتہ ہم کو افسوس ہے کہ میز پر بجائے نفیس نفیس برتنوں کے پتوں کی رکابیاں تھیں جس کو ہندی میں پتّل کہتے ہیں اور صرف یہی ایک چیز تھی جو اس زمانہ کو یاد دلاتی تھی جبکہ دنیا کی قوموں کو برتن بنانے کا فن نہیں آتا تھا۔ مگر ہم کو امید کرنی چاہئے کہ ہمارے ہندو بھائی اپنے دھرم کو قایم رکھ کر بہت جلد تہذیب و شایستگی میں ترقی کرینگے ۔

درحقیقت ہمارے لئے اور خصوص میرے لئے یہ بات نہایت خوشی کی ہے اس لئے کہ میں ہمیشہ یہ خیال رکھتا تھا کہ ہمارے ہندو بھائیوں میں سویلیزیشن کی ترقی معہ قیام اُن کے مذہب کے نہیں ہو سکتی۔ مگر اس حال کے سُننے سے جو جے پور میں ہوا مجھے یقین ہو گیا کہ میرا یہ خیال غلط تھا اور میں اپنے اس خیال کے غلط نکلنے سے بے انتہا خوش ہوا ہوں اور خود اپنے کو آپ مبارکباد دیتا ہوں ۔

میری یہ سمجھ ہے کہ ہندوستان میں دو قومیں ہندو اور مسلمان ہیں۔ اگر ایک قوم نے ترقی کی اور دوسری نے نہ کی تو ہندوستان کا حال کچھ اچھا نہیں ہونے کا بلکہ اُس کی مثال ایک کانڑے آدمی کی سی ہو گی۔ لیکن اگر دونوں قومیں برابر ترقی کرتی جاویں تو ہندوستان کے نام کو بھی عزّت ہو گی اور بجائے اس کے کہ وہ ایک کانڑی اور بڈھی بال بکھری دانت ٹوٹی بیوہ کہلاوے

خیال رکھنا چاہیئے کہ ایسے لوگ بھی دنیا میں ہیں جو دینداری اور نیکی کے لئے نہایت مشہور ہیں مگر نہایت ادنیٰ اور بڑے خود غرضانہ اصولوں کو نیکی سمجھ کر اپنے دلوں میں اُس کی جڑ گاڑ دی ہے۔ میں اس بات کا اقرار کرتا ہوں کہ میں نے آج تک کوئی ایسا عقلمند اور انصاف پسند شخص نہیں دیکھا جس میں پوری پوری یہ سب باتیں ہوں اور پھر بھی وہ گناہ سے پاک ہو ✢

اسی طرح ہم کو ان کاموں سے بھی ڈرنا چاہیئے جو انسان کے کمزور دل کی قدرتی بناوٹ سے یا کسی خاص شوق سے یا کسی خاص تعلیم کے اثر سے یا کسی اور سبب سے ہوتی ہیں جس میں ہمارا دنیوی فائدہ ہے۔ ایسی حالت میں انسان کی سمجھ نہایت آسانی سے حق بات کی طرف سے پھر جاتی ہے اور اُس کا دل غلطی کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ اور یہی باتیں ہیں جن کے سبب سے تعصب اور ہزاروں غلطیاں اور پوشیدہ برائیاں اور لامعلوم عیب انسان کے دل میں گھس جاتے ہیں۔ جس کام کے کرنے میں عقل کے سوا اور جذبوں کی بھی ترغیب ہو اُس کے کرنے میں عقلمند آدمی کو ہمیشہ ڈرنا اور ہمیشہ اُس پر شبہ کرنا چاہیئے کہ ضرور اس میں کوئی نہ کوئی برائی چھپی ہوئی ہوگی ✢

ان اصولوں پر اپنے خیالوں کو جانچنا اور اپنے دل کو ٹٹولنا اور دل کے تاریک جذبوں کو ڈھونڈنا ہمارے لئے اُس سے زیادہ کوئی چیز مفید نہیں ہے۔ اگر ہم اپنے دل میں ایسی مضبوط نیکی بٹھانی چاہیں جو قیامت کے دن ہمارے کام آوے جس دن کہ ہمارے بھیدوں کا جاننے والا ہمارے دل کو جانچیگا جس کی عقل اور انصاف کی کچھ انتہا نہیں۔ تو ان اصولوں پر چلنے سے بہتر ہمارے لئے کوئی راہ نہیں ہمارے بانی اسلام نے جب ہم کو یہ سکھلایا ہے کہ خدا ہر جگہ حاضر و ناظر ہے ہمارے دل کے چھپے بھیدوں کو جانتا ہے تو اُس نے کس خوبی اور خوبصورتی سے اُس ریاکاری کی برائی ہم کو بتلا دی جس سے انسان دنیا کو دھوکہ دیتا ہے اور خود اپنے آپ کو بھی فریب میں ڈالتا ہے۔ داؤد نے بھی اپنی مناجات میں اُس ریاکاری کے خوف کو جس سے انسان خود اپنے آپ کو دھوکہ دیتا ہے نہایت دلچسپ لفظوں میں ادا کیا ہے جہاں اُس نے کہا ہے کہ اے خدا مجھ کو جانچ۔ میرے دل کی تہ کو ڈھونڈ۔ میرے خیالوں کو دیکھ۔ مجھ کو ٹٹول۔ مجھ کو بخوبی پرکھ۔ کہ مجھ میں کس برائی نے راہ کی ہے اور مجھ کو ایسی راہ پر لے چل جو ہمیشہ کو قائم رہے ✢

ہندوؤں میں ترقیٔ تہذیب

یہ ایک نہایت عمدہ قول ایک بڑے فلاسفر کا ہے کہ زمانہ سب سے بڑا ریفارمر یعنی مصلح امورات ہے ✢

پاتا تو اپنے مخالف کی غلطیوں کی اصلاح کے درپے ہوتا ہے اور اُن غلطیوں کو اس طرح پر بتاتا ہے جیسے ایک دلسوز دوست بتاتا ہے کہیں کہیں طبیعت کو ترو تازہ کرنے کے لئے نہایت دلچسپ ظرافت بھی کر بیٹھتا ہے اور کبھی کبھی کوئی لطیفہ بھی بول اُٹھتا ہے اور باوجود مخالفت کے ایک دوسرے کو فائدہ پہنچتا ہے*

کینہ طبیعت اور نامہذب ناشایستہ آدمی یہ رستہ نہیں چلتا۔ وہ بات کی حسن وقبح کی طرف متوجہ نہیں ہوتا بلکہ اپنے مخالف کے عیوب ذاتی سے بحث کرنے لگتا ہے۔ سخت کلامی۔ وزشت گوئی سب وشتم اپنا پیشہ کرلیتا ہے۔ اپنے مخالف کے عیوب واقعی ہی کے بیان پر بس نہیں کرتا۔ بلکہ ہر قسم کے بہتان اُس پر لگاتا ہے۔ اور جھوٹی جھوٹی باتیں اُس کی طرف منسوب کرتا ہے اور خود مورد لعنت اللہ علی الکاذبین بنتا ہے۔ اس راہ چلنے سے اور جھوٹ اتہام کرنے سے اور لعنت خدا کا مورد بننے سے اُس کا مطلب اپنے مخالف کو بدنام کرنا اور عام لوگوں میں جو اُس کے مخالف کے حال سے واقف نہیں ہیں ناراضی پیدا کرنا ہوتا ہے۔ مگر درحقیقت اُس کا یہ مطلب حاصل نہیں ہوتا اور بعوض اس کے کہ اُس کا مخالف بدنام ہو خود وہی زیادہ رسوا اور بدنام ہوتا ہے اس لئے کہ جب اُس مخالف کی بُرائی جو اُس نے براہ کذب واتہام اُس کی نسبت منسوب کی ہے مشہور ہوتی ہے۔ تو کوئی تو اُس کو سچ سمجھتا ہے اور بہت لوگ اُس کی تحقیق کے درپے ہوتے ہیں اور جب اُس کی کچھ اصل نہیں پاتے تو بعوض اُس کے مخالف کے خود اُسی کذاب پر لعنت اور تھوہ تھوہ کرتے ہیں اور بقول شخصے کہ دروغ کو فروغ نہیں ہوتا تھوڑے ہی دنوں میں اُس کی قلعی کھل جاتی ہے اور وہ جھوٹا بدگو خود اُسی گڑھے میں گرتا ہے جو اُس نے اپنے مخالف کے لئے کھودا تھا۔ پس انسان کو چاہئے کہ اپنے مخالف سے بھی مخالفت کرنے میں سچائی اور راست بازی۔ نیکی اور نیک دلی کو کام میں لاوے کہ یہی طریقہ اپنے مخالف پر فتح پانے کا ہے ورنہ بعوض اپنے مخالف کے خود اپنے تئیں آپ رسوا کرنا ہے*

ہم کو بڑا افسوس ہے کہ ہمارے مخالف اِس پچھلے طریقہ پر ہم سے مخالفت کرتے ہیں۔ ہم کو اپنی مخالفت کا یا اپنے پر اتہام کرنے کا یا اپنی بدنامی کا کچھ اندیشہ نہیں ہے بلکہ اس بات کا افسوس ہے کہ انجام کو ہمارے مخالف ہی رسوا و بدنام ہوتے ہیں۔ اور دُنیا اُنہی کو دروغ گو وکذاب قرار دیتی ہے۔ اگر اُن کو ہمارے حال پر رحم نہیں ہے تو خود اُن کو اپنے حال پر رحم کرنا چاہئے۔ ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم*

ایک نہایت خوبصورت پیاری دلہن بن جاوٴگی +
او خدا تو ایسا ہی کر آمین +

مخالفت

دشمنی اور عداوت۔ حسد اور رنجش اور ناراضی کے سوا ایک اور جذبہ انسان میں ہے جو خود اُسی شخص میں کمینہ عادتیں اور رذیل اخلاق پیدا کرتا ہے اور بعوض اس کے کہ وہ اپنے مخالف کو کچھ نقصان پہنچاوے خود اپنا آپ نقصان کرتا ہے۔ اس انسانی جذبہ کو ہم مخالفت کہتے ہیں +

دشمنی اور عداوت کا منشا اکثر اتلاف حقوق کے سبب سے ہوتا ہے۔ زن یا زر۔ زمین یا خون اُس جذبہ کے جوش میں آنے کے باعث ہوتے ہیں +

حسد کا منشا صرف وہ اوصاف حمیدہ ہوتے ہیں جو محسود میں ہیں اور حاسد اُن کا خواہاں ہے مگر وہ اُس میں نہیں ہیں اور نہ ہو سکتے ہیں +

رنجش اور ناراضی اکثر باہمی معاشرت میں خلل واقع ہونے سے ہوتی ہے +

مگر ان سب کے سوا ایک اور جذبہ انسان میں ہے جو بغیر ان سببوں کے جوش میں آتا ہے اُس کا منشا نہ زر و زمین و زن کی دشمنی ہوتی ہے اور نہ مخالف کے اوصاف حمیدہ کی خواہش ہوتی ہے کیونکہ یہ شخص اپنے مخالف کے اوصاف حمیدہ کو اوصاف حمیدہ ہی نہیں تصور کرتا اور نہ باہمی معاشرت کا خلل اُس کا باعث ہوتا ہے اس لئے کہ اکثر اُن دونوں میں ملاقات اور واقفیت بھی نہیں ہوتی۔ بلکہ اس کا منشاء صرف یہ ہوتا ہے کہ اُس کی مخالف رائے یا عقل و سمجھ دوسرے فریق کی رائے اور سمجھ سے مخالف ہوتی ہے +

یہ جذبہ مخالفت قریباً کل انسانوں میں پایا جاتا ہے مگر مہذب اور تربیت یافتہ اور نیک دل آدمیوں میں اُس کا ظہور اور طرح پر ہوتا ہے اور نامہذب اور ناتربیت یافتہ بدذات آدمیوں میں اُس کا ظہور دوسری طرح پر ہوتا ہے۔ پہلا اُس مخالفت سے ہر قسم کے فائدے اُٹھاتا ہے اور دوسرا اُن فائدوں سے بھی محروم رہتا ہے اور دنیا میں خود اپنے تئیں بدطینت اور کذاب اور نامہذب ثابت کرتا ہے +

دنیا میں یہ بات قریباً ناممکن ہے کہ تمام لوگ ایک رائے پر گو وہ کیسی ہی صحیح و سچ ہو متفق ہو جاویں۔ پس ضرور ہے کہ آپس میں اختلاف رائے ہو۔ نیک آدمی اپنے مخالف کی رائے کو نہایت نیک دلی سے سوچتا ہے اور ہمیشہ یہ ارادہ رکھتا ہے کہ اگر اُس میں کوئی اچھی بات ہو تو اُس کو چن لوں اور اگر مجھ میں کوئی غلطی ہو تو اُس کو صحیح کر لوں اور جب ایسی کوئی بات اُس میں نہیں

جھوٹی نقل بننے کے خود ایک اچھی اصل ہو جاویں کیونکہ ہر قسم کی طبیعتیں جو انسان رکھتے ہیں اپنے اپنے موقع پر مفید ہو سکتی ہیں۔ ایک تیز مزاج اور چست چالاک آدمی اپنے موقع پر ایسا ہی مفید ہوتا ہے جیسے کہ ایک رونی صورت کا چُپ چاپ آدمی اپنے موقع پر۔

خودی جو انسان کو برباد کرنے والی چیز ہے جب چپ چاپ سوئی ہوئی ہوتی ہے تو خوشامد اُس کو جگاتی اور اُبھارتی ہے اور جس کی خوشامد کی جاتی ہے اُس میں چھچھورے پن کی کافی لیاقت پیدا کر دیتی ہے۔ مگر یہ بات بخوبی یاد رکھنی چاہئے کہ جس طرح خوشامد ایک بد تر چیز ہے اسی طرح مناسب اور سچی تعریف کرنا نہایت عمدہ اور بہت ہی خوب چیز ہے۔ جس طرح کہ لائق شاعر دوسروں کی تعریف کرتے ہیں کہ اُن اشعار سے اُن لوگوں کا نام باقی رہتا ہے جن کی وہ تعریف کرتے ہیں اور شاعری کی خوبی سے خود اُن شاعروں کا نام بھی دنیا میں باقی رہتا ہے۔ دونوں شخص خوش ہوتے ہیں۔ ایک اپنی لیاقت کے سبب سے اور دوسرا اُس لیاقت کو تمیز کرنے کے سبب سے۔ مگر لیاقت شاعری کی یہ ہے کہ وہ نہایت بڑے اُستاد مصور کی مانند ہو کہ وہ اصل صورت اور رنگ اور خال خط کو بھی قایم رکھتا ہے اور پھر بھی تصویر ایسی بناتا ہے کہ خوش نما معلوم ہو۔

ایشیا کے شاعروں میں ایک بڑا نقص یہی ہے کہ وہ اِس بات کا خیال نہیں رکھتے بلکہ جس کی تعریف کرتے ہیں اُس کے اوصاف ایسے جھوٹے اور ناممکن بیان کرتے ہیں جن کے سبب سے وہ تعریف تعریف نہیں رہتی بلکہ فرضی خیالات ہو جاتے ہیں۔

ناموری کی مثال نہایت عمدہ خوشبو کی ہے جب ہوشیاری اور سچائی سے ہماری اجب تعریف ہوتی ہے تو اُس کا ویسا ہی اثر ہوتا ہے جیسے عمدہ خوشبو کا۔ مگر جب کسی کمزور دماغ میں زبردستی سے وہ خوشبو ٹھونس دی جاتی ہے تو ایک تیز بو کی مانند دماغ کو پریشان کر دیتی ہے۔ فیاض آدمی کو بدنامی اور نیک نامی کا زیادہ خیال ہوتا ہے اور عالی ہمت طبیعت کو مناسب عزت اور تعریف سے ایسی ہی تقویت ہوتی ہے جیسے کہ غفلت اور حقارت سے پست ہمتی ہوتی ہے۔ جو لوگ کہ عوام کے درجہ سے اوپر ہیں اُنہی لوگوں پر اس کا زیادہ اثر ہوتا ہے جیسے کہ تھرمامیٹر میں وہی حصہ موسم کا زیادہ اثر قبول کرتا ہے جو صاف اور سب سے اوپر ہوتا ہے۔

گذرا ہوا زمانہ

برس کی اخیر رات کو ایک بڈھا اپنے اندھیرے گھر میں اکیلا بیٹھا ہے۔ رات بھی ڈراونی اور اندھیری ہے۔ گھٹا چھا رہی ہے۔ بجلی تڑپ تڑپ کر کڑکتی ہے۔ آندھی بڑے زور سے

خوشامد

دل کی جس قدر بیماریاں ہیں اُن میں سب سے زیادہ مہلک خوشامد کا اچھا لگنا ہے۔
جس وقت کہ انسان کے بدن میں ایسا مادہ پیدا ہو جاتا ہے جو وبائی ہوا کے اثر کو جلد قبول کر لیتا ہے
تو اُسی وقت انسان مرض مہلک میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جبکہ خوشامد کے اچھا لگنے کی بیماری
انسان کو لگ جاتی ہے تو اُس کے دل میں ایک ایسا مادہ پیدا ہو جاتا ہے جو ہمیشہ زہریلی باتوں
کے زہر کو چوس لینے کی خواہش رکھتا ہے۔ جس طرح کہ خوش گلو گانے والے کا راگ اور خوش
آیند باجے کی آواز انسان کے دل کو نرم کر دیتی ہے اسی طرح خوشامد بھی انسان کے دل کو ایسا
پگلا دیتی ہے کہ ہر ایک کانٹے کے چبھنے کی جگہ اُس میں ہو جاتی ہے ٭
اوّل اوّل یہ ہوتا ہے کہ ہم اپنی آپ خوشامد کرتے ہیں اور اپنی ہر ایک چیز کو اچھا سمجھتے ہیں
اور آپ ہی آپ اپنی خوشامد کر کر اپنے دل کو خوش کرتے ہیں۔ پھر رفتہ رفتہ اور دل کی خوشامد ہم
میں اثر کرنے لگتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اوّل تو خود ہم کو اپنی محبت پیدا ہوتی ہے
پھر یہی محبت ہم سے باغی ہو جاتی ہے اور ہمارے بیرونی دشمنوں سے جا ملتی ہے اور جو محبت
و مہربانی ہم خود اپنے ساتھ کرتے تھے وہ ہم خوشامدیوں کے ساتھ کرنے لگتے ہیں اور وہی ہماری
محبت ہم کو یہ بتلاتی ہے کہ اُن خوشامدیوں پر مہربانی کرنا نہایت حق اور انصاف ہے جو ہماری
باتوں کو ایسا سمجھتے ہیں اور اُن کی اس قدر قدر کرتے ہیں۔ جبکہ ہمارا دل ایسا نرم ہو جاتا ہے
اور اس قسم کے پھسلاوے اور فریب میں آجاتا ہے تو ہماری عقل خوشامدیوں کے مکر و فریب سے
اندھی ہو جاتی ہے اور وہ مکر و فریب ہماری بیمار طبیعت پر بالکل غالب آجاتا ہے ٭
لیکن اگر ہر شخص کو یہ بات معلوم ہو جاوے کہ خوشامد کا شوق کیسے نالائق اور کمینہ سببوں سے
پیدا ہوتا ہے تو یقینی خوشامد کی خواہش کرنے والا شخص بھی ویسا ہی نالائق اور کمینہ متصوّر
ہونے لگیگا۔ جبکہ ہم کو کسی ایسے وصف کا شوق پیدا ہوتا ہے جو ہم میں نہیں ہے یا ہم ایسے
بنا چاہتے ہیں جیسے کہ درحقیقت ہم نہیں ہیں تب ہم اپنے تئیں خوشامدیوں کے حوالہ کرتے
ہیں جو اَوروں کے اوصاف اور اَوروں کی خوبیاں ہم میں لگانے لگتے ہیں۔ گو بسبب اُس
کمینہ شوق کے اُس خوشامدی کی باتیں ہم کو اچھی لگتی ہوں مگر درحقیقت وہ ہم کو ایسی ہی بدزیب
ہیں جیسے کہ دوسروں کے کپڑے جو ہمارے بدن پر کسی طرح ٹھیک نہیں۔ اس بات سے کہ
ہم اپنی حقیقت کو چھوڑ کر دوسرے کے اوصاف اپنے میں سمجھنے لگیں۔ یہ بات نہایت عمدہ ہے
کہ ہم خود اپنی حقیقت کو درست کریں اور سچ مچ وہ اوصاف خود اپنے میں پیدا کریں اور بعوض

ہے اور اُس میں یہ آواز آتی ہے کہ کیوں بیٹا ہم تمہارے ہی بھلے کے لئے نہ کہتے تھے۔ بھائی بہن دانتوں میں اُنگلی دئے ہوئے خاموش ہیں اور اُن کی آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑی بہ رہی ہے دوست آشنا سب غمگین کھڑے ہیں اور کہتے ہیں کہ اب ہم کیا کر سکتے ہیں*

ایسی حالت میں اُس کو اپنی وہ باتیں یاد آتی تھیں جو اُس نے نہایت بے پروائی اور بے مروتی اور کج خلقی سے اپنے ماں باپ۔ بھائی۔ بہن۔ دوست آشنا کے ساتھ برتی تھیں۔ ماں کو رنجیدہ رکھنا۔ باپ کو ناراض کرنا۔ بھائی بہن سے بے مروت رہنا۔ دوست آشنا کے ساتھ ہمدردی نہ کرنا یاد آتا تھا۔ اور اُس پر اُن گلی ہڈیوں میں سے ایسی محبت کا دیکھنا اُس کے دل کو پاش پاش کرتا تھا۔ اُس کا دم چھاتی میں گھٹ جاتا تھا اور یہ کہہ کر چلا اُٹھتا تھا کہ "ہائے وقت نکل گیا ہائے وقت نکل گیا۔ اب کیونکر اس کا بدلہ ہو گا"

وہ گھبرا کر پھر کھڑکی کی طرف دوڑا۔ اور ٹکراتا لڑتا کھڑکی تک پہنچا۔ اُس کو کھولا اور دیکھا کہ ہوا کچھ ٹھہری ہے اور بجلی کی کڑک کچھ تھمی ہے پر رات ویسی ہی اندھیری ہے۔ اُس کی گھبراہٹ کچھ کم ہوئی اور پھر اپنی جگہ آ بیٹھا*

اتنے میں اس کو اپنا ادھیڑ پنا یاد آیا جس میں نہ وہ جوانی رہی تھی اور نہ وہ جوانی کا جوبن نہ وہ دل رہا تھا اور نہ دل کے ولولوں کا جوش۔ اُس نے اپنی اُس نیکی کے زمانہ کو یاد کیا جس میں وہ بہ نسبت بدی کے نیکی کی طرف زیادہ مائل تھا۔ وہ اپنا روزہ رکھنا۔ نمازیں پڑھنی۔ حج کرنا۔ زکوٰۃ دینی۔ بھوکوں کو کھلانا۔ مسجدیں اور کنوئیں بنوانا یاد کر کر اپنے دل کو تسلی دیتا تھا۔ فقیروں اور درویشوں کو جن کی خدمت کی تھی اپنے پیروں کو جن سے بیعت کی تھی اپنی مدد کو پکارتا تھا۔ مگر دل کی بیقراری نہیں جاتی تھی۔ وہ دیکھتا تھا کہ اُس کے ذاتی اعمال کا اُسی تک خاتمہ ہے بھوکے پھر ویسے ہی بھوکے ہیں۔ مسجدیں ٹوٹ کر یا تو کھنڈر ہیں اور پھر ویسے ہی جنگل ہیں کنوئیں اندھے پڑے ہیں۔ نہ پیر اور نہ فقیر۔ کوئی اُس کی آواز نہیں سنتا اور نہ مدد کرتا ہے اُس کا دل پھر گھبراتا ہے۔ اور سوچتا ہے کہ میں نے کیا کیا جو تمام فانی چیزوں پر دل لگایا۔ یہ پچھلی سمجھ پہلے ہی کیوں نہ سوجھی۔ اب کچھ بس نہیں چلتا اور پھر یہ کہہ کر چلا اُٹھتا ہائے وقت ہائے وقت۔ میں نے تجھ کو کیوں کھو دیا"

وہ گھبرا کر پھر کھڑکی کی طرف دوڑا۔ اُس کے پٹ کھولے تو دیکھا کہ آسمان صاف ہے۔ آندھی تھم گئی ہے۔ گھٹا کھل گئی ہے۔ تارے نکل آئے ہیں۔ اُن کی چمک سے اندھیرا بھی کچھ کم ہو گیا ہے۔ وہ دل بہلانے کے لئے تاروں بھری رات کو دیکھ رہا تھا کہ یکایک اُس کو آسمان کے بیچ میں ایک روشنی دکھائی دی اور اُس میں ایک خوبصورت دلہن نظر آئی اُس نے

چلتی ہے۔ دل کانپتا ہے اور دم گھبراتا ہے۔ بڈھا نہایت غمگین ہے۔ مگر اُس کا غم نہ اندھیرے گھر پر ہے نہ اکیلے پن پر اور نہ اندھیری رات اور بجلی کی کڑک اور آندھی کی گونج پر اور نہ برس کی اخیر رات پر۔ وہ اپنے پچھلے زمانہ کو یاد کرتا ہے اور جتنا زیادہ یاد آتا ہے اتنا ہی غم بڑھتا ہے۔ ہاتوں سے ڈھکے ہوئے مُنہ پر آنکھوں سے آنسو بھی بہی چلے جاتے ہیں۔

پچھلا زمانہ اُس کی آنکھوں کے سامنے پھرتا ہے۔ اپنا لڑکپن اُس کو یاد آتا ہے جبکہ اُس کو کسی چیز کا غم اور کسی بات کی فکر دل میں نہ تھی۔ روپیہ اشرفی کے بدلے ریوڑی اور مٹھائی اچھی لگتی تھی۔ سارا گھر ماں باپ۔ بھائی بہن اُس کو پیار کرتے تھے۔ پڑھنے کے لئے چھٹی کا وقت جلد آنے کی خوشی میں کتابیں بغل میں لے مکتب میں چلا جاتا تھا۔ مکتب کا خیال آتے ہی اُس کو اپنے ہم مکتب یاد آتے تھے۔ وہ اور زیادہ غمگین ہوتا تھا اور بے اختیار چلا اُٹھتا تھا "ہائے وقت ہائے گذرے ہوئے زمانے۔ افسوس کہ میں نے تجھے بہت دیر میں یاد کیا"۔

پھر وہ اپنی جوانی کا زمانہ یاد کرتا تھا۔ اپنا سُرخ سفید چہرہ۔ سڈول ڈیل بھرا بھرا بدن۔ رسیلی آنکھیں۔ موتی کی لڑی سے دانت۔ اُمنگ میں بھرا ہوا دل۔ جذبات انسانی کے جوشوں کی خوشی اُسے یاد آتی تھی۔ اُس آنکھوں میں اندھیرا چھائے ہوئے زمانہ میں ماں باپ جو نصیحت کرتے تھے اور نیکی اور خدا پرستی کی بات بتاتے تھے۔ اور یہ کہتا تھا کہ "آہ ابھی بہت وقت ہے" اور بڑھاپے آنے کا کبھی خیال بھی نہ کرتا تھا۔ اُس کو یاد آتا تھا اور افسوس کرتا تھا کہ کیا اچھا ہوتا اگر جب ہی میں اس وقت کا خیال کرتا اور خدا پرستی اور نیکی سے اپنے دل کو سنوارتا اور موت کے لئے طیار رہتا۔ آہ وقت گذر گیا۔ آہ وقت گذر گیا۔ اب پچھتائے کیا ہوتا ہے۔ افسوس میں نے آپ اپنے تئیں ہمیشہ یہ کہکر برباد کیا کہ "ابھی وقت بہت ہے"۔

یہ کہکر وہ اپنی جگہ سے اُٹھا اور ٹٹول ٹٹول کر کھڑکی تک آیا۔ کھڑکی کھولی۔ دیکھا کہ رات ویسی ہی ڈراؤنی ہے۔ اندھیری گھٹا چھا رہی ہے۔ بجلی کی کڑک سے دل پھٹا جاتا ہے۔ ہولناک آندھی چل رہی ہے۔ درختوں کے پتے اُڑتے ہیں اور ٹہنے ٹوٹتے ہیں۔ تب وہ چلا کر بولا۔ "ہائے ہائے میری گذری ہوئی زندگی بھی ایسی ہی ڈراؤنی ہے جیسی یہ رات۔ یہ کہکر پھر اپنی جگہ آ بیٹھا۔

اتنے میں اُس کو اپنے ماں باپ بھائی بہن۔ دوست آشنا یاد آئے۔ جن کی ہڈیاں قبروں میں گل کر خاک ہو چکی تھیں۔ ماں گویا محبت سے اُس کو چھاتی سے لگائے آنکھوں میں آنسو بھرے کھڑی ہے یہ کہتی ہوئی کہ ہائے بیٹا وقت گذر گیا باپ کا نورانی چہرہ اُس کے سامنے

تب وہ لڑکا جاگا اور سمجھا کہ میں نے خواب دیکھا اور خواب میں بڈھا ہو گیا تھا۔ اُس نے اپنا سارا حال اپنی ماں سے کہا۔ اُس نے سُن کر اُس کو جواب دیا کہ بیٹا بس تو ایسا مت کر جیسا اُس پشیمان بڈھے نے کیا بلکہ ایسا کر جیسا تیری دُلہن نے تجھ سے کہا ٭

یہ سُن کر وہ لڑکا پلنگ پر سے کود پڑا اور نہایت خوشی سے پکارا کہ "او یہی میری زندگی کا پہلا دن ہے۔ میں کبھی اُس بڈھے کی طرح نہ پچتاؤنگا اور ضرور اُس دُلہن کو بیا ہونگا جس نے ایسا خوبصورت اپنا چہرہ مجھ کو دکھلایا اور ہمیشہ زندہ رہنے والی نیکی اپنا نام بتلایا۔ او خدا او خدا تو میری مدد کر۔ آمین ٭

پس اے میرے پیارے نوجوان ہموطنوں۔ اور اے میری قوم کے بچو۔ اپنی قوم کی بھلائی پر کوشش کرو تاکہ اخیر وقت میں اُس بڈھے کی طرح نہ پچتاؤ۔ ہمارا زمانہ تو اخیر ہے اب خدا سے یہ دُعا ہے کہ کوئی نوجوان اُٹھے اور اپنی قوم کی بھلائی میں کوشش کرے۔ آمین ٭

بحث و تکرار

جب کتے آپس میں مل کر بیٹھتے ہیں تو پہلے تیوری چڑھا کر ایک دوسرے کو بُری نگاہ سے آنکھیں بدل بدل کر دیکھنا شروع کرتے ہیں۔ پھر تھوڑی تھوڑی گونجیلی آواز اُن کے نتھنوں سے نکلنے لگتی ہے۔ پھر تھوڑا سا جبڑا کھلتا ہے اور دانت دکھلائی دینے لگتے ہیں اور حلق سے آواز نکلنی شروع ہوتی ہے۔ پھر باچھیں چر کر کانوں سے جا لگتی ہیں اور ناک سمٹ کر ماتھے پر چڑھ جاتی ہے۔ ڈاڑھوں تک دانت باہر نکل آتے ہیں۔ مُنہ سے جھاگ نکل پڑتے ہیں اور عنیف آواز کے ساتھ اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور ایک دوسرے سے چمٹ جاتے ہیں۔ اس کا ہاتھ اُس کے گلے میں اور اُس کی ٹانگ اُس کی کمر میں۔ اُس کا کان اِس کے مُنہ میں اور اس کا ٹینٹوا اُس کے جبڑے میں۔ اِس نے اُس کو کاٹا اور اُس نے اِس کو پچھاڑ کر بھنبوڑا۔ جو کمزور ہوا دُم دبا کر بھاگ نکلا ٭

نامہذب آدمیوں کی مجلس میں بھی آپس میں اسی طرح پر تکرار ہوتی ہے۔ پہلے صاحب سلامت کر کر آپس میں مل بیٹھتے ہیں۔ پھر دھیمی دھیمی بات چیت شروع ہوتی ہے۔ ایک کوئی بات کہتا ہے دوسرا بولتا ہے واہ یوں نہیں یوں ہے۔ وہ کہتا ہے واہ تم کیا جانو وہ بولتا ہے تم کیا جانو۔ دونوں کی نگاہ بدل جاتی ہے۔ تیوری چڑھ جاتی ہے۔ رُخ بدل جاتا ہے۔ آنکھیں ڈراؤنی ہو جاتی ہیں۔ باچھیں چر جاتی ہیں۔ دانت نکل پڑتے ہیں۔ تھوک اُڑنے لگتا ہے۔ باچھوں تک کف بھر آتے ہیں۔ سانس جلدی چلتا ہے۔ رگیں تن جاتی ہیں۔ آنکھ۔ ناک۔ بھوں۔ ہاتھ عجیب عجیب

ٹکٹکی باندھ کر اُسے دیکھنا شروع کیا۔ جوں جوں وہ اُسے دیکھتا تھا وہ قریب ہوتی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ وہ اُس کے بہت پاس آگئی۔ وہ اُس کے حسن و جمال کو دیکھ کر حیران ہوگیا اور نہایت پاک دل اور محبت کے لہجہ سے اُس سے پوچھا کہ تم کون ہو۔ وہ بولی کہ میں ہمیشہ زندہ رہنے والی نیکی ہوں۔ اُس نے پوچھا کہ تمہاری تسخیر کا بھی کوئی عمل ہے۔ وہ بولی ہاں ہے۔ نہایت آسان پر بہت مشکل۔ جو کوئی خدا سے فرض اُس بدوی کی طرح جس نے کہا کہ دروالله لا ازید ولا انقص ادا کر انسان کی بھلائی اور اُس کی بہتری میں سعی کرے اُس کی میں مسخّر ہوتی ہوں۔ دنیا میں کوئی چیز ہمیشہ رہنے والی نہیں ہے۔ انسان ہی ایسی چیز ہے جو اخیر تک رہیگا۔ پس جو بھلائی کہ انسان کی بہتری کے لئے کی جاتی ہے وہی نسل در نسل اخیر تک چلی آتی ہے۔ نماز۔ روزہ حج۔ زکوٰۃ اُسی تک ختم ہو جاتا ہے۔ اُس کی موت اُن سب چیزوں کو ختم کر دیتی ہے۔ مادی چیزیں بھی چند روز میں فنا ہو جاتی ہیں مگر انسان کی بھلائی اخیر تک جاری رہتی ہے میں تمام انسانوں کی روح ہوں۔ جو مجھ کو تسخیر کرنا چاہے انسان کی بھلائی میں کوشش کرے۔ کم سے کم اپنی قوم کی بھلائی میں دل و جان و مال سے ساعی ہو۔ یہ کہہ کر وہ دُلہن غایب ہوگئی اور بڈھا پھر اپنی جگہ آبیٹھا۔

اب پھر اُس نے اپنا پچھلا زمانہ یاد کیا اور دیکھا کہ اُس نے اپنی پچپن برس کی عمر میں کوئی کام بھی انسان کی بھلائی اور کم سے کم اپنی قومی بھلائی کا نہیں کیا تھا۔ اُس کے تمام کام ذاتی غرض پر مبنی تھے۔ نیک کام جو کئے تھے ثواب کے لالچ اور گویا خدا کو رشوت دینے کی نظر سے کئے تھے۔ خاص قومی بھلائی کی خالص نیت سے کچھ بھی نہیں کیا تھا۔

اپنا حال سونچ کر وہ اُس دلفریب دُلہن کے ملنے سے مایوس ہوا۔ اپنا اخیر زمانہ دیکھ کر آیندہ کرنے کی بھی کچھ اُمید نہ پائی۔ تب تو نہایت مایوسی کی حالت میں بیقرار ہو کر چلا اُٹھا "ہائے وقت ہائے وقت۔ کیا پھر تجھے میں بلا سکتا ہوں۔ ہائے میں دس ہزار دینار دیتا اگر وقت پھر آتا اور میں جوان ہو سکتا۔ یہ کہہ کر اُس نے ایک آہ سرد بھری اور بے ہوش ہوگیا۔

تھوڑی دیر نہ گذری تھی کہ اُس کے کانوں میں میٹھی میٹھی باتوں کی آواز آنے لگی۔ اُس کی پیاری ماں اُس کے پاس آکھڑی ہوئی۔ اُس کو گلے لگا کر اُس کی بپی لی۔ اُس کا باپ اُس کو دکھائی دیا۔ چھوٹے چھوٹے بھائی بہن اُس کے گرد آکھڑے ہوئے۔ ماں نے کہا کہ بیٹا کیوں بس کے برس دن روتا ہے کیوں تو بیقرار ہے کس لئے تیری ہچکی بندھ گئی ہے۔ اُٹھ مُنہ ہاتھ دھو۔ کپڑے پہن۔ نوروز کی خوشی منا۔ تیرے بھائی بہن تیرے منتظر کھڑے ہیں

اور تکرار اور مباحثہ کو آنے مت دو کیونکہ جب تقریر بڑھ جاتی ہے تو دونوں کو ناراض کر دیتی ہے
جب دیکھو کہ تقریر لمبی ہوتی جاتی ہے اور تیزی اور زور سے تقریر ہونے لگی ہے تو جس قدر جلد
ممکن ہو اُس کو ختم کرو اور آپس میں ہنسی خوشی مذاق کی باتوں سے دل کو ٹھنڈا کر لو۔ میں چاہتا
ہوں کہ میرے ہموطن اس بات پر غور کریں کہ اُن کی مجلسوں میں آپس کے مباحثہ اور تکرار کا انجام
کیا ہوتا ہے ✤

اُمید کی خوشی

اے آسمان پر بھورے بادلوں میں بجلی کی طرح چمکنے والی دھنک۔ اے آسمان کے تارے
تمہاری خوش نما چمک۔ اے بلند پہاڑوں کی آسمان سے باتیں کرنے والی دھندلی چوٹیو۔ اے
پہاڑ کے عالی شان درختو۔ اے اونچے اونچے ٹیلوں کے دلکش بیل بُوٹو۔ تم بہ نسبت ہمارے
پاس کے درختوں اور سرسبز کھیتیوں اور لہراتی ہوئی نہروں کے کیوں زیادہ خوشنما معلوم ہوتے
ہو۔ اس لئے کہ ہم سے بہت دور ہو۔ اس دوری ہی نے تم کو یہ خوبصورتی بخشی ہے اس دوری
ہی سے تمہارا نیلا رنگ ہماری آنکھ کو بھایا ہے۔ تو ہماری زندگی میں بھی جو چیز بہت دور ہے
وہی ہم کو زیادہ خوش کرنے والی ہے ✤

وہ چیز کیا ہے۔ کیا عقل ہے جس کو سب۔ سب سے اعلےٰ سمجھتے ہیں۔ کیا وہ ہم کو آیندہ کی
خوشی کا یقین دلا سکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ اُس کا میدان تو نہایت تنگ ہے۔ بڑی دوڑ دھوپ
کرے تو نیچر تک اُس کی رسائی ہے جو سب کے سامنے ہے ✤

او نورانی چہرہ والے یقین کی اکلوتی خوبصورت بیٹی۔ اُمید۔ یہ خدائی روشنی تیرے ہی ساتھ
ہے۔ تو ہی ہماری مصیبت کے وقتوں میں ہم کو تسلی دیتی ہے۔ تو ہی ہمارے اڑے وقتوں میں
ہماری مدد کرتی ہے۔ تیری ہی بدولت نہایت دور دراز خوشیاں ہم کو نہایت ہی پاس نظر
آتی ہیں۔ تیرے ہی سہارے سے زندگی کی مشکل گھاٹیاں ہم طے کرتے ہیں۔ تیرے ہی
سبب سے ہمارے خوابیدہ خیال جاگتے ہیں۔ تیری ہی برکت سے خوشی۔ خوشی کے لئے
نام آوری۔ نام آوری کے لئے بہادری۔ بہادری کے لئے فیاضی۔ فیاضی کے لئے محبت۔
محبت کے لئے نیکی۔ نیکی کے لئے تیار ہے۔ انسان کی تمام خوبیاں اور ساری نیکیاں تیری ہی
تابع اور تیری ہی فرمانبردار ہیں ✤

وہ پہلا گنہگار انسان جب شیطان کے چنگل میں پھنسا اور تمام نیکیوں نے اُس کو چھوڑا
اور تمام بدیوں نے اُس کو گھیرا تو صرف تو ہی اُس کے ساتھ رہی۔ تو ہی نے اُس نا اُمید کو نا اُمید ہونے

کرنے لگتے ہیں۔ غنیف غنیف آوازیں نکلنے لگتی ہیں۔ آستین چڑھا ہاتھ پھیلا۔ اُس کی گردن اُس کے ہاتھ میں اور اُس کی ڈاڑھی اُس کی مٹھی میں لیا ڈگی ہونے لگتی ہے۔ کسی نے بیچ بچاؤ کر کر چھڑا دیا تو غراتے ہوئے ایک اِدھر چلا گیا اور ایک اُدھر اور اگر کوئی بیچ بچاؤ کرنے والا نہ ہوا تو کمزور نے پٹ کر کپڑے جھاڑتے سر سہلاتے اپنی راہ لی۔

جس قدر تہذیب میں ترقی ہوتی ہے اُسی قدر اس تکرار میں کمی ہوتی ہے۔ کہیں غرفش ہو کر رہ جاتی ہے کہیں توں تکار تک نوبت آجاتی ہے۔ کہیں آنکھیں بدلنے اور ناک چڑھانے اور جلدی جلدی سانس چلنے ہی پر خیر گذر جاتی ہے۔ مگر ان سب میں کسی نہ کسی قدر کتّوں کی مجلس کا اثر پایا جاتا ہے۔ پس انسان کو لازم ہے کہ اپنے دوستوں سے کتّوں کی طرح بحث و تکرار کرنے سے پرہیز کرے۔

انسانوں میں اختلاف رائے ضرور ہوتا ہے اور اُس کے پرکھنے کے لئے بحث و مباحثہ ہی کسوٹی ہے۔ اور اگر سچ پوچھو تو بے مباحثہ اور دل لگی کے آپس میں دوستوں کی مجلس بھی پھیکی ہے۔ مگر ہمیشہ مباحثہ اور تکرار میں تہذیب و شایستگی۔ محبت اور دوستی کو ہاتھ سے دینا نہ چاہیے۔

پس اے میرے عزیز ہموطنو۔ جب تم کسی کے برخلاف کوئی بات کہنی چاہو یا کسی کی بات کی تردید کا ارادہ کرو تو خوش اخلاقی اور تہذیب کو ہاتھ سے مت دو۔ اگر ایک ہی مجلس میں دو ہو بات چیت کرتے ہو تو اور بھی زیادہ نرمی اختیار کرو۔ چہرہ۔ لہجہ۔ آواز۔ وضع۔ لفظ اس طرح رکھو جس سے تہذیب اور شرافت ظاہر ہو مگر بناوٹ بھی نہ پائی جاوے۔ تردیدی گفتگو کے ساتھ ہمیشہ سادگی سے معذرت کے لفظ استعمال کرو۔ مثلاً یہ کہ میری سمجھ میں نہیں آیا یا شاید مجھے دھوکہ ہوا۔ یا میں غلط سمجھا گو بات تو عجیب ہے مگر آپ کے فرمانے سے باور کرتا ہوں۔ جب دو تین دفعہ بات کا اُلٹ پھیر ہو اور کوئی اپنی رائے کو نہ بدلے تو زیادہ تکرار مت بڑھاؤ۔ یہ کہہ کر کہ میں اس بات کو پھر سوچونگا یا اُس پر پھر خیال کرونگا۔ جھگڑے کو کچھ ہنسی خوشی دوستی کی باتیں کہہ کر ختم کرو۔ دوستی کی باتوں میں اپنے دوست کو یقین دلاؤ کہ اُس دو تین دفعہ کی اُلٹ پھیر سے تمہارے دل میں کچھ کدورت نہیں آئی ہے اور نہ تمہارا مطلب باتوں کی اُس اُلٹ پھیر سے اپنے دوست کو کچھ تکلیف دینے کا تھا کیونکہ جھگڑا یا شبہ زیادہ دنوں تک رہنے سے دونوں کی محبت میں کمی ہو جاتی ہے اور رفتہ رفتہ دوستی ٹوٹ جاتی ہے اور ایسی عزیز چیز (جیسے کہ دوستی) سے جاتی رہتی ہے۔

الف۔ جبکہ تم مجلس میں ہو جہاں مختلف رائے کے آدمی ملے ہوئے ہیں تو جہاں تک ممکن ہو جھگڑے

ہو گے۔ تم پوچھو گے اور ہم کچھ نہ بولینگے۔ تم روؤ گے۔ اور ہم کچھ رحم نہ کرینگے۔ اے میرے پیارے رونے والے۔ تم ہمارے ڈھیر پر آکر ہماری روح کو خوش کرو گے۔ آہ ہم نہ ہونگے اور تم ہماری یادگاری میں آنسو بہاؤ گے۔ اپنی ماں کا محبّت بھرا چہرا اپنے باپ کی نورانی صورت یاد کرو گے۔ آہ ہم کو یہی رنج ہے کہ اُس وقت ہماری محبّت یاد کر کر تم رنجیدہ ہو گے۔ سو رہ میرے بچے سو رہ سو رہ میرے بالے سو رہ ٭

یہ اُمید کی خوشیاں ماں کو اُس وقت تھیں جبکہ بچہ غوں غاں بھی نہیں کر سکتا تھا۔ مگر جب وہ ذرا اور بڑا ہوا اور معصوم ہنسی سے اپنی ماں کے دل کو شاد کرنے لگا اور اماں اماں کہنا سیکھا اُس کی پیاری آواز ادھورے لفظوں میں اُس کی ماں کے کان میں پہنچنے لگی۔ آنسوؤں سے اپنی ماں کی آتش محبت کو بھڑکانے کے قابل ہوا۔ پھر مکتب سے اُس کو سروکار پڑا۔ رات کو اپنی ماں کے سامنے دن کا پڑھا ہوا سبق غمزدہ دل سے سُنانے لگا۔ اور جبکہ وہ تاروں کی چھاؤں میں اُٹھ کر ہاتھ مُنہ دھو کر اپنے ماں باپ کے ساتھ صبح کی نماز میں کھڑا ہونے لگا۔ اور اپنے بے گناہ دل بے گناہ زبان سے بے ریا خیال سے خدا کا نام پکارنے لگا تو اُمید کی خوشیاں اور کس قدر زیادہ ہو گئیں۔ اُس کے ماں باپ اُس معصوم سینہ سے سچی ہمدردی دیکھ کر کتنے خوش ہوتے ہیں۔ اے ہماری پیاری اُمید تو ہی ہے جو مہد سے لحد تک ہمارے ساتھ رہتی ہے ٭

دیکھو وہ بڈھا آنکھوں سے اندھا اپنے گھر میں بیٹھا روتا ہے۔ اُس کا پیارا بیٹا بھیڑوں کے ریوڑ میں سے غایب ہو گیا ہے۔ وہ اُس کو ڈھونڈتا ہے پر وہ نہیں ملتا۔ مایوس ہے پر اُمید نہیں ٹوٹی۔ لہو بھرا دانتوں پھٹا کرتا دیکھتا ہے پر ملنے سے نا اُمید نہیں۔ فاقوں سے خشک ہے۔ غم سے زار نزار ہے۔ روتے روتے آنکھیں سفید ہو گئی ہیں۔ کوئی خوشی اُس کے ساتھ نہیں ہے مگر صرف ایک اُمید ہے جس نے اُس کو وصل کی اُمید میں زندہ اور اُس خیال میں خوش رکھا ہے ٭

دیکھو وہ بے گناہ قیدی اندھیرے کنوئیں میں سات تہ خانوں میں بند ہے۔ اُس کا سورج کا سا چمکنے والا چہرہ زرد ہے۔ بے یار و دیار غیر قوم غیر مذہب کے لوگوں کے ہاتھ میں قید ہے بڈھے باپ کا غم اُس کی روح کو صدمہ پہنچاتا ہے۔ عزیز بھائی کی جدائی اُس کے دل کو غمگین رکھتی ہے۔ قیدخانہ کی مصیبت اُس کی تنہائی اُس گھر کا اندھیرا اور اُس پر اپنی بیگناہی کا خیال اُس کو نہایت ہی رنجیدہ رکھتا ہے۔ اُس وقت کوئی اُس کا ساتھی نہیں ہے۔ مگر اپنے ہمیشہ ساتھ رہنے والی اُمید۔ تجھی میں اُس کی خوشی ہے ٭

وہ دلاور سپاہی لڑائی کے میدان میں کھڑا ہے۔ کوچ پر کوچ کرتے کرتے تھک گیا ہے

نہیں دیا۔ تو ہی نے اُس موت میں پھنسے دل کو مرنے نہیں دیا۔ تو ہی نے اُس کو اُس ذلّت سے نکالا۔ اور پھر اُس کو اُسی اعلیٰ درجہ پر پہنچایا جہاں کہ فرشتوں نے اُس کو سجدہ کیا تھا ٭

اُس نیک نبی کو جس نے سینکڑوں برس اپنی قوم کے ہاتھ سے مصیبت اُٹھائی اور مار پیٹ سہی۔ تیرا ہی خوبصورت چہرہ تسلی دینے والا تھا۔ وہ پہلا ناخدا جبکہ طوفان کی موجوں میں بہا جاتا تھا اور بجز مایوسی کے اور کچھ نظر نہیں آتا تھا تو تو ہی اُس طوفان میں اُس کی کشتی کھینے والی اور اُس کا بیڑا پار لگانے والی تھی۔ تیرے ہی نام سے جودی پہاڑ کی مبارک چوٹی کو عزّت ہے ٭ زیتون کی ہری ٹہنی کو جو وفادار کبوتر کی چونچ میں وصل کے پیغام کی طرح پہنچی جو کچھ برکت ہے تیری ہی بدولت ہے ٭

اے آسمانوں کی روشنی۔ اور اے نا اُمید دلوں کی تسلی اُمید۔ تیرے ہی شاداب اور سرسبز باغ سے ہر ایک محنت کا پھل ملتا ہے۔ تیرے ہی پاس ہر درد کی دوا ہے۔ تجھی سے ہر ایک رنج میں آسودگی ہے۔ عقل کے ویران جنگلوں میں بھٹکتے بھٹکتے تھکا ہوا مسافر تیرے ہی گھنے باغ کے سرسبز درختوں کے سایہ کو ڈھونڈتا ہے۔ وہاں کی ٹھنڈی ہوا خوش الحان جانوروں کے راگ بہتی نہروں کی لہریں اُس کے دل کو راحت دیتی ہیں۔ اُس کے مرے ہوئے خیالات کو پھر زندہ کرتی ہیں۔ تمام فکریں دل سے دور ہوتی ہیں۔ اور دور دراز زمانہ کی خیالی خوشیاں سب آموجود ہوتی ہیں ٭

دیکھ نادان بے بس بچہ گہوارہ میں سوتا ہے اُس کی مصیبت زدہ ماں اپنے دھندے میں لگی ہوئی ہے اور اُس گہوارہ کی ڈوری بھی ہلاتی جاتی ہے۔ ہاتھ کام میں اور دل بچے میں ہے اور زبان سے اُس کو یوں لوری دیتی ہے۔ سورہ میرے بچے سورہ۔ اے اپنے باپ کی صورت اور میرے دل کی ٹھنڈک سورہ۔ اے میرے دل کی کونپل سورہ۔ بڑھ اور پھل پھول۔ تجھ پر کبھی خزاں نہ آنے پاوے۔ تیری ٹہنی میں کوئی خار کبھی نہ پھوٹے۔ کوئی کٹھن گھڑی تجھ کو نہ آوے۔ کوئی مصیبت جو تیرے ماں باپ نے بھگتی تو نہ دیکھے۔ سورہ میرے بچے سورہ۔ میری آنکھوں کے نور اور میرے دل کے سرور میرے بچے سورہ۔ تیرا مکھڑا چاند سے بھی زیادہ روشن ہوگا۔ تیری خصلت تیرے باپ سے بھی اچھی ہوگی۔ تیری شہرت تیری لیاقت۔ تیری محبت جو تو ہم سے کریگا آخرکار ہمارے دل کو تسلی دیگی۔ تیری ہنسی ہمارے اندھیرے گھر کا اُجالا ہوگی۔ تیری پیاری پیاری باتیں ہمارے غم کو دور کریگی۔ تیری آواز ہمارے لئے خوش آیند راگنیاں ہونگی۔ سورہ میرے بچے سورہ۔ اے ہماری اُمیدوں کے پودے سورہ۔ بول جب اس دنیا میں ہم تم سے جدا ہو جاوینگے تو تم کیا کروگے۔ تم ہماری بے جان لاش پاس کھڑے

گھڑی آسان ہوتی ہے ٭

اُس وقت اُس زرد چہرے اور آہستہ آہستہ ہلتے ہوئے ہونٹوں اور بے خیال بند ہوتی ہوئی آنکھوں اور غفلت کے دریا میں ڈوبتے ہوئے دل کو تیری یادگاری ہوتی ہے۔ تیرا نورانی چہرہ دکھائی دیتا ہے۔ تیری صدا رکان میں آتی ہے اور ایک نئی روح اور تازہ خوشی حاصل ہوتی ہے اور ایک نئی لازوال زندگی کی جس میں ایک ہمیشہ رہنے والی خوشی ہوگی اُمید ہوتی ہے ٭

یہ تکلیف کا وقت تیرے سبب سے ہمارے لئے موسم بہار کی آمد آمد کا زمانہ ہو جاتا ہے اُس لازوال آنے والی خوشی کی اُمید تمام دنیاوی رنجوں اور جسمانی تکلیفوں کو بھلا دیتی ہے۔ اور غم کی شام کو خوشی کی صبح سے بدل دیتی ہے۔ گو کہ موت ہر دم جتاتی ہے کہ مرنا بہت خوفناک چیز ہے ٭

اور ہماری آنکھوں سے چھپی ہوئی دوسری دنیا جس میں ہم کو ہمیشہ رہنا ہے۔ جہاں سورج کی کرن اور زمانہ کی لہر بھی نہیں پہنچی۔ تیری راہ تین چیزوں سے طے ہوتی ہے۔ ایمان کے توشہ اور اُمید کے ہادی اور موت کی سواری سے مگر ان سب میں جس کو سب سے زیادہ قوت ہے وہ ایمان کی خوبصورت بیٹی ہے جس کا پیارا نام "اُمید" ہے ٭

لوگ کہتے ہیں کہ بے یقینوں کو موت کی کٹھن گھڑی میں کچھ اُمید نہیں ہوتی۔ مگر میں دیکھتا ہوں کہ تیری بادشاہت وہاں بھی ہے۔ قیامت پر یقین نہ کرنے والا سمجھتا ہے کہ تمام زندگی کی تکلیفوں کا اب خاتمہ ہے اور پھر کسی تکلیف کے ہونے کی توقع نہیں ہے۔ وہ اپنے اُس بے تکلیف آنے والے زمانہ کی اُمید میں نہایت بردباری سے اور رنجوں کے زمانہ کے اخیر ہونے کی خوشی میں نہایت بشاشت سے یہ شعر پڑھتا ہوا جان دیتا ہے ٭ ؎

بقدر ہر سکوں راحت بود بنگر تفاوت را
دویدن رفتن استادن نشستن خفتن و مُردن

حُبِّ ایمانی

اور

حُبِّ انسانی

کسی شخص کا قول ہے کہ محبت کسی حیثیت سے ہو ایک ایسی چیز ہے کہ محبوب کی دوستی دل میں بٹھا دیتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ کافروں سے دوستی و محبت کسی وجہ سے کیوں نہ ہو ممنوع ہے۔

ہزاروں خطرے درپیش ہیں مگر سب میں تقویت تجھی سے ہے۔ لڑائی کے میدان میں جبکہ بہادروں کی صفیں کی صفیں چُپ چاپ کھڑی ہوتی ہیں اور لڑائی کا میدان ایک سُن سان کا عالم ہوتا ہے دلوں میں عجیب قسم کی خوف ملی ہوئی جُرأت ہوتی ہے۔ اور جبکہ لڑائی کا وقت آتا ہے اور لڑائی کے بگل کی آواز بہادر سپاہی کے کان میں پہنچتی ہے اور وہ آنکھ اُٹھا کر نہایت بہادری سے بالکل بے خوف ہو کر لڑائی کے میدان کو دیکھتا ہے۔ اور جبکہ بجلی سی چمکنے والی تلواریں اور سنگینیں اُس کی نظر کے سامنے ہوتی ہیں اور بادل کی سی کڑکنے والی اور آتشین پہاڑ کی سی آگ برسانے والی توپوں کی آواز سُنتا ہے۔ اور جبکہ اپنے ساتھی کو خون میں لتھڑا ہوا زمین پر پڑا ہوا دیکھتا ہے تو اے بہادروں کی قوت بازو۔ او راے بہادری کی ماں۔ تیرے ہی سبب سے فتحمندی کا خیال اُن کے دلوں کو تقویت دیتا ہے۔ اُن کا کان نقارہ میں سے تیرے ہی نغمہ کی آواز سُنتا ہے ؂

وہ قومی بھلائی کا پیاسا اپنی قوم کی بھلائی کی فکر کرتا ہے۔ دن رات اپنے دل کو جلاتا ہے ہر وقت بھلائی کی تدبیریں ڈھونڈتا ہے۔ اُن کی تلاش میں دور دراز کا سفر اختیار کرتا ہے یگانوں بیگانوں سے ملتا ہے۔ ہر ایک کی بول چال میں اپنا مطلب ڈھونڈتا ہے۔ مشکل کے وقت ایک بڑی مایوسی سے مدد مانگتا ہے۔ جن کی بھلائی چاہتا ہے اُنہیں کو دشمن پاتا ہے۔ شہری وحشی بتاتے ہیں۔ دوست آشنا دیوانہ کہتے ہیں۔ عالم فاضل کفر کے فتووں کا ڈر دکھاتے ہیں۔ بھائی بند عزیز اقارب سمجھاتے ہیں اور پھر یہ شعر پڑھ کر چُپ ہو رہتے ہیں ؂

وہ بھلا کس کی بات مانے ہیں

بھائی سیّد تو کچھ دیوانے ہیں

ساتھی ساتھ دیتے ہیں مگر ہاں ہاں کر کر محنت اور دلسوزی سے دور رہ کر۔ بہت سی ہمدردی کرتے ہیں۔ پر کوٹھی کٹھلے سے الگ کر کر۔ دل ہر وقت بیقرار ہے۔ کسی کو اپنا سا نہیں پاتا۔ کسی پر دل نہیں ٹھہرتا۔ مگر اے بیقرار دلوں کی راحت اور اے شکستہ خاطروں کی تقویت۔ تو ہی ہر دم ہمارے ساتھ ہے تو ہی ہمارے دل کی تسلی ہے تو ہی ہماری کٹھن منزلوں کی ساتھی ہے تیری ہی تقویت سے ہم اپنی منزل مقصود تک پہنچینگے۔ تیرے ہی سبب گوہر مراد کو پاوینگے اور ہمارے دل کی عزیز اور ہمارے پیارے سے مہدی کی پیاری "اُمید" تو ہمیشہ ہماری دل کی تسلی رہ ؂

اے ہمیشہ زندہ رہنے والی اُمید۔ جبکہ زندگی کا چراغ ٹمٹماتا ہے اور دنیاوی حیات کا آفتاب لب بام ہوتا ہے۔ ہاتھ پاؤں میں گرمی نہیں رہتی۔ رنگ فق ہو جاتا ہے۔ مُنہ پر مردنی چھائی ہے۔ ہوا ہوا میں۔ پانی پانی میں۔ مٹی مٹی میں ملنے کو ہوتی ہے تو تیرے ہی سہارے سے وہ کٹھن

اس سوال کا وہ نہایت ناراض ہوکر اور لال مُنہ کر کر غصہ بھری آواز سے جواب دیتا ہے کہ میاں وہ بزرگان دین تھے۔ خدا کے ہاں اُن کا بڑا درجہ ہے۔ وہ دینداری میں یگانۂ وقت تھے۔ خدا پرستی اور زہد و تقویٰ و عبادت میں یگانہ تھے۔ ایمان کامل اُن کو نصیب تھا۔ دین میں سب کے سردار تھے اس لئے اُن سے محبت رکھتے ہیں ✢

اب میں بتاتا ہوں کہ یہی پچھلی محبت۔ محبت من حیث الدّین ہے۔ جس کو میں حبِّ ایمانی کہتا ہوں۔ اور یہی محبت غیر مذہب سے رکھنی شرعاً ممنوع اور حرام بلکہ کفر ہے اور پہلی محبت جس کو میں حبِ انسانی کہتا ہوں شرعاً ممنوع نہیں اور دونوں قسم کی محبت میں بالبداہت تفرقہ و تمیز موجود ہے کہ ایک قسم کی محبت اُن اسباب ظاہری کی باعث تھی جو بمقتضائے فطرت انسانی ایک کو دوسرے کے ساتھ پیدا ہو جاتے ہیں اور دوسری قسم کی محبت باوجود معدوم ہونے اُن تمام اسباب ظاہری کے صرف من حیث الدّین تھی۔ اب کون شخص ہے جو ان دونوں قسموں کی محبت میں تمیز نہیں کر سکتا ✢

پس جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ غیر مذہب والوں سے سچی دوستی اور دلی محبت کرنا ممنوع ہے یہ اُن کی محض غلطی ہے۔ جو چیز کہ خدا تعالےٰ نے انسان کی فطرت میں بنائی ہے وہ برحق اور بالکل سچ ہے۔ ہم کو تمام دوستوں سے گو وہ کسی مذہب کے ہوں سچی دوستی اور دلی محبت رکھنی اور برتنی چاہیئے۔ مگر وہ تمام محبت اور دوستی حبّ انسانی کے درجہ پر ہو نہ حبِ ایمانی کے کیونکہ حبِ ایمانی بلا اتحاد مذہب بلکہ بلا اتحاد مشرب ہونی غیر ممکن ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ یہی ہدایت ہم کو ہمارے سچے مذہب اسلام نے کی ہے وللہ درّ من قال ✢

ما قصۂ سکندر و دارا نخواندہ ایم
از ما بجز حکایتِ مہر و وفا مپرس ✢

سولزیشن یا تہذیب

ہم دریافت کیا چاہتے ہیں کہ سولزیشن کیا چیز ہے۔ اور کن کن چیزوں سے علاقہ رکھتی ہے؟ کیا یہ کوئی بنائی ہوئی چیز ہے؟ یا قدرت نے انسان کی فطرت میں اس کو پیدا کیا ہے۔ اس کے معنی کیا ہیں؟ کیا یہ کوئی اصطلاح ہے جس کو لوگوں نے یا فیلسوفوں نے مقرر کیا ہے؟ یا یہ ایسی چیز ہے کہ اس کا مفہوم۔ اور جن جن چیزوں سے اس کا تعلق ہے۔ قانون قدرت میں پایا جاتا ہے۔ اس امر کے تصفیہ کے لئے انسان کے حالات پر ہم کو نظر کرنی چاہیئے۔ اگر تہذیب انسان میں ایک فطرتی چیز ہے تو وحشیوں میں۔ شہر والوں میں۔ سب میں اس کا نشان پایا جاوے گا۔ گو اس کی صورتیں مختلف

پس سید احمد خاں جو یہ بات کہتے ہیں کہ مذہب اسلام کی رو سے کافروں سے صرف وہی دوستی ممنوع ہے جو من حیث الدین ہو اور اس کے سوا کسی کی دوستی اور سچی محبت جو ایک انسان کو دوسرے انسان سے ہو سکتی ہے کافروں سے کرنی شرعاً ممنوع نہیں تو ہم نہیں سمجھ سکتے کہ دوستی و محبت میں ان دونوں حیثیتوں کی تمیز ہم کیونکر کر سکتے ہیں *

مگر ایسا کہنا اور ایک بدیہی امر میں تمیز نہ کرنا کافی طور پر غور نہ کرنے کا نتیجہ ہے۔ ان دونوں حیثیتوں سے جو محبت اور دوستی انسانوں میں ہوتی ہے وہ ایسی بدیہی ہے کہ ہر شخص اعلےٰ وادنےٰ عالم و جاہل اس میں تمیز کرتا ہے *

فرض کرو کہ کوئی شخص کسی سے محبت رکھتا ہے ہم اُس سے سوال کرتے ہیں کہ تم اُس سے کیوں محبت رکھتے ہو وہ اس کا جواب دیتا ہے کہ وہ میرا بڑا محسن ہے۔ اُس نے بڑے مشکل مشکل وقتوں میں مجھ پر احسان کئے ہیں۔ تنگی کے وقت روپیہ سے مدد کی ہے۔ بیماری کی حالت میں میری تیمارداری کی ہے۔ دوا دارو علاج معالجہ میں بڑی کوشش کی ہے *

یا وہ اس کا یوں جواب دیتا ہے کہ ہم اور وہ مدت تک ساتھ رہے ہیں۔ دن رات آپس میں اُٹھنا بیٹھنا کھانا پینا ساتھ رہا ہے۔ روز روز کی ملاقات۔ بات چیت۔ ہنسی۔ مذاق۔ دل لگی۔ مزاج کی باہمی موافقت کے سبب آپس میں دوستی و محبت ہو گئی ہے *

یا وہ یہ کہتا ہے کہ جس فن کا مجھ کو شوق ہے اُس فن کا اُس کو بدرجہ غایت کمال ہے۔ اُس فن کے کمال کے سبب جس کا مجھ کو شوق ہے اُس شخص سے دلی محبت اور جانی دوستی ہو گئی ہے *

یا اُس کا سبب وہ یہ بتلاتا ہے کہ وہ شخص نہایت خوبصورت ہے۔ اُس کے حسن و جمال نے میرے دل میں اُس کی محبت بلکہ اُس کا عشق پیدا کر دیا ہے *

پھر ہم اُس سے دوسرا سوال کرتے ہیں اور کسی بزرگ کا بزرگان دین میں سے نام لیتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ تم اُن بزرگ سے بھی محبت رکھتے ہو وہ ضرور جواب دیتا ہے کہ ہاں کیوں نہیں *

تب ہم اُس سے کہتے ہیں کہ وہ بزرگ تو تم سے کئی سو برس پہلے گذر چکے ہیں۔ اُنھوں نے کوئی تم پر احسان نہیں کیا کسی مشکل کے وقت میں تمہارے کام نہیں آئے۔ کبھی تنگی کے وقت میں تم کو کچھ نہیں دیا۔ کبھی تمہاری تیمارداری نہیں کی۔ کبھی تمہاری دوا اور علاج معالجہ میں کوشش نہیں کی۔ کبھی وہ اور تم ساتھ نہیں رہے نہ کبھی ساتھ اُٹھے بیٹھے نہ کبھی آپس میں ملاقات بات چیت ہوئی نہ کبھی ہنسی مذاق ہوا۔ نہ باہم مزاجی موافقت ہوئی۔ جس فن کا تم کو شوق ہے وہ اُس کا نام بھی نہیں جانتے تھے نہ تم نے اُن کو دیکھا کہ اُن کے حسن و جمال نے تم کو فریفتہ کیا ہو۔ پھر کیوں تم اُن سے محبت رکھتے ہو *

ایک لفظ "ٹیسٹ" ہے جو نہایت وسیع معنوں میں مستعمل ہوتا ہے۔ ہماری زبان میں بھی اُس قسم کے لفظ ہیں۔ جیسکہ مزا یا مذاق۔ مگر وہ استعمال میں ایسے خاص ہوگئے ہیں کہ اُن سے وہ عام اور وسیع معنی خیال میں نہیں آتے۔ اس واسطے میں اُس لفظ کا ترجمہ "پسند" کرتا ہوں۔ پس پسند کا صحیح ہونا۔ جو خیال کے صحیح ہونے کی فرع ہے۔ بہت بڑا وسیلہ سولزیشن کی مختلف حالتوں کے تصفیہ کا ہے ✦

خیال کی درستی اور پسند کی صحت کثرت معلومات پر۔ اور علم طبعیات سے بخوبی ماہر ہونے پر منحصر ہے۔ انسان کی معلومات کو روز بروز ترقی ہوتی جاتی ہے۔ اور اُس کے ساتھ ساتھ سولزیشن بھی بڑھتی ہے۔ کیا عجب ہے کہ آیندہ کوئی ایسا زمانہ آوے۔ کہ انسان کی تہذیب میں ایسی ترقی ہو کہ اس زمانہ کی تہذیب کو بھی وہ لوگ ایسے ہی ٹھنڈے دل سے دیکھیں جلیسکہ ہم اپنے سے اگلوں کی تہذیب کو ایک ٹھنڈے مگر مؤدب دل سے دیکھتے ہیں ✦

تہذیب۔ یا یوں کہو کہ بُری حالت سے اچھی حالت میں لانا۔ دنیا کی تمام چیزوں سے۔ اخلاقی ہو یا مادّی۔ یکساں تعلق رکھتا ہے اور تمام انسانوں میں پایا جاتا ہے۔ تکلیف سے بچنے اور آسایش حاصل کرنے کا سب کو یکساں خیال ہے۔ ہُنر اور اُس کو ترقی دینا تمام دنیا کی قوموں میں موجود ہے۔ ایک تربیت یافتہ قوم زر و جواہر۔ یاقوت والماس سے نہایت نفیس نفیس خوبصورت زیور بناتی ہے۔ ناتربیت یافتہ قوم بھی کوڑیوں اور پوٹھوں سے اپنی آرایش کا سامان بہم پہنچاتی ہے۔ تربیت یافتہ قومیں اپنی آرایش میں سونے چاندی۔ مونگے اور موتیوں کو کام میں لاتی ہیں۔ ناتربیت یافتہ قومیں جانوروں کے خوبصورت اور رنگین پروں کو۔ تیلیوں پر سے چھیلے ہوئے سُنہری پوست۔ اور زمرد کے سے رنگ کی باریک اور خوش نما گھانس میں گوندھ کر اپنے تئیں آراستہ کرتی ہیں۔ تربیت یافتہ قوموں کو بھی اپنے لباس کی درستی کا خیال ہے۔ ناتربیت یافتہ قومیں بھی اُس کی درستی پر مصروف ہیں۔ شاہی مکانات۔ نہایت عمدہ اور عالی شان بنتے ہیں۔ اور نفیس چیزوں سے آراستہ ہوتے ہیں۔ ناتربیت یافتہ قوموں کے جھونپڑے اور اُن کے رہنے کے گھونپے درختوں پر باندھے ہوئے ٹانڈ۔ زمیں میں کھودی ہوئی کھوئیں بھی تہذیب سے خالی نہیں۔ معاشرت کی چیزیں۔ تمدّن کے قاعدے۔ عیش و عشرت کی مجلسیں۔ خاطر اور مدارات کے کام۔ اور اخلاق و محبت کی علامتیں۔ دونوں میں پائی جاتی ہیں۔ علمی خیالات سے بھی ناتربیت یافتہ قومیں خالی نہیں۔ بلکہ بعضی چیزیں اُن میں زیادہ اصلی اور قدرتی طور سے دکھائی دیتی ہیں۔ مثلاً شاعری جو ایک نہایت عمدہ فن تربیت یافتہ قوموں میں ہے۔ ناتربیت یافتہ قوموں میں عجیب عمدگی و خوبی سے پایا جاتا ہے۔ یہاں خیالی باتوں کو ادا کیا جاتا ہے اور وہاں دلی جوش اپنے

دکھائی دیتی ہوں۔ الاسب کی جڑ ایک ہی ہو گی ٭

انسان میں یہ ایک فطرتی بات ہے کہ وہ اپنے خیال کے موافق کسی چیز کو پسند کرتا ہے اور کسی کو ناپسند۔ یا یوں کہو کہ کسی چیز کو اچھا ٹھہراتا ہے اور کسی چیز کو بُرا۔ اور اُس کی طبیعت اس طرف مائل ہے کہ اُس بُری چیز کی حالت کو ایسی حالت سے تبدیل کرلے جس کو وہ اچھا سمجھتا ہے۔ یہی چیز سولزیشن کی جڑ ہے جو انسانوں کے ہر گروہ میں اور ہر ایک میں پائی جاتی ہے۔ اسی تبادلہ کا نام سولزیشن یا تہذیب ہے۔ اور کچھ شبہ نہیں کہ یہ میلان یا یہ خواہش تبادلہ انسان میں قدرتی اور فطرتی ہے ٭

سولزیشن یا تہذیب کی طرف انسان کی طبیعت کے مائل ہونے کے دو اصول ٹھہرے۔ اچھا اور بُرا۔ اور بُرے کو اچھا کرنا سولزیشن یا تہذیب ٹھہری۔ مگر اچھا اور بُرا قرار دینے کے مختلف اسباب خلقی اور خُلقی۔ مُلکی اور تمدنی ایسے ہوتے ہیں جن کے سبب اچھا اور بُرا ٹھہرانے میں۔ یا یوں کہو کہ قوموں کی سولزیشن میں اختلاف پڑ جاتا ہے۔ ایک قوم جس بات کو اچھا سمجھتی ہے اور داخل تہذیب جانتی ہے۔ دوسری قوم اُسی بات کو بہت بُرا اور وحشیانہ حرکت قرار دیتی ہے۔ یہ اختلاف سولزیشن کا قوموں کے باہم ہوتا ہے۔ اشخاص میں نہیں ہوتا۔ یا بہت ہی کم ہوتا ہے۔ جبکہ ایک گروہ انسانوں کا کسی جگہ اکٹھا ہو کر بستا ہے۔ تو اکثر اُن کی ضرورتیں اور اُن کی حاجتیں۔ اُن کی غذائیں اور اُن کی پوشاکیں۔ اُن کی معلومات اور اُن کے خیالات۔ اُن کی مسرت کی باتیں اور اُن کی نفرت کی چیزیں۔ سب یکساں ہوتی ہیں۔ اور اسی لئے بُرائی اور اچھائی کے خیالات بھی سب یکساں پیدا ہوتے ہیں۔ اور بُرائی کو اچھائی سے تبدیل کی خواہش سب میں ایک سی ہوتی ہے۔ اور یہی مجموعی خواہش تبادلہ یا مجموعی خواہش سے وہ تبادلہ اس قوم یا گروہ کی سولزیشن ہے۔ مگر جبکہ مختلف گروہیں مختلف مقامات میں بستی ہیں۔ تو اُن کی حاجتیں اور خواہشیں بھی مختلف ہوتی ہیں۔ اور اس سبب سے تہذیب کے خیالات بھی مختلف ہوتے ہیں۔ مگر ضرور کوئی ایسی چیز بھی ہو گی کہ جو سولزیشن کی ان مختلف حالتوں کا تصفیہ کر سکے ٭

مُلکی حالتیں۔ جہاں تک کہ وہ بود و باش سے تعلق رکھتی ہیں۔ نہ فکر اور خیال اور دماغ سے اُن کو تہذیب سے چنداں تعلق نہیں۔ بلکہ صرف انسان کے خیال کو اُس سے تعلق ہے جس کے سبب وہ اچھا اور بُرا ٹھہراتا ہے۔ اور جس باعث سے خواہش تبادل تحریک میں آتی ہے۔ اور وہ تبادلہ واقع ہوتا ہے جو سولزیشن کہلاتا ہے۔ پس سولزیشن کی مختلف حالتوں کا فیصلہ وہ اسباب کر سکتے ہیں جن کے سبب سے اچھے اور بُرے کا خیال دل میں بیٹھتا ہے ٭

اچھے اور بُرے کی جگہ میں اور لفظ کا استعمال کرونگا۔ یعنی پسند اور ناپسند۔ انگریزی میں

چہارم:- اس تحریک کا بڑا دشمن - جو درحقیقت سولزیشن کا بھی سخت دشمن ہے - یہ خیال ہے کہ جب تک زندگی کے امورات کی نگرانی ہر طرح پر سلطنت اور مذہب سے نہ ہو - تب تک انسان کے گروہ کی ترقی نہیں ہوسکتی - یعنی سلطنت رعایا کو یہ سکھلاوے کہ اُن کو کیا کرنا چاہئیے - اور مذہب یہ سکھلاوے کہ کس بات پر یقین کرنا چاہئیے ۔

پچھلی بات میں مسٹر بکل سے مجھ کو کسی قدر اختلاف ہے - اس میں کچھ شبہ نہیں کہ لوگوں کا یہ خیال کہ بادشاہ وقت ہم کو بتاوے کہ ہم کو کیا کیا کرنا چاہئیے - انسان کی ترقی اور تہذیب کا نہایت قوی مانع ہے اور جس قدر کہ ہندوستان میں - بلکہ تمام ایشیا میں اور ٹرکی اور ایجپٹ میں بھی ناشایستگی اور ناتہذیبی ہے - اُس کا بڑا سبب یہی خیال ہے - اور ہندوستان کے مسلمانوں کو اسی خیال نے غارت اور برباد کیا ہے - اور یہی خیال ہے جو ہندوستان کی رعایا کو عموماً اور مسلمانوں کو خصوصاً گورنمنٹ سے ناراض رکھتا ہے - پس جب تک یہ خیال نہ جاویگا - اور یہ خیال نہ آویگا کہ ہم خود سوچیں کہ ہم کو اپنے لئے کیا کرنا چاہئیے - اُس وقت تک ہندوستان کے مسلمانوں کو نہ دولت ہوگی نہ حشمت - نہ عزت ہوگی نہ منزلت - اور نہ تہذیب ہوگی اور نہ شایستگی - مگر دوسرا جملہ جو مذہب سے متعلق ہے وہ کسی قدر صحیح ہے اور کسی قدر غلط - یعنی غلط مذہب بلاشبہ تہذیب کا بڑا مانع ہے - اور اگر سچے مذہب میں غلط خیالات اور بیجا تعصبات اور مسائل اجتہادیہ اور عقاید قیاسیہ اس طرح پر مل جاویں کہ عملاً اور اعتقاداً اصلی احکام مذہبی میں اور اُن میں کچھ تفرقہ و تمیز نہ رہے - جیسکہ مذہب اسلام کی موجودہ حالت ہے اور جو تقلید کی تاریکی میں آنکھوں سے بالکل چھپ گیا ہے - تو بلاشبہ وہ بھی انسان کی ترقی اور تہذیب کا مثل مذہب غلط کے مانع قوی ہے - اِلّا سچا مذہب - جیساکہ ٹھیٹ مذہب اسلام ہے وہ کبھی حاجح ترقئے انسان نہیں ہوسکتا - کیونکہ اُس مذہب کے احکام اور تہذیب و شایستگی کے کام دونوں متحد ہوتے ہیں ۔

والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ

اور اندرونی جذبوں کا اظہار ہوتا ہے۔ موسیقی نے تربیت یافتہ قوموں میں نہایت ترقی پائی ہے۔ مگر ناتربیت یافتہ قوموں میں بھی عجیب کیفیت دکھائی ہے۔ ان کی ادا اور آواز کی پھرت اُس کا گھٹاؤ اور اُس کا بڑھاؤ۔ اُس کا ٹھہراؤ اور اُس کی اونچ۔ ہاتھوں کا بھاؤ اور پاؤں کی دھمک۔ زیادہ تر مصنوعی قواعد کی پابند ہے مگر ناتربیت یافتہ قوموں میں یہ سب چیزیں دلی جوش کی موجیں ہیں۔ وہ لے اور تال۔ راگ ورا گنی کو نہیں جانتے۔ مگر دل کی لہر اُن کی لے۔ اور دل کی پھڑک اُن کا تال ہے۔ اُن کا غول باندھ کر کھڑا ہونا۔ طبعی حرکت کے ساتھ اُچھلنا دل کی بیتابی سے جھکنا اور پھر جوش میں آکر سیدھا ہو جانا۔ گو نزاکت اور فن ضیاگری سے خالی ہو۔ مگر قدرتی جذبوں کی ضرور تصویر ہے۔ دلی جذبوں کا روکنا اور اُن کو عمدہ حالت میں رکھنا۔ تمام قوموں کے خیالات میں شامل ہے۔ پس جس طرح کہ ہم تہذیب کا قدرتی لگاؤ تمام انسانوں میں پاتے ہیں اسی طرح اُس کا تعلق عقلی اور مادی سب چیزوں میں دیکھتے ہیں۔ جس چیز میں کہ ترقی یعنی بُرائی سے اچھائی کی طرف رجوع۔ یا ادنےٰ درجہ سے اعلےٰ درجہ کی طرف تحریک ہو سکتی ہے۔ اُسی سے تہذیب بھی متعلق ہے۔ پس سولزیشن یا تہذیب کیا ہے؟ انسان کے افعال ارادی اور جذبات نفسانی کو اعتدال پر رکھنا۔ وقت کو عزیز سمجھنا۔ واقعات کے اسباب کو ڈھونڈنا اور اُن کو ایک سلسلہ میں لانا۔ اخلاق اور معاملات اور معاشرت اور طریق تمدن اور علوم و فنون کو بقدر امکان قدرتی خوبی اور فطرتی عمدگی پر پہنچانا۔ اور اُن سب کو خوش اسلوبی سے برتنا۔ اور اُس کا نتیجہ کیا ہے۔ روحانی خوشی اور جسمانی خوبی۔ اور اصلی تمکین۔ اور حقیقی وقار۔ اور خود اپنی عزت کی عزت۔ اور درحقیقت یہی پچھلی ایک بات ہے جس سے وحشیانہ پن اور انسانیت میں تمیز ہوتی ہے*

اس تہذیب کے حاصل ہونے کے بقول مسٹر ایچ۔ ٹی۔ بکل صاحب چار اصول ہیں*

اوّل ''جو چیزیں ہم کو دکھائی دیتی ہیں اور جن کا سبب ہم کو معلوم نہیں ہوتا۔ اُن کے سببوں اور فائدوں کو دریافت کرنا۔ اور اُن کے علوم کو پھیلانا۔ پس جس قدر کامیابی اس میں ہوگی اُسی قدر انسان کی ترقی ہوگی''

دوم ''اس تحقیقات سے پہلے تجسّس کا خیال پیدا ہونا چاہئے۔ جس سے ابتدا میں تحقیقات کو مدد ملتی ہے اور بعد کو تحقیقات سے اُس کی استعانت ہوتی ہے''

سوم ''جو باتیں اس طرح پر دریافت ہوتی ہیں وہ عقلی باتوں کے اثر کو زیادہ کرتی ہیں اور اخلاق کی باتوں کو کسی قدر کم۔ مگر اخلاق کی باتیں بہ نسبت عقلی باتوں کے زیادہ مستقل ہیں۔ اور اُن میں کمی بیشی بہت کم ہوتی ہے''

جو صحیح اور غلط یا سچی اور جھوٹی کانشنس میں تمیز کرتی ہے ؛

یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہر ایک انسان فی نفسہ ایک جداگانہ مخلوق ہے۔ اور ہر ایک کا پیغمبر یعنی اُس کا کانشنس خود اُس کے ساتھ ہے۔ اور اس لئے مجموعی اتحاد کانشنس کی کچھ ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ ہر ایک کو اپنے پیغمبر کی ہدایت پر چلنا چاہیئے۔ تو یہ کہنا بھی درست نہ ہوگا۔ کیونکہ ابھی تک یہ ثابت نہیں ہوا ہے کہ کانشنس بس درحقیقت ایک جداگانہ مخلوق قوت۔ انسان کی رہنمائی کے لئے ہے۔ بلکہ ابھی تک جو معلوم ہوا ہے وہ یہ ہے کہ وہ طبیعت کی ایک حالت ہے۔ اور اگر یہ بات ہے تو بقول مسٹر بکل کے "بحث ختم ہوگئی"؛

علاوہ اس کے۔ جبکہ ہر ایک کا کانشنس اُس کا رہنما پیغمبر ٹھہرا۔ اور ایک دوسرے کے کانشنس میں اختلاف و تناقض کا وجود بالیقین پایا گیا۔ تو اُن دونوں کا صحیح ہونا بھی۔ جو ایک دوسرے کی نقیض ہیں۔ ضرور ماننا پڑیگا۔ شاید اُن کا تناقض نسبت یا حیثیت کی مدد سے رفع کیا جاویگا۔ اور یوں کہا جاویگا کہ رام دین کا مہادیو کی مورت کو پوجنا اس لئے نیک ہے کہ اُس کا کانشنس اُس کو نیک بتاتا ہے۔ اور محمود غزنوی کا سومنات کے بُت کو توڑنا اِس لئے نیک ہے کہ اس کا کانشنس اُس کو نیک بتاتا ہے۔ تو اُس کے یہ معنی ہونگے کہ دنیا میں درحقیقت نیک و بد کوئی چیز نہیں ہے۔ بلکہ صرف خیال ہی خیال ہے۔ کوئی اہل مذہب تو یہودی ہو یا عیسائی مسلمان ہو یا ہندو۔ بدھست ہو یا برہمو۔ اِس بات کو تسلیم نہیں کرنے کا۔ باقی رہا دہریہ۔ وہ بھی اِس کو قبول نہیں کر سکتا۔ کیونکہ بالفرض اگر ثواب و عقاب ایک شئے معدوم ہو تو بھی خود دہریہ اس دنیا میں ہم کو وہ باتیں بتاتا ہے جو کرنے اور نہ کرنے کے قابل ہیں۔ اور اُنہی کو ہم دوسرے لفظوں میں نیک و بد سے۔ یا ممنوع و جائز سے تعبیر کرتے ہیں ؛

قطع نظر اِس کے۔ اگر ایک شخص کا کانشنس ہمیشہ ایک ہی حالت پر رہتا تو بھی یقین ہو سکتا کہ اُس کا پیغمبر اُس میں ہے۔ مگر وہ ایک حالت پر بھی نہیں رہتا۔ عمر کے لحاظ سے۔ تجربہ کی ترقی سے۔ صحت کے اثر سے۔ معلومات کے بڑھنے سے۔ خیالات کے تبدیل ہونے سے بالکل بدلتا رہتا ہے مسلمان کا عیسائی ہونے پر۔ عیسائی کا مسلمان ہونے پر۔ ہندو۔ مسلمان۔ عیسائی کا برہمو ہونے پر۔ برہمو کا دہریہ ہونے پر کانشنس بالکل بدل جاتا ہے۔ اور وہ پہلے کو جس کی سچائی پر یقین کامل رکھتا تھا۔ بالکل غلط اور جھوٹا سمجھتا ہے۔ پس یہ صاف دلیل اِس بات کی ہے کہ انسان کا کانشنس اُس کا پیغمبر اور سچا رہنما نہیں ہو سکتا۔ بقول مسٹر بکل صاحب کے کہ "اگر بعض باتوں میں کانشنس ہم کو دھوکہ دیتا ہے۔ تو کیونکر یقین ہو سکتا ہے کہ اور باتوں میں دھوکہ نہ دیگا۔ پس صحیح اور غلط کانشنس میں تمیز کرنے کو دوسری کسی چیز کا ہونا لازم و ضرور ہے۔ یا اس مطلب کو یوں ادا کرو۔

کانشنس لیں یعنی وہ قوت ممیزہ جو خدا نے ہر ایک انسان کے دل میں پیدا کی ہے۔ اور جو نیک اور بد کاموں میں تمیز کرتی ہے انسان کے لئے سچی ہادی اور اصلی پیغمبر ہے

یہ مسئلہ وہ ہے جس پر اس زمانہ کے آزاد منش اور انسان کو مختار اپنے افعال کا ماننے والے اپنے مذہب یا مشرب کا اصل اصول قرار دیتے ہیں۔ مگر درحقیقت یہ مسئلہ ایک بہت بڑا دھوکا ہے۔ کیا کانشنس لِس کوئی ایک جُدا قوت ہے جو انسان میں جُداگانہ اُس کی ہدایت کے لئے خدا نے پیدا کی ہے۔ حالانکہ اس کا کچھ ثبوت نہیں۔ اور اگر فرض بھی کرلیں۔ تو اُس سے کوئی نتیجہ سچی ہدایت اور اصلی رہنمائی کا نہیں۔ کانشنس نہایت عمدہ چیز ہے۔ اور انسان کو بُرائی سے بچانے اور بھلائی کی طرف راغب کرنے کو بہت اچھا رہنما ہے۔ مگر درحقیقت وہ ایک حالت انسان کی طبیعت کی ہے اور اُس کی تربیت کا ایک نتیجہ ہے۔ پس فی نفسہٖ وہ کوئی چیز نہیں۔ بلکہ تربیت سے یا خیالات سے جو کیفیت انسان کی طبیعت میں پیدا ہوتی ہے اُس کا یہ نام ہے۔

اگر فی الواقع وہ ایک قوت رہنمائی کے لئے بمنزلہ ایک پیغمبر کے انسان میں ہو۔ تو ضرور ہے کہ وہ تمام انسانوں کے لئے یکساں رہنما ہو۔ یعنی جس بات کو ایک انسان نیک سمجھے اُسی کو تمام انسان نیک سمجھیں۔ اور جس بات کو ایک انسان بد جانے وہ سب انسانوں کے نزدیک بد ہو مگر کانشنس انسانوں کو مختلف بلکہ متضاد۔ بلکہ نقیض باتوں کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ اور وہ دونوں سچی ہدایتیں نہیں ہوسکتیں۔

اس شُبہ کی نسبت کہ اِن متناقض کانشنسوں میں سے ایک غلط اور صرف دھوکا ہوگا۔ ہنری طامس بکل نے نہایت عمدہ بات کہی ہے کہ ایسی حالت میں "ہم پوچھینگے کہ وہ کونسی چیز ہے

جو اخلاق یا مذہب کہ اُسی مخرج سے نہیں ہے جو اُن کا بانی ہے اُس کی صحت ہمیشہ مشتبہ ہے
اور طبیعت کی جو حالت اُس سے ہو اُس پر کبھی دھوکہ نہ دینے کا یقین نہیں۔ کسی کا یہ کہنا کہ میں جو
اخلاق یا مذہب سکھاتا ہوں وہ اُسی مخرج سے ہیں جو اُن کا بانی ہے۔ بغیر کسی ثبوت کے یقین
کے قابل نہیں۔ کسی ایسی بات کا کر دکھانا۔ بشرطیکہ درحقیقت کر دکھائی بھی ہو جو اُس وقت کے
یا اُس وقت کے موجودہ گروہ کی سمجھ سے باہر ہو۔ اُس کے ثبوت کی دلیل نہیں۔ بہت سی چیزیں
ہم کو لوگ دکھا سکتے ہیں جو ہماری سمجھ سے باہر ہیں۔ حالانکہ وہ دکھانے والے خود قایل ہیں کہ اُن میں
کچھ کرامات نہیں۔ پس اُن اخلاق یا مذہب کا مخرج ایسی جگہ سے ہونا چاہیئے جس کے بانی کی
طرف سے ہونے میں کچھ شبہ نہ ہو۔ اور وہ چیز بجز فطرت اللہ اور قانون قدرت کے اور کوئی چیز
نہیں ہے۔ جس کو سب سچ اور بالاتفاق اُسی کا کہتے ہیں۔ اُس کے قانون قدرت ایسے سچے
ہیں جن میں ذرا اختلاف نہیں۔ وہ ایسے مستحکم ہیں جن میں ذرا انقلاب نہیں۔ وہ چھوٹے سے پشہ
میں بھی ایسے ہی مستحکم ہیں جیسے بڑے سے بڑے پہاڑ میں ہیں۔ پس یہی ایک مخرج ہے جس سے
ہم اپنے لیں ایسے اخلاق پیدا کر سکتے ہیں جن سے ہمارا کانشنس یعنی ہماری طبیعت کی حالت ایسی
ہو جاوے جو ہم کو کبھی دھوکہ نہ دے ۔

فکر اور خیال جو ہم میں پیدا کیا گیا ہے۔ جب اُس کو غیر مادی چیزوں سے متعلق کیا جاوے
تو اُس کے تعلق کے لئے بجز قانون قدرت یا فطرت اللہ کے اور کوئی چیز ہے ہی نہیں۔ اور
اُس سے ثابت ہوتا ہے کہ اُس کے بانی کا مقصود یہی ہے کہ اُس کی فطرت اور اُس کے قانونِ
قدرت پر غور اور فکر کی جاوے۔ اور جبکہ تمام چیزیں جو کچھ پیدا ہوئی ہیں۔ مادی ہوں یا غیر مادی
اُس کے قانون قدرت کے ماتحت ہیں تو انسان اور اس کی طبیعت اور اُس کی اُس غیر مادی
صفت کی ترقی جس کا نام ہم نے اخلاق یا مذہب رکھا ہے۔ سب کے سب اُس قانون قدرت
میں داخل ہیں۔ پس انسان صحیح اخلاق اُسی قانون قدرت میں تلاش کر سکتا ہے جو انسان کیلئے
اُس کے بانی نے اُس قانون قدرت میں رکھے ہیں۔ اور اُنہی اخلاق سے انسان کی طبیعت کی
جو حالت ہو وُہی ایسی حالت ہے جو ہم کو دھوکہ نہ دے ۔

انسان کی طبیعت کو ایسی حالت پر کرنے کے لئے جو کبھی دھوکہ نہ دے ہادی کا ہونا ضرور ہے جس کو ہم دوسری زبان میں نبی یا پیغمبر یا رسول کہتے ہیں

ہاں یہ سچ ہے کہ پاتے ہیں ارت پر غور اور فکر کرنے سے وہ صحیح اخلاق جو انسان کی طبیعت کو

کہ ہمارے لئے کسی ایسی دوسری چیز کا ہونا ضرور ہے جس کے سبب ہمارا کانشنس یعنی ہماری طبیعت کی حالت ایسی ہو جاوے کہ ہماری سچی رہنما اور بمنزلہ سچے پیغمبر کے ہو ٭

اس بیان سے جو ظاہرا بالکل سیدھا اور صاف ہے۔ اور کج و پیچ اُس میں کچھ نہیں ہے اتنی بات ثابت ہوتی ہے کہ کانشنس فی نفسہٖ کوئی چیز نہیں ہے۔ اور نہ وہ ابتداءً کسی مذہب کا اصل اصول قرار پانے کے لائق ہے۔ اور نہ وہ فی حد ذاتہٖ رہنما ہونے کے مستحق ہے۔ ہاں بلا شبہ جبکہ سچے اصول پر انسان کی طبیعت تربیت پا جاوے۔ یا سچے خیالات سے اُس کی طبیعت مؤثر ہو جاوے۔ اور طبیعت اُس سچائی کے مطابق حالت پیدا کرلے۔ تب وہ حالت طبیعت یعنی کانشنس انسان کا محافظ اور انسان کا رہنما ہوتا ہے۔ اور ہم ہمیشہ اپنی تحریروں میں جہاں کانشنس کا استعمال کرتے ہیں۔ اور جس کو ہم ہادی یا محافظ یا گناہوں کا بخشنا نے والا کہتے ہیں اور جس کو ہم شرعی زبان میں توبہ کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ وہاں ہماری مراد اسی کانشنس سے ہے اب ہم کو اُس چیز کی تلاش کی ضرورت پڑی ہے جس کے تابع ہمارے کانشنس کو ہونا چاہیئے۔ یا جس سے ہماری طبیعت کی ایسی حالت ہو جاوے کہ وہ ہم کو دھوکہ نہ دے ٭

ہماری طبیعت کی حالت ایسی کیونکر ہو جو ہم کو دھوکہ نہ دے

انسان کو جب ہم دیکھتے ہیں تو ظاہر میں اُس کو بھی اور حیوانوں کا سا پاتے ہیں۔ کھاتا ہے۔ سوتا ہے۔ مضر چیزوں سے بچتا ہے۔ مفید چیزوں کو بہم پہنچاتا ہے۔ اور حیوانات بھی یہی کرتے ہیں۔ مگر اُس کے ساتھ انسان میں ایک اور چیز بھی پاتے ہیں جو اور حیوانات میں نہیں ہے۔ وہ کیا ہے؟ سمجھ اور فکر۔ اور خیال اور اُس چیز کو اپنے میں پیدا کرنا جو بالفعل اُس میں نہیں ہے اور حیوانات جیسے پیدا ہوتے ہیں ویسے ہی رہتے ہیں۔ مگر انسان اپنے میں اور کچھ بھی پیدا کرسکتا ہے جو اُس کے ساتھ پیدا نہیں ہوتی تھی۔ یا یوں کہو کہ بالفعل اُس میں نہ تھی ٭

یہ ترقی یا اوصاف کی زیادتی دو چیزوں سے علاقہ رکھتی ہے۔ مادی سے اور غیر مادی سے۔ پہلی سے اس مقام پر ہم کو غرض نہیں ہے۔ دوسری سے غرض ہے جو روحانی ترقی سے علاقہ رکھتی ہے۔ آسانی کے لئے ہم اُس کا نام اخلاق یا مذہب رکھتے ہیں۔ پس صحیح اخلاق یا مذہب کا اپنے میں پیدا کرنا ایک غیر مادی صفت کی ترقی انسان کے لئے ہے۔ اور اسی صفت سے انسان کی طبیعت کی حالت ایسی ہو جاتی ہے جو اُس کو دھوکہ نہیں دیتی ٭

یہ بات جو ہم نے بیان کی کچھ خاص اخلاق ہی کے معلموں پر موقوف نہیں ہے۔ بلکہ تمام علوم وفنون کے معلموں کا یہی حال ہے کہ کسی شخص میں کسی علم کے مناسب خدا تعالیٰ ایسا ملکہ رکھدیتا ہے کہ وہ ملکہ دوسروں کو برسوں کی محنت میں نہیں ہوتا بلکہ نہیں حاصل ہو سکتا۔ صرف فرق یہ ہے کہ وہ لوگ علوم وفنون کے معلم ہیں اور یہ پیغمبر اور معلم انسانی اخلاق اور مدبر انسانی روح کے ٭

ہماری اس تقریر سے لوگ یہ نتیجہ نکالینگے کہ جس شخص کو اُس کامل ترقی کا ملکہ دیا گیا ہو وہ تو ضرور پیغمبر ہوگا۔ اور جس میں اُس کامل ترقی کا ملکہ رکھا گیا ہو وہ اگرچہ پیغمبر نہ ہوگا مگر اُن اخلاق کو دریافت کرسکیگا جو پیغمبر بتاتے ہیں۔ گو کہ ایسا شخص شاذ و نادر ہی کیوں نہ ہو۔ بے شک جو تقریر ہماری ہے۔ اُس سے اس نتیجہ کا نکلنا ہم کو تسلیم کرنا پڑیگا۔ مگر اُنہی دو تفرقوں کے ساتھ ایک یہ کہ بذریعہ اکتساب کے اُس ترقی تک پہنچنا مشتبہ رہتا ہے۔ اور دوسرے یہ کہ وہ ہدایت عام کے منصب کے لایق نہیں ہوتا جو اصلی منصب ہادی یا پیغمبر کا ہے ٭

ہمارا یہ اصول نہایت سچا ہوا ہے کہ انسان صرف بسبب عقل کے جو اُس میں ہے مکلف ہوا ہے۔ پس جس بات پر وہ مکلف ہوگا ضرور ہے کہ وہ فہم انسانی سے خارج نہ ہو۔ ورنہ معلول کا وجود بغیر علت کے لازم آتا ہے۔ جو محال و ممتنع ہے۔ پس جن اخلاق کے پکڑنے اور چھوڑنے پر انسان مکلف ہے وہ ضرور عقل انسانی سے خارج نہیں۔ پس کسی شخص کا بذریعہ اکتساب کے اُن کو یا اُن میں سے بعض کو پالینا نہ منافی ہدایت کے ہے نہ منافی رسالت کے۔ اور یہی سبب ہے کہ متعدد اقوال اور اصول بعض حکماء کے بالکل مطابق اقوال و اصول انبیاء کے پائے جاتے ہیں اور ان باتوں سے انبیاء کی نبوت کی زیادہ تر تقویت ہوتی ہے۔ ہاں۔ ان نازک معاملوں میں تدبر درکار ہے ٭

اگر ایسے ہادیوں کا ہونا ضرور ہے تو اُن کی تصدیق کی کیا صورت؟

اکثر یہ جواب دینگے کہ اعتقاد۔ مگر میں اُس کو لغو سمجھتا ہوں۔ بلکہ اصل یہ ہے کہ اُس ہادی کی ہدایت سُننے والے چار قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ ایک وہ جنہوں نے کلاً یا جزاً اصول قوانین قدرت پر آگاہی پائی ہے۔ وہ تو بمجرد اس ہادی کی بات سُنتے ہی پرکھ جاتے ہیں کہ بے شک یہ ہدایت اُسی مخرج سے ہے جو انسان کا بانی ہے اور وہ فی الفور اُس کی تصدیق کرتے ہیں ٭

دوسرے لوگ وہ ہیں جن کو خود تو اُس درجہ تک پہنچنے کی قدرت نہ تھی۔ مگر ایسا ملکہ اُن میں تھا کہ سمجھانے سے سمجھ سکتے تھے۔ پس وہ اس ہادی کی باتوں کو سُنتے ہیں اور غور کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں اور ٹھیک پاتے ہیں اور اُس پر یقین کرتے ہیں ٭

ایسی حالت پر کردیں جو کبھی دھوکہ نہ دے دریافت ہو سکتے ہیں۔ مگر کب؟ جبکہ انسان کی معلومات کو ایک کافی ترقی۔ اور قوانین قدرت پر اور اُن مختلف قوا کے اسرار پر جو اُس کے بانی نے انسان میں رکھے ہیں۔ ایک معتدبہ آگاہی حاصل ہو۔ تمام انسان اُن دقایق پر پہنچ نہیں سکتے۔ اور جو پہنچ سکتے ہیں وہ معدودے چند کے سوا نہیں ہو سکتے۔ اور وہ بھی نہ اپنی عمر میں۔ بلکہ پشتوں در پشتوں اور صدیوں در صدیوں میں۔ پس اس لئے تاکہ اُس قادر مطلق کی حکمت بیکار نہ رہے ضرور ہوا ہے کہ وقتاً فوقتاً ملک اور زمانہ کی حالت کے لحاظ سے ایسے ہادی پیدا کئے جاویں جن میں خلقی ایسا مادہ دیا گیا ہو جو باعتبار اپنی فطرت کے اُن سچے اخلاق کے بیان کا مخزن ہو ٭

وہ شخص جس میں خدا نے ایک کامل ترقی کا ملکہ رکھا ہو۔ اُس شخص سے جس کو اُس کامل ترقی کا ملکہ دیا ہو مختلف حالت کا ہوتا ہے۔ پہلے شخص کو وہ ترقی کسبی ہوتی ہے۔ وہ موجودات عالم پر غور کرتا ہے۔ اپنے علم کو۔ اپنی معلومات کو ترقی دیتا ہے۔ اگلوں کی معلومات سے فائدہ اُٹھاتا ہے اور بذریعہ اکتساب کے اُس ترقی تک پہنچتا ہے۔ اور پھر بھی مشتبہ رہتا ہے کہ پہنچا یا نہیں۔ مگر دوسرے شخص کی وہ ترقی کسبی نہیں ہوتی۔ بلکہ وہبی ہوتی ہے۔ اُس کی بناوٹ ہی اُس کامل ترقی پر ہوتی ہے۔ اُس میں وہ ملکہ خلقی ہوتا ہے اور اس لئے جب وہ کسی ایسی بات پر غور کرتا ہے جو اخلاق سے۔ یا یوں کہو کہ دین سے متعلق ہے۔ اُس کے دل میں وہی بات پڑتی ہے جو نہایت سچی اور سیدھی ہے اور جو عین مرضی قانون قدرت کے بنانے والے کی ہے۔ اُس القا کے مختلف طریقے قانون قدرت کے بموجب ہیں جن کو ہم دوسری زبان میں وحی اور الہام اور روح فی النفس کے الفاظ سے تعبیر کرتے ہیں ٭

اس پہلے شخص اور پچھلے شخص میں ایک اور بھی فرق ہوتا ہے۔ پہلے شخص کو جس نے وہ صفت بذریعہ کسب کے حاصل کی ہے ضرور ہے کہ اپنی معلومات کو جن کے ذریعہ سے اُس نے رفتہ رفتہ ترقی کی ہے اصطلاحات خاص اور کنایات اور اشارات موضوعہ میں ضبط کرے۔ مگر اُس پچھلے شخص کو جسے اُس کا ملکہ خلقی اور فطری دیا گیا ہے اُس کی کچھ حاجت نہیں ہوتی۔ اور اس تفرقہ سے یہ نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ پہلا شخص اپنے مقاصد اور اپنے ماحصل کو عام لوگوں کی عقل اور عام لوگوں کے خیالات کے موافق اُن کو سمجھا نہیں سکتا۔ اور ہدایت عام کے منصب پر کھڑا ہونے کے لائق نہیں ہوتا۔ اور یہ پچھلا شخص اُنہی دقیق مسائل کو عام لوگوں کے خیالات کے موافق اس طرح پر بیان کر دیتا ہے کہ سب کی تسلی ہوتی ہے۔ اور نتیجہ میں کچھ تفاوت نہیں ہوتا اور یہ ایک دوسری ضرورت ہے کہ دنیا کے لئے ایسے ہادی پیدا ہوں جن کو خلقی اور فطری ملکہ ترقی اخلاق کا اور منصب عام ہدایت کا حاصل ہو جن کو ہم دوسری زبان میں نبی یا پیغمبر یا رسول کہتے ہیں ٭

کیا ایسی حالت میں ختم رسالت ہو سکتی ہے؟

ہاں۔ بلاشبہ۔ مگر مشکل یہ ہے کہ الفاظ کے عام مشہور معنی آدمی کے دل کو شبہ میں ڈال دیتے ہیں۔ اُس کو خیال نہیں رہتا کہ وہ عام لفظ اس خاص مقام پر کس مراد سے مستعمل ہوا ہے۔ فرض کرو کہ ایک صندوقچہ تھا اور اُس میں گلاب کا نہایت خوشبودار ایک پھول رکھا تھا۔ بہت لوگ کہتے تھے کہ اس میں گلاب کا پھول ہے۔ اُس کی خوشبو سے اور نشانیوں سے سمجھاتے تھے بہت لوگ مانتے تھے بہت نہ مانتے تھے۔ ایک شخص آیا اور اُس نے وہ صندوقچہ کھول کر سب کو وہ پھول دکھا دیا۔ سب بول اُٹھے کہ اب تو حد ہو گئی۔ یعنی یہ بات ختم ہو گئی۔ اب اس کے کیا معنی ہیں؟ کیا یہ معنی ہیں کہ کوئی دوسرا شخص اس صندوقچہ کو نہیں کھولنے کا۔ اور وہ پھول کسی کو نہیں دکھانے کا؟ یہ مطلب سمجھنا تو محض بیوقوفی کی بات ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس امر کا ثابت کرنا کہ اس صندوقچہ میں پھول ہے ختم ہو گیا۔ یا انتہا کو پہنچ گیا۔ اب اِس سے زیادہ کوئی نہیں کر سکتا۔ پس یہی معنی ختم رسالت کے ہیں ۔

روحانی ترقی یا تہذیب کے باب میں جو کچھ محمدؐ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرما گئے وہ حد یا انتہا اُس کی ہے۔ اور اسی لئے وہ خاتم ہیں۔ اب اگر ہزاروں لوگ ایسے پیدا ہوں جن میں ملکہ نبوت ہو۔ مگر اُس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتے۔ رسول خدا صلعم نے ختم نبوت فرمایا ہے۔ ملکہ نبوت کا ختم اور فیضان الٰہی کا خاتمہ نہیں فرمایا۔ بلکہ اولیاء امتی کانبیاء بنی اسرائیل کے لفظ سے اُس ملکہ نبوت کا تا قیامت جاری رہنا پایا جاتا ہے۔ مگر نبوت کا خاتمہ ہو گیا جیسے کہ اُس پھول کے دکھا دینے سے اُس پھول کے اثبات کا خاتمہ ہو گیا تھا۔ ہاں یہ بات دیکھنی باقی رہی۔ کہ محمدؐ رسول اللہ صلعم نے کیا کیا جس سے اُن پر نبوت کا خاتمہ ثابت ہوتا ہے ۔

اس امر کی نسبت تقریر تو نہایت لمبی ہے۔ مگر میں اُس کو ایک مختصر تقریر میں ختم کرنا چاہتا ہوں۔ یہ امر بجائے خود تحقیق و ثابت ہو چکا ہے کہ یقین خدا کی وحدانیت کا اصلی ذریعہ انسان کی روحانی ترقی کا ہے۔ یا دوسری زبان میں یوں کہو کہ باعث نجات اُخروی ہے۔ اس مسئلہ کو اس مقام پر مسلّم قرار دیتا ہوں اور اس جگہ اُس پر بحث کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ پس اب ہم کو یہ دیکھنا چاہئے کہ وحدانیت ذات باری کی نسبت خاتم المرسلین نے کیا کیا ۔

ہم کو یہ بتایا کہ وہ ہستے مطلق یا علۃ العلل واحد فی الذات ہے۔ وحدت فی الذات ایک ایسا مسئلہ ہے کہ تمام دنیا کے اہل مذاہب اس کو تسلیم کرتے ہیں۔ عیسائی جو تثلیث کو مانتے ہیں وہ بھی وحدت فی الذات کے قائل ہیں۔ پس یہ تو کچھ نئی بات یا کچھ بڑی بات (اگرچہ فی نفسہ بڑی ہے) نہ تھی ۔

تیسرے وہ لوگ ہیں جن میں ایسا ملکہ ہی نہیں ہے۔ مگر اُن میں فطرتی سدھاوت اور سچائی اور ٹھیک اور سچ بات کا دل کو لگ جانا مخلوق کیا گیا ہے۔ پس وہ لوگ گو اُس بات کی کنہ کو نہیں سمجھتے مگر اُن کے دل کو سچی لگتی ہے اور وہ اُس کی تصدیق کرتے ہیں ؛

چوتھے وہ لوگ ہیں جو سمجھتے ہیں اور جانتے ہیں۔ بخوبی بوجھتے ہیں اور یقین کرتے ہیں۔ مگر غرور یا شرم یا نفسانیت سے اُس کا اقرار نہیں کرتے۔ یعنی اُن پر ایمان نہیں لاتے۔ اور یہ لوگ ٹھیک ابوجہل کے بھائی ہیں ؛

پانچویں وہ لوگ ہیں جن کو اصلیت سے کچھ غرض نہیں ہے۔ اپنے باپ دادا کی رسم پر چلے جاتے ہیں۔ اور اُسی کو سچ جانتے ہیں۔ اور اُس ہادی کی بات کو نہیں مانتے۔ یہ لوگ بالکل تیسری قسم کے لوگوں کی مانند ہیں۔ صرف اتنا فرق ہے کہ وہ اپنی سدھاوت سے سیدھی راہ پر ہیں اور یہ اپنی سفاہت سے ٹیڑھی راہ پر۔ واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم ؛

پس ان فرقوں میں اس سوال پر بحث کرنے والے وُہی لوگ ہو سکتے ہیں جو پہلے اور چوتھے یا دوسرے فرقہ میں داخل ہیں۔ اور اُن کو ہم اِس سوال کا جواب دیتے ہیں کہ اُس ہادی کی نصیحتوں کا ہم قانون قدرت سے مقابلہ کرینگے۔ اور بقدر اُس زمانہ کے علم و عقل و تجربہ کے اُن دونوں کے اصولوں کو تلاش کرینگے جو ابتدا یا بعد سمجھنے و سمجھانے کے دریافت ہوئے ہیں۔ اگر مطابقت پاوینگے تو یقین کرینگے کہ بلا شُبہ وہ ہادی ہے۔ اور وہ اسی مخرج سے ہدایت کرنے پر مامور ہے جو ہمارا اور اُس ہادی کا دونوں کا بنانے والا ہے ؛

ایک فرانسیسی عالم نے لکھا ہے کہ کوئی پیغمبر محمد رسول اللہ صلعم سے زیادہ صاف گو نہیں ہوا جس نے نہ کسی معجزہ کا بہانہ کیا نہ کسی ایسی بات کا دعویٰ کیا جو انسان کے نیچر سے باہر ہے بلکہ یہ کہا کہ میں تو تم کو نصیحت کرنیوالا ہوں۔ بُری باتوں سے بچانا اور اچھی باتیں سکھانا چاہتا ہوں۔ پس یہی بزرگی محمد صلعم میں ایسی ہے جو کسی میں نہیں۔ بابی انت و امی یا رسول اللہ قال اللہ تعالیٰ علی لسان نبیّہ صلعم "انما انا نذیر مبین" "انا بشر مثلکم یوحی الیّ انما الھکم الہ واحد" ؛

اِس مقام پر لوگوں کے دل میں یہ بحث آویگی کہ اس فرقہ پنجم کی نجات یا درکات کا کیا حال ہوگا۔ مگر اس مقام پر اس بحث کو ہم ملانا نہیں چاہتے۔ کیونکہ اس وقت صرف انبیائ کے آنیکی ضرورت اور اُن کی تصدیق کی علامت پر بحث ہے۔ جس کا خاتمہ ختم رسالت کی بحث پر کرتے ہیں ؛

اپنی مدد آپ

خدا اُن کی مدد کرتا ہے جو آپ اپنی مدد کرتے ہیں

یہ ایک نہایت عمدہ اور آزمودہ مقولہ ہے۔ اس چھوٹے سے فقرہ میں انسانوں کا اور قوموں کا اور نسلوں کا تجربہ جمع ہے۔ ایک شخص میں اپنی آپ مدد کرنے کا جوش اُس کی سچی ترقی کی بنیاد ہے اور جبکہ یہ جوش بہت سے شخصوں میں پایا جاوے۔ تو وہ قومی ترقی اور قومی طاقت اور قومی مضبوطی کی جڑ ہے۔ جبکہ کسی شخص کے لئے یا کسی گروہ کے لئے کوئی دوسرا کچھ کرتا ہے تو اُس شخص میں سے یا اُس گروہ میں سے وہ جوش اپنے آپ مدد کرنے کا کم ہو جاتا ہے۔ اور ضرورت اپنے آپ مدد کرنے کی اُس کے دل سے مٹتی جاتی ہے۔ اور اُسی کے ساتھ غیرت جو ایک نہایت عمدہ قوت انسان میں ہے۔ اور اُسی کے ساتھ عزت۔ جو اصلی چمک دمک انسان کی ہے۔ از خود جاتی رہتی ہے۔ اور جبکہ ایک قوم کی قوم کا یہ حال ہو۔ تو وہ ساری قوم دوسری قوموں کی آنکھ میں ذلیل اور بے غیرت اور بے عزت ہو جاتی ہے۔ آدمی جس قدر کہ دوسرے پر بھروسہ کرتے جاتے ہیں۔ خواہ اپنی بھلائی اور اپنی ترقی کا بھروسہ گورنمنٹ ہی پر کیوں نہ کریں (یہ امر بدیہی اور لابدی ہے) کہ وہ اُسی قدر بے مدد اور بے عزت ہوتے جاتے ہیں۔ اے میرے ہموطن بھائیو۔ کیا تمہارا یہی حال نہیں ہے؟

ایشیا کی تمام قومیں یہی سمجھتی رہی ہیں۔ کہ اچھا بادشاہ ہی رعایا کی ترقی اور خوشی کا ذریعہ ہوتا ہے۔ یورپ کے لوگ جو ایشیا کے لوگوں سے زیادہ ترقی کر گئے تھے۔ یہ سمجھتے تھے کہ ایک عمدہ انتظام قوم کی عزت و بھلائی و خوشی اور ترقی کا ذریعہ ہے۔ خواہ وہ انتظام باہمی قوم کے رسم و رواج کا ہو۔ یا گورنمنٹ کا۔ اور یہی سبب ہے کہ یورپ کے لوگ قانون بنانے والی مجلسوں کو بہت بڑا ذریعہ انسان کی ترقی و بہبودی کا خیال کر کر۔ اُن کا درجہ سب سے اعلےٰ اور نہایت بیش بہا سمجھتے تھے۔ مگر حقیقت میں یہ سب خیال غلط ہیں۔ ایک شخص فرض کرو کہ وہ لندن میں آئرلینڈ کی طرف سے پارلیمنٹ کا ممبر ہی کیوں نہ ہو جائے۔ یا کلکتہ میں ویسرائے اور گورنر جنرل کی کونسل میں ہندوستان کا ممبر ہی ہو کر کیوں نہ بیٹھ جاوے۔ قومی عزت اور قومی بھلائی اور قومی ترقی کیا کر سکتا ہے۔ برس دو برس میں کسی بات پر ووٹ دیدینے سے گو وہ کیسی ہی ایمانداری اور انصاف سے کیوں نہ دیا ہو۔ قوم کی کیا بھلائی ہو سکتی ہے۔ بلکہ خود اُس کے چال چلن پر۔ اس کے

اُسی کے ساتھ ہم کو یہ بھی بتایا کہ وہ بحیثیت مطلق صفات میں بھی واحد ہے۔ یہ مسئلہ وحدت فی الصفات کا کسی قدر پہلے مسئلہ سے زیادہ ترقی کیا ہوا تھا۔ کیونکہ اگرچہ دنیا میں ایسے بہت سے مذاہب وادیاں ہیں جو مشرک فی الصفات ہیں۔ الا ایک آدھ مذہب ایسا بھی تھا جو وحدت فی الصفات کو بھی مانتا تھا*

تیسری بات جو ہمارے پیغمبر نے ہم کو بتائی وہ مسئلہ فی العبادت کا ہے۔ یعنی وہ دل کا تذلّل اور اُن ارکان ظاہری کا ادا جو خاص اپنے خدا کے لئے ہے وہ کسی دوسرے کے لئے نہ کرنا۔ یہ وہ بھید تھا جو کسی نے نہیں بتایا تھا۔ اور جس بغیر درحقیقت اگر توحید ناقص نہ تھی تو پوری بھی نہ تھی۔ پس ان تینوں وحدتوں کی ہدایت سے جن کو ہم وحدت فی الذات۔ وحدت فی الصفات اور وحدت فی العبادت سے تعبیر کرتے ہیں ایمان وحدت ذات باری پر مکمل ہو گیا اور خدا نے کہہ دیا "الیوم اکملتُ لکم دینکم واتممتُ علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا" اور اسی کے ساتھ درحقیقت نبوت بھی۔ یعنی تعلیم وحدت باری بھی ختم ہو گئی جو اصل اصول نجات یا روحانی ترقی کا ہے۔ پس اب جو لوگ وحدانیت خدا کی ہدایت کرینگے یا کرتے ہیں اُس سے زیادہ کوئی بات نہیں کر سکتے۔ اور جو لوگ ان تینوں وحدتوں پر یقین کرینگے بلا شبہ مسلمان اور پورے موحّد ہونگے۔ کیونکہ ان تینوں وحدتوں پر یقین کرنا اصلی اسلام ہے۔ اور ان تینوں وحدتوں پر یقین کرنے والا اپنا نام جو چاہے سو رکھے۔ مگر درحقیقت وہ مسلمان اور بڑے سچے مسئلہ اسلام کا پیرو ہے۔ ہاں۔ اس قدر بیشک ہے کہ اسلام ہی سے اس مسئلہ کو سیکھ کر اور اُس پر یقین لا کر اگر اپنے تئیں مسلمان نہیں کہتا اور اپنا دوسرا نام رکھتا ہے تو وہ مسلمان تو خواہ نخواہ ہی ہے۔ مگر ناشکر مسلمان ہے۔ کیا عمدہ بات ہے کہ جب کسی جاہل سے پوچھتے ہیں کہ مسلمان ہو۔ تو وہ کہتا ہے کہ شکر الحمد للہ۔ پس ہم چاہتے ہیں کہ جو لوگ وحدت ذات باری کے بجمیع صفات کمال کے قایل ہیں اور شرک فی الذات اور شرک فی الصفات اور شرک فی العبادت سے بری ہیں وہ اسلام کے شکر گذار ہیں اور اپنے تئیں مسلمان کہیں اور اُس سچے پیغمبر محمّد رسول اللہ صلعم پر بھی ایمان رکھیں جس کے سبب سے اس وحدانیت کامل کو ہم نے پایا ہے*

اللّٰھم صلی علی النبی المطہّری
شفیع الوریٰ فی یوم بعث ومحشری*

آجاتا ہے۔ اسی طرح عمدہ رعایا پر عمدہ حکومت ہوتی ہے۔ اور جاہل و خراب و ناتربیت یافتہ رعایا پر ویسی ہی اکھڑ حکومت کرنی پڑتی ہے ✤

تمام تجربوں سے ثابت ہوا ہے کہ کسی مُلک کی خوبی و عمدگی اور قدر و منزلت بہ نسبت وہاں کی گورنمنٹ کے عمدہ ہونے کے زیادہ تر اُس مُلک کی رعایا کے چال چلن۔ اخلاق و عادت۔ تہذیب و شائستگی پر منحصر ہے۔ کیونکہ قوم شخصی حالتوں کا مجموعہ ہے۔ اور ایک قوم کی تہذیب درحقیقت اُن مرد و عورت و بچوّں کی شخصی ترقی ہے۔ جن سے وہ قوم بنی ہے ✤

قومی ترقی مجموعہ ہے شخصی محنت۔ شخصی عزّت۔ شخصی ایمانداری۔ شخصی ہمدردی کا۔ اسی طرح قومی تنزّل مجموعہ ہے شخصی سستی۔ شخصی بے عزّتی۔ شخصی بے ایمانی۔ شخصی خود غرضی کا اور شخصی بُرائیوں کا۔ ناتہذیبی و بدچلنی جو اخلاقی و تمدّنی۔ یا باہمی معاشرت کی بدیوں میں شمار ہوتی ہے۔ درحقیقت وہ خود اُسی شخص کی آوارہ زندگی کا نتیجہ ہے۔ اگر ہم چاہیں کہ بیرونی کوشش سے ان بُرائیوں کو جڑ سے اُکھاڑ ڈالیں اور نیست و نابود کر دیں۔ تو یہ بُرائیاں کسی اور نئی صورت میں اُس سے بھی زیادہ زور شور سے پیدا ہو جاوینگی۔ جب تک شخصی زندگی اور شخصی چال چلن کی حالتوں کو ترقی نہ کی جاوے ✤

اے میرے عزیز ہموطنو۔ اگر یہ رائے صحیح ہے۔ تو اُس کا یہ نتیجہ ہے کہ قوم کی سچی ہمدردی اور سچی خیر خواہی کرو۔ غور کرو کہ تمہاری قوم کی شخصی زندگی اور شخصی چال چلن کس طرح پر عمدہ ہو۔ تاکہ تم بھی ایک معزز قوم ہو۔ کیا جو طریقہ تعلیم و تربیت کا۔ بات چیت کا۔ وضع و لباس کا۔ سیر سپاٹے کا۔ شغل اشغال کا تمہاری اولاد کے لئے ہے اُس سے اُن کی شخصی چال چلن۔ اخلاق و عادات۔ نیکی و سچائی میں ترقی ہو سکتی ہے؟ حاشا و کلاّ ✤

جبکہ ہر شخص اور کل قوم خود اپنی اندرونی حالتوں سے آپ اپنی اصلاح کر سکتی ہے۔ تو اس بات کی امید پر بیٹھے رہنا کہ بیرونی زور انسان کی یا قوم کی اصلاح و ترقی کرے۔ کس قدر افسوس بلکہ نادانی کی بات ہے۔ وہ شخص درحقیقت غلام نہیں ہے۔ جس کو ایک ناخداترس نے جو اُس کا ظالم آقا کہلایا جاتا ہے خرید لیا ہے۔ یا ایک ظالم اور خودمختار بادشاہ یا گورنمنٹ کی رعیت ہے بلکہ درحقیقت وہ شخص اصلی غلام ہے جو بداخلاقی۔ خودغرضی۔ جہالت اور شرارت کا مطیع۔ اور اپنی خودغرضی کی غلامی میں مبتلا اور قومی ہمدردی سے بے پرواہ ہے۔ وہ قومیں جو اس طرح دل میں غلام ہیں۔ وہ بیرونی زوروں سے یعنی عمدہ گورنمنٹ یا عمدہ قومی انتظام سے آزاد نہیں ہو سکتیں جب تک کہ غلامی کی یہ دلی حالت دور نہ ہو۔ اصل یہ ہے کہ جب تک انسانوں میں یہ خیال ہے کہ ہماری ترقی و اصلاح و ترقی گورنمنٹ پر یا قوم کے عمدہ انتظام پر منحصر ہے اُس وقت تک کوئی عمدہ مستقل اور پائیدار نتیجہ

برتاؤ پر بھی اُس سے کوئی اثر پیدا نہیں ہوتا تو قوم کے برتاؤ پر کیا اثر پیدا کر سکتا ہے۔ ہاں یہ بات بے شبہ ہے کہ گورنمنٹ سے انسان کے برتاؤ میں کچھ مدد نہیں ملتی۔ مگر عمدہ گورنمنٹ سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ آدمی آزادی سے اپنے قوائے تکمیل اور اپنی شخصی حالت کی ترقی کر سکتا ہے۔

یہ بات روز بروز روشن ہوتی جاتی ہے کہ گورنمنٹ کا فرض بہ نسبت مثبت اور معمل ہونے کے زیادہ تر منفی اور مانع ہے۔ اور وہ فرض جان اور مال اور آزادی کی حفاظت ہے۔ جبکہ قانون کا عملدرآمد دانشمندی سے ہوتا ہے۔ تو آدمی اپنی جسمی اور ذہنی محنت کے ثمروں کا بے خطرہ حظ اُٹھا سکتا ہے۔ جس قدر گورنمنٹ کی حکومت عمدہ ہوتی ہے۔ اُتنا ہی ذاتی نقصان کم ہوتا ہے۔ مگر کوئی قانون گو وہ کیسا ہی اُبھارنے والا کیوں نہ ہو سُست آدمی کو محنتی فضول خرچ کو کفایت شعار۔ شراب خوار کو تائب نہیں بنا سکتا۔ بلکہ یہ باتیں شخصی محنت۔ کفایت شعاری۔ نفس کُشی سے حاصل ہو سکتی ہیں۔ قومی ترقی۔ قومی عزت۔ قومی اصلاح۔ عُمدہ عادتوں۔ عُمدہ چال چلن۔ عُمدہ برتاؤ کرنے سے ہوتی ہے۔ نہ گورنمنٹ میں بڑے بڑے حقوق اور اعلےٰ اعلےٰ درجہ حاصل کرنے سے۔

پُرانے لوگوں کا مقولہ ہے کہ "النّاس علےٰ دین ملوکھم" اگر اس مقولہ میں "النّاس" سے چند خاص آدمی مراد لئے جاویں۔ جو بادشاہ کے مُقرّب ہوتے ہیں۔ تو یہ مقولہ صحیح ہے۔ اور اگر یہ معنی لئے جاویں۔ کہ رعایا اپنی گورنمنٹ کی سی ہو جاتی ہے۔ تو یہ مقولہ صحیح نہیں ہے۔ رعایا کبھی گورنمنٹ کے رنگ میں نہیں رنگی جاتی۔ بلکہ گورنمنٹ رعایا کا سا رنگ بدلتی جاتی ہے۔ نہایت ٹھیک بات ہے کہ گورنمنٹ عموماً اُن لوگوں کا جن پر وہ حکومت کرتی ہے عکس ہوتی ہے۔ جو رنگ ان کا ہوتا ہے۔ اسی کا عکس گورنمنٹ میں پایا جاتا ہے۔ جو گورنمنٹ اپنی رعایا سے تہذیب و شائستگی میں آگے بڑھی ہوئی ہے۔ رعایا اُس کو زبردستی سے پیچھے کھینچ لاتی ہے۔ اور جو گورنمنٹ اپنی رعایا سے کمتر اور تہذیب و شائستگی میں پیچھے ہوتی ہے۔ وہ ترقی کی دوڑ میں رعایا کے ساتھ آگے کھینچ جاتی ہے۔ تاریخ کے دیکھنے سے ثابت ہوتا ہے کہ ہندوستان و انگلستان کا یہی حال ہوا۔ انگلستان کی رعایا تہذیب و شائستگی میں اُس زمانہ کی گورنمنٹ سے آگے بڑھی ہوئی تھی۔ اُس نے زبردستی سے گورنمنٹ کو اپنے ساتھ آگے کھینچ لیا۔ ہندوستان کی رعایا تہذیب و شائستگی میں موجودہ گورنمنٹ سے کوسوں پیچھے پڑی ہے۔ گورنمنٹ کتنا ہی کھینچنا چاہتی ہے مگر وہ نہیں کھنچتی بلکہ زبردستی سے گورنمنٹ کو پیچھے کھینچ لائی ہے۔

یہ ایک نیچر کا قاعدہ ہے۔ کہ جیسا مجموعہ قوم کی چال چلن کا ہوتا ہے۔ یقینی اُسی کے موافق اُس کے قانون اور اسی کے مناسب حال گورنمنٹ ہوتی ہے۔ جس طرح کہ پانی خود اپنی ہنپال میں

قومی انتظام یا عمدہ قوانین کے اجراء کی خواہش - یہ بھی ایک قدیمی غلط خیال ہے - سچا اصول وہ ہے جو ولیم ڈراگن نے ڈبلن کی نمایش گاہ دستکاری میں کہا تھا - جو ایک بڑا خیر خواہ آیرلینڈ کا تھا *

اُس نے کہا کہ "جس وقت میں آزادی کا لفظ سُنتا ہوں - اُسی وقت مجھ کو میرا ملک اور میرے شہر کے باشندے یاد آتے ہیں - ہم اپنی آزادی کے لئے بہت سی باتیں سُنتے آئے ہیں - مگر میرے دل میں بہت بڑا مضبوط یقین ہے کہ ہماری محنت - ہماری آزادی ہمارے اوپر منحصر ہے میں یقین کرتا ہوں کہ اگر ہم محنت کئے جاویں اور اپنی قوتوں کو ٹھیک طور پر استعمال کریں تو اس سے زیادہ ہم کو کوئی موقع یا آیندہ کی قوی توقع اپنی بہتری کے لئے نہیں ہے - استقلال اور محنت - کامیابی کا بڑا ذریعہ ہے - اگر ہم ایک دلی ولولہ اور محنت سے کام کئے جائینگے تو مجھے پورا یقین ہے کہ تھوڑے زمانہ میں ہماری حالت بھی ایک عمدہ قوم کی مانند آرام و خوشی و آزادی کی ہو جاویگی *"

انسان کی اگلی پُشتوں کے حالات پر خیال کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی موجودہ حالت انسانوں کے نسل در نسل کے کاموں سے حاصل ہوئی ہے - محنتی اور مستقل مزاج محنت کرنے والوں - زمین کے جوتنے والوں - کانوں کے کھودنے والوں - نئی نئی باتوں کے ایجاد کرنے والوں - مخفی باتوں کو ڈھونڈھ کر نکالنے والوں - آلات جرثقیل سے کام لینے والوں - اور ہر قسم کے پیشہ کرنے والوں - ہنرمندوں - شاعروں - حکیموں - فیلسوفوں - ملکی منتظموں نے انسان کو موجودہ ترقی کی حالت پر پہنچانے میں بڑی مدد دی ہے - ایک نسل نے دوسری نسل کی محنت پر عمارت بنائی ہے - اور اُس کو ایک اعلےٰ درجہ تک پہنچایا ہے - ان عمدہ کاریگروں سے جو تہذیب و شایستگی کی عمارت کے معمار ہیں لگاتار ایک دوسرے کے بعد ہونے سے محنت اور علم اور ہُنر میں جو ایک بے ترتیبی کی حالت میں تھی ایک ترتیب پیدا ہوئی ہے - رفتہ رفتہ نیچر کی گردش نے موجودہ نسل کو اُس زرخیز اور بےبہا جائداد کا وارث کیا ہے جو ہمارے بُزرگوں کی ہوشیاری اور محنت سے مہیا ہوئی تھی - اور وہ جائداد ہم کو اس لئے نہیں دی گئی ہے کہ ہم صرف مثل مارسر گنج اُس کی حفاظت ہی کیا کریں بلکہ ہم کو اس لئے دی گئی ہے کہ اُس کو ترقی دیں - اور ترقی یافتہ حالت میں - آیندہ نسلوں کے لئے چھوڑ جاویں مگر افسوس صد ہزار افسوس کہ ہماری قوم نے اُن بزرگوں کی چھوڑی ہوئی جائداد کو بھی گرا دیا *

انگریزوں کو جو دنیا کے اس دور میں اس قدر ترقی ہوئی - اُس کا سبب صرف یہی ہے کہ ہمیشہ اُن کی قوم میں اپنی مدد آپ کرنے کا جذبہ رہا ہے اور اُس قوم کی شخصی محنت اُس پر گواہ عادل ہے -

آنے کے قابل نتیجہ اصلاح و ترقی کا قوم میں پیدا نہیں ہو سکتا۔ گو کیسی ہی عمدہ تبدیلیاں گورنمنٹ یا انتظام میں کیجاویں۔ وہ تبدیلیاں فانوس خیال سے کچھ زیادہ رتبہ نہیں رکھتیں جس میں طرح طرح کی تصویریں پھرتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔ مگر جب دیکھو تو کچھ بھی نہیں ؏

مستقل اور مضبوط آزادی۔ سچی عزت۔ اصلی ترقی شخصی چال چلن کے عمدہ ہونے پر منحصر ہے اور وہی شخصی چال چلن۔ معاشرت و تمدن کا محافظ۔ اور وہی شخصی چال چلن۔ قومی ترقی کا بڑا ضامن ہے جان اسٹیورٹ مل جو اسی زمانہ میں ایک بہت بڑا دانا حکیم گذرا ہے۔ اُس کا قول ہے کہ "ظالم اور خود مختار حکومت بھی زیادہ خراب نتیجے پیدا نہیں کر سکتی۔ اگر اُس کی رعایا میں شخصی اصلاح اور شخصی ترقی موجود ہے اور جو چیز کہ شخصی اصلاح شخصی ترقی کو دبا دیتی ہے درحقیقت وُہی شے اُس کے لئے ظالم و خود مختار گورنمنٹ ہے۔ پھر اُس شے کو جس نام سے چاہو پکارو۔ اُس مقولہ پر میں اس قدر اور زیادہ کرتا ہوں کہ جہاں شخصی اصلاح و شخصی ترقی مٹ گئی ہے یا دب گئی ہے وہاں کیسی ہی آزاد اور عمدہ گورنمنٹ کیوں نہ قائم کی جاوے وہ کچھ بھی عمدہ نتیجے پیدا نہیں کر سکتی۔ اور اس اپنے مقولہ کی تصدیق کو ہندوستان کی اور خصوصاً ہندوستان کے مسلمانوں کی حالت کی مثال پیش کرتا ہوں۔ اے مسلمان بھائیو۔ کیا تمہاری یہی حالت نہیں ہے؟ تم نے اس عمدہ گورنمنٹ سے جو تم پر حکومت کر رہی ہے کیا فائدہ اُٹھایا ہے؟ تمہاری آزادی کے محفوظ رکھنے کا تم کو کیا نتیجہ حاصل ہوا ہے؟ ہیچ ہیچ ہیچ! اس کا سبب یہی ہے کہ تم میں اپنی مدد آپ کرنے کا جذبہ نہیں ہے ؏

انسان کی قومی ترقی کی نسبت ہم لوگوں کے یہ خیال ہیں کہ کوئی خضر ملے۔ گورنمنٹ فیاض ہو اور ہمارے سب کام کر دے۔ اس کے یہ معنی ہیں۔ کہ ہر چیز ہمارے لئے کی جاوے اور ہم خود نہ کریں۔ یہ ایسا مسئلہ ہے کہ اگر اس کو ہادی اور رہنما بنایا جاوے۔ تو تمام قوم کی دلی آزادی کو برباد کر دے۔ اور آدمیوں کو انسان پرست بنا دے۔ حقیقت میں ایسا ہونا قوت کی پرستش ہے۔ اور اُس کے نتائج انسان کو ایسا ہی حقیر بنا دیتے ہیں۔ جیسے کہ صرف دولت کی پرستش سے انسان حقیر و ذلیل ہو جاتا ہے۔ کیا لالہ اشرفی مل جو ہر روز لچھمی کی پوجا کرتے ہیں۔ اور بے انتہا دولت رکھتے ہیں۔ انسانوں میں کچھ قدر و منزلت کے لایق گنے جاتے ہیں؟ ؏

بڑا سچا مسئلہ اور نہایت مضبوط۔ جس سے دنیا کی معزز قوموں نے عزت پائی ہے وہ اپنی آپ مدد کرنا ہے۔ جس وقت لوگ اُس کو اچھی طرح سمجھینگے اور کام میں لاوینگے۔ تو پھر خضر کو ڈھونڈنا بھول جاوینگے۔ اَوروں پر بھروسا۔ اور اپنی مدد آپ۔ یہ دونوں اصول ایک دوسرے کے بالکل مخالف ہیں۔ پچھلا انسان کی بدیوں کو برباد کرتا ہے۔ اور پہلا خود انسان کو ؏

انسان کو اپنے فرایض ادا کرنے۔ اور دوسروں کے حقوق محفوظ رکھنے۔ اور زندگی کے کاروبار کرنے اور اپنی عاقبت کے سنوارنے کے لایق بنا دیتا ہے۔ اس تعلیم کو آدمی صرف کتابوں سے نہیں سیکھ سکتا۔ اور نہ یہ تعلیم کسی درجے کی علمی تحصیل سے حاصل ہوتی ہے۔ لارڈ بیکن کا نہایت عمدہ قول ہے کہ "علم سے عمل نہیں آجاتا۔ علم کو عمل میں لانا علم سے باہر اور علم سے برتر ہے۔ اور مشاہدہ آدمی کی زندگی کو درست اور اُس کے علم کو باعمل یعنی اُس کے برتاؤ میں کر دیتا ہے۔ علم کی بہ نسبت عمل اور سوانح عمری کی بہ نسبت عمدہ چال چلن آدمی کو زیادہ تر معزز اور قابل ادب بناتا ہے ٭

کیا یہی وجہ ہے جو مدرستہ العلوم مسلمانان کے بانیوں نے یہ تجویز کی ہے کہ مسلمانوں کے لڑکے گھروں سے اور بد صحبتوں سے علیحدہ مدرستہ العلوم میں عالموں اور اشرافوں اور تربیت یافتہ لوگوں کی صحبت میں رکھے جاویں؟ ٭

ٹائیم

از اے گریٹ رفارمر

یعنی

زمانہ ایک بڑا اصلاح کرنے والا ہے

یہ بات تو سب کو معلوم تھی کہ ترک انگریزی شا لباس پہنتے ہیں اور میز و کرسی پر بیٹھ کر چھری کانٹے سے کھاتے ہیں۔ اور سلطان روم یعنی بادشاہ حرمین شریفین جن کا خطبہ مکہ معظمہ کے منبروں اور مسجد نبوی کے منبر پر روضہ مطہرہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے سامنے پڑھا جاتا ہے۔ بوٹ و پتلون و ترکش کوٹ و لال پھندنے دار ٹوپی پہنتے ہیں۔ مگر اب نئی بات یہ معلوم ہوئی ہے۔ کہ جناب شریف مکہ عبداللہ بن عون بھی انگریزی تہذیب کو پسند فرماتے جاتے ہیں۔ پیرس کے ایک اخبار میں چھپا ہے کہ بصرہ کے ایک بہت دولتمند سوداگر جن کا نام علی الرشید ہے ان دنوں پیرس میں تشریف لائے ہیں۔ آتے وقت وہ مکہ معظمہ و مدینہ شریف لے گئے تھے۔ اور شریف مکہ کے ہاں مہمان رہے تھے۔ اُن کا بیان ہے کہ شریف مکہ کا مکان بالکل یورپ کے اسباب سے سجا ہوا ہے۔ اور شریف مکہ انگریزی طور کا کھانا کھاتے ہیں۔ مگر ابھی اتنی کسر ہے کہ

یہی مسئلہ اپنی مدد آپ کرنے کا انگریزوں کی قوم کی طاقت کا سچا پیمانہ رہا ہے ؛

انگریزوں میں اگرچہ بہت سے ایسے لوگ بھی تھے۔ جو تمام لوگوں سے اعلےٰ درجہ کے اور زیادہ مشہور تھے اور جن کی تمام لوگ عزت بھی کرتے تھے۔ لیکن کم درجہ کے اور غیر مشہور آدمیوں کے گروہوں میں سے بھی اُس قوم کی بڑی ترقی ہوئی ہے۔ گو کسی لڑائی اور میدان کارزار کی فہرستوں اور تاریخوں میں صرف بڑے بڑے جنرلوں اور سپہ سالاروں کے نام لکھے گئے ہوں۔ لیکن وہ فتوحات اُن کو زیادہ تر اُنہیں محنتی لوگوں کی شجاعت اور بہادری کے سبب ہوئی ہے۔ عام لوگ ہی تمام زمانوں میں سب سے زیادہ کام کرنے والے ہوئے ہیں۔ بہت سے ایسے شخص ہیں جن کی زندگی کا حال کسی نے نہیں لکھا۔ لیکن تہذیب و شائستگی اور ترقی پر اُن کا بھی ایسا ہی قوی اثر ہوا ہے جیسا کہ اُن خوش نصیب مشہور نامور آدمیوں کا ہوا ہے جن کی زندگی کے حالات مورخوں نے اپنی تاریخوں میں لکھے ہیں ؛

ایک نہایت عاجز و مسکین غریب آدمی۔ جو اپنے ساتھیوں کو محنت اور پرہیزگاری اور بے لگاؤ ایمانداری کی نظیر دکھاتا ہے۔ اُس شخص کا اُس کے زمانہ میں اور آیندہ زمانہ میں اُس کے مُلک اُس کی قوم کی بھلائی پر بہت بڑا اثر پیدا ہوتا ہے۔ کیونکہ اُس کی زندگی کا طریقہ اور چال چلن گو معلوم نہیں ہوتا۔ مگر اور شخصوں کی زندگی میں خفیہ خفیہ پھیل جاتا ہے۔ اور آیندہ کی نسل کے لئے ایک عمدہ نظیر بن جاتا ہے ؛

ہر روز کے تجربہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ شخصی ہی چال چلن میں یہ قوت ہے کہ دوسرے کی زندگی اور برتاؤ اور چال چلن پر نہایت قوی اثر پیدا کرتا ہے۔ اور حقیقت میں یہی ایک نہایت عمدہ عملی تعلیم ہے۔ اور جب ہم اس عملی تعلیم کا علمی تعلیم سے مقابلہ کریں تو مکتب و مدرسے اور مدرستہ العلوم کی تعلیم اسی عملی تعلیم کی ابتدائی تعلیم معلوم ہوتی ہے۔ زندگی کے علم کا یعنی زندگی کے برتاؤ کے علم کا۔ جس کو انگریزی میں "لیف ایجوکیشن" کہتے ہیں۔ انسان پر۔ قوم پر بہت زیادہ اثر ہوتا ہے۔ مکتب و مدرسہ و مدرستہ العلوم کا علم طاق میں۔ یا صندوق میں۔ یا الماری میں۔ یا کسی بڑے کتب خانہ میں رکھا ہوا ہوتا ہے۔ مگر زندگی کے برتاؤ کا علم ہر وقت دوست سے ملتے ہیں۔ گھر کے رہنے سہنے میں۔ شہر کی گلیوں میں پھرتے میں۔ صرافہ کی دوکان کرنے میں۔ ہل جوتنے میں۔ کپڑا بُننے کے کارخانہ میں۔ کلوں سے کام کرنے کے کارخانہ میں اپنے ساتھ ہوتا ہے۔ اور پھر بے سکھائے اور بے شاگرد کئے۔ لوگوں میں صرف اُس کے برتاؤ سے پھیلتا جاتا ہے ؛

یہ پچھلا علم وہ علم ہے۔ جو انسان کو انسان بناتا ہے۔ اسی پچھلے علم سے۔ عمل۔ چال چلن تعلیم نفسی نفس کُشی۔ شخصی خوبی۔ قومی مضبوطی۔ قومی عزت حاصل ہوتی ہے۔ یہی پچھلا علم وہ علم ہے۔ کہ جو

نامہذّب مُلک

اور

نامہذّب گورنمنٹ

مُلک جب نامہذب ہوتا ہے تو ضرور کچھ نہ کچھ گورنمنٹ میں ناتہذیبی آجاتی ہے۔ اور جب گورنمنٹ مہذب ہوتی ہے تو کسی نہ کسی قدر تہذیب مُلک میں ہوتی جاتی ہے۔

مُلک کا نامہذّب ہونا تو اُس مُلک کے باشندوں کا نامہذب ہونا ہوتا ہے۔ کیونکہ جب یہ کہیں کہ انگلنڈ۔ فرانس۔ جرمنی۔ امریکہ نہایت مہذب مُلک ہیں۔ تو اُس کے معنی یہی ہونگے کہ وہاں کے رہنے والے تہذیب و تربیت یافتہ ہیں۔ ہندوستان کو جو نامہذّب یا نیم وحشی مُلک بتایا جاتا ہے اسی کا یہی سبب ہے کہ یہاں کے رہنے والے نامہذب یا نیم وحشی گنے جاتے ہیں۔

مگر ہم کو غور کرنا چاہئے کہ گورنمنٹ کا نامہذب ہونا کیا چیز ہے اور مسلمانی گورنمنٹیں جس قدر ہیں اُن کے نامہذب ہونے کا کیا سبب ہے۔

گورنمنٹ کا فرض یہ ہے کہ جن لوگوں پر وہ حکومت کرتی ہے اُن کے حقوق کی خواہ وہ حقوق مال و جائداد سے متعلق ہوں خواہ کسب و پیشہ و معاش سے خواہ آزادیِ مذہب و آزادیِ رائے اور آزادیِ زندگی سے اُن کی محافظ ہو۔ غیر مساوی قوتوں سے کسی کو نقصان نہ پہنچنے دے کمزور مستحق کو غیر مستحق زور آور سے پناہ میں رکھے۔ ہر شخص اپنی ملکیت سے اپنے ہنر سے پورا پورا متمتع ہو۔

اور اُس کا مہذب ہونا یہ ہے کہ ان تمام فرائض کے پورا کرنے کو قوانین اُس کی سلطنت میں جاری ہوں۔ ہر شخص ادنےٰ سے اعلےٰ تک یہاں تک کہ خود گورنمنٹ بھی اُن قوانین کے تابع ہو۔ اور وہ قانون ایسے ہوں کہ تمام رعایا کے حقوق اُس کی رو سے مساوی ہوں۔ اور اُس کے ساتھ وہ قوت بھی ہو (جس کو گورنمنٹ کہتے ہیں) اور جو ہر شخص کو بلا لحاظ مرتبہ اُن قوانین کا پورا پورا مطیع کرے۔ جس گورنمنٹ میں یہ چیزیں نہیں ہیں وہ گورنمنٹ نامہذب و ناتربیت یافتہ کہلاتی ہے اور اُس کے ملک میں کبھی امن نہیں رہتا۔ ملک کی۔ مال کی۔ دولت کی۔ قوم کی۔ رعایا کی کبھی ترقی نہیں ہوتی۔

اس اصول کا نتیجہ تمام مسلمانی سلطنتوں میں پایا جاتا ہے۔ کوئی مسلمانی سلطنت اِس وقت

چھری کانٹے سے نہیں کھاتے۔ ایک فرانسیسی بادرچی اُن کے ہاں نوکر ہے۔ شریف مکہ نے فرانسیسی زبان سیکھ لی ہے اور فرنچ یعنی فرانسیسی زبان بولتے ہیں۔ اب تو قیامت ہوگئی۔ مصرعہ

چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

کیا ہمارا تہذیب الاخلاق مکہ میں بھی پڑھا جاتا ہے؟

سلطان زنجبار کو بھی زمانہ کی ہوا لگی ہے۔ انہوں نے بھی فرنچ زبان پڑھنی و سیکھنی شروع کی ہے۔ اپنے ہاں کے بڑے بڑے سرداروں کو تمغے دیئے ہیں۔ جن میں سلطان زنجبار کی تصویر بنی ہوئی ہے۔ کیا اب تصویر ناجائز نہیں رہی؟ نہیں میں بھول گیا۔ سلطان زنجبار تو بڑے پکے حنفی ہیں۔ تمغوں میں پوری تصویر نہ ہوگی۔ صرف چہرہ یا نصف قد کی تصویر ہوگی۔ اس لئے کہ حنفیوں کے ہاں کا مسئلہ ہے کہ جاندار کی اس قدر تصویر جس سے زندہ رہنا ممکن نہ ہو بنانی یا رکھنی ناجائز نہیں ہے +

ایک مصوّر نے سُن کر کہا کہ میں تو پورے قد کی تصویریں بھی ایسی ہی بناتا ہوں۔ کہ اگر اتنی ہی چیزیں انسان میں ہوں جتنی کہ میں بناتا ہوں تو بھی انسان کا زندہ رہنا ممکن نہیں۔ اُس نے قسم کھائی اور کہا "میں نہ انسان کا بھیجا بناتا ہوں نہ پھیپھڑا۔ نہ دل و جگر۔ نہ معدہ نہ امعاء۔ نہ خون نہ روح۔ اور بغیر ان سب چیزوں کے انسان زندہ نہیں رہ سکتا۔ پس میں بھی حنفی مسئلہ کے بموجب کوئی ناجائز کام نہیں کرتا"

جب مصوّر سے کہا گیا۔ کہ قیامت میں خدا کہے گا کہ "اب اس میں جان ڈال" تب وہ حیران ہوا اور کہنے لگا کہ جناب درخت کی بھی تصویر بناؤں یا نہیں۔ تو اُس سے کہا گیا کہ درخت کی تصویر منع نہیں۔ تب اُس نے کہا کہ جناب اگر قیامت میں خدا کہیگا کہ اب اِس کو بڑھا اور پھل پھول لگا۔ تو میں کیا کرونگا۔ اُس سے کہا گیا کہ درخت میں قوت نامیہ پیدا کرنے کو اور پھل پھول لگانے کو خدا نہیں کہنے کا۔ مصوّر بولا۔ کہ نا صاحب میں نہ مانوں۔ ایسے خدا سے جو کاغذ پر لکیریں کی ہوئی جانور کی تصویر میں جان ڈالنے کو کہیگا۔ کیا لگتا ہے کہ وہ کاغذ پر درخت کی کھچی ہوئی تصویر میں بھی قوت نامیہ پیدا کرنے اور پھل پھول لگانے کو کہے۔ یا تو اس مسئلہ ہی میں کچھ غلطی ہے۔ یا مطلقاً تصویر بنانا جاندار کی ہو یا بیجان کی۔ بالکل ممنوع ہے +

کیا کسی مولوی نے سلطان زنجبار کو فتوے دیدیا ہے۔ کہ تمغوں میں نقش تصویر ناجائز نہیں ہے؟ +

آزاد محکمہ جو ٹھیک انصاف کرے پیدا نہیں ہے۔ جو محکمے برائے نام ہیں وہ خود اپنے احکام کی تعمیل میں۔ ڈگریات کے اجرا میں۔ مظلوم کو اُس کا حق پہنچانے میں قادر نہیں ہیں۔ جج جو قاضی کہلاتے ہیں آزاد نہیں ہیں۔ یا تو اپنے سے اوپر کے افسر کے یا کسی اعلےٰ اہل خاندان کے رعب میں یا کسی باوقعت شخص کی سفارش کے پھندے میں۔ اور ان سب پر خود اپنے تعصب مذہبی کے حال میں۔ اور اُس سے بھی زیادہ رشوت ستانی کی عادت میں پھنسے ہوئے ہیں۔ نتیجہ اس کا یہ ہے کہ کسی کو گورنمنٹ پر طمانیت نہیں ہے۔ کسی شخص کو اپنا حق پانے کی پوری توقع نہیں ہے۔ کسی غیر مذہب والے کو پُورا پُورا انصاف ملنے کی اُمید نہیں ہے۔ ملک تنزل میں ہے۔ تجارت ابتر حالت میں ہے۔ کوئی کمپنی تجارت کی اپنا کام جاری نہیں کرتی۔ ملک میں سونے۔ چاندی۔ تانبے۔ لوہے۔ ٹین کی کوئلے کی کانیں کی کانیں بھری پڑی ہیں۔ مگر کوئی کمپنی نہیں کھڑی ہوتی۔ کسی قسم کی تجارت ترقی نہیں پاتی۔ تمام ملک کی آمدنی دوسرے مُلک میں یا تو قرضہ کے سود میں یا ہتیاروں کی خرید میں چلی جاتی ہے۔ قرض پر گذران ہے۔ وہ بھی اپنے ملک میں نہیں ملتا۔ غیر ملکوں کی رعایا سے بمنت و خوشامد لیا جاتا ہے۔ اور یہ نتیجہ تمامہ اُسی غلط خیال کا ہے جس کے بموجب دینی و دنیوی دونوں قسم کے کاموں کو مذہب نے شامل سمجھا ہے وانتم اعلم بامور دنیاکم کے جُملہ کو چھوڑ دیا ہے *

یہ حال جو ہم نے لکھا کچھ سلطنت اسلامیہ روم ہی کا نہیں ہے بلکہ تمام چھوٹی بڑی گورنمنٹوں کا یہی حال ہے۔ ایران کا حال دیکھ لو۔ افغانستان و ترکستان پر نظر ڈالو۔ ہندوستان کی چھوٹی چھوٹی مسلمان ریاستوں کو دیکھ لو۔ تو سب کا ایک سا حال ہے۔ ہاں بعض مُسلمانی ریاستوں نے کسی قدر تبدیلی کی ہے۔ اور وہ بقدر تبدیلی کے کسی قدر اچھی حالت میں ہوتی جاتی ہیں۔ اور ایسی ریاستیں اس وقت صرف دو ہیں جن کا نام لیا جا سکتا ہے۔ ٹونس اور مصر *

چند مہینے ہوئے کہ امیر الامرا سید خیر الدین وزیر ٹونس نے اُن مقدمات کے انفصال کے لئے جو سلطنت بلجیم کے رہنے والوں میں باہم۔ یا اُن میں اور ٹونس کی رعایا کے درمیان ہوں ایک جُدا گانہ محکمہ مقرر کیا تھا۔ جس میں تین جج اجلاس کریں۔ قاضی ٹونس پہلا جج ہو۔ اور ایک اور جج ٹونس کا۔ اور ایک جج بلجیم کا شریک ہو۔ جس سے ملک کو۔ اور انتظام مملکت اسلامیہ کو بڑا فائدہ پہنچا۔ گو قاضی و مفتی کہا کئے کہ ایسا کرنے کے لئے کوئی مذہبی سند نہیں ہے۔ مگر وہ وزیر روشن ضمیر خوب سمجھتا تھا کہ امورات دنیوی سے احکام مذہبی کو کچھ تعلق نہیں ہے *

دنیا میں ایسی موجود نہیں ہے جس پر مہذب گورنمنٹ کا اطلاق ہو سکے۔ یا اُس کا ملک اور اُس کی رعایا ترقی یافتہ حالت میں ہو۔ یا وہاں کی رعایا کو اپنے تمام حقوق مالی و ذاتی حاصل ہوں۔ یا اپنے مال و ذات پر بالکلیہ امن رکھتی ہو۔ یا کمزور مستحق کو غیر مستحق زور آور کا اندیشہ نہ ہو ٭

ایسی قوم کی گورنمنٹ جو دینی اور دنیوی دونوں کاموں میں اپنے تئیں پابند و مجبور اُن احکام کا سمجھتی ہے جس کو اُس نے مذہبی احکام تسلیم کر رکھا ہے۔ اُس کا یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ کوئی دنیوی کام بھی بغیر مذہبی سند یا بدون مذہبی اجازت کے نہیں کیا جا سکتا۔ اور جس طریقہ پر کوئی دنیوی کام پہلے ہو چکا ہے اُس سے مختلف طریقہ پر کوئی دنیوی کام بھی نہیں ہو سکتا ٭

یہ لوگ اِس بات کو بھی تحقیق کرنا نہیں چاہتے کہ درحقیقت اُس مذہب میں جس کے وہ پیرو ہیں وہ ایک اصلی حکم ہے جس میں کچھ شبہ نہ ہو۔ یا نہیں۔ بلکہ وہ صرف اگلوں کی رائے یا فعل پر بلا دریافت سبب کے اعتماد کلی رکھتے ہیں اور اُس کے برخلاف کو مذہبی حکم کی برخلافی سمجھتے ہیں۔ گو کہ اصلی حکم مذہب کا اُس کے برخلاف ہی کیوں نہ ہو۔ اِس قسم لوگوں کا یہ حال ہو جاتا ہے کہ وہ اِس بات میں بھی مذہبی سند کی تلاش کرتے ہیں کہ بریچ لوڈ بندوق کا استعمال جائز ہے یا نہیں۔ سپاہیوں کو تنگ و چست وردی پہنانا درست ہے یا نہیں۔ جزیرہ عرب میں ریل بنانا خلاف مذہب ہے یا نہیں۔ یہاں تک کہ ریل میں سوار ہونے کی نسبت بھی مذہبی اجازت کے خواہاں ہوتے ہیں ٭

ایسا ملک اور ایسی قوم ہمیشہ تنزل کی حالت میں رہتی ہے۔ تہذیب و شائستگی کی ہوا بھی وہاں تک نہیں جاتی۔ کوئی مستحکم قانون اُس کے ہاں نہیں ہوتا۔ کسی شخص کے حقوق محفوظ نہیں ہوتے۔ کوئی شخص مال سے پورا پورا تمتع حاصل نہیں کر سکتا۔ نہ کبھی ملک میں امن ہوتا ہے ٭

کُل مسلمان گورنمنٹوں کا جو کہ اِس وقت دنیا میں موجود ہیں اُن کا یہی حال ہے۔ سب سے مقدم و مکرم مسلمانی گورنمنٹ جو اِس وقت دنیا میں موجود ہے وہ سلطان ٹرکی کی گورنمنٹ ہے جس کو لوگ سلطنت روم کہتے ہیں۔ اگرچہ سلطنت ٹرکی نے بہت سی باتوں میں تبدیلی کی ہے جس سے جان بلب کی حالت سے کسی قدر سنبھلی ہے۔ لیکن اب بھی اُنہی اسباب سے مرض الموت میں گرفتار ہے ٭

کوئی سال امن کا اُس میں نہیں گذرتا۔ کبھی قربیش میں فساد ہے اور کبھی شام میں کبھی عرب میں تلوار چل رہی ہے اور کبھی یونان کے کنارہ میں۔ زمانہ موجودہ میں ادھر ہرزی گوئینا باغی ہو رہا ہے اور ادھر سرویا۔ کوئی قانون دیوانی یا فوجداری کا موجود نہیں ہے کوئی ایسا

(یعنی رعایائے سلطنت ہائے غیر) کی طرف سے ان محکموں میں دایر ہونگے۔ اُن میں بھی اسی طرح انصاف ہوگا۔ اور انہی محکموں سے قطعی فیصلہ ہوگا۔ پس اب اور آیندہ کوئی مقدمہ ایسا نہ ہوگا جس کے سننے کا حق بالیوزوں کے محکموں کو حاصل ہو۔ جو خوبیاں اس نئے قاعدے میں ہیں وہ بیان کی محتاج نہیں ہیں۔ اور جو کہ دیسی اور پردیسی دونوں اس قاعدے سے فائدہ اُٹھائینگے اس لئے سب اس نیک کام سے خوش ہیں ❊

ان نئے محکموں کے جاری ہونے کی کیفیت یہ ہے کہ دوشنبہ کے دن جمادی الاولے کی چوبیسویں اور جون کی اُٹھائیسویں تاریخ پہلے شریف پاشا وزیر حقانیہ و تجارت مصر نے راس التین نامی شہر حکومت واقع اسکندریہ میں ان محکموں کے ججوں کو جن میں آدھے مصری اور آدھے رعایائے ممالک غیر تھے۔ نہایت مہربانی اور عزت کے ساتھ اکٹھا کیا۔ پھر اپنے ساتھ راس التین کے درباری کمرے میں لے گئے۔ اس کمرے میں محمد توفیق پاشا وزیر صیغہ امور داخلی۔ اور منصور پاشا اور اسمٰعیل صدیق پاشا۔ اور بعض اور اُمرائے دولت مصر پہلے سے موجود تھے ❊

جب دربار جم چکا تو جناب خدیو مصر مصاحبوں سمیت درباری کمرے میں رونق افروز ہوئے اور بہ ہیئت مجموعی تمام درباریوں کا سلام لیا۔ پھر جناب خدیو نے اہل دربار کی طرف مخاطب ہوکر زبان فرینچ میں مندرجہ ذیل تقریر کی :-

تقریر خدیو مصر

ہمارے نہایت بزرگ اور صاحب شوکت حاکم حضرت سلطان المعظم (یعنی سلطان روم) کی مدد اور ان سلطنتوں کی موافقت سے جو ہم سے رابطۂ دوستی رکھتی ہیں۔ مجھے امور عدالت کی بنائے اصلاح اور نئے محکموں کے اجراء کی اجازت حاصل ہوئی ہے ❊

یہ میری خوش نصیبی ہے کہ میں اپنے گرد ذی عزت ججوں کا ایک ایسا مجمع دیکھتا ہوں کہ عدل اور انصاف اُن کے ہاتھ میں کمال اطمینان اور وثوق کے ساتھ سونپا گیا ہے ❊

تم لوگوں کی روشن عقلیں۔ امن کامل کے تمام فائدوں کی ذمہ دار ہیں۔ تم لوگوں کی تجویزیں مسلم اور ناطق اور معتبر۔ اور لوگوں کی عزت اور اطاعت کا وسیلہ ہونگی ❊

انشاء اللہ یہ بات دنیا میں مشہور ہوگی۔ اور تواریخ مصر میں لکھی جائیگی۔ اور زمانۂ حال کے نئے تمدن کے دایرہ کا نقطہ ٹھہر کر ٹھہرے گی۔ مجھے یقین کامل ہے کہ خدا کی اعانت اور عنایت سے یہ امر عظیم آیندہ کی امن و امان کا باعث ہوگا ❊

جب یہ تقریر ختم ہوچکی تو اہل دربار نے تھوڑی دیر سکوت کیا اور پھر اظہار سرور اور ادائے

پٹیالہ اخبار بسند الجوائب ہم کو خبر سُناتا ہے کہ خدیو مصر اسمٰعیل پاشا نے بھی بہ منظوری حضرت سلطان روم سلطان عبد العزیز خان خلد اللہ ملکہ کے اِسی قسم کے محکمے مقرر کیے ہیں چنانچہ اُس اخبار میں اُن کے تقرر کی کیفیت حسب مندرجہ ذیل لکھی ہے ✦

ہر شخص جانتا ہے کہ مصر میں دیسی اور پردیسیوں کے آپس میں جو دعوے ہوتے تھے اُن کے فیصلے کی کیا شکل ہوتی تھی۔ دستور یہ تھا کہ اگر مدعی دیسی ہو اور مدعا علیہ پردیسی رعیت ریاست غیر۔ تو مدعی اِس بات پر مجبور ہوتا تھا کہ اپنے دعویٰ کو اُس بالیوز کے ہاں دائر کرے جو مدعا علیہ کی گورنمنٹ کی طرف سے مامور ہو۔ پھر اگر بالیوز کا فیصلہ مدعی کے برخلاف ہو اور وہ اُس کی اپیل کیا چاہے تو اُس کو مدعا علیہ کی گورنمنٹ کے مُلکی محکموں کی طرف رجوع کرنا پڑیگا۔ مثلاً اگر مصری مدعی ہو اور امریکی مدعا علیہ۔ تو بیچارے مصری کو اپیل کرنے امریکہ جانا پڑیگا ✦

یہ قاعدہ مصر میں مدت سے جاری تھا۔ اور جن غیر سلطنتوں سے عہد نامے ہیں اُن کے حقوق میں داخل تھا۔ اس صورت میں جو جھگڑے دیسی اور پردیسیوں کے آپس میں ہوتے تھے اُن کی حالت نہایت خراب اور غیر منتظم تھی۔ اہل مصر کی یہ تکلیف اور دقت دیکھ کر یہ قاعدہ خدیو مصر کے دل میں کانٹے کی طرح کھٹکتا تھا۔ چنانچہ خدیو ممدوح آٹھ برس سے اِس بات کی کوشش کر رہے تھے کہ یہ قاعدہ موقوف ہو جائے۔ اور چاہتے تھے کہ اس کے عوض ایسے نئے محکمے جاری ہو جائیں کہ جن میں بے دقت انصاف ہو۔ چنانچہ سلطنت روم کی مدد اور سلطنتوں کے اتفاق رائے سے جن کے ساتھ رابطہ اتحاد قائم ہے اِس کوشش کا یہ ثمرہ ہوا کہ ان دنوں حسب مراد خدیو مصر تین محکمے قائم ہو گئے۔ ایک خاص مصر میں۔ دوسرا اسکندریہ میں۔ تیسرا اسماعیلیہ میں ✦

ان محکموں کے ممبر آدھے دیسی اور آدھے پردیسی ہیں۔ اور افسر کُل دیسی ہیں۔ اور اسکندریہ میں جو محکمہ قائم ہوا ہے وہ اپیل کا محکمہ ہے۔ اسی وجہ سے اسکندریہ میں اس کی کل رسمیں ادا ہوئیں ✦

گو ان محکموں کے بعض ممبر جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے پردیسی ہونگے۔ مگر اس وجہ سے کہ اُن کا تقرر حکومت مصر کی طرف سے ہے۔ اور اُن کی معاش کا انتظام بھی حکومت مصر ہی کے ذمہ ہے۔ اور اُن کی ٹوپی ترکی ہوگی۔ اور لباس عثمانی ہوگا۔ اِس وجہ سے وہ پردیسی نہ سمجھے جائینگے بلکہ مصر کے قاضی سمجھے جائینگے۔ پس یہ محکمے بالکل مصری محکمے ہونگے۔ اور اِس میں کچھ شبہ نہیں ہے کہ جو مقدمے اِن محکموں میں بطور ابتدائی یا نظر ثانی یا اپیل کے دائر ہونگے اُن پر کمال عدل اور انصاف سے حکم ہوگا۔ علےٰ ہذا جو دعوے پردیسیوں

دوسرے دنیاوی۔ سچا مذہب امور دُنیاوی سے کچھ تعلق نہیں رکھتا۔ ہاں چند معظم باتوں کو جن کا
اثر اخلاق پر زیادہ تر ہے۔ اور گو وہ دُنیاوی ہوں بیان کر دیتا ہے۔ کچھ شبہ نہیں ہے کہ اسلام
بھی جو بے شک ایک سچا مذہب ہے انھی اصول پر مبنی ہے۔ اور ہمارے رسول مقبول کا یہ قول
کہ ما اتاکم من امر دینکم فخذوہ وما نہاکم عنہ فانتھوا اس پر دلیل کامل ہے۔
اور قرب زمانہ نبوت میں اسی اصول پر عملدرآمد رہا۔ اور کچھ کچھ اُس کا اثر عہد خلفا تک بھی باقی رہا
جنھوں نے حد سماعت مقدمات کی تیس برس۔ اور پھر پندرہ برس۔ اور دعوے شفع کے لئے حد سماعت
ایک مہینہ مقرر کی اور گواہ سے قسم لینے اور قرآن مجید اُس کے ہاتھ میں رکھنا تجویز کیا۔ جس کی کوئی
سند یا اجازت مذہب میں نہ تھی۔ مگر رفتہ رفتہ وہ عمدہ اصول بالکل نسیاً منسیاً ہو گیا۔

اگلے زمانہ کے نیک اور متدین۔ مگر مذہب کی طرف زیادہ متوجہ عالموں نے یہ خیال کیا کہ جہانتک
ہو سکے ہر ایک کام کسی مذہبی سند پر کیا جاوے۔ پس جو واقعہ یا امر پیش آتا اُس کے لئے فکر کرتے
کہ اُس کو کس مذہبی سند سے متعلق کریں اور پھر خواہ مخواہ کھینچ تان کر اور تاویلات و استدلالاتِ
دُور از کار کر کر کسی نہ کسی سند کے متعلق کر دیتے تھے۔ یا کسی اصول عام کے۔ جس کو خود اُنہیں
نے قایم کیا تھا تابع کر دیتے تھے۔ اُن علماء کے اقوال و استدلالات رفتہ رفتہ مدوّن ہونے لگے۔
جن کی بدولت کتب فقہ و اصول فقہ ہمارے ہاں پیدا ہو گئیں۔ اُس زمانہ میں تمام لوگ اُن علماء
کے اقوال و استدلال کو ایک رائے سے زیادہ رُتبہ کا نہیں سمجھتے تھے۔ مگر رفتہ رفتہ خود اُن علماء
کے اقوال بطور سند کے تصور ہونے لگے۔ اور پھر ایک زمانہ کے بعد وہی مذہب اسلام سمجھا گیا
اور شرع اُس کا نام ہو گیا۔ اور غیر مذہب والوں نے شرع محمدی اُس کا نام رکھا۔ اور جو نقایص اُس
میں معلوم ہوئے اُس سے اسلام میں اُنھوں نے نقص سمجھے۔ حالانکہ اسلام اُس سے بالکل بری ہے۔
اگر بالفرض تمام اجتہادات و استدلالات حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ میں نقص ثابت ہو جاوے تو
بھی اسلام میں کچھ نقص نہیں آتا۔ وہ جیسا خدا کے ہاں سے اُترا۔ ویسا ہی پاک صاف ہے۔

اس طریقہ سے جو علماء نے اختیار کیا ایک یہ فائدہ تو بلا شبہ ہوا کہ مسلمانی فقہ ایسی عمدہ اور
موجّہ و مدلل ہو گئی کہ کسی قوم میں ویسی عمدہ فقہ نہیں۔ مگر مفصلہ ذیل نقصان بھی پیدا ہوئے۔

اوّل یہ کہ تمام لوگوں کے خیالوں میں یہ غلط مسئلہ جم گیا کہ مذہب اسلام تمام دُنیاوی اُمور سے
بھی متعلق ہے۔ اور کوئی دُنیاوی کام بے سند یا اجازت مذہبی کے نہیں کیا جا سکتا ہے۔

دوسرے یہ کہ جو مسائل علماء نے اپنے اجتہاد و قیاس سے و بلحاظ حالات وقت و عادت
اہل زمانہ یا رواج مُلک قرار دیئے تھے اگر وہ مسائل رُتبہ میں بطور رائے ایک عالم یا جج یا مفتی و
قاضی کے رہتے تو کچھ نقصان نہیں تھا۔ مگر نقصان یہ ہوا کہ وہ عین مذہب اسلام کے مسائل

شکر اور مبارکباد کی طرف مائل ہوئے چنانچہ شریف پاشا نے تمام ججوں کی طرف سے نیابتہً زبان فرنچ میں مندرجہ ذیل تقریر کی:۔

جناب عالی۔ میں حضور سے اجازت چاہتا ہوں کہ بحیثیت وزیر حقانیہ ججوں کی طرف سے نیابتہً حضور کو مبارکباد دوں۔ کہ اس قاعدے کے مقرر ہونے۔ اور ان محکموں کے جاری ہونے سے بہت بڑی ترقی کا اثر ظاہر ہوا۔ میں حضور سے اُمیدوار ہوں کہ حضور یہ مبارکباد اور شکریہ قبول فرمائیں ÷

مجھے اُمید ہے کہ یہ جج لوگ حضور کے اعتماد کے بموجب سلطنت کے حالیہ اور آیندہ فائدوں کے لئے دل و جان سے کوشش کرینگے۔ کیونکہ عدل و انصاف جو اُن لوگوں کا کام ہے اُس کے یہی معنی ہیں۔ کہ یہ لوگ اپنے عہدہ کا حق نہایت ہوشیاری اور دیانت اور شرافت کے ساتھ ادا کرتے ہیں ÷

حضور کے فرمانبردار کو یقین ہے کہ یہ لوگ حضور کی رائے روشن کے فیض سے سعادت امنیت حاصل کر کے اپنے عہدہ کے فرائض جیسا کہ چاہیئے ادا کرینگے۔ اور آثار حسنہ کے پھیلانے میں نہایت موثر مدد دینگے۔ اور اس بزرگی کے حاصل کرنے پر حریص ہونگے کہ اُن کے نام نامی ہماری اولاد کے لوح دل پر نقش ہو جائیں ÷

اس قاعدے کا جاری ہونا قطع نظر اس کے کہ سلطنت مصر کی حالیہ اور آیندہ سرسبزی سے علاقہ رکھتا ہے۔ یہ کتنی بڑی بات ہے کہ حضور کے عہد حکومت کی خوبیوں میں سے ایک بے نظیر یادگار رہے ÷

اس تقریر کے ختم ہونے کے بعد کُل صیغوں کے وزرا اور ممبران مجلس خاص (پریوی کونسل) اور افسران بری و بحری۔ اور حکام ممالک اور تاجران معتبر اور افسران بنک نے درجہ بدرجہ جناب خدیو کی حضور میں مبارکباد دی۔ اور شکر ادا کیا۔ پھر لوگ خوشی اور شادمانی کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ رسم افتتاح نہایت خوبی کے ساتھ ادا ہوئی ÷

ڈیڑھ گھنٹے کے بعد غیر سلطنتوں کے سفیروں نے علے الترتیب روبرو استادہ ہو کر ان محکموں کے کھلنے کی مبارکباد دی۔ اور اس بات کا شکریہ ادا کیا کہ مختلف سلطنتوں کے اتفاق رائے اور تائید سے حضور نے صیغۂ عدالت میں معقول اصلاح کی۔ اور دُعا دی کہ یہ رسم افتتاح روز بروز ملک مصر کے تمدن اور ترقی کا باعث ہو ÷

کیسی خوشی کی بات ہے کہ اس موقع پر خدیو مصر و شریف پاشا نے فرنچ میں اسپیچ کی ÷

دُنیا میں دو قسم کے امور ہیں۔ ایک روحانی اور دوسرے جسمانی۔ یا یوں کہو کہ ایک دینی اور

کمتر ہیں وہ بمنزلہ ہمارے غلاموں کے ہیں اور بدبختی سے وہ لوگ بھی اپنے تئیں ایسا ہی سمجھتے تھے اور ہر قسم اور ہر موقع کی مُلاقاتوں اور بات چیت میں دونوں اُس خیال کو کبھی بھولتے نہ تھے۔ اس سبب آپس کی تحریروں میں بھی وہ رسم جاری ہوئی جو خط وکتابت کے لئے زیبا نہیں ہے فضول وبے معنی وقت ضائع ہونے کے سوا آداب کے لفظوں کی رعایت سے دلی مطالب علے الخصوص اُس زور یا جوش سے جو دل میں ہے ادا نہیں ہوسکتے۔ قوم کے دل میں جو ایک غلامانہ انفعال پڑا ہوا ہے وہ دور نہیں ہوسکتا۔ ہم کو اُمید ہے کہ ہمارے اس آرٹیکل کے پڑھنے والے ادب میں اور خطوط میں جو آداب لکھا جاتا ہے۔ اور نیز ادب میں اور غلامانہ انفعال میں جو فرق ہے اُس کو نظرانداز نہ کرینگے ٭

اُس کے بعد نہایت شوق وذوق سے اشتیاق ملاقات لکھا جاتا ہے اور خلوص عقیدت و محبت جتائی جاتی ہے جس کا ایک لفظ بھی صحیح اور واقعی نہیں ہوتا۔ اور اگر صحیح بھی ہو تو اُس کو مقدمہ مطالب بنانے سے کیا مطلب ہے۔ اس رسم کا ایسا رواج پایا ہے کہ دوست و دشمن دونوں کے خطوط کی طرز تحریر میں کچھ فرق و امتیاز نہیں رہا ہے خط پڑھنے سے جو الفاظ محبت یا اشتیاق اُس میں لکھے ہیں اُن کا کچھ بھی اثر دل پر نہیں ہوتا بلکہ ایک معمولی تحریر سمجھی جاتی ہے جو دوست دشمن سب کو لکھی جاتی ہے۔ خود پڑھنے والا جانتا ہے کہ میں بھی اِس سے زیادہ چکنے چپڑے الفاظ لوگوں کو لکھتا ہوں جن کا کچھ بھی اثر میرے دل میں نہیں ہے۔ ان رسموں نے خط وکتابت کا جو سب سے بڑا نتیجہ ہے اور حالت مفارقت میں محبت و اخلاص کے ازدیاد کا ذریعہ ہے اُس کو بالکل خاک میں ملا دیا ہے ٭

ہماری قوم کے مقدس لوگوں نے ان دنیاوی تحریرات میں ایک اور مذہبی طُرّہ لگا یا ہے کوئی خط بسم اللہ الرحمن الرحیم سے خالی نہیں ہوتا۔ بہت سے بزرگ اپنے خطوط کے عنوان پر "مبسملاً"۔ "محمداً"۔ "حامداً"۔ "مصلیاً"۔ "مسلماً" لکھتے ہیں۔ لفافوں پر "انشاء اللہ تعالےٰ" "بعونہ تعالےٰ"۔ "بمنہ وکمال کرمہ" تحریر فرماتے ہیں۔ اور جن بزرگوں کا مذاق عمل اعمال کی طرف مائل ہے وہ لفافہ پر "حوالہ قطمیر" بھی لکھ دیتے ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں کہ ان الفاظ کی تحریر سے ہمارا خط ضرور مکتوب الیہ تک پہنچے گا۔ مگر اکثر دیکھتے ہیں کہ ان الفاظ کی کچھ بھی تاثیر نہیں ہوتی۔ ڈاک کے جن اکثر خط اُڑا ہی لے جاتے ہیں جو اِس سے بھی ادنےٰ خیال کے لوگ ہیں۔ وہ لفافوں پر چوہتر بر دیگراں لکھ دیتے ہیں تاکہ کوئی دوسرا شخص اُن کے خط کو کھول کر نہ پڑھ لے ٭

ہم کو نہایت افسوس ہے کہ لوگوں نے اسلام کے مقدس الفاظ ومضامین کو ایک دل لگی کی بات بنا لیا ہے اور سمجھتے ہیں کہ یہ نہایت دینداری اور خداپرستی اور نہایت ہی اتقا اور ٹھیٹ

قرار پا گئے اور سوائے پیغمبر خدا صلعم کے اور بہت سے لوگوں کو مرتبہ شارع ہونے کا مل گیا ❖

تیسرے یہ کہ اب اُن مسائل کے برخلاف کرنا خلاف مذہب اسلام کے کرنا تصور ہوا جو فی الحقیقت ایسا تصور کرنا خلاف مذہب اسلام ہے نہ اُس کے برخلاف کرنا ❖

چوتھے یہ کہ جب یہ خیال جما کہ مسائل مذکورہ عین مذہب اسلام ہے تو ضرور ہوا کہ اُس کو خدا کا دیا ہوا مانا جاوے۔ اور جب خدا کا دیا ہوا مانا گیا تو ضرور ہوا کہ اُس کو کافی اور کامل سمجھا جاوے۔ اس خیال نے اس بات پر مائل کیا کہ کتب فقہیہ واسطے سیاست ملکیہ کے بالکل کافی ہیں۔ اور اب ہم کو نہ سول کوڈ کی ضرورت ہے نہ سول پروسیجر کی۔ نہ کریمنل کوڈ کی ضرورت ہے نہ کریمنل پروسیجر کی۔ نہ ریونیو کوڈ کی ضرورت ہے اور نہ ٹریڈ کوڈ کی۔ حالانکہ کتب موجودہ فقہیہ ان میں سے ایک کے لئے بھی کافی نہیں ہیں ❖

ان تمام نقصوں نے کل سلطنت ہائے اسلامیہ کو ڈبو دیا اور غارت و برباد کر دیا۔ اور جو رہی سہی ہیں وہ بھی غارت و برباد ہوتی جاتی ہیں۔ قبول کرو کہ علمائے متقدمین اسلام بڑے عالم تھے۔ بڑے ذہین تھے۔ بڑے فلسفی تھے بڑے منتظم تھے۔ مگر جو کچھ کہ انہوں نے دنیاوی امور کی نسبت کیا اور لکھا وہ اُس زمانہ کی حالت کے نہایت مناسب تھا۔ اور یہی سبب تھا کہ اُس زمانہ میں سب سے مقدم اور سب سے اعلیٰ اور سب سے بڑے فتحمند تھے۔ مگر زمانہ روز بروز بدلتا رہتا ہے ❖

خط و کتابت

اگر ہم اپنی قوم کے طریقہ خط و کتابت کی درستی پر بھی کچھ لکھیں تو شاید نامناسب نہ ہوگا۔ جس طرح ہماری قوم میں اور بہت سی فضول و نامناسب باتیں مروج ہیں اسی طرح خط و کتابت کے طریقہ میں بھی بہت سی فضولی و لغویات شامل ہیں اور ایسی باتیں بھی ہیں جو ہماری سمجھ میں مذہب اسلام کی عمدہ اور پُر اثر باتوں کو بے اثر اور کھیل بنا دیتی ہیں ❖

جب ہم کسی خط کو پڑھتے ہیں تو اُس میں ایک بہت لمبا چوڑا القاب و آداب پاتے ہیں اُن دونوں میں صرف شاعرانہ الفاظ ثنا و صفت مکتوب الیہ کے ہوتے ہیں جو درحقیقت مکتوب الیہ میں نہیں ہیں۔ حالانکہ القاب میں یا تو بیگانہ وار (اگر مکتوب الیہ بیگانہ ہے) کوئی ایسا لفظ ہونا چاہئے جو خطاب کا مشعر اور مخاطب کرنے کے لئے کافی ہو۔ یا اُس دلی تعلق یا ادب کو ظاہر کرتا ہو جو درحقیقت کاتب کو مکتوب الیہ سے ہو ❖

آداب معلوم نہیں کیا لغو چیز ہے۔ ایشیائی امرا اور بادشاہ ہمیشہ اس خیال میں تھے کہ جو ہم

اور بطور مذہبی تقدس کے اُس کو نہیں برتا جاتا تو اُن کی کچھ عظمت اور اُن کا کچھ اثر دل میں نہیں رہتا۔ انصاف سے کہو کہ وہ لوگ جو رات دن تسبیح ہلاتے پھرتے ہیں اور جہاں بیٹھتے ہیں اللہ اللہ کر رہے ہیں دو باتیں کیں اور اللہ اللہ کہہ کر دانے اِدھر کے اُدھر کر دیئے تین لغویات مُنہ سے نکالیں اور اللّٰھم صلّ پڑھنے لگے۔ رفتہ رفتہ انگلیوں کو وہ مشق ہو گئی کہ وہ کچھ پڑھیں یا نہ پڑھیں یہ دانے اِدھر کے اُدھر کرتی چلی جاتی ہیں۔ کیا ایسے برتاؤ سے خدا کے نام کی عظمت اور برکت دل میں رہتی ہے کیا ایسی حالت میں خدا کا نام سنتے ہی خضوع و خشوع دل میں پیدا ہوتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ ایسے برتاؤ سے خدا کا نام لینا اور کسی کو بدذات کہنا دونوں برابر ہو جاتے ہیں۔ نہ اِس کا کچھ اثر ہوتا ہے نہ اُس کا ✤

ہر ایک کام میں خدا سے مدد چاہنا اور اُس کی طرف رجوع کرنا نہایت عمدہ مسئلہ ایمان و خلاق کا ہے۔ مگر یہ ایک فعل قلبی ہے جس کے ساتھ ممکن ہے کہ زبان بھی شریک ہو۔ مگر صرف قلم سے لفافہ کے سرے پر انشاء اللہ لکھ دینا چہ معنی دارد۔ نہایت عمدہ بات ہے کہ خط کے پہنچنے میں بھی خدا پر بھروسا کرو۔ اُس سے مدد چاہو۔ مگر لفافہ پر انشاء اللہ کی چڑیا بنانے سے کیا مطلب ہے؟

میرے ایک دوست نے (جو اِس قسم کی رسمیات کے نہایت پابند اور پُرانے فیشن اور پُرانے خیالات پر نہایت مستحکم ہیں) مجھ سے کہا کہ درحقیقت ایمان کی بات تو یہی ہے کہ جس طرح ہم خط پر مشفق مہربان ایک رسم کے موافق لکھتے ہیں اُسی طرح انشاء اللہ بھی لکھ دیتے ہیں۔ جس طرح شہر کا نام لکھا۔ پتہ لکھا۔ اُسی طرح انشاء اللہ بھی لکھ دیا۔ پس اَب غور کرنے کی بات ہے کہ کیا ایسی صورتوں میں اسلام کی برکتیں نصیب ہو سکتی ہیں؟ یہ اسلام کے کام ہی نہیں ہیں۔ یہ تو مثل اور رسمی باتوں کے رسمی کام ہیں۔ غیر مذہب کے لوگ جب ہمارے خطوں کے لفافے دیکھتے ہیں ہنستے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ کیا احمق مذہب ہے جو یہ خیال بتلاتا ہے کہ ایسے لفظوں کے لکھنے سے خط تلف نہیں ہوتا۔ مگر ہم کہتے ہیں کہ صاحب مذہب تو احمق نہیں مگر لکھنے والے احمق ہیں ✤

بعضے دوست ہم سے کہتے ہیں کہ یہ سب صحیح مگر مسلمانوں کے خطوط پر ایسے الفاظ ہونے مسلمانی کی نشانی ہے۔ مگر نہایت ادب سے عرض کرتے ہیں کہ جناب ہم ہندوؤں کی طرح خط کے ماتھے پر قشقہ لگا کر اور گلے میں زنار ڈال کر مسلمانی چھپنوانا نہیں چاہتے۔ اگر دل کی آنکھیں اندھی ہیں تو خط پر بسم اللہ کا قشقہ دینے سے کچھ فائدہ نہیں ہے ✤

جناب رسول خدا صلعم نے اپنے فرامین پر بسم اللہ لکھی ہو پھر کیا وہ نامے انہیں مضامین کے تھے اور انہیں مقاصد کے تھے جن مقاصد و مطالب میں تم اپنی روزانہ خط و کتابت کرتے ہو۔ اگر کوئی شخص اپنے خطوط پر بسم اللہ لکھنی سُنت سمجھتا ہو تو نہایت بے ادب گستاخ ہے اور کچھ بھی قدر و منزلت سُنت کی نہیں جانتا۔ اسی بات کو تو ہم روتے ہیں کہ مسلمان مذہب کو مذہب کی طرح نہیں برتتے بلکہ اُس کا کھیل بناتے ہیں ✤

سنت پر چلنے کا کام ہے حالانکہ اس سے زیادہ اسلام اور اُس کے مقدس الفاظ و مضامین کی بے ادبی نہیں ہو سکتی۔ مسلمانوں کے اِسی قسم کے برتاؤ سے اسلام کی برکت اور منزلت اُن کے دل میں نہیں رہی بعوض اس کے کہ اسلام کی باتوں سے اُن کے دل میں نیکی خضوع اور خشوع پیدا ہو سختی اور قساوت پیدا ہوتی ہے ❖

وہ بسم اللہ خط پر لکھتے ہیں مگر اُن سے پوچھو کہ لکھتے وقت اُس پاک کلام اور مقدس الفاظ کے معانی اور مطلب کا کچھ بھی خیال اور دھیان تمہارے دل میں آتا ہے۔ جس طرح اور لفظ شوقیہ و سخت و سُست قلم سے نکلے جاتے ہیں اُسی طرح بے خیال بسم اللہ بھی لکھ دی بلکہ میں نے غلط کہا شاید اگر کسی محبوب کو خط لکھا جاتا ہو تو الفاظ شوقیہ و محبت کا کچھ اثر دل میں معلوم ہوتا ہوگا۔ کسی کو سخت و سُست لکھنے میں بھی دل میں کچھ اثر غصہ کا پیدا ہوتا ہوگا۔ مگر بسم اللہ لکھتے وقت خدا کا دھیان بھی نہیں ہوتا۔ ہم نے بڑے بڑے شخصوں کو دیکھا ہے کہ شطرنج کا تماشا دیکھ رہے ہیں اور خط پر حامداً لکھ رہے ہیں حے۔ الف لکھا تھا کہ بولے وہ پیادہ مرا۔ وہ پیادہ مرا۔ پھر میم۔ دال لکھی اور کہا وہ کشت۔ اتنے میں الف لکھا اور بولے وہ مات۔ غور کرو کہ اس طرح پر مذہبی مقدس الفاظ کا برتاؤ کیا کچھ دل میں نیکی پیدا کر سکتا ہے؟

ہم نے ایسا بھی دیکھا ہے کہ خدمتگار پر خفا ہو رہے ہیں اور گالیاں دے رہے ہیں اور قلم سے خط کے سرے پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم حامداً و مصلیاً لکھ رہے ہیں۔ ایک گالی پر بسم اللہ اور دوسری پر حامداً اور تیسری پر مصلیاً لکھا جا رہا ہے ❖

ہم نے ایسے خط بھی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم حامداً و مصلیاً لکھے دیکھے ہیں جن میں تمام دنیاوی مزخرفات بھرے ہوئے ہیں اُن کاموں کے کرنے کے حکم اور صلاحیں مندرج ہیں جو ایماناً اخلاقاً شرعاً ممنوع و حرام ہیں۔ بعضے خطوں کا یہ فقرہ بھی یاد ہے کہ از دیگر حالات ہم مطلع فرمایند لفظ دیگر کی تشریح ہم نہ کرینگے صرف مولوی کا یہ شعر پڑھ دینگے ؎

خوشتر آں باشد کہ سرِّ دلبراں
گفتہ آید در حدیثِ دیگراں

پھر کیا ایسی سنت تحریری بجا لانے سے کچھ ایمان و اسلام کی برکت دل میں بیٹھ سکتی ہے؟ ❖

شاید یہ کہا جاوے کہ یہ تو رند مشربوں کا حال ہوا۔ بزرگ و مقدس لوگوں کا لکھنا اِس طرح پر نہیں ہے۔ غالباً یہ بات صحیح ہو مگر تجربہ سے۔ مشاہدہ سے۔ عقل سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جب مذہب کی مقدس باتوں کو دنیاوی باتوں میں ملا دیا جاتا ہے

مضامین مذہبی و علمی

مذہب اور عام تعلیم

تعلیم کا عام رواج بلاشمول مذہبی تعلیم کے غیر ممکن ہے

انسان کے خیالات جو آئندہ زندگی کی نسبت ہیں جس کو معاد یا آخرت کے نام سے تعبیر کرتے ہیں اور جو مذہبی یقین سے پیدا ہوتے ہیں انسان کی ترقی کے اکثر حارج ہیں۔ بلاشبہ سچا مذہب جو درحقیقت خدا کی طرف سے دیا گیا ہو وہ انسان کی کسی قسم کی ترقی کا مانع نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ انسان کا تنزل لوازم انسانیت سے خدا کا مقصد نہیں ہے۔ ورنہ انسان کو انسان بنانے کی کیا ضرورت ہوتی۔ مگر جب اُس سچے مذہب میں بھی لغو خیالات اور بد تعصبات مل جاتے ہیں تو وہ ویسا ہی انسان کی ترقی کا حارج ہو جاتا ہے۔ اور جبکہ لغو اور مہمل رسومات مُلکی اور قومی کا اُس میں خلط ہو جاتا ہے جیسا کہ اب مسلمانوں کا حال ہے تب وہ سم قاتل ہوتا ہے ؞

اس مقام پر ہم کو اس امر سے زیادہ بحث کرنی منظور نہیں ہے بلکہ صرف اسی قدر ظاہر کرنا منظور تھا کہ مذہبی خیالات انسان کی ترقی پر فی الواقع کس قدر اثر رکھتے ہیں اور جس مطلب سے یہ بیان ہوا ہے وہ ابھی چند سطروں کے بعد ظاہر ہو جاویگا ؞

یہ مذہبی خیالات گو کیسے ہی حارج ترقی انسان کے ہوں مگر کوئی قوم اور کوئی ملک ایسا نہیں پاتے جس میں اس قسم کے خیالات نہ ہوں مگر بلاشبہ یہ بھی پاتے ہیں کہ جس ملک میں مذہبی تعصبات ناواجب اور جہالت آمیز اور توہمات و خیالات احمقانہ اور وحشیانہ کم ہیں وہاں اُسی قدر انسانیت کو ترقی ہے ؞

یہودیوں کا بھی یہی حال تھا کہ محض ظاہری باتوں کو اُنہوں نے یہودیت سمجھی تھی اور
اُن کے ہاں کے علماء و فقہاء جو ربی اور کوہن کہلاتے تھے صرف ظاہری باتوں پر چلتے تھے۔ اُنہوں نے
بھی اپنے ہاں دو فرقے قائم کئے تھے۔ ایک صدوقی جیسے سُنیوں میں اہل حدیث اور وہابی اور شیعوں
میں اخباری۔ دوسرا فریسی جیسے کہ سُنیوں میں فقہی اور شیعوں میں اصولی۔ یہ دونوں فرقے
ذرا ذرا سی باتوں پر بحث کرتے تھے اور اُسی کو کمال دینداری جانتے تھے۔ اِس بات کی
بڑی احتیاط کرتے تھے کہ بکرا اِس قدر انگشت لنبی چھری سے تین رگڑوں میں ذبح ہو۔ مگر
اِس بات کی کچھ پروا نہ تھی کہ آیا کہاں سے تھا۔ توریت کو بے طہارت چھونے اور بے لوبان جلائے
کھولنے میں بہت احتیاط ہوتی تھی۔ مگر اس بات کی کہ اُس میں لکھا کیا ہے کچھ پرواہ نہ تھی۔ مکان
پر۔ مراسلوں پر۔ چھاتی پر آیات توریت کے حروف مقطعات کا نقش لگانا بہت ایمان اور
اتقا کا کام سمجھتے تھے۔ مگر جو بدی سینہ میں بھری ہوئی تھی اُس کا ذرا بھی خیال نہ تھا۔ یہی حال
بعینہ ہمارے زمانہ کے مقدس لوگوں کا ہے۔ گول عمامہ۔ برج کی صورت کا عمامہ۔ عرب والوں
کے عمامہ کی طرح کا عمامہ سر پر باندھے۔ شملہ کتنی اُنگل کا چھوڑتے اُس کی تحقیق کئے اور ٹھیک
گدی کے پیچھے لٹکائے۔ ریش مبارک بکنگھی پھٹکارے۔ قمیص مسنون پہنے۔ اُس پر صدری
عربی لگائے۔ اور اُس پر عبائے کسروانی جس کو بعضی کتابوں میں خسروانی منسوب الی کیخسرو
کافر بادشاہ فارس لکھا ہے زیب تن کئے۔ مسجد یا خانقاہ یا کسی مدرسۂ اسلامی میں تشریف رکھتے
ہیں۔ بعضے نہایت سادہ سیدھا سادہ دیہاتیوں کا سا لباس اپنی سادگی اور محض للّٰہیت و خلوص
بے تکلفی جتانے کو پہنے ہوئے پھرتے ہیں۔ مگر پوچھو تو سہی کہ تمہارے دل بھی کسی لباس
پُر تکلف یا ملبوس سادہ سے آراستہ ہیں بجز اُس کے کہ مسواک اتنی لنبی ہو۔ اور ڈاڑھی
اتنی مٹھی۔ پیجامہ اتنا اونچا ہو اور کرتہ اتنا نیچا۔ اور کچھ نہیں۔ اور اگر کچھ ہے تو یہ ہے کہ جو
کچھ ہم کریں وہ سب ثواب ہے اور جو کچھ دوسرا کرے وہ سب عذاب ہے " قل أتخذتم عند الله
عهدًا فلن يخلف الله عهده ام تقولون على الله ما لا تعلمون ۔

ہمارا مطلب یہ ہے کہ ہم کو شائستہ ہونا چاہیئے۔ دنیا کے کاموں کو دنیا کی طرح اور دین کے
کاموں کو دین کی طرح برتنا چاہیئے۔ دونوں کو خلط ملط کر کر بگاڑنا اور مذہبی باتوں کو دنیاوی باتوں
میں گڈمڈ کر کر غیر مذہب والوں کو ہنسوانا نہیں چاہیئے۔ دنیاوی باتوں کے خطوط پر بسم اللہ لکھنی
درحقیقت اللہ کے نام کا ادب کرنا ہے۔ لفافہ پر انشاء اللہ کی چڑیا نہ بنانی دراصل خدا پر بھروسا
کرنا ہے۔ واللہ المستعان وعلیہ التکلان ۔

اِس بات کی تصدیق کے لئے پچھلے حالات شاہد ہیں اور ہماری دو نامی یونیورسٹیاں قرطبہ اور بغداد کی گو مرگئی ہیں مگر پھر بھی اِس واقعہ کی سچائی پر گواہی دے رہی ہیں۔ بھلا اُن پچھلی باتوں کو جانے دو۔ کل کی بات ہے کہ دہلی میں شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کا مدرسہ عزیزیہ انہیں اسباب اور وجوہات سے قائم تھا جس کے پڑھے ہوئے اَب بھی چند لوگ زندہ موجود ہونگے۔ غرض ہماری اِن سب باتوں سے یہ ہے کہ جو لوگ ہندوستان میں مسلمانوں کی عام تعلیم پر کوشش کرتے ہیں اُن کو یہ بات معلوم ہونی چاہیئے کہ عام تعلیم کا رواج کسی قوم کے زن و مرد میں بغیر شمول تعلیم مذہبی کے نہ ہوا ہے نہ ہوگا اور نہ دنیا میں کوئی مُلک اور کوئی قوم ایسی موجود ہے جس میں عام تعلیم کا رواج بلا شمول مذہبی تعلیم کے ہوا ہو ✤

زمانہ حال میں جس قدر وسیلے تعلیم کے موجود ہیں اُن میں وہی نقص ہے جس کے سبب ہندوستان میں اور خصوصاً مسلمانوں میں اسباب تعلیم مجتمع نہیں ہوتے اور عموماً تعلیم کا رواج باوصف بے انتہا کوشش اور سعی گورنمنٹ کے نہیں ہوتا ہے ✤

مگر ہم کو نہایت انصاف سے اِس بات پر غور کرنی چاہیئے کہ کیا گورنمنٹ کا اس میں کچھ قصور ہے۔ ہم نہایت سچے دل سے اِس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ گورنمنٹ ہر قسم الزام سے اس باب میں بالکل بری ہے۔ ہندوستان میں گورنمنٹ کی رعایا مختلف مذاہب کی ہے اور وہ خود اُن سب سے مختلف مذہب رکھتی ہے اور اِس سبب سے وہ کسی قسم کی مذہبی تعلیم کو شامل نہیں کرسکتی تھی۔ ہم نہایت سچے دل سے کہتے ہیں کہ گورنمنٹ نے جس قدر ناطرفدار طریقہ تعلیم کا اور مذہبی خیالات سے بالکل بچا ہوا اور اچھوتا اختیار کیا ہے اور جس قدر سعی اور کوشش ہندوستان کی تعلیم میں گورنمنٹ نے کی ہے وہ دونوں بے مثل اور بے نظیر ہیں اور غالباً اس وقت دنیا کے پردے پر اس کا نظیر موجود نہیں ہے مگر اس پر بھی جو امر عام تعلیم کی ترقی کا مانع ہے اُس کا رفع کرنا گورنمنٹ کی قدرت سے باہر ہے وہ یہ کرسکتی تھی کہ اپنے تئیں مذہبی تعلیم سے بالکل علیحدہ رکھے۔ مگر یہ نہیں کرسکتی تھی کہ تمام مذاہب ہندوستان کی یا کسی خاص مذہب یا مذہبوں کی تعلیم اختیار کرے ✤

پس مسلمانوں میں ترقئ تعلیم پر کوشش کرنے والوں کو دو باتوں سے تو نااُمید ہونا چاہیئے۔ ایک عام تعلیم کے رواج اور قیام سے بغیر شمول تعلیم مذہبی کے۔ دوسرے گورنمنٹ کی جانب سے کسی مذہبی تعلیم کے شروع ہونے میں۔ اور اِن دونوں باتوں سے نااُمید ہو کر غور کرنا چاہیئے کہ اب اَور کیا تدبیر ہے جس سے مسلمانوں کی بہتری اور بہبودی ہو۔ اور اُن میں عموماً تعلیم کا رواج ہو۔ اور علوم اعلےٰ اور ہر قسم کے مفید علموں کی خواہ وہ مذہبی ہوں یا دنیاوی بُنیاد قائم ہو۔ ہر شخص اس کا جواب دے سکیگا کہ صرف ایک ہی تدبیر باقی ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم خود آپ اپنی تعلیم و تربیت پر

اِس حرج کے رفع کرنے کے لئے اور تعلیم کو عموماً پھیلانے کے لئے بعض شائستہ اور تربیت یافتہ قوموں اور ملکوں میں دو طرح پر کوشش ہوئی۔ ایک گروہ نو اِس بات پر مستعد ہوا کہ مذہبی تعلیم بالکل موقوف کی جاوے جو باہمی اختلاف اور تباین کا باعث ہے اور سب لوگ متفق ہو کر اِس قسم کی تعلیم میں کوشش کریں جو بلا اختلاف سچ اور فائدہ مند ہے۔ اگرچہ اِس گروہ میں بہت بڑے بڑے عاقل اور فاضل اور لائق آدمی شامل تھے مگر ان کی کوششوں کی کامیابی کی کچھ بھی توقع نہ ہوئی اور نہ ہو گی اِس لئے کہ مذہبی خیالات کو تمام انسانوں کے دلوں میں سے نکال ڈالنا جن کی تعلیم میں کوشش مقصود ہے ایک ایسا امر ہے جس کے ہونے کی ابھی سینکڑوں برس تک توقع نہیں ہے *

دوسرے گروہ کی کوششوں کا اصلی مقصد تعلیم مذہبی پر کوشش کرنا تھا اور اَور علوم کی تعلیم اُس کے ساتھ بطور ضمنی تعلیم کے تھی۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اِس گروہ نے نہایت کامیابی حاصل کی اور اُس کے سبب سے بے انتہا علوم و فنون نے ترقی پائی اور نہ اپنی قوم اور ملک کو فائدہ دیا بلکہ دُور دُور کی قوموں اور دُور دُور کے ملکوں کو ہر قسم کی خوبیوں اور فائدوں سے اپنا احسانمند بنایا اور آیندہ نسلوں کی تعلیم کے لئے کروڑوں روپیہ جمع کر جانے اور کتب خانوں اور مدرسوں اور کالجوں کے بنانے اور یونیورسٹیوں کے قائم کر جانے سے جس میں کروڑوں اور پدموں روپیہ خرچ ہو گیا۔ تمام علوم و فنون کا دروازہ کھولا۔ اگر اِس طریقہ سے تعلیم میں کوشش کرنے کا اصلی مقصد وہ مذہبی خیال نہ ہوتا تو اُس کا ہزارواں حصہ بھی اسباب رواج تعلیم کو مدد نہ پہنچتی بلکہ اُس زمانہ میں جس میں کہ یہ سب سامان جمع ہوا ایک شخص بھی اُس کی تائید نہ کرتا *

اِس طریقے کی سعی میں جو نقصان تھا وہ صرف یہ تھا کہ بد تعصبات مذہبی کی ترقی کا اندیشہ تھا مگر تعلیم نے خود اُس نقص کو مٹا دیا اور ضرورت تمدن و معاشرت نے بالکل معاملہ برعکس کر دیا یعنی جو تعلیم اُس زمانہ میں اصلی مقصد ٹھہرائی گئی تھی وہ اصلی ہو گئی۔ تعصبات بہت گھٹ گئے متعصبانہ بہت سی رسمیں موقوف ہو گئیں اور جو دو چار باقی ہیں اُمید ہے کہ وہ بھی دور ہو نگی اور جو انسان کی انسانیت کا مقتضیٰ ہے وہ پورا ہو گا *

اب مُسلمانوں کے حالات پر غور کرو۔ کہ وہ لوگ تمام علوم میں تعلیم پاتے تھے۔ فلسفہ کے بڑے دوست تھے۔ طب و ریاضی سے محبت رکھتے تھے۔ شعر و شاعری اور علم ادب کے عاشق تھے۔ اور اُن سب کے ساتھ مذہبی علوم کی بھی تعلیم تھی۔ اور اسی پچھلے خیال کے سبب اُن مدرسوں اور دارالعلوموں کے لیئے روپیہ کی ہر طرف سے مدد پہنچتی تھی جس کے سبب سے وہ تعلیم قائم تھی حالانکہ اُنہی مدرسوں میں سے ایسے لوگ بھی پیدا ہوتے تھے جو لا مذہب بلکہ مذہبی خیالات کے دشمن ہوتے تھے مگر اُن تمام چیزوں کے لئے مدد اور سامان بہم پہنچنے کی کچھ مشکل نہ ہوتی تھی *

ہر ضلع میں کم سے کم ایسا ایک مدرسہ قائم کرنا چاہئے جس سے ہر قسم کے مطالب اور مقاصد پورے ہوں کیونکہ تمام لوگوں کے ایک ہی مقاصد نہیں ہوتے۔ اگر کوئی شخص مولوی۔ محدث و فقیہ بننا چاہے تو مولوی بننے کا بھی اُس میں موقع موجود ہو۔ اگر کوئی شخص بڑا ریاضی داں بننا چاہے تو وہ بھی اپنا مقصد اُس میں حاصل کر سکے۔ اور اگر کوئی شخص علوم زبان انگریزی میں تحصیل کامل کرنا اور عہدہ ہائے جلیلہ گورنمنٹ کو حاصل کرنا چاہے وہ بھی کر سکے۔ جب ایسا انتظام اور سلسلہ قائم ہو جاویگا تب مسلمانوں کی تربیت اور دینی و دنیوی ترقی کی توقع ہوتی ہے ٭

اِس طرح کے سلسلۂ تعلیم قائم کرنے میں اگرچہ بہت سا روپیہ چاہیے لیکن روپیہ جمع ہونا کچھ مشکل نہیں ہے۔ لوگوں کا دل اور ارادہ اور ہمت چاہیئے۔ ہر ضلع میں جس قدر مسلمان آباد ہیں اگر ہر ایک شخص تھوڑا تھوڑا روپیہ بھی دو دو ایک ایک بلکہ آٹھ آنہ تک دے تو ہر ضلع میں اس قدر روپیہ جمع ہو جاتا ہے کہ ان تمام مطالب کے لیئے ایک نہایت عمدہ مستقل مدرسہ قائم ہو سکتا ہے۔ صرف لوگوں کا ارادہ کرنا اور اس کام کے انجام کرنے پر دل سے کوشش کرنا شرط ہے ٭

دین اور دنیا کا رشتہ

نجات ابدی جو نتیجہ سچے مذہب یا سچے دین کا ہے وہ دنیا کے ساتھ لازم و ملزوم نہیں ہے۔ ایک شخص جس نے تمام عمر عسرت و تنگی میں بسر کی ہو اور لباس برہنگی کے سوا اور کوئی لباس زیب تن نہ کیا ہو اور رہاس پتوں کے سوا جو کے بن چھنے آٹے کی روٹی بھی نصیب نہ ہوئی ہو وہ بھی سچے مذہب کی بدولت نجات ابدی حاصل کر سکتا ہے۔ اور جس شخص نے لاکھوں کروڑوں روپیہ بطور جائز پیدا اور خرچ کیئے ہوں۔ اور مخمودی و تن زیب زیب تن کیا ہو اور محلوں میں سویا ہو اور باغوں کی ٹھنڈی ہوا میں پھرا ہو۔ پری تمثال عربی گھوڑوں پر چڑھا ہو وہ بھی سچے دین و مذہب کی بدولت نجات ابدی پا سکتا ہے۔ ہم دنیا میں بے انتہا مذاہب مختلفہ کے لوگ دیکھتے ہیں جن میں بلاشبہ کوئی سچے اصول پر اور کوئی غلط بنیاد اور جھوٹے اصول پر مبنی ہوگا۔ اور ہر مذہب کے لوگوں میں تنگی و فراخی۔ دولت و مفلسی کو پاتے ہیں۔ اِس لیئے یقین کرتے ہیں کہ دنیا کسی کے ساتھ لازم و ملزوم نہیں ہے۔ مسلمانوں کو اِس مضمون پر یقین کرنے کے لیئے حضرت ابوذر غفاری رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کا حال جاننا کافی ہے جو علانیہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے سے فقیہ کے مقابلہ میں فرماتے تھے کہ واللہ صاحب المال کافر۔ اگر دنیا اور دین سے ایسا مستحکم رشتہ ہے جو کسی طرح ٹوٹ نہیں سکتا جس طرح کہ بدبختی سے کبھی دنیا۔ دین کو غارت

مستعد و آمادہ ہوں اور یہ جو ہندی مثل مشہور ہے کہ جیٹھ کے بھروسے پیٹ اُس کی عار نہ اُٹھاویں بلکہ آپ کام نہا کام کی نصیحت حکیمانہ سے نصیحت پکڑیں ٭

یہ بات کہنی کہ مسلمانوں کو اِس کام کے انجام دینے کا مقدور نہیں رہا بالکل غلط ہے البتہ یہ بات صحیح ہے کہ کرنے والے اور اسی پر محنت اُٹھانے والے نہیں ہیں اور ہاں بے شک ہمت بھی کم ہو گئی ہے جو پھر تحریک میں آسکتی ہے ٭

سلطنت اسلامیہ میں بھی یہ کام بالکلیہ گورنمنٹ کے ذمہ نہ تھا۔ شاید دو ایک مدرسے ایسے ہونگے جن کا خرچ گورنمنٹ دیتی تھی ورنہ تمام مدرسے صرف رعایا کی مدد سے قائم تھے جو اُن کے مدرسوں یا بانیوں کو بطور نذر و نیاز کے اُن کے قائم رکھنے کو روپیہ دیتی تھی۔ کیا شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کا مدرسہ اور شاہ غلام علی صاحبؒ کی خانقاہ بغیر لوگوں کی نذر و نیاز دینے کے جس کو حال کی زبان میں چندہ یا سبسکرپشن یا ڈونیشن کہتے ہیں قائم رہ سکتی تھی۔ پس ہر مقام میں مسلمانوں کو مستعد ہو کر ترقی تعلیم کے لئے سعی کرنی چاہیئے اور پھر وہی وسیلے رواج تعلیم کے خود اپنے آپس میں قائم کرنے چاہئیں۔ اِس طرح پر تو البتہ ترقی تعلیم اور بہبودی مسلمانوں کی عموماً توقع ہے اور بغیر اس کے کچھ توقع نہیں ہے ٭

ہم یہ نہیں کہتے کہ مسلمان اس تدبیر سے بالکل غافل ہیں کیونکہ ہم جونپور و علیگڈھ و دیوبند و دہلی و کانپور کے مدرسوں کو بھول نہیں گئے ہیں۔ مگر جس طرز پر وہ قائم ہوئے اور جس طرح پر اُن کی کارروائی ہوتی ہے وہ کچھ مفید نہیں اور اُس سے مسلمانوں کی بھلائی کی کچھ توقع نہیں۔ ہم اِس بات سے خوش نہیں ہو سکتے کہ کسی جگہ چالیس طالب علم ریشائیل اِدھر اُدھر پورب پچھم کے جمع ہو گئے اور صدرؔا و شمس بازغہ پڑھنے لگے کیونکہ سلسلہ وار تعلیم کی اور اُن نوعمر بچوں کے سلسلہ تعلیم کے قائم کرنے کی ضرورت ہے جو ہونہار ہونے کو ہیں اور جس سے ہمارے ملک کی ترقی اور ہماری قوم کی عزت منصور ہے ٭

مسلمانوں کی تعلیم کے لئے یہ کافی نہیں ہے کہ دو چار ملاں کسی جگہ پڑھانے کو مقرر کر دیئے جاویں اور وہ وہی پُرانی کڑھائی کتابیں دو چار دس پانچ آدمیوں کی پڑھانے لگیں بلکہ سب سے بڑی ضرورت اس بات کی ہے کہ اوّل فہیدہ فہمیدہ ذی علم اور ذی عقل لوگ جمع ہوں اور بعد بحث و گفتگو کے یہ بات قرار دیں کہ اب سلسلہ تعلیم بنظر حالات زمانہ اور بلحاظ علوم و فنون جدیدہ کے کس طرح پر قائم ہونا چاہیے اور ہماری پُرانی دقیانوسی تعلیم کے سلسلہ میں کیا کیا تبدیل اور ترمیم کرنی چاہیئے۔ ہمارا سلسلہ تعلیم کا بلحاظ مقاصد مذہبی کس طرح پر قائم ہو اور بلحاظ مطالب دنیوی کے کس طرح جاری کیا جاوے اور جب کوئی طریقہ تجویز ہو لے اُس وقت اُس کے اجرا پر ہر ضلع کے لوگ اپنے اپنے ضلع میں سعی و کوشش کریں ٭

رہے ہونگے۔ کسی کا گھوڑا اُل رہے ہوں۔ اور جو ایسے پکّے دیندار نہیں ہیں۔ اُن کی نسبت
کچھ خیال نہیں ہو سکتا کہ وہ کیا کیا کرینگے۔ معلوم نہیں کہ اُن سے جیلخانے اور جزائر نوآباد
بھرینگے یا یتیم خانے اور کلیسیا رونق پاوینگے۔ پس ایسی حالت میں خیال کرنا چاہئے کہ دین
اسلام کی کیا شان ہوگی اور اُس وقت ہم سلام کرینگے اور پوچھینگے کہ کیوں جناب قبلہ و کعبہ ہم جو
مسلمانوں میں دُنیوی ترقی و تہذیب۔ تربیت و شایستگی میں کوشش کرتے تھے وہ ہمارا امر
معاش میں منہمک ہونا اور ترغیب دینا اور امر معاد کی طرف سے بالکل ذہول اور غفلت کا پردہ
ڈالنا تھا یا یہ کام خاص خدا کا اور بالکل دین کا اور سرتاسر معاد کا تھا ٭

خدا تعالےٰ نے مذہب اسلام کو عین حکمت بنایا ہے۔ اُس کی بھلائی چاہنے والے کو ضرور
ہے کہ وہ بھی حکیم ہو۔ نہ مکّار اور دغاباز۔ اور حکیم کا یہ کام ہے کہ جو مرض دیکھتا ہے اُس کی دوا کرتا ہے
اِس وقت ہندوستان کے مسلمانوں کا یہ حال ہے کہ امور معاش و تمدّن و حسن معاشرت اور علم
کی ابتری و خرابی کے سبب روز بروز خراب و ذلیل و حقیر و برباد ہوتے جاتے ہیں۔ اور یہ واعظ
و مولوی اور پیرجی خدا اور رسولؐ کے دشمن اُن کو روز بروز برباد و تباہ کرتے جاتے ہیں۔ پس ایسی
حالت میں کہ ہم بخوبی یقین کرتے ہیں کہ وہ یعنی مسلمان یقینی اپنے مذہب پر پُختہ ہیں۔ خدا کو
ایک جانتے ہیں۔ رسولؐ کو برحق سمجھتے ہیں۔ نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ فرض جانتے ہیں۔ ایک
ایک جولاہا بھی ضروری نماز روزے کے مسئلے جانتا ہے۔ یا ہر طرح پر اُس کے جاننے کا سامان
یا موقع موجود ہے۔ مذہب اسلام کے دوستدار کا یہ کام ہے کہ اپنے تئیں پیرجی یا حضرت صاحب
یا مولوی صاحب کہلانے اور دغابازی سے دنیا کمانے کے لئے اُنہی باتوں کا جن کی ضرورت
نہیں ہے بیٹھا ہوا وعظ کہا کرے۔ یا جن کی ضرورت درحقیقت مسلمانوں کو اور خود اسلام کو ہے
اُس کی تدبیر اور کوشش کرے ٭

افسوس خدا ہاتھ نہیں آتا۔ جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلّم دنیا میں موجود نہیں ہیں۔
ورنہ ایک ایک کا ہاتھ پکڑ کر اُن کے سامنے لیجاتا۔ اور کہتا او خدا اور اے جناب رسولؐ خدا۔
تم مجھ میں اور ان میں محاکمہ کرو اور بتاؤ کہ کون تمہارا دوستدار ہے۔ میں گنہگار یا یہ دیندار۔ اور
انشاء اللہ تعالےٰ اگر خدا سچ ہے اور قیامت درست ہے تو یہ معرکہ ہونا ہے لیکن ہاں ابھی اگر
کوئی مباہلہ پر آمادہ ہو تو میں مباہلہ کو موجود ہوں ٭

تعجب کی بات ہے کہ اس بات پر کوشش کرنا کہ مسلمانوں میں قومی ترقی ہو۔ علوم دینی قائم
رہیں۔ علوم دنیاوی جو مفید و بکار آمد ہیں اُن کا رواج اور ترقی ہو۔ لوگ معاش سے فارغ البال
ہوں۔ اکلِ حلال پیدا کرنے کے وسیلے ہاتھ آویں۔ حسن معاشرت میں جو نقص ہیں وہ رفع

بھی کر دیتی ہے اُسی طرح خوش قسمتی سے دنیا دین کو سنوار بھی دیتی ہے۔ مشہور مقولہ ہے۔ ع

پراگندہ روزی پراگندہ دل

اب ان عقلی باتوں کو جانے دو۔ اس پر تو یقینی سب مسلمان یقین کرتے ہونگے کہ کسی بندہ پر خدا کا غضب دنیاوی امور کے سبب نہیں ہوتا بلکہ دینی قصور اور نافرمانی اور گناہ و معصیت کے سبب ہوتا ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ دنیا دارِ جزا نہیں ہے۔ اور جو گناہ اور معصیت بندوں کی ہے اُس کی سزا کے لئے دنیا نہیں۔ با ایں ہمہ ہم قرآن مجید میں دیکھتے ہیں کہ خدا تعالےٰ نے دینی تقصیرات پر یہودیوں کے ساتھ دنیا میں کیا معاملہ کیا۔ کیونکہ خدا تعالےٰ قرآن مجید میں یہ فرماتا ہے "وضربت علیھم الذلۃ والمسکنۃ وباؤ بغضب من اللہ ذالك بانھم کانوا یکفرون بآیات اللہ ویقتلون النبیین بغیر الحق ذٰلك بما عصو وکانوا یعتدون" پس اگر دنیا کو دین کے ساتھ کوئی مستحکم رشتہ نہ تھا تو خدا تعالےٰ نے بچارے یہودیوں کو دنیا میں ذلیل اور مسکین کیوں کیا +

اب دوسری طرح پر غور کرو اور ایک خیالی دنیا بناؤ اور یہ تصوّر کرو کہ ہندوستان میں تمام مسلمانوں کے پاس دولت و حکومت اور منصب نہ رہے۔ سب مفلس اور نان شبینہ کو محتاج ہوں (جیسا کہ انشاء اللہ تعالےٰ ان بدعقلیوں اور بدفہمیوں اور بدنصیبیوں کے سبب جو زمانۂ حال میں اُن کے خطوطِ پیشانی سے پڑھی جاتی ہیں عنقریب ہونے والا ہے) اور دربدر بھیک مانگتے پھریں اُن کی اولاد جاہل اور نالائق۔ چور اور بدمعاش ہو۔ واعظین کو جو محض ریاکاری اور مکّاری سے دنیا کماتے پڑے پھرتے ہیں کوئی ٹکا دینے والا یا حرام کا لقمۂ تر کھلانے والا نہ رہے جناب حضرت پیر جی صاحب جو لوگوں کو مرید کر کر اپنا لشکر بناتے پھرتے ہیں اور سالانہ ٹیکس یا جزیہ اُن پر مقرر کرتے ہیں اور ہر سال اُس کی تحصیل میں مصروف ہیں اُن کو کوئی دینے والا نہ رہے۔ یا جناب مولوی صاحب قبلہ جو حدیث و تفسیر یا صدرا و شمس بازغہ طالب علموں کو پڑھاتے ہیں۔ اُن کو کوئی چار پیسے کو نوکر رکھنے والا نہ رہے جیسا کہ اب بھی یہی حال موجود ہے کہ اچھے اچھے مولوی ٹکے ٹکے کو مارے پھرتے ہیں اور کوئی نہیں پوچھتا تو اُس وقت دین کا کیا حال ہوگا +

مگر اس کے ساتھ یہ بھی تصور کرنا چاہئے کہ پیٹ ایسی چیز ہے کہ دین رہے یا جاوے خدا ملے یا نہ ملے اُس کو بھرنا چاہئے تو ایسی حالت میں مسلمانوں کو پیٹ بھرنے کی تو کچھ فکر کرنی چاہئے۔ اور فکر کیا ہوگی اُس کا خیال بڑے دینداروں کی نسبت تو یہ ہو سکتا ہے کہ کسی کے گھر چھتیری ڈھو رہے ہیں۔ کسی جنگل میں گھانس چھیل رہے ہیں۔ کسی پہاڑ پر لکڑیاں چُن

طبقۂ چہارم۔ مذہب اسلام کے اسرار جاننے کا علم اور یہ وہ علم ہے جس میں مذہب اسلام میں جو کچھ ہے اُس کی حقیقت اور اصلیت اور جو حکمت کہ شارع نے اُس میں رکھی ہے وہ بیان کی جاتی ہے ❊

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ یہی علم ہے جس سے آدمی پکا مسلمان ہوتا ہے اور اُس کا ایمان مثل ایسے شخص کے کامل یقین کے پختہ ہو جاتا ہے جس کو کسی نہایت سچے شخص نے یہ بات کہی ہو کہ سنکھیا زہر قاتل ہے۔ اُس کے کھانے سے آدمی مرجاتا ہے اور اُس شخص نے بسبب اُس قایل کی سچائی اور معتبری کے اُس کی تصدیق کی اور پھر قواعد علم حکمت سے یہ بات بھی جانی کہ زہر میں حرارت اور یبوست بے انتہا ہے اور وہ دونوں خاصیتیں انسان کے مزاج کے برخلاف ہیں اور اِس لئے اُس کو مار ڈالتی ہیں اور اِس بات کے جاننے سے اُس کا یقین اُس قایل پر اور اُس کی بات پر اور زیادہ پختہ ہو جاتا ہے۔ پس اسرار دین کے علم کا یہی نتیجہ ہے کہ وہ انسان کے ایمان کو ایسا پختہ کر دیتا ہے کہ کسی طرح ڈگمگا ہی نہیں سکتا ❊

شاہ صاحب یہ بھی لکھتے ہیں کہ اگرچہ عام عالموں نے فقہ کو لب لباب علوم دین کا سمجھا ہے مگر اُن کے نزدیک علم اسرار دین ہی سب کا سرتاج ہے۔ پھر وہ قسمیہ بیان کرتے ہیں کہ یہی علم اِس لایق ہے کہ بعد ادائے فرائض کے آدمی اسی علم میں اپنی تمام اوقات عزیز صرف کرے اور ذخیرۂ آخرت لے جاوے ❊

شاہ صاحب یہ بھی فرماتے ہیں کہ جبکہ اس قسم کے مطالب پر لوگ غور کرتے آئے ہیں اور مسائل اور مطالب نکالتے رہے ہیں تو اب علم اسرار دین پر گفتگو کرنا اور بحث کرنا خرق اجماع ہی نہیں رہا۔ میں کہتا ہوں کہ خرق اجماع کیسا۔ اب اس پر بحث کرنا فرض عین ہو گیا ہے ❊

حال یہ ہے کہ جو حالات کہ انسان کی رُوح سے متعلق ہیں اور جو انکشافات کہ انسان کی رُوح پر ہوتے ہیں اور اعمال صالحہ اور غیر صالحہ سے جو کیفیت انسان کی رُوح میں پیدا ہوتی ہے اور جو حالات کہ اُس پر بعد موت کے طاری ہوتے ہیں جس کو معاد کہتے ہیں وہ بدون تمثیل کے انسان کے خیال میں نہیں آسکتے کیونکہ جو چیز کہ ہماری آنکھ سے دکھائی نہیں دیتی نہ ہم اُس کو چھو سکتے ہیں تو اُس کا خیال ہمارے دل میں بجز ایسی چیزوں کی تمثیل کے جن کو ہم جانتے ہیں اور دیکھتے ہیں اور کسی طرح پر نہیں آسکتا۔ مثلاً اگر عذاب قبر میں گنہگاروں کی نسبت سانپوں کا چمٹنا اور کاٹنا بیان کیا جاوے تو اُس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ درحقیقت سچ مچ کے یہ سانپ جن کو ہم دنیا میں دیکھتے ہیں مُردے کو چمٹ جاتے ہیں بلکہ جو کیفیت کہ گناہوں سے روح کو حاصل ہوتی ہے اُس کا حال انسانوں میں اُس رنج و تکلیف و مایوسی کی مثال سے پیدا کیا جاتا ہے جو دنیا میں

ہوں۔ جن بدرسموں اور خراب عادتوں سے غیر قومیں مسلمانوں کو اور اسلام کو حقیر و ذلیل سمجھتی ہیں وہ موقوف کی جاویں۔ جو خلاف شرع تعصبات و توہمات ہیں اور ہر طرح کی ترقی کے مانع ہیں وہ دور کیے جاویں۔ اِن تمام باتوں کو محض وینداری اور حُبّ قومی سے نہ سمجھنا اور انہماک دنیا کا الزام دینا کس طرح خدا کے نزدیک درست ہوگا ✤

باقی رہا اختلاف۔ بعض مسائل میں وہ ایک جُدا بات ہے۔ مَیں جس مسئلہ کو حق اور سچ سمجھتا ہوں بلاخوف اُس کو کرتا ہوں بقول شخصے "از خدا شرم دار و شرم مدار" اُن مسائل میں سے جب کوئی مسئلہ کسی صاحب کی تحریر یا تقریر سے غلط ثابت ہوگا مجھ کو اُس کا اقرار کرنے اور توبہ کرنے میں ایک لمحہ کی بھی خدا نے چاہا تو دیر نہ ہوگی۔ واللہ ولی التوفیق ✤

یہ امور جو میں نے لکھے۔ مجھ کو لکھنے زیبا نہ تھے۔ مگر یہ مجبوری جو کچھ اپنی نیت اور اپنا ارادہ اور قصد ہے اُس کا عام طرح پر ظاہر کرنا ضرور تھا اِس لئے دو چار حرف اُسی سختی سے جو میرے دل میں ہے لکھے گئے ہیں۔ تاکہ میرے مخالف اور موافق سب اُس پر غور کریں ✤

طبقات علوم الدین

ہم خیال کرتے ہیں کہ اس زمانہ میں جو مسلمان بعض مسائل مذہبی کی تدقیقات کو دیکھ کر متعجب ہوتے ہیں اور اس تدقیق کو خلاف جمہور اور خرق اجماع سمجھتے ہیں۔ غالباً اُس کا سبب یہ ہے کہ وہ علوم دین کے طبقات سے واقف نہیں ہیں اس لئے مناسب ہے کہ کچھ اُن کا ذکر کیا جاوے ✤

شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں طبقات علوم الدین کی تفصیل اس طرح پر بیان کی ہے ✤

طبقہ اوّل۔ حدیثوں کے پہچاننے کا علم کہ کونسی صحیح ہے اور کونسی ضعیف۔ اور کونسی معتبر ہے اور کونسی نامعتبر۔ چنانچہ اس کام کو علمائے محدثین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین نے اختیار کیا اور حدیث کی کتابیں اُس میں تالیف کیں ✤

طبقہ دوم۔ کلام الٰہی اور ان حدیثوں کے معنی بیان کرنے کا علم کہ مطابق محاورہ اور استعمال زبان عرب کے اِس کے کیا معنی ہیں۔ چنانچہ اس کام کو علمائے علم ادب نے اختیار کیا ✤

طبقہ سوم۔ کلام الٰہی اور حدیثوں کے معنوں کو بطور اصطلاحات شرعیہ قرار دینے اور ان سے احکام شرعیہ کے نکالنے اور ایک حکم سے دوسرے پر قیاس کرنے اور اشارات و کنایات و عبارت سے حکم نکالنے اور ناسخ منسوخ قرار دینے اور راجح مرجوح ٹھہرانے کا علم۔ چنانچہ اس کام کو فقہا نے اختیار کیا ✤

اور برابر موثر ہو۔ پس وہ مطالب اس لائق ہیں کہ اُن کو حال کے پیرایہ تقریر کے موافق از سر نو بیان کیا جاوے۔ مگر یہ کام اُسی سے ہو سکتا ہے جس پر خدا کی مہربانی ہوئی ہو۔ اور اُس کے دل کو نور ایمان سے منور کیا ہو اور کچھ حصہ علم لدنی سے عطا فرمایا ہو۔ وان من اعظم نعم اللہ علی ان اتانی منہ حظاً وجعل لی منہ نصیباً وما انفک اعترف بتقصیری و ابرء وما ابرء نفسی ان النفس لامارۃ بالسوء ✤

عبادت

تمام نیکیاں اور عبادتیں جو قانون قدرت کے برخلاف ہیں پوری نیکیاں اور عبادتیں نہیں ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ بہت سے لوگ اِس کا خیال نہیں کرتے۔ اگر صرف اس کا خیال ہی نہ کیا جاتا تو چنداں مشکل نہ تھی۔ وقت یہ ہے کہ قانون قدرت کے مطابق جو نیکیاں اور عبادتیں ہیں اُن کو نیکیاں اور عبادتیں ہی نہیں سمجھتے ✤

اِس مطلب کے ثابت کرنے کو ہمارے لئے ارشاد رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا کافی اور وافی ہے اور اُس کے بعد کسی دوسرے کے قول و فعل کی سند کی حاجت نہیں ✤

عن انس قال جاء ثلثۃ رھط الی ازواج النبی صلعم یسألون عن عبادۃ النبی فلما اخبروا بھا کانھم تقالوھا فقالوا این نحن من النبی صلی اللہ علیہ وسلم و قد غفر اللہ ما تقدم من ذنبہ وما تاخر فقال احدھم اما انا فاصلی اللیل ابداً وقال الاخر انا اصوم النھار ابداً ولا افطر وقال الاخر انا اعتزل النساء فلا اتزوج ابداً فجاء النبی صلعم الیھم فقال انتم الذین قلتم کذا وکذا اما واللہ انی لاخشاکم للہ واتقاکم لہ لکننی اصوم وافطر واصلی وارقد واتزوج النساء فمن رغب عن سنتی فلیس منی ۔ متفق علیہ ✤

بخاری و مسلم نے حضرت انسؓ سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ عرب کی تین قوموں کے کچھ لوگ پیغمبر خدا صلعم کی ازواج مطہرات کے پاس آنحضرت صلعم کی عبادت کا حال دریافت کرنے کو آئے۔ جب اُن کو بتایا گیا تو اُنھوں نے اُس کو بہت کم سمجھا اور آپس میں کہنے لگے کہ کجا ہم اور کجا پیغمبر صاحب۔ اُن کو تو بہت سی عبادت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اُن کو تو اللہ تعالے نے اگلے پچھلے گناہوں سے پاک کر دیا ہے۔ پھر اُن میں سے ایک نے کہا کہ ہم تو ہمیشہ تمام رات نماز پڑھا کرینگے۔ اور دوسرے نے کہا کہ ہم ہمیشہ دن کو روزہ رکھا کرینگے اور کبھی روزہ نہ چھوڑینگے اور دوسرے نے کہا کہ ہم عورتوں کے پاس نہ جاوینگے اور کبھی جورو نہ کرینگے۔ اتنے میں

سانپوں کے کاٹنے سے انسان کو ہوتی ہے۔ عام لوگ اور کٹ ملّا اُس کو واقعی سانپ سمجھتے ہیں اور عارف باللہ اُس کی حقیقت اور اصلیت پر پہنچ جاتے ہیں اور اسی اصلیت کے جاننے اور بیان کرنے کو علم اسرار دین کہتے ہیں اور یہ وہی علم ہے جس سے انسان کا ایمان تصدیق کے درجہ سے بھی بڑھ کر علم الیقین اور حق الیقین بلکہ عین الیقین کے درجہ تک پہنچ جاتا ہے۔

اگلے زمانہ میں علماء کی یہ رائے تھی کہ علم اسرار الدین کو عام لوگوں میں پھیلانے سے جو اُن کی سمجھ سے باہر ہے کچھ فائدہ نہیں بلکہ اُن کی تصدیق کو تشکیک میں ڈالنا ہے۔ مگر اب وہ زمانہ نہیں رہا۔ حال کے زمانہ میں ہر چہار طرف علوم کی ترقی بہت زیادہ ہوگئی اور اُس کی شعاعیں تمام دنیا میں پھیل گئیں اور پھیلتی جاتی ہیں اور پھیلتی جاوینگی۔ بعض ملکوں میں تو عام و عوام اور خاص و خواص سب کے خیالات کو وسعت ہوگئی اور بعض ملکوں میں شاید ابھی عوام کے خیالات کو وسعت نہ ہوئی ہو الّا عام کے خیالات کو تو ضرور وسعت ہوگئی ہے۔ اور اِس لئے اب دین کی تمثیلی باتوں کا بیان کرنا کافی نہیں رہا بلکہ اسرار دین کے علانیہ بیان کرنے کا وقت ہے۔ اور جو باتیں اگلے زمانہ میں کسی عالم کے دو چار شاگرد رشید جانتے تھے اُس کو عموماً ہر ایک کو بتلانا چاہیئے تاکہ حقائق مسائل اور اسرار دین سے لوگ واقف ہو کر اپنے مذہب کی سچائی پر مطمئن ہوں اور کٹ ملاؤں کے اس فتوے کفر سے کہ عذاب قبر سے انکار کیا اور معراج سے منکر ہوئے اور شیطان کے وجود کو بشر جداگانہ نہ ماننے سے نص قرآن کا انکار کیا کچھ ڈرنا نہیں چاہیئے۔ اگلے لوگوں نے جن میں سب کے سرتاج امام حجۃ الاسلام غزالیؒ ہیں اور سب کے آخر شاہ ولی اللہ صاحبؒ ہیں اُن کی نسبت بھی ان کٹ ملاؤں نے اسرار دین کے بیان کرنے کے سبب سے بہت سے کفر کے فتوے دئیے ہیں۔ اُن فتوؤں سے اُن کا تو کچھ نہیں بگڑا۔ مگر ان کٹ ملاؤں کی ہنڈیا میں جو تھا وہی اُن کے چمچوں میں نکل آیا۔

اِس علم یعنی علم اسرار دین میں احیاء العلوم امام حجۃ الاسلام غزالیؒ کی اور حجۃ البالغہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی نہایت عمدہ کتابیں ہیں مگر زمانہ حال کے مطابق اُن کو بھی کافی نہ سمجھنا چاہیئے اِس لئے کہ اِس زمانہ میں بہت سی چیزیں اب معلوم یا مروّج ہوئی ہیں جو اُس زمانہ میں نہ تھیں اور یہ کہ طرز تحریر و طریق تقریر اور مناط استدلال اور طریقہ ایراد اِس زمانہ میں نئے طور پر شروع ہوا ہے جو اُن زمانوں میں نہ تھا۔ اور یہ کہ حال کے زمانہ کے لوگوں کے خیالات کو بہ نسبت اُس زمانہ کے بہت زیادہ وسعت ہوگئی ہے۔ اور یہ کہ اُن کتابوں میں بہت باتیں بر بنیاد امورات مسلّمہ مذہبی بیان کی گئی ہیں جو صرف معتقدین اسلام کے لئے بلاشبہ مفید ہیں۔ مگر بلحاظ شان و قدر و منزلت اُس علم کے اُس کے بیان کا ایسا عام ہونا چاہیئے جو معتقدین اور غیر معتقدین سب کے لئے مفید

بھی اِس بات سے بحث کرنا مقصود نہیں ہے کہ وہ عبادتیں عبادتیں نہیں ہیں بلکہ اس بات سے بحث منظور ہے کہ عبادت کو انہی میں منحصر سمجھنا غلط ہے۔ اور یہ کہ بعضی دفعہ بسبب تبدیل حالت کے ادنے درجہ کی عبادت اعلےٰ درجہ کی عبادت ہو جاتی ہے۔ اور اعلےٰ درجہ کی عبادت اس درجہ کی نہیں رہتی۔ اور شریعت محمدیہ علےٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں یہی ایک حکمت بالغہ ہے جس سے تمام قوانین قدرت قایم رہتے ہیں۔ الّا افسوس ہے کہ اِس زمانہ میں اکثر لوگوں کو اس حکمت بالغہ پر خیال نہیں ہے ٭

ہمارے زمانہ کے مسلمان بھائیوں نے سوائے فرایض کے باقی عبادتوں کو صرف نماز روزہ وتلاوت قرآن مجید اور خیالی ترک دنیا اور درس تدریس علوم دینیہ اور اوراد ماثورہ یا وظایف مقررہ پیران ہی میں منحصر کر رکھا ہے حالانکہ اُنہی پر اُن کا انحصار محض غلط ہے۔ بلکہ اُن میں سے بعض ایسے درجہ پر پہنچ گئے ہیں جو قانون قدرت کے برخلاف ہیں اور اس لئے مقصود شارع نہیں ہیں۔ اور بہت سی ایسی متروک ہیں جو بسبب تغیر و تبدل حالات کے اُن سے بھی مقدم اور اعلےٰ ہیں۔ اب ہم اپنے اِس مطلب کو چند مثالوں کے بیان کرنے سے زیادہ وضاحت سے بیان کرتے ہیں ٭

علم مسلمانوں کے دلوں میں یہ بات سمائی ہے کہ علمی عبادت صرف علوم دینیہ ہی کے پڑھنے پر منحصر ہے۔ اور اُس کے سوا کسی علم کا پڑھنا یا پڑھانا یا اُس پر روپیہ خرچ کرنا داخل عبادت نہیں اور اسی لئے ثواب بھی نہیں۔ اُن میں یہ مثل مشہور چلی آتی ہے کہ ؎

علم دیں فقہ است و تفسیر و حدیث
ہر کہ خواند غیر ازیں گردد خبیث

مگر یہ خیال اُن کا محض غلط ہے اور اسی سبب سے مسلمانوں میں روز بروز علم کا تنزل ہے اور جس کے ساتھ خود علم دین بھی معدوم ہوتا جاتا ہے ٭

جاننا چاہیئے کہ علم کے معنی و اشتقاق کے ہیں علوم دینیہ کا صرف جاننا نہ کچھ عبادت ہے اور نہ کچھ ثواب۔ البتہ وہ اُس وقت عبادت یا ثواب ہو سکتا ہے جبکہ اُس کو امور دینی کے کام میں لانے کی نیت سے پڑھا جاوے پس مدار عبادت اور ثواب تحصیل علوم دینیہ کا نیت پر منحصر ہے نہ نفس علم پر۔ یہی حال تمام باقی علوم کا ہے۔ تمام علوم جن کو علوم دنیوی کہتے ہیں واسطے ترقی اور استحکام اور تقلی علوم دینی کے ضرور ہیں۔ گو اُن کا پڑھنا فی نفسہٖ عبادت ہو جیسا کہ علوم دینیہ کا پڑھنا بھی فی نفسہٖ عبادت نہ تھا۔ مگر جب کہ وہ اس نیت سے پڑھے جاویں یا پڑھائے جاویں کہ علوم دینیہ کے لئے مثل آلہ کے ہیں تو اُن کا پڑھنا یا پڑھانا داخل عبادت

جناب پیغمبر خدا صلعم تشریف لے آئے اور فرمایا کہ تم نے ایسی ایسی باتیں کہی ہیں۔ جانو خدا کی قسم میں تم سے زیادہ خدا سے ڈرتا ہوں اور تم سے زیادہ اُس کے حضور میں پاک رہنا چاہتا ہوں۔ لیکن میں تو روزہ رکھتا بھی ہوں اور نہیں بھی رکھتا۔ اور نماز بھی پڑھتا ہوں اور سو بھی رہتا ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔ پھر جو کوئی میرے طریقہ کو پسند نہ کرے وہ میرے ساتھیوں میں سے نہیں *

یہ حدیث ہم مسلمانوں کے لئے بہت بڑی سند اس بات کی ہے کہ اصلی اور سچی عبادت وُہی ہے جو قانون قدرت کے اصول کے مطابق ہے۔ تمام قوے جو خدا تعالٰے نے انسان میں پیدا کئے ہیں وہ اِس لئے پیدا نہیں کئے کہ وہ بیکار کر دئیے جاویں بلکہ اس لئے پیدا ہوئے ہیں کہ سب کام میں لائے جائیں۔ شریعت حقہ مصطفویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام نے کوئی نئی بات نہیں پیدا کی بلکہ صرف اُن قوے کے کام میں لانے کے طریقہ کو بتایا ہے جس سے جملہ قوے اعتدال پر اور شگفتہ و شاداب رہیں اور ایک کے غلبہ سے دوسرا بیکار اور پژمردہ نہ ہو جاوے۔ مگر بہت ہی کم لوگ ہیں جو اس نکتہ کو سمجھتے ہیں بلکہ اُس طریقہ کو جس کو ہمارے پیغمبر خدا صلعم نے رہبانیت قرار دیا ہے اور جس کو ہندی زبان میں جوگی یا جوگ کہتے ہیں۔ کمال عبادت اور منتہائے زہد و تقوے قرار دیتے ہیں *

فرائض جو مذہب اسلام میں ہیں اُن کا ادا کرنا بلاشبہ باعث نجات ابدی ہے عن ابی هریرۃ قال اتی اعرابی النبی صلعم فقال دلنی علی عمل اذا عملتہ دخلتُ الجنۃ قال تعبد اللہ ولا تشرک بہ شیئاً وتقیم الصلوٰۃ المکتوبۃ وتودی الزکوٰۃ المفروضۃ وتصوم رمضان قال والذی نفسی بیدہ لا ازید علی ھذا شیئاً ولا انقص منہ فلما ولی قال النبی صلعم من سرہ ان ینظر الی رجل من اھل الجنۃ فلینظر الی ھذا متفق علیہ *

بخاری و مسلم نے حضرت ابو ہریرہؓ سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ ایک دہقانی عرب پیغمبر خدا صلعم پاس آیا۔ اور کہا کہ مجھ کو ایسی بات بتائیے کہ اگر میں اُس کو کیا کروں تو بہشت میں جاؤں۔ آپ نے فرمایا کہ خدا ہی کی عبادت کیا کر اور کسی دوسرے کو اُس کی عبادت میں مت ملا اور فرض نمازیں پڑھا کر اور زکوٰۃ دیا کر اور رمضان کے روزے رکھا کر۔ اُس نے کہا کہ خدا کی قسم نہ تو میں اس میں کچھ بڑھاؤنگا اور نہ گھٹاؤنگا۔ جب وہ پیٹھ پھیر کر چلا تو آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ جو شخص جنتی آدمی کو دیکھنا چاہے تو اِس شخص کو دیکھ لے *

غرض کہ ادائے فرائض بلاشبہ اصلی عبادت ہے جس کا ادا کرنا ہر شخص مکلف پر فرض ہے مگر ہم اِس مقام پر فرائض کے سوا جو اور عبادتیں ہیں اُن سے بحث کرنی چاہتے ہیں اور اُن میں

کے شامل سمجھیں تو کچھ بعید نہیں ✤

بعض علما نے علم معقول اور علم کلام دونوں کا پڑھنا ناجائز سمجھا تھا اور بعضوں نے اُس کے برخلاف اُن کو ضروری ٹھہرایا تھا۔ ہم اُس کے جائز ہونے کی بحث سے درگذر کر کے یہ کہتے ہیں کہ وہ علم معقول جس پر علمائے انکار کیا صرف یونانی حکیموں کے عقلی تُکّے تھے وہ اپنی عقل ناقص سے خدا کی ذات و صفات سے بحث کرتے تھے جس کا الٰہیات اُنہوں نے نام رکھا تھا وہ علوم اُن کے ساتھ گئے۔ اب جو نئے علوم پیدا ہوئے اور جو انگریزوں کی بدولت ہندوستان میں آئے وہ علوم صرف عقلی نہیں ہیں۔ نہ الٰہیات سے علاقہ رکھتے ہیں۔ وہ تو اشیائے موجودہ کے حقایق کے علوم ہیں جن سے ہر ایک شئے جس کو ہم دیکھتے ہیں اُس کی حقیقت معلوم ہوتی ہے پس ان علوم کو اُس قدیم یونانی معقولات پر قیاس کرنا کتنی بڑی غلطی کی بات ہے۔ وہ علم تو ہماری عقلوں کو گمراہ کرنے والے تھے اور یہ علم حقیقت اشیاء کے بتانے والے اور خدا کی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ پر یقین دلانے والے ہیں ✤

بعضے کٹ ملا یہ کہتے ہیں کہ ان علوم میں بھی جو حقیقت بعض اشیاء کی ثابت کی گئی ہے وہ مذہب اسلام کے برخلاف ہے اور اس لئے ان علوم سے بھی عقاید اور مسائل اسلام میں نقصان آنے کا احتمال ہے مگر ایسی رائے پر بجز افسوس اور نفرین کے کیا کہا جا سکتا ہے۔ ایسے شخص کا مطلب یہ ہے کہ نعوذ باللہ مذہب اسلام حقیقت کے برخلاف ہے۔ ایسے شخص کی نسبت یہ کہنا چاہیئے کہ یا تو وہ مذہب اسلام کی حقیقت سے واقف نہیں ہوا یا اُس کو مذہب اسلام کے سچے ہونے پر کامل یقین نہیں ہے ✤

اب ہم اس خیال کو کہ عبادت صرف علوم دینیہ ہی کا پڑھنا اور پڑھانا ہے دوسری طرح پر باطل کرتے ہیں۔ خدا تعالےٰ نے انسان میں وہ تمام قوے پیدا کئے ہیں جن سے وہ علم دین اور وہ علوم جن کو دنیاوی علوم کہتے ہیں دونوں کو حاصل کر سکتا ہے۔ پس ان دونوں قوتوں کو ہمیں کام میں لانا چاہیئے تاکہ ہم نے خالق کی مرضی کے مطابق کام کیا ہو نہ یہ کہ ایک کو شگفتہ و شاداب اور دوسرے کو معطل و بیکار کر دیں کیونکہ یہ امر قانون قدرت کے برخلاف ہے اور اس لئے نیکی نہیں ہو سکتا۔ اور جب نیکی نہیں ہو سکتا تو عبادت بھی نہیں ہو سکتا۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ ہم ان دونوں قوتوں کو حد اعتدال پر رہنے دیں اور ایک کو دوسرے سے مغلوب نہ کر دیں ✤

خدا تعالےٰ نے ہم کو ہمارا مذہب ایسا عمدہ دیا ہے جو ہماری معاد اور معاش دونوں کو قانون قدرت کے مطابق اصلاح کرنے والا اور ترقی دینے والا ہے۔ جس طرح کہ ہم اس بات کو خیال کر سکتے ہیں کہ اگر تمام لوگ صرف علوم دنیوی کی تحصیل کیا کریں تو دین کا کیا حال ہوگا

ہی عبادت ہے جیسا کہ علوم دینیہ کا تھا۔ پس ایک کو عبادت سمجھنا اور دوسرے کو نہ سمجھنا کیسی غلطی ہے +

علاوہ اِس کے وہ علوم بھی جن کو ہم علوم دنیوی کہتے ہیں اگر ان کی تعلیم نیک طرح پر ہو تو باعث ترقی ایمان اور سبب محبت اور ترقی معرفت ذات باری تعالےٰ جلّ شانہ کے ہوتے ہیں امام غزالی صاحبؒ احیاء العلوم میں جہاں خدا تعالےٰ کی محبت کے اسباب کو بیان فرماتے ہیں۔ لکھتے ہیں کہ قوت معرفت سبب قوت محبت ہے اور یہ بات خدا تعالےٰ کی صفات اور ملکوت سموات وارض پر دھیان لگانے سے ہوتی ہے اِس لئے کہ کوئی ذرّہ آسمان و زمین سے ایسا نہیں ہے جو اُس کی حکمتوں اور عجیب نشانیوں سے خالی ہو۔ جس ذرّہ پر نظر کی جاوے وہ اُس کی قدرت کاملہ پر شہادت دیتا ہے اور جس برگِ درخت پر نظر کی جاوے اُس کی حکمت بالغہ پر دلالت کرتا ہے۔ کوئی دانہ زمین سے نہیں اُگتا کہ اپنے اُگانے والے کی توحید پر ہزار زبان سے اقرار نہ کرتا ہو اور اُس کی قدرت کاملہ پر ہزار طرح سے شہادت نہ دیتا ہو۔ جس درخت پر نظر کی جاوے ہر ورق اُس کا اللہ جلّ شانہٗ کی وحدانیت کا مقر ہے۔ اور جس ورق پر غور سے خیال کیا جاوے اُس کی معرفت کا دفتر ہے اور اِن سب باتوں کا علم باعث ایمان کامل اُس قادر مطلق پر ہے جس کی عبادت کرنا عین مسلمانوں کا ایمان ہے۔ پس تمام علوم دنیوی اس اعتبار سے علوم دینیہ سے کم نہیں ہیں +

جس وقت کہ ہم علم ریاضی پڑھ کر خدا تعالےٰ کی اُس قدرت کاملہ سے واقف ہوتے ہیں جو خلق آسمان و زمین وکواکب سیّارہ و ثوابت میں کام آئی ہے اور کتنے بڑے بڑے کرات کو کیسی سریع حرکت سے معلق پھرتے دیکھتے ہیں اور اُس کی عجائب حکمت کو دریافت کرتے ہیں تو کس طرح ہم کو وجود صانع اور اُس کی قدرت کاملہ پر یقین ہوتا ہے +

جس وقت کہ ہم علم ارض یعنی جیالوجی پڑھتے ہیں اور ان عجائبات سے واقف ہوتے ہیں جو خدا تعالےٰ نے صرف اس کرۂ خاک میں بنائے ہیں جو دن رات ہمارے پاؤں کے تلے روندا جاتا ہے تو ہم کو کیسا مستحکم اُس خدا کی خدائی پر یقین ہوتا ہے +

علم نباتات اور علم حیوانات سے جب ہم کو واقفیت ہوتی ہے تو پھولوں کی پنکھڑیوں کی رنگ آمیزی اور مکھی کی آنکھ کی پچیکاری ہی ہم کو اُس حکیم مطلق کی حکمت کاملہ پر یقین کامل دلاتی ہے +

اسی طرح تمام علوم کیا علم آب اور کیا علم ہوا اور کیا علم جرثقیل اور کیا علم برق و مقناطیس سب کے سب ہماری معرفت کو قوت اور ہمارے ایمان کو خدائے واحد پر پختہ اور مستحکم کرتے ہیں۔ اور حق الیقین بلکہ عین الیقین کے مرتبہ تک پہنچاتے ہیں۔ پس اگر اس اعتبار سے ہم ان علوم کو بھی علوم دینیہ

مریدوں سے حلوا مانڈے لینے کے بدلے مسلمانوں کی تعلیم کے لئے کچھ جمع کریں اور جناب مولوی صاحب و قبلہ جو منبر پر بیٹھ کر دنیا کے ہیچ اور اہل دنیا کے کافر ہونے کا وعظ فرماتے ہیں۔ مگر جب سفید سفید گول گول نذر پیش ہوتی ہے تو جھٹ ہات لنبا کر کر اور ایک عجیب شتر غمزہ سے اٹھا کر جیب مبارک میں رکھ لیتے ہیں اگر اسی پلید کو وناپاک دنیا یعنی نذر کو مسلمانوں کی تعلیم میں دنیوی نہ سہی دینی ہی تعلیم میں صرف کریں تو کیسا کچھ ثواب کمائیں۔ پس جھوٹ موٹ کی عبادت اور دکھلا کی ریاضت جس سے انسان کا دل بعوض نرم ہونے کے پتھر سے بھی زیادہ سخت ہوجاتا ہے ہماری سمجھ میں تو کچھ کام کی نہیں ہے ٭

ترک دنیا۔ ایک اور جھوٹا اور غلط خیال یہ ہے کہ ترک دنیا عبادت ہے۔ یہ ایک ایسا غلط اور جھوٹا قول ہے کہ اس سے زیادہ دوسرا نہیں ہوسکتا۔ دنیا کا ترک کرنا جس طرح کہ لوگ سمجھتے ہیں غیر ممکن ہے۔ البتہ جس طرح شارع نے فرمایا ہے اور ترک دنیا سے جو اس نے مراد لی ہے وہ بالکل صحیح اور نہایت درست اور بالکل قانون قدرت کے مطابق ہے مگر اس زمانہ کے لوگوں کے خیال کے مطابق شارع والی ترک دنیا عین شقاوت اور کمال دینداری ہے۔ نعوذ باللہ منہا۔ دنیا ہمارے لئے پیدا ہوئی ہے اور ہم دنیا کے لئے۔ پھر ہم اس کو اس طرح پر جس طرح کہ جھوٹے دنیا ترک کرنے والے ترک کرنے کو کہتے ہیں کیونکر ترک کرسکتے ہیں۔ ہاں جس طرح کہ شارع نے دنیا کا ترک کرنا بتایا ہے۔ اس طرح پر ترک کرنا سچا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ہم دنیا کو اس طرح پر برتیں کہ جس طرح شارع نے بتایا ہے۔ نہ اپنے جذبات نفسانی کی مرضی پر۔ اور اس کو اس طرح پر کام میں لاویں جس طرح قانون قدرت نے ہم کو سکھایا ہے نہ اپنی ہوائے نفسانی کے مطابق ٭

لنڈن میں ایک یورپین لامذہب میرا دوست تھا۔ اس کو اس بات کے معلوم ہونے سے کہ میں حضرت مسیح علیہ السلام کو اور ان کی وعظ و نصائح کو جو انجیلوں میں مندرج ہیں مانتا ہوں۔ نہایت تعجب تھا۔ لنڈن میں دستور ہے کہ اتوار کے دن تمام دوکانیں بند ہوجاتی ہیں۔ اور اگر ایک دن پہلے نہ خرید لیں تو کھانے پینے کی بھی کوئی چیز نہیں ملتی۔ ایک دفعہ وہ دوست اتوار کے دن کھانے کے وقت مجھ سے ملنے آیا اور میز پر تمام کھانے کی چیز چنی ہوئی دیکھ کر تعجب سے پوچھنے لگا کہ آج یہ سب چیزیں آپ کو کیونکر میسر ہوئیں۔ میں نے کہا کہ ہفتہ کے دن سب کچھ لے رکھا تھا۔ وہ ہنس کر بولا کہ خوب ہوا جو آپ نے حضرت مسیح کے اس قول پر کہ "اس بات کی فکر مت کرو کہ کل کیا کھاؤ گے" عمل نہیں کیا۔ ورنہ آج بھوکے رہ جاتے۔ میں نے ہنس کر یہ کہا کہ یہ مطلب اس کا نہیں۔ پس جو مسلمان کہ خلاف قانون قدرت ترک دنیا کا وعظ فرماتے ہیں وہ اسی طرح سے اپنے مذہب کو مضحکہ بناتے ہیں اور غور کر کے دیکھو تو وہ خود جو کچھ کرتے ہیں دنیا ہی کمانے کو کرتے ہیں۔ پس یہ بات سمجھنا کہ امورات دنیا میں مصروف ہونا عبادت نہیں ہے عین غلطی ہے۔ ہاں اس کو

اسی طرح اگر تمام لوگ صرف علوم دینی ہی پڑھا کریں تو ہماری دنیا کا جس کی اصلاح شریعت سے خارج نہیں ہے کیا حال ہوگا بلکہ علوم دنیاوی کے معدوم ہونے سے دین اور علوم دینی دونو کے معدوم ہونے کا قوی اندیشہ ہے۔ پس ہمارا فرض ہے کہ ہم دونوں قسم کے علوم کی ترویج میں سعی و کوشش کریں اور ایک کو دوسرے کا آلہ سمجھ کر دونوں کو پڑھنا اور پڑھانا داخل عبادت جانیں ۔

قطع نظر ان سب باتوں کے اکل حلال کا پیدا کرنا ہر شخص پر فرض ہے اور اُس کے لئے اسباب و سامان اور ذریعے اور وسیلے بہم پہنچانے بلاشبہ ثواب اور داخل عبادت ہونگے۔ دنیوی علوم بلاشبہ کسب حلال کے لئے نہایت عمدہ ذریعے اور وسیلے ہیں۔ پس مسلمانوں کے لئے اُن ذریعوں کا مہیا کرنا بلاشک وشبہ بہت بڑی نیکی اور عمدہ ثواب تصور کیا جاویگا اور اس لئے ٹھیک عبادت ہوگا ۔

زہد و ریاضت۔ ایک بڑی غلطی جس میں مسلمان پڑے ہیں وہ یہ ہے کہ اُنھوں نے زہد و ریاضت کو صرف راتوں کو جاگنے اور ذکر و شغل کرنے اور نفل پڑھنے اور نفلی روزے رکھنے پر منحصر سمجھا ہے۔ قطع نظر اس کے کہ اُن کا ایسا کرنا اور حد اعتدال سے گذر جانا جو قانون قدرت کے برخلاف ہے مقصود شارع ہے یا نہیں۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ وہ عبادت صحیح مگر اُس کے سوا اور نیک باتوں کو عبادت نہ سمجھنا جو اُن سے بھی بہت زیادہ مفید ہیں بہت بڑی غلطی ہے ۔

زہد و ریاضت جہاں تک کہ حد شرعی سے تجاوز نہ کرے بلاشبہ نیکی و عبادت ہے۔ مگر عام فلاح پر کوشش کرنا اور ایسے امور پر کوشش کرنا جو اپنے ہم مذہبوں کے دینی اور دنیوی حال اور مال کی بھلائی و بہتری کے ہوں اُس سے بہت زیادہ تر مفید ہیں۔ زہد و ریاضت ایک بخیل نیکی ہے جو صرف اپنی ذات کے لئے کی جاتی ہے۔ اور اُس کی مثال ایسے شخص کی ہے جو ایک کوٹھڑی میں بیٹھ کر کھانا کھاوے اور صرف اپنا پیٹ بھر لے۔ عام فلاح چاہنے والا جو اس کام میں زہد و ریاضت کرتا ہے اُس کی مثال حاتم کی سخاوت کی سی ہے جو ہزاروں آدمیوں کو کھلا کر کھاتا ہے۔ پس کیسی بڑی غلطی ہے جو تن پروری کو تو عبادت سمجھا جاوے اور اصلی فیاضی اور سخاوت اور ہمدردی کو عبادت نہ سمجھا جاوے ۔

علاوہ اس کے درجہ ثواب وعبادت تبدل حالات سے بالکل بدل جاتا ہے۔ فرض کرو کہ اگر کسی مقام میں پانی کا قحط ہو تو اُس جگہ بیٹھ کر نفل پڑھنے یا قرآن مجید کی تلاوت کرنی یا ذکر و شغل کی ضرب لگانی زیادہ ثواب کی بات ہے یا کندھے پر پانی لانا اور لوگوں کو پلانا زیادہ ثواب ہے؟ پس جو حالت کہ اس زمانہ میں مسلمانوں کی ہے اگر اُن کی بہتری پر سعی کی جاوے تو نفل و رات کے جاگنے کی ریاضت سے بلاشبہ زاید ثواب ہے۔ انصاف سے دیکھو کہ اگر پیرجی صاحب

مسند ابو داؤد طیالسی۔ سُنن دار قطنی۔ صحیح ابن حبّان۔ مستدرک حاکم۔ کُتب بیہقی۔ کُتب طحاوی۔ تصانیف طبرانی ٭

وہ لکھتے ہیں کہ اگرچہ ان کتابوں کے مصنف عالم متبحّر تھے لیکن ان میں اچھّی بُری یہاں تک کہ موضوع حدیثیں بھی شامل ہیں ٭

چوتھے درجہ میں اُنھوں نے ان کتابوں کو گنا ہے کتاب الضعفا لابن حبان تصانیف الحاکم۔ کتاب الضعفا للعقیلی۔ کتاب الکامل لابن عدی۔ تصانیف ابن مردویہ۔ تصانیف خطیب۔ تصانیف ابن شاہین۔ تفسیر ابن جریر۔ فردوس دیلمی۔ سایر تصانیف فردوس دیلمی۔ تصانیف ابی نعیم۔ تصانیف جوزقانی۔ تصانیف ابن عساکر۔ تصانیف ابو الشیخ۔ تصانیف ابن نجار ٭

وہ لکھتے ہیں کہ یہ کتابیں محض نامعتمد ہیں اور اِس لائق نہیں ہیں کہ کسی عقدے کے اثبات میں یا کسی عمل کے جواز میں اِن کتابوں سے سند لی جاوے۔ عمدہ بات جو شاہ صاحب نے لکھی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت شیخ جلال الدین سیوطی کے رسائل و نوادر کا مادہ یہی کتابیں ہیں اور اِس قدر میں اور لکھتا ہوں کہ حضرت شیخ عبد الحق محدّث دہلوی کی بھی تمام تصنیفات انہی نامعتمد کتابوں پر مبنی ہیں ٭

اِسی بیان کے ساتھ مولانا شاہ عبد العزیز صاحب فرماتے ہیں کہ وضعی یعنی بنائی ہوئی حدیثوں کے پہچاننے کی یہ صورتیں ہیں۔ اوّل یہ کہ تاریخی واقعہ کے برخلاف ہو۔ دوسرے یہ کہ صرف کسی دشمن نے روایت کی ہو۔ تیسرے یہ کہ ایسی بات کہی ہو کہ جس کا جاننا اور ادا کرنا سب پر فرض ہو مگر صرف وُہی ایک شخص روایت کرتا ہو۔ چوتھے یہ کہ قرینہ حالیہ اُس کے جھُوٹے ہونے پر دلالت کرے۔ پانچویں یہ کہ عقل اور قواعد شرع کے برخلاف ہو۔ چھٹے یہ کہ ایک قصّہ مذکور ہو کہ اگر درحقیقت وہ ہوا ہوتا تو ہزاروں آدمی اُس کو دیکھتے۔ مگر اُس کو صرف وُہی شخص بیان کرتا ہے۔ ساتویں یہ کہ الفاظ خلاف محاورہ اور مضمون نامعقول ہو۔ آٹھویں یہ کہ چھوٹے سے گناہ میں نہایت سخت عذاب یا چھوٹے سے نیک کام میں بہت زیادہ ثواب کا ہونا بیان ہوا ہو۔ نویں یہ کہ چھوٹے چھوٹے کاموں پر حج عمرہ کے ثواب ملنے کا بیان ہو۔ دسویں یہ کہ کسی کو مثل انبیاء کے مستحق ثواب کا کسی کام میں بیان کیا ہو۔ گیارھویں یہ کہ حدیث بیان کرنے والے نے اُس کے جھُوٹے ہونے کا خود اقرار کیا ہو ٭

بعد اِس کے شاہ صاحب ارقام فرماتے ہیں کہ بہت سے لوگوں نے مختلف سببوں سے جھُوٹی حدیثیں بنالی ہیں۔ بعضوں نے اِس خیال سے کہ لوگوں کو قرآن مجید کے پڑھنے و تلاوت کرنے کا شوق پیدا ہو ہر ایک سورۃ کی فضیلت میں حدیثیں بنالیں۔ بے دینوں نے اسلام کی

قانون قدرت کے برخلاف استعمال ہیں لانا شقاوت اور اُس کے مطابق برتاؤ میں لانا عین عبادت ہے ٭

کتب احادیث

کسی مسئلہ یا طریقہ یا عادت یا رسم و رواج پر بحث کرنے میں وہ اقوال انسان کو بڑی غلطی میں ڈالتے ہیں جو حدیث کے نام سے مشہور ہیں جو کہ اب تمام حدیثیں کتابوں میں لکھی ہوئی ہیں اِس لئے ہم کو دیکھنا چاہیئے کہ علمائے متقدمین و متاخرین نے کتب حدیث کی بلحاظ اعتبار و عدم اعتبار کے کس طرح تقسیم کی ہے ٭

شاہ ولی اللہ صاحبؒ کہ علمائے متاخرین میں جامع سلف اور مقتدائے خلف تھے۔ اُنہوں نے نہایت عمدہ طرح پر کتب حدیث کی تفصیل بیان کی ہے۔ اُسی کو ہم بھی اِس مقام پر بیان کرتے ہیں ٭

وہ لکھتے ہیں کہ کتب احادیث باعتبار صحت و شہرت اور قبول کے کئی درجے پر ہیں ٭

صحت کے معنی اُنہوں نے یہ لئے ہیں کہ مصنف نے احادیث صحیحہ اُس میں لکھی ہوں اور اُس کے سوا جو حدیث لکھی ہو اُس کا نقص بھی اُسی کے ساتھ لکھ دیا ہو ٭

شہرت کے اُنہوں نے یہ معنی لئے ہیں کہ ہر زمانہ میں اہل حدیث اُس کو پڑھتے پڑھاتے رہے ہوں اور اُس کی ہر ایک چیز بیان میں آگئی ہو ٭

قبول سے وہ یہ مراد لیتے ہیں کہ علمائے حدیث نے اُس کتاب کو معتبر و مستند سمجھا ہو اور کسی نے اُس سے انکار نہ کیا ہو ٭

پھر وہ لکھتے ہیں کہ ان تینوں باتوں میں سب سے اول درجہ کی تین کتابیں ہیں۔ موطا امام مالکؒ۔ صحیح بخاری۔ صحیح مسلم۔ وہ لکھتے ہیں کہ ان تینوں کتابوں کی حدیثیں اصح الاحادیث ہیں۔ اگرچہ انہی میں بعضی حدیثیں بعض سے زیادہ تر صحیح ہیں ٭

اِن کتابوں کے بعد دوسرے درجہ میں اُنہوں نے۔ جامع ترمذی۔ سنن ابو داؤد۔ سنن نسائی کو قرار دیا ہے ٭

وہ انہی چھ کتابوں کو صحاح ستہ کہتے ہیں لیکن اکثروں نے موطا کو صحاح میں سے خارج رکھا ہے اور ابن ماجہ کو داخل کیا ہے ٭

شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا یہ بھی قول ہے کہ مسند امام احمد بھی اسی دوسرے درجہ میں داخل ہونے کے لائق ہے مگر اُس میں ضعیف حدیثیں بہت ہیں ٭

تیسرے درجہ میں اُنہوں نے اِن کتابوں کو شمار کیا ہے۔ مسند شافعی۔ سنن ابن ماجہ۔ مسند دارمی۔ مسند ابو یعلے موصلی۔ مصنف عبد الرزاق۔ مصنف ابو بکر بن ابی شیبہ۔ مسند عبد بن حمید۔

ہم بھی لکھتے ہیں تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ کیسی کیسی مشہور حدیثوں کو علمائے معتبر قابل اعتماد نہیں سمجھتے تھے۔ پس جو حدیثیں کہ معتبر نہیں ہیں اُن کو نہ ماننا عین دینداری ہے۔ چنانچہ مفصلاً ذیل باتیں اُس کتاب میں مندرج ہیں ٭

۱۔ ایمان کے بیان میں جو حدیثیں ہیں کہ ایمان قول اور عمل کا نام ہے اور گھٹتا اور بڑھتا ہے۔ یا نہ گھٹتا ہے نہ بڑھتا ہے۔ ان میں سے کوئی حدیث بھی پیغمبر خدا صلعم کی نہیں ہے بلکہ صحابہ اور تابعین کے اقوال ہیں ٭

۲۔ مرجیہ اور قدریہ اور جہمیہ اور اشعریہ کی نسبت جس قدر حدیثیں ہیں کوئی بھی اُن میں سے صحیح نہیں ہے ٭

۳۔ اس باب میں کہ کلام اللہ قدیم غیر مخلوق ہے بہت حدیثیں ہیں۔ مگر پیغمبر خدا صلعم کی کوئی حدیث نہیں ہے صحابہ و تابعین کے اقوال ہیں ٭

۴۔ ملائکہ کی پیدائش میں اور حضرت جبرئیل کے پروں کے قطروں سے فرشتوں کے پیدا ہونے میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے ٭

۵۔ محمدؐ اور احمدؐ نام رکھنے کی خوبی اور بزرگی میں یا اُس کی ممانعت میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے ٭

۶۔ عقل کی اصلیت اور اُس کی فضیلت کے بیان میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے ٭

۷۔ خضر و الیاسؑ کی عمر اور اُس کی درازی کے باب میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے ٭

۸۔ علم کے باب میں اور اس میں کہ علم کا طلب کرنا فرض ہے کوئی حدیث صحیح نہیں ہے ٭

۹۔ علم کے چھپانے کی بُرائی میں بھی کوئی حدیث صحیح نہیں ہے ٭

۱۰۔ قرآن اور سورتوں کی خاص خاص فضیلتوں میں جس قدر حدیثیں ہیں سوائے چند کے اُن میں سے بھی کوئی حدیث صحیح نہیں ہے ٭

۱۱۔ حضرت ابوبکرؓ کی فضیلت کی مشہور حدیثیں موضوع اور مفتریات سے ہیں ٭

۱۲۔ حضرت علیؓ کے فضائل میں بجز ایک حدیث کے اور کوئی ثابت نہیں ٭

۱۳۔ معاویہؓ کے فضائل میں کوئی صحیح حدیث نہیں ہے ٭

۱۴۔ امام ابو حنیفہؒ اور شافعیؒ کی بزرگی یا بُرائی میں جس قدر حدیثیں ہیں سب موضوع اور مفتریے ہیں ٭

۱۵۔ بیت المقدس اور صخرہ اور عسقلان اور قزوین اور اندلس اور دمشق کی فضیلت میں کوئی صحیح حدیث نہیں ہے ٭

ہنسی اوڑانے کو مضامین دُور از قیاس کی حدیثیں مشہور کردیں۔ مشہور ہے کہ چودہ ہزار حدیثیں ہیں جو اہل زندقہ کی بنائی ہوئی مشہور ہیں۔ اسی طرح ایک فرقہ کے متعصب نے اپنی تائید یا دوسرے کی تذلیل کے لئے حدیثیں بنالی ہیں۔ وعظ کہنے والوں نے بہت سی حدیثیں اپنی طرف سے گڑھ لی ہیں۔ اور بعضی دفعہ اولیاء اللہ بھی اس خرابی میں پڑ گئے ہیں کہ اُنھوں نے خواب میں دیکھا کہ یہ بات رسول خدا صلعم نے اُن سے کہی۔ پس مثل حدیث مسموع کے بیان کردی۔ بعض لوگوں نے بزرگوں اور عالموں سے کوئی بات سُنی اور اُس کو یہ سمجھ گئے کہ یہ حدیث ہے اور مثل حدیث کے مشہور ہوگئی چنانچہ اِس قسم کے بہت سے اقوال بطور حدیث مشہور ہیں۔ پس صرف حدیث کا نام سُن کر گھبرانا اور توہمات مذہبی میں پڑجانا نہیں چاہیئے۔ بلکہ اوّل اُس حدیث کی تحقیقات اور تفتیش کرلی چاہیئے کہ وہ کیسی حدیث ہے اور کس قدر اعتبار رکھتی ہے۔ پھر جب سب طرح امتحان میں پوری نکلے اور معلوم ہو کہ درحقیقت یہ پوری اور پکّی صحیح حدیث ہے۔ اُس کو سر اور آنکھوں پر رکھے۔ ورنہ دُودھ کی مکھی کی طرح اُس کو نکال کر پھینک دے۔ کیونکہ شاہ عبد العزیز صاحب کا قول ہے کہ "حدیث بے سند گوز شتر است"۔ اگر ہم مسلمان ایسی لغو اور بے سند باتوں کو اپنے مذہب میں شامل کریں اور پوچ اور واہیات قصّوں کو جن کی کچھ اصل نہیں ہے مذہبی قصے اور الہامی واقعات سمجھنے لگیں تو ہمارا مذہب ہنسی ٹھٹھّا ہو جاویگا۔ اور نون کے گھر سے بھی زیادہ ناپائدار اور مکڑی کے جال سے بھی زیادہ بودا بن جاویگا۔ علمائے متقدمین نے نہایت سختی سے بطور ایک دشمن کے حدیثوں کا امتحان کرنے میں کوشش کی ہے۔ پس یہ بات کہ حدیث بے سند یا ضعیف یا مشتبہ کو حدیث نہ سمجھا جاوے اور مذہبی باتوں میں اُسے داخل نہ کیا جاوے بے دینی کی بات نہیں ہے بلکہ نہایت ایمانداری اور اسلام کی بڑی دوستی کا کام ہے ٭

احادیث غیر معتمد

اسلام کا ادب اور اُس کی دوستی اور کمال ایمانداری اس بات میں ہے کہ حدیثوں کی تنقیح کیجاوے اور جس میں ذرا بھی شک ہو اُسے دُودھ کی مکھی کی طرح نکال کر پھینک دے۔ حدیث کی تنقیح نہ کرنا اور ہر حدیث کو سمجھنا کہ پیغمبر خدا صلعم کا قول ہے نہایت بے ادبی اور اسلام کی دشمنی ہے۔ پس سچی دوستی اور حقیقی ادب یہی ہے کہ غیر کے کلام کو اپنے نبی پاک کے کلام سے علٰحدہ کردے ٭

حضرت علّامہ مجد الدین فیروزآبادی نے جو اکابر علمائے حدیث سے ہیں سفر السعادۃ کے خاتمہ میں بہت سی باتیں لکھی ہیں۔ اور بیان کیا ہے کہ ان باتوں کی نسبت بہت سی حدیثیں بیان ہوئی ہیں اُن میں سے کچھ بھی صحیح اور علماء حدیث کے نزدیک ثابت نہیں ہیں چنانچہ اسی مضمون کو

ایمان اور صلوٰۃ لیلۃ المعراج و لیلۃ القدر اور صلوٰۃ ہر شب رجب و شعبان و رمضان کے باب میں کوئی صحیح حدیث نہیں ہے ❖

۳۴- گھنٹے کی اور شہد کی اور ترکاری کی زکوٰۃ کے باب میں کوئی صحیح حدیث نہیں ہے ❖

۳۵- روز عاشورہ کے فضائل اور اعمال کے باب میں سوائے روزہ کے مستحب ہونے کے اور رجب کے روزہ کی فضیلت میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے اور اسی طرح جو حدیثیں صدقات اور خضاب اور سر میں تیل ڈالنے اور سرمہ لگانے کی اور دانہ اُبالنے کی فضیلت میں آئی ہیں سب موضوع ہیں ❖

۳۶- پچھنے لگانے سے روزہ جاتے رہنے میں کوئی صحیح حدیث نہیں ہے ❖

۳۷- اِس باب میں کہ جو مقدور رکھ کر حج نہ کرے وہ یہودی ہو کر مریگا یا عیسائی کوئی حدیث صحیح نہیں ہے ❖

۳۸- جس قرض میں نفع ہو وہ سُود ہے اِس باب میں بھی کوئی صحیح حدیث نہیں ہے ❖

۳۹- چھُری سے گوشت کاٹ کر کھانا منع ہونے میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے ❖

۴۰- رسول خدا صلعم کے فارسی میں کلام کرنے میں یا فارسی زبان بولنے کے مکروہ ہونے میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے ❖

۴۱- دُعا مانگ کر دونوں ہاتھوں کو منہ پر ملنے میں کوئی صحیح حدیث نہیں ہے ❖

۴۲- سفید مرغ اور مہندی کی فضیلت میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے ❖

۴۳- اِس باب میں کہ ولد الزنا جنت میں نہ جاویگا کوئی صحیح حدیث نہیں ہے ❖

۴۴- اِس باب میں کہ اجماع حجت ہے کوئی صحیح حدیث نہیں ہے ❖

۴۵- اِس باب میں کہ قیاس حجت ہے کوئی صحیح حدیث نہیں ہے ❖

۴۶- اِس باب میں کہ قیامت کی نشانیاں فلاں فلاں مہینوں میں ظاہر ہونگی اور دو سَو برس بعد سے قیامت کی نشانیاں ظاہر ہونگی کوئی صحیح حدیث نہیں ہے ❖

یہ چند باتیں بطور مثال کے ہم نے لکھی ہیں مگر سفر السعادت میں اور بہت سی باتیں اسی قسم کی ہیں جن کی نسبت صحیح حدیثیں نہیں ہیں - اِس تمثیل سے ہماری غرض یہ ہے کہ جب تک حدیث کی صحت بخوبی پڑتال نہ لی جاوے اُس وقت تک اُس کی صحت تسلیم کرنی نہ چاہئے کیونکہ ایسا کرنے سے اسلام میں خلل آتا ہے اور صرف اِس بات پر کہ یہ حدیث فلاں کتاب میں مندرج ہے بھروسا کرنا محض بیجا ہے گو کہ وہ کتاب صحیح بخاری ہی کیوں نہ ہو ❖

۱۶۔قلتین پانی جب ہو تو ناپاک نہیں ہوتا۔ بعضے اس حدیث کو صحیح کہتے ہیں بعضے غیر صحیح۔ مگر اکابر اہل حدیث نے اپنی تصنیفات میں اس حدیث کو بیان کیا ہے (میرے نزدیک پانی کے باب میں صحیح حدیث صرف ایک ہے۔ الماء طاہر وطہور الخ) *

۱۷۔وضو سے گرم ہوئے پانی کے مکروہ ہونے کی نسبت بھی کوئی صحیح حدیث نہیں ہے *

۱۸۔وضو کے بعد ہات پاؤں کا پانی پونچھ لینے کے باب میں بھی کوئی صحیح حدیث نہیں ہے *

۱۹۔ڈاڑھی کے خلال اور کانوں اور گردن پر مسح کرنے میں بھی کوئی صحیح حدیث نہیں ہے *

۲۰۔نیند سے وضو کرنے کی بھی کوئی صحیح حدیث نہیں ہے *

۲۱۔عورت کو چھونے سے وضو کرنے میں بھی کوئی صحیح حدیث نہیں ہے *

۲۲۔مُردہ کو غسل دینے کے بعد خود غسل کرنے کی بھی کوئی صحیح حدیث نہیں ہے *

۲۳۔حمام میں جانے سے منع ہونے میں کوئی صحیح حدیث نہیں ہے *

۲۴۔اس باب میں کہ بسم اللہ ہر سورۃ کی آیت ہے اور نماز میں اُس کو پکار کر پڑھنا چاہیئے کوئی حدیث صحیح نہیں ہے *

۲۵۔اس باب میں کہ امام ضامن ہے اور موذن موتمن ہے اور مسجد کے ہمسایہ میں رہنے والے کی نماز بغیر مسجد کے نہیں ہوتی اور ہر نیک و بد کے پیچھے نماز جائز ہے۔ کوئی صحیح حدیث نہیں ہے *

۲۶۔جس شخص پر قضا نمازیں ہوں اُس کی نماز نہ ہونے میں کوئی صحیح حدیث نہیں ہے *

۲۷۔سفر میں پوری نماز پڑھنے اور روزہ رکھنے کے گناہ ہونے میں کوئی صحیح حدیث نہیں ہے *

۲۸۔فجر کی نماز اور وتر میں قنوت پڑھنے میں کوئی صحیح حدیث نہیں ہے *

۲۹۔مسجد میں جنازہ کی نماز نہ پڑھنے میں اور تکبیرات جنازہ میں رفع یدین کرنے میں کوئی صحیح حدیث نہیں ہے *

۳۰۔اس باب میں کہ نماز کو کوئی چیز قطع نہیں کرتی کوئی صحیح حدیث نہیں ہے *

۳۱۔اور اس باب میں کہ طلب کرو تم خیر کو رحم دلوں اور خندہ رو لوگوں سے کوئی صحیح حدیث نہیں ہے *

۳۲۔اور اس باب میں کہ مالداروں کا غربا کی حاجت برآری سے پہلوتہی کرنا موجب زوال نعمت ہے اور احسان کرنے میں ثواب ہے کوئی حدیث صحیح نہیں ہے *

۳۳۔صلوٰۃ التسبیح اور صلوٰۃ رغایب اور صلوٰۃ نصف شعبان و نصف رجب و صلوٰۃ

بلکہ ظہور متعلقات سے اُن کے وقتوں میں وہم حدوث اور خیال تعدّد ہوتا ہے۔ مگر اُس میں نہ حدوث ہے اور نہ کسی طرح کا تعدّد ۞

وہ نہ جوہر ہے نہ عرض ہے نہ جسم ہے نہ کسی محدود جگہ میں ہے نہ کسی خاص جگہ میں ہے نہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہاں ہے یا وہاں ہے۔ نہ اُس میں حرکت ہے اور نہ اُس پر سکون کا اطلاق ہوسکتا ہے اور نہ اُس کی نسبت کسی جگہ سے آنا اور کسی جگہ میں جانا بولا جاسکتا ہے۔ اُس کے لئے کوئی طرف و سمت متعین نہیں۔ اینما تولوا فثم وجہ اللہ۔ اُس کا عرش پر ہونا صرف انسانوں کو اُس کی بڑائی کا خیال دلانا ہے نہ اُس کا عرش پر یا اوپر کی سمت پر ہونا۔ اوپر تو ایک اضافی سمت ہے جو ہماری اوپر کی سمت ہے وہ کسی دُوسروں کے نیچے کی سمت ہے مگر عرش پر ہونے سے ہر ایک کے دل پر وحشی سے لیکر مہذب فلسفی تک کے دل پر اُس کی بڑائی کا خیال آتا ہے ۞

مرنے کے بعد مومنین و موحدین اُس کو دیکھینگے۔ وہ ایک ایسا روحانی انکشاف ہوگا جو عقلی تصدیق سے جیسے کہ اس دنیا میں ہم رکھتے ہیں بدرجہا بڑھ کر ہو جس کی نسبت عرف عام میں آنکھوں سے دیکھنا کہا جاتا ہے مگر اُس رویت کے لئے نہ سمت ہوگی نہ یہ بصر۔ نہ صورت ہوگی نہ شکل۔ نہ رنگ ہوگا نہ کوئی ڈھنگ۔ نہ مقابلہ ہوگا نہ آمنا سامنا محض ہو کا مقام ہوگا ۞

کفر و معاصی کا بھی اُسی قانون قدرت کے موافق وُہی خالق ہے۔ مگر اُس نے اپنے قانون قدرت سے انسان کو ایسا بنایا ہے جن میں اُن سے بچنے کی قدرت رکھی ہے۔ اِس لئے اگرچہ خدا اُن کا خالق ہے مگر خود انسان اپنی قدرت و اختیار سے اُن کا کاسب ہے گو کہ بلحاظ قانون قدرت کاسب کا بھی خدا ہی پر اطلاق ہوسکے مگر اُس کو نہ کفر و معاصی سے کچھ نقصان ہے اور نہ عبادت کی حاجت ۞

اُس کے تمام کام سراسر حکمت ہیں۔ جو کچھ کہ اُس سے ہوا وہ سب نیک ہے۔ کما قیل۔

آنچہ از پردہ خفا بمنصۂ ظہور جلوہ گر است ہمہ نیکو است ؎

پیر ما گفت خطا در قلم صنع نرفت
آفریں بر نظر پاک خطا پوشش باد

پس جور و ظلم کی نسبت اُس کی طرف نہیں ہوسکتی۔ وہ اپنی مخلوق کو پیدا کرتا ہے جس طرح کہ اُس کی حکمت کا تقاضا ہوتا ہے۔ عدل و حکمت کے لئے ہر ایک کو اُسی کے حال میں دیکھنا چاہئے نہ نسبتہً کیونکہ عدل و حکمت نسبتی چیز نہیں ہے بلکہ ہر ایک کے لئے بمنزلہ اُس کے خاصہ کے ہے جس کی تعریف میں آیا ہے۔ مایوجد فیہ ولا یوجد فی غیرہ ۞

اس کے سوا کوئی مالک نہیں۔ مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ اپنے حاجتمندوں سے لغو

اعتقاد باللہ

اشھد ان لا الٰہ الا اللہ

میں نہایت سچے دل سے اِس بات پر یقین رکھتا ہوں کہ تمام عالموں کا بنانے والا کوئی ہے اور اُسی کو ہم کہتے ہیں اللہ۔ وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہیگا۔ اُس کا ہونا ضروری ہے۔ اور اُس کا نہ ہونا ممکن نہیں۔ وہ سب سے بڑا ہے۔ اور تمام صفات کمال اُس کی ذات میں موجود ہیں اُس کا سا کوئی نہیں نہ ہوتے ہیں۔ کیونکہ ہونا اُس کی ذات ہے۔ اور نہ کسی صفت میں کیونکہ اُس کی تمام صفتیں ہی اُس کی ذات ہے۔ وہ زندہ ہے نہ جان سے بلکہ اپنی ذات سے۔ وہ جانتا ہے نہ کسی جاننے والی چیز سے بلکہ اپنی ذات سے۔ وہ دیکھتا ہے نہ کسی دیکھنے والی چیز سے بلکہ اپنی ذات سے۔ وہ سُنتا ہے نہ کسی سُننے والی چیز سے بلکہ اپنی ذات سے۔ وہ بولتا ہے نہ کسی بولنے والی چیز سے بلکہ اپنی ذات سے۔ وہ تمام نقصانوں سے پاک ہے۔ اور تمام عیبوں سے بے عیب۔ یہ مثل ہے کہ بے عیب ذات خدا کی ہے بالکل اُس پر ٹھیک ہے۔ تمام مخلوقات کا وُہی خالق ہے اور تمام معلومات کا وُہی عالم ہے۔ سب ممکن چیزوں پر قادر ہے۔ الحیّ القایم ہے۔ دانا و بینا ہے۔ نہ اُس کا کوئی مشابہ ہے۔ اور نہ اُس کا کوئی مصاحب اور مددگار اور نہ اُس کی مانند کوئی ہے اور نہ اُس کا کوئی شریک نہ وجوب وجود میں۔ اور نہ استحقاق عبادت میں۔ اور نہ پیدا کرنے میں اور نہ صلاح و تدبیر بتانے میں پس اُس کے سوا کوئی کسی قسم کی عبادت یعنی اظہار اپنے تذلل اور اُس کی نہایت الغایت تعظیم کا مستحق نہیں ہے۔ پس ہمارے تذلل کا اور جو طریقہ اُس کی تعظیم کا ٹھہرایا گیا ہو اُس طریقہ کی تعظیم کا استحقاق اُس کے سوا دوسرے کو نہیں ❊

وُہی بیمار کو اچھا کرتا ہے اور وُہی سب کو رزق پہنچاتا ہے۔ وُہی بلاؤں کو ٹالتا ہے اور وُہی خوشیوں کو لاتا ہے مگر یہ سب باتیں اپنے قانون قدرت کے مطابق کرتا ہے ❊

اُس کا قانون قدرت کبھی ٹوٹتا نہیں۔ وہ ہر طرح کے قانون قدرت کے بنانے پر قادر ہے مگر جو قانون قدرت کہ اُس نے بنا دیا۔ پھر اُس کے برخلاف کچھ ہوتا نہیں ❊

قدرت کے قانون بنانے میں کسی سبب کا محتاج نہیں بدیع السمٰوات والارض واذا قضیٰ امراً فانما یقول لہ کن فیکون۔ امر کے لفظ سے وُہی قانون قدرت مراد ہے جس کو بغیر کسی سبب کے صرف کُن کے لفظ سے یعنی ارادہ سے جو مقتضائے کمال ہے بنا دیتا ہے ❊

وہ کسی میں سماتا نہیں اور نہ کسی میں ملتا ہے۔ اُس میں تعدد و حدوث آہی نہیں سکتا۔ نہ اُس کی ذات میں اور نہ اُس کی صفات میں اُس کا تعلق متعلقات سے بھی حادث نہیں ہے

قول یا فعل یا تقریر رسول خدا صلعم کی ہے اور کونسی اُن کی نہیں ہے بلکہ دوسرے شخص کی ہے تاکہ ہم اپنے رسول مقبول کے کلام کو دوسرے شخص کے کلام سے بالکل جدا کر لیں۔ پس اسی مُراد سے ہم اقسام حدیث کو جو علمائے حدیث نے بیان کی ہیں اس مقام پر لکھتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ ان اقسام کی جتنی حدیثیں ہیں اُن میں سے کسی پر اس بات کا یقین کامل نہیں ہو سکتا کہ درحقیقت پیغمبر خدا صلعم کی حدیث ہے بلکہ بعضی قسموں کی نسبت تو یقین ہے کہ وہ آنحضرت صلعم کی حدیث نہیں ہے اور بعض قسمیں مشتبہ ہیں۔ ممکن ہے کہ پیغمبر خدا صلعم کی حدیث ہوں اور ممکن ہے کہ نہ ہوں۔ چنانچہ اقسام مذکورہ یہ ہیں ٭

اوّل حدیث بالمعنی۔ تمام علماء اور محدثین اِس بات پر متفق ہیں کہ روایت احادیث کی بلفظہٖ نہیں ہے بلکہ بالمعنی ہے۔ یعنی احادیث مرویہ کے لفظ بعینہٖ وہ لفظ نہیں ہیں جو رسول خدا صلعم نے فرمائے تھے۔ بلکہ راویوں نے اُن کا مطلب اپنے لفظوں میں بیان کیا ہے۔ اور بخاری اور مسلم کی حدیثیں بھی ایسی ہی ہیں اور اسی طرح پر روایت ہوئی ہیں۔ پس ہم اُس کے ہر ہر لفظ کو صاحب وحی کی طرف منسوب نہیں کرسکتے بلکہ صحابی و تابعی کی طرف بھی بالعزم نسبت نہیں کرسکتے کیونکہ ممکن ہے کہ وہ الفاظ سب کے اخیر راوی کے ہوں جس نے بخاری یا مسلم یا اور کسی سے روایت کی بلکہ کیا عجب ہے کہ بعض مقام پر خود بخاری یا دوسرے مصنّف جامع حدیث کے لفظ ہوں ٭

اِس کی تصدیق خود بخاری کی بہت سی حدیثوں کے آپس میں مقابلہ کرنے سے ہوتی ہے چنانچہ اِس مقام پر تمثیلاً ہم دو حدیثوں کا آپس میں مقابلہ کرتے ہیں ٭

حدیث اوّل۔ حدثنا بشر من خالد قال اخبرنا محمد عن شعبۃ عن سلیمان عن ابی وایل۔ قال ابوموسیٰ لعبد اللہ بن مسعود اذا لم یجد الماء لا یصلی قال عبد اللہ نعم ان لم اجد الماء شہراً لم اصل لو رخصت لھم فی ھذا کان اذا وجد احدھم البرد (احدکم البرد) قال ھکذا یعنی تیمم وصلی قال قلت فاین قول عمار لعمر قال انی لم ار عمر قنع بقول عمار ٭

حدیث دوم۔ حدثنا عمر بن حفص قال ثنا ابی قال ثنا الاعمش قال سمعت شقیق بن سلمۃ قال کنت عند عبد اللہ وابی موسیٰ فقال لہ ابوموسیٰ ارایت یا ابا عبد الرحمٰن اذا اجنب فلم یجد ماء کیف یصنع فقال عبد اللہ لا یصلی حتی یجد الماء فقال ابو موسیٰ فکیف تصنع بقول عمار حین قال لہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یکفیک قال الم تر عمر لم یقنع بذلک منہ فقال ابوموسیٰ فدعنا من قول عمار کیف تصنع بھذہ الایۃ

بے فائدہ احکام جاری کرنے لگے۔ پس یہ اعتقاد رکھنا کہ حسن و قبح اشیاء کی اور کسی فعل پر ثواب یا عقاب ہونا صرف خدا کے حکم اور اس کے امر و نہی کے سبب سے ہے محض لغو اعتقاد ہے بلکہ حسن و قبح اشیاء کی اور کسی فعل پر ثواب و عقاب کا ہونا اُسی قانون قدرت پر مبنی ہے اور خدا کے احکام اُسی قانون قدرت کا بیان ہے پس اُن میں سے بعض تو ایسے ہیں کہ ان کے حسن و قبح کو ابتداءً ہی عقل انسان کی دریافت کرلیتی ہے اور بعض ایسے ہیں کہ بعد الاخبار من الرسل عن اللہ تعالیٰ۔ اُن کے حسن و قبح کو عقل تسلیم کرتی ہے ✦

فہذا اعتقادی باللہ الواحد الاحد الصمد الذی لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفواً احد۔ وقد قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من قال لا الہ الا اللہ مستیقنا بہا قلبہ دخل الجنۃ فانا من اہل الجنۃ ان شاء اللہ تعالیٰ بحرمۃ سیدنا محمد خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم تسلیما کثیراً کثیرا ✦

اقسام حدیث

انسان کی روحانی ترقی اور دنیاوی بہبودی اور حسن معاشرت اور علم و تجربہ کا کمال بہت کچھ اُس کے مسائل مذہبی کی تنقیح پر موقوف ہے۔ اوہام مذہبی کی تاریکی انسان کے دل کو سیاہ اور اُس کے دماغ اور عقل کو کند اور خراب کر دیتی ہے۔ اِس لئے جو لوگ کہ مسلمانوں کی ترقی علوم اور ترقی تہذیب و شایستگی پر بحث کرتے ہیں۔ اُن کو ایسے مسائل مذہبی سے بحث کرنا جو غلطی سے اُن چیزوں کے مانع خیال کئے جاتے ہیں ناگزیر ہوتا ہے ✦

منجملہ اُنہی موانع کے بہت سے مسائل ہیں جن کی بُنیاد غلط یا نامعتبر حدیثوں پر مبنی ہوئی ہے مسلمانوں میں یہ ایک خیال عام ہوگیا ہے کہ جو بات کسی حدیث میں آئی ہے اُس سے انکار کرنا کُفر یا خوف معصیت ہے۔ مگر اِس بات پر خیال نہیں جاتا کہ جب ہم یہ بات سُنیں کہ فلاں بات کسی حدیث میں ہے تو اوّل اس بات کی بھی تحقیق کریں کہ آیا وہ حدیث بھی معتبر ہے یا نہیں اور درحقیقت وہ قول یا فعل یا تقریر رسول خدا صلعم کی ہے یا نہیں ✦

غالباً لوگ یہ سمجھتے ہونگے کہ تحقیق حدیث کا زمانہ گذر گیا اور جو کچھ کہ اگلے علماء تحقیق کر کر لکھ گئے ہیں وہی احادیث محققہ ہیں۔ اب ہمارے لئے صرف اتنی بات کا جاننا کافی ہے کہ وہ حدیث کتب حدیث میں مندرج ہے اور علماء نے اُس کو صحیح لکھا ہے ✦

ہمارا بھی مطلب اِس مقام پر کسی نئی تحقیق سے نہیں ہے بلکہ ہم اُنہی حدیثوں کی نسبت جو کُتب احادیث میں مندرج ہیں یہ بات دیکھنی چاہتے ہیں کہ ان میں سے کونسی حدیث درحقیقت

بات کہی گئی ہو کہ رسول خدا صلعم نے فرمایا ہے یا خود کیا ہے یا آپ کے سامنے ہوا ہے لیکن اگر کسی حدیث میں یہ بات بالتصریح نہ بیان ہوئی ہو بلکہ کسی صحابی یا تابعی نے کوئی ایسی بات کہی ہو یا کی ہو کہ عقل اور اجتہاد سے اُس کو کچھ تعلق نہ ہو بلکہ منقولات میں سے ہو۔ مثلاً قیامت کا حال یا آیندہ کی خبر یا کوئی صحابی یا تابعی یوں کہے کہ پیغمبر خدا صلعم کے زمانہ میں ہم یوں کرتے تھے یا اِس طرح پر کرنا سنت ہے تو یہ حدیث بھی در حکم مرفوع ہے۔ اور بعض علماء کا یہ قول ہے کہ ایسی حدیث سے یہ بھی احتمال ہے کہ صحابہ اور خلفائے راشدین کی سنت مراد ہو۔

مگر میں یہ بات کہتا ہوں کہ یہ رائے علمائے متقدمین کی جو نسبت اُس حدیث کے ہے جس کو در حکم مرفوع قرار دیا ہے۔ کوئی منصوص یا منقول بات نہیں ہے بلکہ اُن علماء کی رائے ہے اور وہ بھی صرف اٹکل اور اندازے سے لکھی گئی ہے مگر ایسی حدیث کو در حکم مرفوع قرار دینا محض غلط اور بلاشبہ رائے کی غلطی ہے اس لئے کہ یہ بات تحقیق ہے کہ یہودیوں کے ہاں بھی قیامت کی نسبت اور آیندہ کی خبروں میں بہت سی روایتیں زبان زد تھیں اور یہودیوں کے ہاں کی روایتوں کے ذکر کرنے کی خود پیغمبر خدا صلعم نے اجازت دی تھی۔ پس ممکن ہے کہ وہ بیان صحابی یا تابعی کا کوئی روایت روایات یہود سے ہو نہ قول پیغمبر صلعم کا اور صرف اس بات کے کہنے سے کہ پیغمبر خدا صلعم کے زمانہ میں ہم یوں کیا کرتے تھے اُس فعل کے سنت ہونے پر بھی یقین نہیں ہو سکتا ممکن ہے کہ سنت ہو اور ممکن ہے کہ ایسا فعل ہو جو اُس زمانہ میں جس زمانہ کا ذکر راوی نے کیا بموجب رسم زمانہ جاہلیت کے ہوتا آیا ہو اور سنت اُس کے برخلاف ہو۔ غرض کہ ایسی حالت میں یقین کلی اِس بات پر کہ وہ بلاشبہ قول یا فعل رسول ہی ہے نہیں ہو سکتا۔

سوم۔ موقوف۔ یعنی ایسی حدیث جس میں قول یا فعل یا تقریر صحابی کا بیان ہو اور جناب رسول خدا صلعم کی طرف نسبت نہ کیا گیا ہو۔

چہارم۔ مقطوع۔ یعنی وہ حدیث جو تابعی تک پہنچ کر رہ جاوے اور اُس سے اوپر نہ بڑھے۔

پنجم۔ معلق۔ یعنی وہ حدیث جس کے کل راوی یا مبادے سند سے کچھ راوی چھوٹ گئے ہوں۔

ششم۔ مرسل یا منقطع۔ یعنی وہ حدیث جس کی اخیر سند میں تابعی کے بعد راوی کا نام نہ لیا ہو مثلاً تابعی یہ کہے کہ پیغمبر خدا صلعم نے فرمایا ہے اور کسی صحابی کا درمیان میں نام نہ لے۔

ہفتم۔ معضل۔ یعنی وہ حدیث جس کے راویوں سے درمیان کے راوی چھوٹ گئے ہوں۔

پس ان پانچوں قسموں کی حدیثوں میں سے کسی حدیث پر یقین نہیں ہو سکتا کہ بلاشبہ

فما دری عبد اللہ ما یقول فقال انا لو رخصنا لھم فی ھذا لاوشك اذا برد علی احدھم الماء ان یدعہ و یتیمم فقلت لشقیق فانما کرہ عبد اللہ لھذا فقال نعم ❊

دونوں حدیثوں میں وہ گفتگو مذکور ہے جو در باب تیمم کے ابو موسیٰ اور عبد اللہ ابن مسعود میں ہوئی تھی۔ پہلی حدیث میں تو مجملاً یہ بیان ہوا ہے کہ ابو موسیٰ نے عبد اللہ ابن مسعود سے کہا کہ کیا جس شخص کو نہانے کی حاجت ہو جب اُس کو پانی نہ ملے تو وہ نماز نہ پڑھے۔ عبد اللہ ابن مسعود نے کہا کہ ہاں اگر مجھ کو مہینہ بھر پانی نہ ملے تو میں نماز نہ پڑھوں۔ اگر میں اُن کو تیمم کی اجازت دوں تو اُس وقت دوں کہ کسی کو سردی ہو گئی ہو۔ کہا کہ ایسا یعنی تیمم کیا و نماز پڑھی۔ ابو موسیٰ نے کہا کہ میں نے عبد اللہ ابن مسعود سے کہا کہ پھر وہ کیا بات ہوئی جو عمار نے عمر سے کہی تھی۔ عبد اللہ ابن مسعود نے کہا کہ میں خیال کرتا ہوں کہ عمر عمار کی بات سے راضی نہیں ہوئے تھے ❊

دوسری حدیث میں اسی واقعہ کو دوسری تقریر سے بیان کیا ہے۔ کہ ابو موسیٰ نے عبد اللہ ابن مسعود سے کہا کہ تم کیا خیال کرتے ہو۔ اے عبد الرحمٰن کے باپ کہ جب کسی کو نہانے کی حاجت ہو جاوے اور اُس کو پانی نہ ملے تو کیا کرے تب عبد اللہ ابن مسعود نے کہا کہ نماز نہ پڑھے جب تک پانی نہ ملے۔ ابو موسیٰ نے کہا کہ تو آپ عمار کے قول کو کیا کرینگے جبکہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے اُن کو فرمایا تھا کہ تیمم ہی تجھ کو کافی تھا۔ عبد اللہ نے کہا کہ کیا تم نہیں دیکھتے کہ عمر اُن سے اس بات پر راضی نہیں ہوئے تھے ابو موسیٰ نے کہا کہ ہم عمار کے قول کو چھوڑ دیتے ہیں۔ آپ قرآن کی آیت میں (جس میں تیمم کا حکم ہے) کیا کرینگے۔ پھر عبد اللہ کی کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ کیا کہیں۔ پھر کہا کہ جب ہم اُن کو تیمم کی اجازت دیں کہ پانی کسی کو سردی پہنچاوے کہ اُس کو چھوڑ دے اور تیمم کرلے ❊

اب دیکھو کہ ایک ہی حدیث ہے اور ایک ہی مطلب ہے جس کو ایک راوی نے ایک تقریر سے اور دوسرے راوی نے دوسری تقریر سے بیان کیا ہے اور اس سے بخوبی ثابت ہے کہ حدیث کی روایت بلفظہ نہیں ہوتی تھی بلکہ بالمعنی ہوتی تھی ❊

اس بحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جس قدر احکام احادیث کے لفظوں سے بخصوصیت الفاظ یا بوجہ تقدیم و تاخیر الفاظ یا بوجہ خاصیت ابواب وغیرہ از روئے قواعد صرف و نحو و معانی و بیان نکالے جاتے ہیں وہ سب احکام اجتہادی ہیں جو علمائے نے الفاظ موجودہ سے نکالے ہیں مگر امکان ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا وہ مقصود نہ ہو۔ پس اس قسم کے تمام احکام منصوص نہیں ہوسکتے بلکہ اجتہادی ہیں یحتمل الخطاء والصواب ❊

دوم۔ در حکم مرفوع۔ یعنی در حقیقت حدیث مرفوع تو وہ ہوتی ہے کہ جس میں بالتصریح یہ

حدیث سُنی چھوڑ کر اُس سے اوپر کے راوی کا نام ایسے طور پر لیا جاوے جس سے یہ شُبہ پڑے کہ اس راوی نے اُسی سے یہ حدیث سُنی ہے ٭

ایسی حدیث کی نسبت علماء کی یہ رائے ہے کہ اگر وہ راوی ثقہ اور نیک ہے اور کوئی غرض فاسد اس میں نہیں رکھتا تو وہ حدیث قبول کرنے کے لایق ہے ٭

میں کہتا ہوں کہ ایسی حدیث کے قبول کرنے کا مدار بھی صرف حسن ظن پر ٹھہرا مگر اس بات کا ثبوت یا یقین کہ یہ حدیث بیشک رسول مقبول صلعم کی ہے حاصل نہیں ہوتا ٭

نہم ۔ مضطر ۔ وہ حدیث ہے جس کے راوی کو راویوں کے نام یا حدیث کی عبارت بہ ترتیب یاد نہ رہی ہو ٭

دہم ۔ مدرج ۔ وہ حدیث ہے جس میں راوی نے کسی مطلب کے لئے اپنی عبارت بھی ملا دی ہو ٭

ایسی حدیثوں پر کبھی یقین نہیں ہو سکتا کہ پیغمبر خدا صلعم کی حدیثیں ہیں کیونکہ ترتیب کی درستی اور عبارت زاید اگر حذف ہی کی جاوے تو بھی یہ بات یقین کے لایق نہیں ہے کہ بقیہ الفاظ بے کم و کاست بلا شبہ رسول مقبول صلعم کے فرمائے ہوئے ہیں ٭

یازدہم ۔ معنعن ۔ یعنی وہ حدیث جس کو راوی نے عن فلاں عن فلاں کر کر بیان کیا ہو ٭

یہ ایک ایسی قسم کی حدیث ہے جس سے تمام حدیث کی کتابیں بھری پڑی ہیں اور اس قسم کی حدیثیں بہت زیادہ غور کرنے کے لایق ہیں ٭

واضح ہو کہ علمائے حدیث میں حدیث کی روایت میں چار لفظ مستعمل ہیں ۔ حدثنا ۔ اخبرنا ۔ انبأنا ۔ یہ تینوں لفظ جب بولے جاتے ہیں تو سمجھا جاتا ہے کہ پچھلے راوی نے اوپر کے راوی سے یہ حدیث سُنی یا سیکھی ہے مگر چوتھا لفظ ۔ عن ۔ کا مشتبہ لفظ ہے ۔ اس لفظ سے دونوں احتمال ہیں کہ پچھلے راوی نے اوپر کے راوی سے یہ حدیث سُنی ہو ۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ اُس سے نہ سُنی ہو بلکہ جس سے سُنی ہو اُس کا نام چھوڑ کر اُس سے اوپر کے راوی کا نام لے دیا ہو ٭

پس اس بات کے قرار دینے میں کہ ایسی حدیث کا کیا حال ہے اختلاف ہے ۔ شاید اس بات پر سب متفق ہیں کہ اگر اُس میں کوئی راوی ایسا ہو جو کسی غرض فاسد سے اُس راوی کا نام چھپایا کرتا ہو جس سے درحقیقت اُس نے حدیث سُنی ہے تب تو یہ حدیث معتبر نہ ہو گی اور اگر ایسا نہیں ہے تو معتبر ہو گی ۔ اُس کے بعد علماء میں اختلاف ہے ۔ بعض عالموں کا یہ قول ہے کہ ایسی حدیث کے معتبر ہونے کے لئے یہ بھی ضرور ہے کہ جس شخص نے بلفظ عن کسی سے روایت کی ہے اُن دونوں کا آپس میں ملاقات ہونا اور حدیث سیکھنے کا اُن کو موقع بھی ہونا ثابت ہو ۔ چنانچہ بخاری کا

وہ قول یا فعل یا تقریر رسول مقبول صلعم کی ہے ٭

علمائے سابقین نے جو کچھ اُن کی نسبت بیان کیا ہے وہ سب اُن کی رائے اور اُن کی سمجھ بلا کسی منقول سند کے ہے۔ فرض کیا جاوے کہ ظن غالب اُن کی نسبت حدیث نبوی ہونے کا ہو الا اُس پر یقین نہیں ہو سکتا ٭

منجملہ اقسام مذکورہ بالا کے حدیث معلق پر جو صحیح بخاری کے ہر باب کے شروع میں ہیں لوگوں نے گفتگو کی ہے۔ علمائے سابقین کا یہ قول ہے کہ اس قسم کی حدیثیں جو صحیح بخاری میں ہیں وہ سب صحیح ہیں اور بمنزلہ حدیث معضل کے ہیں یعنی بمنزلہ ایسی حدیث کے جس کا کوئی راوی نہ چھوٹا ہو اِس لئے کہ بخاری نے التزام کیا ہے کہ سوائے حدیث صحیح کے اور کوئی حدیث اپنی کتاب میں نہ لاوے ٭

میں کہتا ہوں کہ یہ رائے بسبب حُسن ظن کے بہ نسبت بخاری کے قرار پائی ہے پس تعلیقات بخاری کا بمنزلہ حدیث مفصل کے قرار دینا صرف حسن ظن ہوا نہ یقین، وشتان بینہما ٭

اِسی طرح حدیث مرسل کی نسبت بحث ہوئی ہے۔ جمہور علماء کا یہ مذہب ہے کہ حدیث مرسل کو حدیث نبوی قرار دینے میں توقف چاہئے یعنی نہ تو اُس کو کہہ سکتے ہیں کہ حدیث نبوی ہے نہ کہہ سکتے ہیں کہ نہیں ہے۔ یعنی اُس میں شک ہے ممکن ہے کہ حدیث نبوی ہو اور ممکن ہے کہ نہ ہو۔ یعنی اُس کے حدیث نبوی ہونے پر یقین نہیں ہو سکتا اس لئے کہ ایک تابعی دوسرے تابعی سے بھی روایت کیا کرتا تھا اور جو راوی چھوٹ گیا ہے معلوم نہیں کہ ثقہ ہے یا نہیں اور یہ رائے بالکل صحیح و درست معلوم ہوتی ہے ٭

مگر حضرت امام ابو حنیفہؒ اور حضرت امام مالکؒ کے نزدیک وہ حدیث بالکل مقبول ہے وہ یہ بات فرماتے ہیں کہ تابعی نے جو اوپر کا راوی چھوڑ دیا تو اُس کو اُس حدیث کی صحت پر کامل یقین ہوگا ورنہ وہ اُس کو پیغمبر خدا صلعم کی نسبت منسوب نہ کرتا ٭

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر حدیث مرسل کی تقویت اور کسی طرح پر بھی ہو سکے تو وہ حدیث قابل قبول ہے ٭

حضرت امام احمد حنبلؒ کی رائے اِس باب میں یکسو نہیں ہے۔ ایک قول اُن کا ہے کہ ایسی حدیث قبول کی جاوے۔ ایک قول ہے کہ توقف کیا جاوے ٭

بہرحال جو لوگ حدیث مرسل کو قابل قبول ٹھہراتے ہیں اُن کی رائے کی بنا صرف حسن ظن پر ہے مگر کسی کو جزم اور یقین اِس بات پر نہیں ہو سکتا کہ بلاشک وہ حدیث پیغمبر خدا صلعم کی ہے ٭

ہشتم ۔ مدلس ۔ یعنی وہ حدیث جس کی روایت میں اُس شخص کا نام جس سے راوی نے

دوم - اُس حدیث میں اشیاء موجودہ میں سے کسی شئے کی حقیقت الہام سے بطور واقعہ کے بیان کی ہو نہ بطور عرف عام کے اور وہ بیان درحقیقت اُس موجودہ شئے کی حقیقت کے برخلاف ہو تو وہ حدیث - حدیث نبوی نہیں ہے*

سوم - اُس حدیث میں کوئی ایسا واقعہ بیان ہو جو تاریخ سے علاقہ رکھتا ہے اور تاریخ سے ثابت ہو کہ وہ واقعہ صحیح نہیں ہے - تو ہم اُس حدیث کو ہرگز بطور حدیث نبوی تسلیم نہیں کرنے کے*

چہارم - اُس حدیث میں ایسا واقعہ حسّی بیان کیا گیا ہو کہ اگر وہ واقع ہوتا تو ہزاروں آدمی اُس کو دیکھتے مگر اُس کا ہونا صرف اُسی حدیث کے راوی بیان کرتے ہیں تو اُس حدیث کو بھی ہم حدیث نبوی نہیں قرار دینے کے*

پنجم - اُس حدیث میں ایسی بات ہو جو تمام لوگوں سے علاقہ رکھتی ہو اور جس کا جاننا سب کو ضرور تھا مگر اُس سے صرف اُسی حدیث کے راوی واقف تھے نہ اور کوئی تو وہ حدیث بھی حدیث نبوی نہیں ہو سکتی*

ششم - اُس حدیث میں کوئی بات برخلاف اُن احکام اور اصول مذہب اسلام کے ہو جو معتبر حدیثوں سے ثابت ہو چکے ہیں تو اُس حدیث کو بھی حدیث نبوی قرار نہیں دے سکتے*

ہفتم - اس حدیث میں ایسے عجائبات بیان ہوئے ہوں جسے عقل تسلیم نہ کرتی ہو اور جب تک کہ اُن کا الہام سے بیان ہونا نہ ثابت ہو تو وہ تسلیم کرنے کے لایق نہ ہوں - پس جبکہ ایسے عجائبات اس قسم کی حدیثوں میں مذکور ہوں جن کا اوپر ذکر ہوا تو اُن حدیثوں کو بھی حدیث نبوی میں داخل نہیں کر سکتے اِس لئے کہ بسبب اُن نقصوں اور احتمالوں کے جو اِس قسم کی حدیثوں میں ہیں اور جن کا اوپر بیان ہوا اُن عجائبات کا الہام سے بیان ہونا اور جناب رسول خدا صلعم کا اُن عجائبات کو بیان کرنا ثابت نہیں ہوتا اور جبکہ اُن کا الہام سے بیان ہونا ثابت نہیں ہے تو اُس حدیث کو جس میں وہ عجائبات ہیں حدیث نبوی بھی قرار نہیں دے سکتے*

اِسی قسم میں وہ حدیثیں بھی داخل ہیں جن میں تھوڑے سے عمل پر بڑے بڑے ثوابوں کا اور جنت میں محلوں کے بننے کا یا ادنیٰ سے گناہ میں سخت عذابوں کا ذکر ہوا ہے*

اقسام مذکورہ بالا کی حدیثیں تمام کتب احادیث میں یہاں تک کہ بخاری و مسلم میں بھی موجود ہیں پس ہم جو کچھ کہتے ہیں وہ اسی قدر کہتے ہیں کہ اِس قسم کی حدیثوں میں سے کسی حدیث کو صرف اِس وجہ سے کہ فلاں حدیث کی کتاب میں مندرج ہے حدیث نبوی کہنا نہیں چاہیئے بلکہ اُن اُصول ہفتگانہ سے اُن کا امتحان کرنا لازم ہے - اگر اُس میں بھی وہ ٹھیک اور پوری اترے اُس وقت اُس کی نسبت حدیث نبوی ہونے کا ظن غالب کہنا چاہیئے کیونکہ اس امتحان کے بعد

مذہب یہی ہے مگر مسلم اِن باتوں کو قبول نہیں کرتا اور کسی شرط کو ضروری نہیں سمجھتا ÷
بہرحال ہم کو اِن مذہبوں میں بحث نہیں ہے ہم کو صرف یہ بات دکھانی ہے کہ جس حدیث میں بلفظ عن روایت ہوئی ہے اُس میں برابر رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم تک راویوں کے نہ ہونے کا احتمال ہے اور اِسی سبب سے یہ بھی احتمال ہے کہ وہ حدیث رسول خدا صلعم کی حدیث نہ ہو جن لوگوں نے کہ مختلف شرطوں کے ساتھ اُس کو حدیث نبوی سمجھا ہے صرف قیاس و تخمین و حسن ظن کے سبب سمجھا ہے۔کوئی ثبوت یا کوئی نص اُس پر اُن کے پاس نہیں ہے۔پس ایسی حدیث پر جزم و یقین اِس بات کا کہ بلاشبہ وہ حدیث پیغمبر خدا صلعم کی حدیث ہے نہیں ہو سکتا ÷

دوازدہم۔مؤنن۔یعنی وہ حدیث جس میں کسی راوی نے ان کے لفظ سے روایت کی ہو اور اس کا حال بھی بجنسہ ویسا ہے جیسکہ عن کے لفظ سے روایت کا ہے ÷

علاوہ اِس کے بھی اور بہت سی قسمیں حدیثوں کی ہیں جو اعتبار اور درجہ روات اور مضمون حدیث وغیرہ سے علاقہ رکھتی ہیں۔مگر ہم اُن کا اِس مقام پر ذکر کرنا نہیں چاہتے کیونکہ باقی اقسام حدیثوں کی جن میں کچھ نقصان ہے وہ تو ناقص اور نامعتبر ہی ہیں۔ہم اُن حدیثوں پر بحث کرنی چاہتے ہیں جن میں اُس قسم کا نقصان نہیں ہے۔اور پھر اُن پر اِس بات کا شبہ ہے کہ آیا درحقیقت وہ حدیث رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کی ہے یا نہیں۔پس یہ بارہ قسمیں احادیث صحیح کی جو ہم نے بیان کیں ایسی ہی ہیں کہ ہر عاقل شخص یہ بات کہیگا کہ ان میں سے حدیث نبوی ہونا بھی ممکن ہے۔اُن میں سے کسی کا بھی بالیقین حدیث نبوی ہونا ثابت نہیں ہے ÷

علماء متقدمین نے جو کچھ رائے اس کی نسبت قایم کی ہے وہ صرف اُن کی رائے ہے۔کوئی حدیث یا حکم من جانب شارع اُس پر نہیں ہے۔پس ہمارا بھی یہی مقصود ہے کہ جہاں تک ممکن ہے ہم بھی اُن راویوں اور بزرگوں کا ادب ملحوظ رکھیں اور ہمیشہ دل سے حسن ظن اُن کی طرف رکھیں۔مگر ایسا کرنے میں بالکل اندھے نہ ہو جاویں اور خود کچھ بھی خیال نہ کریں۔بلکہ ہمارا فرض ہے کہ ہم اُن حدیثوں کے حدیث نبوی ٹھہرانے کے لئے کوئی عمدہ اصول قرار دیں پس وہ اصول یہ ہیں ÷

اوّل۔ہم کو دیکھنا چاہیئے کہ آیا وہ حدیث احکام قرآن مجید کے برخلاف ہے یا نہیں اگر ہو تو ہم کو یقین کرنا چاہیئے کہ وہ حدیث نبوی نہیں ہے جیسکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حدیث سماع موتے کی حدیث نبوی ہونے سے بسبب مخالفت قرآن کے انکار کیا۔باوجودیکہ صحابی اُس کے راوی تھے اور نہایت قلیل زمانہ عہد برکت عہد رسول مقبول صلعم سے گذرا تھا ÷

اسلامیہ کے ہوگی مگر تقصیر معاف ہو۔ یہ اندھی تقلیدی تعلیم مذہبی تو مانع نقصان عقاید نہیں ہوسکتی اور یہ کتب درسیہ مذہبیہ تو لامذہبی کا علاج کر نہیں سکتیں بلکہ اگر یہ کتابیں انگریزی تعلیم اور مغربی علوم کے ساتھ پڑھائی جاوینگی تو اور زیادہ لامذہبی اور بداعتقادی پھیلیگی اِس لئے کہ سوائے قرآن مجید کے جس قدر کتب مذہبیہ اس زمانہ تک موجود ہیں ہزاروں غلطیوں سے معمور ہیں۔ کوئی ایک کتاب بھی ایسی نہیں ہے جس میں کوئی نہ کوئی عظیم الشان غلطی موجود نہ ہو اور جس نے اسلام کی سچی اور صحیح سیدھی سادی حقیقت کو وہمی اور خیالی نہ بنادیا ہو ؀

جن مقدس لوگوں نے موجودہ مذہبی تعلیم کو اُس لامذہبی کا علاج سمجھا ہے اُنھوں نے یہ خیال کیا ہوگا کہ جس زمانہ میں فلسفہ یونانیہ مسلمانوں میں شائع ہوا تو بڑے زور و شور سے زندقہ و الحاد نے رواج پایا مگر اُس زمانہ کے عالموں نے فلسفہ یونانیہ کے ساتھ عقاید مذہبی کی تعلیم کو شامل کردیا جس کے سبب سے وہ زندقہ و الحاد جاتا رہا ؀

مگر میری یہ عرض ہے کہ اگر اُس زمانہ میں ایسا ہوا بھی ہو تو حال کے زمانہ میں ان کتابوں سے اُس نتیجہ کی اُمید رکھنا قیاس مع الفارق ہے۔ جس زمانہ میں کہ فلسفہ یونانیہ مسلمانوں میں رایج ہوا اور اُس زمانہ میں جو کتب مذہبیہ تھیں اُن کو بھی اُس وقت کے عالموں نے اُس زندقہ اور الحاد کے روکنے کو کافی نہ سمجھا تھا اور اس لئے اُنھوں نے نئی نئی کتابیں علم کلام کی تصنیف کی تھیں اور اُن کتابوں میں اُنھوں نے زندقہ و الحاد دُور کرنے کے لئے دو اصول قرار دیئے تھے یعنی یا تو اُن مسائل فلسفہ یونانیہ کی جو عقاید مذہبی کے برخلاف تھے غلطی ثابت کردیتے تھے یا مسائل مذہبی کی تطبیق مسائل فلسفیہ سے کردیتے تھے۔ مگر اب میں نہایت ادب سے پوچھتا ہوں کہ جو کتب مذہبی اب تک ہمارے ہاں موجود ہیں اور پڑھنے پڑھانے میں آتی ہیں اُن میں سے کونسی کتاب ہے جس میں فلسفہ مغربیہ اور علوم جدیدہ کے مسائل کی تردید یا تطبیق مسائل مذہبیہ سے کی ہو ؀

وجود سموات سبع کی ابطال پر جو دلیلیں ہیں اُن کی تردید کس کتاب میں لکھی ہے اثبات حرکت زمین اور ابطال حرکت دورئیے آفتاب پر جو دلیلیں ہیں اُن کی تردید کس سے جاکر پوچھیں عناصر اربع کا غلط ہونا جو اب ثابت ہوگیا۔ اُس کا کیا علاج کریں۔ آیۂ کریمہ ولقد خلقنا الانسان من سلالۃ من طین ثم جعلناہ نطفۃ فی قرار مکین ثم خلقنا النطفۃ علقۃ فخلقنا العلقۃ مضغۃ فخلقنا المضغۃ عظاماً فکسونا العظام لحماً کی جو تفسیر عالموں نے لکھی ہے فن تشریح کی رو سے وہ غلط معلوم ہوتی ہے۔ ہم اپنی آنکھوں سے بوتلوں میں بھرے ہوئے نطفہ سے لیکر بچہ کے پیدا ہونے تک کے تغیرات کو دیکھتے ہیں جو مفسرین کی تفسیروں کی غلطی کو ثابت کرتے ہیں۔ پھر کیونکر ہم اُس پر اعتقاد رکھیں۔ خدا کی بات اور اُس کا کام ایک ہونا چاہئے۔

بھی اس سبب سے کہ اُس حدیث کی روایت ہے اِس قسم کی ہے جس سے حدیث نبوی ہونے کا ثبوت نہیں ہے اُس حدیث کو بالجزم اور بالیقین حدیث نبوی نہیں کہہ سکتے ✦

تعلیم مذہبی

اب تو گویا بالاتفاق تمام مسلمان اِس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ انگریزی پڑھنے اور علوم جدیدہ کے سیکھنے سے مسلمان اپنے عقاید مذہبی میں سُست ہو جاتے ہیں بلکہ اُن کو لغو سمجھنے لگتے ہیں۔ اور لامذہب ہو جاتے ہیں۔ اور اِسی سبب سے مُسلمان اپنے لڑکوں کو انگریزی پڑھانا نہیں چاہتے ✦ مُسلمانوں پر کیا موقوف ہے۔ انگریز بھی ایسا ہی خیال کرتے ہیں چنانچہ ڈاکٹر ہنٹر صاحب نے اپنی کتاب میں جو حال میں اُنھوں نے ہندوستان کے مسلمانوں کی نسبت لکھی ہے یہ فقرہ مندرج فرمایا ہے:۔

"کوئی نوجوان خواہ ہندو خواہ مسلمان ایسا نہیں ہے جو ہمارے انگریزی مدرسوں میں تعلیم پائے اور اپنے بزرگوں کے مذہب سے بد اعتقاد ہونا سیکھے۔ ایشیا کے شاداب اور تر و تازہ مذہب جب مغربی (یعنی انگریزی) علوم کی سچائی کے قریب آتے ہیں جو مثل برف کے ہے تو سوکھ کر لکڑی ہو جاتے ہیں" آمنا وصدقنا۔ یہ قول ڈاکٹر ہنٹر صاحب کا بالکل سچ اور بتمام سچ ہے ✦

اب مُسلمانوں کو بھی اِس کی فکر پڑی ہے۔ وہ دیکھتے ہیں کہ انگریزی پڑھنے کی ضرورت تو روز بروز زیادہ ہوتی جاتی ہے اور بغیر انگریزی پڑھے اب گذارہ نہیں ہو سکتا مگر وہ مذہب کو بھی عزیز سمجھتے ہیں اور اُس کو ہاتھ سے جاتا ہوا دیکھ کر بالکل بیقرار اور بے چین ہیں اور طرح طرح کی تدبیریں سوچتے ہیں اور ہم ایک کونے میں کھڑے ہوئے ہنستے ہیں اور آہستہ آہستہ کہتے ہیں کہ میاں اگر تمہارا مذہب ایسا ہی بودا تھا تو جانے دو۔ ایسی بودی چیز رہی تو کیا۔ مگر جب کوئی ہماری چُپکی چُپکی آواز سُن لیتا ہے تو ہم پر غراتا ہے کہ کیا ہمارا مذہب کمزور ہے۔ مگر دل میں کہتا ہے کہ بات تو سچ کہی ہے۔ بودا تو ہے کہ ذرا سی انگریزی پڑھنے سے ڈھا جاتا ہے ✦

بڑے بڑے معمم و مشمشل قدوس عالموں نے بہت غور کے بعد یہ تجویز کی کہ انگریزی کے ساتھ مذہبی تعلیم بھی دی جاوے اور کتب درسیہ عقاید اور فقہ و اصول و تفسیر و حدیث و علم کلام بھی انگریزی کے ساتھ پڑھائی جاویں تاکہ عقاید مذہبی پختہ و درست رہیں اور علوم غریبہ کے ریلے میں بہہ نہ جاویں ✦

مگر میں یہ عرض کرتا ہوں کہ محققانہ تعلیم مذہبی اصول حقہ واقعیہ پر بلاشبہہ نافع نقصان عقاید حقہ

بحثا بلمہ نیست بلکہ جماعہ از اصحاب یعنی شافعیہ بداں تصریح کردہ اند ﷺ و ابن عرفہ از علمائے مالکیہ گفتہ قال شیخنا ابن عبد السلام لا یخلو الزمان عن مجتہد۔ و امام الحرمین گفتہ کہ اختلاف کردہ اند اولین در آنکہ عصرے از عصار عدد مجتہدین از مبلغ تواتر کم مے شود یا نہ جمعے منع کردہ و جمعے جایز داشتہ ﷺ

پس ان تمام اقوال سے ہر زمانہ میں مجتہد کا ہونا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ پس کیسی بڑی غلطی اہل سنّت و جماعت کی ہے کہ اجتہاد کو ختم اور مجتہد کو معدوم مانتے ہیں ﷺ

اس غلطئے اعتقاد نے ہم مسلمانوں کے دین و دنیا میں نہایت نقصان پہنچایا ہے اس لئے ہم کو ضرور ہے کہ ہم اس خیال کو چھوڑیں اور ہر بات کی تحقیق پر مستعد ہوں خواہ وہ بات دین کی ہو یا دنیا کی۔ غور کرنا چاہیئے کہ ہر گاہ زمانہ حادث ہے اور نئے نئے امور اور نئی نئی حاجتیں ہم کو پیش آتی ہیں۔ پس اگر ہمارے پاس زندہ مجتہد موجود نہ ہونگے تو ہم مردہ مجتہدوں سے نئی بات کا مسئلہ جو اُن کے زمانہ میں حادث بھی نہیں ہوئی تھی کیونکر پوچھینگے۔ پس ہمارے لئے بھی مجتہد العصر و الزمان کا ہونا ضرور ہے ﷺ

آدم کی سرگذشت

تم کون ہو اور تمہارا نام کیا ہے۔ یہ تو میں نہیں جانتا کہ میں کون ہوں مگر میرا نام آدم ہے۔ تم پر کیا گذری۔ میں نے اپنے تئیں اسی دنیا میں پایا مگر نہ جانا کہ کس طرح بنا اور کس نے بنایا۔ میں نے اور بھی بہت سے چرند و پرند۔ کیڑے مکوڑے دنیا میں دیکھے میں سمجھا کہ جس طرح یہ بنے ہونگے اُسی طرح میں بھی بنا ہونگا ﷺ

مگر میں دیکھتا تھا کہ وہ سب تو ایک سا کام کرتے جاتے ہیں اور کسی اور بات کا ارادہ بھی نہیں کرتے مگر میرے دل میں بہت سے خیال آتے تھے۔ کبھی دل چاہتا تھا کہ یہ کروں کبھی دل چاہتا تھا کہ وہ کروں۔ کبھی کہتا تھا کہ یہ کیا ہے کبھی کہتا تھا وہ کیا ہے۔ دل گھبراتا تھا اور اُن چرند و پرند کے پاس بیٹھتا تھا۔ کسی کو اپنا سا نہ پاتا تھا اور دل نہ لگتا تھا۔ تنہائی میرے دل کو گھبراتی تھی اور اس بیقراری سے یہ بات دل میں آتی تھی کہ میرے لئے میری ہی سی کچھ اور چیز چاہیئے ﷺ

ایک دن میں نے اپنے بائیں پہلو کے پاس ایک اپنی ہی سی صورت کی چیز بیٹھی ہوئی دیکھی دل بہت خوش ہوا۔ بے قصد باچھیں کھلنے لگیں۔ دل بھی دھکڑ پکڑ کرنے لگا۔ اور اُسی

یہ مسئلہ تمام دنیا نے تسلیم کرلیا ہے۔ پھر اُس کی تصدیق مذہب اسلام کی کتاب میں ڈھونڈیں اور
کس مُلاّ وآخوند سے جاکر پوچھیں۔ جب کوئی بات بھی اُن میں سے موجودہ کتب مذہبی میں نہیں
ہے تو اُن سے لامذہبی جو فلسفہ مغربیہ اور علوم محققہ جدیدہ سے ہوتی ہے کیونکر رفع ہوگی۔ یہ باتیں
نہایت صاف اور روشن ہیں۔ اُن کو ظاہر میں نہ ماننا دوسری بات ہے۔ مگر کوئی شخص ایسا نہ ہوگا جو
اپنے دل میں ان باتوں کو سچ نہ جانتا ہوگا۔ پس ایسی حالت میں ان کتابوں کا نہ پڑھنا اُن کے پڑھنے
سے ہزار درجہ بہتر ہے۔ مسلمان ہونے اور بہشت میں جانے کو خدا کو ایک و پیغمبر کو برحق جاننا کافی ہے
عمل کو نماز پڑھ لینی روزہ رکھ دینا بس ہے۔ اُن غیر مفید کتابوں کے پڑھنے سے کیا حاصل ہے ۞

ہاں اگر مسلمان مرد میدان ہیں اور اپنے مذہب کو سچا سمجھتے ہیں تو بے دھڑک میدان میں
آویں اور جو کچھ اُن کے بزرگوں نے فلسفہ یونانیہ کے ساتھ کیا تھا وہ فلسفہ مغربیہ اور علوم محققہ جدیدہ
کے ساتھ کریں تب البتہ اُن کا پڑھنا پڑھانا مفید ہوگا ورنہ اپنے مُنہ میاں مٹھو کہہ لینے سے کچھ
فائدہ نہیں ۞

مجتہد

مذہب شیعہ امامیہ کا نہایت صحیح اور سچا مسئلہ ہے کہ ہر زمانہ میں مجتہد کا ہونا ضرور ہے کوئی زمانہ
مجتہد العصر سے خالی نہیں ہوتا۔ البتہ اُن کا یہ مسئلہ کہ مات المفتی مات الفتوے صحیح نہیں ہوسکتا مگر
متاخرین اہل سنت وجماعت نے عجیب غلط مسئلہ بنایا ہے کہ اجتہاد ختم ہوگیا اور اب کوئی مجتہد
نہیں ہوسکتا۔ مگر اب تک اُن کو اس میں شبہ ہے کہ نعوذ باللہ منہا مثل خاتم النبیین کے خاتم المجتہدین
کون ہے کسی نے زید کو اور کسی نے عمر کو بتلایا ہے ۞

مگر ہم کو بعض کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اکثر علماے کا یہ مذہب ہے کہ ہر زمانہ میں مجتہد کا ہونا
ضرور ہے اور کوئی زمانہ مجتہد سے خالی نہیں ہوتا۔ شاہ ولی اللہ صاحب اپنی کتاب مسمیٰ بہ انتباہ
فی سلاسل اولیاء اللہ واسانید وارثی رسول اللہ کی جلد دوم میں ارقام فرماتے ہیں کہ
"بغوی در تہذیب و امام الحرمین در نہایہ و رافع در شرح وجیز و اعز الدین عبد السلام در غایۃ و نووی
در شرح مہذب و ابو عمر بن صلاح در کتاب ادب الفتیا و بدر الدین زرکشی در کتاب بحر تصریح کردہ اند
کہ علم دو قسم است۔ فرض علے الاعیان و فرض علے السبیل الکفایۃ و فرض کفایہ آنست کہ کسے برتبہ اجتہاد
برسد واز احاد مقلدین برآید پس اگر در ہر ناحیہ یکے یا دو باین معنی قایم شوند فرض ساقط والا ہمہ عاصی
شوند۔ وحنابلہ با مرہم آں رفتہ اند کہ جایز نیست خلو زمان از مجتہد لقولہ صلے اللہ علیہ وسلم لا تزال
طایفۃ من امتی ظاہرین علی الحق یاتی امر اللہ و زرکشی گفتہ است کہ ایں قول مخصوص

تھی بلکہ طرح طرح کے جذبات کو جو غصہ اور غضب اور بغض و کینہ۔ عداوت و دشمنی۔ قتل و خونریزی چوری و زناکاری کے منشا رہیں تحریک دیتی رہتی تھی۔ اُس کے کوتکوں سے میں نے جان لیا تھا کہ وہ میری بڑی دشمن ہے۔ اُسی پر فتح پانا میرا بڑا کام ہے۔ مگر وہ بھی جتاتی تھی کہ میں تیری دشمنی کبھی نہیں چھوڑنے کی۔ جہاں پاؤں گی اپنا کام کرُونگی۔ اور جس طرف سے قابو پاؤنگی مارونگی ❀

وہ قوت ایک عجیب و غریب چیز تھی۔ دشمن تو ایسی سخت تھی لیکن اگر وہ نہ ہوتی تو ایک اور چیز ہم میں نہ ہوتی جو انسان کے کمال کی بھی وُہی باعث ہے۔ اور اُس کے وبال کی بھی وہی باعث ہے اور اسی سبب سے وہ قوت کبھی سخت دشمن دکھائی دیتی تھی اور کبھی دوست سمجھ میں آتی تھی۔ مگر میری اطاعت میں کبھی نہ تھی ❀

خدا نے ایک ایسی مرکب چیز کو جو مختلف قوتوں کا مجموعہ تھی یعنی مجھ کو ایک جگہ ڈال دیا جہاں نہ مجھ کو بھوک تھی نہ پیاس۔ نہ دھوپ کی گرمی لگتی تھی نہ کپڑا پہننے کی حاجت ہوتی تھی۔ میں رفتہ رفتہ بڑا ہوتا جاتا تھا اور تمام قوتیں جو مجھ میں تھیں میرے کام آتی تھیں۔ ایک قوت مجھ میں تو تھی مگر میرے کام میں نہ تھی۔ نہ میں اُس کو کام میں لاتا تھا۔ جب میں بڑا ہوا اور سن تمیز کو پہنچا اُسی دشمن قوت نے مجھ کو بتایا کہ اُس سے بھی کام لے۔ کیونکہ وہ جانتی تھی کہ جب میں اُس سے کام لونگا تب ہی مصیبت میں پھنسونگا۔ مگر اُسی قوت سے کام لینا کمال کا بھی سبب تھا۔ اِس لئے اُس دشمن قوت نے بہکایا کہ اگر اُس سے کام لیگا تو فرشتہ ہو جاویگا اور کبھی فنا نہ ہوویگا۔ وہ قوت میری ہی تو تھی اور میں اُس کو کام میں لانے کے قابل بھی ہو چکا تھا۔ میں اُس کو کام میں لایا اور اُسی وقت میرے عیب مجھ پر کھُل گئے۔ میں نے جانا کہ میں تو ایک نہایت ناچیز ہستی ہوں۔ بے شک مجھ میں فرشتہ ہونے اور ہمیشہ رہنے کی قوت ہے مگر اُس کے ساتھ بڑا قوی دشمن بھی لگا ہوا ہے۔ اُس سے بچنا نہایت مشکل ہے۔ میں اپنے عیبوں کے چھپانے کی فکر میں پڑا اور خدا نے للکارا کہ خبردار اب تو اپنا مالک ہوا۔ دوست دشمن سے واقف ہوا۔ اب جب تک زمین پر رہنا ہے نیک و بد کو سمجھ اور اپنا کام کر۔ میں نہایت حیران ہوا کہ کیا کام کروں اور کس طرح پر چلوں۔ پھر میں سمجھا کہ خدا کی نشانیاں اور خدا کی ہدایتیں ہمارے ساتھ ہیں۔ اُنہی کو سمجھو اور اُنہی کو مانو۔ اُنہی کی ہدایت پر چلو اور دشمنوں سے نجات پاؤ۔ مگر یہ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ گذشتہ بدی کا کیا علاج ہو۔ بہت غور کے بعد سمجھا کہ کسی دوسرے سے اُس کا علاج نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اُس کا علاج خود مجھ میں ہے۔ جو چیز مجھ میں ٹیڑھی ہو گئی ہے اُسی کا سیدھا کرنا اُس کا علاج ہے۔ تب میں نے خدا سے کہا۔ رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ؁

کی طرف کھینچنے لگا۔ وہ بھی میرے پاس بیٹھنے سے نہایت خوش معلوم ہوتی تھی اور پیاری پیاری نگاہوں سے مجھے دیکھتی تھی اور مسکراتی تھی۔ آخر میں بیقرار ہوگیا اور مجھ سے نہ رہا گیا۔ اور میں نے اُس سے پوچھا کہ بوا تم کون ہو اور تمہارا کیا نام ہے۔ وہ بولی کہ بھائی یہ تو میں نہیں جانتی کہ میں کون ہوں۔ جو تم ہو وہی میں ہوں مگر میرا نام حوا ہے۔ میں بہت خوش ہوا اور تالیاں بجا کر خوب اُچھلا اور خوب کودا۔ اور اوپر کو دیکھ دیکھ کر ایک بڑی ہستی اور بڑے قادر مطلق کا خیال کر کر خوب گیت گائے اور نہایت ذوق و شوق سے یوں چلایا ٭

اُو اُو ارے اُو ارے اُو ارے وہ جو ہے۔ ارے وہ جو ہے۔ ارے وہ جو رہیگا۔ ارے وہ جو رہیگا۔ ارے وہ جو تو ہی ہے۔ ارے وہ جو تو ہی ہے۔ میری شکر لے۔ اُس انجان جانب کار نے میرا شکر لیا۔ اب تم اُسی برکت کے پھل پھول ہو ٭

اجی دادا جان۔ یہ تو تم نے حال کی کہی۔ ہم تو اُس سے بھی پچھلی پوچھتے ہیں۔ میرے پیارے وہ تو ہمارے ہوش اور تمیز سے پہلے کی بات ہے۔ مگر اُس کی کچھ نشانیاں ہم پاتے ہیں اور خدا نے اپنی قدرت سے جو کچھ ہم میں بنایا ہے اُسی سے وہ پچھلا حال سمجھ سکتے ہیں اگر تم کو اُس کے جاننے کا شوق ہے تو سُنو ٭

تمام زمین پر بسنے والی چیزیں زمین سے پیدا ہوئی ہیں گو اُن کی آیندہ نسل چلنے کا کوئی قاعدہ بنایا ہو مگر سب سے پہلی فرد صرف اُس کی قدرت سے بنی۔ اُس نے کہا کہ ہو۔ وہ ہوگئی پس اسی طرح میں بھی زمین سے پیدا ہوگیا۔ پلا اور بسا اور بڑا ہوا۔ مگر جب زمین سے نکلا تھا تو ایسا نہ تھا جیسا اب ہوں۔ رفتہ رفتہ ہم کو یہ صورت ملی ہے اگر تم میری وہ ہیئت دیکھو جو زمین سے نکلی تھی تو نہایت تعجب کرو۔ بال سے بھی باریک اور رائی کے دانے سے بھی چھوٹا بھنگا تھا اُسی میں حسن و جمال۔ عقل و کمال سب چھپا ہوا تھا جیسے بیج میں درخت کے تمام پھل پھول۔ ٹہنی پتے چھپے ہوتے ہیں۔ یہ اُس صانع کی قدرت ہے جو ایسی ضعیف و ناچیز چیز کو ایسا کیا ہے جس کے حسن و جمال پر لوگ فریفتہ ہوتے ہیں۔ فرہاد سر پھوڑتا ہے۔ زلیخا ہاتھ کاٹتی ہے۔ مجنوں سر بصحرا نکل جاتا ہے۔ اپنے تقدس و کمال سے فرشتوں پر فوق لیجاتا ہے اور اپنے آپ سے اپنے صانع کو پہچانتا ہے اور پھر اُس کی مرضی اور خوشی کے بیان کرنے کو اوروں کے لیئے واعظ بنتا ہے ٭

تمام قوتیں حیوانی اور انسانی۔ ملکی و شیطانی اُس میں تھیں۔ اور سب اُس کی اطاعت و فرمانبرداری میں حاضر تھیں۔ جس جس کام پر وہ مامور تھیں اُن کو کر رہی تھیں اور اپنے کام میں ذراسی بھی خطا نہیں کرتی تھیں۔ مگر ایک قوت نہایت قوی اور سرکش تھی۔ وہ میری کوئی خدمت نہیں کرتی

تمہارا دوست ہوں۔ ہم اُس کے بہکائے میں آگئے اور اُس درخت میں سے کھا لیا ایک پردہ نادانی کا جو ہم پر تھا کھاتے ہی اُٹھ گیا عیب وصواب معلوم ہونے لگا۔ اپنا ننگا پن ہم کو شرمانے لگا۔ درخت کے پتوں سے اپنی شرمگاہوں کو چھپانے لگے۔ اتنے میں خدا للکارا کہ کیوں اس درخت کے کھانے سے میں نے تم کو منع نہ کیا تھا اور تم کو نہ کہہ دیا تھا کہ شیطان تمہارا پکا دشمن ہے۔ چلو یہاں سے جاؤ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو گے۔ چند مدت تک زمین پر رہو گے۔ اُسی میں جیو گے اُسی میں مروگے اُسی سے نکلو گے ⁂

پھر خدا کے بتانے سے اپنے قصور کی معافی اِس طرح پر خدا سے چاہی کہ "اے ہمارے خدا ہم نے اپنے پر آپ ظلم کیا اور اگر تو معاف نہ کریگا اور رحم نہ کریگا تو ہم آفت میں رہینگے" خدا نے معاف کیا اور یہ بتایا کہ تمہارے پاس میری ہدایت آویگی۔ جو کوئی اُس کی تابعداری کریگا اُس کو کچھ ڈر نہ ہوگا جو میری نشانیوں کو نہ مانیگا وہ دوزخ میں جاویگا اور ہمیشہ اُسی میں رہیگا ⁂

پھر خدا نے آدمؑ کو زمین پر اپنا نایب بنایا۔ فرشتوں نے کہا کہ ایسے شخص کو زمین کی نیابت دیگا جو اُس میں فساد کرے اور خون بہاوے اور ہم تو تیری پاکیزگی سے تجھ کو یاد کرتے ہیں اور تیری تعریف کرتے ہیں۔ خدا نے کہا کہ ہاں میں سب کچھ جانتا ہوں جو میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے ⁂

پھر خدا نے آدمؑ کو سب چیزوں کے نام بتائے اور فرشتوں کے سامنے کیا اور کہا کہ اگر تم سچے ہو تو اِن چیزوں کے نام بتاؤ۔ فرشتوں نے کہا کہ تیری دوہائی ہے جو کچھ تو نے بتا دیا ہے ہم تو اُس سے زیادہ کچھ نہیں جانتے۔ پھر آدمؑ سے کہا کہ تم اِن کے نام بتاؤ۔ آدمؑ نے سب کے نام بتا دئیے۔ خدا نے کہا کہ میں نہ کہتا تھا کہ آسمان وزمین میں کی چھپی ہوئی باتیں اور جو کچھ تم علانیہ یا خفیہ کرتے ہو سب کو جانتا ہوں ⁂

دادا جان یہ باتیں تو صاف صاف ہماری سمجھ میں آئیں۔ ہم سمجھے کہ خدا نے ہم کو پیدا کیا اور ہم کو فرشتوں پر بھی عزت دی۔ اور ہمارے دشمن شیطان کو بھی ہمیں بتلا دیا مگر ہم اُس کے فریب میں آگئے اور خدا کے حکم کے برخلاف کام کیا اور خود اپنے فعل سے گنہگار ہوئے اور جب اپنے گناہ کا اقرار کیا اور معافی چاہی تو خدا نے معاف کردیا اور ہم کو زمین پر اپنا نایب کردیا اور ہمارے پاس ہدایت بھیجنے کا وعدہ کیا۔ پھر اگر ہم اُس کی ہدایت پر چلینگے اپنا بھلا کرینگے اگر اُس پر نہ چلینگے خود اپنے لئے کانٹے بوئینگے۔ مگر اس میں بھی کئی باتیں پوچھنی ہیں ⁂

آپ نے یہ کیا فرمایا کہ خدا نے آدمؑ وحوّا کو پہلے پیدا کیا۔ پھر اُن کو اِس صورت پر جو اَب ہے بنایا ⁂

فَتَابَ علی اِنَّهٗ هُوَالتَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ۃ پھر تو خدا نے مجھ کو ایسا رتبہ بخشا کہ زمین پر اپنا نایب کردیا اور فرشتے غل ہی مچاتے رہے ✤

دادا جان آپ کی باتیں تو ہماری سمجھ میں نہ آئیں اور ہم نہ سمجھے کہ کن قوے کا مجموعہ خدا نے تم کو بنایا تھا۔ وہ کیا قوے تھے جو تمہارے مطیع و فرمانبردار بھی تھے۔ وہ کیا قوت تھی جو سرکش اور نافرمانبردار تھی۔ وہ کیا چیز تھی جو دشمن بھی تھی اور دوست بھی دکھائی دیتی تھی۔ اُسی نے وبال میں ڈالا اور اُسی نے کمال کا رستہ بتایا۔ یہ سب باتیں تو ہماری سمجھ سے باہر ہیں۔ اگر اور کسی طرح پر آپ گفتگو کریں اور ہم کو سمجھا سکیں تو آپ کی نہایت شفقت و عنایت ہوگی ✤

آدم نے کہا کہ تمہاری اور تمام دنیا کی سمجھ میں آجانے کے لایق تو اسی بات کو موسےٰ اور محمدؐ نے بہت اچھی تمثیل سے بتایا ہے۔ اُنھوں نے ملکی قوے کا نام فرشتہ رکھا ہے اور اُس دشمن دوست نما قوت کا نام شیطان اور اُس قوت کا نام جو مجھ میں تھی پر میرے کام میں نہ تھی درخت اور اُس وقت یا حالت کا نام جب میں اُس قوت کو کام میں لانے کے لائق ہوا اُس درخت کا مزا چکھنا رکھا ہے اور اس مشکل عقدہ کو ان تمثیلوں سے حل کر کر یوں بیان کیا ہے ✤

خدا نے سڑی ہوئی کیچڑ سے جو آگ میں پکے ہوئے کی مانند گرم ہو رہی تھی آدم کو اور اُس کی جوڑی حوا کو پیدا کیا پھر اُن کو اس صورت پر جو ہے بنایا۔ پھر فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ سب نے سجدہ کیا مگر شیطان نے سرکشی کی اور خدا کے حکم کو نہ مانا اور سجدہ نہ کیا۔ خدا نے اُس سے پوچھا کہ تو نے کیوں سجدہ نہ کیا۔ اُس نے کہا کہ میں آدم سے افضل ہوں۔ تو نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا اور آدم کو مٹی سے۔ خدا نے کہا کہ جا دُور ہو تو فرشتوں میں ہونے کے لائق نہیں اُس نے کہا تو مجھ کو قیامت تک ایسا ہی رہنے دو۔ تم ہی نے مجھے بہکایا ہے میں بھی انسان کو بہکاتا ہی رہونگا۔ خدا نے کہا دُور ہو اے مردود۔ جو لوگ تیری تابعداری کرینگے اُن سے دوزخ بھر دونگا ✤

پھر خدا نے ہم کو سمجھایا کہ شیطان تمہارا پکا دشمن ہے اُس سے خبردار رہنا۔ پھر ہم کو بہشت میں رکھا وہاں ہم کو نہ بھوک تھی نہ پیاس۔ نہ دھوپ لگتی تھی اور نہ کپڑے کی حاجت تھی خدا نے کہا کہ اس میں سے جو کچھ چاہو کھاؤ مگر ایک درخت کو بتلایا کہ اُس کے پاس تک مت جانا اگر جاؤ گے تو اپنے لئے خود بُرا کرو گے ✤

مگر شیطان نے ہم کو بہکایا اور کہا کہ میں تم کو ہمیشگی کا اور ہمیشہ رہنے والی بادشاہت کا درخت بتلاؤں۔ اُس نے وُہی درخت بتلایا جس سے خدا نے منع کیا تھا۔ اور کہا کہ کسی بُرائی کے سبب سے منع نہیں کیا بلکہ اس لئے منع کیا ہے کہ تم فرشتہ اور ہمیشہ رہنے والے نہ ہو جاؤ۔ اور قسمیں کھا کر کہا کہ میں

یہ سب قوے ایسے آپس میں ملے ہوئے ہیں جیسے دودھ میں پانی اُس پر بھی سب اپنے اپنے جُدا جُدا امزاج پر قائم ہیں اور اپنا اپنا جُدا جُدا کام کر رہے ہیں۔ پس اس ترکیب انسانی کو سمجھانے کے لیئے تمام نبیوں نے تمثیلی زبان اختیار کی اور جس طرح کہ اُن قوے کے جُدا جُدا کام تھے اِسی طرح اُن کو علیحدہ علیحدہ اس طرح پر بیان کیا کہ گویا وہ الگ الگ ایک دوسرے کے مقابل جُدا جُدا چیزیں ہیں ٭

دادا جان یہ بات تو ہماری سمجھ میں بالکل آگئی اور اِس بیان سے ایک اور عقدہ حل ہوگیا کہ بعض روایتوں میں جو یہ بیان ہوا ہے کہ رحم میں فرشتہ انسان کی صورت بناتا ہے اس سے بھی وُہی قوت مصورہ مراد ہے جو خدا نے اُس میں رکھی ہے ٭

مگر یہ بات بھی بتا دیجیئے کہ اُن ملکی قوے کے سجدہ کرنے اور اُس ایک قوت کی سرکشی کرنے سے کیا مطلب ہے ٭

بیٹا یہ تو بہت صاف بات ہے تم خود اپنے آپ کو دیکھو تمام قوتیں جس جس مطلب کے لیئے تمہارے میں پیدا ہوئی ہیں سب تمہاری تابع ہیں جس وقت تم کسی ایسی قوت کو تحریک دینا چاہتے ہو جو نیکی کی مخرج ہے فی الفور تحریک میں آتی ہے اور تم سے نیکی اور نیک دلی۔ رحم و محبت ہمدردی۔ وفا شعاری خدا کے سامنے تذلل ظہور میں آتا ہے اور صاف ثابت ہوتا ہے کہ وہ تمام قوے جو ان چیزوں کے منشا ہیں تم کو سجدہ کر رہے ہیں یعنی تمہارے مطیع و فرمانبردار ہیں برخلاف اس کے اُس قوت کو دیکھو جو بدی اور گناہ کا مخرج ہے۔ تم اُن افعال کو جو اُس قوت سے پیدا ہوتے ہیں بُرا جانتے ہو اور اُن کے نہ کرنے کا ارادہ بھی کرتے ہو اور پھر کرتے بھی جاتے ہو جھوٹ کو بُرا سمجھتے ہو اور چاہتے ہو کہ نہ بولیں مگر بولتے جاتے ہو غصہ کو بُرا جانتے ہو اور ہر چند چاہتے ہو کہ روکیں پر کرتے جاتے ہو زنا جو سب سے بڑھ کر بدی ہے اُس کو کر کر نادم ہوتے ہو خود اپنے پر لعنت کرتے ہو۔ سر پیٹتے ہو۔ منہ پر طمانچے مارتے ہو۔ اور پکا ارادہ کرتے ہو کہ پھر نہ کرینگے اور پھر کرتے ہو۔ غرضکہ اُس قوت پر جو تمام بدیوں کی جڑ ہے۔ خیال کرو اور دیکھ لو کہ وہ کیسی سرکش اور تمہاری نافرمانبردار ہے۔ آہ بیٹا تم انسان اُسی وقت ہوگے جب اُس سخت دشمن پر فتح پاؤگے ٭

دادا جان یہ باتیں تو تم نے ایسی بتائیں کہ ہمارا دل ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا۔ بالکل سچ ہے انسان پر یہی گذرتا ہے۔ جب ہم اپنی بدیوں پر نظر کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ وہ مخالف قوت شیطان کیسی ہم پر غالب ہے تو ہم کو اپنی زندگی پر افسوس آتا ہے اور ہم کہتے ہیں کہ کاش ہم پیدا نہ ہوئے ہوتے ٭

بیٹا تم نے قرآن پڑھا ہے۔ اُس میں تو صاف لکھا ہے کہ ولقد خلقناکم ثم صورناکم یعنی خدا نے تم کو پیدا کیا پھر تمہاری صورتیں بنائیں۔ اصل یہ ہے کہ انسان نطفہ میں نہایت باریک بھنگے کی مانند پیدا ہوتا ہے پھر اُس کی صورت بنتی ہے۔ یہی بات خدا نے بھی کہی اور ہمیشہ یونہی ہوتا ہے ٭

دادا جان یہ تو عجیب بات آپ نے بتائی۔ ہم نے تو کبھی سُنی بھی نہ تھی۔ قرآن میں تو عجیب عجیب قدرتی باتیں لکھی ہیں جو اُس زمانہ کے لوگوں کے خیال میں نہ تھیں۔ اب جس قدر حقائق موجودات کھلتی جاتی ہیں قرآن کی حقیقت سمجھ میں آتی جاتی ہے۔ بے شک یہ خدا کا کلام ہے ٭

مگر آپ یہ تو فرمائیے کہ جن قوتوں سے خدا نے ہم کو بنایا اور جو ہم ہی میں موجود تھیں اُنہی میں سے کسی کو فرشتہ اور کسی کو شیطان اِس طرح پر بیان کیا کہ گویا وہ ہم سے علٰحدہ دوسری چیزیں تھیں جن میں سے کوئی ہماری فرمانبردار تھی اور کوئی ہماری دشمن اور اگر درحقیقت وہ ہم ہی میں تھیں تو اِس طرح پر کیوں بیان ہوئیں ٭

بیٹا ابھی میں نے تم سے بیان کیا کہ انسان عجیب مختلف قوتوں سے بنا ہوا ہے کہ باوصف مرکب ہونے کے ہر ایک جُدا جُدا کام کرتی ہے۔ مگر تمہاری سمجھ میں کچھ نہ آیا اور جب اِس زمانہ میں ہی تم اُس کو نہ سمجھ سکے تو موسٰے کے اور اُس سے بھی پہلے کے زمانہ میں کون سمجھ سکتا تھا اِس لئے خدا نے اُس مطلب کو ایسے لفظوں میں بیان کیا کہ سینا کے جنگل میں پھرنے والوں اور عرب کے ریگستان کے رہنے والوں سے لیکر سقراط اور بقراط کے درجوں تک کے لوگ سمجھ لیں ٭

تمام دنیا کے خیال میں ہے کہ مرکب چیز جب متعدد چیزوں سے ملتی ہے تو ایک خاص مزاج پیدا کر لیتی ہے۔ اُس کے ہر ہر فرد کا مزاج اپنی پہلی حالت پر باقی نہیں رہتا بلکہ دونوں سے مل ملا کر ایک قسم کا مزاج پیدا ہو جاتا ہے ٭

اگر گرم پانی میں تم ٹھنڈا پانی ملاتے ہو تو اُس کی سردی اور اُس کی گرمی مل کر اُس کو کنکنا کر دیتی ہے یہ کبھی نہیں ہوتا کہ دونوں ملیں اور سرد پانی کی سردی بدستور سرد اور گرم پانی کی گرمی بدستور گرم رہے ٭

بہت سی گرم و سرد و خشک و تر دواؤں سے ملا کر ایک معجون بناؤ۔ اُن دواؤں میں سے کسی ایک کا بھی مزاج اپنی اصلی حالت پر باقی نہیں رہنے کا بلکہ سب کے مل ملا کر اُس معجون مرکب کا ایک خاص مزاج پیدا ہو جاویگا۔ مگر انسان ایک عجیب معجون مرکب ہے۔ مختلف قوٰے سے مرکب ہے۔ اور وُہی اُس کے وجود کے اور نیز باہم ایک دوسرے قوٰے کے بقا کے سبب ہیں۔ اگر اندرونی قوٰے میں سے ایک قوت انسان میں سے فوت ہو تو دوسری قوت بھی باقی نہیں رہتی اور باوجودیکہ

یہ سب باتیں میں نے وحی سے نہیں کہیں بلکہ خود اپنے میں اور تم میں دیکھ دیکھ کر کہی ہیں اور ہر شخص ان باتوں کو اگر اُس کو خدا دیکھنے کے لایق آنکھ دے خود دیکھ سکتا ہے ❖

دادا جان خدا نے یہ کیا کہا کہ میں نے شیطان کو آگ سے پیدا کیا اور پہلے فرشتوں میں تھا پھر مردود کر دیا۔ وہ تو ایک قوت خود ہم میں ہے ❖

بیٹا تمام قوائے انسانی پر جس میں وہ سرکش قوت بھی داخل تھی فرشتوں کا اطلاق کیا گیا اور جب اُس ایک قوت کا سرکش ہونا بتایا گیا تو اُس کو اُن میں سے علیحدہ کر کر شیطان بتایا۔ پس یہی اُس کا مردود ہونا اور فرشتوں میں سے نکالا جانا ہے ❖

اب تم خود اپنے میں غور کرو کہ تمہارے قوے کی ترکیب میں ایک قسم کی حرارت ہے جس کو کوئی حرارت غریزی اور کوئی مادہ الکٹرسٹی کہتا ہے۔ اُس تمام حرارت کا سر جوش وہ قوت ہے جس کو قوت سرکش یا شیطان بتایا ہے۔ پس وہ قوت سب کے اوپر ہے اور باقی قوتیں اُس سے نیچے۔ پس شیطان کا یہ کہنا کہ خلقتنی من نار و خلقتہ من طین بالکل ٹھیک اور مطابق واقع کے ہے۔ مولوی صاحب جو یہ سمجھتے ہیں کہ اُن کی روٹی پکانے کے چولھے کی آگ سے شیطان بنایا ہے یہ اُن کی نادانی ہے ❖

بھلا دادا جان جس درخت کے کھانے سے خدا نے منع کیا تھا وہ کیا قوت تھی۔ اور اُس کا کھانا یا استعمال میں لانا کیا حالت تھی ❖

بیٹا وہ قوت عقل و علم ہے۔ کیونکہ علم کے لئے عقل کا ہونا بھی لازم ہے اور جب انسان اُس حد کو پہنچتا ہے کہ اُس قوت کو استعمال میں لانے کے قابل ہو جاوے۔ اُس حالت کا نام انبیاء کی زبان میں شجر ممنوعہ کا کھانا چکھنا ہے اور زبان شرع میں اُس کا مکلف ہونا اور زبان حکماء میں اُس کا بالغ ہونا ہے ❖

دادا جان یہاں تو بڑی مشکل پیش آئی۔ اِس لئے کہ انسان کا چھٹپنے سے بڑا ہونا اور عقل و تمیز کی حالت تک پہنچنا ایک ضروری اور لازمی بات ہے۔ اگر انسان زندہ ہے تو خواہ نخواہ اُس حالت تک پہنچتا ہے پھر خدا کا اُس درخت کے کھانے سے منع کرنے کا اور انسان کا اُس کو کھا لینے کا اور خدا کی نافرمانی کر کر گنہگار ہونے کا کیا مطلب ہے ❖

بیٹا تم نے نہایت عمدہ بات کہی۔ تمہاری عقلمندی سے میں بہت خوش ہوا۔ جو کچھ تم نے کہا یہ سب سچ ہے۔ مگر اس مقام پر ایک نہایت عمدہ اور مشکل مسئلہ جبر و قدر کا نہایت خوبی اور سہل تمثیل سے حل کیا گیا ہے ❖

بعضے لوگ خیال کرتے ہیں کہ انسان بالکل مجبور ہے خواہ نخواہ اُس کو وہی باتیں کرنی پڑتی ہیں جو اُس کے لئے مقرر ہو چکی ہیں اور بعضے خیال کرتے ہیں کہ وہ خود مختار اور اپنے تمام افعال کا

مگر ہم نہایت ادب اور عاجزی سے ایک بات اور پوچھنی چاہتے ہیں کہ شیطان نے خدا سے یہ کیا بات کہی کہ "تم ہی نے مجھے بہکایا ہے۔ میں بھی انسان کو بہکاتا ہی رہونگا" یہ تو غلط معلوم ہوتی ہے۔ بھلا خدا نے شیطان کو کاہیکو بہکایا ہوگا۔ کیا خدا شیطان کا شیطان تھا اور اگر خود خدا نے ایسا کیا تو پھر اُس کو سجدہ کا کیوں حکم دیا*

نعوذ باللہ۔ نعوذ باللہ۔ بیٹا توبہ کرو توبہ کرو۔ گالوں پر طمانچے مارو۔ یہ کیسی کفر کی باتیں تم نے کہیں۔ یہ غلط نہیں ہے بالکل سچ ہے۔ قرآن میں بھی لکھا ہوا ہے قال فبما اغویتنی لاقعدن لھم صراطك المستقیم یعنی شیطان نے خدا سے کہا کہ اِس سبب سے کہ تو نے مجھ کو گمراہ کیا میں بھی اُن کی باٹ مارنے کے لئے تیری سیدھی راہ میں بیٹھونگا*

مگر غور کرو اور سمجھو کہ اِس کا مطلب کیا ہے اور کس بات کا اشارہ ہے۔ سمجھو کہ وہ سرکش قوت خود خدا نے بنائی ہے اور اُس سرکشی کی قوت خود خدا نے اُس میں رکھی ہے۔ پس ان لفظوں سے کہ تو نے ہی مجھ کو بہکایا ہے اِسی بات کا اشارہ ہے کہ اُس قوت کا خالق اور اُس قوت کو یہ قوت دینے والا بھی وہی ایک خدا ہے اور یہی اُس کا بہکانا ہے۔ مگر خدا نے انسان میں ایسے بھی قوے رکھے ہیں جو اُس کو زیر اور مطیع کر سکتے ہیں اور یہی حکم دینا ہے کہ آدم کو سجدہ کر۔ پس ان دونوں صفتوں کو عام فہم کرنے کو خدا نے تمثیلی زبان سے یوں بتایا کہ خدا نے شیطان کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کر یعنی ایسے بھی اسباب بنا دئے ہیں کہ وہ انسان کا مطیع ہو سکتا ہے۔ دیکھو ایوبؑ پیغمبر نے کیسا اُس کو مطیع کیا پھر یوں کہا کہ اُس نے سرکشی کی اور خدا کا حکم نہ مانا یعنی وہ قوت ایسی سرکش ہے کہ مطیع ہو ہی نہیں سکتی۔ ایک موقع پر ہم گناہ سے بچتے ہیں اور دوسرے موقع پر گناہ میں پڑتے ہیں اگر نہیں پڑتے تو ہم کو اُس دشمن کو ہر وقت و ہر دم دبائے رہنا اور باندھے رکھنا تو ضرور پڑتا ہے اور وہ ہر دم چھوٹنا اور ہم پر حملہ کرنا تو ضرور چاہتا ہے۔ پس اس حقیقت کو نبیوں کی زبان نے کیسی عمدہ طرح پر حکم اور نافرمانی کی اصطلاح میں بیان کیا ہے۔ صلوات اللہ علیہم اجمعین*

دادا جان جو کچھ تم نے کہا ہم سمجھتے ہیں کہ خدا ہی نے تم کو بتایا ہے کیونکہ آج تک کسی انسان نے تو ایسے حقایق و معارف بیان نہیں کئے جس سے دل کو تسکین ہو۔ آپ ہی پر خدا نے اپنا فضل کیا ہے جو آپکے دل سے ایسے حقایق و معارف نکلتے ہیں۔ اب تو ہمیں پوچھتے بھی شرم آتی ہے مگر دو چار باتیں تو اور بتا دیجیئے*

بیٹا۔ تم کچھ شرم مت کرو۔ پوچھتے جاؤ۔ خدا کی بات میں کچھ غلطی ہو ہی نہیں سکتی ہاں ممکن ہے کہ میری بات یا میری سمجھ میں غلطی ہو جاوے۔ میں بھی انسان ہوں۔ جس طرح تم غلطی میں پڑ سکتے ہو میں بھی پڑ سکتا ہوں۔ میرے اُسی قدر کلام میں غلطی نہیں ہوتی جس قدر کہ مجھ کو وحی آئی ہے

دادا جان خدا کا شکر ہے کہ ہم بھی ان حقایق و معارف کا آپ کی زبان مبارک سے سنا اپنی ماں کے پیٹ سے لیکر نکلے تھے۔ مگر یہ تو فرمائیے کہ آدم کا زمین پر نائب کرنا اور فرشتوں کا تکرار کرنا اور خدا کا آدم کو سب چیز کے نام سکھانا کیا معنی ہیں +

بیٹا زمین موجود ہے۔ انسان موجود ہے۔ دیکھ لو کہ زمین کی تمام مخلوقات میں زمین کی بادشاہت اور خدا کی نیابت کس کو ہے۔ کیسے فرشتے کیسی تکرار۔ یہ تو خطابیات کی قسم بیان ہے قوائے جن قدر کہ ہیں ہمیشہ وُہی کام کرتے ہیں جس کے لئے وہ مخلوق ہیں لا یعصون اللہ ما امرھم ویفعلون ما یؤمرون مگر انسان ہی ایسی مخلوق ہے کہ وہ نیکی بھی کر سکتا ہے اور بدی بھی پس خدا نے اِس مقام پر انسان کی حقیقت بیان کر دی کہ وہ کیسے کیسے سخت گناہوں کے کرنے پر قادر ہے مگر اُسی کو نایب کرنے کی وجہ کو بھی بتایا کہ وہ قابل تعلیم ہے اور اُس کی غلطیاں اصلاح کے قابل ہیں۔ اور وہ ایسے اعلےٰ درجہ تک ترقی کر سکتا ہے جہاں فرشتوں کا بھی مقدور نہیں کیونکہ اُن میں جو بات ہے اُس سے زیادہ ترقی کی قوت اُن میں نہیں ہے۔ قالوا سبحانک لا علم لنا الا ما علمتنا۔ خدا نے آدم کو تمام چیزوں کے نام اِس طرح پر نہیں سکھائے تھے جس طرح کہ انا بچے کو سکھاتی ہے بلکہ تمام چیزوں کا سکھانا وہ ملکہ علم انسان میں ودیعت کرنا ہے جس سے آج ہم بقدر اپنی طاقت کے خدا کی خدائی کے کارخانوں پر فکر کرتے ہیں اور جہاں تک ہو سکتا ہے اُس کو جانتے ہیں +

تم خود اپنے حال پر خیال کرو کہ تم میاں جی سے یا مولنا صاحب سے پڑھتے ہو اور فضیلت کی دستار مبارک باندھ لیتے ہو۔ کیا میاں جی صاحب یا جناب مولنا صاحب تم کو سب کچھ پڑھا دیتے ہیں۔ نہیں۔ بلکہ ایک ملکہ تم میں حاصل ہوتا ہے جس سے تمام عالم کہلاتے ہو۔ پس خدا جو اُس ملکہ کا تم میں پیدا کرنے والا ہے اگر یوں کہے کہ وعلم ادم الاسماء کلھا تو کونسی اِس میں مشکل بات ہے +

بھلا دادا جان یہ تو ہوا مگر یہ تو فرمائیے کہ آدم کو سب چیزوں کے نام سکھائے۔ یہ نام سکھانے سے کیا مطلب تھا +

ارے بیٹا۔ یہی تو خدائی کا بھید ہے۔ خدا بڑا اُستاد ہے۔ پچھلا داؤں ہمیشہ اُٹھا رکھتا ہے اِس لفظ میں یہ بھید ہے کہ خدا نے انسانوں کو حقیقت اشیاء کچھ نہیں بتلائی۔ انسان سب کچھ بتلا سکتا ہے مگر حقیقت اشیاء نہیں بتا سکتا۔ پس جب حقیقت نہیں بتا سکتا تو جو کچھ وہ بتلاتا ہے صرف اسماء ہیں نہ حقایق۔ اِسی لئے خدا نے فرمایا۔ وعلم ادم الاسماء کلھا +

دادا جان۔ آپ نے تو یہ ایسی بات کہی کہ دل میں کھُب گئی۔ اب تو بالکل دل کو تسلی ہو گئی مگر

قادر ہے جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے بعضے خیال کرتے ہیں کہ نہ مجبور ہے نہ قادر ہے بین الجبر والاختیار ہے جیسے ایک مچھلی والے نے ایک بادشاہ کو مچھلی نذر کرتے وقت اس خیال سے کہ بادشاہ اس کا جوڑا نہ مانگے کہا تھا کہ یہ مچھلی مخنث ہے۔ اس مقام پر خدا تعالےٰ کو یہ بات بتلانی تھی کہ جو قوے کہ انسان کو خدا نے دیئے ہیں وہ خود اُن کا مالک و مختار ہے اور اُن سب کو خود کام میں لا سکتا ہے پس خدا کے منع کرنے اور انسان کا اُس کے کھا لینے سے انسان کا اُن قوائے پر جو اُس کو دیئے گئے ہیں قادر ہونا اور اُن کے استعمال کی خود قدرت رکھنا بتایا گیا ہے اور جو کہ اُس حالت تک پہنچنا اور عقل و تمیز حاصل کرنا انسان پر گناہ ہونے کا سبب ہے اِس لئے خدا نے فرما دیا کہ اُس حالت پر پہنچنے کے بعد آدم گنہگار ہوا ؎

من ملک بودم و فردوس بریں جایم بود

آدم آورد دریں دیر خراب آبادم

السعید من سعد فی بطن امہ والشقی من شقی فی بطن امہ نہایت صحیح اور سچا قول ہے۔ جو کچھ اِس وقت تم انسان کی حالت دیکھتے ہو اچھی یا بُری یہاں تک کہ نبیوں کی نبوت اور عابدوں کی عبادت۔ زاہدوں کا زہد۔ معشوقوں کا حسن۔ عاشقوں کا عشق۔ شاعروں کی شاعری۔ فاسقوں کا فسق۔ کافروں کا کفر۔ یہ سب وہ اپنی ماں کے پیٹ میں سے لیکر نکلے ہیں۔ پس نبی کو نبوت اور عابد کو عبادت اور زاہدوں کو زہد۔ معشوقوں کو حسن۔ عاشقوں کو عشق شاعروں کو شاعری۔ فاسقوں کو فسق۔ کافروں کو کفر لازمی اور ضروری ہے کہ بے ہوئے رہ ہی نہیں سکتا۔ جو شخص جو کچھ اپنی ماں کے پیٹ سے لایا ہے وہ اُسی کو گاتا ہے ٭

انبیا یوں فرماتے ہیں کہ انا نبی و آدم بین الماء والطین ٭

سعدا یوں کہتے ہیں کہ انا سعید و آدم بین الماء والطین ٭

اشقیا کا یہ قول ہے کہ انا شقی و آدم بین الماء والطین ٭

اور ہمارا یہ قول ہے کہ انا احمد و آدم بین الماء والطین ٭

مگر نہ عابد کی نجات عبادت پر ہے اور نہ فاسق کی درکات اُس کے فسق پر بلکہ انسان کی نجات صرف اس پر ہے کہ جو قوے خدا تعالےٰ نے اُس میں رکھے ہیں اور جس قدر رکھے ہیں اُن سب کو بقدر اپنی طاقت کے کام میں لاتا رہے اگر قوائے بہیمیہ اُس پر غالب ہیں اور قوائے ملکیہ کمزور تو اُن کمزور قوائے کو بیکار نہ چھوڑے اُن کو بھی کام میں لاتا رہے کہ یہی اُن گناہوں کا علاج ہے جس کو انبیا کی زبان میں توبہ اور کفارہ کہتے ہیں اور جس کو شارع نے ان عمدہ لفظوں میں کہ التایب من الذنب کمن لا ذنب لہ بیان فرمایا ہے۔ پس یہ مشکل اور باریک مسئلہ تھا جو ہیں آسان اور عام فہم تمثیل میں خدا نے فرمایا ٭

پانچ حالتوں میں جائز رکھی ہے یا لا باس بہ تصور کیا ہے یا اس تاویل کو انکار جزو قرآن قرار نہیں دیا اور یہ بالکل حق اور سچ ہے آمنّا و صدّقنا۔ چنانچہ ایک مقام پر آپ ارقام فرماتے ہیں کہ "اگر الفاظ اور کلمات کے لفظی معنی مراد لینے سے مخالفت قرآن کی کسی امر موجودہ واقعیہ سے ہوتی ہو تو ظاہری معنی مراد نہ لئے جاوینگے" اور دوسرے مقام پر آپ ارقام فرماتے ہیں کہ "اسماء موجودات سے جن کا ذکر قرآن میں بلا تشریح اُن کی حقیقت کے ہے وہ حقیقت مراد نہ لینا جو لوگوں نے سمجھ رکھی ہو اور جس کا ثبوت نہ کتاب وسنت سے ہوتا ہو اور نہ جس کے اثبات پر سوائے اوہام و ظنون کے کوئی عقلی دلیل ہو تو اُن اسمار سے موافق قرینہ مقام کے کوئی ایک وجود مراد لینا منجملہ وجود خارجی یا حسی یا خیالی یا عقلی یا شبہی کے جائز ہے یا انکار جزو قرآن سے نہیں ہے"

جزاك الله فی الدارین خیرا۔

اب خیال کرو کہ قرآن مجید میں شیطان کا لفظ یا نام آیا ہے۔ مگر اُس کی حقیقت و ماہیت کچھ بیان نہیں ہوئی۔ یہودیوں نے اور مشرکین عرب نے اُس کی ایک صورت و حقیقت اپنے ذہن میں سمجھ رکھی تھی اور بعض قوموں نے ظلمت و نور کو اور بعضوں نے اہرمن و یزدان کو شیطان اور خدا سمجھ رکھا تھا اور علیٰ ہذا القیاس ہر ایک قوم نے اپنے اپنے خیالات کے موافق شیطان کی ایک حقیقت سمجھ رکھی تھی یا قرار دی تھی۔ قرآن مجید میں یہ نام تو آیا مگر اُس کی حقیقت یا ماہیت کچھ بیان نہیں ہوئی۔

البتہ ہم اُس کی کچھ صفات قرآن مجید اور بعض احادیث سے پاتے ہیں۔ بڑی صفت اُس کی جو بمنزلہ ذاتیات کے ہے اور جس سے گویا اُس کی حقیقت یا ماہیت پائی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ صرف مغوی آدم ہی نہیں تھا بلکہ وہ تا قیامت مغوی للانسان علی المعصیۃ ہے۔ کما قال اللہ تبارک و تعالےٰ قال فبعزتك لاغوینھم اجمعین اور یہ کہ وہ ہمارے بدن میں ہمارے خون کے ساتھ پھرتا ہے کما روی عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الشیطان یجری من الانسان مجری الدم اور یہ کہ وہ ہم میں اور ہماری نماز میں خواہ نماز کا وجود موجود فی الخارج سمجھو یا نہ سمجھو حایل ہو جاتا ہے۔ کما روی عنہ صلعم الشیطان حال بینی و بین صلاتی پس یہی اوصاف حمیدہ اُن بزرگ ذات کے ہیں جو ہم کو شارع نے بتائے ہیں۔

اب ہم ارادہ کرتے ہیں کہ مثل اہل جنّت کے لفظ شیطان سے ایک وجود مستقل موجود فی الخارج مراد لیں کیونکہ حتے المقدور ہمارا یہ اُس کے مسمی کا موجود بوجود مستقل موجود فی الخارج سمجھنا چاہیئے لیکن اس سمجھنے کے لئے ضرور ہے کہ درحقیقت اُس کا ایسا وجود ہونے کے لئے اُس کے ایسے وجود ہونے کے لئے اُس کے لیسے وجود کا ثبوت قطعی اور واقعی بھی چاہیئے کیونکہ

ایک شبہ پھر دل میں اُٹھا کہ خدا نے ایک قصہ بیان کیا جو حقیقت میں واقع نہ ہوا تھا اگر ادب سے ہم کچھ نہ کہیں تو نہ کہیں مگر دل میں ہم ضرور کہینگے کہ جھوٹ یا فرضی قصہ ہے *

استغفر اللہ۔ کیا حماقت کی بات تم نے اِس وقت کہی جو کوئی اس بیان کو قصہ یا حکایت سمجھے وہ خود نادان ہے۔ نہ یہ قصہ ہے نہ حکایت ہے۔ بلکہ خدا نے اصلی حالات فطرت انسانی کو جسے اس زمانہ کے حکما نیچر کہتے ہیں خود انسان کی فطرت کی زبان حال سے بیان کیا ہے جو ایک نہایت عمدہ اور فصیح اور مؤثر طریقہ بیان کا ہے جو لوگ اِس سے ہدایت پانے کا دل رکھتے ہیں ہدایت پاتے ہیں۔ جو نہیں رکھتے وہ گمراہ ہوتے ہیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ تبارک و تعالیٰ۔ یضلّ بہٖ کثیراً و یھدی بہٖ کثیرا *

پس تمام عبادت اور تمام شکر اور تمام انسانیت یہی ہے کہ انسان اپنے تمام قوےٰ کو جو خدا نے اُس کو دیئے ہیں کام میں لاتا رہے اور اُسی طرح ہر کام میں لاوے جس طرح کہ اُن کا کام میں لانا اُن کے صانع کی مرضی ہو اور اُسی مرضی کے انسان پر ظاہر ہونے کا خدا تعالیٰ نے ان لفظوں سے وعدہ کیا ہے۔ اھبطوا منھا جمیعًا فامّا یاتینّکم منّی ھدی فمن تبع ھدای فلاخوف علیھم ولاھم یحزنون * والّذین کفروا وکذّبوا بایٰتنا اولٰئک اصحاب النّار ھم فیھا خالدون *

خط

نوشتہ سیّد احمد

بنام

مولوی سیّد مہدی علی صاحب

مجبّی مہدی۔ میں نے آپ کا مضمون جس کا عنوان "سوال و جواب" ہے دیکھا اور اُسی طرح بے قصد دل سے اُٹھنے والے شوق سے وجد کیا جس طرح کہ آدم نے انجان جانب کار خدا کی بات پر وجد کیا تھا۔ زندہ باشی و جاامن باشی۔ آمین۔ مگر میں ایک بات پر آپ کی توجہ چاہتا ہوں کہ آپنے تاویل الفاظ قرآن مجید کی اُن کے مدلول ظاہری سے یا اُن مدلولات سے جو لوگوں نے اپنے خیال میں اُن الفاظ کا مدلول ٹھہرا رکھا ہے یا اُس کی تصریح قرآن مجید میں نہیں ہے۔

انسان کے دل اور طبیعت پر ہوتا ہے اُس سے آپ کبھی ایمن نہ رہیں۔ آپ سمجھتے ہیں کہ نبی آخرالزمان صلعم کو امی محض رکھنے میں کیا حکمت تھی۔ یہی حکمت تھی کہ نیچرل فیض جو اندرونی چشموں کا جاری رہتا ہے اُس کو کوئی بیرونی چیز مزاحم نہ ہو اور جو کچھ باہر نکلے خالص بے میل ہو۔ پس آپ ہمیشہ نیچر کے سرچشمہ کے جاری رکھنے پر متوجہ رہا کریں اور جس علم کی نسبت یہ کہا گیا ہے کہ العلم حجاب الاکبر اُس کے پیرو ہرگز نہ ہوویں *

مجھے یقین ہے کہ اب آپ کا دل یہ بات کہتا ہو گا کہ لفظ شیطان سے اگر کوئی وجود خارج من الانسان مراد لیجاوے تو ضرور قرآن مجید کو نعوذ باللہ غلط یا خلاف واقع ماننا پڑیگا کیونکہ حقیقت میں کوئی وجود خارجی مغوی للانسان موجود نہیں ہے *

اور یقینی آپ کا دل اس بات پر بھی گواہی دیتا ہو گا کہ شیطان کے وجود خارجی ہونیکا کوئی ثبوت موجود نہیں ہے جو لوگ اُس کے قائل ہوئے ہیں اُنھوں نے خود اپنی ہی صورت آئینہ میں دیکھی ہے *

اور یقینی آپ کا دل اس بات کی بھی تصدیق کرتا ہو گا کہ جو لوگ شیطان کے وجود خارجی کا دعوے کرتے ہیں اُس کا اثبات اُنہی کے ذمہ ہے۔ اور اُن لوگوں کی دلیلوں کو جو اُس کے وجود خارجی سے منکر ہیں ناقص کہدینا اور اُن سے مخالفت کرنا اور اُن کی سمجھ اور فہم پر افسوس کرنا کافی نہیں ہے *

اور میں یقین کرتا ہوں کہ آپ نے جو یہ الفاظ ارقام فرمائے ہیں کہ "وجود جسمانی سے شیطان کے انکار کرنا کفر نہیں ہے گو بڑی غلطی اور نادانی ہے" اب آپ کو اس تحریر سے نہایت افسوس ہوا ہو گا پس ہمیشہ ایسی بات کہا کرو کہ جس کے بعد افسوس نہ ہو *

اب یہ دوسرا خط میں آپ کو آدم کے قصہ کی نسبت لکھتا ہوں۔ ممکن نہیں ہے کہ جو کچھ قرآن مجید میں لکھا ہے اُس سے بیان حال کے سوا اور کچھ مراد لیجا سکے یا سمجھی جا سکے *

پہلی بسم اللہ قرآن مجید میں لفظ قال کا بہ نسبت خدا اور فرشتوں اور شیطان کے آیا ہے کوئی شخص نہیں کہہ سکتا کہ ان تینوں جگہ لفظ قال کا اپنے حقیقی معنوں میں مستعمل ہے کیونکہ کوئی شخص خدا کے قول کو مثل اقوال انسان مرکب صوت و الفاظ سے یقین نہیں کرسکتا اور غالباً اقوال فرشتگان و شیطان کے بھی اس قسم کے نہ ہونگے۔ پس اب لفظ قال سے کوئی اور معنی مراد لو۔ بمجرد ترک کرنے معنی حقیقی کے جو کچھ کہ آدم و شیطان اور فرشتوں کی نسبت بیان ہوا ہے وہ قصہ اور حکایت نہیں رہنے کی بلکہ صرف حال رہ جاویگا۔ وما ھو الا ما الھمنی ربی *

پھر لفظ شجر کا قرآن مجید میں موجود ہے کیا حقیقت میں وہ ایسا ہی درخت تھا جیسا کہ آم یا املی

صرف نام سے وجود خارجی تسلیم کرلینا کافی نہیں ہے بلکہ اگر اُس کا وجود خارجی ثابت نہ ہوسکیگا تو لامحالہ وجود خیالی یا عقلی یا تشبیہی قرار دینا پڑیگا جیسا کہ آپنے اصول محققہ پنجگانہ میں قرار دیا ہے +

اب ان صفات شیطان کا جو ہمارے پاک خدا اور سچے پیغمبر نے بتلائی ہیں ہم اپنے میں اثر تو پاتے ہیں مگر کسی وجود خارجی کو نہیں پاتے۔ دن رات ہم کو شیطان بہکاتا ہے اور گناہوں میں پھنساتا ہے۔ مگر کوئی وجود خارجی محسوس نہیں ہوتا بلکہ ہم بالیقین پاتے ہیں کہ خود ہم ہی میں ایک قوت ہے جو ہم کو سیدھے رستے پر پھیرتی ہے۔ ہم کو بے انتہا ترغیبوں سے بہکاتی ہے شیطان سمجھ کر اُس کی ڈاڑھی پکڑ لیتے ہیں اور زور سے طمانچہ مارتے ہیں۔ مگر جب آنکھ کھُلتی ہے تو اپنی ہی سفید ڈاڑھی اپنے ہاتھ میں اور اپنا ہی گال لعل دیکھتے ہیں +

پس اگر ہم شیطان کے لفظ سے وجود خارجی مراد لیں تو نہ تو مراد لے سکتے ہیں اس لئے کہ اُس کے وجود خارجی کا ثبوت واجب ہے حالانکہ کچھ ثبوت نہیں اور نیز امور موجودہ واقعیہ کے برخلاف ہے کیونکہ اُس کی صفات منصوصہ کا اثر ہم کسی دوسرے وجود سے نہیں پاتے بلکہ خود اپنے آپ میں پاتے ہیں اور نیز کتاب و سُنّت سے اُس کے وجود خارجی کا ثبوت نہیں ہوتا ہے بلکہ صرف اوہام و ظنون سے لوگوں نے اُس کا وجود خارجی ٹھہرا لیا ہے۔ اس لئے واجب ہے کہ منجملہ اقسام وجود کے سوائے وجود خارجی کے اور کسی قسم کا وجود شیطان کا سمجھا جاوے فتدبروا والسلام +

خط

نوشتہ سیّد احمد

بنام

مولوی سیّد مہدی علی صاحب سلمہ اللہ تعالےٰ

پیارے مہدی۔ افسوس آپ نے مجھ کو بہت انتظار میں رکھا اور میرے خط کا جو ۱۵ ربیع الثانی کے تہذیب الاخلاق میں چھپا کچھ جواب نہ دیا۔ یہ نہ کھُلا کہ میں خطاب کے لایق نہ تھا یا میرا خط لاجواب تھا +

میرے پیارے مہدی۔ میں آپ کو ہمیشہ کہا کرتا ہوں کہ جو خراب اثر مشرقی طریقہ تعلیم کا

گیہوں کے درخت کا پھل کھالیا تو اُن کے اعضائے مخصوصہ دکھائی دینے لگے۔ قرآن مجید کی خوبی اور اس کے ادب اور اُس کے حکمت سے بھرے ہوئے ہونے پر یقین کرنا ہے یا یہ معنی لینے کہ اُس قوت کی ترغیب نے ظاہر کردیا کہ انسان میں خدا کی نافرمانی کرنے کی بُرائی ہے قرآن کی بزرگی اور اُس کی عزت اور اُس کا حکمت و معرفت سے بھرا ہوا ہونا یقین کرنا ہے۔ اگر پہلے ہی معنی سچ ہوں تو مجبوری سے کہنا پڑیگا کہ "سخن فہمی عالم بالا معلوم شد" حضرت کو پھکڑ بولنے بھی نہیں آتے چہ جائے خدائی کجا گیہوں آنا اور کجا اعضائے مخصوصہ کا دکھائی دینا۔ نعوذ باللہ منہا *

خُدا کی عظمت و شان کو خیال کرو اور پھر قصہ آدم کو دیکھو اور کہو کہ تمہارا دل یقین کرتا ہے کہ خُدا میں اور فرشتوں میں ایسی تکرار اور مناظرہ ہوا ہو جیسا کہ الفاظ ظاہری سے سمجھا جاتا ہے پس اگر اُن الفاظ کے وہی معنی ہوں تو خدا میں اور فرشتوں میں خدائی اور بندگی کا ہے کو ہوئی بھٹیاروں کی تُو تُو مَیں مَیں ہوئی۔ اگر یہ سچ ہو تو ہم کو اپنے نوکروں کی بھی شکایت نہیں رہنے کی کیونکہ خُدا کے نوکر ہمارے نوکروں سے بھی زیادہ ٹرّے ہیں *

اِس تمام قصہ سے اگر وہی ظاہری معنی مراد ہوں تو خدا کے علو مرتبہ اور تقدس اور تنزیہ میں بٹّا لگتا ہے۔ پس اُسی اصول سے جو آپنے قایم کیا ہے کہ ایسی حالت میں عدول معنی حقیقی سے ضرور ہے یہ تمام قصہ تمثیلی رہ جاتا ہے نہ اصلی۔ وماھو الا ما الھمنی ربی *

اور اگر آپنے اس بات کا یقین کرلیا ہے کہ (اور میں یقین کرتا ہوں کہ یقین کرلیا ہے) شیطان کا کوئی وجود خارج من الانسان نہیں ہے تو تو سرگذشت آدم کی تمثیلی اور بیان حال ہونے میں کچھ کلام ہی نہ رہیگا۔ وماھو الا ما الھمنی ربی *

آپ کی تحریر میں ایک جگہ لکھا ہے کہ "قرآن مجید میں جنت اور آدم اور درخت کے کھانے اور ملائکہ کے سجدہ کرنے وغیرہ کا ذکر ہے۔ مگر اُن کی کچھ زیادہ تر حقیقت خدا نے نہیں بتائی کہ وہ درخت کیا تھا اور کھانے سے کیا مراد ہے" اور پھر اُس کے بعد ارقام فرماتے ہو کہ "اگر ایسی تاویل نصوص صریحہ کی کیجاوے تو بالکل اعتبار ظاہر شریعت سے اُٹھ جاوے" بھائی یہاں ذرا انصاف کرو کہ خود ہی لکھتے ہو کہ ان چیزوں کی کچھ زیادہ تر حقیقت خدا نے نہیں بتائی اور پھر اُن کو نصوص صریحہ کہتے ہو جب اُن کی حقیقت ہی نہیں بتائی تو وہ نصوص صریحہ کیونکر ہوئیں۔ فتدبر *

خدائے تعالےٰ نے قرآن مجید تمام انسانوں کے لئے نازل کیا ہے جن میں ہر درجہ علم و عقل و فہم کے لوگ شامل ہیں اور معجزہ قرآن یہ ہے کہ مضامین دقیقہ اور مسائل حکمیہ نیچریہ ایسے لفظوں میں بیان کئے ہیں کہ ہر درجہ کے لوگوں کو یکساں نتیجہ اور یکساں روحانی تربیت حاصل ہوتی ہے *

اس کی تصدیق سرگذشت آدم سے بخوبی حاصل ہے۔ انسان کا نیچر جن قوتوں سے بنا ہے اور

اور کلو کسان بویا کرتا ہے اور جبکہ حقیقی معنی لفظ شجر کے ہمارے خیال میں آتے ہیں۔ غالباً اس کا تو آپ اقرار نہ کرینگے بلکہ کوئی اور مراد شجر سے لوگے۔ پس جہاں آپ نے لفظ شجر سے اُس کے حقیقی معنی یا للو اور کلو کا بویا ہوا درخت مراد نہ لئے تو صرف وہ ایک تمثیل رہ جاویگی۔ وماھو اِلّا ما الھمنی ربیّ ٭

کیا سچ مچ آپ یقین کرتے ہیں کہ لفظ فبدت لھما سوأتھما سے حقیقت میں یہی مراد ہے کہ نعوذ باللہ حضرت آدمؑ کی وہ چیز گول گول و لمبی لمبی دکھائی دینے لگی تھی۔ کیا حقیقت میں اُس سے حضرت حواؑ کی شرمگاہ مراد ہے۔ اگر ان الفاظ کو آپ اپنے حقیقی معنوں میں مستعمل سمجھتے ہیں تو کس قدر رنج اور غم کی بات ہے کہ آپ سا آدمی جو مہدی ہذا الزمان ہو مفسروں اور ترجمہ نویسوں کی ایسی بلادت کی پیروی کرے۔ کیا لفظ "سوٰۃ" کے اور معنی[1] عرب کی زبان میں نہیں ہیں اور کیا یہ لفظ اور معنوں میں مستعمل نہیں ہوتا ہے۔ اسی سورت میں اور انہی لفظوں کے بعد خدا تعالیٰ فرمایا ہے یا بنی آدم قد انزلنا علیکم لباسا یواری سوأتکم وریشا ولباس التقوٰی ذٰلک خیر ذٰلک من آیات اللہ لعلھم یذکرون۔ یا بنی آدم لا یفتننکم الشیطان کما اخرج ابویکم من الجنۃ ینزع عنھما لباسھما[2] لیریھما سوأتھما[3] انہ یراکم ھو وقبیلہ من حیث لا ترونھم انا جعلنا الشیاطین اولیاء للذین لا یؤمنون ٭ یعنی اللہ تعالیٰ سورہ اعراف میں فرماتا ہے کہ "اے آدمؑ کے بچو تم کو شیطان نہ بہکا دے جس طرح کہ تمہارے ماں باپ کو بہشت میں سے بہکا کر نکالا چھین لیا اُن سے اُن کا لباس (یعنی لباس تقوےٰ) تا کہ دکھاوے اُن کو اُن کی بُرائیاں بے شک وہ اور اُس کا کُنبہ تم کو دیکھتا ہے اس طرح پر کہ تم اُن کو نہیں دیکھتے بے شک ہم نے شیطانوں کو اُن لوگوں کا مربی کیا ہے جو ایمان نہیں لائے ٭"

پس ان تمام آیتوں کو ملاؤ اور غور کرو کہ یہ سب تشبیہ و استعارہ ہے۔ ان سے معنی حقیقی مراد نہیں ہیں جیسا کہ اور علماء نے بھی تسلیم کیا ہے۔ پس اب تمثیل ہونے میں کیا باقی رہ گیا وماھو الّا ما الھمنی ربیّ ٭

بھائی مہدی۔ برائے خدا آپ ذرا انصاف کریں کہ قرآن مجید کے یہ معنی لینے کہ جب آدم و حوا نے

---

[1] فی القاموس السوٰۃ الفرج والفاحشۃ والخلۃ القبیحۃ ٭
فی التفسیر الکبیر بدوۃ العورۃ کنایۃ عن سقوط الحرمۃ وزوال الجاہ والمعنی ان غرضہ من القاء تلک الوسوسۃ الی ادم زوال حرمۃ وذھاب منصبۃ۔ الخ

[2] ای لباس تقویٰھما بدلیل قولہ تعالیٰ ولباس التقوٰی ذالک خیر ٭

[3] ای الخلۃ القبیحۃ التی کانت مستورا فیھما ٭

پس اس زمانہ میں ضرور ہے کہ دھوکہ کی ٹٹی کو اٹھا ڈالا جاوے اور تمام مسائل اسلام کی حقیقت علانیہ بیان کی جاوے تاکہ اُس کی روشنی آفتاب کی طرح چمکے اور اسرار دین سب کو معلوم ہوں اور لوگ یوں کہنے لگیں ؎

سرِّ خدا کہ عارف و عابد بکس نگفت
در حیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید

ایک خط جناب مولوی عبید اللہ صاحب عبیدی کا اِسی قصۂ آدم کی نسبت میرے پاس آیا ہے۔ اُس کی نقل آپکے ملاحظہ کے لئے اس میں شامل ہے*

اب کسی فرصت کے وقت تیسرا خط آپ کو عیسائیوں کے گردن مروڑی مرغی کی نسبت لکھونگا اور اُمید ہے کہ آپ مثل ان دونوں خطوں کے اُس کو بھی منصفانہ اور محققانہ تصوّر فرما دینگے*

خدا آپ کو خوش رکھے اور اپنا محبوب گو کہ ہم رشک کیا کریں۔ والسلام*

عقاید مذہب اسلام

عقیدۂ اوّل

تمام موجودات کا خالق یا اُن کے وجود کا سبب اخیر یا علت العلل کوئی ہے اور اُسی کا نام ہے اللہ*

مذہب اسلام کا سب سے پہلا یہ عقیدہ ہے کہ تمام کائنات کا کوئی خالق ہے۔ یہ سب کچھ جو موجود ہے اور جس کو ہم کسی طرح جان سکتے ہیں یا سمجھ سکتے ہیں یا خیال کر سکتے ہیں ایک ایسے سلسلہ سے مراد ہے کہ ایک کا وجود دوسرے پر اور دوسرے کا تیسرے پر منحصر ہے۔ پس ضرور ہے کہ یہ سلسلہ کسی اخیر وجود یا علت یا سبب پر منتہی ہو اور جس پر یہ منتہی ہو وُہی خالق اور خدا اور ربّ العالمین ہے*

اِس بات پر یقین نہیں ہو سکتا کہ یہ سب کچھ جو موجود ہے خود آپ ہی اپنے وجود کی اخیر علت ہے۔ اگر موجودات میں سے ہر چیز اپنے وجود میں کسی دوسرے وجود کی محتاج نہ ہوتی یا کسی کا وجود کسی دوسرے وجود کا معلول نہ ہوتا تو شاید ہم ایسا یقین کر سکتے۔ مگر جبکہ ہر ایک چیز کو کسی علت کا معلول پاتے ہیں تو اُنہی چیزوں کے مجموعہ کو کس طرح کسی علت العلل کا معلول نہ سمجھیں*

تمام چیزیں جو بوجود حقیقی موجود ہیں نہ ممتنع ہیں نہ قابل عدم۔ اگر وہ ممتنع ہوتیں تو موجود کیوں ہوتیں اور اگر قابل عدم ہوتیں تو کبھی غیر موجود بھی ہوتیں*

جو جو قوتیں بھلائی اور بُرائی کی اُس میں رکھی ہیں اور جس طرح کہ وہ اُن قوتوں پر قادر ہے اور جس طرح کہ وہ اُن قوتوں کے سبب سے مجبور ہے اُن کا بیان کرنا اور ہر درجہ کے لوگوں کو یکساں نتیجہ روحانی تربیت کا پہنچانا ایسا مشکل کام تھا جو انسان کی طاقت سے باہر تھا۔ یہ خدا ہی کا کام تھا کہ اُس نے اُس کو ایسے لفظوں میں بیان کیا ہے کہ اگر عام آدمی یہ سمجھ لیں کہ انسان ایک وجود ہے اور شیطان ایک وجود علیحدہ ہے جو ہم کو نہیں دکھائی دیتا پر ہم کو وہ دیکھتا ہے اور ہم کو اس طرح چپکے سے بہکا دیتا ہے کہ ہم نہیں جانتے اور ہم کو گناہوں میں پھنسا دیتا ہے۔ پس ہم کو چاہیئے کہ ایک لمبی تسبیح مثل شیطان کی دم کے لیکر لاحول پڑھتے رہیں اور دل کو اُس کے پھندے میں نہ آنے دیں بلکہ خدا کی فرمانبرداری اور عبادت میں مصروف رہیں تو اس سمجھ سے بھی وُہی نتیجہ اور روحانی تربیت حاصل ہو گی جس طرح کہ ایک دانا نیچرل اسٹ اُس کی حقیقت کو خیال کرے اور سمجھے کہ وہ سب انسان کے نیچر کا بیان ہے جو تمثیلی لفظوں میں انسان کے نیچر کی زبان حال سے بیان ہوا ہے۔ پس اس طرح سے بیان کرنا ایک بہت بڑا معجزہ قرآن مجید کا ہے۔ مگر کس قدر افسوس کی بات ہے کہ آپنے اس کو بدعت لکھا ہے اگر حقیقت اسلام اور اسرار دین بدعت ہے تو معلوم نہیں کہ ہدایت کیا ہو گی +

آپ خیال کیجیئے کہ عُلمائے سابقین اسلام کا یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ اِس قسم کے مطالب کا بیان کمتر کرتے تھے۔ کچھ تو اُن کو بسبب شدت اتقا اور خوف معصیت کے یہ وہم ہوتا تھا کہ جو کچھ حقیقت ہم سمجھے ہیں شاید وہ درحقیقت نہ ہو اور خُدا کی مراد وہ نہ ہو اور اُس کے بیان سے ہم گنہگار ہوں اور کچھ اُن کو یہ خیال تھا کہ اُن باتوں کی حقیقت بیان کرنے کی کچھ ضرورت نہیں ہے۔ کم علم اور جاہل جو بکثرت ہیں وہ اُنہی لفظوں سے کافی روحانی تربیت حاصل کرتے ہیں اور جو عالم ہیں جیسے امام حجۃ الاسلام غزالی وغیرہ وہ خود اُن کی حقیقت جانتے ہیں اور کافی روحانی تربیت پاتے ہیں ان خیالات سے اُنہوں نے اُنہی الفاظ کو بیان کر دینا مناسب سمجھا جو قرآن مجید میں تھے اور اُن کی مراد کی نسبت کہدیا کہ خدا کو معلوم ہے۔ ہم تو کلام خدا پر ایمان لائے ہیں اور جو اُس کی حقیقت خدا کے علم میں ہو وُہی ہمارا ایمان ہے +

مگر اُن کا زمانہ ایسا تھا کہ لاادری کہکر اُن کا پیچھا چھوٹ گیا مگر ہمارا زمانہ ایسا نہیں ہے۔ تمام علوم گو ہم میں نہ سہی مگر دوسری قوموں میں بدرجہ اعلےٰ پہنچ گئے اور پہنچتے جاتے ہیں حقایق اشیاء زور بروز واضح ہوتی جاتی ہیں اور جہاں تک بغیر کسی شک کے معلوم ہو گئی ہیں وہ بدرجہ یقین پر پُہنچ گئی ہیں۔ پس اِس زمانہ میں کسی بات کے مدعی کو دعوے کرنا اور پھر لاادری کہدینا کافی نہیں ایسا کرنا خود اپنی ہنسی اوڑانا ہے بلکہ ہر بات کا ثبوت اور کافی تسلی بخش بیان چاہیئے اِس لیئے جو لوگ دعوائے اسلام کرتے ہیں اُن کا کسی مسئلہ اسلامی کی نسبت لاادری کہنا خود اپنی حماقت ظاہر کرنا ہے

آں برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم
وز ہر چہ گفتہ اند و شنیدیم و خواندہ ایم

بہرحال اِن دونوں مسئلوں میں کوئی سا مسئلہ صحیح ہو اس اسلامی مسئلہ میں کہ تمام موجودات کا کوئی خالق ہے کسی طرح کا تبدّل نہیں آتا *

وحدت شہود کے مسئلہ کو لوگوں نے کُفر جانا ہے۔ وہ اِس دھوکے میں پڑے ہیں کہ اُس وجود ناقابل عدم کو بھی جس میں اُس قوت انفعال کی علت دوسرا وجود ماننا ہے ازلی و ابدی ماننا پڑیگا جو ٹھیک ٹھیک شرک ہے یا اُن کا مذہب ہے جو خدا اور مادہ دو چیزوں کو ازلی و ابدی مانتے ہیں اور بعضے اُسی کو ظلمت اور نور سے تعبیر کرتے ہیں۔ مگر یہ اُن لوگوں کی سمجھ کی غلطی ہے کیونکہ معلول کا وجود علت کے وجود کے ساتھ لازم و ملزوم ہے۔ مگر جب معلول کا وجود علت کے وجود کے سبب سے ہے تو شرک کہاں رہا۔ علت ازلی و ابدی کا معلول بھی ازلی و ابدی ہے ہم تم بھی جبکہ علت ازلی و ابدی کے معلول ہیں تو ازلی و ابدی ہیں۔ تم بھی ازلی و ابدی ہو۔ ہم بھی ازلی و ابدی ہیں ؎

مخلوق شدیم و با خالق گشتیم
جائیکہ خدا بود ما ہم بودیم

پس انہی موجودات کے وجود سے ہم خالق پر یقین کرتے ہیں *

اِس پر کہا جاسکتا ہے کہ یہ تو یقین نہیں ہے بلکہ ایک خیال ہے جس کا تجربہ نہیں ہوا اور خیال کے مفہوم میں امکان اس بات کا کہ بعد تجربہ کے وہ مطابق واقع کے ہو یا نہ ہو دونوں داخل ہیں۔ ہم نے اس خیال کا تجربہ نہیں کیا پھر اس کے مطابق واقع ہونے پر کیونکر یقین ہو سکتا ہے *

یہ کہنا سچ ہے مگر ہمارے خیالات دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جن کو خود ہماری طبیعتوں نے پیدا کیا ہو یا اسباب غیر محققہ خیالیہ سے ہم میں پیدا ہوئے ہوں۔ بلاشبہ اِس قسم خیال کے مفہوم میں امکان اِس بات کا کہ بعد تجربہ کے مطابق واقع کے ہو یا نہ ہو داخل ہے۔ مگر ہمارے خیالات جو دوسری قسم کے ہیں جن کو نہ از خود ہماری طبیعتوں نے پیدا کیا ہے اور نہ وہ اسباب غیر محققہ خیالیہ سے ہم میں پیدا ہوئے ہیں بلکہ اُن کو کسی دوسرے حقائق محققہ نے پیدا کیا ہے وہ ہمیشہ ہوتے ہیں اور بالکل مطابق واقع کے بعد تجربہ کے *

جبکہ ہم سُنتے ہیں ایک آواز یا دیکھتے ہیں ایک دھواں تو ہم خیال کرتے ہیں کہ وہاں ہے ایک آواز کرنے والا یا وہاں ہے ایک آگ۔ ہمارا ایسا خیال کرنا بھی ایک خیال ہے مگر اس قسم کا نہیں ہے جو از خود ہماری طبیعت میں آگیا ہو یا اسباب غیر محققہ خیالیہ نے ہم میں پیدا کیا ہو

ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی موجود حقیقی کبھی معدوم نہیں ہوتا صرف عوارض یا صور کا تبدل ہوتا رہتا ہے۔ پانی ہوا ہو جاتا ہے ہوا پانی بن جاتی ہے۔ بہت سی چیزیں ہیں جو مٹی ہو جاتی ہیں اور پھر مٹی سے عجیب عجیب چیزیں پیدا ہوتی ہیں۔ غرضکہ کوئی شئے معدوم نہیں ہوتی صرف عوارض یا صورت کا ادل بدل ہوتا رہتا ہے۔ پس اگر تمام موجودات کے عوارضِ نوعیہ یا شخصیہ معدوم ہو جاویں تو جو کچھ باقی رہیگا وہ ناقابل عدم ہوگا۔ وقد قال اللہ تبارک وتعالیٰ کُلّ من علیھا فان ویبقیٰ وجہ ربك ذوالجلال والاکرام ٭

بلا شبہ اس بات کا فیصلہ نہیں ہوسکتا کہ تمام موجودات کے عوارض نوعیہ و شخصیہ کے معدوم ہونے کے بعد جو وجود ناقابل عدم باقی رہیگا وہ کیا ہے اور وہ ایک ہوگا یا کئی۔ مگر اس بات کے فیصل نہ ہونے سے خالق کے وجود سے انکار نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اُس ناقابل عدم موجود کی حقیقت کو یا اُس کی وحدت و کثرت کو خالق کے وجود کے ہونے یا نہ ہونے سے کچھ تعلق نہیں ہے ٭

اگر وہ متعدد ہوں تو البتہ یہ سوال کرنا پڑیگا کہ قبول عوارض کی قوت خود اُنہی میں ہے یا کسی دوسرے موجود سے ہے۔ خود اُنہی میں ہے تو ہم اس لئے نہیں مانتے کہ جب ہم تمام موجودات کو معہ عوارضِ نوعیہ و شخصیہ دیکھتے ہیں تو ایک کو دوسرے کا معاون پاتے ہیں۔ پس اُن موجودات کے عوارضِ نوعیہ شخصیہ کے معدوم تصور کرنے کے بعد جو متعدد وجود ناقابل عدم باقی رہینگے ضرور وہ بھی ایک دوسرے کے معاون ہونگے۔ مگر اُن کے ایسا ہونے کے لئے بلا کسی علتِ مشترک کے کوئی وجہ نہیں ہے۔ اب کچھ شُبہ نہیں رہتا کہ اُن میں اُس معاونت کی علتِ مشترک کوئی اور وجود ہو اور اُسی وجود کو ہم کہتے ہیں اللہ ٭

اور اگر وہ واحد ہو تو یہ سوال ہوگا کہ قبول عوارض کی قوت خود اُسی میں ہے یا کوئی دوسرا وجود اُس کی علت ہے۔ اگر اُسی میں ہو تو اُسی کا نام اللہ ہے۔ اور اگر دوسرا وجود اُس کی علت ہو تو اُسی علۃ العلل کا نام اللہ ہے ٭

کبرائے اسلام کی رائے اس میں مختلف رہی ہے۔ اکثر کہتے ہیں کہ اُسی وجود ناقابل عدم میں دونوں قوتیں فعل و انفعال کی یعنی جس کو قوت قبول عوارض کہتے ہیں موجود ہیں اور اسی سبب سے وہ لوگ وحدت وجود کے قایل ہیں اور یوں کہتے ہیں۔

خود کوزہ و خود کوزہ گر و خود گِل کوزہ

خود بر سر بازار خریدار برآمد۔ بشکست و رواں شد

اور بعضے کہتے ہیں کہ اُس قوت انفعال کی علّت دوسرا وجود ہے اور اس سبب سے وہ لوگ وحدت شہود کے قایل ہیں مگر اصل یہ ہے کہ ؎

چین رہے اور ایک عجیب قسم کی محبّت اور دل کی یگانگت تم میں رکھی سمجھنے والوں کے لئے اس میں بہت سی نشانیاں ہیں ٭

"اُسی کی نشانیوں میں ہے آسمان و زمین کا پیدا کرنا۔ تمہاری بولیوں کا تمہاری رنگتوں کا مختلف ہونا اس بات میں تمام دنیا کے لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں" ٭

"اُسی کی نشانیوں میں سے رات کو تمہارا سو رہنا اور دن کو روٹی کے دھندے میں لگنا" ٭

"اُسی کی نشانیوں میں سے بجلی بھی ہے جس میں کڑک کا خوف اور مینہ کی طمع ہے کہ پانی برسنے سے مری ہوئی زمین زندہ ہو جاتی ہے" ٭

"اُسی کی نشانیوں میں سے ہے کہ آسمان اور زمین اُسی کے حکم سے تھمے ہوئے ہیں" ٭

"وہی اللہ ہے جو ہوا کو چلاتا ہے۔ پھر اُس سے بادلوں کو ہنکاتا ہے۔ پھر تمام آسمان میں جس طرح چاہتا ہے پھیلا دیتا ہے۔ پھر اُن کو تہ بہ تہ کر دیتا ہے۔ پھر تم دیکھتے ہو کہ اُن میں سے بوندیاں نکلتی ہیں" ٭

"آسمان سے اندازہ کے موافق مینہ برساتا ہے۔ پھر اُس کو زمین میں ٹھہراتا ہے۔ پھر اُس کے سبب سے تمہارے لئے باغوں میں بہت سے میوے اور کھجوریں اور انگور پیدا کرتا ہے جن کو تم کھاتے ہو پہاڑمیں سے درخت اُگاتا ہے جس میں سے تیل نکلتا ہے" ٭

"تمہارے لئے تو جانوروں میں بھی بڑی نصیحت ہے۔ اُن کی چھاتیوں میں سے جو کچھ نکلتا ہے اُس کو پیتے ہو اور بہت سے فائدے اُٹھاتے ہو۔ بعضے جانور تمہارے کھانے میں آتے ہیں۔ جانور بھی تم کو اُٹھائے پھرتے ہیں اور کشتیاں بھی تم کو اُٹھا کر لیجاتی ہیں" ٭

"زمین پر کس حکمت سے پہاڑ بنائے ہیں تاکہ وہ تُلی رہے پھر اُن میں گھاٹیاں بنائی ہیں تاکہ رستہ چلنے میں حرج نہ ہو" ٭

"اُسی نے بنائی ہے رات اور دن۔ سورج اور چاند جو اپنے اپنے گھیرے میں پھرتے ہیں" ٭

"تم اُونٹ ہی کو کیوں نہیں دیکھتے کہ کیسے عجیب طور سے بنایا ہے اور آسمان کو کس طرح اونچا کیا ہے اور پہاڑوں کو کس طرح پر گاڑا ہے اور زمین کو کس طرح پر بچھایا ہے" ٭

"غرضکہ اسی طرح جا بجا قرآن مجید میں بانئے اسلام نے صانع کے وجود پر ایمان لانے کو تمام موجودات سے جس کو ہم دیکھتے ہیں استدلال کیا ہے اور کسی جگہ یہ بات نہیں فرمائی کہ تم بے سمجھے خدا پر ایمان لے آؤ" ٭

ایک جگہ فرماتا ہے کہ "اگر کافروں سے بھی یہ بات پوچھو کہ آسمان و زمین کس نے بنایا اور چاند و سورج کو کس نے تابعدار کیا تو کہینگے اللہ نے" ٭

بلکہ ایک ایسا خیال ہے جس کو دوسرے حقایق محققہ نے پیدا کیا ہے۔ ہمارا ایسا خیال ہمیشہ ہوتا ہے ٹھیک اور بعد تجربہ کے بالکل مطابق واقع کے اگر ہم نے خود اُس چیز میں جس نے ہم میں ایسا خیال پیدا کیا ہے غلطی نہ کی ہو ؎

جبکہ ہم پاتے ہیں چند چیزوں کو ایک جگہ ترتیب سے رکھا ہوا یا خوبصورت بنا ہوا تو ہم یقین کرتے ہیں کہ اُن کا کوئی رکھنے والا یا بنانے والا ہے۔ پھر جب ہم دیکھتے ہیں اس تمام موجودات کو ایسی عمدہ ترتیب سے رکھا ہوا اور ایسی حکمت سے بنا ہوا اور ایسی خوبصورتی سے ڈھلا ہوا تو یقین کر سکتے ہیں کہ کوئی ان کا ترتیب دینے والا اور بنانے والا ہے۔ جبکہ ہم ایک پتھر کو جو رستہ میں پڑا ہوا ہے دیکھ کر یقین کرتے ہیں کہ اُس کو کسی نے یہاں ڈالا ہے تو ہم کیونکر اس بات پر یقین نہ کریں کہ ان سب چیزوں کو بھی جو انسان کی قدرت سے باہر ہیں کسی بڑے دانا کاریگر نے بنایا ہے اور اُسی کاریگر کو ہم کہتے ہیں خدا ؎

یہ خیال ہمارا جو خدا کے ہونے پر ہوا ہے اُس کو ایسی چیزوں نے پیدا کیا ہے جو ایک حقیقت ہیں یا یوں کہو کہ جو حقایق محققہ ہیں اور ہم نے اس قسم کے خیال کو ہمیشہ ٹھیک اور بعد تجربہ کے مطابق واقع کے پایا ہے اس لئے ہم خیال پر بھی یقین کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بعد تجربہ کے بھی جب کبھی کہ ہو یہ ہمارا خیال بالکل مطابق واقع کے ہوگا اور اسی لئے ہم اس کو خیال نہیں کہتے بلکہ یقین کہتے ہیں ؎

پس یہ تمام موجودات عام عقل انسانی کے لئے بخوبی اس بات کی رہنما ہیں کہ اُن کا کوئی خالق ہے اور اس لئے وجود خالق پر ایمان لانے کا ایسا مسئلہ ہے کہ عام عقل انسانی اُس کو بخوبی سمجھ سکتی ہے اور اسی سبب سے انسان اُس پر ایمان لانے کو مکلّف ہوا ہے۔ اگر یہ مسئلہ عقل انسانی میں آنے کے یا یوں کہو کہ انسان کی سمجھ کے لایق نہ ہوتا تو انسان ہرگز اس مسئلہ پر ایمان لانے کو مکلّف نہ کیا جاتا۔ کما قال اللہ تعالےٰ لا یکلف اللہ نفسًا الّا وُسعہا ؎

بانئ اسلام کا یہ منشاء نہیں ہے کہ وجود صانع کا مسئلہ انسان بغیر سمجھے مان لیں یا اس وجہ سے اُس کو تسلیم کر لیں کہ پیغمبروں نے فرمایا ہے۔ بلکہ بانئ اسلام صاف صاف انہی موجودات کی دلیلوں سے اور نیچر یعنی قدرت اور فطرت کے عجائبات کو بتلا بتلا کر اور دکھلا دکھلا کر وجود صانع پر ایمان لانے کو کہتا ہے ؎

کس پیاری اور سچّی زبان سے فرمایا ہے کہ "اُسی کی نشانیوں میں سے ہے کہ تم کو مٹی سے پیدا کیا۔ پھر اب تم انسان ہو جا بجا پھیلے ہوئے ؎

"اسی کی نشانیوں میں سے ہے کہ تمہارے لئے تم ہی سا جوڑا پیدا کیا تا کہ اُس سے دل کو

اور یہی وجہ ہے کہ اس مسئلہ پر ایمان لانا بموجب مذہب اسلام کے تمام انسانوں پر فرض ہے۔ بانئے اسلام نے بھی اِس مسئلہ کو کارخانۂ قدرت کی دلیل سے سمجھایا ہے اور کسی جگہ بغیر سمجھے ایمان لانے کو نہیں فرمایا ⁂

ایک جگہ فرمایا ہے "اُسی کا ہے جو کچھ کہ آسمان وزمین میں ہے اور جو اُس کا ہے یا اُس کے پاس ہے، اُس کی اطاعت سے نہ منحرف ہوتا ہے اور نہ تھکتا ہے۔ رات دن اُسی کی بزرگی یاد کرتا ہے اور ذرا بھی سستی نہیں کرتا۔ کیا اُنہوں نے زمین کی چیزوں میں سے کسی کو خدا ٹھہرایا ہے اگر آسمان وزمین میں بہت سے خدا ہوتے تو دونوں کا کارخانہ بگڑ جاتا"⁂

ایک اور مقام پر بانئے اسلام نے اس سے بھی زیادہ فصیح و مؤثر زبان سے نیچر سے خدا کی وحدانیت پر اس طرح استدلال کیا ہے کہ کس نے پیدا کیا آسمان اور زمین اور کس نے برسایا تمہارے لئے مینہ۔ پھر اُس سے نہایت پُر رونق باغ اُگائے۔ تم کو تو اُن کے اُگانے کی قدرت نہ تھی پھر کیا خدا کے ساتھ کوئی دوسرا خُدا ہے"⁂

کس نے زمین کو تمہارے رہنے کی جگہ بنایا اور کس نے اُس کے بیچ میں نہریں بہائیں اور کس نے اُس پر پہاڑ گاڑے اور کس نے دو سمندروں کے بیچ میں زمین کا پردہ پیدا کیا۔ پھر کیا خدا کے ساتھ کوئی دوسرا خُدا ہے"⁂

"کون تم کو اندھیرے جنگلوں میں اور سمندر میں رستہ بتاتا ہے۔ کون مینہ برسنے سے پہلے اپنی مہربانی کی خوشخبری دینے والی ٹھنڈی ہوا چلاتا ہے۔ پھر کیا خدا کے ساتھ کوئی دوسرا خدا ہے اگر تم سچے ہو تو اُس کی دلیل لاؤ ⁂

پس دیکھو کہ کس طرح بانئے اسلام نے توحید کا مسئلہ صرف کارخانۂ قدرت کی حکمت اور اُس کی مناسبت سمجھا کر انسانوں کو سمجھایا ہے۔ یہ نہیں کہا کہ خواہ نخواہ بے سمجھے خدا کو ایک مان لو اور چونکہ یہ مسئلہ ایسا تھا کہ ہر ایک انسان اُس کو سمجھ سکتا تھا اس لئے بانئے اسلام نے تمام انسانوں کو اِس مسئلہ پر ایمان لانیکا مکلف کیا اور کہدیا کہ تعالیٰ اللّٰہ عما یُشرکون ⁂

ہاں بیشک ایک شُبہ اس پر وارد ہوتا ہے کہ اس تمام کارخانہ قدرت سے جو ہم دیکھتے ہیں اور سمجھتے ہیں یہ خیال مٹ نہیں سکتا کہ کیا عجب ہے کہ مثل اس کارخانہ قدرت کے کوئی اور کارخانۂ قدرت ہو جس کو اس سے کچھ تعلق نہ ہو اور اُس کارخانہ قدرت کا ایسا ہی کوئی اور صانع اور علۃ العلل اور موجود بالذات ازلی وابدی ہو جیسا کہ اس کارخانۂ قدرت کا ہے تو پھر توحید خدا کی کس طرح پر ثابت ہوگی ⁂

ہم اِس شُبہ کو تسلیم کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بلا شُبہ یہ ایک خیالی شُبہ ہے جو رفع نہیں ہوسکتا

"اور اگر اُن سے پوچھو کہ کس نے آسمان پر سے مینہ برسایا جس سے مری ہوئی زمین کو پھر زندہ کیا تو کہینگے اللہ نے"

پس مذہب اسلام کا کیا سچا مسئلہ ہے کہ تمام انسانوں کو جنگلی ہوں یا پہاڑی۔ شہری ہوں یا دیہاتی۔ تربیت یافتہ ہوں یا نا تربیت یافتہ۔ کسی نبی کی اُن کو خبر پہنچی ہو یا نہ پہنچی ہو۔ کوئی مذہب اُن کو دیا گیا ہو یا نہ دیا گیا ہو اس بات پر ایمان لانا فرض ہے کہ تمام موجودات کا کوئی صانع ہے اور وُہی ہے اللہ جل شانہٗ وجلّ جلالہٗ ٭

عقیدۂ دوم

وہ ہستی جس کو ہم اللہ کہتے ہیں واحد فی الذّات ہے یعنی مثل اُس کے دوسری ہستی نہیں ٭

تمام موجودات پر جب ہم نظر کرتے ہیں تو بادی النظر میں ہم کو عجیب مختلف قسم کی چیزیں دکھائی دیتی ہیں اور ہم سمجھتے ہیں کہ ایک کو دوسری سے کچھ تعلق نہیں۔ مگر جب بہ تعمق نظر ڈالتے ہیں اور بخوبی سوچتے ہیں اور حقائق قدرت پر بقدر طاقت بشری واقفیت حاصل کرتے ہیں تب سمجھتے ہیں کہ تمام موجودات آپس میں نہایت مناسبت رکھتی ہے اور سب کی سب ایک راہ پر چلتی ہے ایک کو دوسری سے ایسی مناسبت ہے کہ اگر ایک چیز بھی موجودات میں سے معدوم ہو جاوے تو اُس گورکھ دھندے میں اُتنا ہی نقصان آجاوے ٭

تمام موجودات ایسی تدبیر و حکمت و مناسبت سے موجود ہے جیسے ایک گھڑی یا کل کے مختلف پُرزے آپس میں مناسبت رکھتے ہیں اور اِس سے ہم کو اس بات کی ہدایت ہوتی ہے کہ یہ گورکھ دھندا ایک ہی دانا حکیم کا نکالا ہوا اور ایک ہی کاریگر کا بنایا ہوا ہے۔ اور عام عقل انسانی اس دلیل سے خدا کی واحدانیت پر اقرار کر سکتی ہے اس لئے اس مسئلہ پر بھی ایمان لانا اُسی طرح ہر ایک انسان پر فرض ہے جس طرح کہ وجود خالق کے مسئلہ پر ایمان لانا فرض تھا ٭

بلا شُبہ یہ مسئلہ بہ نسبت پہلے مسئلہ کے کسی قدر زیادہ باریک ہے۔ جو لوگ کہ نیچرل فلاسفی یعنی علم طبیعات سے زیادہ واقف ہیں اور جنھوں نے موجودات عالم میں سے بہت سی چیزوں کی بناوٹ اور پیدائش اور پھر اُن کے انقلاب کا بقدر طاقت بشری علم حاصل کیا ہے اُن کا یقین اِس مسئلہ پر سب سے زیادہ پختہ اور مستحکم ہے۔ اور اُن سے کم درجہ کے لوگوں کو خود کسی قدر غور و فکر کی حاجت ہوتی ہے اور اُس سے ادنےٰ درجہ کے لوگ دوسرے کی تنبیہ سے متنبہ ہونے اور کسی سے اُس کا بیان سُننے کے محتاج ہوتے ہیں۔ مگر یہ مسئلہ ایسا نہیں ہے کہ عام عقل انسانی کی سمجھ سے باہر ہو تحقیقات کامل سے خواہ خود سوچنے سے یا کسی کے سمجھانے سے انسان اُس کو بخوبی سمجھ سکتا ہے

اُس میں ہونا نہیں جانتے ٭

خُدا کو ہات پاؤں والا۔ مُنہ والا۔ بولتا۔ چلتا۔ پھرتا۔ سنتا۔ دیکھتا۔ کرتا۔ کراتا۔ جیتا جاگتا۔ خوش ہونے والا۔ خفا ہونے والا سب کچھ کہتے ہیں۔ مگر اُس کے ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ ہمارے سے ہاتھ پاؤں۔ ہمارا سا مُنہ۔ ہمارا سا بولنا۔ ہمارا سا چلنا پھرنا۔ ہمارا سا سُننا دیکھنا۔ ہمارا سا کرنا کرانا۔ ہمارا سا جینا جاگنا۔ ہمارا سا خوش اور خفا ہونا نہیں ہے۔ مگر جب پوچھو کہ اگر ویسا نہیں ہے تو پھر کیسا ہے تو جواب یہی ہوگا کہ ہم نہیں جانتے۔ بات کا تو بہت اُلٹ پھیر ہوا مگر نتیجہ یہی نکلا کہ اُن صفات کا جن کو ہم جانتے ہیں اُس میں ہونا نہیں جانتے ٭

صفات باری کا اُس کی نسبت یقین کرنا اِس یقین سے نہیں ہے کہ درحقیقت وہ صفتیں جس طرح پر ہم اُن کو جانتے ہیں اُس میں ہیں یا وہ اُن کا محل ہے بلکہ وہ یقین اِس وجہ سے ہے کہ ایسی ذات کو جو علّۃ العلل ہے اِن صفات کے مشابہ صفتوں کا موصوف یا اِن صفات کی مانند قدرتوں پر قادر ہونا لازم ہے کیونکہ بغیر اُن کے وہ علّۃ علّۃ العلل نہیں ہو سکتی جس کا علّۃ العلل ہونا تسلیم کیا تھا ٭

زندگی اور موت وہ صفتیں ہیں جن کے مفہوم کو ہم نے جاندار چیزوں کے حالات سے اخذ کیا ہے پس کیا ہم یقین کر سکتے ہیں کہ اُس زندگی یا موت کا جس کو ہم جانتے ہیں خدا محل ہو سکتا ہے باایں ہمہ اُس کو حَیٌّ لَا یَمُوْتُ کہتے ہیں۔ دہریوں نے مسلمانوں کی مذہبی کتابوں میں اُن لفظوں کو جو صفات باری کی نسبت بولے گئے ہیں اُنہی مفہومات کا دال سمجھ لیا جو اُنہوں نے موجودات کے حالات سے اخذ کئے تھے اور پھر اُن صفات کے منکر ہو کر کہنے لگے کہ ہم کیونکر یقین کریں کہ صفت قدرت کی یا رحم کی اُس میں ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ ہم کب یقین کرتے ہیں اور ہم کب اُن صفتوں کا جن کو ہم جانتے ہیں اُس کو محل قرار دیتے ہیں بلکہ یہ کہتے ہیں کہ جن صفتوں کو ہم جانتے ہیں ویسی ہی کچھ اُس علّۃ العلل کی ذات کو لازم ہیں اور اسی لئے اُس کے لوازم ذاتی ہونے پر یقین ہے اور چونکہ ذات اور لوازمِ ذات عینِ ذات ہوتے ہیں اِس لئے ہم اُس کی صفات کو عینِ ذات اور اُس کی ذات کو عینِ صفات قرار دیتے ہیں اور اِسی بنا پر یہ ترانہ گاتے ہیں کہ "انا صفۃ من صفات اللہ وصفاتہ عینہ فانا عینہ" اور کبھی یوں کہتے ہیں کہ "لیس فی جُبّتی سوی اللہ" اور جب اور زیادہ کھول کر کہنا چاہتے ہیں تو یوں کہتے ہیں کہ "انا احمد بلا میم" ؎

عشق گر مرد است مردے بر سر کار آورد ۔۔۔ ورنہ چوں موسیٰ بسے آورد و بسیار آورد

گر ہمے خواہد کہ وصفِ ذاتِ خود ثابت کند ۔۔۔ یک انا الحق گوئے دیگر بر سرِ دار آورد

مگر اسلام اور ایمان کی بنیاد خیال پر نہیں ہے۔ فلسفیہ اور عقلیہ مباحث کو جو حالت فرضیہ غیر وجود سے ہوتی ہیں یقین سے اور ایمان سے کچھ مناسبت نہیں ہے۔ مولانا روم نے اُس کے حق میں نہایت خوب فرمایا ہے ؎

پائے استدلالیاں چوبیں بود
پائے چوبیں سخت بے تمکیں بود

یقین کے لئے ضرور ہے کہ معترض اوّل اس بات کا یقین دلائے کہ درحقیقت ایسا ہی دوسرا کارخانۂ قدرت موجود ہے اور اُس وقت کہے کہ خدا کی توحید ثابت نہیں مگر وہمی و فرضی باتوں سے خُدا کے متعدد ہونے کا ثبوت نہیں ہو سکتا۔ مذہب اسلام کی رُو سے انسان کو صرف اسی بات کا یقین کہ تمام چیزوں کا جن کو ہم دیکھتے ہیں اور سمجھتے ہیں اور جو وجود پذیر ہیں اُن سب کا خدا ایک ہی ہے کافی اور وافی ہے اور اسی قدر پر انسان مکلف ہے۔ امنّا بہ والحمد للہ علی ذلک ۔

عقیدۂ سوم

متعلّق بہ صفاتِ باری جلّ جلالہ

وہ ہستی جس کو ہم خدا یا علّۃ العلل کہتے ہیں نہ ہمارے دیکھنے میں آتا ہے نہ چھونے میں اور نہ خیال میں۔ تو ہم بجز اتنی بات جاننے کے کہ ہے اور کچھ حقیقت اُس کی ذات کی نہیں جان سکتے۔ خدا بھی تو اپنی ذات کی حقیقت ہم کو نہیں بتا سکا۔ موسےٰ نے پوچھا کہ فرعون کے پاس تیرا پیغام لیکر جاؤں تو کیا بتاؤں کہ تو کون ہے تو یہی جواب ملا کہ "میں وہی ہوں جو ہوں"۔ پس جبکہ ہم ایک ذات کی حقیقت نہیں جان سکتے تو اُس کی صفات کی حقیقت بھی نہیں جان سکتے بلکہ درحقیقت اُس کو کسی صفت کا محل نہیں قرار دے سکتے ۔

تمام صفات جن کو ہم خیال کر سکتے ہیں وہ سب مفہومات ہیں جو ہم نے بلحاظ اُن چیزوں کی حالات کے جن کو ہم دیکھتے ہیں یا چھوتے ہیں یا سونگھتے ہیں یا سُنتے ہیں یا سمجھتے ہیں اخذ کئے ہیں مگر جبکہ وہ ہستی ہماری ان سب حسّوں سے اوپر ہے تو ہم کیونکر جان سکتے ہیں کہ وہ صفات اُس میں بھی ہیں یا وہ اُن صفات کا محل بھی ہو سکتی ہے اس لئے تمام صفات جو خدا کی طرف نسبت کی جاتی ہیں اُن کو یوں کہا جاتا ہے کہ وہ صفات تو اُس میں ہیں مگر ویسی نہیں ہیں۔ جیسی کہ ہم جانتے ہیں یعنی جو حقیقت اُن صفات کی ہم نے موجودات عالم سے اخذ کر کر سمجھی ہے وہ حقیقت اُن صفات کی نہیں ہے جو اُس میں ہیں اور یہ کہنا ہمارا صاف صاف یہی کہنا ہے کہ اُن صفات کا جن کو ہم جانتے ہیں

میں نے آپ کی تحریرات کو اور آپ کے محاکمہ منصفانہ کو جو رسالہ احکام طعام اہل کتاب اور
امداد الاحتساب پر آپ نے ارقام فرمایا اور نیز ایک نامی رسالہ مزیل الاوہام کو جسے میرے قدیم شفیق
مولوی محمد علی صاحب نے نہایت خوبی اور متانت سے تحریر فرمایا ہے بغور دیکھا۔ ان تمام تحریروں
میں جو باتیں اوپر اوپر کی اور اِدھر اُدھر کی الم ڈولم تحریر ہوئی ہیں اُن کی نسبت لکھنا آپ بھی
غیر ضروری سمجھتے ہونگے اور جو اصل بات اِس مسئلہ میں ہے اُسی کو لکھنا بہتر خیال فرماتے ہونگے۔
اِس لئے میں اِس میں اس خط کو مثل مباحثہ کرنے والے اور رد و قدح کرنے والے کے نہیں لکھتا
بلکہ صرف اصل مطلب ہی کی تحریر پر قناعت کرتا ہوں ٭

اصل بات یہ ہے کہ یہ مسئلہ ایسا نہیں ہے جو کسی طرح ہمارے مقاصد اور ترقی حسن و معاشرت
کا حارج ہو۔ اگر کوئی شخص عیسائیوں کے ساتھ کھانا کھانے میں عیسائیوں کی گردن مروڑی مرغی
نہ کھا دے اور اُس کو حرام سمجھے چشم ما روشن دوسری رکابی کا کھانا نوش فرمادے ہم بھی اُس کو محتاط
کہینگے اور اُس کے فعل کو اولے سمجھینگے۔ انگریزوں کے ساتھ کھانا کھانے میں یہ ضرور نہیں
ہے کہ جو چیز سامنے آوے خواہ نخواہ اُس کو کھا ہی لے۔ پس ایسی حالت میں اِس مسئلہ میں زیادہ
بحث کرنی کچھ بھی ضرور نہیں ہے مگر جو کہ یہ بات کہی جاتی ہے کہ میں نے ایک حکم خاص منصوص
قرآنی کے برخلاف کیا اور کہا اِس لئے صرف اسی قدر لکھنا اور اسی بات کی تحقیقات کرنا کہ
پرند منخنقہ کی حرمت بموجب آیت مستدلہ کے منصوص قرآنی ہے یا نہیں کافی اور وافی ہوگا ٭

میری تحقیق یہ ہے کہ پرند منخنقہ کی حرمت باستدلال آیت مستدلہ منصوص قرآنی نہیں ہے
وہ آیت جس میں منخنقہ کا ذکر ہے یہ ہے حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَا
أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ
وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَأَنْ تَسْتَقْسِمُوا بِالْأَزْلَامِ ذَٰلِكُمْ فِسْقٌ اب غور کرو کہ اس آیت میں چار
لفظ ہیں۔ المنخنقۃ۔ الموقوذۃ۔ المتردیۃ۔ النطیحۃ۔ ان چاروں میں حرف تائے فوقانی موجود
ہے۔ اور ہم کو بموجب محاورہ زبان عرب کے اِس بات کا قرار دینا باقی ہے کہ یہ تے کس قسم کی ہے اور جو کہ
کسی دوسری آیت قرآن مجید سے قسم تے کا تعین جو کلمہ منخنقہ میں ہے نہیں پایا جاتا اسلئے ہم کو
اپنے اجتہاد سے اُس کا تعین کرنا پڑتا ہے پس اب ہم اُس تے کو کسی قسم کا قرار دیں اور کسی جانور
کی حرمت کا مسئلہ اُس سے نکالیں اُس کی حرمت منصوص نہ ہوگی کیونکہ ممکن ہے کہ وہ تے اُس قسم
کی نہ ہو بلکہ دوسری قسم کی ہو اور اُس قسم کے جانوروں کی حرمت پر حاوی نہ ہو ٭

مثلاً ہم قرار دیتے ہیں کہ ان چاروں لفظوں میں تائے تانیث ہے جیسا کہ اکثر مفسروں نے
بھی قرار دیا ہے۔ پس اس حالت میں بموجب محاورہ زبان عرب کے ضرور ہے کہ چاروں لفظ صفت

یوسفِ یعقوب را بُردن به بازارش چہ سُود مرو عشقے ہمچو احمد را بہ بازار آورد

غرض کہ ہم تمام صفات کو بطور ایجاب یا بطور سلب ذات باری کی طرف نسبت کرتے ہیں اور اُس میں اُن صفات کے ہونے اور نہ ہونے کا بھی یقین کرتے ہیں مگر نہ اِس وجہ سے کہ وہ اُن کا محل ہے بلکہ اس وجہ سے کہ ہم کو اُن مفہومات کے من حیث الاطلاق لوازم ذاتی علۃ العلل کے ہونے پر یقین کلی ہے۔ بااین ہمہ جس طرح ہم اُس کی ذات کی حقیقت کو نہیں جانتے اسی طرح اُس کی صفات کی حقیقت کو بھی نہیں جانتے *

بانئے اسلام نے بھی اُن کی حقیقت کا جاننا ہمارے ایمان کا جزو نہیں قرار دیا بلکہ خود اُس نے اُن کی حقیقت کو کچھ نہیں بتلایا۔ غفور۔ رحیم۔ قادر۔ حی۔ لایموت بتایا اور اِس بتانے سے اُس کی ذات کا اُن کا محل ہونا لازم نہ آیا تو ایسا خیال کرنا خود ہماری غلطی ہے *

خدا کے ساتھ جن صفتوں کو ہم بتاتے ہیں گو اُن کے مفہومات تو موجودات کے حالات سے اخذ کئے ہوئے ہیں مگر خدا کی طرف من حیث الاطلاق نسبت کرتے ہیں بلکہ اطلاق کی قید سے بھی مطلق رکھتے ہیں تاکہ صرف مفہوم ہی مفہوم باقی رہ جاوے اور اسی لئے جب کسی صفت کو کہتے ہیں کہ ہے تو یہ بھی کہتے ہیں کہ ایسی نہیں ہے *

یہ ایک بحث عام صفات باری کی نسبت تھی اور آیندہ ہم وقتاً فوقتاً ہر ایک صفت کی نسبت خاص خاص بحث کرینگے۔ واللہ ولی التوفیق *

خط

از طرف سید احمد

بنام

مولوی سید مہدی علی صاحب ڈپٹی کلکٹر بہادر مرزاپور

نسبت طیور منخنقۂ اہل کتاب

میرے عزیز مہدی میں نے اپنا وعدہ پورا کرنے میں یعنی عیسائیوں کی گردن مروڑی ہوئی مرغی کی نسبت آپ کو خط لکھنے میں بہت توقف کیا۔ آپ مجھے معاف کریں۔ اَب میں اس معاملہ میں آپ کو خط لکھتا ہوں اور اپنا وعدہ تیسرا خط لکھنے کا پورا کرتا ہوں *

اُسی استثنا کی تفصیل ہیں جن کی نسبت فرمایا تھا الا ما یتلی علیکم۔ اور کسی کی اور موصوف مؤنث محذوف بھی وُہی بہیمہ ہے جس کی نسبت اوپر فرمایا تھا کہ احلت علیکم بھیمۃ الانعام پس اگر انصاف سے بغیر تعصب اور بغیر اُن خیالات کے جو تقلیداً بغیر تحقیق کے دل میں بیٹھ گئے ہیں دیکھو تو خود خدا نے صاف بتا دیا ہے کہ وہ موصوف مؤنث محذوف بہیمہ ہے نہ امام رازی صاحب کی بکری اور نہ ہماری تمہاری کگڑی۔ اب کون شخص ہے جو اپنی دلی سچائی سے اِس بات پر کہ اِس آیت میں پرند داخل ہیں دلی یقین کرتا ہوگا گو تقلیداً خواہ تعصباً اُس کو مُنہ سے نہ نکالے۔

دوسرے یہ کہ منجملہ صفات چہارگانہ کے جو اس آیت میں مذکور ہوئیں اخیر دو صفتوں۔ تردی یعنی اوپر سے گرکر مر جانے اور نطیح یعنی لڑتے میں سینگ کی چوٹ سے مر جانے کی صفت سوائے بہیمہ یعنی چرند کے پرند میں متحقق ہی نہیں ہو سکتی۔ باقی رہا۔ وقذ۔ یعنی لکڑی سے یا لٹھ سے یا اور کسی چیز سے مار ڈالنا۔ اگرچہ یہ فعل پرند کی نسبت بھی ممکن ہے مگر جو لوگ اگلے زمانہ کی تاریخ سے اور جنگلی قوموں کے حالات سے اور خود عرب کے بیابان کے رہنے والوں کی عادات سے واقف ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ صرف چوپائے جانوروں کا اس طرح پر شکار ہوتا تھا کہ اُن کو گھیر کر لٹھوں سے مار ڈالتے تھے نہ پرند کا۔ پس یہ صفت بھی درحقیقت مختص بہایم سے ہے نہ پرند سے۔ اب بحث طلب رہا خنق یعنی گلا گھونٹ کر مار ڈالنا۔ اگرچہ یہ فعل پرند کی نسبت بھی شاید ممکن ہے مگر عرب میں چوپاؤں کا گلا گھونٹ کر مار ڈالنا مروّج تھا جس کی حرمت میں یہ آیت نازل ہوئی۔ پس نہایت افسوس ہے کہ انسان اپنے خیالات کے پھندے میں پڑے اور احکام الٰہی کے منشاء اور مراد کو نہ سمجھے۔

امام فخر الدین رازی صاحب تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں کہ واعلم ان المنخنقۃ علی وجوہ منہا ان اہل الجاہلیۃ کانوا یخنقون الشاۃ فاذا ماتت اکلوہا ومنہا ما یخنق بحبل الصائد ومنہا ما یدخل راسہا بین عودین فی شجرۃ فتختنق فتموت الخ پس اس بیان سے بخوبی ظاہر ہوتا ہے کہ جو احکام اس آیت میں مذکور ہیں وہ بہیمہ کی نسبت ہیں نہ پرند کی اِس لئے اس آیت سے طیور منخنقہ کی حرمت منصوص نہیں ہے البتہ ممکن ہے کہ قیاسی ہو۔

اس تقریر پر یہ سوال ہو سکتا ہے کہ اگر اس آیت میں اُس استثنا کی تفصیل ہے جس کا ذکر الا ما یتلی علیکم میں ہے تو یہ آیت من اولہا الی اخرہا بھیمۃ الانعام ہی سے متعلق ہوگی پھر کلمہ میتۃ۔ دم۔ وما اہل لغیر اللہ۔ وما اکل السبع۔ وما ذبح علی النصب سے کیوں حرمت چرند و پرند کی لیجاتی ہے چاہیئے کہ وہ بھی مخصوص بہ بہیمۃ الانعام رہیں۔

مگر یہ سوال صحیح نہیں ہے اس لئے کہ اُن تمام کلموں کا مفہوم عام ہے گو محل خاص ہو اس لئے

ہوں کسی موصوف محذوف مونث کے ؎

اب ہم کو دوسرا اجتہاد کرنا پڑا کہ وہ موصوف مؤنث محذوف کون ہے جس کو ہم قرار دیں۔ بہرحال جس کو قرار دیں اُس کی حرمت البتہ اس آیت سے نکلیگی مگر اُس کی حرمت اجتہادی ہوگی نہ منصوصی کیونکہ ہم نے دو باتوں کو یعنی قسم تے کو اور موصوف محذوف کو نص قرآنی سے نہیں بلکہ صرف اپنے اجتہاد سے قایم کیا ہے۔ امام فخرالاسلام رازیؒ فرماتے ہیں کہ یہاں موصوف مؤنث محذوف (شاۃ) ہے کہ وُہی اکثر کھانے میں آتی ہے اور باقی تمام جانوروں چرند و پرند کی حرمت کا اُس پر قیاس کیا جاتا ہے۔ قبول کرو کہ یہی اجتہاد صحیح ہے۔ اس حالت میں اُس مرغی کی حرمت دو اجتہادوں اور ایک قیاس غیر منصوص العلت سے قرار پاویگی نہ نص قطعی سے ؎

مگر امام صاحب نے ناحق شاۃ کو موصوف مؤنث محذوف مانا ہے۔ ہم اُن کو اُس سے بھی عمدہ موصوف مؤنث بتاتے ہیں جس میں تمام منخنقہ جانوروں کی حرمت آجاتی ہے اور بکری کی حرمت پر باقی جانوروں کے قیاس کی حاجت نہیں رہتی اور وہ موصوف مونث محذوف۔ نفس ہے پس تقدیر کلام یہ ہوگی کہ حرمت علیکم النفس المنخنقۃ الخ اور اس میں تمام منخنقہ جانوروں کی حرمت یہاں تک کہ مچھلی اور ٹڈی کی بھی داخل ہوجاویگی۔ اب قبول کرو کہ یہی اجتہاد صحیح ہے تو بھی مرغی کی حرمت دو اجتہادوں مذکورہ بالا سے قرار پاویگی نہ نص قطعی سے ؎

اب ہم اِس تے کو تائے تانیث نہیں قرار دیتے بلکہ تائے نقل وتحویل قرار دیتے ہیں جیساکہ صاحب تفسیر بیضاوی نے قرار دیا ہے اور چونکہ یہ تے صفت کو اسم بنا دیتی ہے اس لئے کسی موصوف مؤنث محذوف کی تلاش کی حاجت نہیں رہتی اور جس پر اطلاق منخنقہ اور متردیہ وغیرہ کا ہوگا اُس کی حرمت اِس آیت سے ثابت ہوگی مگر اُس کی حرمت کا ثبوت ایک اجتہاد سے یعنی حرف تا کو تائے نقل قرار دینے سے ہوگا نہ نص صریح قطعی سے۔ فتدبر ؎

اب میں کہتا ہوں کہ میرے نزدیک ان چاروں کلموں میں تائے تانیث ہے اور موصوف مؤنث محذوف بہیمہ ہے یعنی مویشی یا چوپایہ یا چرندے پس تقدیر آیت کی یہ ہے کہ حرمت علیکم البھیمۃ المنخنقۃ والبھیمۃ الموقوذۃ والبھیمۃ المتردیۃ والبھیمۃ النطیحۃ پس پرند اس حکم میں داخل نہیں ہیں ؎

خود قرآن مجید سے بوجوہات مفصلہ ذیل ثابت ہے کہ یہاں موصوف محذوف بہیمہ ہے

اوّل یہ کہ خود قرآن مجید میں اسی آیت کے قبل شروع سورۃ میں خدا نے فرمایا احلت علیکم بھیمۃ الانعام الا ما یتلی علیکم "یعنی حلال ہوئے تمہارے لئے چوپائے مویشی مگر وہ جو آگے بتادینگے پس اس کے بعد جو حرام جانور باشارہ صفت مؤنث بتائے وہ خود خدا کے فرمانے سے

ہندوستانی جوتے کے یا عرب کی نعلین کے بہت زیادہ صاف رہتا ہے اس لئے کہ اُن جوتوں کا تمام تلا زمین پر لگتا ہے اور انگریزی بوٹ کی ایڑی بہت اونچی ہوتی ہے اور اِس سبب سے بہت کم زمین میں لگتا ہے ✤

اس امر کی نسبت شیخ امام ابو عبد اللہ محمد بن ابی بکر عرف ابن قیمؒ نے اپنی کتاب "اغاثۃ اللہفان فی مصاید الشیطان" میں بہت بڑی بحث کی ہے اور اِس کتاب کی تلخیص ہشام بن یحییٰ شامی نے کی ہے اور اُس کا نام "تبعید الشیطان بتقریب اغاثۃ اللہفان" رکھا ہے۔ اُس میں بھی وہ تمام بحث نقل کی ہے۔ یہ کتاب عربی زبان میں ہے اور اُس کا ترجمہ مولوی محمد احسن صاحب نے جو اس زمانہ کے مولویان نامی میں سے ہیں اُردو زبان میں کیا ہے اور تہذیب الایمان اُس کا نام رکھا ہے اور ۱۲۸۳ھ ہجری میں مطبع صدیقی بریلی چھاپہ ہوا ہے چنانچہ اُس مقام کو بجنسہ اس جگہ نقل کرتے ہیں ✤

اُنھوں نے اپنی کتاب میں بہت وسواسوں کا جو انسان کو مذہبی باتوں میں ہوتے ہیں ذکر کیا چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ "منجملہ اُن کے یہ ہے کہ موزہ اور جوتے کے نیچے جب نجاست لگ جاتی ہے تو اُس کو زمین سے رگڑنا مطلقًا کافی ہے اور اُس کو پہن کر حدیث صحیح کی رُو سے نماز درست ہے امام احمدؒ نے اس کی تصریح کی ہے اور اُن کے محقق یاروں نے اُس کو پسند فرمایا ہے چنانچہ ابو البرکات کہتے ہیں کہ روایت مطلق رگڑ ڈالنے کی میرے نزدیک صحیح ہے اس لئے کہ حضرت ابو ہریرہؓ آنحضرت صلعم سے راوی ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی جوتا پہن کر ناپاکی پر کو س چلے۔ تو مٹی اُس کے واسطے پاک کرنے والی ہے۔ اور ایک روایت میں یہ ہے کہ جب ہم میں سے کوئی اپنے موزوں سے ناپاکی کو پامال کرے تو موزوں کو پاک کرنے والی مٹی ہے۔ ان دونوں روایتوں کو ابو داؤد نے بیان کیا ہے۔ ابو سعید روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم نے نماز پڑھی۔ پس اپنی جوتیاں نکالیں۔ لوگوں نے بھی اپنی جوتیاں اُتار دیں۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے لوگوں سے پوچھا کہ تم نے کیوں اُتاریں۔ اُنھوں نے عرض کیا کہ ہم نے آپ کو دیکھا کہ جوتیاں اُتاریں۔ ہم نے بھی اُتاریں۔ آپ نے فرمایا کہ میرے پاس جبرئیلؑ نے آکر خبر دی کہ ان میں ناپاکی ہے۔ تو جب تم میں سے کوئی مسجد میں آوے تو چاہئے کہ اپنی جوتیوں کو اُلٹ کر دیکھے۔ اگر اُن میں کچھ خبث یعنی ناپاکی ہو تو اُس کو زمین سے رگڑ دے۔ پھر اُن سے نماز پڑھ لے۔ اس حدیث کو امام احمدؒ نے روایت کیا ہے اور اُس کے معنی جو یہ ہیں کہ ناپاکی سے غرض مکروہ چیزیں ہیں مثل زینت وغیرہ پاک اشیاء کے تو یہ تاویل کئی وجہ سے درست نہیں اوّل تو یہ کہ اس طرح کی چیزیں خبث نہیں کہلاتیں۔ دوسرے یہ کہ نماز کے وقت ان اشیاء کے پہنچنے کا حکم نہیں کیونکہ ان سے نماز نہیں جاتی۔

بسبب اپنے مفہوم عام ہونے کے چرند و پرند دونوں کو شامل ہیں۔ برخلاف منخنقة و موقوذة و متردية و نطيحة کے کہ بسبب صفت ہونے ایک موصوف محذوف کے نہ اُن کا مفہوم عام ہے اور نہ محل عام ہے اس لئے وہ سوائے جنس مستثنیٰ منہ کے اور کسی سے متعلق نہیں ہوسکتے اور ایسے طیور منخنقہ اہل کتاب کو آیہ کریمہ وطعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم نے ہمارے لئے حلال کر دیا ہے ٭

اگرچہ میں نے چاہا تھا کہ جو کچھ اِس باب میں میری تحریر کی نسبت لوگوں نے لکھا ہے اور جو غلط فہمیاں میری تحریر کی نسبت کی ہیں یا جو مسامحہ کسی تحریر میں خود مجھ سے ہوا ہے اور جو غلط استدلال توریت مقدس سے اِس معاملہ میں لوگوں نے کیا ہے اُس سب کو بالتفصیل لکھتا مگر جیسا کہ میں نے ابھی التماس کیا صرف اسی بات کے بیان کرنے پر اکتفا کرتا ہوں کہ آیت مذکورہ حرمت طیور منخنقہ کو شامل نہیں ہے پس اُس کو منصوص کہنا صحیح نہیں۔ البتہ قیاسی غیر منصوص العلت ہونا ممکن ہے فمن یشاء یسلمہ ومن یشاء لا یسلمہ عیسائی مذہب کے بموجب جیسا کہ اُن کے رُہبان اور قسیسین قبل نزول قرآن مجید سے سمجھتے آتے تھے طیور منخنقہ حرام نہیں ہیں اور اُس کے دلائل عیسائی مذہب کی کتب دینیہ میں مندرج ہیں۔ پس جبکہ عیسائی وہ فعل مطابق اپنے مذہب کے کرتے ہیں تو باستدلال وطعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم ہمارے لئے حلال ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ میرے لئے میرا یہ اجتہاد کافی ہے۔ دوسرا شخص خواہ اُس کو صحیح سمجھے یا نہ سمجھے۔ مگر آپ سے اتنی بات اور کہنی چاہتا ہوں کہ تم اپنے دل کو خوب ٹٹولو کہ کہیں یہ تمہارا اختلاف میرے ساتھ اُسی تقلید کا اثر تو نہیں ہے جس سے انسان قبل تحقیق ہر ایک بات کا فیصلہ کر دیتا ہے۔ اَب میں اِس نیاز نامہ کو ختم کرتا ہوں اور اگر کبھی دل میں آیا تو ابو داؤد کی حدیث کی نسبت بھی آپ کو خط لکھونگا ٭ والسلام ٭

جوتی پہنے ہوئے نماز پڑھنی

ایک شخص نے انگریزی بوٹ پہنے ہوئے نماز پڑھی۔ ایک نیک شخص نے اُس کو نہایت بُرا جانا اور کہا کہ مجھے خوف کے مارے پسینا آگیا پس ہم کہتے ہیں کہ یہی باتیں اوہام مذہبی ہیں اور وسواس میں داخل ہیں۔ جوتا پہن کر نماز پڑھنی سنت ہے اور اُس پر نجس ہونے کا گمان کرنا وسوس میں داخل ہے۔ صرف اتنا دیکھ لینا چاہیئے کہ کوئی نجاست ظاہری اُس میں لگی ہوئی نہ ہو اور اگر ہو تو اُس کو سخت چیز سے یا زمین سے رگڑ ڈالے اور پہن کر نماز پڑھ لے۔ انگریزی جوتا بہ نسبت

سوال

مجھکو بڑا اعتراض نبوّت پر یہ ہے کہ خدا نے نبی و پیغمبر کیوں پیدا کیئے اس کے جواب میں اہل مذہب بہت کچھ طول طویل بیان کرینگے مگر شاید اُس طوالت کا نتیجہ یہ نکالینگے کہ نبی صرف اِس کام کیواسطے پیدا کیئے گئے ہیں کہ مخلوقات پر خدا کی وحدت ظاہر کریں اور اُس کی عبادت پر آمادہ کریں اور نیک و بد کی تمیز بتلاویں کیونکہ وہ نبی جو ہدایت کرتے ہیں یہ بھی کہتے ہیں کہ خدا نے دوزخ و بہشت بھی پیدا کیئے ہیں۔ جو لوگ خدا کو پہچانتے ہیں سوائے اُس کے دوسرے کو اپنا خالق نہیں جانتے اور اُسی کی عبادت کرتے ہیں اور بدی سے نفرت اور نیکی سے رغبت کرتے ہیں وہ بہشت میں جاوینگے اور جو اُس کے خلاف کرتے ہیں بہشت میں نہ جاوینگے ۔

پس ضرور ہے کہ اگر خدا نے انسان کو اس واسطے پیدا کیا ہے کہ بعد مرنے کے اپنے افعال کی سزا یا جزا پاوے تو یہ امر ضرور ہے کہ اُس نے انسان کو فعل مختار پیدا کیا ہوگا مگر مسلمانوں کے کلام اللہ سے تو انسان کا فعل مختار ہونا ثابت نہیں ہوتا کیونکہ کلام اللہ میں شروع آیت سے سورہ بقرہ میں لکھا ہے "ان الذین کفروا سواء علیہم ءانذرتہم ام لم تنذرہم لا یومنون ختم اللہ علی قلوبہم وعلی سمعہم وعلی ابصارہم غشاوۃ ولہم عذاب عظیم" (سورہ بقرہ) یعنی وہ لوگ جو کافر ہیں اُن کے لئے برابر ہے تو نصیحت دے یا نہ دے وہ ایمان نہ لاوینگے خدا نے اُن کے دلوں پر اور کانوں پر مہر کردی ہے اور اُن کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے وہ بڑے عذاب میں پڑینگے۔ من یہد اللہ فہو المہتد ومن یضلل فاولئک ہم الخٰسرون ۔ ولقد ذرأنا لجہنم کثیرا من الجن والانس (سورہ اعراف) یعنی جسے خدا ہدایت کرتا ہے راہ پاویگا اور جنہیں خدا گمراہ کرتا ہے وہ لوگ ہلاک ہونگے تحقیق کہ ہم نے بہتوں کو جنوں اور انسانوں میں سے جہنم کے لئے پیدا کیا ہے۔ پس ان کئی وجوہات سے انسان کا فعل مختار ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ اوّل یہ کہ خدا نے کافروں کے دلوں اور کانوں پر مُہر کردی اور آنکھوں پر پردہ ڈال دیا اور وعدہ کرچکا کہ وہ بڑے عذاب میں پڑینگے۔ دوم یہ کہ اُس نے مخصوص بہت آدمی جن و انس میں سے دوزخ کے لئے پیدا کیئے ہیں تو اُن کے سوائے جو باقی رہے وہ جنتی ہیں۔ اب نبی کیوں پیدا ہوئے جو خوف بعد مرنے کا تھا وہ طے ہوگیا کہ جن کو خدا نے دوزخ کے لئے بنایا ہے وہ دوزخ میں جاوینگے جن کو بہشت کے لئے وہ بہشت میں۔ اب نبی کیا ہدایت کرینگے۔ میں کہتا ہوں کہ خدا نے ایک شخص کو دوزخ کے لئے پیدا کیا ہے اب نبی اُس پر کیا ہدایت کریگا وہ نبی کی ہدایت سے بہشت میں تو جانے سے رہا اگر بہشت میں جاویگا تو پھر خدا کا وعدہ جھوٹا ہوا جاتا ہے اور اگر صرف جنتی

تیسرے یہ کہ اُن کے لئے نماز میں جوتیاں نہیں اُتارنی چاہئیں اس لئے کہ یہ کام بے ضرورت ہے ادنےٰ بات ہے کہ مکروہ ہوگا۔ چوتھے یہ کہ روایت دارقطنی کی ابن عباس سے یہ ہے کہ رسول مقبول صلعم نے یہ فرمایا کہ جبرئیل نے میرے پاس آکر خبر دی کہ اُن میں خون حلمہ کا ہے جو بڑی قسم کی کلنی ہوتی ہے اور اِس وجہ سے کہ جوتی ایسی جگہ ہے کہ اکثر نجاست اُس کو بہت دفعہ پہنچتی ہے تو رفع حرج کے لئے سخت سے سخت چیز ہے اُس کا مل ڈالنا کافی ہوا"۔

بعد اِس کے اُنھوں نے یہ بات لکھی ہے کہ "جوتیاں پہن کر نماز پڑھنے سے وسواسیوں کا دِل خوش نہیں ہوتا حالانکہ یہ سُنت رسول خدا صلعم اور اُن کے اصحاب کی ہے۔ فعل اور حکم دونوں کے اعتبار سے انس بن مالک روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلعم اپنی جوتیوں سے نماز پڑھتے تھے اور شداد ابن اوس کہتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ یہودیوں کے خلاف کرو کہ وہ اپنے موزوں اور جوتوں سے نماز نہیں پڑھتے روایت کیا ہے اس کو ابوداؤد نے"۔

اِس تمام تحقیقات سے جو ابن قیمؒ نے کی ہے صاف ثابت ہوتا ہے کہ اُس زمانہ میں جوتی پہنے ہوئے مسجد میں جانا اور جوتی پہنے ہوئے نماز پڑھنا ایک عام عادت تھی۔ مگر اس زمانہ میں اور بالخصوص ہندوستان میں مُسلمانوں نے اس بات کو اپنی غلطی سے معیوب سمجھا ہے۔

مسئلہ جبر واختیار

خط بنام سیّد احمد خان بہادر۔ سی۔ ایس۔ آئی

خاں صاحب بہادر خیر خواہ مُسلمانان۔ اللہ آپ کو سلامت رکھے اور توفیق رفیق اس کی ہمیشہ عطا کرے۔

سیّد محمد حسن نائب تحصیلدار صدر تحصیل الہ آباد بعد اشتیاق واداءے رسم سنت نبی علیہ السلام عرض مدعایہ کرتا ہے کہ اِس عریضہ کے ساتھ ایک پرچہ جو عدم ثبوت نبوت اور کتاب خدا پر سے آپ کی خدمت میں اس غرض سے بھیجتا ہوں کہ ورد دلی کے ساتھ جو عام مسلمانان کی طرف سے آپکے دل میں ہے جواب لکھ کر مجھے عنایت فرمادیں۔ مگر واضح رہے کہ معترض صرف وحدانیت باری تعالےٰ اور اُس کے قادر مطلق ہونے کا قائل ہے جو کچھ اس کے جواب میں بحث کی جاویگی من حیث العقل یا نقل کتب تواریخ البر سے ہو۔ چونکہ آپ سے بہتر میری دانست میں کوئی جواب اس کا معقول اور مُسکت نہیں دیسکتا لہذا بھیجتا ہوں۔ معروضہ ۱۱۔ ذوالحجہ سنہ ۱۲۸۹ ہجری مطابق ۱۰۔ فروری ۱۸۷۳ء منمقام صدر تحصیل الہ آباد۔

یہ کہے کہ میں نے کیا تو یہ نسبت بالکل صحیح و درست ہے اور ایسی حالت میں جبکہ ایک گروہ انسانوں کا یہ سمجھتا ہو کہ خالق خیر یزداں اور خالق شر اہرمن ہے اور اُن کا مذہب اُس ریگستان میں بھی پھیل گیا ہو جہاں اُن غلطیوں کا اصلاح کرنے والا پیدا ہوا ہو تو اِس باریک دقیقہ کو کہ تمام چیزوں کی علۃ العلل صرف ایک ہی ذات ہے بار بار بیان کرنا اور ہر دم یاد دلانا نہایت ضرور ہے ٭

مگر مجرد اِس کہنے سے جو صرف بسبب علۃ العلل ہونے کے کہا جاتا ہے فاعل کا مجبور ہونا لازم نہیں آتا ٭

ہم نے ایک شخص کو نشانہ لگانا سکھایا۔ اب وہ جس جس کو مارتا ہے ہم کہتے ہیں کہ ہم نے مارا مگر صرف اس کہنے سے یہ بات کہ قاتل کو مقتولین کے قتل پر ہم نے مجبور بھی کیا تھا۔ لازم نہیں آتی ٭

تمہید دوم۔ وہ علۃ العلل اپنے معلومات کے تمام حالات کا علم واقعی رکھتی ہے جس کو ہم تقدیر کہتے ہیں یعنی ہماری تحقیق میں علم باری ہی کا نام تقدیر ہے پس اگر وہ علۃ العلل اپنے معلول کی نسبت بسبب اپنے علم واقعی کے یہ کہے کہ ہم نے اُس کو ہدایت کی اور ہم نے اُس کو گمراہ کیا ہم نے اُس کو بہشت کے لئے پیدا کیا اور ہم نے اُس کو دوزخ کے لئے بنایا تو یہ کہنا بالکل صحیح ہے۔ اپنی طرف اُن باتوں کو نسبت کرنا تو بسبب علۃ العلل ہونے کے ہے اور نتیجوں کو بیان کرنا بسبب اپنے علم واقعی کے ہے۔ مگر اس سے اُس فاعل کا مجبور ہونا لازم نہیں آتا ٭

مثلاً فرض کرو کہ ایک نجومی ایسا بڑا کامل ہے کہ جو کچھ آیندہ کے احکام بتاتا ہے اُس میں سرمو فرق نہیں ہوتا۔ اب اُس نے ایک شخص کی نسبت بتایا کہ وہ ڈوب کر مریگا۔ اُس کا ڈوب کر مرنا تو ضرور ہے اِس لئے کہ نجومی کا علم واقعی ہے مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اُس نجومی نے اُس شخص کو ڈوبنے پر مجبور کر دیا تھا پس جو علم الٰہی میں ہے یا یوں کہو کہ جو تقدیر میں ہے وہ ہوگا تو ضرور مگر اُس کے کرنے پر خدا کی طرف سے مجبوری نہیں ہے بلکہ خدا کے علم کو اُس کے جاننے میں یا تقدیر کو اُس کے ہونے میں مجبوری ہے۔ پس کسی کی نسبت یہ کہنے سے کہ وہ دوزخی ہے یا جنتی اُس کو دوزخی و جنتی ہونے میں کچھ مجبوری نہیں ہے ٭

اِس بات سے دھوکا مت کھانا کہ خدا نے یہ کہا کہ ہم نے جنتی کیا یا دوزخی پیدا کیا کیونکہ یہ نسبت اپنی طرف صرف علۃ العلل ہونے کے سبب سے ہے اور تمہید اول میں بیان ہو چکا ہے کہ اس کو فاعل کی مجبوری لازم نہیں ہے ٭

تمہید سوم۔ ہم اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ جو افعال انسان سے سرزد ہوتے ہیں اُس کے اعضا کی ترکیب ہی ایسی ہوتی ہے جس سے اُن افعال کا اُس سے سرزد ہونا ضروری ہوتا ہے پس اُس انسان کی نسبت جو نیک بات کو نہیں مانتا اور اچھی نصیحت کو نہیں سنتا اور بدی میں پڑتا ہے

آدمیوں کے لئے نبی پیدا ہوتے ہیں تو اُن کو نبی کیا ہدایت کرینگے - وہ تو قطعی جنّت کے واسطے
پیدا ہوئے ہیں جو فعل چاہیں سو کریں اگر وہ کوئی فعل بد کرتے - ہیں اس سبب سے وہ جنّت کے
لائق نہیں رہے - دوزخ کی ان کے لئے ضرورت ہوئی اور کس امید پر اپنے نبی کی اطاعت کرینگے
کیونکہ اگر اطاعت کرینگے تو بہشت میں جاوینگے - نہ کرینگے تو دوزخ میں جاوینگے خدا نے تو ہم کو
اس واسطے پیدا ہی کیا ہے - تیسرے یہ کہ جب وہ بہشت و دوزخ کے واسطے مخصوص آدمی پیدا
کر چکا تو پھر نبی کو یہ حکم کیوں دیا کہ جو ایمان نہ لاوے اُس کو قتل کرو اور گھر بار لُوٹ لو - اِس سے خدا کا
ظلم ثابت ہوتا ہے اور جب نبی کو حکم قتل کا فران دیا گیا تو پھر نبی نے چار چار پانچ پانچ ہزار جزیہ
معین کرکے کافروں کو کیوں چھوڑا اگر بحکم خدا یہ جزیہ لے کر کافروں کو چھوڑا تو خدا لالچی ٹھہرا روپیہ
کے مقابلہ میں ایمان کو کچھ نہ سمجھا اگر نبی نے اپنی رائے سے یہ حکم دیا تو خُدا کی عدول حکمی کی اُس کی بات
کب قابل اعتبار ہوسکتی ہے ❊

اب آیات مذکورہ سے خدا کا بڑا ظلم ثابت ہوتا ہے جبکہ اُس نے خود انسان کو مخصوص واسطے
بہشت اور دوزخ کے پیدا کیا تو پھر نبی بھیج کر زبردستی قتل کروایا - گھر لٹوایا - اُن کی عورات کو فوج مسلمانان
کے ہاتھ سے بے حرمت کروایا ظلم تو اُس نے خلائق پر کروایا دوسرا ظلم اُس نے اپنے نبی پر کیا وہ
یہ ہے کہ نبی نے اُس کے حکم سے کافروں کو قتل کیا تھا - مگر اُس نے اِس خون کا بدلہ نبی سے یُوں
لیا کہ اُن کے نواسہ امام حسین علیہ السلام کو ظالم اور کافروں کے ہاتھ سے جو بجبر ایمان لائے تھے قتل
کروایا - اُن کی عترت کو دربدر شہر بشہر بے عزت و بے حرمت کروایا - پس خدا نہ اپنی خلائق کا دوست
ہے نہ اپنے دوست کا دوست ہے - میں تو یقین نہیں کرتا کہ یہ فعل خدا کے ہیں - خدا کا یہ کام نہیں کہ
ایسے ظلم کرے - خُدا تو واحد ہے اور رحیم ہے - اُس نے اگر نبی پیدا کئے ہونگے تو صرف خلائق کی
ہدایت کو نہ کہ واسطے ظلم کے ❊

سائل محمد حسن

جواب

مجھے یقین ہے کہ آپ نے یہ سوال بنظر تحقیق ایک مسئلہ کے پیش کیا ہے - جس کا حل میں سمجھتا
ہوں کہ اس طرح پر کسی نے نہیں کیا جس سے معترض کے دل کو تشفی ہو جاوے ❊

مگر قبل تحریر جواب کے دو تین باتیں بطور تمہید کے عرض کیا چاہتا ہوں ❊

تمہید اوّل - یہ بات مسلم ہے کہ خدا علۃ العلل جمیع کائنات کا ہے - پس اگر تمام حوادث و
واقعات اور افعال کو جو مخلوقات سے ہوتے ہیں خدا اپنی طرف نسبت کرے اور ہر چیز کی نسبت

ہیں اور اُن کے کرنے پر دل میں ندامت پاتے ہیں تو کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ وہ قوائے بہیمیہ بالکل کمزور ہو کر اعتدال پر آجاتے ہیں اور اُس نورانی قوت کی سلطنت سب پر ہو جاتی ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اُن قوائے بہیمیہ کا وہ زور شور نہیں رہتا۔ یہی نیچر کا مسئلہ ہے جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو بتایا ہے ؛

عن ابی ھریرۃ قال جاء ناس من اصحاب رسول اللہ صلعم الی النبی صلعم فسالوہ انا نجد فی انفسنا ما یتعاظم احدنا ان یتکلم بہ قال او قد وجدتموہ قال نعم قال ذلک صریح الایمان رواہ مسلم ؛

مگر جب وہ نورانی قوت بیکار چھوڑ دی جاتی ہے تو وہ نہایت ہی کمزور رہتی ہے اور کبھی ایسی ہو جاتی ہے کہ گویا معدوم ہے پس جس چیز پر ہم مجبور ہیں وہ باعث عذاب نہیں بلکہ ترک فعل اختیاری کا یعنی نہ کام میں لانا اُس نورانی قوت کا باعث عذاب ہے ؛

تمہید چہارم۔ میں سمجھتا ہوں اور جو شخص تقلید سے علیحدہ ہو کر غور کریگا یقینی جانیگا کہ اکثر عالموں نے قرآن مجید کی حالت کی نسبت غلط فہمی کی ہے۔ قرآن مجید کی دو حالتیں ہیں۔ ایک حالت اُس کی اُس کا قرآن یعنی وحی منزل من اللہ ہونا ہے۔ میرا عقیدہ ہے کہ قرآن مجید بلفظہ منزل من اللہ ہے جس کو میں وحی متلو کہتا ہوں۔ پس ہمارا ایمان ہے کہ ہم اُس کے ہر ہر لفظ کو منزل من اللہ سمجھیں۔ دوسری حالت اُس کی اُس کے معنی قرار دینا اور اُس سے مطلب اور مراد کا اخذ کرنا ہے۔ اس حالت میں قرآن مجید مثل ایک فصیح و بلیغ انسان کے کلام کے متصور ہوتا ہے اور جس طرح کہ ہم ایک فصیح و بلیغ انسان کے کلام کے معنی لیتے ہیں اور اُس کا مطلب و مراد ٹھہراتے ہیں اُسی طرح بلا تشبیہ قرآن مجید کے بھی معنی لینگے اور اُس کا مطلب و مراد قرار دینگے اور اس وقت کسی طرح کا تفرقہ قرآن مجید و کلام انسانی میں نہ کریں کیونکہ قرآن مجید انسان کی زبان اور اہل عرب کی بول چال میں نازل ہوا ہے پس اُس میں بلحاظ دیگر حالات کے جو کچھ بزرگی منزل من اللہ ہونے کی ہو سو ہو وہ جدا بات ہے مگر اُس کے معنی قرار دینے اور مطلب و مراد اخذ کرنے میں اُس میں اور انسان کے کلام میں کچھ فرق نہیں ہے ؛

ان تمہیدات کے بعد میں آپ سے عرض کرتا ہوں کہ ان آیات قرآنی سے جن کو آپ نے اپنے سوال میں ذکر کیا ہے اور نیز مثل اُن کے جو اور آیتیں ہیں اُن سے بھی انسان کا مجبور ہونا پایا نہیں جاتا ؛

آیت سورہ بقر کا اخیر حصہ یعنی "ولہم عذاب عظیم" تو کافروں کے حال کی پیشین گوئی ہے جس سے حسب بیان تمہید سوم اُن کا [illegible] ہونا لازم نہیں آتا اور پہلے حصے یعنی

یہ کہنا بالکل سچ ہے کہ خدا نے اُس کے دل پر مہر کر دی ہے۔ اور آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے۔ اُن کی قسمت میں سخت عذاب ہے اور اُن کو جہنّم کے لئے پیدا کیا ہے مگر اس بات سے انسان کا مجبور ہونا ثابت نہیں ہوتا ۔

اُن کی قسمت میں سخت عذاب کا یا اُن کو جہنّم کے لئے پیدا ہونا بیان کرنا تو بسبب اُسی علم باری کے ہے جس کو ہم نے تمہید دوم میں ثابت کیا ہے کہ اُس سے فاعل کی مجبوری لازم نہیں آتی مگر آنکھوں پر پردہ ہونے اور دل پر مہر ہونے کے سبب نصیحت کا نہ ماننا ممکن ہے کہ طبعی مجبوری کے سبب ہو مگر اُس سے انسان کسی عذاب کا مستحق نہیں ہوتا ہے ۔

ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ "نہ عابد کی نجات عبادت پر ہے اور نہ فاسق کی درکات اُس کے فسق پر بلکہ انسان کی نجات صرف اس پر ہے کہ جو قوٰے خدا تعالےٰ نے اُس میں رکھے ہیں اور جس قدر رکھے ہیں اُن سب کو بقدر اپنی طاقت کے کام میں لاتا رہے اگر قوائے بہیمیہ اُس پر غالب ہیں اور قوائے ملکیہ کمزور۔ تو اُن کمزور قوٰے کو بیکار نہ چھوڑے اُن کو بھی کام میں لاتا رہے کہ یہی اُن گناہوں کا علاج ہے جس کو انبیا کی زبان میں توبہ اور کفارہ کہتے ہیں اور جس کو شارع نے اُن عمدہ لفظوں میں کہ التایب من الذنب کمن لا ذنب لہ بیان فرمایا ہے ۔

گو ہماری طبیعت کیسی ہی بدی پر مجبول ہو لیکن خود ہم اپنے آپ میں دو چیزیں پاتے ہیں۔ ایک اُس کام کرنے کا ارادہ جس کو ہم کیا چاہتے ہیں۔ اور ایک وہ دلی سچائی جو ہم کو اُس کام کی بھلائی یا بُرائی بتلاتی ہے جس کو عوام الناس کبھی اس تقریر سے بیان کرتے ہیں کہ "دل پکڑا جاتا ہے" انگریزی زبان میں اس کا نام "کانشنس" ہے اور ہم اُس کو "نور قلب" کہتے ہیں اور خاص مسلمانی مذہب کے محاورہ میں "نور ایمان"، پس ہر ایک انسان کافر و مسلمان یہ دونوں قوتیں آپس میں رکھتا ہے اور ہم یقینی جانتے ہیں کہ ہم ان دونوں کو کام میں لانے پر قادر اور خود مختار ہیں ۔

اب اگر ہماری بناوٹ ایسی ہے جس میں قوائے بہیمیہ ہم پر غالب ہیں تو ضرور وہ گناہ ہم سے ہوگا پس اگر ہم نے اُس قوت کو جو اُس کی بُرائی ہم کو بتاتی ہے بیکار نہیں چھوڑا تو ہم پر کچھ گناہ نہیں ہے کیونکہ ہم نے پورا پورا اپنا فرض ادا کیا ہے اور اگر ہم نے اُس نور قلب کو بیکار چھوڑ دیا ہے تو ہم خود اپنے اختیار سے گنہگار اور مستوجب عذاب ہوئے ہیں اور چونکہ خدا اس بات کو جانتا ہے کہ کون اُس نور قلب کو کام میں لاویگا اور کون بیکار چھوڑ دیگا تو قبل وقوع اُس واقعہ کے بلا تشبیہ بمثل اُس کامل نجومی کے فرما دیتا ہے کہ ہم نے بہتوں کو جہنّم کے لئے اور بہتوں کو بہشت کے لئے پیدا کیا ہے ۔

کبھی ہم خود اپنے آپ میں پاتے ہیں کہ گو ہماری جبلت میں قوائے بہیمیہ کیسے ہی زور آور پیدا ہوئے ہوں لیکن اگر ہم اُس نورانی قوت کو کام میں لاتے ہیں اور افعال ذمیمہ کو بُرا جانتے

کتاب خطبات احمدیہ اور ڈاکٹر ہنٹر صاحب کی کتاب کے جواب میں بالتفصیل لکھا ہے آپ اُس کو ملاحظہ فرما سکتے ہیں *

اور شہادت حضرت امام حسین علیہ السلام کی نسبت جو اپنے خدا کا اپنے نبی پر ظلم کرنے کا ذکر کیا ہے یہ بات تو کوئی مسلمان کیا شیعہ اور کیا سُنّی نہیں کہتا اور کسی کا بھی یہ اعتقاد نہیں ہے کہ حضرت امام کافروں کے خون کے بدلے میں شہید ہوئے ہیں *

یہ مسئلہ جو میں نے بیان کیا کسی قدر باریک ہے اور اُس پر غور درکار ہے اور مجھے اُمید ہے کہ آپ اور نیز اور لوگ جن کی نگاہ سے میری یہ تحریر گذرے وہ قبل اس کے کہ اس پر ردّ و قدح کریں ذرا دل لگا کر غور فرما دینگے *
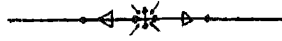
حدیث تشبّہ

خط

جناب مخدوم مکرم مولانا سید احمد خاں صاحب بہادر سی۔ایس۔آئی۔ زید مجدکم

تسلیم۔ کے بعد گذارش ہے کہ حدیث شریف من تشبہ بقوم فھو منھم کے معانی اور مراد میں لوگوں کو نہایت اختلاف ہے۔ کوئی کچھ کہتا ہے کوئی کچھ کہتا ہے۔ پس واسطے حصول اطمینان اور تنقیح مراد حدیث کے ضرور ہوا کہ اُس کا مورد تحقیق کیا جائے تاکہ مراد صحیح لفظ تشبّہ کی معلوم ہو جاوے لہٰذا بصد نیاز خدمت عالی میں گذارش ہے کہ ارشاد ہو کہ اس حدیث کا مورد کیا ہے اور لفظ تشبّہ سے کس امر میں تشبیہ مقصود ہے۔ زیادہ نیاز و تسلیم *

آپ کا خادم۔ ح

جواب

یہ حدیث ابو داؤد نے باب ماجاء فی الاقبیۃ میں نقل کی ہے اور اُس کے الفاظ یہ ہیں حدثنا عثمان بن ابی شیبۃ نا ابو النظر عبد الرحمن بن ثابت نا حسان بن عطیۃ عن ابی منیب الجرشی عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من تشبہ بقوم فھو منھم *

اوّل تو مجھ کو یہ بیان کرنا چاہئے کہ یہ حدیث ثابت نہیں ہے نہ درایتاً اور نہ روایتاً۔ روایتاً تو اس لئے ثابت نہیں کہ جو سند اس بات کی بیان ہوئی ہے اُس سے اتصال سند کا رسول خدا

"ختم اللہ علیٰ قلوبھم وعلیٰ سمعھم وعلیٰ ابصارھم غشاوۃ" اُن کی جبلت کا حال ہے مگر یہ حال بشرطیکہ دوسری قوت بیکار نہ چھوڑی جاوے باعث ورکات نہیں ❊

اب بلحاظ تمہید چہارم اس آیت پر غور فرمائیے اور اُس کو بلا تشبیہ ایک انسان فصیح وبلیغ کا کلام سمجھئے اور یوں خیال کیجئے کہ ایک ناصح شفیق کسی کو افعال ذمیمہ چھوڑنے اور اخلاق حمیدہ اختیار کرنے کی نصیحت کرتا ہے اور وہ شخص اُس کی نصیحتوں پر کان بھی نہیں دھرتا اِس حالت کو دیکھ کر ایک شخص کہتا ہے کہ بدذاتوں نااہلوں کو تم نصیحت کرو یا نہ کرو وہ کبھی نیک بات نہیں سیکھنے کے اُن کے دل پتھر کے اور اُن کی آنکھیں اندھی اور کان بہرے ہیں۔ خدا نے اُن کے دلوں پر مُہر لگا دی ہے اور اُن کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے ❊

اب جو شخص ان باتوں کو سنیگا کیا یہ سمجھیگا کہ اس شخص نے یا خدا نے اُس بدذات آدمی کے دل پر مُہر لگا کر اور اُس کی آنکھوں اور کانوں پر پردہ ڈال کر ناصح کی نصیحت نہ ماننے پر مجبور کر دیا ہے کبھی کوئی ایسا نہیں سمجھ سکتا بلکہ ہر کوئی یہی سمجھیگا کہ اس کہنے سے اُس بدذات نااہل آدمی کی نہایت بدذاتی اور نااہلی کا جتانا اور اَور لوگوں کو عبرت دلانا مقصود ہے ❊

میری سمجھ میں ایسے کلام انسانی میں کوئی شخص ان الفاظ انشائیہ سے اُن کے حقیقی معنی نہیں لے سکتا۔ پس خدا تعالےٰ کے اِس قسم کلام کو جو انسانی بول چال پر ہے زیادہ اُس کی منشاء سے بڑھانا اور اُن الفاظ کو جو بطور خطابیات کے واقع ہیں حقیقی انشائیات سمجھنا بڑی غلطی ہے ❊

خدا نے اَن پڑھ بدوؤں کے لئے اُنھی کی زبان میں قرآن اُتارا ہے۔ پس ہمیشہ قرآن مجید کے سیدھے سیدھے صاف صاف معنی لینے چاہئیں اور نکات بعد الوقوع اور کنایات واشارات و استعارات و دلالات کی قسم کو اُس میں گھسیٹ کر اُس کو کھینچنا اور تاننا نہیں چاہئے اِس قسم کے معنی قرآن مجید سے نکالنے خیالات شاعرانہ سے زیادہ کچھ رُتبہ نہیں رکھتے ❊

اب آپ سورہ اعراف کی آیتوں کو جو آپکے سوال میں مندرج ہیں لحاظ فرمائیے کہ اہتدا اور اضلال کی نسبت جو خدا نے اپنی طرف کی ہے وہ اُسی علۃ العلل ہونے کے سبب سے کی ہے کیونکہ قوت اہتدا اور اضلال دونوں اُسی نے دی ہیں مگر اس نسبت سے یہ لازم نہیں آتا کہ مہتدا اور مضل ہونے پر اُس نے مجبور کر دیا ہے ❊

اگر آپ کو میرا یہ بیان پسند ہوگا تو آپ یقین کرینگے کہ قرآن مجید سے انسان کا مجبور ہونا ثابت نہیں ہوتا تو اب نبوت پر کچھ اعتراض نہیں ہو سکتا ❊

ایمان نہ لانے پر قتل کرنے کا اور گھر بار لوٹ لینے کا شریعت میں کہیں حکم نہیں ہے چند روز ہوئے کہ جہاد کے مسئلہ پر میں بخوبی بحث کر چکا ہوں اور حقیقت جہاد کو میں نے اپنی

جیسا کہ حدیث عبداللہ مولی اسماء بنت ابی بکر میں ہے "فاخرجت الی طیالسیۃ کسروانیۃ" (صفحہ ۱۹۰۔ جلد ۲) اور یہ وہ جبہ کسروانی ہے جو بروقت وفات آپ پہنے ہوئے تھے۔

پھر جب بخاری کھولتے ہیں تو بسم اللہ کے بعد ہی یہ عبارت پڑھتے ہیں "کتاب اللباس باب قول اللہ قل من حرم زینۃ اللہ التی اخرج لعبادہ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم کلوا واشربوا والبسوا (ای ماطاب لکم) وتصدقوا فی غیر اسراف ولا مخیلۃ وقال ابن عباس کل ما شئت والبس ما شئت ما اخطائتک اثنتان سرف او مخیلۃ" پس ہم ان روایتوں سے کسی قسم کی پوشاک پہننے سے ممنوع نہیں معلوم ہوتے تو لفظ تشابہ کو مشابہت زی ولباس پر بھی حمل نہیں کر سکتے۔

چوتھے یہ کہ تمام مسلمان اور صحابہ اور خود جناب رسول خدا صلعم اور کفار عرب ایک شاہی سی لباس رکھتے تھے اور دونوں قومیں جو باعتبار مذہب کے دو تھیں بالکل ایک دوسرے کے مشابہ تھیں اور کوئی تفرقہ کفار اور اہل اسلام میں تمیز کا قائم نہیں کیا گیا تھا تو پھر من تشبہ بقوم فھو منھم کے کیا معنی۔ کیا عقل سلیم اس بات کو قبول نہیں کرتی کہ اگر جناب رسول خدا صلعم لندن میں یا جرمن و ایشیا میں پیدا ہوئے ہوتے تو اُن کا لباس ویسا ہی نہ ہوتا جیسا کہ اُن ملکوں کے لوگوں کا ہے پس تشابہ قومی سے کیا نتیجہ شرعی پیدا ہو سکتا ہے۔

پانچویں یہ کہ لفظ تشبہ اور منھم خواہ اُن کے کامل معنی مراد لو یا ناقص اور قوم کے معنی حقیقی بھی چھوڑ کر اُس کے فرضی معنی یعنی ایک مذہب کے لوگ لو تو بھی حدیث کے معنی درست نہیں ہو سکتے۔ کیا ادنے مشابہت سے مثلاً دھوتی باندھ لینے سے یا بگھی و چرٹ پر چڑھنے سے یا بالکل پوری ظاہری مشابہت کو لینے سے باوجود اقرار توحید و رسالت کے آدمی کافر ہو جاتا ہے۔ حاشا و کلا۔ پس اصل یہ ہے کہ یہ حدیث روایتاً اور درایتاً دونوں طرح پر مردود ہے۔

بااین ہمہ اگر ہم اس کو صحیح مان لیں تو ہم کو ضرور اس کا مورد تلاش کرنا ہوگا کیونکہ بغیر مورد تحقیق کئے اور مابہ التشبہ قرار دیئے اس کے معنی قائم نہیں ہو سکتے مگر چونکہ خود حدیث میں ان دونوں میں سے کوئی بھی مذکور نہیں ہے تو جو کچھ قرار دیا جاویگا وہ صرف قیاسی ہوگا جو ہر شخص اپنی سمجھ کے موافق اُس کا مورد یا مابہ التشبہ جو درحقیقت دونوں ایک ہیں قرار دیگا۔

بعض عالموں نے مشابہت سے مشابہت فی خصوصیات الدین مراد لی ہے۔ مثلاً زنار پہننا یا صلیب رکھنا یا ٹیکہ لگانا یا اعیاد کفار کو بطور عید اختیار کرنا یا اُس میں شریک ہونا۔ اگرچہ یہ رائیں کسی قدر عمدہ معلوم ہوتی ہیں مگر میں اُن کو پسند نہیں کرتا اور نہ حدیث کی یہ مراد قرار دیتا ہوں اس لئے کہ میرے نزدیک قطعیات سے یہ بات ثابت ہے کہ جو شخص لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پر

صلعم تک ثبوت نہیں ہے کیونکہ جو الفاظ روایت کے ہیں اُن سے یہ بات لازم نہیں ہے کہ حسان اور ابی منیب اور ابن عمر کے درمیان میں اور کوئی راوی نہ ہو پس جبکہ سلسلہ روات غیر ثابت ہے تو وہ حدیث فی نفسہ ثابت نہیں ہے ٭

اور درایتاً ثابت نہ ہونے کی بہت سی دلیلیں ہیں۔ایک یہ کہ راوی نے مورد حدیث بیان نہیں کیا اور لفظ تشبّہ کا جو حدیث میں واقع ہے مورد حدیث کے نہ معلوم ہونے سے کسی حکم مدلولی یا استنباطی یا قیاسی کا فائدہ نہیں دیتا۔پس مورد اِس حدیث کا تحقیقاً معلوم نہیں ہے اور نہ معلوم ہو سکتا ہے۔ہاں اگر اِس حدیث کو ثابت تسلیم کر لیا جاوے تو قیاساً اُس کا مورد قرار پا سکتا ہے جیساکہ آئیندہ بیان ہوگا ٭

دوسرے یہ کہ لفظ "قوم" جو اِس حدیث میں ہے وہ بھی کسی نتیجہ کا فائدہ نہیں دیتا کسی قوم کا ہونا یا کسی قوم کے مشابہ بننا کسی نتیجہ شرعی کو مفید نہیں ہے۔ایک انگریز نے ایرانی یا افغانی لباس پہن کر اپنے تئیں قوم ایران اور قوم پٹھان کے مشابہ کر لیا اور یہ بھی تسلیم کیا کہ لوگوں نے اُس کو ایرانی یا پٹھان سمجھا مگر پھر اُس سے نتیجہ کیا۔علیٰ ہذا القیاس ایک ہندوستانی مسلمان نے عربی یا ایرانی یا پٹھانی یا رُوسی یا انگریزی پوشاک پہن کر اپنے تئیں مشابہ اُن قوموں کے بنایا اور لوگوں نے بھی اُس کو اُسی قوم کا سمجھا تو پھر اُس سے نتیجہ شرعی کیا نکلا ٭

تیسرے یہ کہ تشابہ ایک قوم کا دوسری قوم سے بلاشبہ زیادہ تر لباس پر منحصر ہوتا ہے مگر خود رسول خدا صلعم نے یورپ کی قوم کا اور خاص رومن کیتھلک میں جو مروّج تھا وہ لباس پہنا ہے۔ مشکوٰۃ میں بخاری و مسلم سے یہ حدیث موجود ہے کہ "ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لبس جبۃ رومیۃ ضیقۃ الکمین" جبہ رومیہ بطور عبا یا چوغہ کے ایک قسم کا لباس ہے تنگ آستینوں کا جو اب بھی رومن کیتھلک کے پادری پہنتے ہیں اور خاص پادریوں کی پوشاک ہے ٭

رسول خدا صلعم کے زمانہ میں تمام یورپ اور شام میں رومی عیسائیوں کی سلطنت تھی جو پوپ کے تابع تھی اِس لئے تمام یورپ کی قوموں کو زبان عرب میں رومی کہتے تھے جیساکہ قرآن مجید میں بھی ہے "الم غلبت الروم" اور وہ سب رومن کیتھلک تھے اور جبہ رومیہ خاص اُن کی پوشاک تھی ٭

بخاری کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول خدا صلعم نے یہودیوں کی پوشاک بھی پہنی ہے جیساکہ حدیث مغیرہ میں ہے "فتوضاء وعلیہ جبۃ شامیۃ" (صفحہ ۳۸۴) اور جبہ شامیہ خاص یہود کا لباس تھا جو اب تک اُن کے ربیوں کا لباس ہے ٭

مسلم کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول خدا صلعم نے تنگ آستینوں کا بھی لباس پہنا ہے

تو علمائے اسلام نے اُن سات آسمانوں میں عرش اور کرسی کو ملا کر پورے نو کر دیئے۔ پس ہم سمجھتے ہیں کہ علمائے اسلام نے یونانی علم ہیئت کو تسلیم کیا اور اُسی کے اصول کو مذہبی کتابوں اور قرآن مجید کی تفسیروں میں دخل کر دیا۔ رفتہ رفتہ وہ مذہب کے ساتھ اور مسائل مذہبی میں ایسا مل جُل گیا کہ یونانی علم ہیئت سے انکار کرنا گویا مسائل ضروریہ مذہب سے انکار کرنا خیال میں سما گیا۔ پس جس قدر کہ ہم کو انکار ہے اُنہی مسائل علم ہیئت یونانیہ سے ہے جن کو علمائے اسلام نے مسائل مذہبی و تفسیر قرآن مجید میں شامل کیا ہے۔

یونانی حکیم آسمانوں کا ایک جسم مانتے ہیں جو نہایت مضبوط و سخت ہے اور وہ ایک مکان کو گھیرے ہوئے ہے اور وہ مثل کرہ کے گول اور اندر سے خالی ہے جیسے انڈے کا چھلکا اور دنیا کے چاروں طرف کو گھیرے ہوئے ہے اور تمام دنیا اُن کے اندر ایسی ہے جیسے کہ انڈے کے چھلکے میں اُس کے اندر کی زردی و سفیدی۔

وہ کہتے ہیں کہ بیچوں بیچ میں زمین اسی طرح پر ہے جیسے کہ انڈے میں انڈے کی زردی اُس کے اوپر پانی ہے مگر جس طرح کہ بعضی دفعہ انڈا اوبالنے میں اُس کی زردی ایک طرف کو ہو جاتی ہے اور سفیدی سے باہر نکل آتی ہے اُسی طرح زمین بھی بیچ میں سے ٹل گئی ہے اور پانی کے ایک طرف نکل آئی ہے جس کے اوپر ربع مسکون یعنی دنیا ہے[1] پھر وہ کہتے ہیں کہ پانی پر ہوا ہے اور ہوا پر کرۂ آتش ہے اور کرہ آتش پر اول آسمان ہے جس میں چاند ہے۔ پھر دوسرا آسمان ہے جس میں عطارد ہے۔ پھر تیسرا آسمان ہے جس میں زہرا ہے۔ پھر چوتھا آسمان ہے جس میں آفتاب ہے۔ پھر پانچواں آسمان ہے جس میں مریخ ہے۔ پھر چھٹا آسمان ہے جس میں مشتری ہے۔ پھر ساتواں آسمان ہے جس میں زحل ہے۔ پھر آٹھواں آسمان ہے جس میں یہ لاکھوں ثوابت جڑے ہوئے ہیں۔ پھر نواں فلک الافلاک ہے جو سب کو محیط ہے۔

وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ فلک الافلاک کے اوپر کچھ نہیں ہے۔ یعنی فلک الافلاک کے اوپر مکان کا اطلاق نہیں ہے اور اسی سبب سے وہ نہیں بتاتے کہ فلک الافلاک کی سطح محدب کس کی مماس ہے یعنی اُس کے اوپر کیا ہے مگر یہ کہتے ہیں کہ اُس کی سطح مقعر فلک نہم کی سطح محدب کی مماس ہے اور اسی طرح تمام آسمانوں کی سطح مقعر اُس کے نیچے کے آسمان کی سطح محدب سے مماس ہے اور اسی لئے وہ قائل ہیں کہ زمین سے فلک الافلاک تک کہیں خلا نہیں ہے۔

وہ اس کے بھی قائل ہیں کہ تمام آسمان مع کواکب کے جو اُن میں جڑے ہوئے ہیں زمین کے گرد پھرتے ہیں اور زمین اُن میں مثل مرکز ہے۔ کرہ میں انہی اصولوں کو علمائے اسلام نے بھی اختیار کیا ہے اور انہی اصول پر قرآن مجید کے مفسروں نے قرآن کی تفسیر کی گو کہ بعض بعض باتوں میں

---

[1] یونانیوں کو اس بات کی خبر نہ تھی کہ اس دنیا کے نیچے دوسری دنیا آباد ہے اگر اس کی خبر ہوتی تو ایسا خیال نہ کرتے۔

دل سے یقین رکھتا ہے اُس کا کوئی فعل مع یقین مذکور کے اُس کو کافر نہیں کرسکتا۔ پس اگر اُس قول پر جس پر ابو جہل کی نجات منحصر تھی اُس کو یقین ہے تو گو وہ کسی قوم کے ساتھ تشابہ کرے ولو فی خصوصیات الدین وشعایر الکفر کالزنار والصلیب والاعیاد وہ کافر نہیں ہوسکتا کیا ہم دیوالی دسہرہ میں اپنے ہندو دوستوں سے اور نوروز میں اپنے پارسی دوستوں سے اور بڑے دن میں اپنے عیسائی دوستوں سے ملکر اور معاشرت وتمدن کی خوشی حاصل کرکر کافر ہوجاوینگے نعوذ باللہ منہا۔ اگر درحقیقت ہمارا مذہب اسلام ایسا ہی بودا ہے تو بکرے کی ماں کب تک خیر منائیگی ایک نہ ایک دن اُس کو ذبح ہونا ہے ٭

حقیقت یہ ہے کہ اِس حدیث کا جس کو میں آیندہ سے قول کہونگا کیونکہ میرے نزدیک اِس کا حدیث ہونا ثابت نہیں ہے۔ کوئی صحیح مورد بجز ایک کے وہ بھی قیاساً قرار نہیں پاسکتا اور وہ مورد موت اژدہام ہے یعنی جس حالت میں موت اژدہام واقع ہو اور مختلف قوموں کے مردے گڈمڈ ہوجاویں تو حکم من تشبہ بقوم فہو منہم کا جاری ہوگا یعنی لاشوں میں جو لاش جس قوم کے مشابہ ہوگی وہ اُسی قوم کی شمار ہوگی اور اُس کی تجہیز وتکفین اُسی طرح کی جاویگی۔ درمختار میں لکھا ہے کہ مسلمانوں کی لاش پہچاننے کی چار علامتیں ہیں۔ خضاب اور سیاہ لباس اور حلق عانہ اور ختنہ۔ میں سمجھتا ہوں کہ موت اژدہام کے جس قدر احکام ہمارے ہاں کی کُتب فقہ میں مندرج ہیں وہ اِسی قول کی بنا پر ہیں پس میری دانست میں یہی مورد اِس قول کا اور یہی مراد اِس قول کی ہے وبھذا اعتقادی وعلی ھذا عملی والسّلام ٭

تفسیر السّموات

حررہ العبد المفتقر الی اللہ الصمد السّید احمد

ہم کو یہ بات معلوم نہیں ہے کہ علماء اسلام نے کوئی خاص علم ہیئت ایسا مقرر کیا ہے جس کی بنا قرآن مجید یا حدیث پر ہو جہاں تک ہم کو معلوم ہے وہ یہی ہے کہ جو علم ہیئت یونانی حکیموں نے اختیار کیا تھا وہی بعینہ بذریعہ ترجموں کے جو یونانی زبان سے عربی زبان میں ہوئے ہم مسلمانوں میں بھی پھیل گیا۔ جب قرآن مجید کی تفسیریں لکھی گئیں اور قرآن مجید کی کسی آیت میں کوئی ایسا مضمون آیا جو علم ہیئت سے علاقہ رکھتا تھا تو انہوں نے اُس کی تفسیر اُسی یونانی علم ہیئت کے اصول پر کی۔ یہاں تک کہ قرآن مجید میں سات آسمانوں کا ذکر تھا اور یونانی نو آسمان مانتے تھے

شکلِ دوم

نظام عالم۔ مطابق مشاہدہ بذریعۂ دوربین
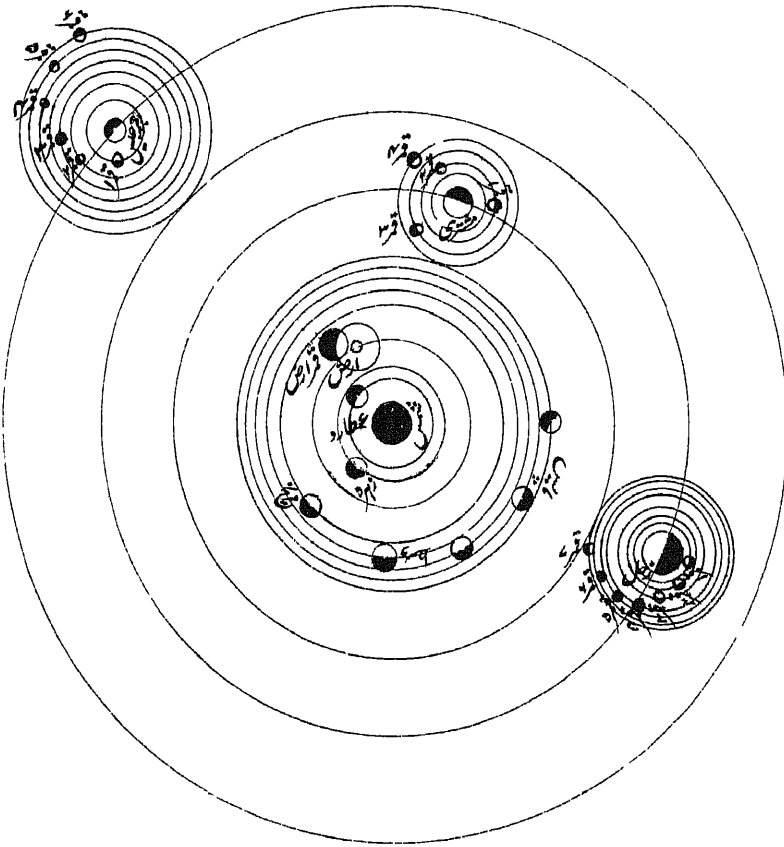
اُن کومعہ کواکب زمین کے گرد پھرنا ماننا ہے یہ بالکل غلط اور خلاف واقع ہے اور علمائے اسلام نے بڑی غلطی کی ہے جو انہی اصولوں کو اپنے مذہبی مسائل میں ملا دیا ہے اور قرآن مجید کی آیتوں کی تفسیر اُسی یونانی علم ہیئت کے مطابق کی ہے کیونکہ وہ بناء فاسد علے الفاسد ہے ✤

ہم کو مشاہدہ سے بذریعہ دُوربین کے (جو ہمارے نزدیک اور ہر ایک انسان کے نزدیک جو ذرا بھی واقفیت اور عقل رکھتا ہے دلیل قطعی ہے) برخلاف اُس کے ثابت ہوا ہے جو آسمانوں اور کواکب نظام یونانی حکیموں نے قرار دیا ہے اور جس کی تفصیل ذیل میں مندرج ہے ✤

کچھ اختلاف بھی کیا ہو مگر نظام یہی تسلیم کیا ہے۔ اس تحریر کے ساتھ جو ایک پرچہ شامل ہے اُس میں
جو شکل نمبر اوّل کی مندرج ہے اُس سے بخوبی تصویر آسمانوں اور ستاروں کی سمجھ میں آسکتی ہے
جس طرح پر کہ یونانی حکیموں نے مقرر کی ہے ٭
اب ہم یہ دعوے کرتے ہیں کہ جس طرح پر یونانی حکیموں نے آسمانوں کا مجسم ہونا تسلیم کیا ہے اور

شکلِ اوّل

نظام عالم۔ مطابق قیاس یونانیوں کے

ایک کا مقعر دوسرے کے محدّب سے مماس ہو تو مشتری اور زحل اور جو چیں کے چاند کیونکر اُن کے گرد پھر سکتے ہیں۔ اور اگر آسمانوں میں فاصلہ بھی مانا جاوے تو یہ ذوات الاذناب یعنی دُم دار ستارے کس طرح تمام آسمانوں کو توڑ پھوڑ چکنا چُور کر کر نکل جاتے ہیں *

اگر یہ بات کہی جاوے کہ ہم آسمانوں کا جسم ایسا نہیں مانتے جیسا کہ یونانی حکیموں نے مانا ہے بلکہ ہم ایسا لج لجا اور ڈھلم ڈھلا مانتے ہیں جس میں سے سب چیزیں نکل جاتی ہیں جیسے پانی یا ہوا یا اس سے بھی زیادہ جسم لطیف مگر اس کہنے پر ہم پوچھتے ہیں کہ ایسا جسم ماننے کی کیا ضرورت پیش آئی ہے۔ اُس پر ہمارے دوست کہتے ہیں کہ ضرورت یہ ہے کہ قرآن مجید سے انکار لازم نہ آوے *

ہم اُس کے جواب میں کہتے ہیں کہ حضرت اگر ایسا ہی جسم آسمانوں کا مانا جاویگا تب بھی مفسرین کی تفسیروں سے تو انکار کرنا پڑیگا کیونکہ سبعًا شدادًا کے جو معنی اُنہوں نے قرار دیئے ہیں وہ کسی طرح ایسے لج لجے ڈھلم ڈھلے جسم پر صادق نہ آوینگے اور ضرور دوسرے معنی قرار دینے پڑینگے *

پھر ہم اُن کو دوسری طرح سمجھاتے ہیں کہ قرآن مجید کے سبب سے کسی چیز کو مان لینا اور اُس کی واقعیت پر کسی دلیل کا نہ لا سکنا کچھ کام کی بات نہیں ہے۔ جاہل مسلمانوں کا یقین ہمارے یقین سے بہت زیادہ مضبوط ہے۔ اُن کو تو نہ ہمیں اس بات کے سمجھانے کی حاجت ہے کہ آسمانوں کا جسم یونانی حکیموں والا جسم ہے یا اور کسی طرح لطیف والطف لج لجا اور ڈھلم ڈھلا جہاں تک گفتگو ہے وہ لکھے پڑھے آدمیوں سے ہے اور مذہب کے سچے ہونے کی دلائل زیادہ تر اُن لوگوں سے متعلق ہیں جو اس مذہب کو نہیں مانتے تھے یا اُن لوگوں سے متعلق ہیں جو پہلے اِس مذہب کو مانتے تھے مگر کسی وجہ سے اب اُس سے پھر گئے ہیں پس اگر ان دونوں قسموں کے لوگوں کے سامنے آپ فرمائیے کہ ہم آسمان کا ایسا جسم لطیف اِس لئے مانتے ہیں کہ قرآن کا انکار لازم نہ آوے تو اُس کے دل میں یہ بات کیا اثر کریگی بلکہ مثل اُس شخص کے جس نے اُستادی شاعر کو کہا تھا کہ شعر گفتن چہ ضرور۔ نعوذ باللہ وہ بھی جواب دیگا کہ تسلیم کردنِ قرآن چہ ضرور *

علاوہ اس کے نہایت ضعف یقین کی بات ہے کہ ہم قرآن مجید کے کسی کلام کی نسبت جس میں واقعات یا حقایق موجودہ کا ذکر ہو یہ کہیں کہ اُس کے واقعی ہونے کا کچھ ثبوت ہمارے پاس نہیں ہے ایسی بات سے کیا فائدہ ہے جس کے واقعی ہونے کا دل میں تو یقین نہ ہو مگر صرف زبان سے اقرار کیا جاوے۔ ہمارا ایمان تو قرآن مجید پر ایسا مستحکم ہے کہ ہم تمام حقایق موجودہ کو اور قرآن مجید کو مطابق دل سے یقین کرتے ہیں *

چہارم۔ ہم بذریعہ دُوربین کے زہرہ کو اور اُس کے سوا اور ستاروں کو بھی دیکھتے ہیں کہ مثل چاند کے بدر و ہلال ہوتے ہیں پس اگر وہ ستارے آفتاب کے گرد پھرتے نہ ہوتے بلکہ زمین کے

اوّل۔ ان سات سیاروں کے سوا جن کو ہر کوئی دیکھتا اور جانتا ہے اور جن کے لئے
یونانیوں نے سات آسمان مثل انڈے کے چھلکے کے قرار دئیے تھے اور بھی سیّارے بذریعہ
دُوربین کے دکھائی دئیے ہیں جو اَب تعداد میں دس یا گیارہ شمار ہوئے ہیں پس یونانیوں نے
جو سات آسمان سات ستاروں کے لئے قرار دئیے تھے وہ بالکل غلط ہو گئے اور علمائے اسلام نے
جو لفظ سبع سمٰوات کی تفسیر میں وہی یونانی حکیموں کے سات آسمان سمجھے تھے یقینی اُن علمائے نے
غلطی کی تھی کیونکہ کلام الٰہی کبھی خلاف واقع نہیں ہو سکتا پس اس سے ثابت ہے کہ سبع سمٰوات
سے یہ مطلب نہیں ہے جو علمائے اسلام نے تفسیروں میں قرار دیا ہے ٭

دوم۔ مشتری کے گرد چار چاند اور زحل کے گرد سات چاند اور جرجیس کے گرد جو نیا سیارہ
دکھائی دیا ہے چھ چاند دوربین کے ذریعہ سے دکھائی دئیے ہیں اور وہ اپنے اپنے سیارہ یعنی مشتری
وزحل وجرجیس کے گرد پھرتے ہیں اور ہم اُن کی گردش کو اپنی آنکھ سے بذریعہ دُوربین کے دیکھتے
ہیں پس اگر آسمان ایسے ہی مجسم ہوتے جیسے کہ یونانی حکیم قرار دیتے ہیں اور جیسا کہ علمائے اسلام نے
غلطی سے قرار دیا ہے تو اُن چاندوں کا گرد اُن ستاروں کے پھرنا ممکن نہ تھا ٭

فرض کرو کہ ایک کوٹھڑی ہے اور غول کبوتروں کا اُس کے اوپر سے اندر گھستا ہے اور دروازہ سے
نکلتا ہے تو ہر شخص یقین کریگا کہ اُس کوٹھڑی پر چھت نہیں ہے یا کبوتروں کے گھسنے کے بقدر کھُلی
ہوئی ہے یا وہ چھت ایسی ہے کہ کبوتروں کے جانے آنے کو مانع نہیں ہو سکتی ورنہ ممکن نہیں کہ کبوتر اوپر
سے کوٹھڑی میں گھستے پس اگر ستارے آسمانوں میں جڑے ہوتے اور آسمان انڈے کے چھلکے کی طرح
ہوتے تو ممکن نہ تھا کہ اُن سیاروں کے چاند بغیر آسمانوں کے توڑے اُن سیّاروں کے گرد دَورہ کرتے ٭

سوم۔ اگلے زمانہ میں یونانی حکیموں نے دُم دار ستاروں کو یہ سمجھا تھا کہ آسمان و زمین کے
بیچ میں پیدا ہو جاتے ہیں اور پھر جاتے رہتے ہیں۔ مگر اب مشاہدہ سے بذریعہ دوربین کے ثابت ہوا ہے
کہ یہ بات غلط تھی وہ بھی بجائے خود ستارے ہیں اور بہت دور چلے جاتے ہیں اور پھر چلے آتے ہیں
اور اُن کی حرکت ایسی بڑی ہے کہ تمام کواکب اور فلک الافلاک مفروضہ حکمائے یونان سے بھی اونچے ہو جاتے
ہیں اور چونکہ دُم دار ستارے بھی متعدد ہیں اس لئے متعدد سمتوں پر حرکت کرتے ہیں پس جس طرح کا جسم
آسمانوں کا یونانی حکیموں نے قرار دیا ہے اگر ویسا ہی جسم آسمانوں کا ہوتا تو دُم دار ستاروں کا یا اس طرح
پر حرکت کرنا ناممکن ہوتا یا اُن کی حرکت سے تمام آسمان شیشہ کی طرح چکنا چور ہو جاتے ٭

دُوربین کے ذریعہ سے دکھائی دیتا ہے کہ کواکب اس طرح پر واقع ہیں جیسا کہ شکل دوم میں بنائے
گئے ہیں اور اُن کا دورہ بھی دُوربین کے ذریعہ سے اُسی طرح معلوم ہوتا ہے جس طرح کہ اُس شکل میں
دائرے کھینچے ہیں۔ پس اب خیال کرو کہ آسمان اس طرح پر مجسم ہوں جیسا کہ حکمائے یونان قرار دیا ہے اور

ہمارے مخالفوں کو اور ہم پر مسئلہ وجود آسمان پر فتوے کفر دینے والوں کو ذرا غور سے انصاف کرنا چاہئے کہ خدا کی قدرت اور عظمت اُس کو صرف اس دنیا کا جو اُن کے نزدیک مثل ایک انڈے کے محدود ہے خدا اور خالق ماننے میں ہے یا اُس کو ایسی بے انتہا مخلوق کا خالق اور خدا ماننے میں ہے جس کی انتہا مثل اُس کی قدرت کے بے انتہا ہے جیسی یہ ہماری دنیا ہے جس کے لئے یہ آفتاب ہے اور جس سے بہت سے کواکب سیارے متعلق ہیں اسی طرح اور بہت سے بے انتہا شموس ہیں جن کا نظام ہی جُدا ہے اور مثل ہماری دنیا کے بلکہ اُس سے بھی زیادہ عجیب بے انتہا نظام شمسی جس کے مجموع کو ہم دنیا کہتے ہیں موجود ہیں اور وہ اُن سب کا خالق اور سب کا ایک خدائے واحد ذوالجلال ہے جس کا نہ کوئی ند ہے اور نہ کوئی ضد۔ تعجب ہے کہ صرف ایک چڑیا کے انڈے کے برابر چیز کا خدا کو خدا اور خالق جاننا تو اسلام ہو اور اُس کو ایسا قادر مطلق اور بے انتہا مخلوق کا خالق اور اُس سب کا خدا ماننا کفر ہو فھیہات ھیہات لمثل ھذا الاسلا ومرحبا ثم مرحبا لمثل ھذا الکفر وللہ در من قال ؎

گر مسلمانی ہمیں است کہ واعظ وارد
وائے گر در پس امروز بود فردائے

ہاں بلاشبہ اب ہم کو اس بات پر غور کرنا باقی ہے کہ جس چیز کا ہم نے مشاہدہ کیا ہے اور جس کو ہم نے دلیل قطعی یعنی مشاہدہ سے واقعی بیان کیا ہے قرآن مجید یا وہ احادیث صحیحہ جو بدرجہ یقین یا قریب بدرجہ یقین یا قریب بظن غالب پہنچی ہیں اور کوئی نقص یا کوئی وجہ اُن کے انکار کی بھی نہیں ہے وہ تو اُس کی مخالف نہیں ہیں کیونکہ اگر وہ اُس کی مخالف ہوں تو دو کاموں میں سے ایک کام ضرور کرنا پڑیگا یا اُس مشاہدہ کو غلط ماننا پڑیگا یا نعوذ باللہ اسلام کو غلط تسلیم کرنا ہوگا مگر میری دانست میں نہ قرآن اور نہ کوئی حدیث صحیح اُس کے برخلاف ہے جس کا ہم مفصل بیان کرتے ہیں ؎

مگر اُس کے بیان کرنے سے پہلے چند باتیں بیان کرنی ضرور ہیں کیونکہ وُہی ہمارے اصول ہیں جن پر ہمارا بیان مبنی ہوگا ؎

اوّل۔ یہ کہ ہم اس بات کو تسلیم نہیں کرنے کے کہ ہمارا بیان اس لئے غلط ہے کہ مفسرین نے اس کے برخلاف بیان کیا ہے کیونکہ ہمارے نزدیک مفسرین نے قرآن مجید کی تفسیر اُنھی اصولوں پر کی ہے جو حکمائے یونان نے مقرر کئے تھے اور جن کی غلطی ہم کو مشاہدہ سے ثابت ہوئی ہے ؎

دوسرے۔ یہ کہ الفاظ قرآن مجید کے وُہی معنی لینگے جو اُن پڑھ اہل عرب اُن کے معنی حقیقی یا مجازی موافق اپنی بول چال کے سمجھتے تھے نہ وہ معنی کہ کسی علم کے عالموں نے بموجب اپنی اصلاح کے قرار دیئے ہیں کیونکہ خود خدا نے فرمایا ہے کہ "وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومہ"

گرد پھرتے ہوتے تو اُن کا بدر و ہلال ہو کر ہم کو دکھائی دینا غیر ممکن ہوتا۔ یونانی حکیموں کو یہ بات معلوم ہی نہیں ہوئی تھی کہ اور ستارے بھی بدر و ہلال ہوتے ہیں ❖

پنجم۔ ہم بذریعہ دُوربین کے اپنی آنکھ سے دیکھتے ہیں کہ عطارد اور زہرہ جب آفتاب کے پاس آجاتے ہیں تو کبھی تو وہ آفتاب سے اس طرح پر مل جاتے ہیں کہ آفتاب نیچے ہوتا ہے اور وہ اُس کے اوپر ہوتے ہیں اور کبھی آفتاب اوپر ہوتا ہے اور وہ اُس کے نیچے ہوتے ہیں اور یہ بات ہو نہیں سکتی جب تک کہ آفتاب ساکن نہ ہو اور تمام سیارات معہ زمین کے اُس کے گرد نہ پھرتے ہوں۔ اگر آفتاب چوتھے آسمان میں جڑا ہوا ہوتا اور وہ دونوں اُس سے نیچے ہوتے یعنی عطارد دوسرے آسمان میں اور زہرہ تیسرے آسمان میں اور وہ سب زمین کے گرد پھرتے ہوتے تو ممکن نہ تھا کہ عطارد و زہرہ کبھی آفتاب کے اور آفتاب سے جا کر ملتے یونانی حکیموں کو یہ بات معلوم ہی نہیں ہوئی تھی کیونکہ اُس زمانہ میں دُوربین ایجاد نہیں ہوئی تھی مگر اس زمانہ میں اُن کا مقررہ علم ہیئت مشاہدہ سے غلط ثابت ہوتا ہے پس اس سے زیادہ انسان کی نادانی کیا ہوگی کہ قرآن مجید کی تفسیر ایسے اصول پر کرے جن کی غلطی علانیہ ہو اور ایسے اصول پر تفسیر کرنے کو کفر سمجھے جو بالکل واقع کے مطابق ہو ❖

علاوہ اس کے اور بہت سی دلیلیں ہیں جن سے بخوبی بمنزلہ عین الیقین بلکہ حق الیقین کے ثابت ہوتا ہے کہ یونانیوں نے آسمانوں کا جیسا جسم مانا تھا اور کواکب کو اُن میں جڑا ہوا تسلیم کیا تھا اور یہ جانتے تھے کہ تمام آسمان مع کواکب کے زمین کے گرد حرکت کرتے ہیں اور زمین ساکن ہے یہ محض غلط اور خلاف واقع ہے مگر وہ دلیلیں فی الجملہ مشکل ہیں اور آلات رصدیہ کی واقفکاری اور علم طبیعات کے جاننے پر موقوف ہیں اور ہم سمجھتے ہیں کہ عام لوگ جو اُن علوم سے محض ناواقف ہیں سمجھ نہیں سکنے کے اس لیئے ہم نے اُن کو بیان نہیں کیا اور صرف چند موٹی موٹی باتیں بیان کی ہیں جو ہر سمجھدار آدمی کی سمجھ میں آسکتی ہیں خواہ وہ اُن علوم سے واقف ہو یا نہ ہو ❖

مشاہدہ سے اور تمام دلیلوں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ایک وسعت میں خواہ اُس میں کوئی جسم لطیف سیال ہو یا نہ ہو تمام کرات جو کواکب دکھائی دیتے ہیں پھیلے ہوئے ہیں یہ زمین بھی اُنھی کی مانند ایک کرہ ہے اُن کی مثال ایسی ہے جیسے کہ ہم رات کو مختلف مقامات میں بہت سے غبارے اُڑا دیتے ہیں اور وہ اوپر چلے جاتے ہیں اور معلق ٹھہرے ہوئے اور چلتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں اسی طرح یہ سب کرے کواکب کے معہ ہماری زمین کے خدا تعالےٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے ایک وسعت میں بکھیر دئیے ہیں جو اپنی اپنی جگہ میں ہیں۔ اُن سب کے بیچ میں آفتاب ہے اور وہ سب اُس کے گرد پھرتے ہیں اور نہیں معلوم کہ ایسے ایسے آفتاب اور کتنے ہیں اور کتنے ستارے اُن کے ساتھ ہیں جو اُس کے گرد پھرتے ہونگے کیونکہ خدا تعالےٰ کی قدرت اور صنعت بے انتہا ہے ❖

چوتھی۔ یہ کہ قرآن مجید اگرچہ خالق کل کائنات کا کلام ہے مگر جو کہ وہ بطریق اعجاز انسان کی زبان میں بولا گیا ہے اس لئے اُس کے معنی اور مراد لینے میں فصاحت اور بلاغت کے لحاظ سے وُہی اُمور اُس کے لوازم میں شمار کئے جاوینگے جو ایک اعلے درجہ کی زبان عرب میں معتبر ہوں نہ اور کچھ۔ پس جس طرح کہ فصیح و بلیغ انسان آپس میں بول چال کرتے ہیں اور جو طرز اُن کی بول چال کا ہوتا ہے اسی کا لحاظ قرآن مجید میں بھی ہمیشہ رکھنا چاہیئے ٭

ان اصول اربع کے سمجھنے کے بعد ہم کو یہ دیکھنا چاہیئے کہ عربی زبان میں سماء کا لفظ کن کن معنوں میں آیا ہے اور اَن پڑھ عرب کس چیز کو اس اسم کا مسمی سمجھتے تھے ٭

قاموس میں جو لغت زبان عرب کی کتاب ہے صرف اتنا لکھا ہے کہ "السماء معروف" یعنی آسمان وہ ہے جس کو سب جانتے ہیں۔ پس اب ہم پوچھتے ہیں کہ وہ کیا چیز ہے جس کو سب آسمان جانتے تھے یا جانتے ہیں بجز اس نیلی یا سبز چیز کے جو ہم کو دکھلائی دیتی ہے اور کسی چیز کو کوئی شخص (بشرطیکہ وہ مولوی نہ ہو) نہ آسمان جانتا تھا اور نہ آسمان جانتا ہے یہی نیلی یا سبز چیز جو ہم کو دکھائی دیتی ہے سماء کا مسمی سمجھا جاتا ہے ٭

اس مقام پر میں نے شرط مذکور بے فائدہ لگائی کیونکہ اگلے بزرگوں اور عالموں کے نزدیک بھی سماء کا مسمی یہی نیلی یا سبز چیز تھی ٭

ایک بزرگ نے ابی حاتم کی روایت بسند قاسم ابن بزہ ہمارے سامنے پیش کی ہے کہ "قال لیست السماء مربعۃ الکنہا مقبوبۃ یراھا الناس خضراء" یعنی آسمان مربع نہیں ہے مگر قبہ بنایا گیا ہے دیکھتے ہیں اُس کو لوگ سبز ٭

پھر دوسری روایت ثعلبی کی بسند ضحاک پیش کی ہے تفسیر کوہ قاف میں "انہ جبل محیط بالارض من زمرد خضراء خضرۃ السماء منہ" یعنی قاف پہاڑ ہے محیط ساتھ زمین کے زمرد سبز سے سبزی آسمان کی اُسی سے ہے ٭

پھر تیسری روایت ابوالجوازی کی بسند عباس پیش کی ہے کہ "قال ابن عباس قاف جبل من زمردۃ خضراء محیط بالعالم فخضرۃ السماء منہا" یعنی قاف ایک پہاڑ ہے زمرد سبز کا محیط ہے ساتھ عالم کے پس سبزی آسمان کی اُس سے ہے ٭

اگرچہ ہم ان روایتوں کو نہیں مانتے اور ضعیف بلکہ موضوع سمجھتے ہیں مگر اتنی بات ان سے ضرور پائی جاتی ہے کہ اگلے زمانہ کے لوگ لفظ سماء کا مسمی اسی چیز کو جو نیلی نیلی یا سبز سبز دکھائی دیتی ہے سمجھتے تھے ٭

خدا تعالے نے بھی آسمان کے ہم کو یہی معنی بتائے ہیں بلکہ اس طرح بتاتا ہے کہ یہ آسمان ہے اس کو دیکھو ٭

تیسرے۔ یہ کہ قرآن مجید بلسان قوم عرب نازل ہوا ہے زبان اہل عرب بلکہ تمام دنیا کی قوموں کی زبان اُنہی الفاظ پر محدود ہے جن سے وہ اپنے مافی الضمیر کو تعبیر کرتے ہیں اور انسان کے خیال میں یا دل میں بھی وہی چیزیں آسکتی ہیں جن کو وہ حواس خمسہ ظاہری و باطنی سے جان سکتا ہے پس جس چیز کو یا اُس کی مثل کو ہم نے نہ کبھی دیکھا ہو نہ چھوا ہو نہ چکھا ہو نہ سونگھا ہو اور نہ ہمارے کان کی قوت سامع نے اُس کا حس کیا اور نہ ہمارے خیال میں آئی ہو اُس کا بیان کسی زبان کے الفاظ سے نہیں ہو سکتا اُس کے بیان سے انسان جبکہ وہ کسی قوم کی زبان میں تکلم کرے یقیناً عاجز ہے اور خداوند پاک بھی ایسے لفظ کو استعمال نہیں فرما سکتا جس کے سمجھنے سے وہی قوم عاجز ہو جس کے سمجھانے کے لئے وہ لفظ بولا گیا ہو خدا کی ماہیت ذات ہم کسی لفظ سے بیان نہیں کر سکتے اور نہ خدا ہم کو اپنی ماہیت ذات عربی زبان کے یا اور کسی زبان کے لفظوں میں بتا سکتا ہے کیونکہ کسی زبان میں کوئی لفظ اُس کی اصلیت پر مطلع کرنے کے لئے نہیں ہے۔

اسی طرح جتنی چیزیں ایسی ہیں کہ وہ نہ ہمارے دل میں آسکتی ہیں نہ ہمارے خیال میں اُن کی تعبیر کے لئے کوئی لفظ کسی زبان میں نہیں ہوتا اور جبکہ کوئی شخص اور وہ بھی جو اُن چیزوں کو جانتا ہے کسی قوم کی زبان میں اُن کو نہیں بیان کر سکتا تو ایسا طرز کلام کام میں لاتا ہے جس سے نتیجہ وہی حاصل ہو جاوے جو اُس وقت حاصل ہوتا اگر اُس مطلب کی تعبیر کے لئے کوئی لفظ کسی قوم کی زبان میں ہوتا۔

اس کی مثال یہ سمجھو کہ قرآن مجید میں خدا کی نسبت ہاتھ کا۔ پانوں کا۔ مُنہ کا لفظ آیا ہے یہ تینوں لفظ انسان کی زبان میں ایک خاص شے کی تعبیر کرنے کے لئے ہیں مگر چونکہ خدا کی ذات ہمارے ادراک سے خارج ہے تو ہرگز ان لفظوں کے وہ معنی ہم نہیں لے سکتے جو ید اور ساق اور وجہ کے لیتے ہیں بلکہ ان لفظوں کے مفہوم سے ہم ناواقف ہیں البتہ ان لفظوں سے وہ نتیجہ حاصل کرتے ہیں جو اُس وقت حاصل ہوتا اگر خدا کی ذات کی تعبیر کے لئے کوئی لفظ ہوتے۔

پس جو لوگ یہ بات کہتے ہیں کہ ہم قرآن مجید کے الفاظ سے ہر مقام پر وہی معنی لینگے اور وہی حقیقت سمجھینگے جو عرب کی زبان میں اُن کے لئے معنی ہیں یہ اُن کی محض غلطی ہے بلکہ الفاظ مستعملہ قرآن مجید کے محل کو دیکھنا چاہیئے کہ اگر وہ محل ایسا ہے جو ہمارے ادراک کے محدود احاطہ میں داخل ہے تو بلاشبہ اُس کے ہم وہی معنی لینگے جو زبان عرب میں حقیقتاً یا مجازاً موافق محاورہ زبان عرب کے اُس کے لئے ہیں اور اگر وہ محل ایسا ہے جو ہمارے ادراک سے باہر ہے تو ہم اس لفظ کے حقیقتاً وہ معنی نہیں سمجھنے کے جو انسان کی زبان میں ہیں بلکہ ہم اُس سے صرف اُس نتیجہ کو حاصل کرینگے جو نتیجہ ہم کو اُس وقت حاصل ہوتا اگر اُس حقیقت کی تعبیر کے لئے کوئی لفظ ہوتا۔ ھذا ما الھمنی ربی والحمد للہ علیٰ ذلک وصلی اللہ علیٰ حبیبہ محمد وآلہ اجمعین۔

اور اسی کی نسبت قرآن میں وارد ہوا ہے اءنتم اشد خلقا ام السماء بناها رفع سمکها والسماء بنیناها باید۔ وہ یہی آسمان ہے جس کی نسبت فرمایا ہے ولقد جعلنا فی السماء بروجا وزینّاها للناظرین + وحفظناها من کل شیطان رجیم + انا زیّنا السماء الدنیا بزینة ن الکواکب وحفظا من کل شیطان مارد لا یسمعون الی الملاء الاعلیٰ + ومن آیاته ان تقوم السماء والارض بامرہ + کیا یہ مجملہ اُن کئی کے ہے جس کی نسبت قرآن میں ہے یوم نطوی السماء کطی السجل للکتب + کیا اسی کی نسبت ہے یمسك السماء ان تقع علی الارض + ویوم تشقق السماء بالغمام + یوم تمور السماء مورا + یوم تاتی السماء بدخان مبین + اسی کی نسبت فرمایا ہے۔ تبارك الذی جعل فی السماء بروجا وجعل فیها سراجا وقمرا منیرا یہی ہے جس کی نسبت قرآن میں ہے۔ وانشقت السماء فهی یومئذ واهیة والملك علی ارجائها یوم تکون السماء کالمهل + یوما یجعل الولدان شیبا السماء منفطر به + اذا السماء فرجت وفتحت السماء فکانت ابوابا + اذا السماء کشطت + اذا السماء انفطرت + اذا السماء انشقت والسماء ذات البروج + والسماء ذات الرجع +"

مگر ہم ادب سے کہتے ہیں کہ حضرت خفا ہونے کی کوئی بات نہیں ہے فرمایا تو اسی کی نسبت ہے کیونکہ یہ سب باتیں بقول آپ کے سما کی نسبت ہیں اور اسی نیلی نیلی سبز سبز چیز کو اہل عرب سما جانتے تھے پھر بھلا ہم پر خفگی کیا ہے اگر خفا ہونا ہے تو خدا پر خفا ہوجیئے کہ اُس نے اس نیلی چھت چنبری اوهن من بیت العنکبوت پر کیوں ان صفتوں کا اطلاق کیا جو اُس پر صادق نہیں آتیں یا اُسی چیز کو ایسا مانئے جس پر یہ صفتیں صادق آجاویں یا ہمارے ساتھ ہوجیئے اور ایسے معنی اختیار کیجیئے کہ خدا پر سے نعوذ باللہ کذب کا الزام اُٹھے ؎

یا وفا یا خبر وصل تو یا مرگ رقیب
بازی چرخ ازیں یک دو سہ کارے بکند

ایک ہمارے شفیق نے نہایت خوشی سے ہم کو الزام دیا ہے کہ تم کہتے ہو کہ "لا وجود السماء جسمانیا" اور اگر یہی سقف چنبری مصداق آیات ہو تو اُس کا ہی تو جسم ہے پھر خود تمہارے قرار سے تمہارا قول غلط ثابت ہوگیا +

بلا شبہ یہ الزام ہم پر بہت بڑا الزام ہے جس کو ہم بھی تسلیم کرتے ہیں مگر جناب آسمانوں کی ایسی جسمانیت ماننے میں ہم کو کچھ عذر نہیں ہم تو اُس جسمانیت کے منکر ہیں جس کو حکمائے یونان نے قرار دیا ہے اور جس کی تقلید علمائے اسلام نے کی ہے گو کہ بسبب کسی خاص وجہ کے اُن کی ایک آدھ بات سے اختلاف بھی کیا ہو +

سورہ ھل اتاک میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے "افلا ینظرون الی الابل کیف خلقت والی السماء کیف رفعت" یعنی پھر کیوں نہیں دیکھتے اونٹ کو کہ کیسا بنایا گیا ہے اور آسمان کو کہ کس طرح اونچا کیا گیا ہے" پس خدا اسی چیز کے دیکھنے کو جو اونچی اور نیلی ہم کو دکھائی دیتی ہے فرماتا ہے اور اسی کا نام سماء لیتا ہے ۞

پھر سورہ نحل آیت ۸۱ میں فرمایا ہے "الم یروا الی الطیر مسخرات فی جو السماء یعنی کیا نہیں دیکھتے اوڑانے والے جانوروں کو کہ فرمانبردار کئے گئے ہیں آسمان کی وسعت میں" پس ہم اسی نیلی نیلی چیز کی وسعت میں پرندوں کو اُڑتا ہوا دیکھتے ہیں جس کا نام ہم کو خدا نے سماء بتایا ہے ۞

پھر سورہ روم آیت ۴۷ میں فرمایا ہے "اللہ الذی یرسل الریاح فتثیر سحابا فیبسطہ فی السماء یعنی اللہ وہ ہے جو چلاتا ہے ہواؤں کو پھر اُٹھاتی ہیں بادلوں کو پھر پھیلاتا ہے اُس کو آسمان میں" پس ہم دیکھتے ہیں کہ اسی نیلی نیلی چیز میں ہوا چلتی ہے اور اس میں بادل اُٹھتے ہیں اور اسی میں پھیلتے ہیں اور اسی نیلی نیلی چیز کا نام خدا نے ہم کو سماء بتلایا ہے ۞

پھر سورہ سبا آیت ۹ میں فرمایا ہے "افلم یروا الی ما بین ایدیھم وما خلفھم من السماء والارض ان نشاء نخسف بھم الارض او نسقط علیھم کسفا من السماء" یعنی کیا اُنہوں نے اُس چیز کو نہیں دیکھا جو اُن کے آگے ہے اور جو اُن کے پیچھے ہے آسمان اور زمین سے اگر ہم چاہیں تو اُن کو زمین میں دھنسا دیویں یا اُن پر آسمان سے ٹکڑا ڈال دیں" پس ہمارے چاروں طرف یہی نیلی چیز ہے جو ہم کو دکھلائی دیتی ہے اور جس طرح کہ ہم کو زمین میں دھنس جانے کا خیال آتا ہے اسی طرح اس نیلی نیلی چیز کے اوپر سے ٹوٹ پڑنے کا خیال ہوتا ہے اور اسی نیلی چیز کا نام خدا نے سماء بتایا ہے ۞

پھر سورہ ق آیت ۶ میں فرماتا ہے "افلم ینظروا الی السماء فوقھم" یعنی کیا نہیں دیکھا اُنہوں نے آسمان کو اپنے اوپر" پس یہی نیلی چیز ہم کو اوپر چھائی دیتی ہے اور اسی کا نام خدا تعالےٰ نے ہم کو سماء بتلایا ہے ۞

پھر سورہ حج آیت ۶۴ میں فرمایا ہے "ویمسک السماء ان تقع علی الارض یعنی تھام رکھتا ہے آسمان کو زمین پر گرنے سے" پس وہ کیا چیز ہے جو ہم کو زمین پر گرنے سے تھام رکھی ہوئی معلوم ہوتی ہے یہی نیلی نیلی چیز ہے جس کا نام خدا نے ہم کو آسمان بتلایا ہے ۞

پس لفظ سماء جو قرآن مجید میں آیا ہے وہ تو اُسی چیز پر بولا گیا ہے جس کو اہل عرب سماء سمجھتے تھے ہمارے شفیق جب چاہتے ہیں کہ سماء کے معنی کچھ اور بدل دیں تو وہ نہایت خفگی سے فرماتے ہیں کہ "یہ نیلی چھت چیزی اوھن من بیت العنکبوت مثل ہوا و دخان کے کیا سماء منصوصہ قرآن یہی ہے

ہم کو کچھ انکار نہیں کہ وہ شمس و قمر و نجوم کے مغایر ہیں مگر اتنا کہتے ہیں کہ اُن پر بھی بوجہ اُن کے مرتفع ہونے کے اطلاق ہو سکتا ہے مگر یہ جو مولوی صاحب نے فرمایا کہ شمس و قمر و نجوم اُن میں ہیں یہ گول گول بات ہے اگر اس سے یہ مراد ہے کہ شمس و قمر و نجوم اُن میں اس طرح ہیں جیسے پانی میں مچھلی یا ہوا میں کبوتر تو تو ہم بدل تسلیم کرتے ہیں اور اگر اُن کے اُن میں ہونے سے اس طرح کا ہونا مراد ہے جیسے تختہ میں کیل یا انگوٹھی میں نگینہ تو ہم اُس کو تسلیم نہیں کرتے کیونکہ ہمارے نزدیک خدا کے کلام کا یہ مطلب نہیں ہے۔ پھر جناب ممدوح ارقام فرماتے ہیں کہ وہ قابل انشقاق و انفطار کے ہیں۔ ان لفظوں میں جو مولوی صاحب نے فرمائے ہیں قرآن مجید کی بخوبی مطابقت نہیں ہوتی۔ اگر یوں فرماتے کہ اُن پر انشقاق اور انفطار کا اطلاق ہوتا ہے یا ہو سکتا ہے تو بالکل صاف ہو جاتا۔ مگر خیر بلحاظ ادب جناب مولوی صاحب کے ہم اسی کو تسلیم کر لینگے ٭

اب ہم کو یقین ہے کہ جناب مولوی صاحب ہم سے خوش ہو جاوینگے اور اب ہم کو اور ہمارے مسلمان دوستوں کو بیفائدہ ملحد و مرتد و منکر قرآن اور بیدین نہ فرماوینگے کیونکہ ہمارا اس میں کچھ نقصان نہیں اور مفت میں جناب مولوی صاحب کی زبان گندی ہوتی مگر ایک جگہ مولوی صاحب نے ہم لوگوں کی بات کو مجذوبانہ بڑ لکھا ہے۔ پس اُن کا ہم نہایت شکر کرتے ہیں کہ اُنھوں نے ہم کو تکلیفات شرعیہ سے بری کیا ہے مگر پھر نہ معلوم کہ کیوں ملحد و مرتد و بیدین قرار دیتے ہیں مگر باتیں تو مولوی صاحب کی بھی ایسی ہیں کہ ایک دوسری سے مناسبت نہیں۔ خدا رحم کرے ٭

اب یہ بات بخوبی ظاہر ہو گئی کہ قرآن مجید میں سماء کے لفظ کا اطلاق یعنی آسمان اسی نیلی چنبری چھت پر آیا ہے خواہ وہ اوھن من بیت العنکبوت ہو۔ خواہ اشد من سقف الحدید ٭

دوسرے معنوں میں سماء کا اطلاق قرآن مجید میں بادلوں پر آیا ہے۔ بیسیوں جگہ قرآن مجید میں خدا نے فرمایا ہے کہ انزل من السماء ماء۔ یعنی اتارا آسمان سے یعنی بادلوں سے پانی۔ اور کچھ شک نہیں کہ بادل سے مینہ برستا ہے اور اس جگہ سماء کا لفظ بادل یعنی ابر پر بولا گیا ہے مگر ہمارے شفیق فرماتے ہیں کہ ہم قرآن کے معنی بدل دینگے اور کہینگے کہ اس سے من جانب السماء مراد ہے۔ مگر میں نہیں سمجھتا کہ سورہ ھود کی ۵۲۔ آیت کی کیا فرماوینگے جہاں خدا نے فرمایا ہے یرسل السماء علیکم مدرارا یعنی بھیج دیگا آسمان کو یعنی ابر کو تم پر برسنے والا۔ پھر ۴۴۔ آیت میں فرمایا ہے قیل یا ارض ابلعی ماءک و یا سماء اقلعی یعنی اور کہا گیا اے زمین نگل جا اپنا پانی اور اے آسمان یعنی ابر تھم جا۔ تفسیر کبیر میں لکھا ہے اقلعت السماء بعد ما مطرت اذا امسکت یعنی عرب کے محاورہ میں کہا جاتا ہے اقلعت السماء جبکہ برس کر تھم جاتا ہے۔ پس اب کون شخص اس بات پر شبہ کر سکتا ہے کہ قرآن مجید میں سماء کے لفظ کا ابر و بادل پر بھی اطلاق ہوا ہے ٭

جناب مولوی محمد علی صاحب نے اپنے رسالہ میں جو ہم گمراہوں کی ہدایت کے لئے لکھا ہے ارقام فرمایا ہے کہ "ہمارا اعتقاد نسبت آسمانوں کے یہ ہے کہ وہ ایسی چیزیں ہیں کہ خدا نے اُن کو بنایا ہے اور ہمارے اوپر ہیں اور خلقت اُن کی ہماری خلقت سے محکم تر اور شدید اور بے ستون محض قدرت کاملہ سے مرفوع ہیں اور شمس و قمر و نجوم کے مغایر ہیں اور شمس و قمر و نجوم اُن میں ہیں اور قابل انشقاق اور انفطار ہیں۔ پھر وہ لکھتے ہیں کہ ہم اس اعتقاد کے منکر کو منکر آیات قرآن سمجھتے ہیں"۔

کسی کو منکر آیات کہہ دینا تو بہت آسان بات ہے۔ ہر شخص ایک آیت کے کوئی معنی اپنے نزدیک ٹھہرا کر دوسرے کو کہہ سکتا ہے کہ اس معنی کے نہ ماننے والے کو ہم منکر آیت قرآن سمجھتے ہیں جیسے مثلاً مفسرین کے دو فرقوں میں سے ایک اس بات کا قایل ہے کہ آسمان سقف مسطح ہے اور اُس کے ستون کوہ قاف پر رکھے ہوئے ہیں اور دوسرا اس بات کا قائل ہے کہ آسمان مثل مرغی کے انڈے کے گول ہے پس اس صورت میں جو فرقہ اس کے مسطح ہونے کا قائل ہے وہ کہہ سکتا ہے کہ جو شخص آسمان کو مثل انڈے کے اعتقاد کرے وہ منکر قرآن ہے اور جو اُس کو انڈے کے مثل کہتے ہیں وہ کہہ سکتے ہیں کہ جو شخص آسمان کو مسطح کہے وہ منکر قرآن ہے حالانکہ یہ دونوں مخالف فرقے اب تک مسلمان مفسروں میں شمار ہوتے ہیں اور اُن کے مذاہب بطور تحقیق و اختلاف آرا بڑی بڑی تفسیروں میں نقل کئے جاتے ہیں۔ پس مولوی محمد علی صاحب کے قواعد کے موافق ان میں سے بھی ایک تو ضرور منکر قرآن ہوگا مگر اس سے کسی کا کچھ فائدہ نہیں بلکہ اپنا ہی کچھ نقصان ہے +

مگر جو کچھ مولوی صاحب نے فرمایا اگرچہ وہ کسی قدر ترمیم کے قابل ہے مگر ہم کو اُس سے انکار بھی نہیں بیشک آسمان ایسی چیزیں ہیں کہ خدا نے اُن کو بنایا ہے۔ اُن پر کیا موقوف ہے تمام چیزوں کا یہاں تک کہ جناب مولوی صاحب کا بھی بنانے والا خدا ہی ہے دوسرا کوئی نہیں بے شک وہ ہمارے اوپر ہیں مگر یہاں ذرا غلطی ہے کیونکہ وہ ہمارے پاؤں تلے بھی ہیں بے شک وہ ہماری خلقت سے محکم تر اور شدید ہیں لیکن اگر لفظ محکم اور شدید سے یہ سمجھا جاوے کہ جیسے کچی مٹی کی دیوار اور ایک ریختہ کی یا اڑ دھات کی دیوار یا جیسے ایک مٹی پڑی ہوئی چھت اور ریختہ کی ڈاٹ لگی ہوئی تو اس سے ہم کو معاف رکھیں کیونکہ ہمارے نزدیک قرآن مجید کے اُن لفظوں کا یہ مطلب نہیں ہے۔ بیشک وہ بے ستون محض قدرت کاملہ سے مرفوع ہیں یہاں صرف اتنی بات ہے کہ جناب مولوی صاحب کو یہ نہیں معلوم ہوا کہ وہ قدرت کاملہ کس ذریعہ سے ظاہر ہوئی ہے مگر ہم کو معلوم ہو گیا ہے کہ عالم اسباب میں وہ قدرت اُس قوت کے ذریعہ سے ظاہر ہوئی ہے جس کو ہم جذب کہتے ہیں۔ اور مولوی صاحب کے کلام میں شاید لفظ "مرفوع ہیں" کی جگہ یوں ہونا چاہئے کہ ہر ایک کی نسبت مرفوع دکھائی دیتے ہیں۔ اس سے بھی

ہم علمائے اسلام کی اُن لغو باتوں سے انکار کرتے ہیں جن میں اُنہوں نے یونانیوں کی تقلید سے اور موضوع روایتیں سُن کر آسمان کو ایسا جسم مانا ہے جو ہم میں اور اوپر کی مخلوق میں آڑ ہے اور لوہے سے بھی زیادہ سخت ہے۔ دیکھو تفسیر کبیر میں یوم تشقق السماء بالغمام کی تفسیر میں کیا لغو روایتیں لکھی ہیں ایک روایت لکھی ہے کہ انبیاء کے وقت میں کونے کتروں میں سے فرشتے نازل ہوا کرتے تھے آسمان بدستور جوڑے رہتے تھے مگر جب آسمان پھٹ جاوینگے تو زمین میں اور فرشتوں میں کوئی حائل نہیں رہنے کا پس فرشتے زمین پر اُتر آوینگے۔

دوسرا قول لکھا ہے کہ آسمان کے اوپر تو فرشتے رہتے ہیں مگر جب وہ پھٹ جاویگا تو خواہ نخواہ اُن کو نیچے اُترنا پڑیگا بقول شخصے کہ جب اڈا ہی نہ رہیگا تو بیٹھینگے کاہے پر۔ پھر حضرت ابن عباس کی طرف روایت کو منسوب کیا ہے اور ساتوں آسمانوں کا پھٹنا اور وہاں کے فرشتوں کا زمین پر آنا بیان کیا ہے۔ پھر اس فکر میں پڑے ہیں کہ زمین پر سب وہ سمائینگے کیونکر۔ پھر اُس کے لئے ایک روایت گھڑی ہے۔

پھر حضرت مقاتل کی نسبت ایک روایت گھڑی ہے اور اُس میں تو قیامت ہی کردی ہے اُس میں لکھا ہے کہ اوّل دنیا کا آسمان پھٹیگا اور اُس آسمان پر جو رہتے ہیں وہ اُترینگے اور وہ تمام دنیا کے سکّان سے زیادہ ہونگے پھر اسی طرح ایک ایک آسمان پھٹتا جاویگا اخیر کو کروبی اور فرشتگان حملۃ العرش اُترینگے اور پھر سب سے اخیر خدا تعالے ربّ العرش العظیم اُترینگے کیونکہ وہ تو سب سے اوپر تھے جب سب آسمان پھٹ لئے تب جناب باری کو اُترنے کا رستہ ملا نعوذ باللہ من ھذہ الاباطیل۔ اگر درحقیقت مذہب اسلام یہی ہو تو اُس سے دیو اور پری کے قصّے ہزار درجہ بہتر ہیں۔ جناب مولوی صاحب قبلہ آپ جو ان لغویات کی تائید کرتے ہیں یہ اسلام کی خیر خواہی نہیں بلکہ کمال بدخواہی ہے اور جھوٹی باتوں سے اسلام کا بدنام کرنا ہے اور اُس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جوں جوں ترقی حکمت شہودیہ اور علوم یقینیہ کی ہوگی لوگ اسلام سے پھرتے جاوینگے اور اسلام کو آپ لوگوں کی بدولت لغو سمجھینگے اور اُس سب کا گناہ مولوی صاحبوں کی گردن پر ہوگا۔ اسلام کی دوستی یہ ہے کہ نہ ضحاک کی رعایت کیجئے نہ مقاتل کی صرف اسلام پر عاشق رہئے اور جس قدر غلط روایتیں اور غلط رائیں اسلام میں مل گئی ہیں جو درحقیقت اسلام کی نہیں ہیں اُن کو اس طرح نکال ڈالئے جیسے کہ دودھ میں سے مکھی اور اسلام کی روشنی دہریہ و لامذہب و حکیم پیرو حکمت قدیم و پیرو حکمت جدید سب کو ایسی طرح پر سکھائیے کہ سب دنگ ہوجاویں۔ قلم ہاتھ میں لیکر بے سُود باتوں سے کاغذ کو سیاہ کردینا اور تفسیر القول بما لا یرضی قایلہ کرکے لوگوں کو کافر و ملحد و مرتد کہنا کچھ دینداری کی بات نہیں ہے البتہ جاہلوں میں بیٹھ کر شیخی کرنے کو اور بڑے پکّے دیندار کہلانے کو تو بہت عمدہ ہے ہم کیوں پیروی کریں اُن علما کے قول کی جن کا قول خلاف واقع ثابت ہوا ہے اور کیوں پیروی کریں اُس تفسیر کی جس سے تمام قرآن نعوذ باللہ غلط اور خلاف واقع

تیسرے جس چیز میں کواکب پھرتے ہیں اُس پر لفظ فلک کا بھی اطلاق آیا ہے۔ سورہ انبیا آیت ۳۴ میں خدا فرماتا ہے "وھو الذی خلق اللیل والنہار والشمس والقمر کل فی فلک یسبحون یعنی اور وہ ہے جس نے پیدا کیا رات کو اور دن کو اور سورج کو اور چاند کو ہر ایک بیچ آسمان کے تیرتے ہیں"۔

پھر سورہ یٰس آیت ۴۰ میں فرمایا "لا الشمس ینبغی لھا ان تدرک القمر ولا الیل سابق النہار وکل فی فلک یسبحون یعنی سورج کے لیئے لائق نہیں ہے کہ چاند کو پکڑ لے اور نہ رات پہلے ہو سکتی ہے دن سے اور سب ستارے آسمان میں چلتے ہیں"۔ اُور اہل علم تو آسمان کی جگہ فلک ہی کا لفظ بولتے ہیں جیسے فلک قمر وغیرہ اور فلک کسی ایسے مجسم کو نہیں کہتے جیسے یونانیوں کا آسمان۔

چوتھے سموات کی جگہ طرایق کا لفظ بھی خدا تعالےٰ نے فرمایا ہے۔ پس ان دونوں لفظوں سے ہمارا یہ مطلب نہیں کہ سماء اور فلک اور سموات اور طریق مرادف ہیں بلکہ صرف استدلال اس قدر کہ سماء و سموات کی جگہ ان لفظوں کے بولنے سے پایا جاتا ہے کہ آسمان کا ایسا جسم جیسا کہ یونانیوں اور اُن کی تقلید سے علماء اسلام نے تسلیم کیا ہے ویسا جسم اُن کا نہیں ہے۔

جناب مولوی محمد علی صاحب نے یا تو ہمارا مطلب نہیں سمجھا یا ہمارا بیان ایسا ناقص ہے کہ علماء کی سمجھ میں نہیں آتا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ستارے حرکت کرنے والے اجسام ہیں۔ پس ضرور ہے کہ مدار اُن کا طویل و عریض و عمیق ہو۔

جب یہ امر ممہد ہو چکا تو بعد مدار حرکت سیارگان اُن لوگوں کی رائے پر جن کے نزدیک خلا محال ہے بلاشک و شبہ جسم ہی ہوگا خواہ جسم لطیف مثل پانی و ہوا کے ہو خواہ کثیف شفاف ایسا مانع سیر ہو اور جو لوگ خلا کے امکان کے قایل ہیں اُن کے نزدیک ممکن ہے کہ بُعد مجرد ہو یا بُعد مجسم۔

خدا مولوی صاحب کا بھلا کرے ہم تو اسی مدار کو جس کا ابھی ذکر کیا سماء و سبع سموات مانتے ہیں اور صرف یونانی حکیموں کے آسمان مجسم سے انکار کرتے ہیں نہ ایسے مدار سے جس کا جناب مولوی صاحب نے ذکر کیا اور اس بات کا کچھ خیال بھی نہیں کرتے کہ خلا خال ہے یا ممکن کیونکہ اُس کے محال یا ممکن ہونے پر اب تک کوئی دلیل قطعی معلوم نہیں ہوئی ہے بلکہ بحالت امکان خلا بھی ہم اُس مدار کو مخلوق بلکہ ذی العباد ثلثہ تسلیم کرینگے صرف ہم میں اور جناب مولوی صاحب میں اتنا فرق ہے کہ شاید جناب ممدوح خلا کو غیر مخلوق مانتے ہیں اگر وہ ممکن ہو مگر ہم خلا کو بھی مخلوق مانتے ہیں اور خدا کو سب چیز کا یہاں تک کہ خلا کا بھی خالق جانتے ہیں۔

تعجب ہے کہ ہم برابر اور اپنی ہر ایک تحریر کے شروع میں کہتے آتے ہیں کہ ہم اُس جسمانیت آسمانوں کے منکر ہیں جو یونانی حکیموں نے تسلیم کی ہے اور جس کو علمائے اسلام نے یونانیوں کی تقلید کر کر بہ تبدیل قلیل تسلیم کیا ہے اور جزو مذہب قرار دیا ہے۔

اِس بات کے بیان کرنے کے بعد کہ سماء کے لفظ کا کن کن معنوں میں اطلاق ہوا ہے اب ہم قرآن مجید کی جملہ آیتوں پر جو سماء سے متعلق ہیں نظر کرتے ہیں اور ان سب کو قسم وار بیان کر کر ثابت کرتے ہیں کہ قرآن مجید میں انہیں معنوں میں سماء کے لفظ کا اطلاق ہوا ہے نہ ایسے جسم محکم و صلب شفاف بلورین پر جیسا کہ یونانی حکیموں نے خیال کیا ہے اور جن کی تقلید علمائے اسلام نے کی ہے +

قسم اوّل

وہ آیتیں جن میں لفظ سماء کا بادلوں پر اطلاق ہوا ہے +

۱- وارسلنا السماء علیھم مدرارًا- الانعام آیت ۶ +

ترجمہ- اور بھیجا ہم نے بادل کو ان پر دڑیڑے سے برستا +

۲ و ۳- یرسل السماء علیکم مدرارًا- ھود آیت ۵۴- نوح آیت ۱۰ +

ترجمہ- بھیجے بادل تم دڑیڑے سے برستا + سورہ ھود میں جو یہ آیت ہے اُس کے ترجمہ میں شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی سماء کا ترجمہ ابر کیا ہے اور باقی دو جگہ مینہ +

۴-۱۴- انزل من السماء ماء- البقرہ آیت ۲۰- الانعام آیت ۹۹- الرعد آیت ۱۸- ابراھیم- آیت ۳۷- النحل آیت ۱۰ و ۶۷- طہٰ آیت ۵۵- الحج آیت ۶۲- المومنون آیت ۱۸- الملائکہ آیت ۲۵- الزمر آیت ۲۲ +

ترجمہ- اُتارا بادل سے پانی +

۱۵- والذی نزل من السماء ماء بقدر- الزخرف آیت ۱۰ +

ترجمہ- اور جس نے اُتارا بادل سے پانی اندازہ سے +

۱۶- وانزلنا من السماء ماء طھورا- الفرقان- آیت ۵۰ +

ترجمہ- اور اتارا ہم نے بادل سے پانی پاک کرنے والا +

۱۷- ونزلنا من السماء ماء مبارکا- ق آیت ۹ +

ترجمہ- اور اتارا ہم نے پانی بادل سے برکت والا +

۱۸- وما انزل اللہ من السماء من ماء- البقر- آیت ۱۵۹ +

ترجمہ- اور وہ جو اُتارا اللہ نے بادل سے پانی +

۱۹- وینزل علیکم من السماء ماء- الانفال- آیت ۱۱ +

ترجمہ- اور اتارتا ہے تم پر بادل سے پانی +

۲۰ و ۲۱- کماء انزلناہ من السماء- یونس- آیت ۲۵- الکھف آیت ۴۳ +

معلوم ہوتا ہے۔ ہم کسی مفسر اور کسی عالم پر ایمان نہیں لائے جو اُن کی بات کی پچ کریں۔ ہم تو خدا پر اور اُس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور اُس کے کلام پر ایمان لائے ہیں اور اُس کے عاشق ہیں پس جو شخص یا قول ایسا ہے جس سے اُن میں نقص لازم آتا ہے تو اُس کے دشمن ہیں۔ پس نہایت مناسب ہے کہ آپ ہمارے دشمن ہو جیئے مگر اتنا سمجھ لیجیئے کہ دوست کے دشمن ہوتے ہو اور یہ بات ہر کوئی جانتا ہے کہ دوست کا دشمن کون ہوتا ہے ✤

پانچویں۔ سماء کا اطلاق شے مرتفع پر بھی آتا ہے ہم نے اپنے اس قول کی تائید میں امام فخر الدین رازیؒ کا قول نقل کیا تھا کہ السماء عبارۃ عن کل ما ارتفع۔ اور جناب مولوی محمد علی صاحب نے یہ قول امام صاحب کا بھی نقل فرمایا ہے کہ "ان السماء انما سمیت سماء لسموھا فکل ما سماک فھو سماء فانزل الماء من السحاب فقد نزل من السماء۔ یعنی آسمان کا نام سماء اسی سبب سے رکھا گیا ہے کہ وہ بلند ہے پس جو چیز کہ تجھ سے بلند ہے پس جب نازل ہوا مینہ بادل سے تو برسا سماء سے ✤

مگر جناب مولوی صاحب ممدوح فرماتے ہیں کہ امام فخر الدین رازیؒ علمائے لغت میں سے نہیں ہیں اُن کا قول بیان معانی لغت اور دیگر علوم عربیہ میں معتمد نہیں ✤

پھر ارقام فرماتے ہیں کہ امام رازیؒ نے یہ بات بطریق قیاس فی اللغۃ کے فرمائی اور چونکہ قیاس فی اللغۃ مقبول نہیں ہے پس یہ قول بھی اُن کا مقبول نہیں ہو سکتا ✤

خیر ہم کو اس سے تو بحث نہیں ہے کہ امام فخر الدین رازیؒ کو علوم عربیہ کی لیاقت تھی یا نہیں۔ اگر لیاقت تھی تو بھی دلِ ما شاد اور اگر نہ تھی تو جو کچھ مولوی صاحب نے اُن کے حق میں فرمایا ہماری طرف سے بھی بیش باد مگر اس قدر تو شاید جناب مولوی صاحب بھی تسلیم فرماتے ہونگے کہ بطور استعارہ کے مرتفع چیزوں پر سماء کا اطلاق ہو سکتا ہے پس اس قدر ہم بھی کہتے ہیں کہ ان پر بھی سماء کا اطلاق ہو سکتا ہے ✤

یہ ہم کب کہتے ہیں کہ ہر جگہ سماء اور سمٰوات کے معنی اوپر کے یا اوپر کی چیزوں کے لو۔ ہم تو خود سماء کا اطلاق متعدد چیزوں پر اس لیئے ثابت کرتے ہیں کہ اُن میں سے جون سی چیز مقتضائے مقام ہو اور سیاق و سباق عبارت سے پائی جاوے وہ مُراد لیجاوے نہ کہ یونانیوں کی تقلید سے ہر جگہ وہی فرضی غیر واقعی جسم مراد لیا جاوے جو محض غلط و خلاف واقع ہے ✤

ہم کو نہ مولوی محمد علی صاحب کا اور نہ اور کسی تحریر کا جواب لکھنا مقصود ہے۔ اِس مقام پر اتفاقیہ چند باتیں تقریر کے پھیر میں آگئیں۔ پس ہم نے اُن کی بہت سی بیجا اور غیر صحیح باتوں سے جو تعرض نہیں کیا تو یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ اُن کو تسلیم کیا ہے بلکہ یہ سمجھنا چاہیئے کہ بے فائدہ اوقات ضائع کرنے سے کیا فائدہ ہے ✤

اب ہم آیندہ بیان کرینگے۔ جو کچھ ہم نے بیان کیا کوئی آیت قرآن مجید کی اُس کے برخلاف نہیں ہے ✤

۳۵- وینزل من السماء من جبال فیھا من برد۔ النور آیت ۴۳ ٭

ترجمہ۔ اور ڈالتا ہے بادل کے پہاڑوں سے جو اُس میں ہیں اولے ٭

۳۶- والسماء ذات الرجع والارض ذات الصدع۔ الطارق ۱۱ و ۱۲ ٭

ترجمہ۔ قسم ہے پھرنے والے بادل کی۔ قسم ہے زمین اُگانے والے پھوٹاؤ والی کی ٭

قسم دوم

وہ آیتیں جن میں لفظ سماء کا فضائے بلند محیط پر اطلاق ہوا ہے ٭

۱- والسماء ذات الحبک۔ الذاریات آیت ۷ ٭

ترجمہ۔ قسم ہے رستوں والی اونچائی کی ٭

تفسیر کبیر میں لکھا ہے والسماء ذات الحبک قیل الطریق وعلی ھذا فیحتمل ان یکون المراد طرایق الکواکب و ممراتھا۔ یعنی تفسیر کبیر میں حبک کے معنی طرایق کے یعنی رستوں کے بتائے ہیں اور لکھا ہے کہ شاید اس سے ستاروں کے رستے اور اُن کے چلنے کی جگہیں مراد ہیں ٭

اب اِس آیت سے دو بات پر استدلال ہے۔ ایک یہ کہ آسمان ستاروں کے چلنے کی جگہ پر بولا گیا ہے۔ دوسرے یہ کہ وہاں کوئی ایسا جسم سخت اور صلب شفاف بلورین نہیں ہے جیسا کہ یونانی حکیموں نے خیال کیا تھا اور جس کی تقلید علمائے اسلام نے کی ہے بلکہ اُس مکان مرتفع کا جس میں اجرام یا اجسام کواکب کے دورہ کرتے ہیں سماء نام ہے۔ ہم اِس سے بحث نہیں کرتے کہ اُس مکان میں کوئی جسم لطیف جو مانع سیر کواکب نہ ہو موجود ہے یا نہیں کیونکہ ہمارے پاس اُس کے موجود ہونے کے اثبات کے لئے کوئی دلیل نہیں ہے اور نہ قرآن مجید کی صحت اور صداقت ثابت کرنے کے لئے ایسے کسی وجود کے تسلیم کرنے کی ضرورت ہے اور نہ در صورت اُس کے موجود ہونے کے کچھ دقت ہے ٭

کواکب بہت سے ہیں اور اُن کی راہیں بھی بہت سی اور جُدا جُدا ہیں اور ہر ایک مکان کے دَورہ پر سماء کا اطلاق ہو سکتا ہے مگر جبکہ خدا تعالےٰ نے یہ فرمایا کہ رستوں والا آسمان تو اُس وقت آسمان سے کوئی خاص مکان یا کوئی خاص جسم مسلمہ حکمائے یونان مراد نہیں ہو سکتا اور اِس لئے اِس آیت میں لفظ سماء کا بلندی پر اطلاق ہوا ہے جو مکانیت سے خالی نہیں ہے اور جس میں ہزاروں رستے کواکب کے دورہ کے ہیں ٭

۲- ھو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعاً ثم استوی الی السماء فسوٰھن سبع

ترجمہ۔ مانند پانی کے جس کو اُتارا ہم نے بادل سے ÷

۲۲۔ فانزلنا من السماء ماء۔ الحجر۔ آیت ۲۲ ÷

ترجمہ۔ پھر اُتارا ہم نے بادل سے پانی ÷

۲۳۔ وانزلنا لکم من السماء ماء۔ النمل آیت ۶۱ ÷

ترجمہ۔ اور اُتارا تمہارے لئے بادل سے پانی ÷

۲۴۔ وانزلنا من السماء ماء۔ لقمان آیت ۹ ÷

۲۵۔ ومن ایاتہ یریکم البرق خوفاً وطمعاً وینزل من السماء ماء۔ الروم۔ آیت ۲۳ ÷

ترجمہ۔ اور اُس کی نشانیوں میں سے ہے کہ دکھاتا ہے تم کو بجلی ڈرانے کو اور لالچ کرنے کو اور اُتارتا ہے بادل سے پانی ÷

۲۶۔ اوکصیب من السماء فیہ ظلمات ورعد وبرق۔ البقرہ۔ آیت ۱۸ ÷

ترجمہ۔ یا جیسے دھواں دھار مینہ برسنے کے بادل سے کہ اُس میں ہیں اندھیری اور کڑک اور بجلی ÷

۲۷۔ ولئن سالتھم من نزل من السماء ماء۔ العنکبوت۔ آیت ۶۳ ÷

ترجمہ۔ اور اگر تو پوچھے اُن سے کہ کس نے اُتارا بادل سے پانی ÷

۲۸۔ وما انزل اللہ من السماء من رزق فاحیا بہ الارض بعد موتھا۔ الجاثیہ آیت ۴

ترجمہ۔ اور وہ جو اُتارا اللہ نے بادل سے رزق یعنی مینہ پھر زندہ کیا اُس سے زمین کو اُس کے مرجانے کے بعد ÷

۲۹۔ ۳۰۔ من یرزقکم من السماء والارض۔ یونس آیت ۳۱۔ المائدہ آیت ۳ ÷

ترجمہ۔ کون روزی دیتا ہے تم کو بادل سے اور زمین سے ÷ آسمان کے رزق سے بادلوں سے مینہ برسنا مراد ہے ÷

۳۲۔ وینزل لکم من السماء رزقاً۔ المومن آیت ۱۳ ÷

ترجمہ۔ اور اُتارا ہے تمہارے لئے بادل سے رزق یعنی مینہ ÷

۳۳۔ وفی السماء رزقکم وما توعدون۔ الذاریات آیت ۲۲ ÷

ترجمہ۔ اور بادل میں ہے رزق تمہارا اور جو کچھ تم سے وعدہ کیا ہے ÷ یعنی بادلوں میں مینہ ہوتا ہے جو رزق پیدا ہونے کا اور زمین سے تمام موعودہ برکتوں کے نکلنے کا سبب ہے ÷

۳۴۔ ففتحنا ابواب السماء بماء منھمر۔ القمر آیت ۱۱ ÷

ترجمہ۔ پھر کھول دیئے ہم نے بادل کے دروازے دڑیڑے کا پانی پڑنے سے ÷

قول کو تسلیم نہیں کرتے مگر بطور مثال کے سمجھاتے ہیں کہ جو وسعت اُن کے نزدیک زمین سے فلک قمر کے مقعر تک تھی اُس کو اُنہوں نے تین ٹکڑوں پر منقسم کیا تھا جن کو وہ کرّہ ہوا اور کرّہ زمہریر اور کرّہ نار سے تعبیر کرتے تھے۔ اسی طرح اُس وسعت کی تقسیم سمٰوات پر ہوتی ہے یعنی اُس وسعت کے اُس محل کو جہاں یہ نیلی نیلی چیز ہم کو دکھائی دیتی ہے ہم آسمان کہتے ہیں اور اُس محل کو بھی جہاں چاند گردش کرتا ہے یا اور ستارے عطارد و زہرہ وغیرہ گردش کرتے ہیں سماء کہتے ہیں کیونکہ یہ سب محل بہ نسبت ہمارے مرتفع ہیں پس انہیں محلوں پر خدا تعالےٰ نے سمٰوات کا اطلاق کیا ہے اس بیان کی تصویر اگلی آیت سے بالکل ثابت ہوتی ہے ؂

۳۔ ثم استوی الی السماء وھی دخان فقال لھا وللارض ائتیا طوعًا او کرھًا قالتا اتینا طائعین فقضاھن سبع سمٰوات فی یومین واوحیٰ فی کلّ سماء امرھا ؂ فصلت آیت ۱۱ و ۱۲ ؂

ترجمہ۔ اور پیدا کیا بلندی کو اور وہ دھواں دھار یعنی تاریک تھی پھر کہا اُس کو اور زمین کو حکم مانو خوشی سے خواہ ناخوشی سے۔ دونوں نے کہا ہم نے حکم مانا خوشی سے پھر کر دیئے سات یا متعدد آسمان دو دن میں اور ڈال دیا ہر آسمان میں اُس کا کام ؂

جو تقریر کہ ہم نے اوپر بیان کی اُسی تقریر سے اس آیت میں بھی جو لفظ سماء اوّل آیا ہے اُس کے معنی بھی کسی محل خاص یا جسم خاص کے نہیں ہو سکتے ؂

دخان سے مفسرین نے تاریکی مراد لی ہے اور یہ بالکل ٹھیک ہے اس لئے کہ بلندی میں قبل ظہور کواکب بجز تاریکی کے جس کو دخان سے تعبیر کیا ہے اور کچھ نہیں تھا ؂

شاہ عبد القادر صاحب اپنے ترجمہ کے حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ "آسمان ایک تھا دھواں سا اُس کو بانٹ کر سات کئے اور ہر ایک کا کارخانہ جُدا ٹھہرایا" یہ بالکل تصویر اُسی بیان کی ہے جو ہم نے اوپر بیان کیا ہے یعنی یہ تمام فضائے بلند ایک تھی اُسی کو آسمان کہا ہے جبکہ اُس میں اور اور چیزیں پیدا ہوئیں اور اُس فضا کی اُن چیزوں سے تقسیم ہوگئی تو اُس کے ٹکڑوں پر سمٰوات کا اطلاق ہونے لگا ؂ دیکھو کرّہ ہوا میں آفتاب کی نیلی شعاع منعکس ہونے سے یہ نیلی چھت ہم کو دکھائی دیتی ہے اور اُس فضا کو اپنی اُس حد سے تقسیم کر دیتی ہے اُس محل کو ہم آسمان کہتے ہیں ؂

چاند اور عطارد وغیرہ کواکب اپنے وجود سے اُس فضا کو تقسیم کر دیتے ہیں جیسے صفحہ کاغذ پر نقاط لگانے سے ہر حصہ محدود ہو جاتا ہے اور پھر اپنے دورہ سے جو آفتاب کے گرد کرتے ہیں ایک محل کو جو بلا شبہ مکانیت کا اُس پر اطلاق ہوتا ہے اُس فضا سے علٰحدہ کر لیتے ہیں اس لئے اُن کے ہر ہر محل کو بھی ہم آسمان کہتے ہیں ؂

سموات - البقرہ - آیت ۲۷ *

ترجمہ - وہ وہ ہے جس نے پیدا کیا تمہارے لئے جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب اور پیدا کیا بلندی کو تو درست کئے متعدد آسمان *

تفسیر کبیر میں لکھا ہے ثم استوی الی السماء اے خلق بعد الارض السماء ولم یجعل بینھما زمانا ولم یقصد شیئا اخر بعد خلقہ الارض یعنی ثم استوی الی السماء سے زمین کے بعد سماء کے پیدا کرنے کا استعارہ ہے اور اُن دونوں کے پیدا کرنے کے بیچ میں کچھ مدت نہیں لگی اور نہ زمین کے پیدا کرنے کے بعد اور کسی چیز کا قصد کیا *

اور یہ بھی تفسیر کبیر میں لکھا ہے فان قال قایل فھل یدل التنصیص علی سبع سموات علی نفی العدد الزاید قلنا الحق ان تخصیص العدد بالذکر علی نفی الزاید یعنی کیا سات آسمانوں کی تعداد بیان کرنی اس بات کی دلیل ہے کہ سات سے زیادہ نہیں ہیں تو ہم جواب دینگے کہ حق یہ ہے کہ کسی خاص عدد کا بیان کرنا اُس سے زیادہ نہ ہونے پر دلیل نہیں ہے *

اِنہیں وجوہات سے ہم نے ثم استوی الی السماء کا ترجمہ اور پیدا کیا آسمان یعنی بلندی کو اور سبع کا ترجمہ بعوض سات کے متعدد کیا ہے *

علمائے متقدمین کو جو یونانی ہیئت کا خیال جما ہوا تھا اس لئے اُن کو اس قسم کی آیتوں کی تفسیر میں مشکلات پیش آتی ہیں ورنہ حقیقت میں کچھ مشکل نہیں ہے - خدا تعالے ہم بندوں سے جو اِس زمین پر بستے ہیں مخاطب ہو کر اُن کے حسب حال کلام کرتا ہے - جبکہ اُس نے ہمارے لئے زمین اور اُس کی تمام چیزوں کے پیدا کرنے کا ذکر کیا تو جو کچھ اُس نے ہم سے اوپر پیدا کیا تھا وہ ہمارے لئے سموات ہو گئی اس لئے اوّل زمین کی چیزوں کا ذکر کیا اور پھر آسمانوں کا *

ہم نے سماء کا ترجمہ بلندی کیا ہے اور اُس کی وجہ یہ ہے کہ اس آیت میں سماء کے لفظ سے کوئی محل خاص یا کوئی یونانیوں والا خاص جسم مراد نہیں ہو سکتا کیونکہ کسی ایک آسمان کے سات آسمان نہیں بنائے گئے ہیں بلکہ وہ الگ الگ جُداگانہ سات آسمان ہیں اس لئے بجز اس کے کہ اس آیت میں لفظ سماء سے بلندی مراد لیجائے اور کوئی معنی درست نہیں ہو سکتے اور جب اُس کے معنی بلندی کے لئے گئے تو آیت کے معنی صاف ہو گئے کہ خدا نے بلندی کو پیدا کیا اور اُس میں سات یا متعدد آسمان بنائے *

بلندی ایک فضا یا وسعت محیط ہے جو ہماری سمت الرّاس پر دکھائی دیتی ہے - وہ مکانیت سے خالی نہیں خواہ اُس میں خلا ہو یا نہ ہو مگر جب وہ فضائے مرتفع متعدد نشانوں سے منقسم ہو جاتی ہے تو اُس کے ہر ہر ٹکڑے پر طبقہ یا سماء یا ارتفاع کا اطلاق ہو سکتا ہے - اگرچہ ہم یونانی حکیموں کے

۳۴۔ لفتحنا علیھم برکات من السماء والارض۔ الاعراف۔ آیت ۹۴ ٭

ترجمہ۔ تو ہم کھول دیتے اُن پر برکتیں آسمان کی اور زمین کی ٭

۳۵۔ ولو فتحنا علیھم باباً من السماء۔ الحجر۔ آیت ۱۴ ٭

ترجمہ۔ اور اگر ہم کھول دیں اُن پر دروازہ آسمان سے ٭

۳۶۔ لا تفتح لھم ابواب السماء۔ الاعراف۔ آیت ۴۰ ٭

ترجمہ۔ کبھی نہ کھلینگے اُن پر دروازے آسمان کے ٭

۳۷۔ یدبر الامر من السماء الی الارض۔ السجدہ۔ آیت ۴ ٭

ترجمہ۔ تدبیر سے اُتارتا ہے کام کو آسمان سے زمین تک ٭

۳۸ و ۳۹۔ وما ینزل من السماء وما یعرج فیھا۔ سبا۔ آیت ۲۔ والحدید آیت ۴ ٭

ترجمہ۔ اور جو کچھ اُترتا ہے آسمان سے اور جو کچھ چڑھتا ہے اُس میں ٭

۴۰ و ۴۱۔ ءامنتم من فی السماء ان یخسف بکم الارض فاذا ھی تمور۔ ام امنتم من فی السماء ان یرسل علیکم حاصباً۔ الملک۔ آیت ۱۶ و ۱۷ ٭

ترجمہ۔ کیا نڈر ہوئے ہو اُس سے جو آسمان میں ہے کہ دھنساوے تم کو زمین میں پھر دیکھو وہ لرزتی ہے۔ کیا نڈر ہوئے ہو اُس سے جو آسمان میں ہے کہ بھیجی تم پر پتھر برسانے والی ہوا ٭

۴۲۔ ومن یرد ان یضلہ یجعل صدرہ ضیقاً حرجاً کانما یصعد فی السماء۔ الانعام۔ آیت ۱۲۵ ٭

ترجمہ۔ اور جس کو چاہے کہ راہ سے بھٹکا دے کرتا ہے اُس کا سینہ تنگ پہنچے گویا آسمان پر یعنی اوپر کو اُٹھا جاتا ہے ٭

۴۳۔ تبارک الذی جعل فی السماء بروجاً وجعل فیھا سراجاً وقمراً منیراً۔ الفرقان۔ آیت ۶۲ ٭

ترجمہ۔ بڑی برکت ہے اُس کی جس نے بنائے آسمان میں بُرج اور رکھا اُس میں چراغ اور چاند روشن ٭

سماء کے لفظ سے جو اس آیت میں ہے کوئی خاص محل اور خاص جسم مراد نہیں ہو سکتا بجز فضائے مرتفع کے کیونکہ بروج اور سورج اور چاند ایک آسمان میں نہیں ہیں بلکہ ایک فضائے مرتفع میں ہیں ٭

۴۴۔ ولقد جعلنا فی السماء بروجاً وزینّٰھا للناظرین۔ الحجر آیت ۱۶ ٭

ترجمہ۔ البتہ بنائے ہم نے آسمان میں بُرج اور خوبصورت کیا اُس کو دیکھنے والوں کے لئے ٭

۴- فانزلنا علی الذین ظلموا رجزاً من السماء بما کانوا یفسقون - البقرہ آیت ۵۹ ؎

ترجمہ - پھر اُتارا ہم نے زیادتی کرنے والوں پر عذاب آسمان سے یعنی اوپر سے اُن کی نافرمانی پر ؎

۵- فارسلنا علیھم رجزاً من السماء بما کانوا یظلمون - الاعراف آیت ۱۶۲ ؎

ترجمہ - پھر بھیجا ہم نے اُن پر عذاب آسمان سے - یعنی معاوضہ اُن کی زیادتی کا ؎

۶- انا منزلون علی اھل ھذہ القریۃ رجزاً من السماء بما کانوا یفسقون ؎
العنکبوت آیت ۳۴ ؎

ترجمہ - ہم اُتارنے والے ہیں اس بستی والوں پر عذاب آسمان سے یعنی اوپر سے بعوض
اُن کی بدکاری کے ؎

۷- فامطر علینا حجارۃ من السماء - الانفال آیت ۳۲ ؎

ترجمہ - تو برسا ہم پر پتھر آسمان سے ؎

۸- ان تنزل علیھم کتاباً من السماء - النساء آیت ۱۵۲ ؎

ترجمہ - اُن پر اُتار لاوے کتاب آسمان سے یعنی اوپر سے ؎

۹- ھل یستطیع ربّك ان ینزل علینا مائدۃ من السماء - المائدہ آیت ۱۱۲ ؎

ترجمہ - تیرے خدا سے ہوسکتا ہے کہ اُتارے ہم پر کھانا آسمان سے یعنی اوپر سے ؎

۱۰- اللھم ربنا انزل علینا مائدۃ من السماء - المائدہ آیت ۱۱۴ ؎

ترجمہ - اے اللہ ہمارے پروردگار اُتار ہم پر کھانا آسمان سے یعنی اوپر سے ؎

۱۱- ویرسل علیھا حسباناً من السماء - کہف آیت ۳۸ ؎

ترجمہ - اور بھیج دے اُس پر آفت آسمان سے ؎

۱۲- لنزلنا علیھم من السماء ملکا رسولاً - اسرائیل آیت ۹۷ ؎

ترجمہ - البتہ ہم اُتارتے اُن پر آسمان سے کوئی فرشتہ پیغام لیکر ؎

۱۳- ان نشاء ننزل علیھم من السماء اٰیۃ - الشعرا - آیت ۳ ؎

ترجمہ - اگر ہم چاہیں اُتاریں اُن پر آسمان سے ایک نشانی ؎

۱۴- ومن یشرك باللہ فکانما خر من السماء - الحج آیت ۳۲ ؎

ترجمہ - اور جس نے شریک بنایا اللہ کا سو جیسے گر پڑا آسمان سے یعنی بلندی سے ؎

۳۳- وما انزلنا علی قومہ من بعدہ من جند من السماء وما کنا منزلین - یٰس آیت ۲۸ ؎

ترجمہ - اور نہیں اُتارا ہم نے اُس کی قوم پر اُس کے بعد کوئی لشکر آسمان سے اور نہ ہم نہیں
اُتارا کرتے ؎

عالم علوم طبعی کے اِس سے زیادہ عُمدہ کوئی لفظ نہیں نکال سکتے۔ ہماری دنیا کے گرد جس پر ہم بستے ہیں ہَوا محیط ہے۔ بعضوں نے اندازہ کیا ہے کہ اُس کا ارتفاع یا عمق پینتالیس میل کا ہے اور بعضوں نے اس سے بہت زیادہ خیال کیا ہے۔ بہرحال اُس ہوائے محیط میں آفتاب کی نیلی شعاعیں منعکس ہوتی ہیں اور اس سبب سے یہ نیلی گنبدی چھت ہم کو اپنی دنیا کے گرد دکھائی دیتی ہے جو درحقیقت ہماری دنیا کا آسمان ہے۔ پس اس نیلی گنبدی چھت پر سماء دنیا کا اطلاق بالکل حقیقت اور علم کے مطابق ہے۔ افسوس کہ ہمارے زمانہ کے علماء حکماء یونان کی تقلید کرتے ہیں اور حقایق قرآن پر غور نہیں کرتے۔ وقد قال اللہ تعالیٰ۔ ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین ٭

۴۔ وجعلنا السّماء سقفاً محفوظاً۔ الانبیاء آیت ۳۲ ٭

ترجمہ۔ اور بنایا ہم نے آسمان کو چھت حفاظت کی گئی ٭

۵۔ والسقف المرفوع۔ الطور آیت ۵ ٭

ترجمہ۔ قسم ہے اونچی چھت کی ٭

۶۔ والسّماء رفعھا ووضع المیزان۔ الرحمٰن آیت ۶ ٭

ترجمہ۔ اور آسمان کو اُونچا کیا اور رکھی اُس کے لئے ترازو ٭

۷۔ افلم یروا الی ما بین ایدیھم وما خلفھم من السماء والارض ان نشاء نخسف بھم الارض او نسقط علیھم کسفا من السّماء۔ سبا آیت ۹ ٭

ترجمہ۔ کیا اُنھوں نے اُس چیز کو نہیں دیکھا جو اُن کے آگے ہے اور جو اُن کے پیچھے ہے آسمان اور زمین سے اگر ہم چاہیں تو اُن کو زمین میں دھنسا دیویں یا اُن پر آسمان سے ٹکڑا ڈال دیں ٭

۸۔ افلا ینظرون الی الابل کیف خلقت۔ والی السماء کیف رفعت۔ الغاشیہ آیت ۱۸ ٭

ترجمہ۔ پھر کیوں نہیں دیکھتے اونٹ کو کہ کیسا بنایا گیا ہے اور آسمان کو کہ کس طرح اُونچا کیا گیا ہے ٭

۹۔ والسماء وما بناھا۔ الشمس آیت ۵ ٭

ترجمہ۔ قسم ہے آسمان کی اور جیسا اُس کو بنایا ٭

۱۰۔ افلم ینظروا الی السماء فوقھم کیف بنینٰھا وزینّٰھا وما لھا من فروج۔ ق۔ آیت ۶ ٭

ترجمہ۔ کیا نہیں دیکھا اُنھوں نے آسمان کو اپنے اوپر کیسا ہم نے اُس کو بنایا ہے اور اُس کو خوشنما کیا ہے اور اُس میں کوئی دراڑ نہیں ٭

۴۵- والسماء ذات البروج - البروج - آیت - ۱ ۰

ترجمہ - قسم ہے برجوں والی اونچائی کی ۰

اگرچہ اس آیت میں برجوں والے آسمان کے معنی بھی لئے جاسکتے ہیں مگر بمناسبت آیت سورہ الفرقان کے اس جگہ پر بھی فضائے مرتفع کے معنی لئے گئے ہیں ۰

۴۶- فلیمدد بسبب الی السماء - الحج آیت ۱۵ ۰

ترجمہ - پھر چاہیئے کہ تانے ایک رسّی آسمان یعنی اوپر کی طرف ۰

شاہ عبدالقادر صاحب نے بھی حاشیہ پر لکھا ہے کہ "آسمان کو تانے یعنی اُچان کر" اور شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی سماء کا ترجمہ جانب بالا کیا ہے - چنانچہ وہ لکھتے ہیں "پس باید کہ بیاویزد رسنے بجانب بالا"

۴۷- اصلہا ثابت و فرعہا فی السماء ۰ ابراھیم آیت ۲۹ ۰

ترجمہ - اُس کی جڑ مضبوط ہے - اور اُس کی ٹہنی آسمان میں یعنی نہایت بلندی میں ۰

قسم سوم

وہ آیتیں جن میں لفظ سماء کا اس نیلی چیز پر جو ہم کو دکھائی دیتی ہے اطلاق ہوا ہے ۰

۱- ولقد زیّنّا السماء الدنیا بمصابیح وجعلناہا رجوماً للشیاطین ۰ الملک آیت ۵ ۰

ترجمہ - اور البتہ خوشنما کیا ہم نے دنیا کے آسمان کو چراغوں سے اور کیا ہم نے اُس کو سنگساری شیطانوں کے لئے ۰

۲- و زیّنّا السماء الدنیا بمصابیح وحفظاً ۰ فصلت آیت ۱۱ ۰

ترجمہ - اور خوشنما کیا ہم نے دنیا کے آسمان کو چراغوں سے اور حفاظت میں رکھا ۰

۳- انّا زیّنّا السماء الدنیا بزینۃ ن الکواکب - الصافات آیت ۶ ۰

ترجمہ - البتہ ہم نے خوشنما کیا دنیا کے آسمان کو ستاروں کی خوشنمائی سے ۰

ان آیتوں میں جو لفظ "سماء الدنیا" کا جناب رسول خدا صلعم کی زبان مبارک سے نکلا ہے جو اُمّی محض تھے اور علاوہ اُمّی ہونے کے ایسے مُلک اور ایسے لوگوں میں پرورش پائی تھی جو بالکل جاہل تھے اور کسی قسم کے علوم اُن کے ہاں مروّج نہ تھے وہ علم طبیعات کا نام بھی نہیں جانتے تھے تو اس سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ بلاشبہ یہ لفظ وحی والہام سے نکلے ہیں اور جو امر کہ اب تحقیق ہوا ہے وہ تیرہ سَو برس پیشتر ایک اُمّی نے فرمایا تھا - صلی اللہ علیہ وسلم ۰

اس نیلی نیلی چیز کو جو ہم کو دکھائی دیتی ہے سماء دنیا کہنا ایسا ٹھیک ہے کہ آج کل بھی بڑے بڑے

۲۳- فاذا النجوم طمست و اذ السّماء فرجت - المرسلات آیت ۹ و ۱۰ ❊
ترجمہ - پھر جب تارے مٹائے جاویں اور آسمان پھاڑا جاوے ❊
۲۴- و فتحت السماء فکانت ابوابا - النبأ آیت ۱۹ ❊
ترجمہ - اور کھول دیا جاوے آسمان پر پھر ہو جاویں دروازے ❊
۲۵- واذ السّماء کشطت - کورت آیت ۱۱ ❊
ترجمہ - اور جب آسمان کا پوست اُتارا جاوے ❊
۲۶- یوم تکون السّماء کالمھل - المعارج - آیت ۸ ❊
ترجمہ - جس دن ہوگا آسمان جیسے پگلا ہوا تانبا ❊
۲۷- فارتقب یوم تاتی السّماء بدخان مبین - الدخان آیت ۹ ❊
ترجمہ - پس انتظار کر اُس دن کا کہ نکالے آسمان دھواں سب کو معلوم ہوتا ❊
۲۸- الم یروا الی الطیر مسخرات فی جو السماء - النحل آیت ۸۱ ❊
ترجمہ - کیا نہیں دیکھتے اُڑنے والے جانوروں کو کہ فرمانبردار کیے گئے ہیں آسمان کی وسعت میں ❊
۲۹- اللہ الذی یرسل الریاح فتثیر سحابا فیبسطہ فی السماء کیف یشاء - الروم آیت ۴۷ ❊
ترجمہ - اللہ وہ ہے جو چلاتا ہے ہوائیں پھر اُٹھاتی ہیں بادل پھر پھیلاتا ہے اُس کو آسمان میں جس طرح چاہتا ہے ❊
۳۰- قد نری تقلب وجھک فی السماء - البقرہ آیت ۱۳۹ ❊
ترجمہ - البتہ ہم نے دیکھا پھرنا تیرے منہ کا آسمان کی طرف ❊
۳۱- اِنّ اللہ لا یخفی علیہ شیئ فی الارض ولا فی السّماء - اٰل عمران آیت ۴ ❊
ترجمہ - البتہ خدا پر پوشیدہ نہیں کوئی چیز زمین میں یعنی تحت میں نہ آسمان یعنی فوق میں ❊
۳۲- وما یعزب عن ربک من مثقال ذرۃ فی الارض ولا فی السّماء - یونس - آیت ۶۲ ❊
ترجمہ - اور غایب نہیں رہتا تیرے پروردگار سے ذرہ بھر زمین میں اور نہ آسمان میں ❊
۳۳- اصلھا ثابت و فرعھا فی السّماء - ابراھیم آیت ۲۹ ❊
ترجمہ - اُس کی جڑ مضبوط ہے اور اُس کی ٹہنی آسمان میں یعنی نہایت بلندی میں ❊
۳۴- وما یخفی علی اللہ من شیئ فی الارض ولا فی السّماء - ابراھیم آیت ۴۱ ❊
ترجمہ - اور چھپا نہیں اللہ پر کچھ زمین میں اور نہ آسمان میں ❊
۳۵- قال ربی یعلم القول فی السماء والارض - الانبیاء - آیت ۴ ❊
ترجمہ - اُس نے کہا میرا پروردگار جانتا ہے ہر بات کو آسمان میں ہو یا زمین میں ہو ❊

۱۱- والسماء بنیناھا باید وانا لموسعون۔ الذاریات آیت ۴۷ ❖

ترجمہ۔ اور بنایا ہم نے آسمان کو ہاتھ سے یعنی اپنی قدرت سے اور ہم کو سب قدرت ہے ❖

۱۲- الذی جعل لکم الارض فراشا والسماء بناء۔ البقرہ آیت ۲۰ ❖

ترجمہ۔ جس نے بنایا زمین کو تمہارے لئے بچھونا اور آسمان کو محل ❖

۱۳- اللہ الذی جعل لکم الارض قراراً والسماء بناء۔ المومن آیت ۶۶ ❖

ترجمہ۔ اللہ وہ ہے جس نے بنایا زمین کو تمہارے لئے ٹھہرنے کی جگہ اور آسمان کو محل ❖

۱۴- ءانتم اشد خلقاً ام السماء بناھا رفع سمکھا فسوٰیھا۔ النازعات ۲۷ و ۲۸ ❖

ترجمہ۔ تم خلقت میں زیادہ مضبوط ہو یا آسمان خدا نے بنایا آسمان کو اونچی کی اُس کی چوٹی پھر درست کیا اُس کو ❖

۱۵- ومن اٰیتہ ان تقوم السماء والارض بامرہ۔ الروم آیت ۲۴ ❖

ترجمہ۔ اور خدا کی نشانیوں میں سے ہے اپنی جگہ پر رہنا آسمان اور زمین کا خدا کے حکم سے ❖

۱۶- ویمسک السماء ان تقع علی الارض۔ الحج آیت ۶۴ ❖

ترجمہ۔ تھام رکھتا ہے آسمان کو زمین پر گرنے سے ❖

۱۷- یوم تشقق السماء بالغمام ونزل الملائکۃ تنزیلا۔ الفرقان آیت ۲۷ ❖

ترجمہ۔ اور جس دن پھٹ جاوے آسمان غمام سے اور اُتارے جاویں فرشتے ایک طرح کا اُتارنا ❖

۱۸- فاذا انشقت السماء فکانت وردۃ کالدھان۔ الرحمٰن آیت ۳۷ ❖

ترجمہ۔ جب پھٹے گا آسمان تو ہو جاویگا گلابی تیلیا ❖

۱۹- وانشقت السماء فھی یومئذ واھیۃ۔ الحاقہ آیت ۱۶ ❖

ترجمہ۔ اور پھٹ جاویگا آسمان پھر وہ اُس دن ہوگا بکسا ہوا ❖

۲۰- اذا السماء انشقت۔ انشقت آیت ۱ ❖

ترجمہ۔ جب آسمان پھٹ جاوے ❖

۲۱- فکیف تتقون ان کفرتم یوماً یجعل الولدان شیباً السماء منفطر بہ۔ المزمل آیت ۱۸ ❖

ترجمہ۔ پس اگر تم کافر ہوئے تو کیونکر بچوگے اُس دن جس میں بچے بڈھے ہو جاوینگے اور آسمان پھٹ جاویگا ❖

۲۲- اذا السماء انفطرت۔ انفطرت آیت ۱ ❖

ترجمہ۔ جب آسمان پھوٹ جاوے ❖

۴۹۔ وجنۃ عرضہا کعرض السّماء والارض۔ الحدید۔ آیت ۲۱ ۞

ترجمہ۔ اور بہشت کو جس کا پھیلاؤ ہے جیسے پھیلاؤ آسمان اور زمین کا ۞

۵۰۔ وما خلقنا السّماء والارض وما بینہما باطلا۔ ص آیت ۲۶ ۞

ترجمہ۔ اور ہم نے نہیں بنایا آسمان اور زمین کو اور جو اُن کے بیچ میں ہے نکما ۞

۵۱۔ وما خلقنا السّماء والارض وما بینہما لاعبین۔ الانبیاء آیت ۱۶ ۞

ترجمہ۔ اور نہیں پیدا کیا ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو اُن کے بیچ میں ہے بطور کھلاڑی کے ۞

۵۲۔ فما بکت علیھم السّماء والارض۔ الدخان۔ آیت ۲۸ ۞

ترجمہ۔ پھر نہ رویا اُن پر آسمان اور زمین ۞

۵۳۔ والسّماء والطارق۔ الطارق۔ آیت ۱ ۞

ترجمہ۔ قسم ہے آن کی اور رات کو نکلنے والے کی ۞

قِسم چہارم

وہ آیتیں جن میں لفظ سمٰوات کا بصیغۂ جمع فضائے محیط پر بلحاظ اُس کے انقسام کے ابعاد متعددہ میں اطلاق ہوا ہے ۞

۱۔ ھو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعا ثم استویٰ الی السّماء فسوٰھن سبع سمٰوٰت۔ البقرہ۔ آیت ۲۷ ۞

ترجمہ۔ وہ وُہی ہے جس نے پیدا کیا تمہارے لئے جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب اور پیدا کیا بلندی کو تو درست کئے سات یعنی متعدد آسمان ۞

۲و۳۔ ثم استویٰ الی السّماء وھی دخان فقال لھا وللارض ائتیا طوعًا او کرھًا قالتا اتینا طائعین فقضاھن سبع سمٰوات فی یومین واوحیٰ فی کلّ سماءٍ امرھا۔ فصلت۔ آیت ۱۱و۱۲ ۞

ترجمہ۔ اور پیدا کیا بلندی کو اور وہ دھواں دھار یعنی تاریک تھی پھر کہا اس کو اور زمین کو حکم مانو خوشی سے خواہ ناخوشی سے دونوں نے کہا ہم نے حکم مانا خوشی سے پھر کر دیئے سات یا متعدد آسمان دو دن میں اور ڈال دیا ہر آسمان میں اُس کا کام ۞

۴۔ تنزیلا ممن خلق الارض والسمٰوات العلیٰ۔ طٰہٰ۔ آیت ۳۔

ترجمہ۔ بھیجا ہے اُس شخص نے جس نے بنائی زمین اور آسمان اونچے ۞

۳۶ - الم تعلم ان اللہ یعلم ما فی السماء والارض - الحج آیت ۶۹ ٭

ترجمہ - کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ کہ ہے آسمان میں اور زمین میں ٭

۳۷ - وما من غائبۃ فی السماء والارض الا فی کتاب مبین - النمل آیت ۷۷ ٭

ترجمہ - اور کوئی چیز نہیں جو پوشیدہ ہو آسمان میں اور زمین میں مگر ہے کتاب روشن میں ٭

۳۸ - وما انتم بمعجزین فی الارض ولا فی السماء - العنکبوت آیت ۲۱ ٭

ترجمہ - اور نہیں ہو تم تھکانے والے زمین میں اور آسمان میں ٭

۳۹ - وھو الذی فی السماء الہ وفی الارض الہ - الزخرف - آیت ۸۴ ٭

ترجمہ - وہی ہے جو آسمان میں حاکم ہے اور زمین میں حاکم ہے ٭

۴۰ - وان یروا کسفا من السماء ساقطا یقولوا سحاب مرکوم - الطور آیت ۴۴ ٭

ترجمہ - اور اگر دیکھیں ایک ٹکڑا آسمان گرتا ہوا کہیں یہ بادل ہے گاڑھا ٭

۴۱ - یوم تمور السماء مورا - الطور - آیت ۹ ٭

ترجمہ - جس دن کہ ہل ہلا جاوے آسمان ہل ہلا جانا ٭

۴۲ - یوم نطوی السماء کطی السجل للکتب - الانبیاء - آیت ۱۰۴ ٭

ترجمہ - جس دن ہم لپیٹ لیں آسمان جیسے لپیٹتے ہیں طومار میں کاغذ ٭

۴۳ - او یکون لک بیت من زخرف او ترقی فی السماء - اسرائیل - آیت ۹۵ ٭

ترجمہ - یا ہووے تیرے لئے ایک گھر ستھرا یا چڑھ جاوے تو آسمان میں ٭

۴۴ - فان استطعت ان تبتغی نفقا فی الارض او سلما فی السماء - الانعام - آیت ۳۵ ٭

ترجمہ - پھر اگر تجھ سے ہو سکے ڈھونڈ نکالنی کوئی سرنگ زمین میں یا کوئی سیڑھی آسمان میں ٭

۴۵ - فاسقط علینا کسفا من السماء ان کنت من الصادقین - الشعرا آیت ۱۸۷ ٭

ترجمہ - پھر گرا ہم پر ایک ٹکڑا آسمان میں سے اگر ہے تو سچوں میں سے ٭

۴۶ - او تسقط السماء کما زعمت علینا کسفا - اسرائیل - آیت ۹۴ ٭

ترجمہ - یا گرا دے تو آسمان جیسا کہ تو گمان کرتا ہے ہمارے اوپر ٹکڑے ٹکڑے ٭

۴۷ - وانا لمسنا السماء فوجدناھا ملئت حرسا شدیدا وشھبا - الجن - آیت ۸ ٭

ترجمہ - اور البتہ ہم نے چھو لیا آسمان کو پھر پایا ہم نے اُس کو بھرا ہوا سخت چوکیداروں سے اور شہابوں سے ٭

۴۸ - فورب السماء والارض انہ لحق مثل ما انکم تنطقون - الذاریات - آیت ۲۳ ٭

ترجمہ - سو قسم ہے آسمان اور زمین کے پروردگار کی یہ بات ٹھیک ہے ایسی جیسے کہ تم بولتے ہو ٭

۱۸- ولقد خلقنا السمٰوات والارض وما بینھما فی ستۃ ایام - ق - آیت ۳۷ ✤

ترجمہ - البتہ پیدا کیا ہم نے آسمانوں کو اور زمین کو اور جو کچھ اُن میں ہے چھ دن میں ✤

۱۹ و ۲۰- الذین خلق السمٰوات والارض - ابراھیم آیت ۳۲ - الفرقان آیت ۶۰ ✤

ترجمہ - جس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو ✤

۲۱ و ۲۲- خلق السمٰوات والارض - الزمر - آیت ۷ - الاحقاف آیت ۲۱ ✤

ترجمہ - پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو ✤

۲۳- لخلق السمٰوات والارض اکبر من خلق الناس - المومن - آیت ۹ ✤

ترجمہ - البتہ پیدا کرنا آسمانوں کا اور زمین کا بڑا ہے آدمیوں کے پیدا کرنے سے ✤

۲۴- لغایت ۲۶- فی خلق السمٰوات والارض - البقرہ آیت ۱۵۹ - ال عمران آیت ۱۸۷ و ۱۸۸ ✤

ترجمہ - بیچ پیدا کرنے آسمانوں کے اور زمین کے ✤

۲۷- خلق السمٰوات والارض - التوبہ - آیت ۳۶ ✤

ترجمہ - جس دن پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو ✤

۲۸- اولم یروا ان اللہ الذی خلق السمٰوات والارض قادر علیٰ ان یخلق مثلھم - اسرائیل - آیت ۱۰۱ ✤

ترجمہ - کیا نہیں دیکھا تم نے کہ جس اللہ نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو طاقت رکھتا ہے اِس بات پر کہ پیدا کرے اُن کی مانند ✤

۲۹- ما اشھدتھم خلق السمٰوات والارض - الکھف آیت ۴۹ ✤

ترجمہ - میں نے بُلایا نہ تھا اُن کو بروقت پیدا کرنے آسمانوں کے اور زمین کے ✤

۳۰ لغایت ۳۳- ولئن سألتھم من خلق السمٰوات والارض - العنکبوت آیت ۶۱ - لقمان - آیت ۲۴ - الزمر آیت ۷ - الزخرف آیت ۸ ✤

ترجمہ - اگر تو پوچھے اُن سے کہ کس نے پیدا کیا آسمان کو اور زمین کو ✤

۳۴- خلق اللہ السمٰوات والارض - الروم آیت ۷ ✤

ترجمہ - اللہ نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو ✤

۳۵- ھو الذی خلق السمٰوات والارض فی ستۃ ایام - الحدید آیت ۵ ✤

ترجمہ - وہ وہ ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو چھ دن میں ✤

۳۶- اللہ الذی خلق السمٰوات والارض وما بینھما - السجدہ - آیت ۳ ✤

۵۔ امن خلق السمٰوات والارض۔ النمل۔ آیت ۶۱ ٭

ترجمہ۔ بھلا کس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو ٭

۶۔ وھو الذی خلق السمٰوات والارض بالحق۔ الانعام۔ آیت ۷۲ ٭

ترجمہ۔ وہ وہ ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو جیسے چاہیئے ٭

۷۔ خلق السمٰوات والارض بالحق۔ التغابن۔ آیت ۳ ٭

ترجمہ۔ پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو جیسے چاہیئے ٭

۸۔ الم تر ان اللہ خلق السمٰوات والارض بالحق۔ ابراھیم۔ آیت ۲۲ ٭

ترجمہ۔ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ پیدا کیا اللہ نے آسمانوں کو اور زمین کو جیسا چاہیئے ٭

۹ و ۱۰۔ وما خلقنا السمٰوات والارض وما بینھما الا بالحق۔ الحجر۔ آیت ۸۵

الاحقاف۔ آیت ۲ ٭

ترجمہ۔ اور نہیں پیدا کیا ہم نے آسمانوں کو اور زمین کو اور جو کچھ کہ اُن کے بیچ میں ہے مگر جیسے چاہیئے ٭

۱۱۔ خلق السمٰوات والارض بالحق تعالیٰ عما یشرکون۔ النحل۔ آیت ۳ ٭

ترجمہ۔ پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو جیسا چاہیئے اُس کی ذات بلند ہے اُس سے کہ اُس کا شریک ٹھہراتے ہیں ٭

۱۲۔ خلق اللہ السمٰوات والارض بالحق ان فی ذالک لاٰیۃ المومنین۔ العنکبوت آیت ۴۴ ٭

ترجمہ۔ پیدا کیا اللہ نے آسمانوں کو اور زمین کو جیسا چاہیئے بے شک اس میں ایک دلیل ہے نیک دل والوں کو ٭

۱۳۔ وخلق اللہ السمٰوات والارض بالحق۔ الجاثیہ۔ آیت ۲۱ ٭

ترجمہ۔ اور پیدا کیا اللہ نے آسمانوں کو اور زمین کو جیسا چاہیئے ٭

۱۴۔ الحمد للہ الذی خلق السمٰوات والارض وجعل الظلمات والنور۔ الانعام۔ آیت ۱ ٭

ترجمہ۔ خدا ہی کے لئے سب تعریفیں ہیں جس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو اور پیدا کیا اندھیرے کو اور اُجالے کو ٭

۱۵ و ۱۶۔ ان ربکم اللہ الذی خلق السمٰوات والارض۔ الاعراف آیت ۵۲۔ یونس آیت ۳ ٭

ترجمہ۔ بیشک تمہارا پروردگار اللہ ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو ٭

۱۷۔ وھو الذی خلق السمٰوات والارض فی ستۃ ایام وکان عرشہ علی الماء۔ ھود آیت ۹ ٭

ترجمہ۔ اور وہ وہی ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو چھ دن میں اور تھا تخت اُس کا پانی پر ٭

۵۰۔ قل من رب السمٰوات والارض۔ الرعد آیت ۱۷ ٭

ترجمہ۔ پوچھ کون ہے پروردگار آسمانوں اور زمین کا ٭

۵۱ لغایت ۵۳۔ رب السمٰوات والارض۔ اسرائیل آیت ۱۰۴۔ الکھف آیت ۱۳۔ مریم آیت ۶۶ ٭

ترجمہ۔ پروردگار آسمانوں اور زمین کا ٭

۵۴۔ ربکم رب السمٰوات والارض الذی فطرھن۔ الانبیاء آیت ۵۷ ٭

ترجمہ۔ تمہارا پروردگار وُہی آسمانوں اور زمین کا پروردگار ہے جس نے پیدا کیا اُن کو ٭

۵۵۔ قل من رب السمٰوات السبع و رب العرش العظیم۔ المومنون آیت ۸۸ ٭

ترجمہ۔ پوچھ کون ہے پروردگار سات یا متعدد آسمانوں کا اور پروردگار اُس بڑے تخت کا یعنی اُس بڑی بادشاہت کا ٭

۵۶ لغایت ۵۹۔ رب السمٰوات والارض وما بینھما۔ الصافات آیت ۵۔ ص آیت ۶۶ الدخان آیت ۶۔ النباء آیت ۳۷ ٭

ترجمہ۔ پروردگار آسمان کا اور زمین کا اور اُس سب کا جو اُن میں ہے ٭

۶۰۔ سُبحان رب السمٰوات والارض رب العرش عمّا یصفون۔ الزخرف آیت ۸۲ ٭

ترجمہ۔ پاک ہے پروردگار آسمانوں کا اور زمین کا پروردگار عرش کا اُن باتوں سے جو اُس کو لگاتے ہیں ٭

۶۱۔ فللّٰہ الحمد رب السمٰوات و رب الارض رب العالمین۔ الجاثیہ آیت ۳۵ ٭

ترجمہ۔ اللہ ہی کے لئے سب تعریفیں ہیں جو پروردگار ہے آسمانوں کا اور پروردگار ہے زمین کا پروردگار ہے سارے جہان کا ٭

۶۲۔ وللّٰہ ملک السمٰوات والارض وما بینھما۔ المائدہ آیت ۲۱ ٭

ترجمہ۔ اور اللہ ہی کے لئے ہے بادشاہت آسمانوں کی اور زمین کی اور اُس سب کی جو اُن میں ہے ٭

۶۳۔ للّٰہ ملک السمٰوات والارض وما فیھن۔ المائدہ آیت ۱۲۰ ٭

ترجمہ۔ اللہ ہی کے لئے ہے بادشاہت آسمانوں کی اور زمین کی اور اُس سب کی جو اُن میں ہے ٭

۶۴۔ اولم ینظروا فی ملکوت السمٰوات والارض۔ الاعراف آیت ۱۸۴ ٭

ترجمہ۔ کیا غور نہیں کی اُنھوں نے آسمانوں کی اور زمین کی بادشاہت میں ٭

۶۵۔ وکذالک نری ابراھیم ملکوت السمٰوات والارض۔ الانعام آیت ۷۵ ٭

ترجمہ۔ اللہ وہ ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو اور جو کچھ کہ اُن میں ہے ٭

۳۷۔ ام خلقوا السّمٰوات والارض بل لا یوقنون۔ الطور۔ آیت ۳۶ ٭

ترجمہ۔ کیا اُنھوں نے پیدا کیا ہے آسمانوں کو اور زمین کو۔ نہیں۔ پر ایمان نہیں لاتے ٭

۳۸۔ اولیس الذی خلق السّمٰوات والارض۔ یٰس آیت ۸۱ ٭

ترجمہ۔ کیا نہیں ہے وہ جس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو ٭

۳۹۔ خلق السّمٰوات بغیر عمد ترونہا۔ لقمان۔ آیت ۹ ٭

ترجمہ۔ پیدا کیا آسمانوں کو بغیر ستون کے دیکھو تم اُس کو ٭

۴۰۔ رفع السّمٰوات بغیر عمد ترونہا۔ رعد۔ آیت ۳ ٭

ترجمہ۔ بلند کیا آسمانوں کو بغیر ستونوں کے کہ دیکھو تم اُس کو ٭

۴۱ و ۴۲۔ ومن آیاتہ خلق السّمٰوات والارض۔ الشوریٰ آیت ۲۸۔ الروم آیت ۲۱ ٭

ترجمہ۔ اور اُس کی نشانیوں میں سے ہے پیدا کرنا آسمانوں کا اور زمین کا ٭

۴۳۔ وما خلقنا السّمٰوات والارض وما بینہما لاعبین۔ الدخان آیت ۳۸ ٭

ترجمہ۔ اور نہیں پیدا کیا ہم نے آسمانوں کو اور زمین کو اور جو کچھ کہ اُن کے بیچ میں ہے کھلاڑی میں ٭

۴۴۔ اللہ الذی خلق سبع سمٰوات ومن الارض مثلہن۔ الطلاق۔ آیت ۱۲ ٭

ترجمہ۔ اللہ وہ ہے جس نے پیدا کیا سات یا متعدد آسمانوں کو اور زمین کو بھی اُن کی مانند یعنی متعدد ٭

۴۵ و ۴۶۔ الم ترکیف خلق اللہ سبع سمٰوات طباقاً وجعل القمر فیہن نوراً وجعل الشمس سراجاً۔ نوح آیت ۱۵ و ۱۶ ٭

ترجمہ۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ کس طرح پیدا کیا اللہ نے سات یا متعدد آسمانوں کو تلے اوپر اور کیا اُن میں چاند کو نور اور سورج کو روشن چراغ ٭

۴۷۔ الذی خلق سبع سمٰوات طباقاً۔ الملک۔ آیت ۳ ٭

ترجمہ۔ جس نے پیدا کیا سات یا متعدد آسمانوں کو تلے اوپر ٭

۴۸ و ۴۹۔ رب السّمٰوات والارض وما بینہما ان کنتم موقنین۔ الدخان آیت ۶۔ الشعراء آیت ۲۳ ٭

ترجمہ۔ پروردگار آسمانوں کا اور زمین کا اور اُس سب کا جو اُن میں ہے اگر تم یقین کرنے والے ہو ٭

۱۵۰- انا عرضنا الامانۃ علی السّمٰوات والارض- الاحزاب آیت ۷۲ ٭

ترجمہ- البتہ ہم نے دکھلائی امانت آسمانوں کو اور زمین کو ٭

۱۵۱- وجنّۃ عرضھا السّمٰوات والارض- آل عمران آیت ۱۲۷ ٭

ترجمہ- جنّت جس کا پھیلاؤ ہے آسمان اور زمین ٭

۱۵۲ و ۱۵۳- مادامت السّمٰوات والارض- ھود آیت ۱۰۹ و ۱۱۰ ٭

ترجمہ- جب تک رہیں آسمان اور رہے زمین ٭

۱۵۴- تسبح لہ السّمٰوات السبع والارض ومن فیھن- اسرائیل آیت ۴۴ ٭

ترجمہ- پاکیزگی سے یاد کرتے ہیں اُس کو ساتوں آسمان اور زمین ٭

۱۵۵ و ۱۵۶- ان اللہ یعلم غیب السّمٰوات والارض- الملائکہ آیت ۳۶ و الفتح آیت ۱۸ ٭

ترجمہ- البتہ اللہ جانتا ہے چھپی چیزیں آسمانوں کی اور زمین کی ٭

۱۵۷- انّی اعلم غیب السّمٰوات والارض- البقرہ آیت ۳۱ ٭

ترجمہ- البتہ میں جانتا ہوں چھپی چیزیں آسمانوں کی اور زمین کی ٭

۱۵۸ لغایت ۱۶۰- وللہ غیب السّمٰوات والارض- النحل آیت ۷۹ و الکھف آیت ۲۵ و

ھود آیت ۹ ٭

ترجمہ- اور اللہ کے لئے ہے چھپی چیزیں آسمانوں کی اور زمین کی ٭

۱۶۱ و ۱۶۲- وللہ میراث السّمٰوات والارض- آل عمران آیت ۱۷۶ و الحدید آیت ۱۰ ٭

ترجمہ- اور اللہ وارث ہے آسمانوں کا اور زمین کا ٭

۱۶۳- وللہ خزائین السّمٰوات والارض- المنافقون آیت ۷ ٭

ترجمہ- اور اللہ کے لئے ہیں خزانے آسمانوں کے اور زمین کے ٭

۱۶۴ و ۱۶۵- مقالید السّمٰوات والارض- الزمر آیت ۶۳ و الشوریٰ آیت ۱۰ ٭

ترجمہ- کنجیاں آسمانوں کی اور زمین کی ٭

۱۶۶ و ۱۶۷- وللہ جنود السّمٰوات والارض- الفتح آیت ۴ و ۷ ٭

ترجمہ- اور اللہ کے لئے ہیں لشکر آسمانوں کے اور زمین کے ٭

۱۶۸- اللہ نور السّمٰوات والارض- النور آیت ۳۵ ٭

ترجمہ- اللہ ہے نور آسمانوں کا اور زمین کا ٭

۱۶۹- الّا یسجدوا للہ الذی یخرج الخبءَ فی السّمٰوات والارض- النمل آیت ۲۵ ٭

ترجمہ- کیوں نہ سجدہ کریں اللہ کو جو نکالتا ہے چھپی چیز آسمانوں میں اور زمین میں ٭

ترجمہ - اور اسی طرح دکھائی ہم نے ابراہیم کو بادشاہت آسمانوں کی اور زمین کی ✲

۶۶ لغایت ۸۲ - ملکوت السمٰوات والارض - المائدہ آیت ۴۴ ✲ التوبہ آیت ۱۱۷ ✲
الاعراف آیت ۱۸۵ ✲ النور آیت ۴۲ ✲ الفرقان آیت ۲ ✲ الشوریٰ آیت ۴۸ ✲
الزخرف آیت ۸۵ ✲ الجاثیہ آیت ۲۶ ✲ الفتح آیت ۱۴ ✲ الحدید آیت ۲ و ۵ ✲
البروج آیت ۹ ✲ الزمر آیت ۴۵ ✲ ص آیت ۹ ✲ البقرہ آیت ۱۰۱ ✲ المائدہ آیت ۲۰ ✲
آل عمران آیت ۱۸۶ ✲

ترجمہ - بادشاہت آسمانوں کی اور زمین کی ✲

۴۳ لغایت ۱۲۳ - ما فی السمٰوات وما فی الارض ✲ البقرہ آیت ۱۱۰ و ۲۵۶ و ۲۸۴ ✲
آل عمران آیت ۲۷ و ۱۰۵ و ۱۲۴ ✲ النساء آیت ۱۲۵ و ۱۳۰ و ۱۳۱ و ۱۶۸ و ۱۶۹ ✲
المائدہ آیت ۹۸ ✲ الانعام آیت ۱۲ ✲ یونس آیت ۵۶ و ۶۹ ✲ ابراہیم آیت ۲ ✲
النحل آیت ۵۴ و ۱۵ ✲ طٰہٰ آیت ۵ ✲ الحج آیت ۶۳ ✲ النور آیت ۶۴ ✲ العنکبوت آیت ۵۲ ✲
لقمان آیت ۱۹ و ۲۵ ✲ سبا آیت ۱ و ۳۱ و ۳ ✲ الملائکہ آیت ۴۳ ✲
الشوریٰ آیت ۲ و ۵۳ ✲ الجاثیہ آیت ۱۲ ✲ الحجرات آیت ۱۶ ✲ النجم آیت ۳۲ ✲
الحدید آیت ۱ ✲ المجادلہ آیت ۸ ✲ الحشر آیت ۱ و ۲۴ ✲ الصف آیت ۱ ✲
الجمعہ آیت ۱ ✲ التغابن آیت ۱ و ۴ ✲

ترجمہ - جو کچھ کہ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ کہ زمین میں ✲

۱۲۴ لغایت - من فی السمٰوات والارض - آل عمران آیت ۷۷ ✲ یونس آیت ۶۷ ✲
الرعد آیت ۱۶ ✲ الانبیاء آیت ۱۹ ✲ مریم آیت ۹۴ ✲ الحج آیت ۱۸ ✲ النور آیت ۴۱ ✲
النمل آیت ۶۶ و ۸۹ ✲ الروم آیت ۲۵ ✲ الزمر آیت ۶۸ ✲ الرحمٰن آیت ۲۹ ✲
بنی اسرائیل آیت ۵۷ ✲

ترجمہ - جو کوئی آسمانوں میں ہے اور زمین میں ✲

۱۳۷ و ۱۳۸ - من السمٰوات والارض - النحل آیت ۷۵ - سبا آیت ۲۴ ✲

ترجمہ - آسمانوں سے اور زمین سے ✲

۱۳۹ لغایت ۱۴۹ - فی السمٰوات وفی الارض - الانعام آیت ۳ ✲ الاعراف آیت ۱۸۶ ✲
یونس آیت ۶ و ۱۹ و ۱۰۱ ✲ یوسف آیت ۱۰۵ ✲ الروم آیت ۱۶ و ۲۶ ✲ لقمان آیت ۱۵ ✲
الجاثیہ آیت ۲ و ۳۶ ✲

ترجمہ - آسمانوں میں اور زمین میں ✲

بھانت بھانت نکالے آسمان سے کئی ستارے ہر ایک کا گھر جُدا اور چال جُدی ۔

۱۸۴۔ ان اللہ یمسک السّموات والارض ان تزولا ولئن زالتا ان امسکھما من احد من بعدہٖ۔ الملائکہ آیت ۳۹ ۔

ترجمہ۔ بے شک اللہ تھامی رکھتا ہے آسمانوں کو اور زمین کو ٹل جانے سے اور اگر ٹل جاویں تو کوئی نہ تھام سکے اُن کو اُس کے سوا ۔

۱۸۵۔ ولو اتبع الحق اھواءھم لفسدت السّموات والارض ومن فیھن۔ المومنون آیت ۷۳ ۔

ترجمہ۔ اور اگر خدا چلے اُن کی خوشی پر تو خراب ہوں آسمان اور زمین اور جو کوئی اُن کے بیچ میں ہے ۔

۱۸۶۔ تکاد السّموات یتفطرن من فوقھن۔ الشوریٰ آیت ۳ ۔

ترجمہ۔ قریب ہے کہ آسمان پھٹ پڑیں اوپر سے ۔

۱۸۷۔ قالو اتخذ الرحمٰن ولدا لقد جئتم شیئًا اِدًّا تکاد السّموات والارض یتفطرن منہ وتنشق الارض وتخر الجبال ھدًّا ان دعوا للرحمٰن ولدا وما ینبغی للرحمٰن ان یتخذ ولدا۔ مریم۔ آیت ۹۲ ۔

ترجمہ۔ وہ کہتے ہیں کہ خدا نے بیٹا کیا ہے بے شک نہایت سخت بات کہی ہے جس سے قریب ہے آسمان پھٹ پڑیں اور پھٹ جاوے زمین اور گر پڑیں پہاڑ ٹکڑے ہو کر خدا کے لئے بیٹا کہنے سے ۔

۱۸۸۔ وما قدروا اللہ حق قدرہٖ والارض جمیعًا قبضتہ یوم القیامۃ والسّموات مطویات بیمینہ سبحانہ وتعالیٰ عما یشرکون۔ الزمر۔ آیت ۶۷ ۔

ترجمہ۔ اور نہ قدر کی اُنھوں نے اللہ کی جتنی کہ اُس کی قدر کرنی چاہئے تھی اور سب ساری زمین اُس کی مٹھی میں ہوگی قیامت کے دن اور آسمان لپیٹے ہونگے اُس کے داہنے ہاتھ میں ۔

قسم پنجم

وہ آیتیں جن میں لفظ سمٰوات کا مجازاً کواکب پر اطلاق ہوا ہے جیسے کہ مجازاً ظرف سے مظروف مراد لی جاتی ہے ۔

۱۔ الذی خلق سبع سمٰوات طباقًا۔ الملک آیت ۳ ۔

۱۷۰- وکم من ملک فی السّموات لا تغنی شفاعتھم شیئا- النجم آیت ۲۶ •

ترجمہ- بہت سے فرشتے ہیں آسمانوں میں کام نہیں آتی اُن کی سفارش •

۱۷۱- یوم تبدل الارض غیر الارض والسّموات- ابراھیم آیت ۴۹ •

ترجمہ- جس دن کہ بدل دی جاوے یہ زمین زمین کے سوا (یعنی اور کسی چیز سے) اور بدل دئیے جاویں آسمان •

۱۷۲- یاھامان ابن لی صرحا لعلی ابلغ الاسباب اسباب السموات فاطلع الی الٰہ موسیٰ وانی لاظنہ کاذبا- المومن آیت ۳۹ •

ترجمہ- اے ہامان بنا میرے لئے ایک محل شاید کہ میں پہنچوں رستوں میں آسمان کے رستوں میں پھر دیکھوں موسیٰ کے خدا کو اور میری اٹکل میں تو وہ جھوٹا ہے •

۱۷۳- ارونی ماذا خلقوا من الارض ام لھم شرک فی السّموات- الاحقاف- آیت ۳ •

ترجمہ- دکھاؤ تو مجھ کو انہوں نے کیا پیدا کیا ہے زمین میں یا کچھ ان کو ساجھا ہے آسمانوں میں •

۱۷۴ و ۱۷۵- بدیع السّموات والارض- البقرہ آیت ۱۱۱- الانعام آیت ۱۰۱ •

ترجمہ- بغیر نمونہ کے بنانے والا آسمانوں کا اور زمین کا •

۱۷۶ الغایت ۱۸۱- فاطر السموات والارض- الانعام آیت ۱۴- یوسف آیت ۱۰۲- الملائکہ آیت ۱- ابراھیم آیت ۱۱- الزمر آیت ۴۷- الشوریٰ آیت ۹ •

ترجمہ- بنانے والا آسمانوں کا اور زمین کا •

۱۸۲- فطر السموات والارض- الانعام آیت ۷۹ •

ترجمہ- بنایا آسمانوں کو اور زمین کو •

۱۸۳- اولم یر الذین کفروا ان السموات والارض کانتا رتقا ففتقنھما- الانبیاء- آیت ۳۱ •

ترجمہ شاہ ولی اللہ صاحب نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح لکھا ہے- آیا نہ دیدند کافراں کہ آسمان ہا و زمین بستہ بودند پس واکردیم ایں ہارا •

اور حاشیہ پر یہ عبارت لکھی ہے- واکردن آسمان ہا نازل کردن مطر است و واکردن زمین رویانیدن گیاہ ازوے •

اور شاہ عبدالقادر صاحب نے اس کا ترجمہ یہ لکھا ہے- اور کیا نہیں دیکھا ان منکروں نے کہ آسمان اور زمین مُنہ بند تھے پھر ہم نے اُن کو کھولا •

اور حاشیہ پر یہ لکھا ہے- مُنہ بند تھی یعنی ایک چیز تھی زمین سے نہریں اور کانیں اور سبزے

اِس مقام پر ظرف کو مجازاً بمعنی مظروف بیان کرنے میں ایک بڑی عمدگی وباریکی ہے کیونکہ اگر یوں کہا جاتا کہ الذی خلق سبع کواکب طباقا۔ تو یہ قول صرف نفس کواکب پر دلالت کرتا حالانکہ اُن کے حالات اور اُن کے حرکات اور جو انتظام کہ اُن کے حرکات میں ہے وہ نفس کواکب سے بھی زیادہ عجیب ہے اور ظرف سے جو اُن کا محل سیر ہے اُن پر اشارہ کرنے سے جو عجائبات کہ نفس کواکب اور اُن کے حالات میں ہیں وہ سب کے سب یکلخت ذہن میں آجاتے ہیں ✣

"طباقا"، کا لفظ صفت ہے سموات کی جس سے کواکب ہم نے مراد لئے ہیں اُس سے مثل پیاز کے چھلکے کے تو بر تو ہونا پایا نہیں جاتا۔ ابن کثیر نے بھی اپنی تفسیر میں اُن کا ملا ہوا ہونا تسلیم نہیں کیا بلکہ طباقا سے صرف اُن کا اوپر تلے ہونا اور متوازی ہونا مراد ہے قال الامام فی تفسیرہ لعل المراد کونہا طباقا کونہا متوازیۃ لا انہا متماسۃ" یعنی طباقاً کے لفظ سے یہ ضرور نہیں ہے کہ وہ چمٹے ہوئے ہوں بلکہ یہ مطلب ہو کہ متوازی ہوں (یعنی حرکت میں ایک دوسرے سے ٹکرا نہ جاویں) ✣

اس کی تائید قرآن مجید کی دوسری آیت سے بخوبی ہوتی ہے جہاں فرمایا ہے "والشمس تجری لمستقر لہا ذلک تقدیر العزیز العلیم والقمر قدرناہ منازل حتی عاد کالعرجون القدیم لا الشمس ینبغی لہا ان تدرک القمر ولا الیل سابق النہار وکل فی فلک یسبحون ✣"

یعنی آفتاب چلتا ہے اپنی قرارگاہ میں یہ ٹھہرایا ہوا ہے اُس زبردست جاننے والے کا اور چاند کے لئے اُس نے مقرر کی ہیں منزلیں یہاں تک کہ پھر ہو جاتا ہے مانند پُرانی ٹہنی کے (یعنی ہلال) نہ سورج کر سکتا ہے کہ چاند کو پکڑ لے (یعنی ٹکر مارے) اور نہ رات آگے بڑھ سکتی ہے دن سے اور ہر ایک یعنی سورج چاند وستارے ایک ایک گھیرے میں پھرتے ہیں۔ پس طباقا کے لفظ سے یہی مطلب ہے کہ باوجودیکہ اس قدر کواکب ہیں جن کی انتہا نہیں اور سب اپنے اپنے محل سیر میں پھرتے ہیں اور ایک دوسرے سے ٹکراتا نہیں ✣

اسی آیت کی مانند یہ آیت ہے" وبنینا فوقکم سبعاً شداداً وجعلنا سراجاً وہاجاً یعنی بنائے ہم نے تمہارے اوپر سات یا متعدد کواکب مضبوط اور کیا ہم نے اُن میں سے ایک کو چراغ روشن ✣

افسوس کہ بعض اکابر نے اِس آیت کی نسبت مکابرہ کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اگر سبع سے سات ستارے معہودہ مراد ہوتے تو لفظ سبع کو معرف باللام لانا ضرور تھا۔ اگرچہ ہم تو سمجھتے ہیں کہ بجائے شہرت تعریف باللام لانا ضرور نہ تھی مگر اِس کے جواب سے ہم مجبور ہیں اس لئے کہ خدا نے اور جگہ بھی

ترجمہ۔ جس نے پیدا کیا سات یا متعدد آسمانوں یعنی کواکب کو تلے اوپر ٭

اِس آیت کے بعد کی آیتوں میں خدا فرماتا ہے۔ ما تری فی خلق الرحمٰن من تفاوت۔ یعنی تو نہیں دیکھنے کا خدا کے پیدا کرنے میں کچھ فرق۔ پھر خدا فرمایا ہے۔ فارجع البصر ھل تری من فطور۔ یعنی پھر پھیر اپنی نگاہ کو کہیں تجھ کو دکھائی دیتی ہے کچھ خرابی ٭ پھر خدا فرماتا ہے۔ ثم ارجع البصر کرتین ینقلب الیک البصر خاسئًا و ھو حسیر۔ یعنی پھر پھیر اپنی نگاہ کو دو دو بار اُلٹ آویگی تیرے پاس تیری نگاہ عاجز ہو کر اور تھک کر ٭

اِن آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جن آسمانوں کے پیدا کرنے کا ذکر خدا نے پہلی آیت میں کیا ہے وہ ایسی چیز ہے کہ انسان اُس کو دیکھ سکتے ہیں لیکن سبع سمٰوات سے کوئی سی آسمان مراد لو خواہ مجسم خواہ محل سیر کواکب مگر وہ دکھائی نہیں دیتے پس خدا کا یہ فرمانا کہ اُن کو دیکھو اور پھر نگاہ کرو اور پھر نگاہ پھیر کر دیکھو محض لغو اور بے سُود ہوگا ٭

"فارجع البصر" سے یہی آنکھ کی نگاہ مراد ہے نہ کوئی دوسری چیز چنانچہ امام صاحب بھی تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں۔ فما معنی ثم لرجع الجواب امرہ برجع البصر یعنی اس آیت میں نظر کے پھیرنے کا حکم ہے ٭

تعجب یہ ہے کہ امام صاحب بھی سمجھتے ہیں کہ یہ سمٰوات جن کا ذکر اس آیت میں ہے محسوس ہونے چاہئیں اور ارقام فرماتے ہیں کہ "ان الحس دل علی ان ھذہ السمٰوات السبع اجسام مخلوقۃ علی وجہ الاحکام والاتقان" مگر یہ نہیں بتایا کہ کیونکر حس اُن کے اجسام ہونے پر دلالت کرتی ہے حالانکہ وہ تو محسوس نہیں ہیں ٭

پس ضرور ہے کہ اِس جگہ سمٰوات سے وہ چیزیں مراد ہوں جو مرئی اور محسوس ہیں اور ہر کوئی اُن کو دیکھتا ہے تاکہ اُن کے پیدا کرنے کی دلیل سے خدا کی عظمت اور اُس کی خالقیت ثابت کی جاوے اور چونکہ سمٰوات درحقیقت محل سیر کواکب ہیں تو بمنزلہ ظرف کے ہیں اور کواکب بمنزلہ مظروف کے پس اِس مقام پر سمٰوات سے مجازاً کواکب مراد ہیں۔ بولا گیا ہے ظرف اور مراد ہے مظروف لفظ سبع اگر بمعنی حقیقی لیا جاوے تو اُس سے یہ سات کواکب سیارہ مراد ہونگے جو ہمارے لئے بہ نسبت اور کواکب کے زیادہ تر عجیب ہیں اور اگر اُس کا استعمال بطور محاورہ عرب بلاتعین عدد سمجھا جاوے تو اُس سے تمام کواکب جو ہم کو دکھائی دیتے ہیں مراد ہونگے ٭

ظرف سے مظروف مراد ہونے پر قرینہ تو یہ موجود ہے یعنی اگلی آیتوں میں جو کچھ بیان ہوا ہے وہ ایسی اشیاء پر جو مرئی نہیں ہیں اور دکھائی نہیں دیتیں صادق نہیں آتا اور اس لئے ضرور ہوا ہے کہ ظرف سے مظروف مراد لی جاوے ٭

ماالحاقۃ وما ادراک ماالحاقۃ کہ اس کلام میں اگرچہ لفظ لام موجب تعریف ہے لیکن بسبب اُس کے ہول اور دہشت کے غیر معروف ہونے کے اس کو معرفہ ہونے کی حالت سے نکال دیا ہے اسی طرح پر طور اگرچہ مشتہر ہے لیکن اس درجہ شہرت کو نہیں پہنچا کہ التباس کا خوف نہ رہا ہو اور یہی حال بیت المعمور کا ہے بخلاف کتاب کریم کے کہ وہ اپنی امثال میں اس درجہ ممتاز ہے کہ جو لوگ سُننے والے ہیں وہ اس لفظ کے سُننے سے اُسی کو سمجھ لیتے ہیں دوسری کتاب کا شُبہ نہیں ہوتا پس جبکہ خوف التباس نہ رہا اور فائدہ تعریف کا شہرت ہی سے حاصل ہوگیا خواہ لام ہو یا نہ ہو تو اس وجہ سے ایک دوسرا فائدہ کا مفید کیا گیا اور وہ فائدہ یہی ہے کہ اُس کو بالتنکیر ذکر کیا اور چونکہ اور اشیاء میں بغیر آلہ تعریف کے توصیف نہیں آسکتی تھی اس لئے اُن کو معرف باللام بیان کیا اور اس وجہ سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ مراد اس سے قرآن ہے اور ایسے ہی لوح محفوظ مشہور ہے ٭

پس جو کہ کواکب سبع نہایت مشہور تھے بلکہ اُن کو سیارہ خیال کرنے سے لوگ بالتخصیص اور دیگر کواکب سے تمیز کرتے تھے تو ہماری دانست میں خدا نے کچھ غلطی نہیں کی بلکہ معرف باللام لانا ضرور نہ تھا ٭

پھر وہ فرماتے ہیں کہ یہ ترجمہ غلط ہے (شاید غلط ہو اس لئے کہ ہم مولوی نہیں ہیں) وہ فرماتے ہیں کہ ہم نے اپنی جہالت اور ہوائے نفسانی سے جعلنا کو متعدی الی المفعولین ٹھہرایا ہے حالانکہ وہ متعدی الی مفعول واحد ہے ٭

مگر یہ ارقام نہیں فرمایا کہ اس مقام پر جعلنا کو متعدی الی مفعول واحد قرار دینے کی اُن پر کوئی وحی نازل ہوئی ہے اور کیوں اُس کا متعدی الی المفعولین ہونا ناجائز ٹھہرایا ہے مگر چند ہم سے جاہلوں نے تو جعلنا کو اس مقام پر متعدی الی مفعولین مانا ہے ٭

تفسیر معالم التنزیل والا کہتا ہے وجعلنا سراجاً یعنی الشمس وھاجاً مضیئاً پس اس نے ایک مفعول سراج کو بمعنی شمس اور دوسرا مفعول وہاج کو قرار دیا ہے ٭

پھر تفسیر ابن عباس کے مصنف نے بھی جہالت کی ہے کہ وجعلنا سراجاً وھاجاً شمساً مضیئاً بیان کیا ہے اور جعلنا کو متعدی الی المفعولین مانا ہے ٭

بے شک خدا نے بھی غلطی کی ہے کہ اوپر سے برابر جعلنا کو متعدی الی المفعولین کہتا چلا آتا تھا۔ الم نجعل الارض مھاداً۔ والجبال اوتاداً۔ وجعلنا نومکم سباتاً۔ وجعلنا اللیل لباساً۔ وجعلنا۔ النھار معاشاً۔ پھر اخیر میں بھی وجعلنا کو متعدی الی المفعولین کہہ دیا کہیں تو متعدی الی مفعول واحد بولا ہوتا اگر درحقیقت خدا اس قصور کا تقصیروار ہو تو ہم بھی اس جعلنا کو اس جگہ متعدی الی مفعول واحد تسلیم کرلینگے ٭

ایساہی فرمایا ہے چنانچہ "والطور وکتاب مسطور فی رق منشور" میں کتاب معہودہ کو غیر معرف باللام فرمایا ہے ؛

امام فخر الدین رازیؒ فرماتے ہیں کہ "ما الحکمۃ فی تنکیر الکتاب وتعریف باقی الاشیاء تقول ما یحتمل الخفاء من الامور الملتبسۃ بامثالھا من الاجناس یعرف باللام فیقال رایت الامیر ودخلت علی الوزیر فاذا بلغ الامیر الشھرۃ بحیث یومن الالتباس مع شھرۃ ویرید الواصف وصفہ بالعظمۃ یقول الیوم رایت امیرا مالہ نظیر وجالسا وعلیہ سیما الملوک وانت ترید ذٰلک الامیر المعلوم والسبب فیہ انک بالتنکیر تشیر الی انہ خرج عن ان یعلم ویعرف بکنہ عظمتہ فیکون کقولہ تعالٰی الحاقۃ ما الحاقۃ وما ادراک ما الحاقۃ فاللام وان کانت معرفۃ لکن اخرجھا عن المعرفۃ کون شدۃ ھولھا غیر معروف فکذٰلک ھھنا الطور لیس فی شھرۃ بحیث یومن اللبس عند التنکیر وکذٰلک البیت المعمور واما الکتاب الکریم فقد تمیز عن سایر الکتب بحیث لا یسبق الی افھام السامعین من النبی صلی اللہ علیہ وسلم لفظ الکتاب الا ذٰلک فلما امن اللبس وحصلت فایدۃ التعریف سواء ذکر باللام او لم یذکر فقصد الفایدۃ الاخرٰی وھی الذکر بالتنکیر وفی تلک الاشیاء لما لم تحصل فایدۃ التعریف الا بآلۃ التعریف استعملھا وھذا یؤید کون المراد منہ القرآن وکذٰلک اللوح المحفوظ مشھور ؛

ترجمہ۔ اگر کوئی کہے کیا حکمت ہے بیچ نکرہ لانے لفظ کتاب کے اور معرّف لانے اور چیزوں کے پس ہم جواب دینگے کہ جو چیزیں احتمال رکھتی ہیں کسی قسم کی خفاء کا منجملہ اُن امور کے جو مشتبہ ہوتے ہیں ساتھ اپنی امثال کے اجناس وغیرہ سے تو وہ معرفہ لائی جاتی ہیں چنانچہ یوں بولا جاتا ہے رایت الامیر ودخلت علی الوزیر یعنی دیکھا میں نے اُس امیر کو اور گیا میں پاس اُس وزیر کے اور جبکہ کوئی امیر خاص ایسا مشہور ہو جاتا ہے کہ وقت اطلاق کے وُہی سمجھا جاتا ہے اور کسی دوسرے کا شُبہ نہیں ہوتا اور کوئی شخص اُس مشہور امیر کی کچھ تعریف کرنی چاہتا ہے تو یوں کہتا ہے الیوم رایت امیراً مالہ نظیر جالساً وعلیہ سیما الملوک یعنی آج میں نے امیر کو بیٹھے دیکھا کہ اُس کی کوئی نظیر ہی نہیں ہے اور وہ ملوکانہ شان سے بیٹھا ہوا تھا پس بوجہ شہرت کے کچھ اس کے معرف لانے کی ضرورت نہیں ہوئی گو در حقیقت ارادہ میں امیر خاص ہی ہوتا ہے اور نکتہ اس میں یہ ہوتا ہے کہ گویا تنکیر سے تم اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہو کہ بسبب شہرت کے وہ اس بات کا محتاج نہیں ہے کہ اُس کی کُنہ عظمت کی تعریف کی جاوے پس گویا کہ ہے مثل اِس قول اللہ تعالیٰ کے الحاقۃ

اِس آیت میں بھی جب تک سمٰوات سے ایسی چیزیں مراد نہ لی جاویں جو حقیقت میں دکھائی دیتی ہوں اُس وقت تک خدا تعالےٰ کی قدرت کے اثبات پر دلیل نہیں ہوسکتی ٭

۴- الم ترکیف خلق اللّٰہ سبع سمٰوات طباقا و جعل القمر فیھن نورا و جعل الشمس سراجا۔ نوح آیت ۱۵ و ۱۶ ٭

ترجمہ۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ کس طرح پیدا کیا اللہ نے سات یا متعدد آسمانوں یعنی کواکب کو تلے اوپر اور کیا اُن میں چاند کو نور اور کیا سورج کو چراغ روشن ٭

اِس آیت میں بھی ہم کو وہی بحث ہے جو پہلی آیت میں کی ہے اور جس طرح اور جس دلیل سے ہم نے سورۃ الملک کی آیت میں سمٰوات سے کواکب مراد لئے ہیں اسی طرح اس مقام پر بھی لیتے ہیں شمس و قمر اُن کواکب کے مغایر نہیں ہیں کیونکہ اس مقام پر لفظ فی سے داخل ہونا شمس و قمر کا اُنھی اعداد سبع میں پایا جاتا ہے۔ قال اللّٰہ تبارک و تعالےٰ من لسان ابراھیم علیہ السلام ربنا وابعث فیھم رسولًا منھم یتلوا علیھم ایاتک و یعلمھم الکتاب والحکمۃ و یزکیھم انک انت العزیز الحکیم۔ یعنی اے ہمارے پروردگار اُٹھا اُن میں ایک رسول اُنھی میں سے الخ ٭

۵- اللّٰہ الذی رفع السمٰوات بغیر عمد ترونھا ثم استوی علی العرش و سخر الشمس والقمر کل یجری لاجل مسمّی۔ الرعد آیت ۲ ٭

ترجمہ۔ اللہ وہ ہے جس نے بلند کیا آسمانوں کو بغیر ستون کے کہ دیکھو تم اُس کو پھر ٹھہرا عرش پر اور فرمانبردار کیا سورج اور چاند کو ہر ایک چلتا ہے معین مدت میں ٭

۶- خلق السمٰوات بغیر عمد ترونھا۔ لقمان آیت ۹ ٭

ترجمہ۔ پیدا کیا اللہ نے آسمانوں کو بغیر ستون کے کہ دیکھو تم اُس کو ٭

ان دونوں آیتوں میں خدا تعالےٰ اپنی قدرت کاملہ اس طرح پر ثابت کرتا ہے کہ اُس نے سمٰوات کو بغیر ستون کے بلند کیا ہے جب تک کہ وہ سمٰوات بغیر ستون کے بلند ہوئے نہ دکھائی دیں اُس وقت تک اُس قدرت کا ثبوت نہیں ہوسکتا ٭

پس اس جگہ سمٰوات سے خواہ یونانیوں والے مجسم آسمان مراد لو خواہ تیرھویں صدی کے مولویوں والا خواہ محل سیر کواکب اگر اُن میں سے کوئی بھی مرئی نہیں ہے پس اگر لفظ سمٰوات کو بجائے لفظ سماء کے سمجھو اور اُس سے یہ نیلی چھت مراد لو تو ہم کو کچھ کلام نہیں لیکن اگر اُس کو بمعنی جمع قرار دو جیسا کہ ظاہر لفظ میں ہے تو ہم اُس سے بھی کواکب مراد لینگے اُسی دلیل سے جس سے کہ پہلی آیتوں میں لئے ہیں تاکہ دلیل پوری ہو جاوے ٭

سبعًا کا مضاف الیہ محذوف بلا شبہ ممکن ہے کہ سموات ہو جیسا کہ تمام مفسروں نے مانا ہے لیکن جو کہ اُن کے ذہن میں بہ تقلید یونانیاں جما ہوا تھا کہ آسمان سات ہیں اور اُن کا جسم شدید صلب بلوریں ہے کہ خرق والتیام کے بھی قابل نہیں اُسی خیال سے اُنہوں نے سبعًا کا مضاف الیہ سموات کو قرار دیا ہے ورنہ اُن پر کوئی وحی نازل نہیں ہوئی تھی کہ مضاف الیہ محذوف سموات ہے غایت یہ ہے کہ کوئی قرینہ ہوگا باستدلال آیت "ءأنتم اشد خلقًا ام السماء بناها" لیکن یہ استدلال ایسا نہیں ہے کہ باوجود موجود ہونے دوسرے قرینہ کے بھی کوئی اور مضاف الیہ محذوف اس کا نہ مانا جاوے *

خدا تعالیٰ نے شروع آیت میں سات کا ذکر کیا اور اُس کے ساتھ سورج کا ذکر فرمایا پس یہ کیسا صاف قرینہ ہے کہ وہ سات وُہی ہیں جن میں کا ایک سورج ہے اور سورج اُنہی سات میں کا ایک ہے پس ایسے صاف اور روشن قرینہ سے جو سورج کی مانند چمکتا ہے سبعًا کا مضاف الیہ کواکب اور جعلنا کو متعدی الی المفعولین اور اس کا مفعول اول احدٰلھن قرار دیتے ہیں اور جو کہ اُس کے حذف پر صاف قرینہ دلالت کرتا تھا اس لئے اُس کا حذف نہایت وسیع تھا صاف صاف معنی خدا کے کلام کے تو یہی ہیں پھر یونانیوں کی تقلید کرنے والے چاہیں مانیں چاہیں نہ مانیں *

واضح ہو کہ اگر ہم اس تمام تقریر سے قطع نظر کریں اور سبعًا کا مضاف الیہ سموات ہی تسلیم کریں اور سبع سموات سے بھی سموات ہی مراد لیں اور اشدّ کے لفظ کو بھی نسبت سموات ہی کے تسلیم کرلیں تو بھی آسمانوں کا جسم یونانیوں کے آسمانوں کا سا جسم یا ویسا جسم جیسا کہ تیرھویں صدی کے مولوی قرار دینا چاہتے ہیں ثابت نہیں ہوتا چنانچہ اِس کی بحث آگے آویگی *

۲۔ اولم یروا ان اللہ الذی خلق السموات والارض قادر علی ان یخلق مثلھم۔

اسرائیل۔ آیت ۱۰۱ *

ترجمہ۔ کیا نہیں دیکھا تم نے کہ جس اللہ نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو طاقت رکھتا ہے اس بات پر کہ پیدا کرے اُن کی مانند *

کیا فائدہ ہے اس آیت سے اور خدا کی قدرت پر کیونکر اقرار ہو سکتا ہے اگر وہ سموات جن کا اس میں ذکر ہے ہم کو دکھائی نہیں دیتے بلا شبہ اس مقام میں بھی سموات سے کواکب مراد ہیں جن کو ہم دیکھتے ہیں اور خدا کی قدرت کا اقرار کرتے ہیں *

۳۔ الم تر ان اللہ خلق السموات والارض بالحق۔ ابراھیم آیت ۲۲ *

ترجمہ۔ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ پیدا کیا اللہ نے آسمانوں کو یعنی کواکب کو اور زمین کو جیسا چاہیئے *

فلک یعنی سماء پانی کا بُلبلہ ہے سورج اور چاند اور ستارے اُس میں پھرتے ہیں اور کلبی کا یہ قول ہے کہ پانی جمع ہوگیا ہے اُس میں ستارے بہتے ہیں ٭

پھر امام صاحب لکھتے ہیں کہ " والحق انہ لا سبیل الی معرفۃ صفات السمٰوات الا بالخبر" یعنی سچ یہ ہے کہ آسمانوں کی صفت معلوم کرنے کے لئے بجز وحی کے کوئی راہ نہیں ہے (بشرطیکہ وحی کے معنی سمجھنے میں غلطی نہ ہو) ٭

اخیر کو امام صاحب نے یہ فیصلہ کیا ہے " والذی یدل علیہ لفظ القرآن ان تکون الافلاک واقفۃ والکواکب تکون جاریۃ فیہا کما تسبح السمکۃ فی الماء" یعنی وہ بات جو قرآن کے لفظوں سے پائی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ افلاک یعنی آسمان تو ٹھہرے ہوئے ہوں اور ستارے اُس میں بہتے ہوں جیسے کہ مچھلی پانی میں تیرتی ہے ٭

ہم نے جو کچھ کہا ہے وہ انہیں علماء کے اقوال کے نہایت قریب قریب ہے حقیقت سماء اور سمٰوات کی ہم نہیں جانتے مگر یہ بات کہ وہ اجرام صلب ہیں محض غلط ہے اس کو بھی ہم نہیں مانتے کہ وہ گیند کی طرح ایک جسم ہیں اور ستارے اُن پر پھرتے ہیں جیسے کہ گیند پر چیونٹی یا گنبد پر اخروٹ اور ان دونوں باتوں کو اس لئے نہیں مانتے کہ قرآن مجید سے اُن کا ایسا جسم یا اُن کی ایسی حقیقت ثابت نہیں ہوتی ٭

باقی رہی یہ بات کہ وہ پانی کے بُلبلہ کی مانند ہیں یا پانی اکٹھا ہوگیا ہے یعنی وہ ایک ایسے جسم لطیف سیال ہیں جو کواکب کی سیر و حرکت کو مانع نہیں ہیں۔ اگر کوئی شخص اُن کے ایسے جسم ہونے کا دعوٰے کرے تو ہم اُس کو اس قدر جواب دینگے کہ ہونگے مگر ہم ایسے جسم ہونے کا بھی دعوٰے نہیں کرینگے دو وجہ سے۔ اوّل اس لئے کہ ایسے جسم ہونے کے ثبوت کے لئے ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں۔ دوسرے اس لئے یہ کہ قرآن مجید میں جو کچھ بیان ہوا ہے اُس سے نہ ایسے وجود کا ہونا پایا جاتا ہے اور نہ اُس کے تسلیم کرنے کی ضرورت معلوم ہوتی ہے ٭

پس علاوہ اُن چیزوں کے جن پر سماء کے لفظ کا اطلاق ہوا ہے ہم نے سماء کے معنی فضائے محیط کے قرار دیئے ہیں اور اُس کے درجات یا طبقات کو جو بسبب حدوث اور وجود دیگر اشیائے کے اُس فضائے محیط میں اوپر تلے یا طبقہ بعد طبقہ پیدا ہوگئے ہیں سمٰوات کہا ہے تو اب ہم کو ضرور ہے کہ ہم اس بات کو بھی بیان کریں کہ جو معنی ہم نے لفظ سماء یا سمٰوات کے قرار دیئے ہیں یا جن معنوں میں اُن کا اطلاق ہونا بیان کیا ہے کوئی لفظ کسی آیت کا آیات قرآن مجید سے اُس کے مخالف نہیں ہے اس بیان سے یہ بھی ثابت ہے کہ ہم وجود سمٰوات کے مُنکر نہیں ہیں کیونکہ اس فضائے محیط یا اُس کے طبقات کا وجود مخلوق ہے ٭

شمس و قمر بھی اُنھی سمٰوات یعنی کواکب میں داخل ہیں مگر چونکہ وہ بہ نسبت دیگر کواکب کے زیادہ عظیم الشان ہم کو معلوم ہوتے ہیں اور وہ چلتے ہوئے بھی ہر ایک کو محسوس ہوتے ہیں اس لیئے اپنے کمال قدرت کو زیادہ تر ظاہر کرنے کو فرمایا کہ وہ بھی خدا کے فرمانبردار ہیں ❖

مولوی مہدی علی صاحب نے جو اپنے آرٹیکل میں عمد غیر مرئی کی نسبت ایک محققانہ گفتگو کی تھی اُس کی نسبت بعض اکابر نے اپنی تحریر میں مکابرہ کیا ہے ہم نے اُس کو بغور دیکھا اور مولوی مہدی علی صاحب کی زبان سے صرف اتنا ہی کہنا مناسب سمجھا کہ "شعر مرا بہ مدرسہ کہ بُرد" ❖

علاوہ اِن آیتوں کے اور بھی آیتیں ہیں جن میں سمٰوات کے لفظ سے کواکب مراد لینا بہ نسبت آسمانوں کے زیادہ تر مناسب ہے۔ مگر ہم انہیں آیتوں پر بس کرتے ہیں ❖

تحقیق الفاظ آیات

جمہور فلاسفہ اور اصحاب علم ہیئت آسمان کی نسبت بیان کرتے ہیں کہ "انہا اجرام صلبۃ لا ثقیلۃ ولا خفیفۃ غیر قابلۃ للخرق ولا لالتیام والنمو والذبول" ❖

یعنی آسمان سخت اجرام ہیں نہ بوجھل ہیں اور نہ ہلکے ہیں پھٹنے اور جڑنے اور بڑھنے اور گھٹنے کے قابل نہیں ہیں۔ اس حقیقت اور ایسے وجود سمٰوات کے ہم بالکل منکر ہیں ❖

علمائے معقول اور منقول سماء و فلک دونوں کو ایک سمجھتے ہیں جیسا کہ امام فخر الدین رازی نے بھی تفسیر کبیر میں تحت آیۃ کُلٌّ فی فلك یسبحون کے فلک اور سماء میں کچھ تفرقہ نہیں کیا ہے بلکہ دونوں کو ایک سمجھا ہے پس جو بحث کہ اُنہوں نے فلک کی حقیقت میں کی ہے وہ بحث گویا سماء کی اور سمٰوات کی حقیقت میں ہے چنانچہ اُنہوں نے مفصلہ ذیل مذہب نسبت اُس کے نقل کئے ہیں ❖

"قال بعضہم الفلك لیس بجسم وانما ھو مدار ھذہ النجوم وھو قول الضحاك وقال الاکثرون ھی اجسام تدور النجوم علیھا وھذا اقرب الی ظاھر القرآن۔ ثم اختلفوا فی کیفیتہ فقال بعضہم الفلك موج مکفوف تجری الشمس والقمر والنجوم فیہ وقال الکلبی ماء مجموع تجری فیہ الکواکب" ❖

یعنی بعضوں کا قول ہے کہ فلک یعنی آسمان کا کوئی جسم نہیں ہے بلکہ وہ ستاروں کے چکر کی جگہ ہے اور یہ قول ضحاک کا ہے اور اکثر عالم مفسر یہ کہتے ہیں کہ اُن کا جسم ہے اور ستارے اُن کے اوپر پھرتے ہیں (جیسے کہ گیند پر چیونٹی) اور یہی معنی قرآن کے الفاظ کے نہایت قریب ہیں ❖ اس کے بعد پھر عالموں اور مفسروں نے اس بات میں کہ پھر وہ کیسے ہیں اختلاف کیا ہے بعضوں کا قول ہے کہ

لے جاتے ہیں اور پھر زمین کو پھیر دیتے ہیں۔ تیسرے یہ کہ اُنھوں نے نیک فال کے ارادہ سے مینہ کا نام رجع رکھا ہے تاکہ پھر آوے۔ چوتھے یہ کہ مینہ ہر برس پھر آتا ہے۔ اب کہ یہ بات جان لی گئی تو ہم کہتے ہیں کہ مفسروں کے کئی قول ہیں۔ اوّل ابن عباس کا قول ہے کہ والسّماء ذات الرجع کے معنی ہیں ذات المطر یعنی مینہ والا پھیر لاتا ہے مینہ کو مینہ کے بعد۔ دوسرے یہ کہ رجع السّماءُ سے وہ نیکی مراد ہے جو آسمان کی طرف سے بار بار زمانوں کے گذر جانے پر بھی ہوتی رہتی ہے عرب بولتے ہیں ترجعہ رجعا یعنی اُس کو دیتا ہے بار بار۔ تیسرا ابن زید کا قول ہے وہ کہتے ہیں کہ آسمان لے جاتا ہے اور پھر لاتا ہے اپنے سورج اور چاند کو اُن کے چھپ جانے کے بعد مگر پہلی بات ٹھیک ہے +

بایں ہمہ ہم خود سیاق و سباق کلام خدا پر غور کر سکتے ہیں اُس کے دونوں جملوں کے ملانے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ نہایت فصاحت اور خوبی سے بادلوں کا اور اُس کے ساتھ زمین کے اُگانے کا جو دونوں لازم و ملزوم ہیں بیان کیا ہے پھر چاہو لفظ رجع کے لغوی معنی لو خواہ مجازی معنی دونوں حالتوں میں مطلب ایک ہی رہتا ہے ہم خود بادلوں کو دیکھتے ہیں کہ جاتے آتے ہیں یہاں برستے ہیں پھر وہاں جا برستے ہیں پھر یہاں آ برستے ہیں زمین کو سیراب کرتے ہیں وہ طرح طرح کے پھل پھولوں کو اُگاتی ہے +

ایک بہت بڑا معجزہ قرآن مجید کا یہ ہے کہ خدا تعالے جا بجا نیچر کی خوبی انسان کو جتلاتا ہے اور اُس سے اپنی خدائی کے ثبوت پر دلیل لاتا ہے اور پھر اُس سے انسان کو روحانی نیکی حاصل کرنا سکھلاتا ہے فھو رب العرش العظیم۔ سبحانہ و تعالے شانہ +

قسم دوم میں جو آیتیں بیان ہوئی ہیں اور جن میں لفظ سماء کا فضائے محیط پر اطلاق ہوا ہے اُن آیتوں میں کئی لفظ بحث کے لائق ہیں +

اوّل لفظ " استوی " جس کو ہم نے اور اور مفسروں نے بمعنی خلق بیان کیا ہے پس لفظ استوی سے بحث کرنی گویا لفظ خلق سے بحث کرنی ہے اس لئے اس مقام پر اس لفظ سے بحث نہیں کرتے کیونکہ آگے لفظ خلق سے پوری بحث کی جاویگی +

دوسرا لفظ " بروج " کا ہے۔ یہ لفظ تین آیتوں میں آیا ہے۔ تبارک الذی جعل فی السّماء بروجا و جعل فیھا سراجا و قمرا منیرا ۞ و لقد جعلنا فی السّماء بروجا و زیّنّٰھا للنّاظرین ۞ والسّماء ذات البروج مگر یہ لفظ ہمارے بیان کے مخالف نہیں ہے اور نہ اس لفظ سے آسمان کا ایسا جسم جیسا کہ یونانی حکیموں نے مانا تھا اور جس کی تقلید علمائے اسلام نے کی ہے ثابت ہوتا ہے +

بروج جمع ہے برج کی اور برج مشتق ہے تبرّج سے جس کے معنی ظاہر ہونے کے ہیں۔

قسم اوّل کی آیتوں میں یعنی جن میں لفظ سماء کا بمعنی ابر و بادل کے اطلاق ہوا ہے کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جو بحث کے قابل ہو اور جس سے اُن معنوں میں شبہ پڑ سکتا ہو۔ ہاں صرف ایک اخیر کی آیت والسماء ذات الرجع شاید بحث کے لائق ہو کیونکہ ہمارے زمانہ کے علماء شاید اُس کو یونانیوں والا آسمان قرار دیکر اُس سے آسمان کی گردش اور زمین کے سکون قرار دینے پر متوجہ ہوں*

مگر ہم سمجھتے ہیں کہ جمہور مفسرین نے بھی اس آیت میں لفظ سماء سے بادل مراد لی ہے صرف ابن زید کا ایک قول منقول ہوا ہے جس سے یونانیوں والا آسمان مراد ہو سکتا ہے مگر اُس قول کو مفسرین نے نہیں مانا*

تفسیر کبیر میں لکھا ہے "اما قولہ والسماء ذات الرجع فنقول قال الزجاج الرجع المطر لانہ یجیئ و یتکرر واعلم ان الکلام الزجاج وسایر ائمۃ اللغۃ صریح فی ان الرجع لیس اسما موضوعا للمطر بل سمی رجعا علی سبیل المجاز و لحسن ھذا المجاز وجوہ (احدھا) قال القفال کانہ من ترجیع الصوت وھو اعادتہ و وصل الحروف بہ فکذا المطر لکونہ عایدا مرۃ بعد اخری سمی رجعا (و ثانیہا) ان العرب کانو یزعمون ان السحاب یحمل الماء من بحار الارض ثم یرجعہ الی الارض (و ثالثہا) انہم ارادوا التفاول فسموہ رجعا لیرجع (و رابعہا) ان المطر یرجع فی کل عام اذا عرفت ھذا فنقول للمفسرین اقوال (احدھا) قال ابن عباس والسماء ذات الرجع ای ذات المطر یرجع لمطر بعد مطر (و ثانیہا) رجع السماء اعطاء الخیر الذی یکون من جہتہا حالا بعد حال علی مرور الازمان ترجعہ رجعا ای تعطیہ مرۃ بعد مرۃ (و ثانیہا) رجع السماء اعطاء الخیر الذی یکون من جہتہا حالا بعد مرۃ (و ثالثہا) قال ابن زید ھو انہا تردو ترجع شمسہا و قمرھا بعد مغیبہما والقول ھو الاوّل*

یعنی ہم کہتے ہیں کہ والسماء ذات الرجع میں جو لفظ رجع کا ہے اُس کے معنی زجاج نے مینہ کے لئے ہیں کیونکہ مینہ آتا ہے اور پھر پھر کر آتا ہے۔ یہ بات جان لینی چاہئے کہ زجاج کے اور تمام لغت کے عالموں کے کلام میں اس بات کی تصریح ہے کہ لفظ رجع مینہ کے لئے نہیں بنایا گیا ہے یعنی اُس کے لغوی معنی مینہ کے نہیں ہیں بلکہ مجازاً بطور مینہ کے نام کے بولا جاتا ہے اور مجازاً مینہ کا نام رجع رکھنے میں کئی خوبیاں ہیں۔ اوّل یہ کہ قفال کا قول ہے کہ رجع کا لفظ گویا ترجیع الصوت سے لیا ہے جس کو گانے والے گٹکری کہتے ہیں اور گٹکری آواز کا پھیرنا اور اُس سے حرفوں کا لے میں ملانا ہے اور یہی حال مینہ کا ہے پس اُس کے برسنے اور پھر برسنے کے سبب رجع اُس کا نام رکھ دیا گیا ہے۔ دوسرے یہ کہ اہل عرب سمجھتے تھے کہ بادل زمین کے دریاؤں میں سے پانی

ستاروں کا بارہ موقعوں پر اُن کو دکھائی دیا اور ہر ایک مجمع کی حد سے قریب ایک ایک مہینہ میں آفتاب کا گذر ہوتا تھا۔ پس اہل تنجیم نے ستاروں کے اُن بارہ مجمعوں کی بارہ صورتیں قرار دیں جیسے کہ اُن کواکب میں خطوط وصل کرنے سے پیدا ہوتی تھیں اور ہر ایک صورت کا ایک نام رکھ دیا جو مشہور ہیں اور جو کہ وہ کواکب کچھ تو اس سبب سے کہ طریق الشمس میں واقع تھے اور کچھ اِس سبب سے کہ اُن کے مجموع سے ایک صورت قرار دیدی گئی تھی بہ نسبت اور کواکب کے زیادہ ظاہر اور زیادہ معلوم تھے اُن کے مجمع کا یا اُس صورت کا جو مجمع کواکب سے خیال کی گئی تھی برج نام رکھا جو مشتق تبرّج سے ہے پس نتیجہ یہ ہوا کہ بُرج نام ہے اُس خاص مجمع کواکب کا جو اُس فضائے محیط میں میلان طریق الشمس میں بوضع خاص واقع ہوئے ہیں اِس لئے سماء کو ذات البروج کہنا کچھ بھی منافی ہمارے کلام کا نہیں ہے اور والسّماء ذات البروج کہنا بالکل ایسا ہے جیسے کہ والسّماء ذات النجوم کہنا اور تبارک الّذی جعل فی السّماء بروجاً کہنا ایسا ہے جیسے کہ تبارک الّذی جعل فی السّماء نجوماً کہنا اور ولقد جعلنا فی السّماء بروجاً کہنا ایسا ہے جیسے کہ ولقد جعلنا فی السّماء نجوماً کہنا *

بعد اِس تقرر کے اہل تنجیم واہل ہیئت یونانیہ کو ایک اور مشکل پیش آئی جس سے اُنہوں نے صُوَر بروج کو فلک ہشتم پر اور تقسیم بروج کو فلک نہم پر مانا مگر یہ مسائل علم ہیئت کے ہیں اُس کی بحث کا یہاں موقع نہیں ہے غرضکہ اُنہی کواکب کے مجمع کو جن سے صورت حمل و ثور و جوزا و سرطان وغیرہ کی پیدا ہوتی ہیں اہل عرب بروج کہتے تھے اور اُن کا کہنا صحیح تھا پس قرآن مجید میں بھی اُنہی پر بروج کے لفظ کا اطلاق ہوا ہے جو ذرا بھی ہمارے بیان کے منافی نہیں ہے اور نہ کسی طرح لفظ بروج کا آسمان کے مجسم مجسم صلب بلورین ہونے کا متقاضی ہے *

تیسرا قابل بحث کے شاید لفظ "قال" ہو جو آیہ کریمہ فقال لہا وللارض ائتیا طوعًا او کرھًا قالتا اتینا طائعین میں واقع ہے *

مگر ہم نہیں سمجھتے کہ اس میں کیا بحث کی جاویگی شاید یہ بحث ہو کہ ہر گاہ سماء سے فضائے محیط مرتفع مراد لی ہے اور وہاں کسی لطیف جسم ہونے کا بھی دعوےٰ نہیں کیا گیا تو خلا لازم آیا اور خلا امر وجودی نہیں ہے بلکہ امر عدمی ہے تو وہ کیونکر قابل امر و لایق اطاعت ہو سکتا ہے *

مگر یہ خیال اگر کسی کو ہو تو صحیح نہیں ہے کیونکہ ہم نے محل سیر کواکب کو سماء قرار دیا ہے اور وہ مکانیت سے خالی نہیں اور مکان خالی عن المادہ امر وجودی ہے امر عدمی نہیں ہے۔ باقی رہی بحث استعمال لفظ قال کی جو خدا کی طرف سے زمین کی نسبت اور آسمانوں کی نسبت کہا گیا اور اسی طرح زمین اور آسمان کی طرف قال کی نسبت کی گئی یہ ایک جُدا بحث ہے جو ما نحن فیہ سے متعلق نہیں *

قال الامام فی تفسیرہ "اشتقاق البرج من التبرج لظہورہ"*
پس ان آیتوں میں جو بروج کا لفظ آیا ہے مفسرین نے اُس کے تین معنی لئے ہیں۔ اوّل ابن عباس کی روایت ہے کہ بروج سے مراد کواکب ہیں قال الامام فی تفسیرہ۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہ ان البروج ھی الکواکب العظام۔ یعنی حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ یہی بڑے بڑے ستارے بروج ہیں اور پھر دوسری جگہ فرمایا ہے "البروج ھی عظام الکواکب سمّیت بروجا لظہورھا" یعنی بروج یہی بڑے بڑے ستارے ہیں اُن کا نام بروج اس لئے ہوا کہ وہ ظاہر ہیں۔ لغات قرآن میں لکھا ہے "والسّماء ذات البروج وھی ذات کواکب العظام" یعنی آسمان بُرجوں والے سے بڑے بڑے ستاروں والا مراد ہے۔ پس اگر یہی معنی بروج کے لئے جاویں تو لفظ بروج کا اُن معنوں سے جو ہم نے سماء کے لئے ہیں کچھ بھی مخالف نہیں اور نہ ایسے معنی لینے سے یونانیوں کے آسمان کا وجود ثابت ہوتا ہے*

دوسرے معنی بروج کے لئے ہیں منازل قمر یعنی بچھتر کے یا منازل سیّارات کے جیسا کہ تفسیر کبیر میں ہے "اما البروج فھی منازل السیّارات" اور دوسری جگہ لکھا ہے "البروج ھی منازل القمر"*

تیسرے معنی بروج کے بروج السّماء یعنی آسمان کے بُرجوں کے لئے ہیں چنانچہ تفسیر کبیر میں لکھا ہے "انھا ھی البروج الاثنا عشر وھی مشھورۃ" اور لغات قرآن میں لکھا ہے "بروج السّماء منازل الشمس والقمر وھی اثنا عشر بروجا معروفۃ اولھا الحمل واٰخرھا الحوت" مگر حقیقت میں دوسرے اور تیسرے معنی ایک ہیں کچھ ان میں فرق نہیں ہے*

اب بروج اثنا عشر کی کیفیت بتلانی چاہئے تاکہ معلوم ہو کہ جو معنی سماء کے ہم نے بیان کئے ہیں بروج کا لفظ اُس کے منافی ہے یا نہیں۔ جاننا چاہئے کہ ابتداءً میں جب اہل تنجیم یا اہل ہیئت نے اس علم کے مسائل پر غور کی تو اُنہوں نے دیکھا کہ آفتاب سال بھر میں نقطۂ اعتدال سے طلوع و غروب میں تین مہینہ تک جانب شمال مَیل کرتا جاتا ہے اور پھر تین مہینہ تک جانب نقطۂ اعتدال رجوع کرتا آتا ہے اور جب اُس نقطہ پر پہنچ جاتا ہے تو تین مہینہ تک جانب جنوب میل کرتا جاتا ہے اور پھر تین مہینہ تک جانب نقطۂ اعتدال رجوع کرتا ہے یہ حال آفتاب کا تمام دنیا میں دکھائی دیتا تھا اور اِس سبب سے وہ ستارے جو طریق الشمس میں ہمیشہ پڑتے تھے بہ نسبت اور ستاروں کے زیادہ معلوم ہو گئے تھے یعنی اہل تنجیم بہ نسبت اور ستاروں کے اُن سے زیادہ واقف ہو گئے تھے۔ جب اُنہوں نے اُن ستاروں پر غور کیا تو بہت سے ستاروں کو ایک جگہ ایسی ترتیب سے پایا کہ اگر اُن کو نقاط فرض کر کر خطوط وصل کئے جاویں تو ایک صورت اُس میں پیدا ہوتی ہے اور ایسا مجمع

خدا تعالیٰ کافروں کے حال میں اکثر غیر ممکن باتوں کی نسبت فرمایا کرتا ہے کہ اگر یہ بھی ہو جاوے تب بھی وہ نہ مانینگے جیسے کہ اس آیت میں فرمایا ہے "اِنّ الّذین کذّبوا بآیاتنا واستکبروا عنہا لا تفتح لھم ابواب السّماء ولا یدخلون الجنۃ حتی یلج الجمل فی سم الخیاط"

یعنی بے شک جنہوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا اور اُن کے سامنے گھمنڈ کیا ہرگز نہ کھُلینگے اُن کے لئے دروازے آسمان کے یعنی اُن کو خیر و برکت نہ ہوگی اور نہ بہشت میں جاوینگے یہاں تک کہ گھس جاوے اونٹ سوئی کے ناکے میں

اونٹ کا سوئی کے ناکے میں گھس جانا غیر ممکن ہے پس اللہ تعالیٰ کافروں پر خیر و برکت ہونے اور اُن کا بہشت میں جانا ناممکن ہونا اس طرح پر سمجھاتا ہے کہ اگر اونٹ بھی سوئی کے ناکے میں گھس جاوے تو بھی نہ اُن پر خیر و برکت ہوگی اور نہ وہ بہشت میں جاوینگے

اِسی طرح آیت ما نحن فیہ میں فرمایا ہے کہ اگر آسمان میں ایسا دروازہ جس میں آدمی آتے جاتے ہیں کھولا جاوے اور کافر اُس میں جانے لگیں جو غیر ممکن ہے تب بھی وہ نہ مانینگے اور کہینگے کہ ہماری ڈھٹ بندی کی ہے یا ہم پر جادو کیا ہے

تفسیر کبیر میں لکھا ہے "اعلم ان ھذا الکلام ھو المذکور فی سورۃ الانعام فی قولہ ولو نزلنا علیک کتابا فی قرطاس فلمسوہ بایدیھم لقال الذین کفروا ان ھذا الا سحر مبین والحاصل ان القوم لما طلبوا نزول الملائکۃ یصرحون بتصدیق الرسول علیہ السّلام فی کونہ رسولا من عند اللہ تعالیٰ بیّن اللہ تعالیٰ فی ھذہ الآیۃ ان بتقدیر ان یحصل ھذہ المعنیٰ لقال الذین کفروا ھذا من باب السحر وھولاء الذین یظن انا نراھم نحن فی الحقیقۃ لا نراھم"

ترجمہ۔ جاننا چاہئے کہ اس آیت میں وُہی بات ہے جو سورہ انعام میں کہی گئی ہے جہاں خدا نے فرمایا ہے "اور اگر بھیجیں ہم تیرے پاس کاغذ میں لکھا ہوا پھر چھولیں اُس کو اپنے ہاتھ سے تو بھی جو لوگ مُنکر ہیں کہینگے کہ یہ اصل میں کچھ نہیں ہے صرف جادو ہے" حاصل یہ ہے کہ جب اہل عرب نے رسُول خدا پر رسول اللہ ہونے کا یقین لانے کو فرشتوں کا اُترنا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بتایا کہ بر تقدیر اگر یہ بھی ہو جاوے تو بھی جو لوگ مُنکر ہیں کہینگے کہ یہ ایک جادو کی قسم میں سے ہے اور جن کو ہم سمجھتے ہیں کہ ہم دیکھتے ہیں حقیقت میں ہم نہیں دیکھتے

پس جبکہ میں اس آیت میں آسمان میں دروازہ کا ہونا اور اُس میں کافروں کا چڑھنا یا فرشتوں کا اترنا بطور محال کے بیان کیا گیا ہے تو باب کا لفظ سما کے اُن معنوں کے جو ہم نے اس آیت میں یا اس قسم سوم میں یعنی اس نیلی چیز کے جو ہم کو بسبب انعکاس شعاع آفتاب کُرہ ہوا میں دکھائی دیتی ہے لئے ہیں کچھ بھی منافی نہیں۔

چوتھا لفظ قابل بحث کے "ابواب" کا ہے جو آیت کریمہ لا تفتح لہم ابواب السماء میں واقع ہے۔ اِس لفظ سے لوگ خیال کرتے ہونگے کہ آسمان میں دروازے ہیں اور جب تک آسمان ایسا ہی مجسم نہ ہو جیسے کہ یونانیوں والا آسمان تو اُس میں دروازے اور کواڑ اور کنڈے قفل کیونکر ہو سکتے ہیں +

جن علما کے ذہن میں آسمان کا جسم بہ تقلید یونانیان صلب بلورین جما ہوا تھا اُنہوں نے تو آسمان میں سچ مچ کے دروازے بنا دئیے ہیں لیکن علمائے محققین نے فتح ابواب سماء سے خیر و برکت مراد لی ہے چنانچہ اُن کا قول تفسیر کبیر میں اس طرح پر لکھا ہے۔ فی قولہ لا تفتح لھم ابواب السماء اقوال والقول الرابع لا تنزل علیہم البرکۃ والخیر وھو ماخوذ من قولہ ففتحنا ابواب السماء بماء منھمر۔ یعنی اُن کے لئے آسمان کے دروازے نہ کھُلنے کی تفسیر میں مفسّروں کے کئی قول ہیں اُن میں سے ایک یہ قول ہے کہ لا تفتح لھم ابواب السماء کے یہ معنی ہیں کہ اُن پر یعنی کافروں پر خیر و برکت نہ نازل ہو گی اور یہی معنی ہمارے نزدیک صحیح ہیں جو کسی طرح ہمارے بیان کے مخالف نہیں ہیں +

سوائے ان الفاظ کے جو مذکور ہوئے اور کوئی لفظ اُن آیتوں میں جو قسم دوم میں داخل ہیں قابل بحث کے نہیں معلوم ہوتا +

قسم سوم میں جو آیتیں بیان ہوئی ہیں اور جن میں لفظ سماء کا اس نیلی چیز پر جو ہم کو دکھلائی دیتی ہے اطلاق ہوا ہے اُن آیتوں میں کئی لفظ بحث کے قابل ہیں +

اوّل لفظ "باب" جو آیت کریمہ "ولو فتحنا علیہم باباً من السماء" میں واقع ہے اور وہ پوری آیت یوں ہے "ولو فتحنا علیہم باباً من السماء فظلوا فیہ یعرجون لقالوا انما سکرت ابصارنا بل نحن قوم مسحورون"

یعنی اور اگر ہم کھول دیں اُن پر دروازہ آسمان سے اور وہ ایسے ہو جاویں کہ سارے دن اُس میں چڑھتے رہیں تو کہینگے کہ ہماری ڈھٹ بندی ہوئی ہے نہیں تو ہم پر جادو ہوا +

لوگ خیال کرتے ہونگے کہ جب اس آیت میں آسمان کے دروازے کا ذکر ہے اور اُس میں چڑھنے کا بھی بیان ہے تو ضرور آسمان ایسا ہی مجسّم ہے جیسا کہ یونانی بیان کرتے ہیں +

مگر خود اِس آیت سے آسمان میں دروازہ ہونے کا عدم امکان ثابت ہوتا ہے کیونکہ خدا تعالےٰ ایک غیر ممکن بات کو فرض کر کر یوں بیان فرماتا ہے کہ اگر آسمان میں دروازہ بھی کھل جاوے اور کافر اُس میں چڑھ بھی جایا کریں تب بھی ایمان نہ لاوینگے اور کہینگے کہ یا ہماری ڈھٹ بندی کی ہے یا ہم پر جادو کیا ہے پس اس آیت سے ہمارا مطلب ثابت ہوتا ہے نہ یونانیوں کے مقلدوں کا +

چوتھا لفظ "کسف" کا ہے جس کے معنی ٹکڑوں یا پارچوں کے ہیں یہ لفظ البتہ عقلی یا عادی قابل ہے مگر اوّل ہم یہ سوال کرتے ہیں کہ ان آیتوں میں جو لفظ سماء کا آیا ہے اُس سے یہی ہے کہ جو معنی جو دکھائی دیتی ہے مراد ہے یا اور کوئی چیز کچھ شبہ نہیں کہ یہی مراد ہے کیونکہ سورہ سبا کی اس آیت میں خدا نے فرمایا ہے "اولم یروا الی ما بین ایدیھم وما خلفھم من السماء والارض" اور انسان کے ہر طرف یہی نیلی نیلی چیز ہے جس کو آسمان فرمایا ہے اور یہی زمین ہے پھر اس کے آگے جو زمین کے دھنسانے کا اور آسمان سے ٹکڑا گرانے کا ذکر فرمایا ہے وہ بھی اسی زمین کے دھنسانے اور اسی نیلی نیلی چیز کے ٹکڑا گرانے کا ہے اور سب کے نزدیک اس نیلی نیلی چیز کا ایسا جسم نہیں ہے جس سے حقیقتہً ٹکڑا گرنا ممکن ہو پس جن آیتوں میں "کسفا" کا لفظ ہے وہ یونانیوں کے مقلد مولویوں کے لئے کچھ مفید نہیں اور نہ اُس سے یونانیوں والا مجسم آسمان ثابت ہوتا ہے نہ تیرھویں صدی کے مولویوں کا ؛

علاوہ اس کے اِس آیت میں خدا تعالےٰ محسوسات سے اپنی قدرت ثابت کرتا ہے یونانیوں والا مجسم آسمان یا تیرھویں صدی کے مولویوں والا مجسم آسمان محسوس نہیں ہے کیونکہ سوائے اس نیلی چیز کے اور کچھ انسان کو محسوس نہیں ہے پس غیر محسوس شئے سے ٹکڑا گرانے کا ذکر کرنا اثبات مدعا کو کافی نہیں اس لئے "کسفا" کا لفظ نہ ہمارے مطلب کے منافی ہے اور نہ یونانیوں کے مقلدوں کے مفید ہے ؛

اصل یہ ہے کہ خدا تعالےٰ قرآن مجید میں بندوں کی زبان میں اور اُنہی کے محاورات کے موافق کلام کرتا ہے اور جب اُن کو کسی محسوس چیز سے ہدایت کرتا ہے یا محسوسات سے اپنے کمال قدرت کو ثابت کرتا ہے تو اُنہی کے خیالات کے موافق اور جس طرح کہ وہ شئے محسوس ہوتی ہے اُسی کے مطابق کلام کرتا ہے اس میں حکمت یہ ہے کہ اگر ایسے موقع پر خیالات کی تبدیل اور حقائق اشیاء کے سمجھانے پر متوجہ ہو تو اصلی مقصود روحانی تربیت کا فوت ہو جاوے ؛

تمام انسان اس نیلی چیز کو سقف گنبدی سمجھتے تھے جیسے کہ وہ دکھلائی دیتی ہے اور ریختہ کی ڈاٹ سے بھی زیادہ مضبوط سمجھتے تھے پس خدا نے مطابق اُن کے خیالات کے اُن کو فرمایا کہ اُس میں ایسی قدرت ہے کہ اگر چاہے تو اس چیز میں سے بھی جس کو تم ایسا مستحکم سمجھتے ہو تو تم پر ٹکڑا گرا دے اور زمین کو با وصف اس قدر عظمت و استحکام کے دھنسا دے پس ایسے مقامات پر اِس بات سے غرض نہیں ہوتی کہ اُس نیلی چیز کا جسم اِس قابل ہے کہ اُس میں سے ٹکڑا ٹوٹ کر گر سکے یا نہیں اور اگر ٹکڑا ٹوٹ کر گرنے کے قابل ہے تو وہ ایسا ہی ٹکڑا ہوگا جیسے چھت میں کی ٹپیا یا پتھر میں کی ٹپیا ؛

البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اِس آیت میں جس چیز پر ہم نے سماء کے لفظ کا اطلاق ہونا بیان کیا ہے بظاہر اُس کی حالت ایسی ہونی چاہیئے جس میں دروازہ کھُلنے کا اطلاق ہو سکے اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ نیلی چیز جو ہم کو اُس کی ایسی ہی حالت دکھائی دیتی ہے نہایت صاف بغیر کسی پھوٹ اور دڑار کے گنبد کی چھت کی مانند نہایت پختہ بنائی ہوئی دکھائی دیتی ہے اور ہمارے خیال میں ڈاٹ لگا ہوا سا ایک جسم سمائی ہوئی ہے پس اُس خیال کے موافق اُس جسم خیالی میں دروازہ کھولنے کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ خدا تعالےٰ نے قرآن مجید بندوں کی زبان اور محاورہ میں نازل کیا ہے۔ پس بندوں کے اُس خیالی جسم پر بندوں کے محاورے کے موافق دروازہ کھولنے کا اطلاق ہوا ہے نہ بطور اصل حقیقت کے ❖

دوسرا لفظ "سقف" ہے جو آیہ کریمہ وجعلنا السّماء سقفا محفوظا میں آیا ہے اور والسقف المرفوع میں جو لفظ سقف کا ہے اُس سے بھی آسمان مراد ہے۔ تفسیر کبیر میں لکھا ہے سمی السّماء سقفا لانّها للارض کا السقف للبیت۔ یعنی آسمان کو چھت اس لئے کہا ہے کہ وہ زمین کے لئے ایسا ہے جیسے گھر کے لئے چھت ❖

بلا شبہ یہ نیلی نیلی چیز ہم کو ایسی اوپر دکھائی دیتی ہے کہ گویا دنیا کی چھت ہے مگر اس سے یونانیوں کے مقلدوں کو کیا فائدہ ہے اس لئے کہ اس نیلی چیز کو جسے خدا نے سقف محفوظ یا سقف مرفوع کہا ہے یونانی بھی تو وہ آسمان نہیں مانتے جس کے وہ قایل ہیں اور علمائے اسلام بھی اُن کی تقلید سے اس نیلی نیلی چیز کو اپنا مسلمہ آسمان قرار نہیں دیتے اور قرآن مجید میں جس کو سقف مرفوع و سقف محفوظ کہا ہے وہ تو یہی نیلی نیلی چیز ہے جو تمام دنیا کے لوگوں کو دنیا کی چھت کی مانند دکھائی دیتی ہے اور عرب بادیہ نشین جن کی زبان میں قرآن مجید اُترا اُسی کو سقف مرفوع سمجھتے تھے جو آسمان کہ یونانی قرار دیتے ہیں اور جن آسمانوں کا یا جس آسمان کا ذکر علمائے اسلام کرتے ہیں وہ تو کسی نے دیکھا بھی نہیں پھر کیا معلوم کہ وہ دنیا کی چھت ہے یا چھت کی چھت گیری ہے ❖

علاوہ اس کے سقف کی مثال دینے سے اُس کا ایسے جسم مجسم ہونا جیسا کہ یونانی تسلیم کرتے ہیں کیونکر لازم آتا ہے یہ نیلی نیلی چیز ہم کو اس طرح پر دنیا کو گھیرے ہوئے دکھائی دیتی ہے جیسے گھر کو چھت اور اِسی مشابہت سے اُس پر سقف کا اطلاق کیا ہے خواہ وہ اوهن من بیت العنکبوت ہو خواہ اشد من سقف الحدید ❖

تیسرا لفظ "رفع" کا ہے جو آسمان کی نسبت بولا گیا ہے درحقیقت یہ نیلی چیز جو ہم کو دکھائی دیتی ہے اور جس کو آسمان کہتے ہیں شے مرفوع ہے مگر لفظ رفع سے اُس کا لوہے یا تانبے کے پترے کا سا ہونا کیونکر لازم آتا ہے ❖

ثبوت مقصود نہیں ہوتا بلکہ یہ مطلب ہوتا ہے کہ مخاطب کا ذہن اُس سے اُس کے لازم بلزوم عقلی یا عادی کی طرف منتقل ہو جاوے۔ اسی طرح بعضی دفعہ ایک صورت محسوسہ اس لئے بیان کی جاتی ہے کہ جو معنی مراد ہیں اُس کی تصویر مخاطب کے ذہن میں آجاوے اور اُس سے اُس صورت محسوسہ کا اثبات مقصود نہیں ہوتا پس وہ لوگ سیاق قرآن مجید سے واقف نہیں ہیں جو اُن کنایوں سے یا اُس صورت محسوسہ سے خاص اُسی کا ثبوت مقصود سمجھتے ہیں پس ان آیتوں میں جو "او تسقط علیہم کسفاً من السماء" یا۔ فاسقط علینا کسفا من السماء آیا ہے یہ سمجھنا کہ اس سے آسمان کے واقعی ٹکڑوں کا ثبوت ہوتا ہے نہایت غلطی ہے بلکہ یہ صرف بیان بالکنایہ ہے اور اُس کا لازم مقصود ہے ٭

شاہ ولی اللہ صاحبؒ تفسیر فوز الکبیر میں ارقام فرماتے ہیں کہ "کنایت آنست کہ حکمے اثبات کنند و قصد نہ ثبوت عین آں باشد بلکہ قصد آنست کہ انتقال کند ذہن مخاطب بلازم آں بلزوم عادی یا عقلی چنانکہ از عظیم الرماد معنی کثرت ضیافت و از یداہ مبسوطتان معنی سخاوت ادراک می شود و تصویر معنی مراد بصورت محسوسہ ازہمیں قبیل است و آں بابے است واسع و اشعار عرب و خطب ایشاں و قرآن عظیم و سنت حضرت پیغامبر صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم بآں مشحون است و اجلب علیہم بخیلک ورجلک تشبیہ دادہ شد برئیس دزداں چوں یاران خود را آواز دہد کہ ازیں سو حملہ کن وازاں سو درآ وجعلنا من بین ایدیھم سداً ومن خلفھم سداً۔ وجعلنا فی اعناقھم اغلالا تشبیہ دادہ شد اغراض ایشاں را از تدبر آیات بکسے کہ اورا مغلول کردہ باشند یا بر ہر جہت او سدے بنا کردہ باشند پس اصلا نمیتواں دید واضمم جناحك من الرهب یعنی مجموع خاطر شو پراگندگی نفس بگذار و نظیر ایں باب در عرف آنست کہ چوں شجاعت کسے را تقریر کنند بشمشیر اشارہ کنند کہ ایں طرف میزند واں طرف میزند و مقصود جز غلبہ او بر اہل آفاق صفت شجاعت نباشد گو در تمام عمر شمشیر بدست نگرفتہ باشد یا گویند فلاں می گوید کہ در زمین کسے را نمی بینم کہ با من مبازرت تواند کرد و یا گویند کہ فلاں خود چنیں میکند و اشارہ کنند بہیئتے کہ اہل مبازرت در وقت غلبہ بر خصم می کنند گو کہ ایں شخص گاہے ایں کلمہ نگفتہ باشد و ایں فعل نکردہ باشد یا گویند فلاں حلق مرا اختفا کردہ است و دست در گلوئے من انداختہ لقمہ را برکشیدہ است" انتہی

پس جہاں کہیں کہ قرآن مجید میں خدا تعالے محسوسات کا بطور عرف عام بیان فرماتا ہے اُس سے اُس کے عین کا ثبوت مقصود نہیں ہوتا ہم بھی کہتے ہیں کہ آسمان گر پڑے آسمان ٹوٹ پڑا یہ ایسی بات ہے کہ اس سے آسمان پھٹ جاوے کلیجا پھٹ جاوے مگر کبھی ان الفاظ سے حقیقتاً اُن چیزوں کا مقصود نہیں ہوتا بلکہ اُس کے لازم بلزوم عقلی یا عادی کا ہوتا ہے فتدبر ٭

پانچویں لفظ "الطی" قابل بحث ہے جس کے مشتقات آیہ کریمہ یوم نطوی السماء کطی السجل للکتب اور آیہ کریمہ والسمٰوات مطویات بیمینہ میں آئے ہیں ٭

علاوہ اس کے "سماء" سے سماء ما نحن فیہ مراد نہیں ہے۔ تفسیر کبیر میں لکھا ہے "کسفا من السماء ای کسفا بالسکون والحرکۃ وکلاھما جمع کسفۃ وھی القطعۃ والسماء السحاب اوالمظلۃ روی انہ حبس عنھم الریح سبعا وسلط علیھم الرمل فاخذ بانفاسھم لا ینفعھم ظل ولا ماء فاضطروا الی ان خرجوا الی البریۃ فاظلتھم سحابۃ وجدوا لھا بردا ونسیما فاجتمعوا تحتھا فامطرت علیھم نارا فاحترقوا"۔ یعنی کسفا جمع ہے کسفۃ کی جس کے معنی ٹکڑے کے ہیں اور آسمان سے یا تو بادل مراد ہے یا اَور کوئی چھائی ہوئی چیز پھر اخیر میں وہ ایک روایت لکھتے ہیں کہ اصحاب ایکہ نے جو کہا تھا کہ ہم پر آسمان کا ٹکڑا گرا دو تو اُن پر عذاب اس طرح پر نازل ہوا کہ سات دن تک ہوا بند رہی اور ریت یا غبار جو آسمان میں چڑھ گیا تھا اُن پر چھا گیا اور ان سب کا دم گھٹنے لگا نہ اُن کو کوئی سایہ دار چیز فائدہ دیتی تھی اور نہ پانی پھر وہ بیقرار ہوئے اور جنگل میں نکل جانا چاہا اتنے میں ایک بادل اُن پر چھا گیا اُن کو ٹھنڈک معلوم ہوئی اور ہلکی ہلکی ہوا بھی لگی اور سب اُن کے نیچے آنکر جمع ہو گئے پھر اُس میں سے اُن پر آگ برسنے لگی پھر سب جل گئے۔ پس جبکہ سماء سے اس مقام پر سماء ما نحن فیہ ہی مراد نہ ہو تو "کسف" کے لفظ سے سماء ما نحن فیہ کے مجسم ہونے پر کیونکر استدلال ہو سکتا ہے اور خدا کو محل عذاب میں یہ بات فرمانی کہ ہم چاہیں زمین کو دھنسا دیں یا بادل کا ٹکڑا گرا دیں یا کافروں کا یہ کہنا کہ اگر تم سچے ہو تو بادل کا ایک ٹکڑا ہی زمین پر اُتار دو کوئی ایسی بات نہیں ہے جس پر کچھ اعتراض ہو سکے کیونکہ اگر بادل زمین پر گر پڑے تو نہایت سخت عذاب سے لوگ برباد ہو جاویں ◆

علاوہ اس کے مقام تہدید میں جو کچھ بیان کیا جاتا ہے اصلی مقصود اُس کا نتیجہ ہوتا ہے زمین کے دھنسانے اور آسمان کا ٹکڑا گرانے سے صرف یہ مقصود ہے کہ خدا اُن کے برباد کرنے پر قادر ہے پس مقصد کو چھوڑنا اور خواہ مخواہ لفظی بحث کے پیچھے پڑنا تفسیر القول بما لا یرضی بہ قائلہ کرنا ہے اور ایسی علمیت جتانے سے اسلام کو اور قرآن کو بدنام کرنا اور اس بات کا اقرار کرنا ہے کہ قرآن اور علم یا قرآن اور حالت موجودات یا قرآن و حقائق اشیاء متحد نہیں ہیں اللھم انی اعوذ بک من مثل ھذا العلم فانہ حجاب اکبر ◆

امام فخر الدین رازی لکھتے ہیں کہ "واما التھدید فقولہ ان نشاء نخسف بھم الارض یعنی نجعل عین نافعھم ضارھم بالخسف والکسف"۔ یعنی خدا نے کافروں کو اس کہنے سے تہدید کی ہے کہ اگر ہم چاہیں تو زمین کو دھنسا دیں یعنی اگر ہم چاہیں تو جو چیز خاص تمہارے مفید ہے تمہارے مضر کر دیں دھنسا کر ٹکڑا گرا کر ولا شک فی قدرتہ ◆

نکتہ۔ قرآن مجید میں بہت باتیں بطور کنایہ کے فرمائی ہیں اُس سے خاص اُس بات کا

چھٹے الفاظ " انشقاق و انفراج اور انفطار اور فتق " اور مثل ان کے ہیں کہ اُن کے مشتقات یا بہ تبدیل ابواب قرآن مجید میں آئے ہیں۔ ان الفاظ کی نسبت بھی وُہی بحث ہے جو ہم نے بالتفصیل " رکسفا " کے لفظ کے تحت میں کی ہے یہی نیلی نیلی چیز جس کو سب لوگ آسمان کہتے تھے اور جانتے تھے اور کہتے ہیں اور جانتے ہیں سب کو ایک مجسّم چیز اور چھت کی طرح بنی ہوئی معلوم ہوتی ہے وہ اُس کی حقیقت سے واقف نہ تھے مگر جیسے کہ وہ دکھائی دیتی اُس قیاس پر اُس کو پھٹنے اور چرنے کے قابل خیال کرتے تھے قرآن مجید جو ٹھیک عرب اوّل کے محاورہ میں اُترا ہے اُنہی کے خیال اور محاورہ کے موافق وہ الفاظ بولے گئے ہیں اور مقصود اُس سے صرف معدوم ہونا اور فنا ہونا موجودات کا ہے پس کسی طرح یہ الفاظ آسمان کی ایسی حقیقت پر اور ایسے جسم پر جیسا کہ یونانیوں نے تسلیم کیا تھا اور جس کی تقلید علمائے اسلام نے کی تھی یا جیسا کہ تیرھویں صدی کے مولوی بیان کرنا چاہتے ہیں دلالت نہیں کرتے ٭

شاہ ولی اللہ صاحبؒ فوز الکبیر میں اسلوب قرآن کی بحث میں ارقام فرماتے ہیں کہ " پس اگر برخلاف طور ایشاں (یعنی عرب اوّل) گفتہ شود بحیرت در مانند و چیزے نا آشنا بگوش ایشاں رسد و فہم ایشاں را مشوّش سازد " مگر یہ قاعدہ صرف اسلوب قرآن ہی پر منحصر نہیں ہے بلکہ قرآن مجید کی ہر بات میں یہ امر ملحوظ ہے ٭

ایک مقام میں بہ ذیل بیان معنی آیت محکم شاہ صاحب نے بیان فرمایا ہے کہ " اعتبار دانستن عرب اوّل است نہ موشگافان زبان مار کہ موشگافی بیجا وائے است عضال کہ محکم را متشابہ می سازند و معلوم را مجہول " اگرچہ یہ امر شاہ صاحب نے معنی لغت کی نسبت لکھا ہے مگر یہ ایسا قاعدہ ہے جو بہت سی چیزوں کے لئے مفید ہے مثلاً جیسے کہ عرب سما کا اطلاق اِس نیلی چیز پر کیا کرتے تھے جو ہم کو بطور ایک سقف گنبدی کے دکھائی دیتی ہے تو ہم کو اُسی پر اکتفا کرنا چاہیئے اور زیادہ موشگافی کر کر اور مل مل کر مکھی کو بھینسا بنانا نہیں چاہتے اسی طرح جبکہ عرب اوّل اسی نیلی چھت کو پھٹنے والی اور چرنے والی اور پوست کھینچنے کے لائق خیال کرتے تھے تو اُن الفاظ کو اُنہی کے خیالات پر مقصور رکھنا چاہیئے نہ یہ کہ اُس کے لازم کو اپنی طرف سے اضافہ کر کر اُس نیلی چھت کو ایسا جسم قرار دیا جاوے جو کاغذ یا کپڑے کی طرح پھٹ سکے یا لپٹ سکے یا بکری کی طرح اُس کا پوست اُتارا جا سکے " اگر غور کیا جاوے تو سبع سمٰوات کا لفظ بھی درحقیقت مثبت تعدد آسمانوں کا نہیں ہے کیونکہ عرب کے خیال میں تھا کہ سات آسمان ہیں اور جو کہ اُنہوں نے بجز اس نیلی چھت کے اور کسی چیز کو نہیں دیکھا تھا اور اُس کو ایک مستحکم جسم سمجھتے تھے اور اس لئے اُنہوں نے خیال کیا تھا کہ ساتوں آسمانوں کا ایسا ہی جسم ہوگا اور پھر اس خیال سے اُن کا تو بر تو ہونا بھی اُن کے ذہن میں

مگران آیتوں سے یہ خیال کرنا کہ آسمان کاغذ یا کپڑے یا چادر یا رومال کی مانند ایک جسم ہے جو خدا کے ہاتھ پر لپٹ جاویگا یا جیسے مکتبوں میں لڑکے مکتوب لپیٹ لیتے ہیں اُس طرح لپٹ جاویگا ایک بڑی غلطی ہے یہ کلام مجازاً بولا گیا ہے جس سے مقصود صرف اتنا ہے کہ یہ تمام آسمان و زمین جیسے کہ پہلے نیست تھے پھر نیست ہو جاوینگے *

خدا تعالیٰ اوّل فرماتا ہے کہ یوم نطوی السماء کطی السجل للکتب اور اُسی کے ساتھ فرماتا ہے کما بدأنا اوّل خلق نعیدہ یعنی یہ فرما کر کہ ہم آسمان کو مکتوب کی مانند لپیٹ لینگے اُس کے مطلب کو بتا دیا کہ جس طرح ہم نے پہلے پہل پیدا کرنا شروع کیا تھا پھر ویسا ہی کرینگے اور ایسا کرنا اُسی وقت ہوگا جبکہ یہ سب نیست ہو جاویگا *

تفسیر کبیر میں بہ تحت آیت والسموات مطویات بیمینہ کے بہت طول گفتگو لکھی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ سب مجاز ہے اور مجازاً واسطے اظہار قدرت و شان خدا تعالیٰ کے بولا گیا ہے *

قال صاحب الکشاف الغرض من ھذا الکلام اذا اخذ تہ کما ھو بجملتہ و مجموعہ تصویر عظمتہ والتوقف علی کنہ جلالہ من غیر ذھاب بالقبضۃ ولا بالیمین الی جھۃ حقیقۃ او جھۃ مجاز یعنی صاحب تفسیر کشاف کا قول ہے کہ اس کلام سے جبکہ اُس سب کو جمع کر کر لو تو مقصود اُس سے خدا تعالیٰ کی عظمت کی تصویر بتانا اور اُس کے جلال کی کُنہ میں متوقف رہنا ہے بغیر اس بات کے کہ مٹھی اور دائیں ہاتھ سے حقیقت میں مٹھی اور داہاں ہاتھ سمجھیں یا مجازاً خیال کریں *

بعد اس کے ایک لنبا جھگڑا تاویل کا اور حمل کلام کا حقیقت سے مجاز پر لکھ کر ارقام فرماتے ہیں ولا شک ان لفظ القبضۃ والیمین مشعر لھذہ الاعضاء والجوارح الا ان الدلایل العقلیۃ قامت علی امتناع ثبوت الاعضاء والجوارح للہ تعالیٰ فوجب حمل ھذہ الاعضاء علی وجوہ المجاز۔ یعنی اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ مٹھی اور داہاں ہاتھ ان اعضا اور ہاتھوں کو جو ظاہر میں ہیں بتاتا ہے مگر عقلی دلیلوں سے ثابت ہوا ہے کہ خدا تعالیٰ کے اعضا اور جوارح کا ہونا غیر ممکن ہے اس لئے واجب ہے کہ مٹھی اور داہاں ہاتھ جو بیان ہوا ہے اُس کو مجاز پر حمل کریں پس جبکہ دونوں چیزیں مجاز پر حمل ہوئیں تو مٹھی میں اُٹھانا اور ہاتھ پر لپٹنا بھی یقینی مجاز ہو گیا *

ثم قال صاحب الکشاف وقیل قبضتہ ملکہ و یمینہ قدرتہ وقیل مطویات بیمینہ ای مفنیات۔ یعنی صاحب کشاف نے کہا ہے کہ مٹھی سے تو مُلکِ خدا مراد ہے اور دائیں ہاتھ سے اُس کی قدرت اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ دائیں ہاتھ میں لپٹینگے یعنی فنا اور معدوم ہو جاوینگے پس لپٹنے کے لفظ سے آسمانوں کا حقیقت میں لپٹنے کے لائق جسم سمجھنا ٹھیک ٹھک ملّا ہونا ہے *

یعنی تفسیر کبیر میں اَأَنتُمْ أَشَدُّ خَلْقًا أَمِ السَّمَاءُ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ جو لوگ بعث کے
منکر تھے اُن پر دلیل لانے کے لئے خدا نے فرمایا ہے کہ تمہارا پیدا کرنا مشکل یا سخت تر ہے یا آسمان کا
پس اُن کو ایسی بات سے جس کو وہ علانیہ دیکھتے تھے خبردار کیا کیونکہ جس وقت انسان کی خلقت کو
جو ضعیف اور صغیر ہے آسمان سے نسبت دی جاوے جو ایسا بڑا ہے اور اُس میں بہت بڑی بڑی
حالتیں ہیں تو خدا نے بتایا کہ آسمان کا پیدا کرنا بڑا کام ہے اور جبکہ یہ بات ہے تو تمہارا پھر پیدا
کرنا کچھ بڑی بات نہیں تو بدرجہ اَولیٰ خدا کی قدرت میں ہوگا پھر کیونکر تم اُس کا انکار کرتے ہو۔
اس کی ایسی مثال ہے جیسے کہ خدا نے فرمایا ہے کہ جس نے آسمان و زمین پیدا کئے کیا اس بات پر
قادر نہیں ہے کہ اُنہی کی مانند اور پیدا کرے یا جیسے کہ خدا نے فرمایا ہے کہ آسمانوں اور زمین کا پیدا
کرنا آدمیوں کے پیدا کرنے سے بڑا ہے اور مطلب یہ ہے کہ آیا مرنے کے بعد تمہارا پیدا کرنا مشکل ہے
یا تمہارے نزدیک آسمانوں کا پیدا کرنا مشکل ہے اگرچہ خدا کی قدرت کے نزدیک تو یہ دونوں باتیں
یکساں ہیں یعنی کچھ مشکل نہیں ہیں۔ پس اَب غور کا مقام ہے کہ لفظ اشدّ سے آسمانوں کا سخت
جسم ہونا کیونکر ثابت ہوتا ہے ٭

اور اگر لفظ اشدّ سے مستحکم و مضبوط کے معنی لئے جاویں تو بھی اُس سے یہ سمجھنا کہ آدمی کے
پوست سے آسمان کا پوست اور اُس کے جسم سے آسمان کا جسم اور اُس کی ہڈی پسلی سے آسمان کی
ہڈی پسلی زیادہ مضبوط اور سخت ہے نادانی کے سوا اَور کچھ نہیں ہے۔ بے شک آسمان اور زمین
اور پہاڑ اور درخت کو ہم دیکھتے ہیں کہ انسان سے زیادہ پائدار ہیں۔ اسی زمین پر اور اسی آسمان
کے تلے ہزاروں لاکھوں نبی اور ولی اور شہدا اور صالحین آئے اور گذر گئے۔ سکندر و دارا۔
جمشید و فریدوں بھی ہوئے اور گذر گئے۔ بہت سے کفر کے فتوے دینے والے پیدا ہوئے اور
گذر گئے۔ بہت سے مسلمان خدا و رسول پر دل و جان سے ایمان رکھنے والے کافر بنائے گئے
اور گذر گئے ہزاروں کافر و مرتد اور خدا کے وجود کے بھی منکر پیدا ہوئے اور گذر گئے اور ایک
دن ہم بھی اور ہمارے کفر کے فتوے دینے والے بھی گذر جاوینگے اور اپنے اپنے اعمال لیکر
خدا کے سامنے حاضر ہونگے وانی لا اعلم ما یفعل بی وما یفعل بہم ولٰکنی ارجو
رحمت ربی انہ ھو ارحم الراحمین اور باوجود ان سب حوادث کے آسمان اور زمین ویسے
ہی ہیں جیسے کہ تھے تو ضرور کوئی پوچھنے والا پوچھ سکتا ہے أَأَنتُمْ أَشَدُّ خَلْقًا أَمِ السَّمَاءُ مگر اُس سے
یہ مراد لینی کہ ہم مٹی کے ہیں اور آسمان لوہے کا اس تیرھویں صدی کے مولویوں کے سوا جو
مکہ معظمہ و مدینہ منورہ سے بھی کُفر کا تحفہ لانے والوں کے یار غار ہیں اور کس سے ہو سکتا ہے
وافوض امری الی اللّٰہ ان اللّٰہ بصیر بالعباد ٭

جما ہوا تھا اُنہی کے خیال کے موافق قرآن مجید میں جو عرب اوّل کی زبان و محاورہ میں نازل ہوا ہے وہ سب باتیں بیان ہوئی ہیں اُن کو خواہ نخواہ حقیقت واقعی کا مثبت قرار دینا اسلوب بدیع قرآن مجید کے برخلاف ہے اگر حقیقت اشیاء اُس کے مطابق پائی جاوے جیساکہ قرآن مجید میں موافق خیال عرب اوّل کے بیان ہوا ہے فہو المراد۔ اور اگر بفرض محال اُس کے برخلاف بیان ہو تو بھی کچھ نقصان یا اعتراض قرآن مجید پر نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ عرب اوّل کی زبان میں بولا گیا ہے ہاں جس وقت کہ قرآن مجید یونانی مولویوں اور خیالی فلسفیوں کے ہاتھ آتا ہے اور وہ ہندی کی چندی اور نکات بعید الوقوع نکالنے پر اپنے علم کو اور بے معنی اعتراضات و بحث کو ختم کرنے لگتے ہیں اُس وقت قرآن مجید کا حال صائب کے شعر کا سا ہو جاتا ہے جبکہ اُس نے کہا تھا کہ "شعر مرا بمدرسہ کہ بُرد" غرض ہماری یہ ہے کہ قرآن مجید کو مثل کلام ایک انسان فصیح قح عرب اوّل کے خیال کر کر اُس کے الفاظ کے معنی لگائے جاویں نہ مثل فلاسفہ یونان کے کلام کے۔ ومن لم یعتقد بھذا فقد ضلّ سواء السبیل ۔

ساتویں الفاظ "اللہ واکبر" قابل لحاظ کے ہیں خدا تعالےٰ موافق خیال عرب اوّل کے اپنی قدرت کاملہ کو بیان فرماتا ہے کہ آسمانوں کا اور زمین کا بنانا انسان کے پیدا کرنے سے زیادہ مشکل یا سخت تر ہے حالانکہ خدا کے نزدیک نہ آسمان و زمین کا پیدا کرنا مشکل ہے نہ انسان کا مگر اِس مقام پر اُنہی کے خیال کے موافق خدا نے فرمایا کہ جس چیز کی خلقت کو تم ایسا مشکل یا سخت تر جانتے ہو تو خدا کو تمہارا پیدا کرنا یا پھر دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے اب انصاف سے دیکھا جاوے کہ اِس طرز کلام سے اللہ کے معنی لوہے یا تانبے کے پتر کی مانند جسم کے قرار دینے کیسی ناسمجھی کی بات ہے اور پھر اُس کو ایک مسئلہ مستحکم قرار دینا اور اُس کے برخلاف کہنے والے کو کافر کہنا خود کفر میں گرنا ہے ونعوذ باللہ منہا ۔

تفسیر کبیر میں تحت تفسیر آیۃ کریمہ أأنتم اشد خلقا ام السّماء کے لکھا ہے کہ "انہ استدلال علی منکر البعث فقال أأنتم اشدّ خلقا ام السّماء فنبھھم علی امر یعلم بالمشاھدۃ وذلک لان خلقۃ الانسان علی صغرہ وضعفہ اذا اضیف الی خلق السّماء علی عظمھا وعظم احوالھا فبین تعالیٰ ان خلق السّماء اعظم واذا کان کذلک فخلقھم علی وجہ الاعادۃ اولی ان یکون مقدورا للہ تعالیٰ فکیف ینکرون ذلک ونظیرہ قولہ اولیس الذی خلق السّمٰوات والارض بقادر علی ان یخلق مثلھم وقولہ لخلق السّمٰوات والارض اکبر من خلق الناس والمعنی اخلقکم بعد الموت اشد ام خلق السماء ای عندکم وفی تقدیرکم فان کلا الامرین بالنسبۃ الی قدرۃ اللہ واحد"۔

الجمع والمراد بہ الواحد الدال علی الجنس قال الاخفش السموات نوع والارض نوع
ومثلہ ان اللہ یمسک السموات والارض ان تزولا۔ یعنی اللہ صاحب نے کہا ہے کہ
آسمانوں اور زمین دونوں کے مُنہ بند تھے یعنی آسمانوں اور زمین دونوں کے یعنی آسمانوں کو
ایک کہا اور زمین کو ایک کہا اور یہ نہیں کہا کہ سب آسمانوں کے جو بہت سے ہیں مُنہ بند تھے
اور زمین کا منہ بند تھا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ سموات جمع کا صیغہ ہے لیکن اُس سے ایک بھی
مراد لیا جاتا ہے کیونکہ وہ سب آسمانوں کے ایک طرح کا ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ اخفش کا قول
ہے کہ سموات ایک نوع ہے اور زمین ایک نوع اور اسی کی مانند خدا نے فرمایا کہ اللہ تھامتا ہے
آسمانوں کو اور زمین کو کہ وہ دونوں ٹل نہ جاویں۔ اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ سموات کے
لفظ سے سماء بھی مراد ہوتا ہے اسی طرح سے سماء پر بھی جمع کا اطلاق ہوتا ہے اس لئے کہ اُس کا
ہر جزو سماء ہے۔ کقولہ تعالیٰ ثم استویٰ الی السماء فسوٰھن سبع سموات پس اس قسم میں ہم نے
جو آیتیں لکھی ہیں اُن میں سے بعضی آیتوں کو قسم پنجم میں بھی لکھا ہے اس کا سبب یہ ہے کہ
اُن میں جو لفظ سموات کا آیا ہے اگر اُس سے سماء بصیغہ مفرد مراد لیا جاوے تو تو وہ آیتیں قسم
چہارم میں داخل رہتی ہیں بلکہ قسم سوم میں شامل ہو سکتی ہیں اور اگر اُس سے جمع ہی مراد لی جاوے
تو پھر اُن کا ٹھکانا بجز قسم پنجم کے اور کہیں نہیں ہو سکتا ٭

دوم ۔ لفظ ''خلق'' قابل بحث ہے ہر گاہ ہم نے فضائے محیط کو سماء اور اُس کے طبقات
کو جو بسبب وجود کواکب کے یا اور کسی حد ظاہر کے پیدا ہو گئے ہیں سموات کہا اور اِس بات کا بھی
دعوے نہیں کیا کہ اُس میں کوئی جسم سیال اثیری ہے یا نہیں تو گویا ہم نے شے معدوم کو سماء
وسموات کہا یا ایسی چیز کو سماء وسموات کہا جس کا کوئی وجود جسمانی نہیں ہے تو پھر اُس پر خلق
کا اطلاق کیونکر صادق آتا ہے ٭

مگر یہ تمام خیالات کج فہمی سے پیدا ہوتے ہیں سیدھی سمجھ کا آدمی ان خیالات کی غلطی بخوبی
سمجھ لیتا ہے ٭

اوّل تو یہ کہنا کہ عدم غیر مخلوق ہے نہایت غلطی ہے۔ عدم محض نہ کبھی موجود تھا اور نہ کبھی
موجود ہوگا۔ پس ایسی چیز جو کبھی موجود ہی نہیں ہو سکتی اُس کی نسبت یہ کہنا کہ مخلوق ہے یا
غیر مخلوق محض نادانی ہے۔ باقی رہا عدم ممکن جس کو عدم الشئے سے تعبیر کیا جاتا ہے یہ موجود بھی
ہوتا ہے اور جب موجود ہو تو وہ بلاشبہ مخلوق ہے۔ پس جو حقیقت آسمان کی ہم نے بیان کی
اُس پر معدوم غیر موجود ہونے کا اطلاق نہیں ہو سکتا بلکہ معدوم الجسم کہہ سکتے ہیں اور شے مخلوق
کے لئے یا جس پر مخلوق ہونے کا اطلاق ہوتا ہے اُس کا جسم ہونا ضرور نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ نے

ساتواں لفظ "امساك" کا ہے خدا نے فرمایا کہ وُہی تھام رکھتا ہے آسمان کو زمین پر گرنے سے کیسی صاف اور سیدھی بات ہے ہم آسمان کو ایک گنبد کی چھت کی مانند دیکھتے ہیں اور یہ بھی دیکھتے ہیں کہ وہ تھمی ہوئی ہے اور ہم پر گرتی نہیں اسی خیال کے موافق اگر ایک قحِ عرب اوّل کہے کہ کسی صاحب قدرت نے آسمان کو زمین پر گرنے سے تھام رکھا ہے تو اُس کا یہ کہنا بالکل سچ اور صحیح ہے یا نہیں اگر صحیح ہے تو خدا کا یہ کہنا بھی کہ میں نے آسمان کو زمین پر گرنے سے تھام رکھا ہے صحیح ہے اِس قول پر اپنی طرف سے حاشیے لگانے کہ آسمان پر فرشتے رہتے ہیں اس لئے ضرور ہے کہ وہ سخت وصلب ہو تاکہ فرشتے اُس پر ٹِک سکیں اور جبکہ وہ سخت وصلب ٹھہرا تو ضرور ہے کہ اُس کا لوہے کے پتروں کا سا جسم ہو اور جب وہ ایسا ہوا تو ضرور ہے کہ بوجھل اور ثقیل لاکھوں ۔ کروڑوں ۔ پدموں بے انتہا من کا ہو محض لغو اور واہیات بات ہے اور قرآن مجید کے اسلوب بدیع کے بالکل مخالف ہے ۔

آٹھواں لفظ "بنا" کا ہے ۔ اللہ تعالےٰ نے متعدد جگہ فرمایا ہے کہ میں نے آسمان کو پیدا کیا بلا شبہ وہی خالق ہے بنا کا لفظ اور خالق کا دونوں ہم معنی یا ہم مراد ہیں کون اس سے انکار کرسکتا ہے کہ خدا نے آسمان کو نہیں بنایا بلا شبہ ہم کو دکھائی دیتا ہے کہ ہمارے لئے ایک محل ہے جس میں ہزاروں لاکھوں گیاس اور میگنٹ کی روشنی سے بھی عمدہ روشنی کے مصابیح روشن ہیں وہ ایسی خوبصورت ہم کو دکھائی دیتی ہیں جیسے کہ بلور کی ہانڈیوں اور فانوسوں میں میگنٹ کی روشنی ہو رہی ہے پس یہ حال جو ہم کو آنکھوں سے دکھائی دے رہا ہے اُسی کو خدا بتلاتا ہے کہ میں نے آسمان کو تمہارے لئے محل بنایا ہے کمبختو میری عبادت کرو ۔ میری وحدانیت کا اقرار کرو ۔ میرے رسول کی تابعداری کرو ۔ جو کوئی میرا اور میرے رسوؐل کا اقرار کرے اُس کو کافر مت کہو ۔ نہ مانو تو جہنم میں جاؤ ۔ بس خدا کے کلام کا تو اسی قدر مطلب ہے آگے اُس پر حاشیے لگانے اور کہنا کہ جب بنا کا اطلاق ہوا ہے تو ضرور اُس کی بنیاد کوہ قاف پر پڑی ہوگی اور جب اس کو محل کہا ہے تو وہ ضرور گنبد کی چھت کی طرح ڈاٹ لگا کر بنایا گیا ہوگا اور اینٹ پتھر کی جگہ بلور کے پتھر لگائے گئے ہونگے یا کانچ کے شیشہ کی طرح ڈھالا گیا ہوگا اور کچھ نہیں تو لندن کے کرسٹل پیلیس کی طرح تو ضرور ہوگا محض بیجا و نادانی ہے ۔

قسم چہارم میں جو آیتیں بیان ہوئی ہیں اور جن میں لفظ سموات کا آیا ہے اُن میں کئی لفظ بحث کے قابل ہیں ۔

اوّل ۔ لفظ "سموات" بحث یہ ہے کہ اس لفظ کا ہمیشہ جمع ہی پر اطلاق ہوتا ہے یا مفرد پر بھی ۔ تفسیر کبیر میں لکھا ہے "وانما قال کانتا رتقا ولم یقل کن رتقا لان السموات لفظ

سایر الوجوہ لقولہ بعد ذلک وجعلنا من الماء کل شی حی وذلک لا یلیق الا وللماء تعلق بما تقدم ولا یکون کذلک الا اذا کان المراد ما ذکرنا فان قیل ھذا الوجہ مرجوح لان المطر لا ینزل من السموات بل من سماء واحد وھی سماء الدنیا قلنا انما اطلق علیہ لفظ الجمع لان کل قطعۃ منہا سماء کما یقال ثوب اخلاق وبرمۃ اعشار واعلم ان علی ھذا التاویل یجوز حمل الرویۃ علی الابصار۔

یعنی امام فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں اس آیت کی نسبت تیسرا قول یہ نقل کیا ہے کہ ابن عباس کا اور اور بہت سے مفسروں کا یہ قول ہے کہ آسمان و زمین بسبب سختی اور رپٹ پڑ ہونے کے مُنہ بند تھے پھر مُنہ کھولا اللہ تعالےٰ نے آسمان کا مینہ سے اور زمین کا نباتات اور درخت اُگانے سے اور اُسی کی مانند خدا کا یہ قول ہے" قسم ہے پھرنے والے یا برسنے والے بادل کی اور اُگانے والی پھٹاؤ والی زمین کی" اور اس وجہ کو تمام وجھوں پر ترجیح دی ہے خدا تعالےٰ کے اس قول کی دلیل سے جو اسی کے بعد ہے کہ کیا ہم نے ہر چیز کو پانی سے زندہ اور اس آیت کا پہلی آیت سے جب ہی جوڑ ملتا ہے جبکہ پہلی آیت کو پانی سے کچھ تعلق ہو اگر کوئی اعتراض کرے کہ یہ وجہ ضعیف ہے اس لئے کہ مینہ آسمانوں سے نہیں آتا بلکہ ایک آسمان سے جو دنیا کا آسمان ہے اُترتا ہے تو اس کا جواب ہم یہ دینگے کہ دنیا کے آسمان پر جمع کا صیغہ اِس لئے بولا گیا ہے کہ اُس کا ہر ایک ٹکڑا آسمان ہے جس طرح کہ عرب بولتے ہیں ثواب اخلاق اور برمتہ اعشار اب یہ بات بھی جاننی چاہیئے کہ اس تاویل پر جائز ہے کہ رویت کے لفظ کے معنی آنکھوں سے دیکھنے کے کیے جاویں۔

قسم پنجم میں جو آئتیں لکھی ہیں اُن کے الفاظ و معانی کی تشریح اُنھی کے ساتھ ہے پس اَب کوئی لفظ آیات قرآنی میں میری دانست میں ایسا نہیں رہا جس پر بحث درکار ہو۔

اَب میں اپنے اس آرٹکل کو ختم کرتا ہوں اور پھر کبھی فرصت میں انشاءاللہ تعالےٰ نسبت احادیث کے جو اِس باب میں ہیں بحث کی جاوے گی۔ واللہ المستعان۔

تمیقہ

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ

مکرمی میری سمجھ تو سب سے نرالی ہے۔ میں تو جناب رسول خدا صلعم کو خاتم النبیین جانتا ہوں

فرمایا ہے کہ خلق الموت والحیاۃ حالانکہ موت اور حیات کوئی شے جسمانی نہیں ہے۔ پھر فرمایا کہ
کہ خلق اللیل والنہار وجعل الظلمات والنور حالانکہ رات ظلمت یعنی عدم النور کا نام ہے اور
لیل ونہار یعنی رات دن اور نور وظلمت دونوں جسمانی نہیں ہیں پس خلق کا لفظ نسبت سموات
کے ہمارے کلام کے منافی نہیں ہے *

استوا اور خلق دونوں کی مراد واحد ہے قال الامام فی تفسیرہ۔ ثم استویٰ الی السماء
کنایۃ عن ایجاد السماء والارض یعنی استوا کے لفظ سے آسمان اور زمین کا پیدا کرنا
مراد ہے *

تیسرا لفظ "رتق وفتق" قابل بحث ہے ہم نے اسی آیت کے ساتھ شاہ ولی اللہ صاحبؒ اور
شاہ عبدالقادر صاحبؒ کا ترجمہ معہ تفسیر کے لکھدیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ دونوں لفظ
ہمارے کلام کے منافی نہیں۔ ہمارے نزدیک تو اس مقام پر سموات بادلوں سے مراد ہے جن پر
بسبب کثرت وتعدد کے جمع کا صیغہ بولا گیا ہے اور بڑی تائید اس کی اس بات سے ہوتی ہے کہ
اسی آیت میں خدا فرماتا ہے وجعلنا من الماء کل شئ حیّ اور صداقت اس آیت کی ہر شخص ہمیشہ
اپنی آنکھ سے دیکھتا ہے بادل آتے ہیں اور گھرے رہتے ہیں اور نہیں برستے پھر اللہ تعالےٰ اُن کا
مُنہ کھولتا ہے۔ اُن سے مینہ برستا ہے زمین خشک ہوجاتی ہے کھیتی نہیں رہتی۔ کچھ اُگانے
کے قابل نہیں ہوتی۔ اللہ تعالےٰ اُس کا مُنہ کھولتا ہے سب چیز اُس میں پیدا کرتا ہے اور
یہ سب باتیں ہمیشہ تمام لوگ دیکھتے رہتے ہیں۔ بعض علمائے اسلام نے یہود کی تقلید سے یہ
خیال کیا تھا کہ اس آیت سے یہ مراد ہے کہ آسمان وزمین آپس میں چمٹے ہوئے تھے جیسے بدن
پر کھال ہے۔ خدا نے زمین کی کھال کھینچ کر آسمان بنادیا مگر یہ صرف یہودیوں کا قصہ ہے اُسی کی
تقلید سے اُن علمائے نے قرآن کی بھی تفسیر کی ہے جن لوگوں کو خدا نے مخاطب کیا ہے وہ
آسمان وزمین کی پیدایش کے وقت کہاں تھے جو وہ دیکھتے کہ آسمان زمین سے بدن کی کھال
کی مانند چمٹا ہوا تھا یا نہیں *

اکثر مفسرین نے بھی اس آیت کی تفسیر ہمارے قول کے مطابق کی ہے صرف اتنا فرق ہے
کہ ہم نے سموات کا اطلاق بادلوں پر کیا ہے اور اُنہوں نے اس نیلی چھت پر جو ہم کو دکھائی دیتی
ہے چنانچہ ہم اُس کو تفسیر کبیر سے نقل کرتے ہیں *

قال الامام فی القول الثالث وھو قول ابن عباس واکثر المفسرین ان السمٰوات
والارض کانتا رتقا بالاستواء والصلابۃ ففتق اللہ السماء بالمطر والارض بالنبات والشجر
ونظیرہ قولہ تعالےٰ والسماء ذات الرجع والارض ذات الصدع ورجحوا ھذا الوجہ علی

مگر سب اُسی کو گائینگے ہمارے پیا کہہ گئے صلعم جیسے کہ انبیاء بنی اسرائیل میں بہت سے ایسے نبی گذرے جو اپنے پہلے نبی کے دین کو قایم کرتے رہے پس ہمارے میاں کی اُمت میں بھی بہت سے ایسے گذرے اور گذرینگے جو دین محمدی کی حقیقت قایم کیا کرینگے اور مجدد کہلاوینگے اور لوگ اُن کو کافر کہا کئے اور کہا کرینگے بھائی یہ باتیں کتابیں پڑھنے سے حل نہیں ہوتیں محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے سینہ کا نور لو تب اِس مرحلہ کو طے کرو وقد اوتیت من اللہ تعالیٰ نور من انوار المحمدیۃ صلعم واللہ علی ما نقول وکیل ۔

بھائی تم سمجھو کہ ہر ایک کو اپنے پیا سے جدی جدی راہیں ہوتی ہیں کوئی اُس کی باتوں ہی پر مرتا ہے کوئی اُس کی چتون پر ہی لوٹتا ہے کوئی اُس کی ادا کا دیوانہ ہے کوئی پہاڑ کی چوٹی پر سایہ دار سبزوں میں اپنے دل کا دوتارہ بجا کر یہ گا رہا ہے ؎

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ مے نگرم
کرشمہ دامن دل میکشد کہ جا اینجا است

پس جو شخص کہ اپنے تئیں اُمت محمدی کہتا ہے اور تصدیق کرتا ہے محمد رسول اللہ کی تو یقینی تمام بزرگیوں کا آنحضرت صلعم میں اقرار کرتا ہے پھر کیونکر خیال ہوسکتا ہے کہ اُس کے کسی کلام سے گو کہ وہ ہر طبقہ میں خاتم کا ہونا ہی ہو گمان بد کیا جا سکتا ہے وہ بھی دیوانہ ہے مگر ایک ادا پر ہم بھی دیوانے ہیں مگر اُس کی سب اداؤں پر۔ جو لوگ مسلمان ہیں اور بزرگ ہیں اور علماء میں سے ہیں اور ہمارے فخر ہیں جن کی کفش برداری کے بھی ہم لائق نہیں اُن پر بدظنی نہیں۔ چاہئے بھائی اگر وہی کافر ہوں تو کیا ہم تم مسلمان ہونگے۔ کبرت کلمۃ تخرج من افواھھم والسلام علی من اتبع الھدیٰ ۔

دافع البہتان

جناب حضرت سید الحاج مولانا مولوی حاجی علی بخش خاں صاحب بہادر سب آرڈینٹ جج گورکھپور نے ایک کتاب مسماۃ بہ تائید الاسلام تحریر فرمائی ہے جس میں مجھ پر بہت سے اتہام کئے ہیں اگرچہ میں ایسی باتوں کی نسبت کچھ پرواہ نہیں کرتا مگر بہت سے دوست بجد ہیں کہ جن عقاید کو جناب سید الحاج نے اتہاماً تمہاری طرف منسوب کیا ہے اُن کی نسبت بلا بحث و استدلال صرف اتنا لکھو کہ حقیقت میں وہ تمہارا عقیدہ ہے یا تم پر اتہام ہے پس میں اُن کے ارشاد کی تعمیل کرتا ہوں ۔

بوجہ ختم نبوت یا رسالت کے اور ایسے خاتم کو تاخّر زمانی اور افضلیت دونوں لازم ہیں ؀

اس کی ایسی مثال ہے کہ ایک بادشاہ نے بہت سی نعمتیں اپنی جنگلی اور وحشی رعیت کے تقسیم کرنے کو رکھی ہوں اور یہ ٹھہرایا ہو کہ جوں جوں ان وحشیوں کو عقل و تمیز آتی جاویگی ووں ووں عمدہ نعمتیں اُن میں تقسیم ہوتی جاویگی پس ضرور ہوگا کہ جو نعمتیں اُن کو اوّل دی جاویں گو فی نفسہ وہ اچھّی اور عمدہ ہوں مگر اُس کے بعد کی نعمتیں یقینی پہلے سے اچھی ہونگی یہاں تک کہ سب سے اخیر جو نعمت دی جاوے وہ سب سے اچھّی ہوگی ؀

اب فرض کرو کہ اُس بادشاہ نے ان نعمتوں کے تقسیم کرنے والے بترتیب مقرر کئے ہر ایک نے اپنی باری میں مطابق عقل اور تمیز اُن وحشیوں کے نعمتیں دینی شروع کیں اور اسی طرح درجہ بدرجہ نعمتیں تقسیم ہوتی رہیں یہاں تک کہ اخیر نعمت رہ گئی اور سب سے اخیر بانٹنے والا جو تھا اُس کی باری آئی۔ اُس وقت وہ لوگ بھی اُس نعمت کے لینے کے قابل ہو گئے تھے وہ اخیر بانٹنے والا آیا اور اخیر نعمت بانٹ گیا۔ پس وہ خاتم القاسمین ہے نہ اس وجہ سے کہ وہ اخیر زمانہ میں آیا اور نہ اس وجہ سے کہ اُس کے بعد کوئی بانٹنے نہیں آئیگا کیونکہ یہ دونوں باتیں تو خاتمیت کے لوازم سے ہیں بلکہ در اصل وہ اِس وجہ سے خاتم ہے کہ وہ خاتم نعمت ہے وھو خاتم لانہ قد ختمت النعمۃ بتقسیمہ اور جبکہ وہ نعمت اخیر سب سے عمدہ و افضل تھی تو اِس خاتم کا بھی سب سے افضل ہونا لازم ہے اور جو کہ تدریج زمانی بھی اُس کو لازم تھی اِس لئے اِس خاتم کو تاخرِ زمانی بھی لازم ہے ؀

بعینہ یہی مثال نبوّت کی ہے دین اللہ کا نعمت ہے اور بندوں میں تقسیم کرنے والے انبیاء علیہم السلام ہیں۔ انبیاء سابقین مناسب حال اُمّت سابقہ کے وہ نعمت تقسیم کرتے آئے یہاں تک کہ جس کی اخیر دفعہ باری تھی اور اخیر نعمت باقی رہ گئی تھی اور اُس کی تقسیم کا زمانہ بھی آگیا تھا وہ آیا اور وہ نعمت دے گیا وہ نعمت ختم ہو گئی رسالت اور نبوّت بھی ختم ہو گئی اور خود اُس نعمت کے مالک نے پکار کر کہہ دیا۔ الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دیناً۔ پس تعدد خاتم کسی معنی پر تو ممتنع بالذات ہے اور شرکت من حیث الذات اور من حیث العرض دونوں ممتنع ہیں۔ اثر ابن عباس کی صحت کا میں قایل نہیں ہوں جبکہ رسالت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی عام تھی تو خاتمیت بھی بمعنی مذکور عام تھی ؀

ہاں فیض الٰہی کبھی ختم نہیں ہونے کا بقول حافظ شیراز علیہ الرحمۃ ؎

فیض روح القدس ار باز مدد فرماید
دیگراں ہم بکنند آنچہ مسیحا میکرد

لعنت اللہ علی قایلہ و علی معتقدہٖ میرے اعتقاد میں شریعت حقہ محمدیہ خاتم شریعت ہے جیسے کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم خاتم النبوّت ہیں ✣

جناب سیّد الحاج نے ایک فقرہ میں پانچ اتہام میری نسبت کئے ہیں۔ ایک اتباع سواد اعظم و اتفاق جمہور مخاطب کے نزدیک باطل ہے۔ دوم۔ کسی عالم کے قول کا اعتبار نہیں نہ سند لانی چاہئے۔ سوم۔ مسلّمات مذہبی سے انکار کرنا نہ بدعت ہے نہ کفر ہے۔ چہارم۔ تقلید ائمہ اربعہ کی ظلمت و ضلالت ہے۔ پنجم۔ فقہ و حدیث پر اعتماد لانا بیجا ہے ✣

یہ سب کچھ جو لکھا ہے سب غلط ہے اور تمام تر مضامین کو تحریف کیا ہے فویل للّذین یکتبون الکتاب بایدیھم ثم یقولون ھذا من عند اللہ وہ کچھ جو آزادی رائے پر ہے اور جس کی تحریف جناب سیّد الحاج نے فرمائی ہے اُس کا مطلب سمجھنے کو ابھی مدت چاہئے پس اسی قدر لکھنا کافی ہے کہ جناب سیّد الحاج کا یہ استنباط غلط ہے وہ مطلب نہیں سمجھے یا دانستہ تحریف کی ہے ✣

جناب سیّد الحاج نے پھر ایک فقرہ میں دو اتہام کئے ہیں۔ ایک جو مسئلہ شرعیہ تہذیب مصطلحہ مخاطب کے خلاف ہو باطل ہے۔ دوم۔ خصوصاً کثرت ازدواج۔ سوم۔ استرقاق ✣

پہلا اور دوسرا امر محض بہتان ہے میرے عقیدہ میں کوئی مسئلہ شرعی تہذیب کے خلاف ہے ہی نہیں اور جس تعدّد ازدواج کی نسبت شرع میں اجازت ہے وہ عین تہذیب ہے اور شہوت رانی کے لئے شرع کو ٹٹّی بنانا بہایم کی مانند ہونا ہے ✣

تیسرا امر البتہ کسی قدر صحیح ہے یہ تو اکثر علمائے متقدمین بھی تسلیم کرتے ہیں کہ آیہ کریمہ فامّا منّا بعد و امّا فداء سے استرقاق ممنوع ہے مگر وہ علماء اُس کو منسوخ مانتے ہیں میں منسوخ نہیں مانتا ✣

جناب سیّد الحاج ایک وصولہ کی عبارت میں میری نسبت واعظین و صوفیہ و علمائے مدرسین پر سب و شتم کرنا لکھتے ہیں ✣

یہ گول گول عبارت جس میں کُل واعظین و صوفیہ و علماء داخل ہوں سیّد الحاج کو لکھنی مناسب نہ تھی جن مکّار واعظین و صوفیہ اور علماء بدنام کُن نیکونامے چند کی نسبت میں نے لکھا ہے اُن کی نسبت سب لکھتے آئے ہیں مولانا روم کی مثنوی دیکھو۔ امام غزالی رح کی احیاء العلوم پڑھو ✣

جناب سیّد الحاج ارقام فرماتے ہیں کہ میں نے احکام معاد مثل جنّت و نار۔ صراط و میزان و صور و حشر اجساد وغیرہ و عذاب قبر وغیرہ جو محسوسات نہیں ہیں باطل ٹھہرائے ہیں ✣

یہ محض اتہام ہے میں نے ایک حرف بھی اب تک اُن کی نسبت نہیں کہا نعیم جنّت و وعید جہنم پر

جناب سیّد الحاج ارقام فرماتے ہیں کہ مجموعہ موجودہ اسلام مخاطب یعنی میرے نزدیک قطعاً باطل ہے۔ یہ محض اتہام ہے۔ میرا یہ عقیدہ نہیں ہے میں نے ایک مقام پر جہاں یہ بحث کی ہے کہ مذاہب مختلفہ میں کونسا مذہب سچ ہو سکتا ہے اور بعد ایک لمبی تقریر کے بیان کیا ہے کہ مذہب اسلام کے سوا اور کوئی مذہب سچ نہیں ہو سکتا وہاں میں نے لکھا ہے کہ اسلام سے میری مراد یہ مجموعہ احکام نہیں ہے کیونکہ اُس میں احکام منصوصہ اور اجتہادیات اور قیاسیات سب شامل ہیں جن میں خطا کا احتمال ہے اس مقام پر میری مراد مذہب اسلام سے صرف احکام منصوصہ ہیں پس یہ کہنا کہ مخاطب کے نزدیک مجموعہ موجود اسلام قطعاً باطل ہے کیسا غلط اور کتنا بڑا اتہام ہے ٭

جناب سیّد الحاج ارقام فرماتے ہیں کہ مجموعہ اسلام مخاطب یعنی میرے نزدیک خلاف مرضی الٰہی ہے ٭

نعوذ باللہ من ھذہ الکلمات۔ کبرت کلمۃ تخرج من افواھھم ان یقولون الا کذبا۔ میرے نزدیک کوئی مذہب سوائے مذہب اسلام کے مطابق مرضی الٰہی کے نہیں ہے ٭

جناب سیّد الحاج ارقام فرماتے ہیں کہ احکام معاد پر اعتقاد لانا اور صحیح جاننا مخاطب کے نزدیک مانع ترقی ہے ٭

لعنت خدا کی ہو اُس پر جس نے یہ لکھا ہو اور جس کا یہ اعتقاد ہو میں نے یہ لکھا ہے کہ جب اس سچے مذہب (یعنی اسلام) میں بھی لغو خیالات اور بد تعصبات مل جاتے ہیں تو وہ ویسا ہی انسان کی ترقی کا حارج ہوتا ہے کُجا یہ لفظ اور کُجا وہ عقیدہ جو سیّد الحاج نے میری نسبت لکھا ہے جس وقت اُنہوں نے یہ کتاب لکھی ہے شاید خود اُن کو احکام معاد پر یقین نہ تھا کیونکہ اگر یقین ہوتا تو وہ ضرور خیال فرماتے کہ مرنا بھی ہے خدا کے سامنے جانا ہے میں کیونکر ایک شخص پر ایسا اتہام کروں ٭

جناب سیّد الحاج نے ارقام فرمایا ہے کہ معجزات انبیائے کے اعتبار سے مجرد نبی کے قول پر یقین لانا مخاطب کے نزدیک باطل ہے ٭

اس عبارت کا مطلب شاید مصنف ہی سمجھیں تو سمجھیں اور کوئی تو سمجھ نہیں سکتا مگر صرف اس قدر لکھنا کافی ہے کہ جناب سیّد الحاج میرے آرٹکل کا جو مطلب سمجھے ہیں وہ غلط سمجھے ہیں میں نے اُس آرٹکل میں صرف شرف عقل ثابت کیا ہے ٭

جناب سیّد الحاج نے ارقام فرمایا ہے کہ ایجاد شریعت مخاطب کے یعنی میرے نزدیک ضرور ہے ٭

سامنے حقیر و ذلیل رکھنا چاہتے ہیں کیا اُن کی مرضی ہے کہ مسلمان ہمیشہ ذلیل رہیں اور تربیت یافتہ قوموں کی نگاہ میں اُن کی کچھ قدر و عزت نہ ہو!!!

جناب سیدالحاج میری نسبت الزام لگاتے ہیں کہ میں ترقی قومی کو دیگر حسنات پر ترجیح دیتا ہوں دل و جانم فدائے ایں الزام جناب سیدالحاج باوسلا شبہ میرا یہ عقیدہ ہے یہی مذہب ہے اور یہی قول ہے اور خدا اسی قول پر میرا خاتمہ کرے کہ بعد ادائے فرایض کے کوئی عبادت قومی بھلائی میں کوشش کرنے سے بہتر نہیں ہے اللھم احینا علیہ وامتنا علیہ امین ہاں البتہ خود غرض نفس کے بندے قومی بھلائی میں کوشش کرنے کو بے فائدہ سمجھتے ہیں ؛

جناب سیدالحاج ارقام فرماتے ہیں کہ میں نے توہین حرمین شریفین کی ہے اور اُس کے ثبوت پر میرا یہ قول نقل کیا ہے کہ خواجہ سرا روضہ متبرکہ رسالت مآب صلعم پر اور خانہ کعبہ پر متعین کئے ہیں اور یہ ہیجڑے کے پھوٹے مسلمان اُس کو باعث افتخار جانتے ہیں ؛

ناظرین انصاف کرینگے کہ اِس فقرہ سے توہین حرمین شریفین استنباط کرنا جناب سیدالحاج کے علم و اجتہاد اور دیانت اور دینداری کا کیسا بڑا ثبوت ہے کیا یہ استنباط دیدہ و دانستہ اتہام نہیں ہے مُسلمانوں میں خواجہ سراؤں کا رواج اسلام کا داغ لگانے والا ہے کیونکہ سوائے مُسلمانوں کے اور کسی قوم میں یہ رواج نہیں ہے پھر جو فعل کہ حرام و ممنوع شرعی ہے اُس کے مرتکب ہوتے ہیں اور پھر اُنہی لوگوں کو حفاظت روضہ مطہرہ اور خانہ کعبہ پر متعین کرتے ہیں اور ان ہیجڑے کے پھوٹوں کو رسول خدا صلعم سے بھی شرم نہیں آتی کہ آنحضرت کے حکم کے برخلاف کام کرتے ہیں اور پھر اُنہی کو روضہ مبارک کے سامنے لے جاتے ہیں اور حیات النبی کا بھی اعتقاد رکھتے ہیں اگر غیرت اور خدا اور رسول سے شرم ہوتی تو چپنی بھر پانی میں ڈوب مرتے مگر اُس سے بھی زیادہ تعجب ہم کو یہ ہے کہ ہمارے مخدوم مبشر بہ بشارات عجیبہ سیدالحاج جناب مولانا علی بخش خاں صاحب بہادر سب آرڈینٹ جج گورکھپور اعنی قاضی القضاۃ شریعت انگریزیہ فرماتے ہیں کہ حرمین شریفین میں خواجہ سراؤں کی تعیناتی کو بُرا جاننا توہین حرمین شریفین ہے سبحان اللہ وبحمدہٖ سبحان اللہ وبحمدہٖ!!!

جناب سیدالحاج ارقام فرماتے ہیں کہ میں نے تعلیم دینیات کی جو مروج ہے غیر مفید ٹھہرائی ہے اور اُس کی دلیل میں میرا یہ قول نقل کیا ہے کہ "زمانہ حال میں دینیات کی تعلیم بھی مُسلمانوں میں مفید طریقہ پر نہیں ہے اور کوئی علم مفید مروج نہیں ہے"؛

اے مُسلمانو۔ انصاف کرو کہ میرے اِس قول کا یہ مطلب ہے جو جناب سیدالحاج نے نکالا ہے کیا اُن کا ایسا لکھنا اتہام نہیں ہے اور کیا دیدہ و دانستہ اُنھوں نے یہ غلط نہیں لکھا ہے۔

اور بعث بعد الموت پر میں اعتقاد رکھتا ہوں باقی رہی اُن کی کیفیات۔ وہ ہر شخص موافق اپنے مذاق کے بیان کرتا آیا ہے چنانچہ امام غزالیؒ کی کتاب احیاء العلوم ان باتوں سے پُر ہے ✦

جناب سید الحاج ارقام فرماتے ہیں کہ صرف فرایض پر عمل کرنا وہ بھی نیچر کے موافق ہوں کافی ٹھہرایا ہے ✦

اگرچہ اس میں بھی تدلیس کی ہے مگر بلا شبہ میرا اعتقاد ہے کہ جس قدر کہ فرائیض مذہب اسلام میں ہیں وہ فطرت اللہ یعنی نیچر کے مطابق ہیں اور بلا شبہ صرف فرائیض کا ادا کرنا اور گناہوں سے بچنا بہشت میں جانے کو کافی ہے ✦

جناب سید الحاج نے ارقام فرمایا ہے کہ جو عبادت خلاف نیچر ہو اُس کو مَیں نے باطل ٹھہرایا ہے ✦

اس میں بھی تحریف کی ہے کیونکہ میں نے کہا ہے کہ زہد و ریاضت کو صرف راتوں کو جاگنے اور ذکر و شغل کرنے اور نفل پڑھنے اور نفل روزہ رکھنے میں منحصر سمجھنا قطع نظر اس کے کہ اُن کا ایسا کرنا اور حد اعتدال سے گذر جانا قانون قدرت کے برخلاف ہے مقصود شارع ہے یا نہیں ہم تسلیم کرتے ہیں کہ وہ عبادت سہی مگر اُس کے سوا اور نیک باتوں کو عبادت نہ سمجھنا جو اُن سے زیادہ مفید ہیں بڑی غلطی ہے۔ کجا یہ مضمون اور کجا یہ اتہام جو جناب سیّد الحاج نے بایں دعوے دینداری مجھ پر کیا ہے ✦

جناب سید الحاج ارقام فرماتے ہیں کہ جس قدر عادات و حسنات خلاف نیچر ہوں اُن کو مَیں نے باطل ٹھہرایا ہے ✦

مگر جناب سید الحاج یہ نہیں سمجھے کہ جس قدر نیک عادتیں اور حسنات ہیں وہ نیچر یعنی فطرت اللہ کے برخلاف ہیں ہی نہیں کیا یہ جناب سید الحاج عادت خلاف فطرت کو حسن سمجھتے ہیں !!! ✦

وہ میرا قول نقل کرتے ہیں کہ مذہب خدا کا قول اور فطرت خدا کا فعل ہے دونوں ایک ہیں ✦

کیا جناب سیّد الحاج کو اِس میں شک ہے۔ کیا اُن کے نزدیک خدا کہتا کچھ ہے اور کرتا کچھ ہے !!! ✦

جناب سیّد الحاج میرا قول نقل کرتے ہیں کہ طریقہ لباس و اکل و شرب و اخلاق و عادات ایسی اختیار کرنی چاہئیں جس سے تہذیب یافتہ قوموں کی نظر میں حقارت نہ ہو ✦

کیا جناب سید الحاج کی خواہش اس کے برخلاف ہے کیا اپنی قوم کو تمام تہذیب یافتہ قوموں کے

ہاں ایک الزام میرے اوپر ٹھیک ہے کہ میں نے برخلاف جمہور مسئلہ استرقاق بیان کیا ہے مگر جب میں دل سے یقین کرتا ہوں کہ خدا اور کتاب اللہ اور محمد رسول اللہ صلعم تینوں میرے ساتھ ہیں اور یہ میرا یقین کامل اور نہایت پختہ ہے تو مجھ کو اس اختلاف سے کچھ ڈر نہیں ہے بفرض محال اگر میری سمجھ نے غلطی بھی کی ہو تو بھی اس اختلاف کا کچھ مضایقہ نہیں ہے کیونکہ مجھ کو کامل یقین ہے کہ معدومی استرقاق منصوص قرآنی ہے اور عین مرضی خدا و رسول کی پس ممکن ہے کہ جناب سید الحاج یا اور مسلمان کہیں کہ میں غلطی پر ہوں الا ان امور کے سبب کافر کہنا اور سب و شتم انبیاء و صحابہ و آئمہ اہل بیت علیہم السلام کا اتہام کرنا کچھ دیانت کی بات نہیں ہے یہ بھی یاد رہے کہ میری تحقیق میں غلامی کسی شریعت کا حکم شرعی نہ تھا فتدبر ولا تقل ما لیس لک بہ علم ✤

جناب سید الحاج میرا قول نقل کرتے ہیں کہ احکام نیچر (یعنی فطرت اللہ) کبھی نہیں ٹوٹنے کا اور پھر اُس پر تفریع فرماتے ہیں کہ معہذا احکام حشر و نشر و فنا بالکل ٹھہرینگے ✤

مگر میں نہایت ادب سے عرض کرتا ہوں کہ جناب یہ میرا مطلب نہیں ہے حضور نے قصداً یا خطاءً غلطی فرمائی ہے حشر و نشر و فنا خود نیچر و فطرت اللہ میں داخل ہے اور جب وہ ہوگا عین نیچر ہوگا افسوس ہے کہ جناب کو نہ قرآن کے لفظ فطرت اللہ کی تحقیق ہے اور نہ انگریزی لفظ نیچر کی مگر قلم پکڑ کر جو دل میں آتا ہے اُٹکر لیس تحریر فرما دیتے ہیں ✤

جناب سید الحاج مجھ پر اتہام فرماتے ہیں کہ میں کل احادیث کی صحت کا انکار کرتا ہوں ✤ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ یہ محض غلط اتہام میری نسبت ہے میں خود بیسیوں حدیثوں سے جو میرے نزدیک روایتاً و درایتاً صحیح ہوتی ہیں استدلال کرتا ہوں ✤

جناب حضرت سید الحاج میری نسبت اتہام فرماتے ہیں کہ قواعد صرف و نحو و معنی و بیان و اصول کے موافق معنی قرآن و حدیث کے لینے جائز نہیں ✤

محض کذب و اتہام ہے اور لفظ "جائز نہیں" ایک عجیب لفظ ہے۔ بہر حال میں نے اُس سے زیادہ نہیں کہا ہے جو شاہ ولی اللہ صاحب نے تفسیر فوز الکبیر میں لکھا ہے۔ بلاشبہ معنی قرآن کے موافق محاورہ عرب اوّل کے لینے چاہئیں جس زبان و محاورہ میں قرآن مجید نازل ہوا ہے ✤

جناب سید الحاج مجھ پر یہ اتہام کرتے ہیں کہ اگر علوم جدیدہ میں مذہب اسلام خلل انداز ہو تو مذہب اسلام کا چھوڑ دینا لازم ٹھہرایا ہے ✤

سُبحان اللہ کیا داد سخن فہمی دی ہے جناب یہ مطلب نہیں ہے بلکہ یہ مطلب ہے کہ مذہب اسلام ایسا پختہ ہے کہ کتنے ہی علوم جدیدہ کیوں نہ پڑھے جاویں الا مذہب اسلام سے بد اعتقادی نہیں

کجا طریقہ تعلیم کو غیر مفید کہنا اور کجا تعلیم دینیات کو غیر مفید کہنا *

جناب سید الحاج ارقام فرماتے ہیں کہ میں نے جو تمہید غلامی کے آرٹکل میں لکھی ہے اس سے سب وشتم انبیائے سابقین اور لاحقین اور صحابہ و اہل بیت و عام اُمت مرحومہ کی لازم آتی ہے *

یہ قول اُن کا محض غلط ہے قبل نزول امتناع کسی فعل کے اُس کے مرتکبین کو گنہگار اور مرتکب فعل حرام کا جاننا صرف جناب سید الحاج کا عقیدہ ہے۔ ایک زمانہ میں حقیقی بہن سے نکاح منع نہ تھا اور بعض نبی انبیائے سابقین میں سے اس کے مرتکب ہوئے اسی طرح حقیقی دو بہنوں سے ایک ساتھ نکاح کرنا منع نہ تھا متعدد انبیاء اس فعل کے مرتکب ہوئے۔ شراب کی حرمت جب تک نہ ہوئی تھی تمام انبیائے سابقین اور اکثر صحابہ اُس کے مرتکب ہوئے پس اب اگر کوئی شخص یہ بیان کرے کہ بہن سے نکاح کرنا حرام ہے۔ دو بہنوں کو ایک ساتھ نکاح میں لانا حرام ہے۔ شراب پینی حرام ہے تو وہ کیا انبیائے سابقین اور صحابہ کرام پر سب وشتم کرتا ہے *

جو کچھ میں نے نسبت غلامی کے لکھا ہے اوّل میری تحقیق دریافت کرنی چاہئے تھی میرا یہ عقیدہ نہیں ہے کہ کسی نبی نے انبیائے سابقین سے اور لاحقین سے جناب خاتم الانبیاء تک کسی عورت پر بغیر نکاح کے تصرف کیا ہو ایمہ اہل بیت علیہم السلام نے اُن عورتوں سے جو لڑائی میں قید ہوئی تھیں نکاح کیا تھا جس طرح کہ جناب سید الحاج ایمہ اہل بیت پر تہمت لگانا چاہتے ہیں اُس طرح بغیر نکاح بطور لونڈی کے کسی کو تصرف میں نہیں لائے۔ سُنّی صرف اس مطلب سے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی خلافت کا حق ہونا شیعوں پر ثابت ہو ایمہ اہل بیت پر لونڈیوں کے تصرف کی تہمت لگاتے ہیں ورنہ وہ ازواج مطہرات منکوحہ اہل بیت علیہم السلام تھیں صحابہ و تابعین کی نسبت بھی کوئی کافی ثبوت اس بات کا نہیں ہے کہ قیدی عورتوں کو بطور لونڈیوں کے بلا نکاح اُنہوں نے تصرف کیا ہو اور کچھ شبہ نہیں کہ آیۃ کریمہ امامنا بعد واما فداءً اُخرالآیۃ ہے جو اُسارےٰ کے حق میں نازل ہوئی اور جس سے غلامی معدوم ہو گئی پس جو شخص یہ اعتقاد رکھتا ہو اُس کی نسبت یہ کہنا کہ انبیاء و صحابہ و اہل بیت پر سب وشتم لازم کیا ہے کیسا اتہام ہے *

جب سلطنت سلاطین کے ہاتھ آئی پھر مفتیوں کو اور قاضیوں کو کیا ڈر تھا۔ آیت اما منا بعد واما فداءً کو مٹا دیا اور ملا دو پیازہ کے قاضی بن گئے قطع نظر اس کے بعد غزوات وانقراض زمانہ خلافت خمسہ حقہ کونسی لڑائی جہاد جائز خالصاً للہ واسطے اعلاء کلمۃ اللہ کے تھا جس کی بندی کو جناب قاضی و مفتی نے حلال کر دیا تھا اور جس طرح کہ مکہ معظمہ میں لونڈی و غلام بیچے جاتے ہیں یہ کونسی شرع کی رُو سے جائز ہیں شریعت محمدیہ کی رُو سے تو یقینی حرام ہیں *

اور اُس کو کافر سمجھتا ہوں اور اگر مادہ سے عین ذات باری مراد لے اور اس کو خلاف دیکھ کر باطل سمجھا ہے اور جیسا کہ بڑے بڑے اکابر بزرگان دین اہل وجد وحدت وجود کا مشرب نہیں کہ سب لوگ ...اور
خدا ازلی و ابدی ہے وللہ در من قال *

فلولاہ ولولانا لما کان الذی کانا
فانا اعبد حقا وان اللہ مولانا
وانا عینہ فاعلم اذا ما قلت انسانا
فلا تحجب بانسان فقد اعطاک برھانا
فکن حقا وکن خلقا تکن باللہ رحمانا
وعذ خلقہ منہ تکن روحا و ریحانا
فاعطیناہ ما یبدو بہ فینا واعطانا
فصار الامر مقسوما بایاہ و ایانا
فاحیاہ الذی یدری بقلبی حین احیانا
وکنا فیہ اکوانا و ازمانا و اعیانا
ولیس بدایم فینا ولکن ذاک احیانا

افسوس ہے کہ جناب سید الحاج کو ان مضامین پر غور کرنے کو ایک مدت درکار تھی مگر انہوں نے بے سوچے سمجھے جو چاہا لکھ دیا۔ ولا تقف مالیس لک بہ علم ان السمع والبصر والفواد کل اولئک کان عنہ مسئولا *

جناب سید الحاج فرماتے ہیں کہ میں نے لکھا ہے کہ شبہ دوسرے خدا کے وجود کا زائل نہیں ہو سکتا *

اس کا مطلب کیا ہے آیا یہ مطلب ہے کہ میں معتقد دوسرے خدا کا ہوں تو میں لعنت بھیجتا ہوں مشرک پر اور دو اور تین یا اُس سے زیادہ خدا ماننے والے پر اور اگر یہ مطلب نہ ہو تو جناب سید الحاج کا تحریف کر کر مطلب بیان کرنا ایک قسم کا اتہام ہے۔ جو تقریر کہ میں نے اُس مقام پر بیان کی ہے اُس پر ایک شبہ وارد کیا ہے اور لکھا ہے کہ ہم ایسے شبہات پر شرعًا مکلف نہیں ہیں *

جناب سید الحاج ارقام فرماتے ہیں کہ میں نے لکھا ہے کہ اعتقادیات جو خلاف نیچر ہوں باطل ہیں اور عملیات معینہ فقہا باطل ہیں *

جناب سید الحاج آپ اُس آرٹیکل کا جو میں نے فلسفیانہ بمقابلہ ایڈیسن لکھا ہے مطلب نہیں سمجھے جو کچھ آپ نے لکھا ہے سب غلط ہے یہ اُس کا مطلب نہیں ہے *

ہو سکتی ہاں ایسے لچر اصول مذہب کے جیسے جناب سیّد الحاج نے اختیار فرمائے ہیں اور جن ہیں کے بڑے دو اصول بہتان کرنا اور اتہام لگانا اور کلمہ گوؤں کو کافر کہنا ہے اُن کا چھوڑنا تو میں لازم ٹھہراتا ہوں ❖

جناب سیّد الحاج ارقام فرماتے ہیں کہ میں نے اعتراض فلسفیانہ قرآن شریف پر کئے ہیں اور اُس پر میرے بیان کو بطور دلیل کے لائے ہیں کہ ہیئت جدیدہ کی تردید کسی کتاب میں نہیں ہے اور جو تفسیر عالموں نے نطفہ سے انسان کے پیدا ہونے کی لکھی ہے وہ فن تشریح سے غلط معلوم ہوتی ہے ❖

اگر انصاف و دیانت دُنیا میں باقی ہے تو جناب سیّد الحاج منبع البہتان کے اتہام کو خیال کیا جاوے کہ کُجا قرآن مجید پر اعتراض کرنا اور کُجا عالموں کی تفسیر کو غلط بتانا یا یہ کہنا کہ ہیئت جدیدہ کی تردید کسی کتاب میں نہیں ہے ❖

جناب سیّد الحاج ارقام فرماتے ہیں کہ میں نے اڈیسن و اسٹیل کو پیغمبر ٹھہرایا ہے ❖

مگر مجھ سے پہلے فردوسی و انوری و سعدیؒ کو لوگ پیغمبر ٹھہرا گئے ہیں اگر میں نے اسٹیل و اڈیسن کو پیغمبر ٹھہرایا تو کچھ گناہ نہیں کیا ❖

ہاں شاید جناب سیّد الحاج اس لئے خفا ہوئے ہونگے کہ میں نے جناب ممدوح کو پیغمبر کیوں نہیں ٹھہرایا خیر معاف فرمائیے اِس لئے کہ میں جناب ممدوح کا رتبہ اُس سے بھی زیادہ سمجھتا ہوں وہ تو پیغمبرانِ سخن تھے الا میں جناب سیّد الحاج کو خدائے بہتان و اتہام جانتا ہوں ❖

جناب سیّد الحاج ارقام فرماتے ہیں کہ میں نے بمقابلہ فلسفیات جدیدہ کے قرآن و حدیث کو بیکار قرار دیا ہے اور ادلہ ثلاثہ شرعیہ کا بطلان بیان کیا ہے ❖

لعنۃ اللّٰہ علیٰ قایلہ و علیٰ معتقدہ و علیٰ من ینسب ھذا القول الیٰ من لم یعتقدہ و لم یقلہ اسی قدر کہنا بس ہے کیا فائدہ ہے ایسے اتہامات سے اور کیا نتیجہ جناب سیّد الحاج نے اس میں سمجھا ہے ❖

جناب سیّد الحاج ارقام فرماتے ہیں کہ میں نے خاتم الانبیاء صلعم کو نیچرل اسٹ ٹھہرایا ہے ❖

میں نے تو یہ لفظ نہیں کہا اور اگر جناب سیّد الحاج نے بنظر تحقیر یہ لفظ جناب خاتم المرسلین کی نسبت ارقام فرمایا ہے تو اُس کا مظلمہ خود جناب سیّد الحاج کی گردن پر رہیگا کیونکہ سیّد الحاج کے ہم مشرب علماء کے فتووں سے پہلے ہی یہ ثابت ہو چکا ہے کہ نبی کی نسبت کلمہ تحقیر کا بلا قصد نقل کرنا بھی کُفر ہے پس ایسے کلمہ کا ایجاد کر کے کہنا بطریق اولیٰ کُفر ہوگا ❖

جناب سیّد الحاج ارقام فرماتے ہیں کہ میں نے مادہ عالم کو ازلی و ابدی ٹھہرایا ہے۔ اگر لفظ مادہ سے کوئی شے علاوہ ذات باری کے مراد ہے تو ایسا اعتقاد کرنے والے پر تو میں لعنت بھیجتا ہوں

جناب سید الحاج فرماتے ہیں کہ میں نے حدیث صحیح کو اپنے خلاف دیکھ کر باطل سمجھا ہے اور شیطنت سیکھنے کا کنایہ ابوہریرہ پر کیا ہے ؛

جو حدیث ضعیف یا موضوع کہ جناب سید الحاج کے نزدیک صحیح ہو یہ کچھ ضرور نہیں کہ سب لوگ اُس کو صحیح سمجھیں ۔ جناب سید الحاج کے نزدیک وہ حدیث صحیح ہوگی میرے نزدیک نہیں ہے اور شیطنت سیکھنے کی نسبت کا جناب حضرت ابوہریرہؓ کی طرف جناب سید الحاج نے مجھ پر اتہام کیا ہے ۔ نوذ کیا ہے مجھ پر لگایا ہے ۔ میں تو اس حدیث ہی کو صحیح نہیں سمجھتا ۔ جناب سید الحاج نے ارقام فرمایا تھا کہ حضرت ابوہریرہؓ نے عمل آیۃ الکرسی کا شیطان سے سیکھا (نعوذ باللہ منہا) اُس پر میں نے لکھا کہ جناب مولوی علی بخش خاں صاحب بہادر سب آرڈینٹ جج گورکھ پور نے اپنے رسالہ "شہاب ثاقب" صفحہ ۴۴ میں لکھا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ شیطان کے شاگرد ہوئے اور عمل آیت الکرسی کا اُس سے سیکھا ۔ اس عبارت کے بعد میں نے لفظ نعوذ باللہ منہا کا بھی لکھا ہے جس سے ظاہر ہے کہ میں قول جناب سید الحاج کو غلط جانتا ہوں اُس پر جناب سید الحاج نے مجھ پر یہ اتہام کیا ہے کہ میں نے شیطنت سیکھنے کا کنایہ ابوہریرہ پر کیا ہے افسوس ہے کہ جناب سید الحاج کو ایسی باتیں لکھنے میں کچھ لحاظ بھی نہیں ہوتا ؛

جناب سید الحاج ارقام فرماتے ہیں کہ میرا یہ بیان ہے کہ مادہ عالم منجملہ صفات باری ہے لہذا وہ عین ذات ہے اور اُس کا خالق اللہ تعالےٰ نہیں ہے ورنہ اپنی ذات کا خود خالق ہوگا اور فنا ہونا مادہ عالم کا بھی متعذر ہے اور عالم پر تقدم ذات باری کو نہیں ہے اور ذات باری مادی ہے ؛

کیا عجیب سمجھ جناب سید الحاج کی ہے اور کیا عمدہ مقدمات اس میں ترتیب دیئے ہیں کہ شیخ اکبر کی روح خوش ہوگئی ہوگی ۔ پھر جو کچھ لکھا ہے محض غلط لکھا ہے ۔ جناب بلاشبہ صفات باری اُس کی عین ذات ہیں مگر یہ مسئلہ آپ کی سمجھ سے باہر ہے اس میں آپ کیوں دخل فرماتے ہیں الا اس قدر آپ کو معلوم کرنا چاہیئے کہ جو کچھ آپ سمجھے ہیں وہ سب غلط ہے اور جو الفاظ آپ نے ارقام فرمائے ہیں وہ میرے نہیں ہیں یہ سب آپ کے دل کے بنائے ہوئے الفاظ ہیں ابھی تو آپ حاجی ہی ہوئے ہیں مگر جب منصور کے رتبہ پر پہنچیئے گا جب میرے اُن فقروں کے معنی سمجھیئے گا جو میں نے صفات و ذات کی عینیت میں لکھے ہیں ؛

جناب سید الحاج ارقام فرماتے ہیں کہ میرا بیان ہے کہ نکات بلاغت و اشارۃ النص و دلالۃ النص باطل ہیں ؛

غلط ہے ۔ میرا یہ قول نہیں ہے بلاشبہ میری سمجھ ہے کہ قرآن مجید کے معنی اُسی طرح پر لینے چاہئیں جس طرح اعراب عرب سمجھے تھے اور جن کی زبان میں قرآن مجید نازل ہوا ہے یہی مشرب

جناب سید الحاج فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک علاوہ مذہب اسلام کے دوسرے مذاہب بھی سچے ہو سکتے ہیں ٭

میں نہیں جانتا کہ یہ مطلب سید الحاج نے کہاں سے استنباط فرمایا ہے میرا تو یہ مذہب ہے کہ مذہب اسلام ہی سچا مذہب ہے اور جو مذہب سچا ہوگا وہ اسلام ہی ہوگا ٭

جناب سید الحاج فرماتے ہیں کہ جہاد سے میری مراد اُس قسم کی لڑائی ہے جیسی مثلاً جرمن اور فرانس میں ہوئی تھی نہ واسطے قایم ہونے دین اور اعلاء کلمۃ اللہ کے ٭

یہ تحریر جناب سید الحاج کی اتہام محض ہے جبکہ وہ دیدہ و دانستہ اتہام کرنے پر مستعد ہیں تو اُس کا علاج کیا ہے بلاشبہ میری دانست میں جہاد جبراً مسلمان کرنے کے لئے نہیں ہے بلکہ صرف اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے ہے جیسا کہ میری تحریروں سے ظاہر ہے ٭

جناب سید الحاج ارقام فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک اسلام صرف اسی قدر کا نام ہے کہ خدا کو ماننا اور بندوں کے ساتھ برادری برتنا اس پر میرا یہ قول سند لائے ہیں کہ "سچے مذہب اسلام کا مسئلہ یہ ہے کہ خدا کو ایک جاننا اور انسان کو اپنا بھائی سمجھنا" اب صاحب تمیز خود غور کرینگے کہ جناب سید الحاج نے لفظ "اسی قدر کا نام ہے" اپنی طرف سے بڑھا کر اور میرے مطلب کو تحریف کر کر کیا عمدہ داد دینداری دی ہے ٭ ؎

گر مسلمانی ہمیں است کہ واعظ دارد
وائے گر در پس امروز بود فردائے

جناب سید الحاج ارقام فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک اہل سنت وغیرہ جو فرقے اسلام کے ہیں سب باطل ہیں صرف ملت نیچریہ حق ہے ٭

میں چاہتا ہوں کہ جناب سید الحاج اور ہم دونوں مل کر کہیں کہ لعنت اللہ علی الکاذبین اور ہمارے اور اُن کے دوست پکار کر کہیں ہمیں باد۔ معلوم نہیں کہ جناب سید الحاج نے ایسی لغو اور بیہودہ باتوں سے کیا فائدہ سمجھا ہے ٭

جناب سید الحاج لکھتے ہیں کہ میرے نزدیک جو مسئلہ شرعیہ خلاف عقل و مخالف نیچر ہو وہ باطل ہے ٭ معلوم نہیں کہ جناب سید الحاج اُلٹی راہ کیوں چلتے ہیں یہ کیوں نہیں فرماتے کہ میرے عقیدہ میں کوئی مسئلہ شریعت حقہ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا خلاف عقل خلاف فطرت اللہ یعنی نیچر کے نہیں ہے ٭ ؎

ترسم نہ رسی بہ کعبہ اے اعرابی
کیں رہ کہ میروی بہ ترکستان است

عقیدہ دوم

جناب سید الحاج اس عقیدہ کو میری طرف منسوب فرماتے ہیں کہ ذات باری علت تامہ وجود ہر شے کی نہیں ہے۔ ذات باری تعالےٰ کو خالق کل شے کہنا حقیقت میں غلط ہو جاویگا گو مجازاً صحیح ٹھہرے ۔

جناب سید الحاج نے مجھ پر یہ سب افترا اور بہتان کیا ہے۔ میرا یہ عقیدہ نہیں ہے میں نے صرف اس قدر لکھا ہے کہ ذات باری تمام کائنات کی علت العلل ہے ۔

عقیدہ سوم

جناب سید الحاج نے اتہاماً میرا یہ عقیدہ ٹھہرایا ہے کہ مادہ عالم کا قیامت کے روز فنا ہو جانا ممتنع بالذات ہوگا و کل من علیہا فان صحیح نہ ٹھہریگا ۔

جناب سید الحاج نے محض اتہام کیا ہے میرا یہ عقیدہ نہیں میں نے لکھا ہے کہ اگر تمام موجودات کے عوارض نوعیہ یا شخصیہ معلوم ہو جاویں تو جو کچھ باقی رہیگا وہ ناقابل عدم ہوگا و قد قال اللہ تبارک و تعالےٰ۔ کل من علیہا فان و یبقیٰ وجہہ ربک ذو الجلال والاکرام اس قول کی حقیقت جناب سید الحاج نہیں سمجھے اُن کو شیخ اکبر کی کتابیں پڑھنی چاہئیں اور مسئلہ وحدت وجود کو سمجھنا چاہئے جب سید اکبر کے قول کو سمجھینگے ۔

عقیدہ چہارم

پھر جناب سید الحاج نے اِس عقیدہ کا میری نسبت اتہام کیا ہے کہ ذات باری مادی ہے یا یوں کہو کہ مادہ اور غیر مادہ سے مرکب ہے یا محل مادہ کا ہے ۔

افسوس ہے کہ جناب سید الحاج کو بہتان پر بہتان لگانے میں کچھ لحاظ نہیں ہوتا۔ میرا یہ عقیدہ نہیں ہے بلکہ ایسا اعتقاد رکھنے والے کو میں کافر سمجھتا ہوں ۔

عقیدہ پنجم

بلا شبہ میں ذات اور صفات باری کی عینیت کا قائل ہوں مگر اس عقیدہ میں جناب سید الحاج نے یہ نتیجہ اپنی طرف سے نکالا ہے کہ یہ کہنا غلط ٹھہریگا کہ مفہوم صفات کا باہم متمیز اور متغایر ہے اور اس صورت میں حقیقت علم و قدرت وغیرہ متحد الحقیقت ہونگے مگر یہ سمجھ خود اُن کی ہے میری

شاہ ولی اللہ صاحب کا ہے جیسا کہ اُنہوں نے تفسیر فوز الکبیر میں لکھا ہے یہاں تک کہ جو باتیں قواعد نحو مقررہ سیبویہ و فرآء کے خلاف قرآن مجید میں ہیں اُن کی تاویل کو بھی شاہ ولی اللہ صاحب نے بیجا قرار دیا ہے اور عرب اوّل کے محاورہ کو خلاف قاعدہ مقررہ نحو قرآن مجید میں تسلیم کیا ہے اور اُسی کو صحیح مانا ہے مگر مجھ کو شبہ ہے کہ جناب سیّد الحاج مولانا شاہ ولی اللہ صاحب کو بھی مسلمان جانتے ہیں یا نہیں کیونکہ اہل بدایوں اُن کی بھی تکفیر کرتے ہیں ۔

جناب سیّد الحاج ارقام فرماتے ہیں کہ میں نے اصول و فروع اسلام سے اپنے اختلاف کا اقرار کیا ہے ۔

یہ الفاظ تو جناب سیّد الحاج کے دل کے بخارات ہیں مگر بلاشبہ اس زمانہ میں جو مسائل مُسلمانوں میں رائج ہیں اُن میں سے چند مسائل سے مجھ کو اختلاف ہے اس لئے کہ میری رائے میں وہ مسائل خلاف شرع ہیں اصول و فروع سے اختلاف ہونا جو جناب سیّد الحاج تحریر فرماتے ہیں یہ محض اتہام ہے ۔

اب میں اُن چند عقیدوں کا ذکر کرتا ہوں جو جناب سیّد الحاج مولوی علی بخش خاں صاحب نے اپنی طرف سے گھڑ کر لکھے ہیں اور اتہاماً میری طرف منسوب کئے ہیں ۔

عقیدہ اوّل

جناب سیّد الحاج نے اس عقیدہ کو میری طرف منسوب کیا ہے اور لکھا ہے کہ میں نے ایک مادہ اور ایک ذات باری دو چیزوں کو ازلی ٹھہرایا ہے اور لکھا ہے کہ تقدم ذات باری کا مادہ وجود عالم پر نہیں ہے اور پھر لکھا ہے کہ ذات باری خالق مادہ اصلی عالم کی نہیں ہے اور نہ اُس کے فنا پر قادر ہے ۔

اِن میں سے ایک بھی میرا عقیدہ نہیں ہے اور نہ میں نے کہیں یہ باتیں بیان کی ہیں جو اُنہوں نے لکھی ہیں محض بہتان اور افترا ہے ۔

ذات اور صفات باری کی نسبت تین مذہب مُسلمانوں میں قدیم سے چلے آتے ہیں۔ ایک یہ کہ صفات باری عین ذات ہیں۔ دوسرے یہ کہ غیر ذات ہیں۔ تیسرے یہ کہ نہ عین ہیں نہ غیر ہیں۔ میں مذہب اوّل کو صحیح سمجھتا ہوں اور اسی قدر میں نے بیان کیا ہے اور اس سے زیادہ جس قدر بیان ہے وہ سب افترا اور بہتان ہے اور نہ وہ میرے الفاظ جو جناب سیّد الحاج نے لکھے ہیں ۔

تمیز کرنے والی ہے وہ بھی عقل ہے۔ جناب سیّد الحاج نے اس کتاب میں عقل سے کام نہیں لیا اسی واسطے غلطی میں پڑے اور اگر دیدہ و دانستہ اتہام کیا ہے تو بھی عقل سے کام نہیں لیا ؛

قولہ۔ حُسن و قبح تمام اشیاء اور احکام کا عقلی ہے نہ شرعی۔ متقدمین اہل اسلام کے اس کی نسبت دو مذہب ہیں۔ ایک یہ کہ حُسن و قبح تمام چیزوں کا عقلی ہے۔ دوسرے یہ کہ شرعی ہے میرے نزدیک بلا شبہ پہلا مذہب صحیح ہے ؛

قولہ۔ لہذا باوجود قانون قدرت کے یعنی نیچر کے بعثت انبیاء کی ضرورت نہیں ہے۔ غالباً یہ عقیدہ اور یہ سمجھ خود جناب سیّد الحاج کی ہوگی۔ نہ میرا یہ عقیدہ ہے نہ میں نے یہ کہا بلکہ بعثت انبیا نیچر کی رُو سے ضروری ہے ؛

قولہ۔ لاکھوں نیچرل اسٹ موجود ہیں اور وہ خود پیغمبر ہیں۔ میرا تو یہ عقیدہ نہیں ہے شاید جناب سیّد الحاج اُن کو پیغمبر جانتے ہونگے ؛

قولہ۔ لندن کے پیغمبروں میں ایڈیسن اور اسٹیل تھے۔ جس طرح کہ کسی شخص کامل کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ خدائے سخن ہے یا پیغمبر سخن ہے جیسے کہ اس شعر میں ہے ؎

در نظم سہ کس پیمبرانند

فردوسی و انوری و سعدی

اسی طرح ایک مقام پر میں نے اسٹیل اور ایڈیسن کو لندن کے پیغمبر کہا ہے مگر چونکہ جناب سیّد الحاج عقل کو رہنما نہیں سمجھتے اس لئے وہ سمجھ گئے کہ وہ سچ مچ کے پیغمبر ہیں جو خدا کی طرف سے مذہب لاتے ہیں یا دانستہ اتہام کیا ہے ؛

قولہ۔ اِس صورت میں ختم ہونا نبوت کا نبی آخر الزمان پر صحیح نہ ہوگا ؛
یہ عقیدہ کفر یہ میرا تو نہیں ہے کیونکہ میں تو تقلید موجودہ کو بھی شرک فی النبوت سمجھتا ہوں مگر غالباً جناب سیّد الحاج کا یہ عقیدہ ہوگا کیونکہ وہ تقلید موجودہ یعنی شرک فی النبوت کو جائز سمجھتے ہیں۔ غرضکہ جو امر میری نسبت جناب سیّد الحاج نے منسوب کیا ہے میں تو کہتا ہوں لعنت اللّٰہ علیٰ قایلہ و معتقدہ۔ اُمید ہے کہ جناب سیّد الحاج فرماویں کہ بیش باد ؛

عقیدہ نہم

اِس عقیدہ کے اتہامات کو بھی ہم قولہ قولہ کرکے بیان کرینگے ؛

قولہ۔ قانون فطرت یعنی نیچر کے خلاف کوئی امر ظہور میں آنا ممکن نہیں ہے لہذا معجزات انبیاء پر یقین لانا صحیح نہ ہوگا۔ یہ قول جناب سیّد الحاج کا محض غلط ہے جو شخص کہ فطرت اللّٰہ اور قانون قدرت

نہیں وہ مسئلہ عینیت ذات وصفات کو سمجھے ہی نہیں اس کا علاج یہ ہے کہ کسی سے سیکھیں فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون ؛

عقیدہ ششم

جناب سید الحاج نے بغیر سوچے سمجھے ان الفاظ سے میرا عقیدہ بیان کیا ہے کہ ذات باری کو قانون فطرت کے توڑنے یا تبدیل اور تغیر کرنے پر اختیار نہیں ہے بلکہ ممتنع بالغیر ہو گیا ہے ؛
یہ بالکل اتہام محض ہے قانون فطرت کبھی نہیں ٹوٹتا کیونکہ جو کچھ خدا کرتا ہے وُہی قانون فطرت ہے ؛
نیچر ایک انگریزی لفظ ہے اور وہ ٹھیک ٹھیک مرادف ہے لفظ فطرت اللہ اور قانون قدرت کے ابھی بہت مدت چاہیئے کہ جناب سید الحاج ان لفظوں کے معنی سمجھیں ؛

عقیدہ ہفتم

میری ایک تقریر کا جناب سید الحاج نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ دوسرا علت العلل کسی دوسرے عالم کا ممتنع عقلی نہیں ہے ؛
اس میں بھی جناب سید الحاج نے تحریف کی ہے اور مطلب کو اُلٹا بیان کیا ہے میں نے بیان کیا ہے کہ مذہب اسلام کا عقیدہ یہ ہے کہ "وہ ہستی جس کو ہم اللہ کہتے ہیں واحد فی الذّات ہے یعنی مثل اُس کے دوسری ہستی نہیں اور اُس کے ثبوت میں ایک تقریر کی ہے اور ایجاد عالم سے اُس پر استدلال کیا ہے اور پھر تسلیم کیا ہے کہ اِس تقریر پر وہ شبہ جو ابن کمونہ کا ایک مشہور شبہ ہے اور جس کے حل کرنے میں بڑے بڑے علماء عاجز رہے ہیں وارد ہوتا ہے مگر وہ ایک خیالی اور وہمی شبہ ہے اور یقین دلانے کو کافی نہیں اور مذہب اسلام میں ایسی باتوں پر تکلیف نہیں ہے۔ کُجا یہ تقریر اور کُجا وہ اتہام جو جناب سید الحاج نے کیا ہے ایسے لفظوں سے جو نیک دل سے نہیں نکل سکتے ؛

عقیدہ ہشتم

اِس عقیدہ میں میری نسبت متعدد اتہام خلط ملط کر کے اُنہوں نے جمع کئے ہیں اِس لئے ہم قولہ قولہ کر کے اُس کی تفصیل کرینگے ؛
قولہ۔ سوائے عقل کے کوئی رہنما نہیں۔ بے شک عقل رہنما ہے اور اسلام اور کفر میں جو

عقیدہ دہم

اِس عقیدہ میں بھی میری نسبت کسی قدر اتہام بہ تحریف مراد جناب سید الحاج نے ارقام فرمائے ہیں جن کو میں بیان کرتا ہوں *

قولہ۔ ملائکہ سے مراد قوائے انسانی ہیں۔ میرا یہ قول ہے کہ ملک کے لفظ کا قوائے انسانی پر بھی اطلاق ہوا ہے اور میں نے کسی ایسے وجود کا جو علاوہ انسان کے ہو اور ملک کا اطلاق جس پر کیا جاوے انکار نہیں کیا ہے *

قولہ۔ شیطان کا وجود نہیں۔ میں شیطان کے وجود کا قائل ہوں مگر انسان ہی میں وہ موجود ہے خارج عن الانسان نہیں اگرچہ میرا ارادہ ہے کہ میں اِس عقیدہ سے رجوع کروں کیونکہ اِس زمانہ میں بہت سے شیطان مجسم دکھائی دیتے ہیں مگر مشکل یہ ہے کہ اور اکابر بھی وجود شیطان خارج عن الانسان کے منکر ہیں۔ مولانا رُوم فرماتے ہیں ؎

نفسِ شیطاں ہم زا اصل واحدے
بُود آدم را حسود و ساجدے

عقیدہ یازدہم

اِس عقیدہ میں عجیب خلط مبحث کیا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا قصداً لوگوں کو دھوکہ میں ڈالنا چاہا ہے مگر ہم اُن کے قولوں کو نقل کرتے ہیں *

قولہ۔ بغیر لحاظ اصول تفسیر اور بدوں اعتبار اقوال جمہور مفسرین و شان نزول کے قرآن کے معنی اپنی رائے سے کہنے جائز ہیں۔ جناب سید الحاج کا یہ قول تمامتر اتہام ہے اور اصلی مطلب کو تحریف کیا ہے اصول تفسیر کو میں انسانوں کے بنائے ہوئے قاعدہ سمجھتا ہوں خدا کی طرف سے وہ قاعدے نہیں اُترے اقوال مفسرین اور شان نزول آیات کی جن کی سندیں موجود ہیں وہ معتبر ہیں۔ جن کی سندیں نہیں ہیں وہ معتبر نہیں ہیں۔ پس یہ سیدھی بات ہے جس کو جناب سید الحاج نے تحریف کیا ہے *

قولہ۔ اور قرآن کے معنی جس قدر نیچر اور فلسفہ کے خلاف ہوں اُس کو خواہ مخواہ نیچر اور فلسفہ کے اقوال سے ملا دینا چاہئے۔ یہ ایسی تقریر ہے جیسے کہ ایک جلا ہوا کسی شخص کی اچھی بات کو بھی بُرا کرکے دکھاتا ہے۔ فلسفہ قدیم تو ایک لغو چیز ہے اُس کے مطابق تو قرآن کا ہے کو ہونے لگا مگر فطرت اللہ بے شک نہایت عمدہ اور مستحکم چیز ہے اور میرا یہ عقیدہ ہے کہ نہ قرآن اُس کے برخلاف ہے اور نہ وہ قرآن کے برخلاف۔ مگر جناب سید الحاج نے جلے کٹے لفظوں میں اُس کو بدصورت کرکر دکھایا ہے *

اور نیچر کے معنی ہی نہ جانتا ہو اُس کو دخل در معقولات کیا ضرور ہے۔ جناب سید الحاج نے خود اپنی غلطی سے سمجھ لیا ہے کہ معجزات انبیاء خلاف فطرت اللہ یا خلاف نیچر ہیں حالانکہ کوئی معجزہ کسی نبی کا خلاف نیچر اور خلاف فطرت اللہ نہیں ہے صرف ثبوت اُس کے وقوع کا درکار ہے اور جب ثابت ہو کہ فلاں امر واقع ہوا تو بلا شبہ اُس پر یقین کیا جاویگا اور یہ بھی یقین کیا جاویگا کہ فطرت اللہ یعنی نیچر کے مطابق ہے گو کہ اُس کی ماہیت ہماری سمجھ میں نہ آوے کیونکہ ہزاروں کام نیچر کے ایسے ہیں جن کی ماہیت ہماری سمجھ سے باہر ہے۔ سید الحاج صاحب نے بڑی غلطی کی ہے جو یہ لکھا ہے کہ سب باتیں یعنی معجزات انبیاء قانون فطرت کے توڑنے والے ہیں حالانکہ وہ قانون فطرت کے پورا کرنے والے ہیں۔ اور یہ بھی غلطی کی ہے جو یہ لکھا ہے کہ اگر معجزات انبیاء مان لئے جاویں تو تمام عقلیات کے خلاف اقرار کرنا پڑتا ہے حالانکہ یہ محض غلط ہے ✦

قولہ۔ لامحالہ انبیاء کو اسی قدر سمجھنا چاہئے کہ وہ نیچرل اسٹ حکیم تھے بلکہ سب سے زیادہ محمد رسول اللہ صلعم نیچرل فیض کے جاری کرنے والے تھے اور اُمی ہونا اسی واسطے تھا کہ سوائے نیچر کے اَور کسی طرح کا میل نہ ہونے پاوے۔ معلوم نہیں جناب سید الحاج نے الفاظ نیچرل اسٹ کس ارادہ سے لکھے ہیں اگر ان الفاظ سے اُن کا ارادہ انبیاء کی شان میں اور جناب رسول خدا صلعم کی شان میں کچھ حقارت کرنے کا ہے تو اُس کے مجرم اور گنہگار خود جناب سید الحاج ہیں میں اُس سے بری ہوں انبیاء کو میں نیچرل اسٹ حکیم نہیں کہتا مگر بے شک وہ اُس فیض کے جاری کرنے والے ہیں جس کا ذکر خدا نے فرمایا ہے فطرت اللہ التی فطر الناس علیہا۔ مَیں تو پیغمبر میں اور نیچرل اسٹ حکیم میں ایسا فرق سمجھتا ہوں جیسا کہ راعی اور غنم میں۔ میرے اعتقاد میں خلقت انبیاء کی دیگر انسانوں سے ایک نوع جُدا گانہ ہے بشر صرف اُس کی جنس ہے اور صاحب الوحی ہونا اُس کی فصل ہے اور یہ ایک ملکہ ہے جو خلقت انبیاء میں پیدا کیا ہے پس جس طرح کہ حیوان اور انسان میں ناطق فصل ہے اسی طرح انسان اور انبیاء میں ذوالوحی ہونا فصل ہے کما قال اللہ تعالےٰ بلسان نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام انا بشر مثلکم یوحی الی انما الھکم الہ واحد پس ایسے شخص کی نسبت (جس کا اعتقاد نسبت انبیاء وہ ہے جو جناب سید الحاج کے وہم و گمان میں بھی نہ گذرا ہوگا اور غالباً اب بھی جناب ممدوح اس نکتہ کو نہ سمجھینگے کیونکہ اس نکتہ کے سمجھنے کو نور سینۂ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے روشنی ملنی چاہئے جب سمجھ میں آتا ہے) کیسا بہتان اور کتنا بڑا اتہام ہے۔ بلا شبہ رسول خدا صلعم کے اُمی ہونے میں بڑی حکمت یہی تھی کہ خاص ذات باری کا فیض پُہنچے نہ اَور کسی کا مگر اس فیض کا لُطف تا نہ چشی نہ دانی ✦

عقیدہ چہاردہم

جناب سیدالحاج ارقام فرماتے ہیں کہ میرا یہ عقیدہ ہے کہ بندہ اپنے ہر فعل کا مختار ہے۔ مسئلہ بین الجبر والاختیار کا غلط ہے۔ اِس مطلب کو بھی بگاڑ کر بیان کیا ہے۔ بے شک میرے نزدیک بین الجبر والاختیار تو کوئی چیز نہیں ہے بلکہ انسان اپنی جبلت اور فطرت میں مجبور اور اپنی قدرت میں مختار ہے خدا کرے کہ ان لفظوں کا مطلب جناب سیدالحاج سمجھ لیں *

عقیدہ پانزدہم

کوئی حدیث قابل یقین نہیں ہے لہذا عمل کرنا کسی حدیث پر یا سنت نبوی قرار دینا غلطی ہے اِس عقیدہ میں تحریف اور اتہام دونوں کو دخل دیا ہے۔ کوئی حدیث قابل یقین نہیں۔ اس کی جگہ یہ کہنا چاہیئے کہ خبر احاد مفید ظن ہے مفید یقین نہیں اور پچھلا فقرہ بالکل اتہام ہے۔ میں عمل احادیث پر بلحاظ مراتب اُن کے ثبوت کے لازم سمجھتا ہوں *

عقیدہ شانزدہم

جناب سیدالحاج ارقام فرماتے ہیں کہ میرا عقیدہ ہے کہ اجماع اُمت یا اتباع جمہور مسلمین کا یا سند لانی کسی عالم کے قول سے بیجا ہے اجماع قابل حجت نہیں۔ اِس عقیدہ میں بھی سچائی کو تبدیل کیا ہے یوں کہنا چاہیے کہ اجماع اُمت یا اتباع جمہور مسلمین یا اجماع جس کی سند قرآن مجید اور حکم پیغمبر صلعم سے نہ ہو قابل حجت نہیں اگرچہ کوئی مسئلہ غیر منصوصہ ایسا نہیں ہے جس پر اجماع اُمت یا اتفاق مسلمین یا اجماع ہوا ہو بلکہ تمام مسائل غیر منصوصہ مختلف فیہ ہیں *

عقیدہ ہفتدہم

اِس عقیدہ میں بھی جناب سیدالحاج نے اپنی معمولی کارسازی کی ہے جیسے کہ تفصیل ذیل سے ظاہر ہوتی ہے *

قولہ۔ اصول فقہ و اجتہادیات مجتہدین و قیاسات آیمہ دین و مسئلہ رجم کو صحیح سمجھنا غلط اور ظلمت اور ضلالت ہے۔ میرا یہ قول ہے کہ اصول فقہ علما کے بنائے ہوئے قاعدے ہیں منزل من اللہ نہیں اجتہادیات اور قیاسات آیمہ دین کے محتمل الخطاء والصواب ہیں اُن کا درجہ مثل وحی منزل من اللہ کے نہیں مسئلہ رجم قرآن مجید میں نہیں ہے اگر ہو تو جناب سیدالحاج دکھلاویں بشرطیکہ

یکتبون الکتٰب مقدم تر واسطے یقین لانے کے قول فلاسفہ یورپ کا ہے اُس کے موافق جو آیت قرآن کی ہو وہ جس طرح ہو سکے مطابق کردینی چاہئے۔ یہ ایسی بات ہے جیسے کوئی کسی کا مُنہ چڑائے اور یہ نہ سمجھے کہ چڑانے والے ہی کا مُنہ ٹیڑھا ہوتا ہے واقعیت اور حقیقت وہ شے ہے جو قابل تقدم ہے اور قرآن مجید کا اُس سے مخالف ہونا محالات سے ہے اور اُسی کی تطبیق کرنا ہمارا طریقہ ہے۔ جناب سید الحاج جو چاہیں اُس کا نام رکھیں آیندہ دیکھ کر مُنہ چڑانے سے کسی دوسرے کا نقصان نہیں ہے +

عقیدہ دوازدہم

اس عقیدہ میں جناب سید الحاج نے تین باتیں میری نسبت کہی ہیں۔ ایک یہ کہ توریت اور انجیل پر مضبوط اعتقاد ہے۔ ان لفظوں کے معنی میں نہیں سمجھا اگر یہ مطلب ہے کہ جیسا قرآن مجید میں اُن پر اعتقاد رکھنے کا حکم ہے ایسا اعتقاد ہے تو یہ صحیح ہے۔ اور اگر کوئی اور معنی اُنھوں نے قرار دئے ہیں تو غلط ہے۔ دوسری تحریف لفظی اُن میں نہیں ہوئی۔ ہاں یہ سچ ہے۔ میں تحریف لفظی کا قائل نہیں بلکہ تحریف معنوی کا قائل ہوں مگر محمد اسمٰعیل بخاری بھی تحریف لفظی کا قائل نہیں۔ تیسرے اور وہ سب صحیح اور درست ہے۔ اگر اس سے یہ مطلب ہے کہ بیبل میں جو کچھ لکھا ہے وہ سب صحیح اور درست ہے تو تو جناب سید الحاج کا یہ اتہام ہے اور اگر اور کچھ مطلب ہو تو وہ میں سمجھا نہیں +

عقیدہ سیزدہم

اس عقیدہ میں نعیم جنت اور وعید دوزخ کو بیان کر کر میرا یہ عقیدہ لکھا ہے کہ یہ سب چیزیں اپنی حقیقت پر محمول نہیں ہیں۔ جناب سید الحاج کے نزدیک اگر حور کی یہی حقیقت ہے جیسے کہ ایک خوبصورت رنڈی اور غلمان کی یہ حقیقت ہے جیسے کہ ایک خوبصورت لونڈا۔ تو تو بلا شبہ میں کہتا ہوں کہ اس حقیقت پر وہ محمول نہیں ہیں اور اگر اور کوئی حقیقت ہو تو اُس کو جناب سید الحاج نے بیان نہیں کیا میرا اعتقاد نعیم جنت کی نسبت اور علیٰ ہذا القیاس وعید جہنم کی نسبت یہ ہے کہ لا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علےٰ قلب بشر +

قولہ۔ علوم عقلیہ کے خلاف کوئی حکم معاد قابل تسلیم نہیں ہے۔ اس قول میں بھی اُلٹی راہ چلے ہیں۔ میرے نزدیک کسی حکم معاد کی صحت پر امتناع عقلی نہیں ہے +

عقیدہ بستم

جناب سید الحاج ارقام فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک سیرۃ ہشامی اور ابن اسحٰق وغیرہ سب واہیات اور الف لیلیٰ اور مہابھارت کے برابر ہیں۔ بلاشبہ میں ان کتابوں کو نہایت غیر معتبر جانتا ہوں ہزاروں روایتیں غلط اور بے سند اُن میں مندرج ہیں اور کچھ روایتیں صحیح بھی ہیں ۔

عقیدہ بست و یکم

جناب سید الحاج نے میرا یہ عقیدہ بیان فرمایا ہے کہ جس قدر کتب حدیث و تفسیر و فقہ و اصول فی زمانا پڑھائی جاتی ہیں اُن سے سوائے فساد مذہب اور بدتہذیبی اور خرابی دنیا اور عقبےٰ کے کچھ فائدہ نہیں۔ لہذا اُن کی تعلیم قطعاً موقوفی کے لایق ہے۔ جو کلمات کہ جناب سید الحاج نے اس عقیدہ میں ارقام فرمائے ہیں وہ تو سب اُن کے دل کے بخارات ہیں وہ الفاظ میرے نہیں ہیں ہاں میرے نزدیک یہ بات مسلم ہے کہ علم کلام جو حکمت یونان کے مقابل میں بنایا گیا تھا اس زمانہ میں محض بیکار ہے اور علماء پر فرض ہے کہ علم کلام کو از سر نو اس طرح پر تدوین کریں کہ وہ بمقابلہ حکمت اور علوم جدیدہ کے جو اس زمانہ میں رائج ہیں بکار آمد ہو۔ کتب تفسیر میں جو بے سند حدیثیں اور بے سند قصے اور کہانیاں لکھ دی ہیں اُن میں جون جون سی غلط اور موضوع ہیں اُن کی تنقیح ضرور ہے۔ میں کہتا ہوں کہ قرآن مجید اور احادیث کا پڑھنا صرف عمل کرنے کے لئے مقصود ہے۔ مگر اس زمانہ میں اُس پر عمل کرنے کے لئے نہیں پڑھا جاتا کیونکہ بسبب اُس تقلید کے جس کو میں ضلالت کہتا ہوں کوئی حکم کیسا ہی صاف اور روشن قرآن و حدیث میں موجود ہو مگر تقلید یہ اُس پر عمل نہیں کرینگے تو پھر اُن کے پڑھنے سے کیا فائدہ ہے۔ بخاری طاق میں نہ رکھی رہی کسی کے سینہ میں رکھی رہی دونوں برابر ہیں۔ دیکھو مثلاً جو حدیثیں حنفی مذہب کے خلاف بخاری میں ہیں حنفی اُس پر عمل کرنے کو بدعت یا ضلالت سمجھتے ہیں اور زبان سے بخاری کو اصح الکتب بعد کتاب اللہ کہتے ہیں۔ پس ہم اُن سے پوچھتے ہیں کہ بخاری کی جن حدیثوں پر تم نے یا تمہارے امام صاحب نے عمل نہیں کیا آیا اُن کو امام صاحب نے یا تم نے کیا سمجھا۔ حدیث رسول اللہ سمجھا یا نہیں۔ اگر حدیث رسول اللہ سمجھا اور پھر عمل نہ کیا تو یہ کیسا ایمان ہے اور اگر اُس کو حدیث رسول اللہ ہی نہیں سمجھا بلکہ اُس کو یوں ہی ایک ضعیف قول سمجھ لیا یا حدیث تو سمجھا مگر ناقابل عمل تو پھر صرف میرا ہی کیا قصور ہے۔ میں نے تو سیرۃ ہشامی کو ہی ضعیف کہا تھا۔ تم نے اور تمہارے امام صاحب نے تو بخاری کو رطب و یابس اقوال کا مجموعہ سمجھ لیا ہے پھر اُس کو زبان سے اصح الکتب

یکتبون الکتاب بایدیہم ثم یقولون ھذا من عند اللہ پر عمل نہ فرماویں ✦
قولہ۔ تقلید کرنا کسی بشر کی کفر اور شرک ہے صحابہ ہوں خواہ اہلبیت رضی اللہ عنہم اجمعین خواہ آیمہ اربعہ کسی کی تقلید کرنا نہ چاہیئے۔ جو الفاظ تشدد کے جناب سید الحاج نے ارقام فرمائے ہیں یہ سب دل کے بخارات ہیں جو اُمنڈتے ہیں میرا تو صرف یہ عقیدہ ہے کہ سوائے رسول خدا صلعم کے کسی کی تقلید واجب نہیں ہے اور سوائے رسول خدا صلعم کے کوئی شخص ایسا نہیں ہے جس کا قول و فعل دینیات میں بلا دلیل حجت ہو اجو شخص کسی کو ایسا سمجھے وہ مشرک فی النبوت ہے ✦

عقیدہ ہژدہم

جناب سید الحاج نے جو تحریفات اِس عقیدہ میں کی ہیں وہ حسب تفصیل ذیل ہیں ✦
قولہ۔ کوئی مسئلہ شرعیہ قابل قبول نہیں ہے جو نیچر کے مطابق اور علوم جدیدہ عقلیہ کے موافق نہ ہو۔ یہاں بھی جناب سید الحاج نے اُلٹی راہ اختیار کی ہے میرا یہ قول ہے کہ کوئی مسئلہ شرعی یعنی فطرت اللہ کے برخلاف نہیں ہے اور علوم حقہ اور اسلام میں اختلاف نہیں ہے ✦
قولہ۔ بغیر وحی کے جو کچھ رسول خدا صلعم اپنی رائے سے فرماتے تھے وہ بھی قابل اتباع نہیں۔ اِس عقیدہ میں ایسی تحریف کی ہے کہ زمین کو آسمان اور آسمان کو زمین بنا دیا ہے۔ میرا یہ عقیدہ ہے کہ احکام دین سے جو کچھ کہ رسول خدا صلعم نے فرمایا یا کیا وہ سب وحی سے فرمایا اور وحی سے کیا اور وہ سب واجب الاتباع ہے اور نسبت اُمور دُنیا کے خود رسول خدا صلعم نے فرمایا کہ انتم اعلم باموردنیاکم اس سے زیادہ اور کوئی میرا عقیدہ نہیں ✦
استرقاق یعنی غلامی کا جو ذکر جناب سید الحاج نے کیا ہے اُس کے ابطال کو تو وحی منزل من اللہ کتاب اللہ میں موجود ہے ✦

عقیدہ نوزدہم

اِس عقیدہ میں جناب سید الحاج نے ارقام فرمایا ہے کہ غزوات اور جہاد سے مراد یہ ہے کہ ایک قوم دوسری قوم سے قتال کرے جیسے کہ مثلاً جرمن اور فرانس میں لڑائی ہوئی۔ یہ تحریر میرے عقیدہ کی نسبت جناب سید الحاج کی غلط اور بالکل غلط اور سر تا سر اتہام ہے تمام غزوات صرف اعلاء کلمۃ اللہ کے لیئے ہوئے تھے نہ لونڈیوں اور لونڈوں کی لالچ سے جس کے اثبات کے درپے جناب سید الحاج ہو رہے ہیں ✦

لکھا ہے کہ صرف قرآن کے احکام منصوصہ قابل تسلیم ہو سکتے ہیں بشرطیکہ نیچر اور علوم جدیدہ کے ساتھ مطابق ہوں جو شرط کہ جناب سید الحاج نے لگائی ہے غالباً وہ خود اُن کا عقیدہ ہوگا۔ میرا تو یہ عقیدہ ہے کہ قرآن میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو فطرت اللہ یعنی نیچر اور اُس کے کارخانہ قدرت کے برخلاف ہو۔

قولہ۔ بہشت میں جانے کے واسطے قید عمل الصالحات کی لگانی باطل ہے۔ میں تو کسی قید کو باطل نہیں کہتا مگر تین باتیں بلا شبہ کہتا ہوں۔ ایمان لانا بلا شبہ ذریعہ نجات ہے۔ بخشش کے لئے اعمال پر گھمنڈ نہیں چاہئے۔ خدا کی رحمت پر بھروسا ہے۔ سوائے شرک کے سب گناہوں کو خُدا معاف کریگا۔ غالباً کوئی مسلمان سوائے جناب سید الحاج کے ایسا نہ ہوگا جو ان تینوں باتوں پر اعتقاد نہ رکھتا ہوگا۔ قال رسول اللہ صلعم من قال لا اِلٰہ الا اللہ مستیقنا بہا قلبہ فدخل الجنۃ وان زنی وان سرق علیٰ رغم انف ابی ذر۔

عقیدہ بست و چہارم

اس عقیدہ میں تو جناب سید الحاج نے قیامت ہی کر دی ہے کیونکہ جھوٹ لکھنے اور اتہام کرنے کی کوئی حد باقی نہیں رہی نہ خدا کا خوف کیا ہے نہ رسول سے شرم کی ہے اس لئے ہم اُن کے الفاظ موٹے قلم سے لکھتے ہیں اور اُس کے قائل پر لعنت بھیجتے جاتے ہیں تاکہ جو اُس کا مستحق ہو اُس کے اوپر پڑے۔

قولہ۔ کوئی فعل اگرچہ شعار کفر ہی میں سے کیوں نہ ہو مثلاً۔

انکار کرنا نبوت انبیائے سابقین کا

لعنت اللہ علیٰ قائلہ و علیٰ معتقدہ

یا کتب سماویہ سابقہ کا۔ یا وجود ملائکہ کا

لعنت اللہ علیٰ قائلہ و علیٰ معتقدہ ۔۔۔ لعنت اللہ علیٰ قائلہ و علیٰ معتقدہ

یا معاذ اللہ قرآن شریف کا عمداً بول و براز میں آلودہ کر دینا یا پھینک دینا

لعنت اللہ علیٰ قائلہ و علیٰ معتقدہ

کہنا اور درحقیقت اپنی رائے کو بخاری کی حدیثوں پر راجح سمجھنا کیسی بیہودہ بات ہے اسی لئے میں یہ کہتا ہوں کہ قرآن و حدیث عمل کرنے کے لئے پڑھو اور جو مسئلہ اُس میں پاؤ اُس پر عمل کرو خواہ وہ شافعی کے مطابق ہو خواہ حنفی کے اور اگر عمل کرنے کے لئے نہیں پڑھتے تو اُن کا پڑھنا محض بے فائدہ ہے اور میں کچھ شک نہیں کرتا کہ جس کا دل نور ایمان سے منور ہے وہ یقینی میرے اِس قول کو حق سمجھیگا ✤

عقیدہ بست و دوم

جناب سید الحاج نے جو خدا ناترسی اس عقیدہ کے بیان کرنے میں کی ہے میں سمجھ نہیں سکتا کوئی انسان کسی پر کیونکر ایسا اتہام کرسکتا ہے خیر جو اُن کے قول ہیں وہ لکھتا ہوں ✤

قول۔ جب علوم جدیدہ کے یا انگریزی کے پڑھنے سے معلوم ہو کہ مذہب اسلام میں ضعف پیدا ہوگا تو مذہب اسلام کا ترک کردینا لازم ہے۔ میں اُس کے جواب میں کہتا ہوں کہ جس شخص نے یہ بات کہی ہو اور جس کا یہ اعتقاد ہو اُس پر خدا کی لعنت ہو اور اتہام کرنے والے سے خدا مواخذہ کرے جس مواخذہ کے وہ لایق ہے۔ ہزاروں آدمیوں کو یہ خیال ہے کہ انگریزی پڑھنے سے اور علوم جدیدہ سیکھنے سے عقیدہ اسلام میں ضعف آجاتا ہے یا دہریہ اور لامذہب ہو جاتا ہے۔ میں نے کہا کہ اگر مذہب اسلام تمہارے نزدیک کوئی ایسا بودا مذہب ہے کہ علوم جدیدہ پڑھنے سے اُس میں ضعف آتا ہے تو اُس مذہب ہی کو چھوڑ دو جس کا علانیہ یہ مطلب ہے کہ مذہب اسلام ایسا نہیں ہے مذہب اسلام نہایت سچا ہے اور اُس کے اصول نہایت پختہ ہیں نہ انگریزی پڑھنے سے اُس میں ضعف آتا ہے نہ علوم جدیدہ پڑھنے سے الحاد پیدا ہوتا ہے۔ مگر جو کہ ہمارے جناب سید الحاج کا دل کفر کی طرف زیادہ مائل ہے اِس لئے اُنہوں نے اس عمدہ مطلب کو برعکس بیان کیا ہے ✤

قول۔ کتب دینی کا پڑھانا واسطے قائم رکھنے عقاید کے نہیں چاہتے۔ جناب سید الحاج نے محض غلط کہا ہے اور میرے مطلب کو بالکل بدل دیا ہے میری یہ رائے ہے کہ جو اختلاف کہ مسائل مذہبی اور علوم جدیدہ میں بظاہر معلوم ہوتا ہے اور جس کے سبب لوگ مذہب سے بدعقیدہ ہو جاتے ہیں۔ اُس کی حفاظت کے لئے کتب موجودہ کافی نہیں ہیں بلاشبہ علم کلام از سرِ نو تدوین ہونا چاہئے جو علوم جدیدہ کے مقابلہ میں بکار آمد ہو ✤

عقیدہ بست و سوم

اس عقیدہ کے بیان میں بھی جناب سید الحاج اپنی کارسازی سے نہیں چوکے اُنہوں نے

یقین ہے تو گروہ کسی قوم کے ساتھ تشابہ کرے ولو فی خصوصیات الدین وشعایر الکفر کالزنار والصلیب والاعیاد وہ کافر نہیں ہوسکتا۔ کیا ہم دیوالی دسہرہ میں اپنے ہندو دوستوں سے اور نوروز میں اپنے پارسی دوستوں سے اور بڑے دن میں اپنے عیسائی دوستوں سے مل کر اور معاشرت وتمدن کی خوشی حاصل کر کر کافر ہو جاوینگے۔ نعوذ باللہ منہا *

بت کو سجدہ کرنا سیتلا کے تھان کو سجدہ کرنا۔ مدار صاحب کی چھڑیوں کو پوجنا۔ اولیاء اللہ کی قبروں کو سجدہ کرنا۔ اُن کا طواف کرنا سب برابر ہیں۔ ہزاروں مُسلمان یہ باتیں کرتے ہیں ہیں تو اُن کو کافر نہیں جانتا کیونکہ مسجود میں جب تک الہ ہونے کا یقین نہ ہو اُس وقت تک اُن کے سجدہ سے آدمی کافر نہیں ہوتا۔ ہاں بلاشبہ نہایت سخت گناہ کبیرہ ہے اور یہی تحقیق عُلمائے محققین کی ہے۔ خدا کرے کہ ہمارے زمانہ کے جناب سید الحاج نیک دلی سے ان امور پر غور کریں *

عقیدہ بست و پنجم

جناب سید الحاج نے اس عقیدہ میں جو اتہام کیے ہیں وہ بھی قولہ قولہ کر کے بیان کیے جاوینگے *

قولہ۔ ترک دُنیا وزہد وکسر نفس وشب بیداری وروزہ داری۔ کثرت نماز نفل وغیرہ اذکار و اشغال و وظایف جس قدر کہ معمول اور مرسوم ہیں سب بیفائدہ ہیں۔ اگر جناب سید الحاج نے یہ عقیدہ اپنا بیان کیا ہے تو خیر جو عقیدہ اُن کا ہو وہ ہو۔ اور اگر میرا عقیدہ بیان کیا ہے تو میرا تو عقیدہ یہ ہے کہ رہبانیت اسلام میں ممنوع ہے۔ لا رھبانیۃ فی الاسلام۔ اور سوائے اوراد ماثورہ کے اور سوائے اُس زہد وتقوے کے جس کی ہدایت جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے اور سب بدعت ہے *

قولہ۔ مثلاً روزہ تیس روز کا بالخصوص رمضان میں وہ بھی گرمی کے موسم میں فرض نہ ٹھہریگا۔ لعنت اللہ علی قایلہ وعلے معتقدہ۔ میرا یہ قول اور عقیدہ نہیں ہے۔ جتنے روزے کہ فرض اور سُنت ہیں وہ بالکل نیچر کے مطابق ہیں۔ ہاں بدعتیوں نے جو لغیر اللہ روزے نکالے ہیں جیسے سوا پہر کا روزہ علی مشکلکشا کا اور تین دن کاٹے کا روزہ اور مثل اُس کے اُن کو بدعت اور خلاف نیچر جانتا ہوں *

قولہ۔ تھوڑی سی شراب جو پکا متوالا نہ کردے یا اُس قدر جُوا کھیلنا جو بے قید نہ بنا دے حرام اور ممنوع نہ ہوگا۔ لعنت اللہ علی قائلہ وعلی معتقدہ میرا یہ عقیدہ نہیں ہے *

قولہ۔ تصویر مجسّم بنانا جو واسطے یادگاری کے ہو حرام اور ممنوع نہ ہوگا۔ میں نے اس امر کی نسبت کہ تصویر مجسّم یا غیر مجسّم شرعاً جائز ہے یا غیر جائز کبھی کچھ نہیں کہا۔ ہاں میں اِس قسم کی یادگاریوں

یا حلال کو حرام اور حرام کو حلال ٹھہرانا باوجود قطعیت نص کے

لعنت اللہ علی قائلہ و علی معتقدہ

یا کسی نبی کو معاذ اللہ گالی دینا

لعنت اللہ علی قائلہ و علی معتقدہ

یا بہشت و دوزخ اور قیامت آنے کا منکر ہو جانا

لعنت اللہ علی قائلہ و علی معتقدہ

یا ضروریات دین کا انکار کرنا

لعنت اللہ علی قائلہ و علی معتقدہ

کسی آدمی کو کافر نہیں بناتا

کہاں ہیں میرے یہ اقوال اور کہاں ہیں میری یہ تمثیلیں جو جناب سید الحاج نے ـــــ کو بھی بات کر کر میری نسبت منسوب کئے ہیں۔ میرا قول وہی ہے جو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے لا نکفر اھل القبلۃ۔ میرا وہی قول ہے جو تمام اکابر دین کا ہے کہ اصل ایمان تصدیق قلبی ہے اور جب تک کہ وہ تصدیق انسان کے دل میں ہے کوئی فعل اُس کا اُس کو بینہ و بین اللہ کافر نہیں کرتا۔ دیکھو کہ جناب سید الحاج برابر کفر کا اتہام کرتے ہیں مگر ہم بدستور اُن کو مسلمان اور بزرگ اور حاجی اور سید الحاج سمجھتے ہیں اور اُن کے کسی فعل سے اُن کو کافر نہیں کہتے۔

نسبت سجدہ بت و قشقہ کے میں نے کچھ نہیں لکھا ہے۔ زنار کی نسبت بہ تحت بیان حدیث من تشبہ بقوم فھو منھم کے یہ لکھا ہے کہ بعض عالموں نے مشابہت سے مشابہت فی خصوصیات الدین مراد لی ہے مثلاً زنار پہننا یا صلیب رکھنا یا ٹیکہ لگانا یا اعیاد کفار کو بطور عید اختیار کرنا یا اُس میں شریک ہونا۔ اگرچہ یہ رائیں کسی قدر عمدہ معلوم ہوتی ہیں مگر میں اُن کو پسند نہیں کرتا اور نہ حدیث کی یہ مراد قرار دیتا ہوں اس لئے کہ میرے نزدیک قطعیات سے یہ بات ثابت ہے کہ جو شخص لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پر دل سے یقین رکھتا ہے اس کا کوئی فعل مع یقین مذکور کے اُس کو کافر نہیں کر سکتا۔ پس اگر اُس قول پر جس پر ابو جہل کی نجات منحصر تھی اُس کو

عقیدہ بست و ششم

آیت خلق سبع سمٰوات طباقاً سے مراد سات آسمان نہیں ہیں بلکہ وہ آیت علوم جدیدہ کے خلاف ہے۔ یہ اعتقاد جناب سیّد الحاج کا ہے میرے اعتقاد میں تو علوم جدیدہ بالکل اُس آیت کے مطابق ہیں +

عقیدہ بست و ہفتم

جو ترتیب پیدائش انسان کے نطفہ سے بچہ تک قرآن شریف میں وارد ہے اور مفسرین نے معنی اُس کے بیان کئے ہیں وہ علوم جدیدہ کے خلاف ہے لہٰذا قابل تسلیم نہیں۔ لعنت اللہ علیٰ قائلہ و علیٰ معتقدہٖ۔ میرا تو یہ قول ہے کہ قرآن مجید میں جو کچھ وارد ہے وہ بالکل تشریح اور علوم جدیدہ کے مطابق ہے مگر مفسرین نے اُس کے معنی بیان کرنے میں غلطی کی ہے معلوم ہوتا ہے کہ جناب سیّد الحاج خدا کو اور مفسرین کو یا پیغمبر صلعم کو ایک مرتبہ میں سمجھتے ہیں اور اس لئے قرآن اور تفسیر میں کچھ فرق نہیں کرتے +

عقیدہ بست و ہشتم

منخنقہ کی حرمت قرآن میں منصوص نہیں ہے لہٰذا حلال ہے۔ لعنت اللہ علیٰ قائلہ و علیٰ معتقدہٖ۔ یہ لعنت اس واسطے کہی ہے کہ اِس عقیدہ میں جو عام لفظ بیان کئے ہیں وہ کذب اور اتہام ہے۔ میرا ہرگز اعتقاد نہیں ہے کہ عموماً منخنقہ حلال ہے۔ یہ بھی میں نے نہیں کہا کہ حرمت منخنقہ منصوص نہیں ہے صرف ایک خاص آیت کے معنوں میں بحث کی ہے کہ اس خاص آیت میں طیور منخنقہ کی حرمت منصوص نہیں ہے اِس کی ایسی مثال ہے کہ اگر کوئی شخص یہ بات کہے کہ آیۃ کریمہ اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضآلین میں حرمت زنا منصوص نہیں اور اُس شخص کا عقیدہ جناب سیّد الحاج یہ قرار دیں کہ اُس کے عقیدہ میں زنا کی حرمت قرآن میں منصوص نہیں ہے جناب سیّد الحاج کو مسلمانو پر اتہام کرنے میں ذرا خدا کا بھی ڈر کرنا چاہئے +

عقیدہ بست و نہم

ایک سے زیادہ ازواج منع ہیں۔ لعنت اللہ علیٰ قائلہ و علیٰ معتقدہٖ +

کو پسند کرتا ہوں اگر وہ شرعی گناہ ہیں تو میرا اُن کو پسند کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ میں شامت اعمال سے اور گناہ کی باتوں کو پسند کرتا ہوں ؎

تا کردہ گناہ در جہاں کیست بگو
آں کس کہ گنہ نکرد چوں زیست بگو

قولہ۔ قرآن شریف میں صرف لفظ صلوٰۃ و زکوٰۃ کا وارد ہے اُس کی زیادہ تصریح نہیں ہے اسلئے قولہ۔ اسی طرح نماز مرسوم اور معمول کو اختیار کیا جاوے تو وُہی ظلمت اور ضلالت تقلید کی اور کُفر محض کا اختیار کرنا ہوگا۔ لعنت اللہ علیٰ قائلہ و علیٰ معتقدہٖ نہ میرا یہ قول ہے اور نہ میرا یہ اعتقاد ہے ٭

قولہ۔ صلوٰۃ سے مراد مطلق دُعا پڑھ لینی ہوگی اور وُہی واسطے ادائے فرض کافی ہے باقی جو ترکیب صلوٰۃ پنجگانہ کی مقرر ہے وہ اصول مخترعہ و فقہ محدثہ و احادیث موضوعہ و اجماع مردود کا اتباع ہے اور اُسی کا نام کُفر ہے۔ لعنت اللہ علیٰ قائلہ و علیٰ معتقدہٖ۔ نہ میرا یہ قول ہے اور نہ میرا یہ اعتقاد ٭

قولہ۔ باقی رہی زکوٰۃ اُس کی مقدار بقدر چالیسویں حصّہ مال کے مقرر کرنی اور اُس کے مسائل فتاوہائے فقہیہ کا معمور ہونا وہی ظلمت اور ضلالت۔ کُفر اور شرک ہے۔ لعنت اللہ علیٰ قائلہ و علیٰ معتقدہٖ۔ نہ میرا یہ قول ہے نہ میرا یہ اعتقاد ہے ٭

قولہ۔ حج خانہ کعبہ الخ۔ حج خانہ کعبہ کو میں فرض سمجھتا ہوں من استطاع الیہ سبیلاً مگر سُودی روپیہ قرض لیکر مکہ جانے سے لنڈن کا جانا بہتر جانتا ہوں اور حاجی جی کہلانے کی خوشی حاصل کرنے کو اور اُس خوشی میں پھُول لنے کو اور جھُوٹی بشارات بیان کرنے کو اور کسی خادم کے فریب میں آکر سند اور خطاب لینے کو اور اُن جھُوٹی باتوں پر ناز کرنے کو البتہ میں حرام سمجھتا ہوں ٭

جو بدعات کہ مکہ معظمہ میں ہوتی ہیں اور جو خلاف شرع رسول خدا صلعم ہیں وہ اِس وجہ سے کہ مکہ والے کرتے ہیں جائز نہیں ہو سکتیں۔ لونڈی اور غلام جس طرح کہ مکہ میں بیچے جاتے ہیں اور خواجہ سرا بنائے جاتے ہیں اور مکہ معظمہ اور روضہ منورہ جناب رسول خدا صلعم میں خواجہ سراء معین ہیں سب خلاف شرع ہیں اور جو مُسلمان ہیئے کے پھُوٹے اور دل کی آنکھوں کے اندھے اُن کو اچھا جانتے ہیں محض جاہل ہیں۔ روضۂ مطہرہ رسول خدا صلعم پر خواجہ سراؤں کا متعین کرنا میری دانست میں ایسی بے ادبی ہے کہ اُس سے زیادہ اور کوئی بے ادبی نہیں ہو سکتی۔ وللناس فیما یعشقون مذاہب ٭

اُس خیالی اور بے اصل خوشی کا حاصل کرنا کہ لوگ جناب سیّد الحاج کو کہیں کہ واہ کیا مسلمان ہیں۔ حضرت مسلمان عالم ایسے ہی ہوتے ہیں۔ جب بدایوں میں تشریف لے جاتے ہونگے تو دو چار محلہ کے آدمی اُن کو کہتے ہونگے کہ واہ کیا لکھا ہے اور جناب سیّد الحاج خوش ہوتے ہونگے۔ وگرنہ ہیچ۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ جناب سیّد الحاج نے جب یہ رسالہ لکھا ہے قریب اُسی زمانہ کے حج کو تشریف لے جانے والے تھے۔ اُنھوں نے خیال کیا ہوگا کہ لاؤ حج کو جاتے ہی ہیں۔ جتنے گناہ کرنے ہیں سب کر لیں۔ حج کے بعد تو سب پاک ہو ہی جاوینگے۔ جیسے کہ بعض آدمی جب مسہل لینا چاہتے ہیں تو خوب بد پرہیزی کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ مسہل سے سب نکل جاویگی۔ مگر جناب سیّد الحاج کو معلوم کرنا چاہیئے کہ حج و زیارت میں جو بشارتیں آپ کو ملی ہوں ملی ہوں۔ اور جو خطاب آپ کو ملا ہو ملا ہو جن کا تذکرہ آپ دن رات فرمایا کرتے ہیں اور حج سے آپ کے سب گناہ معاف ہو گئے ہوں۔ اور شبلیؒ و جنیدؒ کے مرتبہ پر پہنچ گئے ہوں بلکہ اُس سے بھی اعلےٰ۔ مگر حق العباد کبھی نہ حج سے بخشے جاتے ہیں اور نہ کسی بشارت سے۔ پس آپ نے جو اتہام مجھ پر کئے ہیں جب تک میں ہی نہ معاف کروں معاف نہیں ہو سکتے۔ پس مقتضائے ایمانداری یہ ہے کہ آپ حج دوم کا احرام باندھئے اور گناہوں کی معافی چاہیئے ورنہ روز جزا کو آپ کو اپنی کرتوتوں کا مزا معلوم ہو جاویگا۔ واللہ یہدی من یشاء الیٰ صراط المستقیم +

تشبّہ

تحقیق معنی من تشبہ بقوم فھو منھم

امیر الامراء افتخار العلماء سیّد خیر الدین احمد وزیر سلطنت ٹونس نے جو نہایت عمدہ کتاب **اقوم المسالک** عربی زبان میں لکھی ہے جس پر وہاں کے بڑے بڑے علما کی تقریظیں چھپی ہیں اور اُس کا ترجمہ حال میں جناب خلیفہ سیّد محمد حسن خاں بہادر وزیر ریاست پٹیالہ کی عالی ہمتی اور فیاضی کی وجہ سے اُردو میں مسمّی بہ **نظم المسالک** چھپا ہے اُس میں ہم ایک مختصر تقریر سیّد خیر الدین احمد مصنف اصل کتاب کی جو تشابہ کے باب میں اُنھوں نے لکھی ہے نقل کرتے ہیں اور وہ یہ ہے:-

دوسری بات جو اِس تالیف کا باعث ہے اُن غافل لوگوں کا ہوشیار کرنا اور متنبہ کرنا ہے جو ایک اچھی بات کو صرف اس خیال سے اختیار نہیں کرتے کہ وہ ظاہرا اُن کی شریعت میں نہیں ہے

عقیدہ سی ام

معراج جسمانی بے اصل ہے صرف خواب میں مسجد اقصیٰ نظر آگئی تھی وگر ہیچ - اور شق صدر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا بھی بے اصل ہے۔ ضد سے ایک شخص دوسرے کی بات کو بگاڑ کر اور اصلیت چھپا کر دوسرے پیرایہ میں بیان کر سکتا ہے۔ اصل اس کی صرف اتنی ہے کہ نسبت معراج جناب رسول خدا صلعم کے تین مذہب ہیں*

اول۔ مذہب حضرت عائشہ صدیقہؓ اور بعض صحابہ کا جو اس بات کے قائل ہیں کہ معراج روحانی تھی نہ جسمانی*

دوسرا۔ مذہب چند اکابر دین کا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ معراج بیت المقدس تک جسمانی تھی اور وہاں سے ملاء اعلےٰ تک روحانی*

تیسرا۔ مذہب عام جو سب میں مشہور ہے کہ تمام معراج جسمانی تھی*

میری یہ رائے ہے کہ جہاں تک اس مسئلہ پر اور قرآن مجید و احادیث پر غور کیا جاتا ہے تو مذہب حضرت عائشہ صدیقہؓ کا ٹھیک اور درست معلوم ہوتا ہے وہی مذہب میں نے اختیار کیا ہے۔ پس جو شخص اس معاملہ میں جو الفاظ طنز میری نسبت کہتا ہے درحقیقت حضرت عائشہ صدیقہؓ اور بعض صحابہ کی نسبت کہتا ہے جن کا وہ مذہب ہے*

شق صدر کی نسبت بھی چند مذہب ہیں۔ بعضوں کا قول ہے کہ پانچ دفعہ شق صدر واقعہ ہوا اکثروں کا قول ہے کہ ایک دفعہ ایام طفولیت میں واقع ہوا۔ پادریوں نے ان روایات ضعیفہ غیر معتبرہ کی بنا پر یہ استدلال کیا ہے کہ نعوذ باللہ آنحضرت صلعم کو صرع کی بیماری تھی اور حالت صرع میں جو کیفیت واقع ہوتی تھی اُسی کو راویوں نے شق صدر تعبیر کیا ہے۔ میں نے ان تمام روایتوں کی بقدر اپنی طاقت کے تحقیقات کی اور معلوم ہوا کہ وہ روایتیں محض نامعتبر ہیں۔ تیسرا مذہب محققین کا یہ تھا کہ واقعہ شق صدر ایک جزو ہے اُن تمام واقعات کا جو شب معراج کو واقع ہوئے تھے یہی روایت میرے نزدیک صحیح و معتبر تھی۔ یہی مذہب میں نے اختیار کیا ہے۔ پس اب جناب سید الحاج اپنے دل کے بخارات نکالنے کو جو چاہیں سو لکھیں۔ خدا اُن سے سمجھیگا۔ اور جو کہ وہ دلوں کا حال جاننے والا ہے اُس کے سامنے ریاکاری کسی کی پیش نہ جاویگی۔ میں اپنے اعمال و نیت کی ضرور جزا یا سزا پاؤنگا۔ اور جناب سید الحاج اپنے اعمال و نیت کی ضرور جزا یا سزا پاوینگے۔ نہ وہ میری قبر میں سوونگے نہ میں اُن کی قبر میں سوؤنگا۔ پس اتنی بات کو جتنا وہ چاہیں بڑھا کر لکھیں*

مجھے اُمید ہے کہ جو کوئی میری اس تحریر کو دیکھیگا تعجب کریگا کہ جناب سید الحاج نے کیوں ایسے سخت اور محض غلط بہتان مجھ پر کئے ہیں۔ مگر ظاہرا اُس کے دو سبب معلوم ہوتے ہیں۔ اول صرف

امام غزالی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ جو شخص منطق نہ جانتا ہو گویا علم اُس کا کچا ہے تو پھر ہم کو کس چیز نے منع کر دیا ہے کہ ہم اس زمانہ میں غیر ملّت قوم کی جن باتوں کو اپنے حق میں نافع اور کارآمد دیکھیں اُن کو نہ یاد کرلیں اور جن باتوں کی طرف ہم کو مکاید اعدا سے محفوظ رہنے اور صدہا منفعتوں کے حاصل کرنے میں نہایت حاجت ہو اُن کو اختیار نہ کریں۔ کتاب سنن المہتدین میں شیخ المراق المالکی نے صاف لکھا ہے کہ غیر قوم کے ساتھ جن باتوں میں مشابہت ممنوع ہے وہ صرف وُہی باتیں ہیں جو ہماری شریعت کے برخلاف ہیں اور جن باتوں کو غیر ملّت کے لوگ موافق طریقہ مندوبہ یا مباح یا واجب کے کرتے ہوں اُن کو ہم صرف اِس خیال سے نہیں چھوڑ سکتے کہ غیر ملت کے لوگوں کا بھی اُن پر عملدرآمد ہے اِس واسطے کہ ہماری شریعت نے ہم کو غیر قوم کے ساتھ اِن باتوں میں مشابہ ہونے سے منع نہیں کیا جن کو وہ قوم بھی کارخانہ قدرت کی اجازت سے کرتی ہو اور حاشیہ دُرِ مختار میں علامہ شیخ محمد بن عابد بن الحنفی نے تو یہاں تک یہ تصریح لکھا ہے کہ جن باتوں میں مخلوق خدا کی بہتری اور ترقی ہو اگر اُن کے کرنے میں ہم کسی غیر ملّت قوم کے ساتھ مشابہ ہو جاویں تو کچھ خرابی نہیں ہے اور بڑے تعجب کی بات یہ ہے کہ جو لوگ فرنگیوں کی باتوں کے اتباع سے سخت انکار کرتے ہیں وہ اپنی بھلائی کی باتوں میں تو انکار کرتے ہیں اور جو باتیں اُن کے حق میں مضر ہیں اُن میں اُن کی مشابہت سے کچھ اُن کو انکار نہیں ہے کیونکہ وہ لوگ صریح فرنگیوں کا بنا ہوا کپڑا پہن کر خوش ہوتے ہیں اور اُنہیں کا اسباب گھروں میں رکھتے ہیں اور اُنہیں کے ہتھیار اور اور ضرورت کی چیزیں استعمال میں لاتے ہیں مگر اُن چیزوں کو اُن کی تدبیروں سے کام میں لانے سے بڑا پرہیز کرتے ہیں حالانکہ اِن باتوں سے پرہیز کرنے میں اُن کے مُلکی انتظام اور مُلکی ترقی دونوں میں بڑا نقصان اور خرابی پڑتی ہے اور وہ خرابی کچھ پوشیدہ نہیں بلکہ ظاہر ہے اور گویا اِس سبب سے ہی ان میں ایک عیب رہتا ہے اِس لئے کہ جب وہ اپنی ذاتی ضرورتوں کے سامان میں دوسری قوم کے محتاج ہیں تو گویا علم میں وہ اُس قوم سے پست درجہ ہیں اور اُن کی مُلکی ترقی میں یہ نقصان رہتا ہے کہ وہ اپنے مُلک کی پیداوار وغیرہ کے ثمرہ سے نفع نہیں اُٹھا سکتے حالانکہ ترقی ملک کی یہی علامت اور اُس کے یہی مقصود ہے اور تصدیق اس کی ہمارے اِس مشاہدہ سے ہوتی ہے کہ ہماری قوم کے صناع لوگ اپنی صنعت اور دستکاری سے کچھ فائدہ حاصل نہیں کرتے مثلاً جو لوگ روئی بوتے ہیں یا بکریوں کی اُون تراش کر درست کرتے ہیں اور سال بھر اُس پر جان مارتے ہیں وہ اپنی سال بھر کی محنت کی پیداوار یعنی روئی اور اُون وغیرہ کو تھوڑی [illegible] پر فرنگیوں کے ہاتھ بیچ ڈالتے ہیں اور جب اُسی روئی اور اُون سے وہ لوگ تھوڑے [illegible] میں اپنی صناعی کی بدولت طرح طرح کے کپڑے بُن کر لاتے ہیں تو پھر وہی ہماری قوم [illegible] جنہوں نے اُن کو روئی دی تھی اُنہیں کو

اور اس غلط خیال کا منشا یہ ہے کہ وہ دوسرے مذہب کے لوگوں کی جملہ باتوں کو اسی قابل سمجھتے ہیں کہ اُن کو ترک کیا جاوے خواہ وہ باتیں کسی قوم کی عادات میں سے ہوں خواہ تدابیر ملکیہ سے متعلق ہوں یہاں تک کہ وہ غافل لوگ غیر مذہب والے کی تالیفات کو بھی پڑھنا بُرا سمجھتے ہیں اور اگر کوئی شخص اُن کے سامنے غیر مذہب کی تالیفات یا عمدہ باتوں کی تعریف کرے تو وہ اُس شخص کو بُرا بھلا کہنے پر مستعد ہو جاتے ہیں حالانکہ یہ بات بالکل حماقت کی ہے اور سراسر خطا ہے اِس لئے کہ جو کام فی نفسہ اچھا ہو اور ہماری عقل بھی اُس کو تسلیم کرے خصوصاً وہ کام جس کو کبھی ہم لوگ ہی کیا کرتے تھے اور غیروں نے اُس کو ہم سے ہی اُڑا لیا ہے تو ایسے کام سے انکار کرنے یا اُس کے چھوڑ دینے کی کوئی وجہ نہیں ہے بلکہ جب وہ کسی زمانہ میں ہماری ہی قوم کی عملدرآمد میں تھا تو ہم کو ایسے کام کے پھر حاصل کرنے میں نہایت شوق اور تمنا ظاہر کرنی چاہئے اور گو یہ بات مسلم ہے کہ ہر اہل مذہب اپنے مذہب کے سامنے دوسرے کے مذہب کو ضلالت خیال کرتا ہے لیکن اِس سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ غیر مذہب والے کی دنیوی باتیں بھی بُری ہو جاویں یا جو کام کہ مصلحت مُلکی کے لحاظ سے اُس نے کیا ہے وہ بھی ضلالت ہو جاوے اور ہم کو اُن کاموں میں غیر مذہب والی قوم کا اتباع ممنوع ہو۔ دیکھو فرنگیوں کا ہمیشہ سے یہ دستور ہے کہ جب وہ کسی قوم کا کوئی کام اچھا دیکھتے ہیں فوراً اُس کے کرنے پر مستعد ہو جاتے ہیں چنانچہ وہ اپنی ایسی ہی باتوں کے سبب سے آج اپنی ترقی اور بُلندی کے اُس رُتبہ پر ہیں جس کو سب لوگ آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور حقیقت میں ایک پرکھنے دانشمند کا کام بھی یہی ہے کہ جو بات اُس کے سامنے پیش آوے خواہ وہ کسی کا قول ہو یا فعل ہو اُس کو نظر امتیاز سے تاڑ کر جانچے اور اگر اُس کو اچھا دیکھے تو فوراً اخذ کرے اور دل سے اُس کو بہتر سمجھے گو اُس کا موجد دین میں سچا ہو یا جھوٹا اس لئے کہ حق بات کچھ لوگوں سے نہیں پہچانی جاتی بلکہ لوگ بات سے پہچانے جاتے ہیں اور حکمت مسلمانوں کے لئے بمنزلہ گم شدہ چیز کے ہے جہاں کہیں اُس کو پاوے فوراً لیلے ۔

ایک مرتبہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بطور مشورہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ اہل فارس محاربہ کے وقت اپنے شہروں کے گرد خندقیں کھود لیتے ہیں تاکہ دشمن کے مقابلہ اور حملہ سے محفوظ رہیں۔ حضرت رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے اس رائے کو پسند فرما کر غزوہ احزاب میں مدینہ کے گرد خندقیں کھودیں تاکہ مُسلمان بھی اس تدبیر پر عمل کیا کریں اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ قول کی خوبی کی طرف دیکھو قائل کے حال کی طرف مت دیکھو اور جبکہ ہمارے متقدمین نے غیر ملت کے لوگوں سے علوم منطق کو نفع کی چیز سمجھ کر اپنی زبان میں ترجمہ کر لیا اور اس کے رواج کو مستحسن جانا یہاں تک کہ

پس قرآن سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ کافر ہو جو یہ کہے کہ پیغمبر پر جادو کر دیا تھا مگر اس زمانہ کا باوا آدم ہی نرالا ہے اب بڑے بڑے عالم یہ کہتے ہیں کہ جو یہ نہ کہے اور اس پر یقین نہ کرے کہ آنحضرت صلعم پر جادو کر دیا تھا تو وہ کافر ہے۔ زمانہ اُلٹ گیا ہے۔ سچ بات ہے۔ والدھر بالناس قلب ٭

اگر ہم یہ کہیں کہ نعوذ باللہ منہا اگر جناب پیغمبر خدا صلعم کی ذات مبارک پر باوصف اس قدر تقدس و طہارت و نوری ہونے کے جادو ہو جاتا تھا تو ہم اس بات پر کیونکر یقین کریں کہ کونسی بات اُنہوں نے جادو ہونے کی حالت میں فرمائی ہے اور کونسی جادو اُتری ہوئی حالت میں فرمائی ہے تو ہمارے زمانہ کے عالم فرماتے ہیں کہ یہ دوسرا کفر بکا۔ مگر کچھ ہی ہو ہم تو یقین نہیں کرتے کہ آنحضرت صلعم پر جادو ہوا تھا ٭

اہل سنت و جماعت کا تو (جن کا ہم بھی دم بھرتے ہیں) یہ اعتقاد ہے کہ جادو برحق ہے اور جادو کے زور سے آدمی ہوا میں اُڑ سکتا ہے اور جادو کے زور سے آدمی گدھے کی صورت اور گدھا آدمی کی صورت بن جاتا ہے۔ پچھلی دونوں باتوں میں سے پہلی بات تو یقینی غلط ہے اور پچھلی کے سچ ہونے میں شبہ پڑتا ہے کیونکہ اگر یہ سچ نہ ہوتا تو کوئی بھی جادو کو نہ مانتا۔ بہرحال جب وہ ہماری یہ باتیں سُنتے ہیں تو ہم کو دور دور کرتے ہیں۔ بعضے مہذب و نیک آدمی یوں فرماتے ہیں کہ قد اعتزل عنا جس کی تاویل ہم یوں کرتے ہیں ای عن صراط المعوج ٭

وہ سُنی مسلمان جن کو لوگ معتزلی کہتے ہیں وہ تو جادو کے منکر ہیں اور پیغمبر خدا صلعم پر جادو ہونے سے تو نہایت سخت انکار کرتے ہیں جب ان سے کہتے ہیں کہ میاں بہت سی حدیثیں اور روایتیں سحر کے برحق ہونے میں آئی ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ جو دلیلیں سحر کے غلط ہونے میں ہیں وہ تو یقینی ہیں اور روایت احاد ظنی ہے اور اس لایق نہیں ہے کہ یقینی کا معارضہ کر سکے ٭

خیر یہ تو ایک تمہید تھی۔ ہم تو اس بات کی تفتیش میں ہیں کہ ٹھیٹ مذہب اسلام میں جادو کی کچھ اصل ہے یا نہیں ٭

سحر کے معنی جس کو ہم اپنی زبان میں جادو کہتے ہیں عربی لغت کی کتابوں میں یہ لکھے ہیں کہ جو واقعہ کسی لطیف و دقیق امر سے ہوا ہو اور اُس کے ہونے کا سبب پوشیدہ ہو وہ سحر ہے ٭

ان لغوی معنوں پر خیال کر کر بعض عالموں نے سحر کی آٹھ قسمیں بیان کی ہیں ٭

اوّل بذریعہ تسخیر کواکب کے۔ اِس قسم کے جادوگروں میں سے بعضے تو یہ سمجھتے تھے کہ افلاک و کواکب فی نفسہ واجب الوجود ہیں اور اس دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے یہی کرتے ہیں۔ اور بعضے کہتے تھے کہ وہ فی نفسہ تو واجب الوجود نہیں ہیں مگر مبدأ اوّل سے جو تغیرات عالم میں ہوتے ہیں یہ کواکب و افلاک اُن کا واسطہ ہیں اور فاعل تام کو منفعل تام سے ملا دیتے ہیں اور یہ بات یقینی ہے کہ جب

چوگنی قیمت دیکر کپڑا خریدتے ہیں غرض کہ ہم کو اپنے ملک کی اصلی پیداوار کی قیمت مل جاتی ہے اور کسی قسم کی ہنرمندی یا صناعی سے ہم اُس سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتے۔ پس جب ہم یہ بات دیکھیں کہ ہمارے ملک میں سے یہ چیز جاتی ہے اور یہ چیز آتی ہے اور اِس بات کا اندازہ کریں کہ آنے والی چیز کا خرچ اور جانے والی چیز کی آمدنی مساوی ہے تو یہاں تک تو گویا خیریت ہے تھوڑا ہی ساضرر ہے اور جب ہم کو جانے والی چیز کی قیمت کم ملی اور آنے والی چیز کی قیمت چہار چند دینی پڑی تو یقین کرلو کہ ایسا مُلک آج نہ تباہ ہوا کل تباہ ہوگا ؛

سحر

جادو برحق ہے اور کرنے والا کافر ہے

اِس مثل کے دوسرے جملہ سے تو ہم کو بحث نہیں ہاں پہلے جُملہ سے بحث ہے۔ کیا سچ مچ یہ بات برحق ہے کہ جادو برحق ہے ؟ آؤ اِس کی تحقیق کریں اور دیکھیں کہ ٹھیٹ اسلام کی رُو سے کیا بات ہے ؛

لوگ کہتے ہیں کہ جناب سرور انبیا پیغمبر خدا محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم پر بھی جادو کردیا تھا خدا تو فرماتا ہے کہ کافر آنحضرت صلعم کو کہتے تھے کہ اِس پر تو جادو کردیا ہے چنانچہ خدا تعالیٰ نے سورہ اسری میں فرمایا ہے کہ کافر آپس میں کہتے ہیں کہ تم جو محمدؐ کی پیروی کرتے ہو تو اِس سے زیادہ

اذ یقول الظالمون ان یتبعون — اور کچھ نہیں ہے کہ ایک آدمی کی جس پر جادو
الا رجلا مسحورا۔ آیت ۵۰ — کردیا گیا ہے پیروی کرتے ہو ؛

ہاں فرعون بھی موسٰے کو کہتا تھا کہ تم پر جادو کردیا ہے چنانچہ خداتعالےٰ نے اسی سورہ میں

فقال لہ فرعون انی لاظنک یا — فرمایا ہے کہ جب حضرت موسٰے خداتعالیٰ کی قدرت
موسٰے مسحورا۔ آیت ۱۰۳ — کی نو نشانیوں سمیت فرعون کے پاس آئے تو

فرعون نے کہا کہ اجی موسٰے میں تو سمجھتا ہوں کہ تم پر جادو کردیا ہے ؛

ایک اور جگہ بھی خدا نے فرمایا ہے کہ کافر آنحضرت صلعم کو کہا کرتے تھے کہ اُن پر تو جادو کردیا

وقال الظالمون ان تتبعون الا — ہے۔ چنانچہ سورہ فرقان میں فرمایا ہے۔ کہ
رجلا مسحوراً۔ آیت ۹ — کافروں نے کہا کہ تم جو محمدؐ کی پیروی کرتے ہو

تو اِس سے زیادہ نہیں کہ ایک ایسے آدمی کی پیروی کرتے ہو جس پر جادو کردیا گیا ہے ؛

افعال پر قادر ہیں اور عالم و مدرک الجزئیات ہیں اور انسان میں حلول کر کر نفس انسانی یا نفس حیوانی میں مل سکتی ہیں *

اسی قسم کی ارواحوں میں وہ لوگ جنّ و پری کو بھی شامل کرتے ہیں اور اُن میں سے جو نیک یعنی بے شر ہیں اُن کو مسلمانی اور جو شریر ہیں اُن کو کافر ٹھہراتے ہیں مگر معتزلی جنّ کے وجود کے بھی قائل نہیں ہیں *

اِسی قسم کی ارواحوں میں وہ بعض انسانوں کی ناپاک ارواحوں کو بھی شامل کرتے ہیں اور بھوت پلیت کو بھی انہی میں سمجھتے ہیں۔ وہ یہ بھی یقین کرتے ہیں کہ یہ ارواحیں اشکال مختلفہ میں بھی بلا حلول کسی دوسرے جسم کے ظاہر ہو سکتی ہیں اور لوگوں کو خوبصورت یا ہیبت ناک شکلوں میں دکھائی دیتی ہیں۔ پس اُس قسم کے ساحر بذریعہ اعمال اور پڑھنت اور خوشبو جلانے کے اُن کی تسخیر کرتے ہیں *

یہ بھی سمجھنا چاہیئے کہ مسلمان عامل بھی اسی قسم میں داخل ہیں صرف اتنا فرق ہے کہ وہ بعوض سفلی ارواحوں کے علوی ارواحوں کو مسخر کرتے ہیں اور اِسی سبب سے اُن کے منتروں اور پڑھنتوں میں بڑے بڑے فرشتوں جبرئیل و میکائیل و اسرافیل و عزرائیل کے نام ہوتے ہیں اور اپنے تئیں علوی عامل اور دوسروں کو سفلی عامل قرار دیتے ہیں لیکن اگر سچ پوچھو تو نہ کالی بھلی نہ سفید *

چوتھی قسم سحر کی وہ قرار دی ہے جو خیال یا نظر یا حس کی غلطی سے ایک امر دوسری حالت کے جو اُس کی اصلی حالت سے عجیب تر ہے دکھائی دیتا ہے جیسے کہ بھان متی گولیوں کے اوڑانے یا ایک بٹہ سے دوسرے بٹہ میں نکال لینے یا ایک گولی میں سے دوسری گولی بنانے میں کرتی ہے یا بنبٹی شعلہ کو چکر کر دکھاتا ہے یا تھئیٹر کے کمرہ میں پردوں کے لگانے سے دریا و سمندر و جہاز و پہاڑ و کوسوں کا جنگل دکھائی دیتا ہے وعلیٰ ہٰذا القیاس *

پانچویں قسم سحر کی وہ امور قرار دیئے ہیں جو بذریعہ صنائع و اعمال ہندسیہ و جر ثقیل کے ظاہر ہوتے ہیں جیسے کہ ایک آدمی ہزاروں من بوجھ کھینچ لیتا ہے یا گھڑی اپنے آپ چلتی ہے وقت پر بجتی ہے اُس میں سے چڑیا نکلتی ہے جتنے بجے ہوں اُتنے دفعہ نہایت خوش آوازی سے بولتی ہے پَر پھیلاتی ہے اور پھر جھٹ اپنے گھونسلے میں جا بیٹھتی ہے انگریزی کھلونوں میں طرح طرح کے عجائبات ہوتے ہیں۔ چڑیاں اُڑتی ہیں۔ چہچہاتی ہیں۔ ایک ٹہنی سے دوسری ٹہنی پر جا بیٹھتی ہیں۔ پانی بہتا ہے۔ چڑیاں اُس میں پانی پیتی ہیں۔ باجے والے باجا بجاتے ہیں۔ آنکھیں اور گردن ہلاتے ہیں۔ ناچنے والے تال و سم پر ناچتے ہیں۔ لڑنے والے لڑتے ہیں۔ دونوں طرف سے سوار نکلتے ہیں۔ ایک دوسرے کو مارتا ہے۔ بگل والا بگل بجاتا ہے اور طرح طرح کے کرتب

فاعل تام منفعل تام سے مل جاویگا تو بالضرور فعل تام ظاہر ہوگا۔ اور بعضوں کا یہ قول ہے کہ افلاک و کواکب اگرچہ مخلوق ہیں مگر اُن میں جان اور عقل و سمجھ ہے اور اُن کو اس عالم میں نیک و بد کرنے کا بالکل اختیار ہے۔ پس ان تینوں عقیدوں کے جادوگر بذریعہ اعمال و پڑھنت کے کواکب کی تسخیر میں مشغول رہتے تھے تاکہ کواکب کو جو مدبر عالم ہیں اپنا تابع کرلیں اور جس کسی کو قتل کرنا چاہیں تو کہدیں کہ اقتل یا مریخ اور مریخ فی الفور اُس کو مار ڈالتے اور اسی طرح جس کا بھلا کرنا چاہیں بھلا کردیں۔ اور جس پر سے آفت و سختی ٹالنی چاہیں ٹال دیں۔ اور جس پر ڈالنی چاہیں ڈال دیں۔ اور جس کو جس مرض میں چاہیں مبتلا کردیں پھر وہ کسی طبیب کے علاج سے اچھا نہ ہوسکے اور اُسی میں رینگ رینگ کر مرجاوے +

مگر اس مقام پر اتنی بات سمجھنی چاہیئے کہ نجوم و جادو میں جو بذریعہ تسخیر کواکب ہوتا ہے فرق ہے منجم تو صرف یہ بتلاتا ہے کہ فلاں شخص کے طالع میں فلاں کوکب تھا اور اب جو کواکب و راس و ذنب فلاں فلاں مقام پر آئے ہیں تو اب اُس پر فلاں آفت آویگی یا یہ راحت پہنچیگی یا اُس وقت پر فلاں کام کرنا حسب مقصود ہوگا یا سفر اچھا ہوگا پس نجومی گویا آیندہ کی باتوں کی بلحاظ تاثیرات کواکب خبر دیتا ہے مگر کوئی امر نسبت تسخیر کواکب نہیں کرتا اور نہیں بتلاتا اس لئے وہ صرف منجم ہے اور جادوگر نہیں مگر جب کہ وہ اُس آفت کے دفع ہونے کو کوئی عمل کرے یا پاٹ کرے یا پڑھنت پڑھے تو وہ بھی بذریعہ تسخیر کواکب کے منجم کے سوا ایک جادوگر بھی ہے جیسا کہ ہندو پنڈتوں جوتشیوں کا اکثر دستور ہے +

دوسری قسم جادو کی وہ باتیں قرار دی ہیں جو خیال اور وہم اور نفس انسانی کے ذریعہ سے ظہور میں آتی ہیں یعنی اِس قسم کا جادوگر اپنے نفس انسانی میں اور قوت واہمہ و خیال میں بذریعہ مشق اور ورزش اور مجاہدات کے ایسی طاقت بہم پہنچا لیتا ہے کہ دوسرے شخص پر طرح طرح کے اثر ڈال سکتا ہے اور اُس دوسرے شخص کے واہمہ کو ایسا مغلوب کردیتا ہے کہ جو چیز درحقیقت موجود نہیں ہے وہ اُس کو فی الواقع موجود معلوم ہوتی ہے اور یہ بات ہر شخص کو اور ہر قوم و مذہب کے آدمی کو بقدر قوت و طاقت اُس کے نفس انسانی کے حاصل ہوسکتی ہے اِس قسم کے سحر سے ساحر صحیح و تندرست آدمیوں کو بیمار اور بیماروں کو صحیح و تندرست کرسکتا ہے بھلے چنگوں پر خواب مقناطیسی مستولی کرسکتا ہے +

تیسری قسم جادو کی وہ باتیں قرار دی ہیں جن کا ہونا باستعانت ارواح خیال کیا گیا ہے اِس قسم کے ساحر یقین کرتے ہیں کہ علاوہ مخلوقات موجودہ محسوسہ کے زمین پر اور روحیں بھی ہیں اور وہ جواہر قائمہ بالذات ہیں نہ تو وہ متحیز ہیں اور نہ کسی متحیز میں حلول کی ہوئی ہیں اور وہ اپنے

لوگوں میں یہ ایک نہایت چلتا ہوا عمل ہے جس کے ہم بھی قائل ہیں*

یہ تمام اقسام بلحاظ لغوی معنی سحر کے اقسام سحر میں داخل کئے گئے ہیں۔ ورنہ قسم چہارم و پنجم وششم و ہشتم میں کوئی بات ایسی نہیں ہے جس پر اطلاق سحر کا بمعنی عرفی ہو سکے۔ قسم دوم پر سحر کا اطلاق بمعنی لغوی یا مجازاً بمعنی عرفی ہو سکتا ہے کیونکہ اُس زمانہ میں اس قسم کی باتوں پر بھی سحر کا اطلاق ہوتا تھا ورنہ درحقیقت وہ بھی سحر نہیں ہے بلکہ ایک فعل منجملہ افعال قوائے انسانی کے ہے جیسے کہ قسم ششم بذریعہ خواص ادویہ کے ہے قرآن مجید میں صرف اسی قسم کے افعال پر اطلاق سحر بطور عرف عام ہوا ہے*

البتہ قسم اوّل وسوم وہفتم اگر سچ ہو تو سحر بمعنی عرفی ہے کیونکہ عرف عام میں جادو اُسی کو کہتے ہیں جس سے بلا تعلق کسی مادہ کے صرف بذریعہ تسخیر کواکب یا ارواح و اسماء کے اور بغیر کسی وسیلہ قدرتی کے بطریق خرق عادت بلکہ برخلاف نیچر یعنی برخلاف قانون قدرت کے کوئی امر ظہور پذیر ہو اور فی الواقع ایسا ہی ہو جاوے جیسا کہ ظہور میں آوے۔ مثلاً ہم قلم کو کہیں کہ گھوڑا ہو جا۔ وہ سچ مچ کا گھوڑا ہو جاوے۔ اگر آدمی اُڑنا چاہے تو درحقیقت وہ ہوا میں اُڑتا پھرے اور اگر کسی کو گدھا بنانا چاہے تو درحقیقت وہ گدھا بن جاوے گو قانون قدرت کیسا ہی اُس کے برخلاف ہو۔ پس ہم جو سحر کے برحق ہونے سے انکار کرتے ہیں اور اُس کو بے اصل بتلاتے ہیں تو انہی تین قسم کے سحروں کو بے اصل و جھوٹ بتلاتے ہیں اور عرف عام میں انہی تینوں قسموں پر حقیقتاً اطلاق سحر کا ہوتا ہے اور قسم ثانی پر صرف مجازاً اور باقی قسموں کو عرف عام میں کوئی شخص سحر نہیں کہتا۔ پس اس آرٹکل میں ہمارا مقصد یہ ہے کہ اُن اقسام ثلثہ سحر کی اصلیت اور واقعیت کا ثبوت قرآن مجید میں نہیں ہے بلکہ اُن پر یقین رکھنا ٹھیٹ مذہب اسلام کے برخلاف ہے اور جو کہ یہی تین قسمیں اگر سچ ہوتیں تو حقیقتاً سحر ہوتیں مگر جو کہ وہ بے اصل ہیں اس لئے ہم سحر کے منکر ہیں*

قرآن مجید میں بہت جگہ لفظ سحر و ساحر و مسحور آیا ہے اور اکثر جگہ کفار کی زبان سے وہ لفظ نقل کیا گیا ہے کہ کفار انبیاء علیہم السلام کے کاموں کو جادو اور اُن کو جادوگر اور اُن کی پند و نصیحت کی باتوں کو ایسے شخص کی باتیں جس پر جادو کر دیا گیا ہو اور وہ لغو اور بے سروپا باتیں بکا کرے کہا کرتے تھے پس اس طرح پر کفار کا قول نقل کرنے سے سحر کا حق ہونا لازم نہیں آتا۔ مثلاً اگر ہم کہیں کہ کیمیا گر یہ کہتے ہیں یا یہ کرتے ہیں تو اس کہنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ کیمیا بمعنی سونا و چاندی بنانے کے درحقیقت سچ و برحق ہے بلکہ اس سے صرف اتنا مطلب ثابت ہوتا ہے کہ ایسے اشخاص کا وجود ہے جو اپنے تئیں کیمیا گر کہتے ہیں اور وہ ایک کام کرتے ہیں جس کو کیمیا بنانا کہتے ہیں اور یہ کچھ ضرور نہیں کہ فی الواقع وہ کام بھی ایسا ہے جیسا کہ وہ کہتے ہیں۔ زمانہ نزول قرآن مجید میں ایسے لوگ موجود تھے

دکھاتا ہے جس سے بڑے بڑے شخصوں کی عقل حیران ہو جاتی ہے۔ اور ہمارے زمانہ کے جناب مولوی صاحب وقبلہ تو خوب غور کرنے وکان لگا کر سُننے کے بعد یہ فرماتے ہیں کہ واللہ فیہ دودٌ لیکن بعض عالموں کی یہ بھی رائے ہے کہ ایسی بات کو سحر میں داخل کرنا نہیں چاہئے کیونکہ اُس کے اسباب معلوم ہیں۔ مگر میں دست بستہ اُن کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ جناب جن کو آپ اَب تک سحر سمجھ رہے ہیں اُن میں سے بھی بہت سوں کے اسباب معلوم ہو گئے ہیں ÷

چھٹی قسم سحر کی وہ امور قرار دیتے ہیں جو بذریعہ خواص ادویہ کے ظہور میں آتے ہیں مگر اگلے زمانہ میں یہ باتیں بہت کم معلوم تھیں جب سے کہ علم کیمیا یعنی کمسٹری کو ترقی ہوئی اُس وقت سے تو بہت ہی عجیب عجیب باتیں ظاہر ہوئی ہیں۔ سچ ہے اگر جناب مولوی صاحب دو ہواؤں میں سے پانی بہتا ہوا دیکھیں جس سے وضو بھی کر سکیں روزہ بھی کھول سکیں اور ضرورت ہو تو نہا بھی سکیں تو وہ بیچارے اُس کو جادو نہ کہیں تو اور کیا کہیں ÷

ساتویں قسم سحر کی وہ باتیں ہیں جن کا ظہور میں لانا بذریعہ تاثیر اسماء کے بیان کیا جاتا ہے اور اِس قسم کے ساحر خیال کرتے ہیں کہ بہت سے الفاظ اور اسماء کے لئے مؤکل ہیں اور اُن اسماء کو طریقہ مخصوصہ و تعداد معینہ اور پرہیز مقررہ سے پڑھنے اور اُن کی ذکات دینے سے وہ مؤکل اُس کے تابع ہو جاتے ہیں اور وہ ایسے زبردست ہیں کہ بھوت پلیت۔ دیو۔ جن۔ پری اور آسمان و زمین اور جو کچھ کہ اُن میں ہے سب اُس کے تابع ہیں۔ پس جب وہ مؤکل اس ساحر کے جس کو عامل بھی کہتے ہیں تابع ہو گئے تو وہ سب چیزوں پر قادر ہو گیا۔ جنوں کو شیشہ میں بند کر لیتا ہے۔ بیماروں کو وہ اچھا کر دیتا ہے۔ درندہ جانوروں کو وہ فرمانبردار بنا لیتا ہے۔ کنوئیں میں سے پینے کو پانی اُبال لیتا ہے۔ پھر کوئی "دیا بدھو" کا عمل جانتا ہے اور کوئی "دیا ہو" کا جس کو اسم اعظم معلوم ہو گیا پھر اُس کا تو کچھ پوچھنا ہی نہیں ÷

جو لوگ قرآن مجید کی آیتوں کو بطور عمل کے پڑھتے ہیں اور کسی میں وسعت رزق کی اور کسی میں کشود کار کی اور کسی میں شفاء امراض کی تاثیر سمجھتے ہیں وہ بھی قریب قریب انہی کے ہیں۔ قرآن مجید کی کسی آیت یا سورۃ میں اِس قسم کی تاثیر نہیں ہے نہ قرآن مجید کوئی عملیات کی کتاب ہے نہ اِن کاموں کیلئے نازل ہوا ہے۔ وہ تو سیدھا سادھا خدا کا کلام ہے اور اِس لئے نازل ہوا ہے کہ لوگ اُس سے نصیحت پکڑیں اور جو احکام اُس میں ہیں اُس پر عمل کریں ÷

آٹھویں قسم سحر کی لگائی بجھائی ہے کہ اِدھر کی بات اُدھر جا کہی اور اُدھر کی اِدھر۔ دو ایک باتیں اپنی طرف سے ملا دیں دوست کو دشمن کر دیا اور دشمن کو دوست۔ آپس میں دوستوں کے رنج ڈلوا دیا جورو خصم کو چھڑوا دیا۔ بھائی بھائیوں میں۔ باپ بیٹوں میں رنج کروا دیا۔ بلاشبہ اِس زمانہ کے

ایسا حال ہوجاتا ہے کہ شے غیر موجود کو علانیہ موجود دیکھتا ہے۔ بزرگ و مقدس لوگ نہایت شوق و استغراق سے جب عید کا چاند تلاش کرتے ہیں تو کبھی اُن کی آنکھوں کے سامنے چاند کی چمک پھر جاتی ہے اور بعضی دفعہ آنکھوں کے سامنے تھوڑی دیر کے لئے ہلال کی صورت جم جاتی ہے حالانکہ درحقیقت وہ موجود نہیں ہوتی اور یہ دونوں باتیں اس امر کی دلیل ہیں کہ خود اپنے آپ پر اُس قوت کا اثر پڑتا ہے۔ بعض مجنوں آدمی اُن لوگوں کو جن کا اُن کے دل میں خیال پک گیا ہے اپنے سامنے کھڑا و بیٹھا و باتیں کرتا دیکھتے ہیں اور مثل شخص موجود کے اُس سے سوال و جواب کرتے ہیں اور اُس کے سوالات اور اُس کی باتیں اُن کو سُنائی دیتی ہیں حالانکہ کوئی شئے موجود نہیں ہوتی اور یہ اثر اُسی قوت نفس انسانی کا ہے جو بسبب وقوع امورات غیر طبعی کے ایک طرف مائل ہوگئی ہے ٭

دوسروں پر نفس انسانی کا اثر پڑنا تو ایسا بدیہی ہے کہ جب چاہو اُس کا تجربہ ہوسکتا ہے۔ یہ قوت مشق اور مجاہدہ سے قوی بلکہ اقوے ہوجاتی ہے اور بعضوں میں فطرتی قوے ہوتی ہے اور تمام اُن کے خیالات اُن کو مرئی ہوتے ہیں یہاں تک کہ جس مرے ہوئے شخص کا وہ خیال کرتے ہیں اُس کی صورت خیالی سب کو وہ مُردے کی روح سے تعبیر کرتے ہیں اُسی رزق برق کے لباس سے جو وہ مُردہ پہنتا تھا اُن کے سامنے مرئی ہوتی ہے اس قوت نفسانی کا اثر دوسرے شخص پر چھونے سے دم ڈالنے سے پھونک دینے سے نگاہ سے گھورنے سے توجہ ڈالنے سے منتقل ہوتا ہے اور علمی اصطلاح میں اثر ڈالنے والے کو عامل اور جس پر اثر ڈالا گیا ہو اُس کو معمول کہتے ہیں اس قوت کا ایسا قوی اثر ہے کہ معمول کی تمام طاقت اور تمام ارادہ اور خیال بالکل عامل کے تابع ہوجاتا ہے عامل جس غیر موجود چیز کو کہتا ہے کہ ہے معمول اپنے خیال میں اُس کو واقعی موجود سمجھتا ہے اور اُس پر وُہی حالت طاری ہوجاتی ہے جو درصورت واقعی موجود ہونے اُس شے کے ہوتی اور جس موجود شے کو عامل کہتا ہے کہ نہیں ہے معمول اُس کو یقیناً جانتا ہے کہ نہیں ہے یہاں تک کہ اگر عامل معمول کی کسی قوت کو کہتا ہے کہ نہیں ہے تو معمول ایسا ہی ہوجاتا ہے کہ گویا درحقیقت وہ قوت اُس میں نہیں ہے۔ جن مُردہ شخصوں کا موجود ہونا عامل بیان کرتا ہے معمول اُن شخصوں کو اُسی طرح حاضر و موجود دیکھتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ وہ اُن کی ارواحوں کی پیکر ہیں پس جو قصہ موسیٰ و سحرہ فرعون کا قرآن میں مذکور ہے وہ اسی قوت نفس انسانی کا ظہور ہے نہ وقوع کسی امر خلاف قانون قدرت کا۔ چنانچہ الفاظ قرآن مجید سے بھی اِسی امر کا اشارہ پایا جاتا ہے ٭

سورہ طٰہٰ میں خدا نے بیان کیا ہے۔ کہ جب حضرت موسیٰ آگ کے پاس پہنچے تو اُن کو پکارا گیا اور ایک خدا کی عبادت کا حکم ملا اور۔ وحی سے القا ہوا کہ تیرے ہاتھ میں کیا ہے موسیٰ نے

جو ساحر کہلاتے تھے اور وہ ایسے افعال بھی کرتے تھے جن کو وہ سحر سمجھتے تھے۔ پس قرآن مجید میں سحر و ساحر کا ذکر ہونے سے ایسے اشخاص اور اُن کے افعال کا وجود ثابت ہوتا ہے نہ سحر کے برحق ہونیکا۔ ہاں بعض مقام ایسے ہیں جہاں بعض واقعات کا سحر سے وقوع میں آنا مذکور ہوا ہے۔ اسی کے بیان پر ہم کو متوجہ ہونا چاہئے اور دیکھنا چاہئے کہ وہ واقعات کس قسم کے ہیں اگر وہ ایسے ہیں جن کا ظہور بذریعہ تاثیر قوت نفس انسانی ہوا ہے تو درحقیقت وہ سحر نہیں ہے بلکہ بطور عرف عام یا غلط عام جیسا کہ کفار سمجھتے تھے اُس پر اطلاق لفظ سحر کا ہوا ہے اور اگر وہ اور قسم کے واقعات ہیں جو اقسام سہ گانہ سحر سے علاقہ رکھتے ہیں جن سے ہم منکر ہیں تو ہم کو اُس کی توجیہ بیان کرنی یا تاویل کرنی ضرور ہوگی مگر ہمارے نزدیک قرآن مجید میں تاویل جائز نہیں ہے۔ بقول شخصے ع

آب و رنگ خال و خط چہ حاجت روئے زیبا را

اِس لئے ہم نہایت استحکام سے کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں کوئی واقعہ ایسا مذکور نہیں ہے جو اقسام سہ گانہ سحر مذکورہ بالا سے علاقہ رکھتا ہو ✦

بڑے سے بڑا قصہ سحر کا جو قرآن مجید میں مذکور ہے وہ قصہ موسٰی اور فرعون کے ساحروں کا ہے مگر اُس میں کچھ بھی اشارہ اُن اقسام ثلثہ سحر کی نسبت نہیں ہے جن کے برحق ہونے کو ہم ناحق سمجھتے ہیں۔ اُس قصہ میں جو کچھ بیان ہے وہ نفس انسانی کی قوت کا ظہور ہے اور اِس وجہ سے کہ اُس زمانہ کے کافر اس کو بھی سحر سمجھتے تھے قرآن مجید میں اُس پر لفظ سحر کا اطلاق ہوا ہے ورنہ درحقیقت وہ امور جو فرعون کے ساحروں نے کئے اور جو امر کہ حضرت موسٰے نے کیا وہ ظہور قوت نفس انسانی کا تھا مگر چونکہ انبیاء علیہم السلام میں از روئے خلقت کے وہ قوت اقوٰے ہوتی ہے اِس لئے حضرت موسٰی ساحرہ فرعون پر غالب آئے گو فرعون نے یہی کہا کہ "انہ لکبیرکم الذی علمکم السحر" یعنی موسٰی تمہارا گرو ہے جس نے تم کو جادو سکھلایا ہے ✦

نفس انسانی میں ایک ایسی قوت برقی اور مقناطیسی موجود ہے جو خود اُس پر اور اُس کے خیال پر اور دوسروں پر اور دوسروں کے خیال پر اثر کرتی ہے اُس کے اثر متعدد طرح پر ہوتے ہیں اُن میں سے یہ بھی ہے کہ شے غیر موجود حقیقتاً موجود معلوم ہوتی ہے۔ خواب میں آدمی تمام چیزوں کو جو اُس نے خواب میں دیکھی ہیں حقیقتاً موجود سمجھتا ہے حالانکہ کوئی چیز بھی موجود نہیں ہوتی۔ یہاں تک کہ وہ کبھی اپنے تئیں ہوا میں اُڑتا ہوا جانتا ہے اور کبھی جہاز میں اور کبھی ریل میں اور کبھی گھوڑے پر اور کبھی پیدل کوسوں کا سفر کرتا ہوا دیکھتا ہے اور حقیقت میں وہ پلنگ پر چادر اوڑھے پڑا ہوتا ہے زیادہ تعجب ہے کہ خواب میں اُس کو دن ہوتا ہے رات ہوتی ہے سو برس کا زمانہ خواب میں گذر جاتا ہے مگر اُس کو سوئے ہوئے گھڑی دو گھڑی سے زیادہ نہیں ہوتا۔ جاگتے میں بھی کبھی اُس کا

مفسرین نے اور نیز صاحب تفسیر کبیر نے ان آیتوں کی تفسیر میں وہی قصے اور نکات دور از کار لکھے ہیں جیسی کہ عادت مفسرین کی ہے اور روایات بے سند و اقوال بے سروپا بھر دئے ہیں مگر ایک جملہ صاحب تفسیر کبیر نے لکھا ہے وہ غور کے قابل ہے آیت سورہ شعرا کی تفسیر میں امام صاحب نے لکھا ہے کہ "خدا کا جو یہ قول ہے کہ حضرت موسیٰ نے فرعون سے کہا کہ اگر میں تجھ کو علانیہ کوئی بات دکھاؤں جب بھی تو مجھے قید کریگا تو یہ کہنا اس بات پر دلیل ہے کہ لاٹھی کے ڈالنے سے پہلے خدا تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو بتلا دیا تھا کہ وہ اژدہا ہو جاویگی کیونکہ اگر یہ نہ ہوتا تو جو بات حضرت موسیٰ نے کہی وہ نہ کہتے پھر جب حضرت موسیٰ نے لاٹھی پھینکی تو وہ چیز ظاہر ہوئی جس کا وعدہ اللہ نے کیا تھا پھر وہ لاٹھی علانیہ اژدہا ہو گئی اور علانیہ اژدہا ہو جانے سے مراد یہ ہے کہ وہ لاٹھی دیکھنے والوں کو ہلنے سے اور اور تمام نشانوں سے اژدہا معلوم ہوئی" لفظ تبین للناس یعنی دیکھنے والوں کو اژدہا معلوم ہوئی قابل غور ہے جو صاف اسی قوت نفس انسانی کی تاثیر پر دلالت کرتا ہے۔ بھلا یہ لفظ تو ایک مفسر کے ہیں جن کی نسبت جو چاہے انکار کرے مگر اگلی آیتوں میں خدا نے ایسے ہی لفظ فرمائے ہیں جن سے وہی بات ثابت ہوتی ہے جو ہم کہتے ہیں ❊

اعلم ان قولہ اولو جئتک بشئی مبین یدل علی ان اللہ تعالیٰ قبل ان القی العصا عرفہ بانہ یصیرها ثعبانا ولولا ذلک لما قال ما قال فلما القی عصاہ ظہر ما وعدہ اللہ بہ فصار ثعبانا مبینا والمراد انہ تبین للناظرین انہ ثعبان بحرکاتہ وبسایر العلامات

تفسیر کبیر مطبوعہ مصر جلد ۵ صفحہ ۵۲ ❊

اس بیان تک دو باتیں معلوم ہو گئیں ایک یہ کہ حضرت موسیٰ کو فرعون کے پاس بھیجنے سے پہلے خدا نے اُن کو بتلا دیا تھا کہ اگر تو لاٹھی پھینک کر کہیگا کہ سانپ ہے تو وہ سانپ یا اژدہا دکھائی دیگی۔ دوسرے یہ کہ جب حضرت موسیٰ فرعون کے پاس آئے اور خدا کا پیغام پہنچایا تو فرعون نے اُس کی تصدیق کے لئے کوئی نشانی چاہی۔ ہمارا قول ہے کہ معجزہ دلیل صحت نبوت نہیں ہے مگر بلا شبہ وہ حجت الزامی مسکت للخصم ہے نہ مفید یقین پس حضرت موسیٰ نے بطور حجت الزامی کے بھی نشانی اُس کو دکھائی کہ لاٹھی ڈالی اور اژدہا کر دکھایا۔ اس پر فرعون نے اپنے ملک کے بڑے بڑے عالموں اور ساحروں اور امیروں کو جمع کیا اور وہ سمجھ گئے کہ کس وجہ سے موسیٰ کی لکڑی سانپ یا اژدہا ہو کر دکھلائی دی اور اُنھوں نے کہا کہ ہم بھی ایسا کر توت کر سکتے ہیں چنانچہ اس مباحثہ کے لئے ایک دن مقرر ہوا اور سب لوگ جمع ہوئے ❊

اس اکھاڑہ میں جو کچھ ہوا اس کا ذکر کئی جگہ قرآن مجید میں آیا ہے۔ سورہ یونس میں مذکور ہے کہ جب فرعون کے ساحر آگئے تو حضرت

فلما جاء السحرۃ قال لھم موسیٰ القوا ما

کہا کہ میری لاٹھی ہے جس کو ٹیک لیتا ہوں اور اُس سے بھیڑوں کو ہنکاتا ہوں اور اَور کام میں بھی
قال القہا یا موسٰے فالقاہا فاذا ھی — آتی ہے پھر وحی سے القا ہوا کہ اے موسٰے
حیۃ تسعٰے قال خذھا ولا تخف سنعیدھا — اُس کو پھینک دے (یہاں قرینہ کلام مقتضی ہے کہ
سیرتہا الاولیٰ۔ سورہ طٰہٰ آیت ۲۰-۲۲ — پھینک دینے کا نتیجہ یہی القا ہوا مگر جو کہ نتیجہ آگے
مذکور ہوا اس لئے بلحاظ بلاغت کلام اِس جگہ بیان نہیں کیا) پھر موسٰے نے اُس کو پھینک دیا تو
وہ یک بیک چلتا ہوا سانپ تھا پھر وحی سے القا ہوا کہ اُس کو پکڑ لے اور مت ڈر ہم پھر پہلے
ہی سا کر دینگے ❖

سورہ نمل میں خدا نے بیان کیا ہے کہ جب موسٰے آگ کے پاس پہنچے تو اُن کو پکارا گیا کہ جو کچھ
آگ میں اور آگ کے گرد ہے اس کو ہم نے برکت دی ہے پاک اللہ تمام عالموں کا پروردگار ہے
اے موسٰے بے شک میں خدا ہوں سب پر غالب حکمت والا ❖

اِس بعد وحی سے موسٰے کو القا ہوا کہ اپنی لاٹھی پھینک دے (یہاں قرینہ کلام مقتضی ہے
کہ موسٰے نے لاٹھی پھینک دی اور وہ سانپ دکھائی دی) پھر اُنھوں نے اُس کو دیکھا کہ سانپ
والق عصاک فلما راٰھا تھتز کانہا — کی طرح ہلتی ہے تو پیٹھ پھیر کر پیچھے ہٹے اور
جان ولیٰ مدبرا ولم یعقب یا موسٰے لا تخف — پھر پلٹ کر رُخ نہ کیا القا ہوا کہ اے موسٰے مت ڈر
انی لا یخاف لدی المرسلون۔ سورہ نمل۔ آیت ۱۰ — میرے پاس پیغمبر نہیں ڈرا کرتے ❖

پس ان دونوں آیتوں کے لفظوں پر غور کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ لاٹھی حضرت موسٰے
کو سانپ دکھائی دی تھی اور درحقیقت وہ لاٹھی ہی تھی اور کلمہ سنعیدھا سیرتہا الاولیٰ اور کلمہ کانہا
جان سے اِس کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے علاوہ اس کے جو آیتیں آیندہ مذکور ہونگی اُن میں بہت
صفائی سے بیان ہوا ہے کہ وہ لاٹھی سانپ معلوم ہوتی تھی ❖

یہ کیفیت جو یہاں حضرت موسٰے پر طاری ہوئی یہ اُسی قوت نفس انسانی کا ظہور تھا جس کا اثر
خود اُن پر ہوا تھا اور اُس کے بعد جو واقعات ہوئے وہ وہ ہیں جن میں قوت نفس انسانی کا اثر
دوسروں پر ہوا تھا ❖

جب حضرت موسٰے کو معلوم ہو گیا کہ اُن کی قوت نفس انسانی سے لاٹھی سانپ دکھلائی دیتی
فالقی عصاہ فاذا ھی ثعبان مبین۔ — ہے تو وہ اُس کو بطور خدا کی قدرت کے ایک نشانی
سورہ اعراف آیت ۱۰۴۔ و سورہ شعرا آیت ۳۱ — کے لیکر فرعون پاس آئے فرعون نے کہا کہ اگر تم
کوئی نشانی لائے ہو تو لاؤ اگر سچے ہو تو موسٰے نے اپنی لکڑی ڈال دی تو یکایک وہ لکڑی صاف
اژدہا تھی ❖

قالوا یا موسیٰ اما ان تلقی واما ان نکون اول من القی قال بل القوا فاذا حبالہم وعصیہم یخیل الیہ من سحرہم انہا تسعی فاوجس فی نفسہ خیفۃ موسیٰ قلنا لا تخف انک انت الاعلیٰ والق ما فی یمینک تلقف ما صنعوا انما صنعوا کید ساحر ولا یفلح الساحر حیث اتیٰ۔ سورہ طٰہٰ۔ آیت ۶۸-۷۲ ٭

نہیں تو ہم پہلے ڈالتے ہیں موسےٰ نے کہا کہ ہاں تم ڈالو پھر یکایک اُن کی رسیوں اور اُن کی لاٹھیوں کی طرف موسےٰ نے خیال کیا کہ اُن کے جادو کے سبب سے چلتی ہیں پھر موسےٰ کو جی میں ڈر سا ہوا تو ہم نے القا کیا کہ مت ڈر تو ہی اُن پر غالب ہے اور ڈال دے جو تیرے دائیں ہاتھ میں ہے تاکہ نگل جاوے جو کچھ کہ اُنہوں نے بنایا ہے۔ جو کچھ اُنہوں نے بنایا ہے وہ جادوگروں کا مکر ہے اور جادوگر کو فلاح نہیں ہے جہاں جاوے ٭

سورہ اعراف کی آیت میں جس پر باقی آیتیں بھی محمول ہیں ایک جملہ آیا ہے کہ سحروا اعین الناس یعنی ڈھٹ بندی کردی پس یہ جملہ صاف اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ لا نہ یفسر بعضہا بعضا درحقیقت وہ لاٹھیاں یا رسیاں سانپ و اژدہے نہیں ہوگئی تھیں بلکہ بہ سبب تاثیر قوت نفس انسانی کے جو ساحروں نے کسب سے حاصل کی تھی وہ رسیاں و لاٹھیاں لوگوں کو سانپ و اژدہا معلوم ہوتی تھیں حضرت موسےٰ نے جو کچھ کیا وہ بھی مقتضائے قوت نفس انسانی تھا مگر وہ قوت حضرت موسےٰ میں فطرتی اور اقوےٰ تھی ٭

اِس مقام پر ہم چند باتوں میں بحث کرینگے اول امر ما نحن فیہ سے یعنی اِس سے کہ حقیقتاً جادو کوئی چیز نہیں ہے۔ تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ پھر اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ جب سحرہ

ثم قال تعالیٰ فلما القوا سحروا اعین الناس واحتج بہ القایلون بان السحر محض التمویہ قال القاضی لوکان السحر حقا لکانوا قد سحروا قلوبہم لا اعینہم فثبت ان المراد انہم تخیلوا احوالا عجیبۃ مع ان الامر فی الحقیقۃ ما کان علی وفق ما خیلوہ۔ تفسیر کبیر جلد ۳۔ صفحہ ۶۸۲۔ سورہ اعراف

فرعون نے اپنی رسیاں و لاٹھیاں ڈال دیں تو اُنہوں نے لوگوں پر ڈھٹ بندی کردی اِس لفظ ڈھٹ بندی پر کہنے والوں نے دلیل پکڑی ہے کہ سحر صرف دھوکہ ہے قاضی کا قول ہے اگر جادو برحق ہوتا تو وہ لوگوں کے دلوں پر جادو کرتے نہ ڈھٹ بندی کرتے پس ثابت ہوا کہ اِس سے مراد یہ ہے کہ اُنہوں نے لوگوں کے خیال میں عجیب باتیں ڈالی تھیں۔ باایں ہمہ حقیقت میں وہ باتیں ایسی نہ تھیں جیسی کہ لوگوں کے خیال میں پڑی تھیں"

انتم ملقون فلما القوا قال موسی ما جئتم
به السحران الله سیبطله ان الله لا یصلح
عمل المفسدین۔ سورہ یونس آیت ۸۰ و ۸۱ ٭

موسےٰ نے اُن سے کہا کہ ڈالو تم کیا ڈالتے
ہو جب اُنھوں نے ڈال دیا تو موسےٰ نے
کہا جو کچھ تم نے کیا یہ جادو ہے اللہ تعالےٰ
ابھی اس کو جھوٹا کر دیگا بے شک اللہ تعالےٰ مفسدوں کے کام کو نہیں سنوارتا ٭

اور سورہ شعرا میں فرمایا ہے کہ موسےٰ نے فرعون کے ساحروں سے کہا کہ ڈالو تم کیا ڈالتے ہو پھر اُنہوں نے اپنی رسیاں اور اپنی لاٹھیاں ڈال دیں (جو سانپ اژدہے ہو گئیں)

قال لھم موسی القوا ما انتم ملقون
فالقوا حبالھم وعصیھم وقالو بعزۃ
انا لنحن الغالبون فالقی موسی عصاہ فاذا
ھی تلقف ما یافکون سورہ شعرا آیت ۴۲-۴۴

اور پکار اُٹھے کہ فرعون کی جے ہم ہی موسےٰ پر
غالب ہیں (موسےٰ نے تو صرف ایک لاٹھی
ڈال کر سانپ یا اژدہا بنایا تھا اور فرعون کے
ساحروں نے متعدد لاٹھیاں اور رسیاں ڈال کر
اُن کو سانپ اور اژدہا بنا دیا اسی لئے اُنہوں نے فرعون کی جے پکارے کہ ہم موسےٰ پر غالب ہوئے) پھر جب موسےٰ نے اپنی لاٹھی ڈالی تو وہ یکایک اُن سب کو نگلنے لگی جن کو فرعون کے ساحروں نے دھوکا بنایا تھا ٭

ایک لامذہب اس مقام پر کہہ سکتا ہے کہ اگر حضرت موسےٰ نے اپنی لاٹھی پہلے ڈال کر سانپ بنایا ہوتا تو کیا عجب ہے کہ سحرہ فرعون اپنی لاٹھوں اور رسیوں کو اس طرح پر ڈالتے کہ حضرت موسےٰ کے سانپ کو نگل جاتیں مگر یاد رہے کہ ہم ایسے اعمال کو حجت الزامی قرار دیتے ہیں نہ برہان لمی تو لامذہب کے اس قول سے ہماری تحقیق پر یا سچائی پر کوئی جرح واقع نہیں ہوتی ٭

اور سورہ اعراف میں خدا تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ سحرہ فرعون نے کہا کہ اے موسےٰ یا تم

قالوا یا موسی اما ان تلقی واما ان
نکون نحن الملقین قال القوا فلما القوا
سحروا اعین الناس واسترھبوھم وجاؤ
بسحر عظیم واوحینا الی موسی ان الق
عصاک فاذا ھی تلقف ما یافکون
سورہ اعراف آیت ۱۱۰-۱۱۴

ڈالو یا ہم ڈالیں موسےٰ نے کہا کہ ڈالو پھر جب
اُنہوں نے ڈالا تو جادو کر دیا لوگوں کی
آنکھوں پر اور ڈرا دیا اُن کو اور بڑا جادو کیا
اور القا کیا ہم نے موسےٰ کو ڈال دے اپنی
لاٹھی پھر یکایک وہ نگلنے لگی جو دھوکا اُنہوں نے
بنایا تھا سحروا اعین الناس کا لفظ جو اس
آیت میں ہے اُس کا ٹھیک ترجمہ ہماری زبان میں ڈھٹ بندی کرنا ہے ٭

اور سورہ طٰہٰ میں خدا تعالےٰ نے یوں فرمایا کہ سحرہ فرعون نے کہا کہ اے موسےٰ یا تم ڈالو

تفسیر کبیر میں دوسرے مقام پر اس سے بھی زیادہ صاف لکھا ہے کہ ابن وہب سے جو روایت کی گئی ہے کہ سحرہ فرعون نے لوگوں کی آنکھوں پر اور موسیٰ کی آنکھ پر جادو کر دیا تھا

فاما ما روی عن وہب انہم سحروا اعین الناس وعین موسیٰ علیہ السلام حتے تخیل ذلک مستدلا بقولہ تعالیٰ فلما القوا سحروا اعین الناس وبقولہ تعالیٰ یخیل الیہ من سحرھم انہا تسعی فہذا غیر جائز لان ذلک الوقت وقت اظہار المعجزۃ والادلۃ وازالۃ الشبہۃ فلو صار بحیث لا یمیز الموجود عن الخیال الفاسد لم یتمکن من اظہار المعجزۃ فحینئذ یفسد المقصود فاذن المراد شاھد ان موسیٰ لولا علمہ بانہ لا حقیقۃ لذالک الشئ لظن فیہا انہا تسعے ۔ تفسیر کبیر جلد ۴ ۔ صفحہ ۵۴۴ ۔

اور خدا کے اس قول کو دلیل پکڑا ہے کہ جب اُنہوں نے اپنی رسّیاں و لاٹھیاں ڈالیں تو جادو کر دیا لوگوں کی آنکھوں پر اور خدا کے اس قول پر دلیل کی ہے کہ خیال گیا موسیٰ کا اُس کی طرف اُن کے جادو سے کہ وہ چلتی ہیں سو یہ بات ناجائز ہے اس لئے کہ یہ وقت تھا وقت معجزہ دکھلانے کا اور دلیل قائم کرنے کا اور شبہ دُور کرنے کا پھر اگر موسیٰ ایسے ہو گئے تھے کہ موجود چیز میں اور خیال فاسد میں تمیز نہیں کر سکتے تھے تو معجزہ دکھلانے پر بھی قادر نہ ہوتے اور ایسے وقت میں مقصد خراب ہو جاتا پس اب یہاں مراد یہ ہے کہ حضرت موسیٰ نے ایک ایسی چیز دیکھی کہ اگر نہ جانتے ہوتے کہ اس چیز کی کچھ حقیقت نہیں ہے تو اُس کو خیال کرتے کہ وہ چلتی ہیں ۔

پس یہ قول ہیں اگلے عالموں کے اور گو تفسیر کیسی ہی ہو مگر اُن کے نزدیک یہ بات محقق ہے کہ سحرہ فرعون کے سحر کا اثر حضرت موسیٰ پر نہیں ہوا اور نہ اُنہوں نے اُن کی رسیوں اور لاٹھیوں کو چلتا جانا اور نہ اس سبب سے اُن کو کچھ ڈر ہوا ۔

ہمارا بھی یہی قول وہی مذہب ہے مگر سمجھ میں اور بیان میں کسی قدر فرق ہے خود جملہ سحروا اعین الناس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ اس سے مستثنےٰ تھے اس لئے کہ اس مقام پر حضرت موسیٰ ایک شخص بہ مقابل سحرہ فرعون کے تھے اور اس لئے ہر بات میں جو اُن سے متعلق ہو قابل ذکر خاص کے تھی مگر جب اُن کا ذکر نہیں کیا تو عام طرح پر کہنے میں وہ شامل نہیں ہو سکتے مثلاً کلوا و للوا دو پہلوان لڑ رہے ہوں اور کوئی دیکھنے والا کہے کہ کلوا نے ایسا داؤں کیا کہ سب ہنس پڑے ۔ اس کلام کے سیاق سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ قائل نے جو لفظ سب کہا ہے اُس میں کلوا کو بھی داخل کرنا مقصود نہ تھا بلکہ سب دیکھنے والوں کا شامل کرنا مقصود تھا اسی طرح خدا کے اس کلام میں کہ لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا حضرت موسیٰ داخل نہیں ہو سکتے ۔

دوسری جگہ جو خدا نے فرمایا کہ یخیل الیہ من سحرھم انہا تسعے اس کا ترجمہ شاہ ولی اللہ صاحب

یعنی وہ لاٹھیاں اور رسیاں درحقیقت سانپ اور اژدہے نہیں بنی تھیں بلکہ صرف لوگوں کے خیال میں ایسی معلوم ہوتی تھیں اور یہ بات اُسی تاثیر قوت نفس انسانی کے سبب سے تھی حقیقتاً کوئی جادو نہ تھا ٭

دوسری بحث یہ ہے کہ اگر حضرت موسیٰ کو بھی وہ لاٹھیاں اور رسیاں سانپ دکھائی دیں اور اُن کو خوف ہوا تو اُن پر بھی سحرہ فرعون کے کرتب کی خواہ وہ جادو ہو یا ڈھٹ بندی یا تاثیر قوت نفس سحرہ فرعون اثر ہوا جس سے حضرت موسیٰ کی نبوّت پر بٹہ لگتا ہے مگر ہم اِس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ حضرت موسیٰ کو وہ رسیاں و لاٹھیاں سانپ دکھلائی دیں تھیں اور اِس سبب سے وہ ڈر گئے تھے کہ اگلے علماء نے بھی اِس بات سے اِنکار کیا ہے مگر جو تفسیر کی ہے وہ ٹھیک نہیں اور شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے ترجمہ میں بھی علانیہ چوک کی ہے مولوی رفیع الدین صاحب نے اُس کی کچھ درستی کی ہے مگر بہ خوبی نہیں ہوئی۔ اور شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ بھی ٹھیک نہیں ہے ہم پہلے اگلے علماء کے اقوال نقل کرتے ہیں۔ پھر اپنی سمجھ بیان کرینگے ٭

تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ ابن عباس سے روایت کی گئی ہے کہ موسیٰ کے خیال تک پہنچا

وروی عن ابن عباس رضی اللہ عنہما انہ خیل الی موسیٰ علیہ السلام ان حبالھم و عصیھم حیات مثل عصا موسیٰ فاوحی اللہ عزوجل الیہ ان الق عصاک قال المحققون ان ھذا غیر جایز لانہ علیہ السلام لما کان نبیا من عند اللہ تعالیٰ کان علیٰ ثقۃ و یقین من ان القوم لم یغالبوہ وھو عالم بان ما اتوا بہ علیٰ وجہ المعارضۃ فھو من باب السحر والباطل ومع ھذا الجزم فانہ یمتنع حصول الخوف فان قیل الیس انہ تعالیٰ قال فاوجس فی نفسہ خیفۃ موسیٰ قلنا لیس فی الآیۃ ان ھذہ الخیفۃ انما حصلت لاجل ھذا السبب بل لعلہ علیہ السلام خاف من وقوع التاخیر فی ظہور حجۃ موسیٰ علیہ السلام علیٰ سحرھم ٭ تفسیر کبیر جلد ۳- صفحہ ۲۸۳- سورہ اعراف ٭

کہ اُن کی رسیاں اور لاٹھیاں سانپ ہیں موسیٰ کی لاٹھی کی مانند پھر وحی بھیجی اللہ نے کہ ڈال دے اپنی لاٹھی۔ اِس پر محققوں کا قول ہے کہ ایسا ہونا ناجائز ہے اِس لئے کہ ہرگاہ حضرت موسیٰ خدا کی طرف سے پیغمبر تھے تو وہ پکے تھے اور اُن کو یقین تھا کہ فرعون والے اُن پر غالب نہ ہونگے اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ وہ لوگ جو کچھ مقابلہ میں لاوینگے وہ جادو اور جھوٹ ہوگا اور اِس یقین کے ساتھ اُن کو خوف ہونا ناممکن ہے اگر کہا جاوے کہ کیا خدا نے نہیں کہا کہ موسیٰ کے جی میں ڈر ہوا تو ہم کہینگے کہ اُس آیت میں یہ نہیں ہے کہ وہ ڈر اُن کو اِس سبب سے ہوا تھا بلکہ شاید حضرت موسیٰ کو ساحروں کے سحر سے اُن کی دلیل کے پیچھے پڑ جانے سے خوف ہوا ہو ٭

وماھم بضارین بہ من احد الا باذن اللہ ویتعلمون ما یضرھم ولا ینفعھم ولقد علموا لمن اشتراہ مالہ فی الاخرۃ من خلاق ولبئس ما شروا بہ انفسھم لو کانوا یعلمون ۔ سورہ بقر آیت ۹۵ و ۹۶ ۔

اپنے زعم میں سمجھتے تھے کہ دو فرشتوں پر جن کا نام ہاروت و ماروت ہے اُتاری گئی ہے حالانکہ وہ دونوں نہیں سکھلاتے کسی کو یہاں تک کہ کہتے ہیں کہ ہم تو فتنہ ہیں پھر مت کافر بنو پھر سیکھتے اُن دونوں سے وہ چیز جس سے جدائی ڈالیں جورو خصم میں حالانکہ وہ کسی کو اپنے جادو سے کچھ نقصان پہنچانے والے نہیں مگر خدا کے حکم سے اور وہ لوگ سیکھتے وہ چیز جو اُن کو ضرر پہنچاتی نہ اُن کو نفع دیتی اور بے شک یہ بات اُنھوں نے جان لی ہے کہ جو کوئی اُس کو خریدے اُس کو آخرت میں کچھ فائدہ نہیں اور بے شک برا ہے جو اُنھوں نے اپنی جانوں کے بدلے بیچا اگر وہ جانتے ہوتے "

ظاہرا ان آیتوں میں کچھ مشکلات نہیں ہیں اور ہم نے ترجمہ میں بھی ان آیتوں کے مطلب کو کسی قدر صاف کر دیا ہے مگر مفسرین نے ان آیتوں کی تفسیر میں عجیب عجیب لغو اور بے سروپا قصے بیان کئے ہیں جو سب کے سب محض بے اصل ہیں۔ ہم اُن لغو اور مہمل قصوں کا تو ذکر نہیں کرتے مگر چند اقوال جو قابل لحاظ ہیں نقل کرتے ہیں ۔

مفسرین کو اس مقام پر یہ مشکلیں پیش آئی ہیں کہ ہاروت و ماروت تو دو فرشتے تھے پھر اگر وہ سحر سکھلاتے تھے تو کافر تھے مگر فرشتے کافر نہیں ہو سکتے۔ دوسرے یہ کہ خدا نے کہا ہے کہ یہودیوں نے توریت کو پس پشت ڈال کر اُس چیز کی پیروی کی جو ہاروت و ماروت پر اُتاری گئی تھی اور یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ فرشتوں پر سحر کی تعلیم جو کفر و باطل ہے نازل کرے ۔

ان مشکلوں کے دور کرنے کو بعض عالموں نے کہا ہے کہ وہ فرشتے نہ تھے چنانچہ تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ حسن ملکین لام کے زیر سے پڑھتے تھے جس کے معنی بادشاہ کے ہیں اور ضحاک

قرا الحسن ملکین بکسر اللام وھو مروی ایضا عن الضحاک وابن عباس ثم اختلفوا فقال الحسن کانا علجین اقلفین ببابل یعلمان الناس السحر وقیل کانا رجلین صالحین من الملوک ۔ تفسیر کبیر جلد ا صفحہ ۴۵۴ سورہ بقر ۔

سے اور ابن عباس سے بھی لام کے زیر ہی سے پڑھنا روایت کیا گیا ہے پھر اُن میں اس بات پر اختلاف ہوا کہ وہ کون تھے حسن کا قول ہے کہ وہ دونوں بابل میں عجم کے کافروں میں سے تھے بغیر ختنہ کئے ہوئے کہ لوگوں کو جادو سکھاتے تھے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ دونوں بادشاہوں میں سے صالح آدمی تھے ۔

دوسری مشکل کے حل کرنے کو بعض عالموں نے اس آیت میں معطوف الیہ کو اَدل بدل کر دیا

نے یہ کیا ہے کہ "نمودار شد پیش موسےٰ بسبب سحر ایشاں" "یخیل" کے لفظ کا ترجمہ "نمودار شد" صریح غلط ہے۔ مولوی رفیع الدین صاحب نے ترجمہ کیا ہے کہ "خیال بندھا تھا طرف اُس کے جادو اُن کے سے" یہ پُرانی اُردو ایسی ہے جس کا مطلب بخوبی سمجھنا ذرا مشکل ہے۔ مولوی عبد القادر صاحب نے ترجمہ کیا ہے کہ "اُس کے خیال میں آئے ہیں اُن کے جادو سے" کچھ شبہ نہیں کہ یہ ترجمہ بھی پہلے اُردو ترجمہ کا بھائی ہے اور ان تینوں مترجموں کا یہ خیال ہے کہ حضرت موسےٰ پر سحرہ فرعون کے جادو کا اثر ہوا تھا +

مگر قرآن مجید کا مطلب صاف ہے کہ اگرچہ حضرت موسےٰ کو وہ رسیاں اور لاٹھیاں چلتی ہوئی نہیں معلوم ہوئیں مگر اُنہوں نے خیال کیا کہ اُن کے سحر کے سبب سے لوگوں کو چلتی ہوئی معلوم ہوتی ہیں +

اِسی خیال پر وہ ڈر گئے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ میں بھی تو یہی کرونگا کہ اپنی لاٹھی کو اژدہا دکھلاؤنگا۔ پس مجھ میں اور اُن میں فرق کیا ہوگا لوگ بول اُٹھینگے کہ دونوں برابر چھوٹے مگر اللہ نے القا کیا کہ تو بڑھے کر رہیگا تیری لاٹھی سب کو نگلنے لگیگی پس اسی تقویت پر موسےٰ نے جونہی اپنا لٹھ ڈالا وہ اژدہا سحرہ فرعون کے سانپوں سپولیوں کو نگلتا ہوا دکھلائی دیا اور موسےٰ کی جیت ہوگئی جادوگر قدموں پر آگرے فرعون بول اُٹھا کہ یہ بڑا جادوگر ہے پس یہ تمام واقعہ ہے حضرت موسیٰ و سحرہ فرعون کا اور اِس واقعہ کو اُن اقسام ثلثہ سحر سے جن سے ہم نے انکار کیا ہے اور جادو کو برحق نہیں مانا کچھ تعلق نہیں ہے +

دوسرا قصہ قرآن مجید میں ہاروت وماروت کے سحر کا ہے۔ سورہ بقر میں خدا تعالےٰ یہودیوں کی بداعتقادیاں اور خرابیاں بیان کرتے کرتے فرماتا ہے کہ جب اُن کے پاس خدا کی طرف سے

ولما جاءھم رسول من عند اللہ مصدق لما معھم نبذ فریق من الذین اوتوا الکتٰب کتٰب اللہ وراء ظھورھم کانھم لایعلمون واتبعوا ما تتلوا الشیٰطین علی ملک سلیمٰن وما کفر سلیمٰن ولٰکن الشیٰطین کفروا یعلمون الناس السحر وما انزل علی الملکین ببابل ھٰروت وماروت وما یعلمٰن من احد حتی یقولا انما نحن فتنۃ فلا تکفر فیتعلمون منھما ما یفرقون بہ بین المرء وزوجہ	کوئی پیمبر آیا سچ بتاتا ہوا اُس چیز کو یعنی تورات کو جو اُن کے پاس ہے تو جن کو وہ کتاب ملی ہے اُنہی کے ایک گروہ نے خدا کی کتاب کو اپنی پیٹھ کے پیچھے پھینک دیا کہ گویا جانتے ہی نہیں اور اُس چیز کی پیروی کی جس کو شیطان یعنی کافر لوگ حضرت سلیمان کے عہد سلطنت میں پڑھتے تھے سلیمان نے کفر نہیں کیا مگر شیطانوں یعنی کافروں نے کفر کیا کہ لوگوں کو سحر سکھلاتے اور اُس گروہ نے اِس چیز کی پیروی کی جس کو وہ

ان یکون ما بمعنی الجحد ویکون
معطوفا علی قوله تعالیٰ وما کفر سلیمان کانه
قال لم یکفر سلیمان ولم ینزل علی الملکین
سحر لان السحرة کانت تضیف السحر الی
سلیمان وتزعم انه مما انزل علی الملکین
ببابل ھاروت وماروت فرد اللہ علیہم
فی القولین وقوله ما یعلمان من احد
جحد نفیًا ای لا یعلمان احدا بل ینہیان
عنه اشد النهی واما قوله تعالیٰ حتی یقولا
انما نحن فتنة ای ابتلاء وامتحان فلا
تکفر وھو کقولک ما امرت فلانا بکذا
حتی قلت له ان فعلت کذا فلک کذا ای
ما امرت به بل حذرت عنه ۔
تفسیر کبیر جلد ۱ ۔ صفحہ ۴۵۳ ۔

اور نہیں اُتارا فرشتوں پر جادو کیونکہ ساحر
جادو کو حضرت سلیمانؑ کی طرف لگاتے تھے وہ
گمان کرتے تھے کہ جادو وہ چیز ہے جو بابل میں
دو فرشتوں ہاروت وماروت پر اُتارا ہے پھر
اللہ تعالیٰ نے اُن کی ان دونوں باتوں کو مردود
کردیا اور یہ جو آیت میں ہے کہ ما یعلمان من
احد یہاں بھی ما بمعنی نفی کے ہے یعنے وہ
دونوں نہیں سکھلاتے تھے کسی کو بلکہ اُس کے
سیکھنے سے منع کرتے تھے نہایت درجہ کا منع
کرنا اور یہ جو خدا نے کہا کہ حتی یقولا انما نحن
فتنة اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ کہتے تھے کہ ہم
بلا اور امتحان ہیں پھر کافر مت بنو یہ ایسی بات
ہے جیسی کہ تم کہو کہ میں نے نہیں حکم دیا اُس
شخص کو ایسا کرنے کا یہاں تک کہ میں نے
اُس کو کہا کہ اگر تو ایسا کریگا تو تیرا یہ حال ہوگا پس اِس کا یہی مطلب ہے کہ میں نے اُس کو حکم نہیں دیا بلکہ منع کیا اور ڈرایا ۔

یہ ہیں تقریریں پچھلے عالموں کی اِن آیتوں کی تفسیر میں اور ان تقریروں میں جو کچھ کچا پن یا پکا پن ہے وہ سوچنے والے اور غور کرنے والے شخص پر ظاہر ہے ہمارا مقصد ان کے نقل کرنے سے صرف یہ ہے کہ اگلے عالموں میں بھی ہاروت ماروت کے فرشتہ ہونے سے اور اس بات سے کہ خدا کی طرف اُن پر جادو کا علم نازل ہوا تھا انکار کیا ہے ۔

ہماری سمجھ میں اس آیت کے معنی ایسے صاف اور آسان اور روشن ہیں کہ چٹیل میدان اور خشک پہاڑ کی گھاٹیوں میں اونٹ لے جانے والوں کو بھی جن کے سمجھانے کو قرآن اُترا تھا کچھ شبہ نہیں رہتا ہاروت وماروت قرآن مجید میں غیر منصرف آئے ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ دونوں لفظ عجمی ہیں دو شخصوں کے نام ہیں جو اُس زمانہ کے لوگوں کے نزدیک نہایت صالح تھے اور اُن کی نیکی یا اعمال کے سبب اُس زمانہ کے لوگ بطور مدح اُن کو فرشتہ کہتے تھے جس طرح کہ زلیخا کی سہیلیوں نے حضرت یوسفؑ کو دیکھ کر کہا تھا کہ ما ھذا بشرا ان ھذا الا ملک کریم اُس زمانہ کے لوگ اسی طرح اُن کے معتقد ہونگے جیسے مسلمان حضرت شیخ غوث محمد گوالیری کے

ان موضعه جو عطفا علی ملك سليمان
وتقديره ما تتلوا الشياطين افتراء علی ملك
سليمان وعلی ما انزل علی الملكين وهو
اختيار ابی مسلم رحمة الله عليه وانكر
فی الملكين ان يكون السحر نازلا عليهما
تفسير كبير جلد ا۔ صفحه ۱۵۲۔ سوره بقر*

ہے اور کہا ہے کہ وما انزل کا عطف ہے
ملک سلیمان پر اور اُس کے معنی یہ ہیں کہ جو کچھ
پڑھتے تھے شیطان تہمت کر کے ملک سلیمان پر
اور اُس پر جو اُتارا گیا تھا دو فرشتوں پر اِس
بات کو ابو مسلم نے اختیار کیا ہے اور اِس بات
سے کہ دو فرشتوں پر جادو نازل ہوا تھا
انکار کیا ہے*

پھر خدا بخشے ابو مسلم نے اِس آیت کی تفسیر میں دوسری راہ اختیار کی ہے جو اکثر مفسرین کے
قول کے برخلاف ہے اور یہ کہا ہے کہ جس طرح شیاطین نے سلیمان کی بادشاہت کی طرف جادو

ثم انه رحمة الله سلك فی تفسير الاية
نحوا آخر يخالف قول اكثر المفسرين فقال
كما ان الشياطين نسبوا السحر الی ملك سليمان
مع ان ملك سليمان كان مبراء عنه
فكذلك نسبوا ما انزل علی الملكين الی السحر
مع ان المنزل عليهما كان مبراء عن السحر
وذلك لان المنزل عليهما كان هو الشرع
والدين والدعاء الی الخير وانما كانا يعلمان
الناس ذلك مع قولهما انما نحن فتنة فلا
تكفر توكيدا لبعثهم علی القبول والتمسك
وكانت طايفة تتمسك
واخری تخالف وتعدل عن ذلك
ويتعلمون منهما ای من الكفر والفتنة
مقدار ما يفرقون به بين المرء وزوجه
فهذا تقرير مذهب ابی مسلم۔ تفسير كبير
جلد ا صفحه ۴۵۲ سوره بقر*

کو منسوب کیا تھا حالانکہ سلیمان کی بادشاہت
جادو سے پاک تھی اسی طرح اُنھوں نے اُن
دونوں فرشتوں پر جو نازل ہوا تھا اُس کو
بھی جادو کی طرف نسبت کیا تھا حالانکہ جو کچھ
اُن فرشتوں پر اُترا تھا جادو ہونے سے
پاک تھا اس لئے کہ جو کچھ اُن پر اُترا تھا وہ
شرع اور دین اور نیک کاموں کی ہدایت کرتا
تھا اور اُن کا یہ کہہ کر کہ ہم فتنے ہیں تم کافر مت
ہو لوگوں کو سکھانا قبول کرنے اور ماننے پر
مبعوث ہونے کی دلیل ہے۔ ایک گروہ تھا
کہ اُس کو مانتا تھا اور دوسرا گروہ جو
مخالفت کرتا تھا اور اس بات سے ٹل جاتا
تھا اور سیکھتا تھا اُن میں سے یعنی کفر و
فتنہ میں سے اس قدر جس سے جُدائی
ڈال دے خصم جورو میں یہ بیان ہے مذہب
ابی مسلم کا*

بعض عالموں نے اور ہی معنی کیے وہ بولے کہ لفظ ما دونوں جگہ نافیہ ہے اور وما
انزل علی الملکین کا عطف ما کفر سلیمان پر ہے گویا خدا نے یہ کہا ہے کہ نہیں کافر ہوا سلیمان

کچھ شبہ نہیں کہ قرآن کی رُو سے جادو باطل ہے ✦

تفسیر القرآن

سورۃ الجنّ مکیۃ وھی ثمان وعشرون ایۃ ورکوعان

سورہ جنّ

مکّے میں اُتری اِس میں اٹھائیس آیتیں اور دو رکوع ہیں۔ اس سورۃ میں لفظ جن آیا ہے اور اِسی لفظ کے سبب اِس کا نام سورہ جن ہوا ہے۔ ہمارے قدیم عالموں اور مفسروں نے اپنی معمولی عادت کے مطابق اس سورۃ میں جو کچھ بیان ہوا ہے اُس کو بھی ایک عجیب وغریب قصہ بنالیا ہے اُن کے خیال میں آیا کہ اس مقام پر لفظ جن سے وہ مخلوق مراد ہے جس کو عوام الناس جن خیال کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ ایک ہوائی آگ کے شعلہ سے بنی ہوئی مخلوق ہے جو دکھلائی نہیں دیتی مگر طرح بطرح شکلوں میں بن جاتے اور انسانوں کے سروں پر آنے اور اُن کو تکلیف دینے یا اُن کا کام خدمت کرنے کی قدرت رکھتی ہے۔ یہ خیال صحیح ہو یا غلط مگر اس سورت میں لفظ جن سے وہ جن جو لوگوں کے خیال میں ہے ہرگز مراد نہیں ہے۔ لفظ جن لفظ اجتنان سے مشتق ہے جن کے معنی چھپے ہوئے کے ہیں اور عربی زبان کے محاورہ میں جو چیز پوشیدہ ہو اُس پر جن کا اطلاق کرسکتے ہیں یہاں تک کہ پیٹ کے بچّے کو بھی جنین اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ پیٹ کے اندر پوشید ہوتا ہے۔ مکّے کے کافروں کی عادت تھی کہ چھپ چھپ کر جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی باتیں سُنا کرتے تھے اسی طرح چند آدمیوں نے جن کا اِس سورۃ میں ذکر ہے چھپ کر جناب رسول خدا صلعم کو قرآن پڑھتے سُنا اور اُن کے دلوں پر اثر ہوا اور وہ ایمان لے آئے اور بسبب اِس کے کہ اُنہوں نے پوشیدہ ہو کر سُنا تھا اُن پر لفظ من الجنّ کا اطلاق ہوا۔ ہمارے مفسروں نے اُن کو سچ مچ کا جن بنادیا خدا تعالےٰ نے ان لوگوں کا چھپ کر قرآن سُننا اور ایمان لانا اور جو کچھ اُنہوں نے اپنی قوم کے لوگوں سے جا کر کہا آنحضرت صلعم کو وحی سے بتلا دیا ✦

اعمال کے معتقد ہیں۔ بہرحال خدا نے یہودیوں کی نسبت فرمایا کہ اُنہوں نے توریت کو پیٹھ کے پیچھے پھینکا اور اُس چیز کی پیروی کی جس کو سلیمان کے وقت میں کاڈ پڑھا کرتے تھے اور وہ یہی اعمال سحر وغیرہ تھے اور اُنہوں نے اُس چیز کی پیروی کی جس کو وہ اپنے زعم باطل میں سمجھتے تھے کہ بابل میں ہاروت و ماروت پر جو اُن کے زعم میں مثل فرشتوں کے تھے اُتاری گئی ہے حالانکہ یہ کام اور یہ زعم ان کا غلط تھا پس اس جگہ پر قرآن مجید میں جو لفظ ملکین اور وما انزل کا آیا ہے وہ حکایتاً اُن لوگوں کے خیال کے مطابق آیا ہے جو اُس کو ایسا سمجھ کر اُس کی پیروی کرتے تھے نہ حقیقتاً اور اس لئے یہ سمجھنا کہ درحقیقت وہ فرشتے تھے اور درحقیقت کوئی چیز خدا نے اُن پر نازل کی تھی صریح غلطی ہے +

اب پھر ہم اپنے مطلب کی طرف رجوع کرتے ہیں اس آیت سے اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ ہاروت و ماروت لوگوں کو عموماً سحر یا جورو خصم میں مفارقت دلوا دینے کا عمل سحر لوگوں کو سکھلاتے تھے اور یہ بات ہمارے مخالف نہیں جیسا کہ کیمیا گر کیمیا کے بہت سے نسخے بتاتے ہیں مگر یہ کہ وہ سحر برحق تھا یا موثر فی الحقیقت تھا ثابت نہیں ہوتا بلکہ اُس کے برخلاف ثابت ہوتا ہے اور اُس کی تین دلیلیں انہی آیتوں میں موجود ہیں +

اوّل یہ کہ وہ خود ہاروت و ماروت سیکھنے والوں سے کہتے تھے کہ یہ نہایت خراب کام ہے تم مت سیکھو یہ بات کچھ تعجب کی نہیں اس زمانہ میں بھی بہت سے لوگ ایسے ہیں جو کوئی برا کام جانتے ہیں مگر جب کوئی ان سے سیکھنا چاہتا ہے تو کہتے ہیں کہ خراب کام ہے کیوں سیکھتے ہو مگر جب سیکھنے والا اصرار کرتا ہے تو سکھا دیتے ہیں پس یہ کلام ہاروت و ماروت ایک عام مجراء طبعی کے موافق تھا جس سے بے حقیقت ہونا سحر کا مترشح ہوتا ہے +

دوسرے یہ کہ خود خدا نے فرمایا ہے کہ وہ کسی کو بسبب اپنے سحر کے کچھ نقصان پہنچانے والے نہ تھے اور یہ کہنا نص صریح اس بات پر ہے کہ سحر کچھ اثر نہیں تھا اور یہی معنی سحر کے باطل ہونے کے ہیں آگے جو خدا نے فرمایا کہ الا باذن اللہ اس کے یہ معنی سمجھنا کہ اُن کا سحر خدا کے حکم پر اثر کرتا تھا محض غلطی و ناسمجھی ہے کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ عامل یا جادوگر کسی کام کے لئے عمل یا جادو پڑھتا ہے اور وہ کام اُس کی خواہش کے مطابق ہو جاتا ہے اور شبہ پڑتا ہے کہ عمل یا جادو کے اثر سے ہوا ہے اس شبہ مٹانے کو خدا نے فرمایا الا باذن اللہ یعنی ایسی حالت میں جو کام ہو جاتا ہے وہ خدا کے حکم سے ہو جاتا ہے۔ کچھ جادو یا عمل کے سبب سے نہیں ہوتا +

تیسرے یہ کہ آخر میں انہی آیتوں کے خدا نے فرمایا ہے کہ جو کچھ وہ سیکھتے ہیں وہ اُن کو کچھ نفع نہیں دیتے پس اس سے زیادہ اور کیا ثبوت ہوگا کہ جادو میں کچھ اثر نہیں ہے اور یہی امر جادو کا باطل ہونا ہے پس

اِس لئے اُنہوں نے اِس مقام پر انسان اور جنات دونوں کا نام لیا پس یہ تصور نہ کرنا چاہئے کہ اِس مقام پر خدا تعالےٰ نے جنّ کی کچھ حقیقت بتائی ہے کیونکہ یہ اُن لوگوں کے قول کا بیان ہے جنہوں نے چھپ کر قرآن سُنا تھا اور ان لوگوں میں جو لوگ کفارِ عرب تھے اُنہوں نے کہا *

۶- وانہ کان رجال من الانس یعوذون برجال من الجن فزادوھم رھقاً *

۶- اور یہ بات ٹھیک ہے کہ ایسے لوگ تھے جو پناہ مانگتے تھے مرد جناتوں سے پھر اُن کی ڈھٹائی زیادہ ہوگئی تھی *

عرب کے کافروں کے جو لوگ پیشوا تھے اُن کی عادت تھی کہ جب سفر میں یا شکار میں کسی میدان میں جا کر اُترتے تو لوگوں کے دکھانے کو وہاں کے جنوں کے سردار سے پناہ مانگتے تھے اور اِس سبب سے اُن کے پیرو کافروں میں ان کی توقیر اور ان کا ادب اور ڈر بڑھ جاتا تھا اور خود اُن کے پیشواؤں کے دلوں میں تکبّر و غرور زیادہ سما جاتا تھا اسی بات کا ذکر اِس آیت میں ہے اور اُن لوگوں میں جو لوگ یہودی تھے اور یقین کرتے تھے کہ بعد حضرت موسےٰ کے کوئی پیغمبر صاحب شریعت نہ ہوگا۔ اُنہوں نے کہا *

۷- وانھم ظنوا کما ظننتم ان لن یبعث اللہ احداً *

۷- اور بے شک لوگوں نے سمجھا تھا جیسا کہ تم سمجھے ہو کہ کسی پیغمبر کو خدا انہیں بھیجیگا *

اور اُن لوگوں میں سے جنہوں نے چھپ کر رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو قرآن مجید پڑھتے سُنا تھا جو لوگ نجومی آتش پرست تھے اور ستاروں کی گردش سے سعادت و نحوست اور غیب کی باتیں سمجھتے تھے اُن لوگوں نے کہا *

۸- وانا لمسنا السّماء فوجدنٰھا ملئت حرسًا شدیدًا و شھبًا *

۸- اور بلا شبہ ہم نے ڈھونڈ ڈالا آسمانوں کو پھر ہم نے اُس کو سخت چوکیداروں اور آگ کے بھڑکتے شعلوں سے بھرا ہوا پایا *

۹- وانا کنا نقعد منھا مقاعد للسمع فمن یستمع الاٰن یجد لہ شھابا رصداً *

۹- اور بے شک ہم آسمانوں کے بیٹھنے کی جگہ میں سُننے کے لئے بیٹھتے تھے پھر اب جو کوئی سُنتا ہے تو اپنے لئے ایک بھڑکتا ہوا آگ کا شعلہ تاک میں لگا پاتا ہے *

۱۰- وانا لا ندری اشر ارید بمن فی الارض ام اراد بھم ربھم رشداً *

۱۰- اور ہم نہیں جانتے کہ بُرائی کا ارادہ کیا گیا ہے اُن لوگوں کے لئے جو زمین پر ہیں یا اُن کے پروردگار نے اُن کے لئے بھلائی کا ارادہ کیا ہے *

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۱۔ قل اُوحیَ الیّ انہ استمع نفرٌ من الجنّ فقالوا انّا سمعنا قراٰنا عجباً ✤	۱۔ کہدے اے محمدؐ کہ مجھ کو وحی سے معلوم ہوا ہے کہ چند چھپے ہوئے شخصوں نے مجھ کو قرآن پڑھتے سُنا پھر اُنہوں نے کہا کہ ہم نے ایک عجب قرآن سُنا ✤
۲۔ یھدی الی الرشد فاٰمنّا بہٖ ولن نشرک بربّنا احداً ✤	۲۔ جو اچھی بات بتلاتا ہے ہم تو اُس پر ایمان لائے اور ہرگز ہم اپنے خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرینگے ✤

جن لوگوں نے چھپ کر قرآن سُنا۔ یہودی اور عیسائی اور آتش پرست اور بُت پرست تھے۔ ہمارے ہاں کے قدیم عالم بھی اِس بات کے قائل ہیں کہ بے شک وہ چاروں مذہب والے تھے مگر اس قدر طرہ بڑھا دیا ہے کہ وہ سب جن تھے کیونکہ اُن کے نزدیک جنوں میں یہودی مذہب کے اور عیسائی مذہب کے اور آتش پرست اور بت پرست سب طرح کے جن ہیں

وذکر الحسن ان فیھم یھود او نصاریٰ و مجوسا و مشرکین۔ تفسیر کبیر صفحہ ۱۷۳ جلد ۶ ✤	چنانچہ تفسیر کبیر میں لکھا ہے۔ کہ حسن نے ذکر کیا کہ اُن میں یعنی جنوں میں یہودی اور عیسائی اور آتش پرست اور بُت پرست جن تھے۔

ہم اسی قدر کہتے ہیں کہ حضرت وہ جنّ نہ تھے آدمی تھے۔ اُن لوگوں میں جو لوگ عیسائی تھے اور حضرت عیسےٰ کو ابن اللہ جانتے تھے اُنہوں نے کہا ✤

۳۔ وانّہٗ تعالیٰ جدّ ربنا ما اتخذ صاحبۃً وّلا ولداً ✤	۳۔ اور ہمارا پروردگار بہت بڑا ہے نہ اُس نے کوئی جورو کی ہے نہ اُس کا کوئی بیٹا ہے ✤
۴۔ وانہٗ کان یقول سفیھنا علی اللہ شططاً ✤	۴۔ اور بے شک یہ بات تھی کہ ہمارے بے وقوف (یعنی اُن کے پیشوا) خدا پر جھوٹ بولتے تھے ✤
۵۔ وانا ظنناان لّن تقول الانس والجن علی اللہ کذباً ✤	۵۔ اور بے شبہ ہم یہ سمجھتے تھے کہ انسان اور جنات کبھی خدا پر جھوٹ بات نہ کہینگے ✤

جن لوگوں کا یہ قول ہے وہ یقین کرتے تھے کہ جنات بھی مثل انسان کے مخلوق ہے

یقین کیا کہ قرآن خدا کا کلام ہے اور پیغمبر پر نازل ہوا ہے اور ایک پیغمبر آخر الزمان صاحب شریعت مبعوث ہوا ہے وہ لوگ بلاشبہ یہودی تھے +

چوتھی بات اُن لوگوں نے یہ کہی کہ ہم جو بیٹھ بیٹھ کر آسمانوں میں سے غیب کی باتیں سُنتے تھے اب سُننے والوں پر شہاب ثاقب مارے جاتے ہیں۔ اِس کلام سے ثابت ہوتا ہے کہ اِس بات کے کہنے والے مجوسی آتش پرست تھے اُس فرقہ کے پیشوا نجوم پر یقین رکھتے تھے اور ستاروں کے مقامات سے غیب کی خبریں دیتے تھے اور ہر ایک کی بھلائی بُرائی بتلاتے تھے پس جن لوگوں نے قرآن مجید سُن کر اِس عقیدہ کو غلط سمجھا اور اِس پر ایمان لائے کہ نجومی جھوٹے ہیں اور غیب کی بات کوئی نہیں جان سکتا اور خُدا کو نہ کوئی ہرا سکتا ہے اور نہ اُس کو جیت سکتا ہے نہ اُس سے بھاگ سکتا ہے بلاشبہ وہ لوگ مجوسی تھے یعنے آتش پرست +

اب اِس مقام پر ایک اور بات بھی بیان کرنے کے قابل ہے۔ ہمارے قدیم عالموں نے اِن پچھلی آیتوں کو بھی بطور ایک عجیب قصہ کے بیان کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلعم کے مبعوث ہونے سے پہلے جن اور شیطان آسمان دنیا تک جاتے تھے اور چھپکے سے کان لگا کر ملاء اعلےٰ میں جو باتیں فرشتے کرتے تھے چوری سے سُن لیتے تھے اور اِس چوری سے وہ جان جاتے تھے کہ دنیا میں کیا ہونیوالا ہے اور کاہنوں اور جادوگروں اور نجومیوں وغیرہ کو جو اُن کی پوجا کرتے تھے غیب کی خبر دیتے تھے۔ جب آنحضرت صلعم مبعوث ہوئے تو شیطانوں اور جنوں کا اوپر جانا اور چوری سے ملاء اعلےٰ کی باتیں سُننا بند ہوگیا اور آسمان میں بہ نسبت سابق کے چوکی پہرہ زیادہ بڑھ گیا ہے۔ جگہ جگہ چوکیدار بیٹھ گئے اور آگ کے شعلے بھی بڑھا دئیے یہاں تک کہ کوئی جگہ خالی نہیں رہی اب جو شیطان یا جن آسمان پر باتیں سُننے جانا چاہتا ہے اُس پر شہاب ثاقب کی مار پڑتی ہے اور رات کو جو ہم ستارے ٹوٹتے دیکھتے ہیں یہ وُہی شعلہ ہائے آتشین ہیں جو شیطانوں اور جنوں کو مارے جاتے ہیں +

مگر یہ سب باتیں غلط اور لوگوں کی بنائی ہوئی ہیں۔ مذہب اسلام اور خدائے پاک کا کلام ان دور از کار قصوں سے پاک ہے اِس مقام پر اُن نجومیوں کا قول جو قرآن سُن کر ایمان لائے تھے نہایت خوبی اور فصاحت و بلاغت سے استعارے میں بیان کیا گیا ہے نجومی کہتے ہیں کہ ہم نے آسمان کو بہت ڈھونڈا یعنی اُس کے ستاروں کی گردش اور اُن کی سعادت و نحوست پر غور و فکر کی مگر اُس کو چوکیداروں اور آگ کے شعلوں سے بھرا ہوا پایا یعنے کوئی راہ ایسی نہیں پائی جس سے درحقیقت غیب کی بات دریافت کر سکیں اور جو کچھ بھلائی یا برائی انسان کے لئے ہونے والی ہے اُس کو ادل بدل کر دیں +

۱۱۔ وانا منا الصّٰلحون ومنا دون ذٰلک کنّا طرائق قددا ٭	۱۱۔ اور بے شبہ ہم میں سے نیک بھی ہیں اور ہم میں سے دوسری طرح کے بھی ہیں ہم مختلف راہوں پر ہیں ٭
۱۲۔ وانا ظننا ان لن نعجز اللہ فی الارض ولن نعجزہ ھربا ٭	۱۲۔ اور بے شک ہم نے جان لیا کہ ہرگز ہم خدا کو نہیں ہرا سکتے زمین میں اور نہ اُس کو ہرا سکتے ہیں بھاگ کر ٭
۱۳۔ وانا لما سمعنا الھدیٰ امنا بہ فمن یؤمن بربہ فلا یخاف بخسا ولا رھقا ٭	۱۳۔ اور بے شک جب ہم نے ہدایت کی بات سُنی اُس پر ایمان لائے پھر جو کوئی اپنے خدا پر ایمان لاوے تو اُس کو کسی قسم کے نقصان اور زیادتی کا ڈر نہیں ٭
۱۴۔ وانا منا المسلمون ومنا القاسطون فمن اسلم فاولئک تحروا رشدا ٭	۱۴۔ اور بے شبہ ہم میں فرمانبردار بھی ہیں اور نا فرمان بھی ہیں پھر جو کوئی فرمانبردار ہوئے تو اُنہوں نے بھلائی کا قصد کیا ٭
۱۵۔ واما القاسطون فکانوا لجھنّم حطبا ٭	۱۵۔ اور جو نا فرمان ہوئے تو وہ دوزخ کے کندے ہوئے ٭

یہاں تک جو کچھ بیان ہوا اُن لوگوں کے اقوال کا بیان تھا جنہوں نے چھپ کر قرآن سُنا تھا اور اسی بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ لوگ یہودی اور عیسائی اور آتش پرست اور بُت پرست تھے کیونکہ اُن کی باتوں میں پہلی بات یہ ہے کہ خدا تعالٰے نے نہ کوئی جورو کی ہے اور نہ اُس کے کوئی بیٹا ہے ہمارے پیشواؤں نے خدا پر تہمت لگائی تھی۔ حضرت عیسٰے علیہ السلام کو ابن اللہ یعنی خدا کا بیٹا سمجھنا عیسائیوں کا عقیدہ ہے۔ پس جن لوگوں نے اس عقیدہ کے غلط ہونے کا اقرار کیا بے شک وہ عیسائی تھے ٭

دوسری بات اُنہوں نے یہ کہی کہ انسانوں میں ایسے لوگ بھی تھے جو جناتوں سے پناہ چاہتے تھے یہ طریقہ عرب کے بُت پرست کافروں کا تھا اور جن لوگوں نے اِس عقیدہ کو قرآن سُن کر غلط سمجھا بلاشبہ وہ لوگ عرب کے بُت پرست کافر تھے ٭

تیسری بات اُنہوں نے یہ کہی کہ ہم سمجھتے تھے کہ خدا کسی پیغمبر کو نہیں بھیجنے کا۔ یہ عقیدہ یہودیوں کا تھا وہ سمجھتے تھے کہ جو شریعت موسٰے کو دی گئی ہے وہ ابدی ہے اب کوئی پیغمبر صاحب شریعت مبعوث نہیں ہونے کا جن لوگوں نے قرآن سُن کر اس عقیدہ کو غلط جانا اور اِس بات پر

١٧- لنفتنهم فيه ومن يعرض عن ذكر ربه يسلكه عذابا صعدا ✦

١٧- تاکہ اُس میں اُن کو آزماتے اور جو مُنہ موڑے اپنے پروردگار کی یاد سے ڈالیگا اُس کو بڑھنے والے عذاب میں ✦

١٨- وان المسجد لله فلا تدعوا مع الله احدا ✦

١٨- اور مسجدیں اللہ کے لئے ہیں پھر اللہ کے ساتھ کسی کو مت پکارو ✦

١٩- وانه لما قام عبد الله يدعوه كادوا يكونون عليه لبدا ✦

١٩- اور جب خدا کا بندہ کھڑا ہوا کہ پکارے اپنے اللہ کو تو اُس پر غول پر غول چڑھنے کو ہوئے ✦

٢٠- قل انما ادعوا ربي ولا اشرك به احدا ✦

٢٠- کہدے کہ میں تو اپنے ہی پروردگار کو پکارتا ہوں اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا ✦

٢١- قل اني لا املك لكم ضرا ولا رشدا ✦

٢١- کہدے کہ میرے اختیار میں تمہارے لئے نہ بُرا کرنا ہے اور نہ بھلا کرنا ✦

٢٢- قل اني لن يجيرني من الله احد ولن اجد من دونه ملتحدا ✦

٢٢- کہدے کہ بے شک خدا سے مجھے کوئی نہ بچاویگا اور نہ میں اُس کے سوا کوئی جگہ پناہ کی پاؤنگا ✦

٢٣- الا بلغا من الله ورسلته ومن يعص الله ورسوله فان له نار جهنم خالدين فيها ابدا ✦

٢٣- سوائے پہنچانے خدا کے حکموں اور اُس کے پیغاموں کے اور جس نے خدا کی اور اُس کے رسول کی نافرمانی کی تو اُن کے لئے جہنم کی آگ ہے ہمیشہ اُس میں رہینگے ✦

٢٤- حتى اذا راوا ما يوعدون فسيعلمون من اضعف ناصرا واقل عددا ✦

٢٤- یہاں تک کہ جب دیکھینگے کہ وُہی ہوا جو اُن سے کہا گیا تھا تب جانینگے کہ کس کے مددگار کمزور ہیں اور گنتی میں بھی کچھ نہیں ✦

٢٥- قل ان ادري اقريب ما توعدون ام يجعل له ربي امدا ✦

٢٥- کہدے کہ میں نہیں جانتا کہ جو وعدے تم سے کئے گئے ہیں کیا وہ قریب ہونے والے ہیں یا میرا پروردگار اُن کو کردیگا دور دراز ✦

٢٦- علم الغيب فلا يظهر على غيبه احدا ✦

٢٦- وہ غیب کی بات جانتا ہے پھر اپنی غیب کی بات کسی کو نہیں جتلاتا ✦

لفظ لمس جو قرآن مجید میں آیا ہے اُس کے معنی چھونے کے ہیں مگر اُس سے ڈھونڈنے کا مطلب لیا جاتا ہے چنانچہ تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ لمس کے معنی چھونے کے ہیں اُس سے

اللمس المس فاستعیر للطلب	مراد لی گئی ہے ڈھونڈنا تلاش کرنا کیونکہ چھونیوالا
لان المماس طالب متعرف یقال لمسه	بھی تلاش کرنے والا اور دریافت کرنے والا ہوتا
والتمسه ✦	ہے عربی زبان میں چھولیا بمعنی ڈھونڈ لیا بولا

جاتا ہے۔ جناب مولوی عبد القادر صاحب نے اِس کا ٹٹولنا نہایت عمدہ ترجمہ کیا ہے کیونکہ اُردو زبان میں ٹٹولنا چھوکر دریافت کرنے اور صرف کسی بات کے دریافت کرنے دونوں پر بولا جاتا ہے اسی طرح لفظ لمس عربی محاورہ میں دونوں پر بولا جاتا ہے مگر ہم نے بنظر مزید توضیح ڈھونڈنا ترجمہ اختیار کیا ہے پس جن لوگوں نے کہ لفظ لمس پر خیال کر کر یہ قصہ بنا لیا ہے کہ جن و شیطان آسمان تک جاتے تھے اُنہوں نے محض غلطی کی ہے ✦

اب وُہی نجومی کہتے ہیں کہ ہم بہت بیٹھ بیٹھ کر آسمانوں کی باتیں سُنا کرتے تھے یعنی اُس کے ستاروں کی گروش سے غیب کی باتیں سمجھا کرتے تھے مگر اب اِس قرآن کو سُننے اور ایمان لانے کے بعد ہم کو یہ یقین ہوا ہے کہ جو کوئی نجوم سے غیب کی بات دریافت کرتا ہے تو اُس کے لئے بجز آگ کے بھڑکتے ہوئے شعلہ کے اور کچھ نہیں ہے یعنی کوئی چیز غیب کی دریافت نہیں کر سکتا اور کوئی نہیں جان سکتا کہ خدا کا کیا ارادہ ہے بھلائی کا یا بُرائی کا۔ اس بیان سے صرف اِس قدر مطلب ہے کہ علم نجوم کے ذریعہ سے غیب کی بات دریافت کرنے کا درحقیقت رستہ بند ہے کسی طرح خدا کی بات دریافت نہیں ہو سکتی۔ خدا سے نہ کوئی جیت سکتا ہے نہ اُس کی مشیّت سے بھاگ سکتا ہے۔ پس اِن باتوں کو ہم قرآن سے سُن کر اُس پر ایمان لے آئے قرآن مجید کا صاف صاف یہ مطلب ہے جس کو لوگوں نے عوام الناس کے سامنے عجیب عجیب باتیں کہنے کے لئے ایک ایسا قصہ بنایا ہے جس پر کوئی ذی عقل یقین نہیں کر سکتا مگر غور کرنے سے ہر ذی عقل سمجھ سکتا ہے کہ یہ صرف ایک ساختہ قصہ ہے قرآن مجید کا یہ مطلب نہیں ہے۔ مفسرین کی گھڑت ہے کہ ایک لفظ کی مناسبت سے اُس کے تمام لوازمات کو اکٹھا کر کر ایک خیالی قصہ بنا لیتے ہیں ✦

اب خدا تعالےٰ نے اِس قصہ کو بیان فرما کر تمام لوگوں کی ہدایت کی طرف توجّہ فرمائی اور آنحضرت صلعم کو لوگوں میں وعظ فرمانے کی طرف متوجہ کیا اور آنحضرت کو فرمایا کہ ✦

۱۶- وان لو استقاموا علے الطریقة لاسقینٰهم ماءً غدقا ✦	۱۶- اے محمدؐ تو لوگوں سے کہدے کہ مجھ پر تو وحی آئی ہے کہ اگر لوگ سیدھی راہ پر قائم رہتے تو ہم اُن کو پیٹ بھر کر پانی پلاتے ✦

میں پھیلی اور بہت سے آدمی اور جانور چیچک سے مر گئے اور سارا لشکر تباہ ہو گیا اسی واقع کا ذکر اللہ تعالےٰ نے اِس سورۃ میں فرمایا ہے ٭

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

۱- الم تر کیف فعل ربک باصحاب الفیل ٭	۱- کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے خدا نے ہاتی والوں کے ساتھ کیا کیا ٭
۲- الم یجعل کیدھم فی تضلیل ٭	۲- کیا اُن کے فند کو بیکار نہیں کیا ٭
۳- وارسل علیھم طیراً ابابیل ٭	۳- اور بھیجے اُن پر وبالوں کے غول ٭
۴- ترمیھم بحجارۃ من سجیل ٭	۴- جو اُن پر پتھر (یعنی آفت) ڈالتے تھے جو اُن کے لئے لکھے ہوئے تھے ٭
۵- فجعلھم کعصف ماکول ٭	۵- پھر کر دیا اُن کو جیسے کرڑ کھائی کھیتی ٭

اس سورۃ میں چند لفظ ایسے ہیں جن کے سبب سے لوگوں نے دھوکا کھایا ہے اور اصلی بات کو چھوڑ کر قصہ بنا لیا ہے اِس لئے ان لفظوں کی تحقیق ضرور ہے ٭

طیراً کا لفظ جو اِس میں ہے وہ لفظ طایر کی جمع ہے مگر مفرد پر بھی اطلاق ہوتا ہے جیسکہ صراح میں لکھا ہے وقد یقع الطیر علی الواحد جیسا کہ قرآن میں بھی اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے فیکون طیراً باذن اللہ پس طیراً اور طایر دونوں کے ایک معنی ہیں ٭

ان دونوں لفظوں کے لغوی معنی پرند جانور کے ہیں مگر شومی اور وبال اور بدفالی اور بدشگونی پر بھی اُن کا اطلاق ہوتا ہے اس کا سبب یہ ہے کہ عرب والے پرند جانوروں کے اُڑنے سے شگن و بدشگن لیا کرتے تھے اس لئے جب کسی پر آفت آتی تھی تو کہتے تھے کہ جری لفلان الطایر بکذا[۱] یعنی اس کی چڑیا اسی طرح پر اُڑی ہے پس اس سبب سے طایر کا لفظ بھی وبال اور شامت پر اطلاق ہونے لگا ٭

لغات قرآن میں اس آیت کی تفسیر کہ طایرکم معکم یہ لکھی ہے کہ ای شومکم من عند انفسکم یعنی تمہاری چڑیا تمہارے ساتھ ہے اِس کے معنی یہ ہیں کہ تمہارا وبال تمہاری ہی ذات سے ہے اور تفسیر ابن عباس میں بھی طایرکم کے معنی مصائبکم کے لکھے ہیں یعنی تمہاری چڑیا سے تمہاری مصیبتیں مراد ہیں ٭

طیر کا لفظ بھی اِن ہی معنوں میں مستعمل ہوتا ہے چنانچہ صراح میں لکھا ہے کہ منہ قولہم

---

[۱] لغات القرآن ٭

۲۷- الا من ارتضی من رسول فانہ یسلک من بین یدیہ ومن خلفہ رصدا ٭	۲۷- سوائے اُس کے جس کو پیغمبر کرنا پسند کرتا ہے پھر وہی رکھتا ہے اُس کے آگے اور اُس کے پیچھے نگہبانی ٭
۲۸- لیعلم ان قد ابلغوا رسلٰت ربہم واحاط بما لدیہم واحصٰی کل شیئ عددا ٭	۲۸- تاکہ جان لے کہ بے شک اُنہوں نے اپنے پروردگار کے پیغام پہنچا دیئے اور گھیر لیا ہے اُس چیز کو جو اُن کے پاس ہے اور گن لیا ہے ہر چیز کو ایک ایک کرکے ٭

سورۃ الفیل مکیۃ وھی خمس آیات

سورہ فیل

مکہ میں اُتری اس میں پانچ آیتیں ہیں۔ اِس سورۃ میں لفظ فیل آیا ہے اور اِس سبب سے اس کا نام "سورۃ فیل" ہوا ہے یعنی وہ سورۃ جس میں ہاتی کا نام ہے یا ہاتی والوں کا قصہ ہے ٭

ابرھۃ الاشرم یمن کا بادشاہ جو عیسائی مذہب رکھتا تھا اُس نے کعبہ کے ڈھانے کے ارادہ سے مکہ پر چڑھائی کی تھی۔ اللہ تعالےٰ نے اُس کو اور اُس کے لشکر کو برباد کردیا وُہی قصہ اللہ تعالےٰ نے اِس سورۃ میں فرمایا ہے ٭

مفسرین کی عادت ہے کہ اصل بات کو بڑھا کر کچھ کا کچھ کردیتے ہیں۔ اسی طرح اِس اصلی واقع کو بھی کہانی کی صورت پر بنا لیا ہے اور اپنی تفسیروں میں اِس طرح لکھا ہے کہ جب ابرہہ کا لشکر ہاتیوں سمیت کعبہ کے پاس آیا تو اللہ تعالےٰ نے ایک قسم کے پرند جانوروں کو حکم دیا کہ مسور یا چنے کے دانہ کے برابر ایک کنکری چونچ میں اور ایک ایک دونوں پنجوں میں لے کر جاؤ اور ابرہہ کے لشکر پر چھوڑ دو۔ اُن پرندوں نے ایسا ہی کیا اور کنکری جس کے سر پر پڑی پار نکل گئی سارا لشکر برباد ہوگیا۔ اور اِس قصہ کے لئے کچھ بے اصل روایتیں بھی گھڑلی ہیں اور لفظی مناسبت سے تمام اُس کے لوازمات از خود خیال کرلئے ہیں۔ قرآن مجید میں اِس طرح پر یہ قصہ نہیں ہے بلکہ قرآن مجید سے صرف اس قدر پایا جاتا ہے کہ ابرہہ کے لشکر پر ایک آفت پڑی اور وہ برباد ہوگیا۔ اُس آفت کا ذکر قرآن مجید میں نہیں ہے مگر قرآن مجید کی سیاق عبارت سے اور تاریخی واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ آفت وبائے چیچک کی بیماری تھی جو ابرہہ کے لشکر میں دفعتہً زمانہ محاصرۂ مکہ

سجل ای مما کتب لہم انہم یعذبون بہا قال اللہ تعالیٰ ما ادراک ما سجین کتاب مرقوم والسجیل بمعنی السجین قال الازہری ہذا احسن مما مر فیہا عندی یعنی من سجیل کے معنی ہیں سجل کے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ جس چیز سے خدا نے اُن کے لئے لکھا تھا کہ عذاب دئے جاوینگے خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ کیا جانتا ہے تو اے محمدؐ کہ کیا ہے سجین وہ لکھی ہوئی کتاب ہے اور سجیل کے بھی وُہی معنی ہیں جو سجین کے ہیں اور ازہری کا قول ہے کہ یہی معنی میرے نزدیک سجیل کے لفظ کے اُن سب معنوں سے بہتر ہیں جو اوپر گذرے پس اب معنی بالکل صاف ہوگئے اور اسی لئے ہم نے سجیل کا ترجمہ "جو اُن کے لئے لکھے ہوئے تھے" کیا ہے *

لفظ عصف کے معنی ہیں خراب ہوئی یا روندی ہوئی یا کٹی ہوئی یا چری ہوئی یا کیڑے کھائی ہوئی زراعت کے خواہ اُس کے پتوں کا یہ حال ہوگیا ہو خواہ بالوں کا خواہ پتوں اور بالوں دونوں کا۔ تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ والاحتمال الثانی علی ہذا الوجہ ان یکون التشبیہ واقعا بورق الزرع اذا وقع فیہ الاکال وہو ان یاکلہ الدود یعنی تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ یہ تشبیہ ہے کھیتی کے پتوں سے جن میں کیڑا لگ گیا ہو اور اُس کو کیڑوں نے کھا لیا ہو اور اسی سبب سے ہم نے کعصف ماکول کا ترجمہ کیا ہے "جیسی کہ کھائی کھیتی" *

قاموس اور صراح میں لکھا ہے کعصف ماکول ای کزرع قد اکل حبہ وبقی تبنہ *
یعنی قاموس و صراح میں لکھا ہے کہ عصف ماکول کے معنی ایسی کھیتی کے ہیں جس کے دانے کھا لئے ہوں اور ڈنٹھل باقی رہ گئے ہوں *

بیان القصہ

عرب کی مُلکی روایتوں میں یہ قصہ تواتر کو پہنچ گیا ہے اور جس زمانہ میں یہ واقع ہوا اُس زمانہ سے عرب میں ایک نئے سنہ کا شمار کیا جاتا ہے جس کو عام الفیل کہتے ہیں اور اس واقعہ کے بعد اسی سال میں جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے ہیں اور قصہ یہ ہے کہ ابرہۃ الاشرم الحبشی مسکوم عیسائی مذہب اور یمن کا حاکم تھا اُس نے جرجنتیو اُسقف کی تحریک سے جس کو اسکندریہ کے بطریق نے بھیجا تھا صنعاء یمن میں ایک کلیسیا بنوایا اور چاہا کہ اہل عرب مکہ کا حج چھوڑ دیں اور اس کلیسیا کا حج کیا کریں مکہ والوں نے نہ مانا تب ابرہہ نے ۵۷۰ء میں مکہ پر اس ارادہ سے چڑھائی کی کہ کعبہ کو مسمار کردے اور ابرہہ کے ساتھ کعبہ کے مسمار کرنے کے لئے ہاتی بھی تھے اسی سبب سے وہ لوگ اصحاب الفیل کہلانے لگے اور وہ برس جس میں چڑھائی ہوئی عام الفیل کے

لا طیر الا طیر اللہ پس اِس مقام پر اِس سورۃ میں طیر کے لفظ سے وبال اور مصیبت مراد ہے جو ابرہہ کے لشکر پر پڑی مگر چونکہ اِس لفظ کے معنی پرند جانور کے بھی ہیں اِس لئے لوگوں نے اُس کے لئے کہانی بنالی ہے ٭

ابابیل سے وہ پرند جانور مراد نہیں ہے جو گھروں کی چھت میں یا پُرانے مکانوں میں پروں کا گھونسلا بنا کر رہتے ہیں اور شام کو مغرب کے وقت اُڑتے ہیں بلکہ اِس لفظ کے معنی کثرت کے ہیں چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے بھی فوج فوج اس کا ترجمہ کیا ہے اور شاہ رفیع الدین صاحبؒ نے جماعت جماعت اور شاہ عبد القادر صاحبؒ نے تنگ تنگ ٭

تفسیر معالم التنزیل میں ہے ابابیل کثیرۃ متفرقۃ یتبع بعضہا بعضاً یعنی ابابیل کہتے ہیں بہت سی متفرق چیز کو جو ایک دوسرے کے پیچھے ہو اور اِسی سبب سے ہم نے ابابیل کا ترجمہ غول کیا ہے ٭

حجارۃ۔ ایک یہ لفظ ہے جس کے سبب سے لوگوں نے یہ قصہ گھڑ لیا ہے یہ جمع ہے حجر کی اور لغوی معنی اس کے پتھر کے ہیں اور لفظ ترمیہم جو اُس کے ساتھ ہے تو اُس سے اور بھی لوگوں کو یہ خیال جم گیا کہ وہ پرند جانور پتھر مارتے تھے۔ مگر بات یوں نہیں ہے اصل یہ ہے کہ پتھر مارنے سے مراد مصیبت ڈالنا ہے اُردو محاورہ میں بولتے ہیں کہ پتھر پڑے ہیں یعنی آفت پڑی ہے۔ عرب میں بھی یہ محاورہ ہے چنانچہ قاموس میں لکھا ہے رومی بحجارۃ الارض ای بداھیۃ یعنی زمین کے پتھر ڈالے گئے یعنی مصیبت میں مبتلا ہوا ٭

وفی حدیث الاحنف قال علی حین ندب معاویۃ عمرواً للحکومۃ لقد رمیت بحجر الارض ای بداھیۃ عظیمۃ تثبت ثبوت الحجر فی الارض نہایہ ابن اثیر و مجمع بحار الانوار ٭

یعنی نہایہ ابن اثیر اور مجمع بحار الانوار میں لکھا ہے کہ جب معاویہ نے عمر بن العاص کو عامل کرنے کے لئے بلایا تو حضرت علیؑ نے فرمایا کہ اُس پر زمین کے پتھر مارے گئے یعنی اٹل مصیبت پڑی جیسے کہ پتھر زمین سے اٹل ہوتا ہے ٭

لفظ سجیل۔ جبکہ مفسرین نے لفظ حجارۃ سے اُس کے لغوی معنی پتھر کے لئے تو لفظ سجیل کے بھی اُنہوں نے پتھر کے معنی لئے یعنی مٹی کے پتھر اور اِس لئے شاہ عبد القادر صاحبؒ نے اِس کا ترجمہ کنکر کر دیا ہے یعنی وہ اینٹیں جو پزاوہ میں گل جاتی ہیں اور ایک دوسرے سے مل کر ڈھم ہو کر بہت سخت ہو جاتی ہیں ٭

مگر سجیل یعنی سجل بھی آیا ہے چنانچہ قاموس میں لکھا ہے۔ قولہ تعالیٰ من سجیل ای من

پنجم۔ ثعلبی نے کتاب العرایس کے باب قصۂ اصحاب الفیل میں لکھا ہے" وولی ابرھۃ ومن معہ ھاربا فجعل ابرھۃ یسقط عضواً عضواً حتی مات ٭٭ وھو اول وقت رئی الجدری والحصبۃ یعنی بھاگ گیا ابرہہ اور جو لوگ کہ اُس کے ساتھ تھے اور ابرہہ کے اعضا گل گل کر گرتے تھے یہاں تک کہ مر گیا ٭٭ اور یہ پہلا وقت ہے جو چیچک کی بیماری نمودار ہوئی ٭

ششم۔ تفسیر صافی میں ہے فجعلت ترمیہم بہا حتی جدرت اجسامھم فقتلھم بہا وما کان قبل ذالک رئی شیئ من الجدری یعنی پتھر مارتے تھے یہاں تک کہ اُن کے بدنوں میں چیچک نکل آئی اُسی نے اُن کو مار ڈالا اور اُس سے پہلے چیچک کی بیماری نمودار نہیں ہوئی تھی ٭

ہفتم۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے فما لقی احد منھم الا اخذتہ الحکۃ وکان لا یحک الانسان منھم جلدہ الا تساقط لحمہ یعنی اُن میں سے جس کو پتھر لگا اُس کے بدن میں کھجلی پیدا ہوئی اور اُن میں سے جو شخص کھجلاتا تھا اُس کا گوشت اُتر پڑتا تھا۔ یہ حالت خاص چیچک کی بیماری کی ہے ٭

ہشتم۔ کشاف میں ہے عن عکرمۃ من اصابتہ جدرتہ وھو اول جدری ظہر یعنی عکرمہ کا قول ہے کہ وہ پتھر جس کو لگا اُس کو چیچک نکل آئی اور وہی زمانہ تھا جس میں پہلے پہل چیچک نکلی ٭

نہم۔ تفسیر کبیر میں لکھا ہے روی عکرمۃ عن ابن عباس قال لما ارسل اللہ الحجارۃ علی اصحاب الفیل لم یقع حجر علی احد منھم الا نفط جلدہ واثار بہ الجدری وھو قول سعید ابن جبیر یعنی تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ عکرمہ نے ابن عباس کا قول نقل کیا کہ جب اللہ تعالےٰ نے اصحاب فیل پر پتھر ڈالے تو جس شخص پر پتھر پڑا اُس کی جلد پھد پھدا اُٹھی اور چیچک کا زور ہو گیا اور یہ قول سعید ابن جبیر کا ہے ٭

دہم۔ گبن کی تاریخ رومیہ (باب ۵۰) کے حاشیہ پر ولیم اسمتھ نے اور ترجمہ انگریزی قرآن کے سورۃ الفیل کے حاشیہ پر راڈول نے رلیسک کی کتاب معالجات عرب اور ہمر گیمل دلسان کی کتاب سے نقل کیا ہے کہ عرب میں اول مرتبہ چیچک کا مرض ابرہہ کی چڑھائی کے وقت نمودار ہوا تھا ٭

یہ روایتیں بالکل یقین دلاتی ہیں کہ ابرھہ کے لشکر پر جو آفت پڑی وہ بلاشک چیچک کی وبا تھی ٭

نام سے مشہور ہوا جبکہ اُنہوں نے مکہ معظمہ کا محاصرہ کیا اُن میں ایک سخت وبا چیچک کی پھیلی اور ابرہہ اور اُس کا تمام لشکر اِس وبا سے ہلاک اور برباد ہو گیا اور محاصرہ چھوڑ کر بھاگ گیا اور جو کہ ایسے وقت میں اِس وبا کا واقع ہونا مکہ معظمہ کے محفوظ رہنے کا سبب ہوا اُسی کا ذکر خدا تعالےٰ نے اِس سورۃ میں فرمایا ہے *

تحقیق القصہ

اب ہم کو یہ بات کہ جب مکہ معظمہ کا محاصرہ ابرہۃ الاشرم نے کیا تو درحقیقت اُس کے لشکر میں چیچک کی وبا پھیلی تھی ثابت کرنا باقی رہا ہے اور یہ بھی بیان کرنا ہے کہ اِس سورۃ میں خدا تعالےٰ نے بھی اُسی واقعہ کا ذکر کیا ہے نہ اور کسی قصہ کا۔ پس اَب ہم اوّل امر کو مفصلہ ذیل دلیلوں سے ثابت کرتے ہیں *

اوّل۔ سیرت ہشامی میں لکھا ہے واصیب ابرھۃ فی جسدہ وخرجوا بہ معہم یسقط انملۃ انملۃ کلما سقطت منہ انملۃ اتبعہا منہ مدۃ تمت قیحا ودما حتّٰی قدموا بہ صنعاء وھو مثل یعنی ابرہہ کے بدن میں بیماری ہو گئی اُس کی اُنگلیاں گرنے لگیں اُن میں سے پیپ اور خون بہتا تھا یہاں تک کہ جب صنعاء میں آیا تو لنجا تھا اِس کیفیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ چیچک کی بیماری میں ابرہہ بھی مبتلا ہوا تھا *

دوم۔ سیرت ہشامی میں لکھا ہے۔ قال ابن اسحاق وحدثنی عبداللہ بن ابی بکر عن عمرۃ بنت عبدالرحمٰن بن اسعد بن زرارۃ عن عائشۃ قالت رایت قائد الفیل وسائسہ بمکۃ اعمیین مقعدین یستطعمان یعنی حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ اُنہیں نے کہا دیکھا ابرہہ کے فیلبان اور چوکٹے کو مکہ میں کہ وہ اندھے ہو گئے تھے۔ اِس روایت میں بھی جو کیفیت مندرج ہے اُس سے بھی صاف پایا جاتا ہے کہ چیچک کی بیماری سے وہ اندھے ہو گئے تھے *

سوم۔ سیرت ہشامی میں لکھا ہے قال ابن اسحاق وحدثنی یعقوب بن عینیہ انہ حدث ان اول ما رویت الحصبتہ والجدری بارض العرب ذلک العام یعنی سیرت ہشامی میں لکھا ہے کہ ابن اسحاق نے کہا کہ یعقوب ابن عینیہ نے یہ بات کہی کہ ملک عرب میں اسی برس پہلے پہل چیچک کی بیماری نمودار ہوئی *

چہارم۔ واقدی میں لکھا ہے فکان ذٰلک اوّل ما کان الجدری والحصبۃ یعنی یہی وقت تھا کہ پہلے پہل چیچک کی بیماری ہوئی *

ظاہر ہونے سے نہیں ہے بلکہ اُس کی بزرگی صرف اِس وجہ سے ہے کہ خاص خدا کا نام پکارنے کو ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھ سے بنایا گیا تھا ٭

اِس سورت میں بھی خدا تعالےٰ نے یہ واقع کچھ کعبہ کی کرامات ثابت کرنے کو نہیں بیان کیا بلکہ اپنی قدرت کاملہ کی ایک شان بیان کی ہے۔ تمام قدرتیں خدا تعالےٰ کے قوانین قدرت کے طور پر ظہور میں آتی ہیں انسان کا پیدا کرنا درختوں کا پیدا کرنا۔ پھول پھل کا پیدا کرنا سب قوانین قدرت کے مطابق ہوتا ہے لیکن اُن سب میں اظہار قدرت اور شان خدا تعالےٰ کی ہوتی ہے اِسی طرح اِس واقع میں بھی جو قوانین قدرت کے مطابق واقع ہوا خدا تعالےٰ کی شان اور قدرت پائی جاتی ہے جس کا ذکر خدا تعالےٰ نے انسان کی نصیحت کو اس سورۃ میں فرمایا ہے ہاں البتہ اس بیان سے کعبہ معظمہ کی یہ عزت ثابت ہوتی ہے کہ جس واقع سے کعبہ محفوظ رہا خدا نے بطور اظہار اپنی شان و قدرت کے اُس کا ذکر کیا مگر ڈلفی کے مندر کا کبھی نام بھی نہیں لیا ٭

کافر

اگلے زمانہ میں بھی گذرے ہیں

اِن دنوں میں جناب مولوی محمد مسیح الدین خان بہادر رئیس کاکوری علاقہ لکھنؤ کے کتب خانہ سے ایک تفسیر مسمّی بہ "کشف الاسرار" ہمارے ہاتھ آئی ہے۔ اُس کتاب کا اور اُس کے مصنف کا حال ہم پھر کبھی لکھینگے اس وقت اُس سے جو تفسیر اُن آیتوں کی لکھی ہے جن کی تفسیر میں ہمارے زمانہ کے احباب ہم کو کافر بتاتے ہیں بعینہ اس مقام پر لکھتے ہیں اور دکھاتے ہیں کہ اگلے زمانہ کے مفسر بھی کافر تھے ٭

اِس تفسیر کے مصنف کا ہم ابھی نام نہیں بتاتے جب خوب اُس کی تکفیر کے فتوے ہو لینگے تب نام بتا دینگے ٭

سورۃ النّساء

اِس مفسر نے حضرت عیسیٰؑ کی نسبت تین باتیں قریب قریب اُسی کے بیان کی ہیں جو ہم کہتے ہیں ٭

اب ہم بیان کرتے ہیں کہ قرآن مجید سے بھی اسی واقعہ کے ہونے کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے *

اوّل - بڑی عمدہ تشبیہ جو قرآن مجید میں ابرہہ کے لشکر کی عصف مأکول سے دی گئی ہے وہ بالکل مرض چیچک کی پوری تشبیہ ہے کیونکہ چیچک کی بیماری میں بھی انسان کا بدن کیڑے کھائی ہوئی چیز کے بالکل مشابہ ہوجاتا ہے *

دوم - حجر کا لفظ بھی اس مرض کی طرف اشارہ کرتا ہے اس لئے کہ حجر و حصبہ کے ایک معنی ہیں اور حصبہ چیچک کے مرض کو کہتے ہیں *

سوم - سجیل سے بھی اگر وہی مراد لی جاوے جو مفسرین نے لی ہے یعنی دوزخ کی آگ میں پکی ہوئی کنکریاں تو وہ بھی چیچک کے دانوں کے نہایت مناسب ہے *

چہارم - ابابیل کا لفظ بھی اس مرض کی حالت سے نہایت مناسبت رکھتا ہے اس لئے کہ ابابیل ایسی کثرت کو کہتے ہیں جو گروہ گروہ میں پے در پے ہو - مرض چیچک کا بھی یہی حال ہوتا ہے کہ ایک غول آج اس مرض میں مبتلا ہوا دوسرا غول کل اور علیٰ ہذا القیاس *

پس قرآن مجید میں جس آفت کا ابرہہ پر نازل ہونا مذکور ہوا ہے اگرچہ اُس کا نام نہیں لیا گیا مگر اُس کے الفاظ اور اُس کی تشبیہیں مرض چیچک سے ایسی مناسب ہیں کہ اُس سے صاف مرض چیچک کی وبا کا ابرہہ کے لشکر میں واقع ہونا پایا جاتا ہے *

جواب اعتراض ملاحدہ

اب اس مقام پر کوئی ملحد یہ اعتراض کر سکتا ہے کہ اگر یہ واقعہ وقوع میں آیا تو اس سے کعبہ کی کچھ بزرگی اور کرامات ثابت نہیں ہوتی کیونکہ یہ ایک اتفاقی واقع تھا اور ایسے واقعے دنیا میں بہت ہوا کرتے ہیں چنانچہ ہیروڈوٹس کی تاریخ سے جو چار سو برس بیشتر حضرت مسیح کے تھا ثابت ہوتا ہے کہ ڈلفی کے مندر پر جو یونان میں تھا ایک دفعہ ایرانیوں نے پانچ سو برس قبل مسیح کے چڑھائی کی جب اُس کے قریب پہنچے تو آسمان پر سے بجلی گری اور مندر کے بعض مکانات گرے اور ایرانی اُس میں دب کر مر گئے اور باقی خوف سے بھاگ گئے اور پھر تین سو برس بیشتر گال والوں نے اُس پر چڑھائی کی اور اسی طرح ایک عجیب واقعہ سے جس کا ذکر پاسانیاس نے لکھا ہے گال والے پس پا ہوگئے پس اِس واقع کے ہونے سے کعبہ کی کیا کرامت ثابت ہوتی ہے *

مگر ایسا اعتراض کرنا اعتراض کرنے والوں کی غلطی ہے کعبہ کی بزرگی کسی کرامت کے

وقد اشتبہ ایضا و قد نسب الضمیر
الیٰ عیسیٰ اعنی اشار الیہ فلزم ان لا یقول
شیئا من ذلک فقولہ شبہ بہذہ العبارۃ
وما بعدھا یدل علی ما نقلہ الجبائی انہ
لما رفع عیسیٰ علیہ السلام خاف روساء
الیہود من اتباع الیہود لعیسیٰ ومیلہم
الی من مال معہ منہم فعمد وا الی رجل
فقتلوہ وصلبوہ علی مکان عال بعد
قتلہ ولم یمکنوا احدا من الدنو منہ
فتغیرت وتنکرت صورتہ وقالوا قتلنا
عیسیٰ وموھوا علی بقیۃ قومہم فاختلفوا
" وان الذین اختلفوا فیہ لفی شک منہ "
وذلک انہ من حین رفع " ما لہم بہ من
علم الا اتباع الظن وما قتلوہ " ثم قال
" یقینا " فہم عن یقین منہم اعنی من
ادعی قتلہ تیقن انہم ما قتلوہ وھم
الذین شبہوا البقیۃ الناس منہم وبقیۃ
الناس ھم الذین شبہ لہم رجل بعیسیٰ
ممن قد کان یشبہہ فجاءت العبارۃ منبئۃ
بصورۃ الواقعہ ولو شبہ اللہ لہم
انسانا بعیسیٰ فقتلوہ لم یکن قولہم انا
قتلنا المسیح بعجبۃ ولا کذبا اذ لو اتی انسان
امراۃ تشبہ زوجتہ بحیث لا یشک فیہا
لم یکن زانیا وقولہ تعالیٰ ما قتلوہ وما
صلبوہ دل علی انہم قتلوا انسانا اولا
ثم صلبوہ بعد القتل وھذا بقصد منہم
ولہذا لم یقل اشتبہ فانہ لم یشتبہ

بدل دینے کے سوا اَور طرح پر بھی بچا سکتا تھا
اور اگر یوں کہا جاتا کہ اللہ تعالےٰ نے مشابہ
کر دیا تو ثابت ہوتا کہ کُل یہودیوں کے لئے
مشابہ کر دیا تھا اور جو چیز کہ اِس طرح پر مشابہ ہو جاوے
تو یہ کہنا کہ وہ چیز نفس الامر میں وُہی ہے جائز
ہوگا کیونکہ مشابہ ہو گئی ہے جس طرح کہ جائز ہے
کہ وہ اور ہو اور مشابہ ہو گئی ہو اور اِس کلام
میں عیسےٰؑ ہی کی طرف نسبت ہے یعنی اُنہیں
کی طرف اشارہ ہے تو لازم آیا کہ ان دونوں طرح
نہ کہتا کہ عیسےٰؑ کی سی صورت بنا دی تھی یا مشابہ
کر دیا تھا اللہ نے اُن کے لئے پس خدا تعالےٰ کا
اس طرح کہنا کہ لوگوں کے لئے صورت بنا دی
اور جو اس کے بعد ہے دلالت کرتا ہے اُسی پر
جو جبائی نے نقل کیا ہے کہ جب عیسےٰؑ اُٹھائے
گئے تو سرداران یہود نے اس خوف سے کہ
یہود عیسےٰؑ کے پیرو نہ ہو جاویں اور ان کی طرف
نہ جھک جاویں جو عیسےٰؑ کی طرف مائل ہیں یہ
قصد کیا کہ ایک آدمی کو مار کر اونچے صلیب
پر لٹکا دیا اور کسی کو اُس کے پاس نہ آنے دیا
جب کہ بگڑ گیا اور صورت بدل گئی تو اپنی باقی
قوم سے کہا کہ ہم نے عیسےٰؑ کو مار ڈالا اور دھوکہ
دیا اپنی باقی قوم کو پس اُن میں آپس میں جھگڑا
ہوا اور جو اُس میں جھگڑ رہے ہیں وُہ تو
البتہ شک میں ہیں اور اس لئے شک میں ہیں کہ
جن سے عیسےٰؑ اُٹھائے گئے اُن کو کچھ علم نہیں
ہے مگر ظن کی پیروی کرتے ہیں اور عیسےٰؑ کو
نہیں مارا ہے پھر کہا یقیناً یعنی اُن کو تو یہ

اوّل یہ کہ خدا نے کسی دوسرے شخص کی صورت حضرت عیسےٰؑ کی صورت کے مشابہ نہیں بدل دی تھی بلکہ اِس مفسر کا مذہب یہ ہے کہ رؤسائے یہود نے ایک شخص غیر کو دیدہ و دانستہ کہ یہ حضرت عیسےٰ نہیں ہے مار ڈالا اور صلیب پر لٹکا دیا اور عوام سے یہ کہہ کر دکھا دیا کہ وہ عیسےٰ ہے جس کو ہم نے مار ڈالا ہے ❖

دوسرے یہ کہ حضرت عیسےٰ آسمان پر نہیں چلے گئے اور جب ان دونوں باتوں کو ملایا جاوے تو نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ حضرتِ عیسےٰ مثل اور انبیاء کے اسی دنیا میں اپنی موت سے مرے ❖

تیسرے یہ کہ اس مفسر کا مذہب یہ ہے کہ معراج بالجسد نہیں ہوئی تھی بلکہ بالروح خواب میں ہوئی تھی ❖

فما قولکم یا ایّہا المکفرین المسلمین فی حق مثل ہذہ المفسرین المومنین ❖

عبارت تفسیر مذکور یہ ہے:۔

اور اُن کا یہ کہنا کہ ہم نے عیسےٰ مریم کے بیٹے خدا کے رسول کو مارا یعنی اُن کا یہ کہنا اور ایسا اُن کا دعوے کرنا اُن میں مشہور تھا حالانکہ نہ اُنہوں نے حضرت عیسےٰ کو مارا نہ اُنہوں نے حضرت

"قولہم انا قتلنا المسیح ابن مریم رسول اللّٰہ" ای المشہور بہذہ الدعوی عندہم "وما قتلوہ وما صلبوہ ولکن شبّہ لہم" افہم ہذہ العبارۃ واعرف الفرق بینہا وبین قولہ لوقال ولکن شبہہ اللّٰہ لہم او اشتبہ علیہم فانہ لوقال شبہہ اللّٰہ تدل علی کرامتہم اونشبہ لہم بعیسےٰ واحد لیرضیہم بقتل واحد وان لم یکن عیسےٰ ولقد کان تعالیٰ قادرا علی اکرام عیسےٰ علیہ السلام وان ینجیہ منہم بغیر ذالک ولوقال اشتبہ دلّ علی انہم اشتبہ علیہم کلہم مثلا ومتی اشتبہ الشئ فیجوز ان یکون ہو المشار الیہ فی نفس الامر وقد اشتبہ کما یجوز ان یکون غیرہ

عیسےٰ کو صلیب پر لٹکایا مگر لوگوں کے لئے اُن کی صورت بنا دی پس اس عبارت کو سمجھنا چاہئے اور جس طرح خدا نے کہا ہے اُس میں اور اِس طرح کے کہنے میں کہ اللہ نے اُن کے لئے عیسےٰ کی سی صورت بنا دی یا مشابہ کر دیا اللہ نے اُن کے لئے فرق کرنا چاہئے کیونکہ اگر یوں کہتے کہ اللہ نے اُن کے لئے عیسےٰ کی سی صورت بنا دی تو اس سے تو یہودیوں کی بزرگی ثابت ہوتی کیونکہ اللہ تعالےٰ نے یہودیوں کی خاطر ایک شخص کی حضرت عیسےٰ کی سی صورت بنا دی تاکہ یہودیوں کو اُس ایک کے مار ڈالنے سے رضامند کر دے گو کہ وہ عیسےٰ نہ ہو حالانکہ اللہ تعالےٰ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی بزرگی قایم رکھنے پر قادر تھا اور حضرت عیسےٰ کو اس طرح پر صورت

رؤسا کی طرف جن کو یقین تھا کہ اُنھوں نے نہیں قتل کیا بلکہ صورت بنا دی اور یہ قول اللہ تعالیٰ
کا کہ جنھوں نے اُس میں اختلاف کیا راجع ہے طرف یہود اور نصاریٰ دونوں کے اور اسی لئے
نہیں فرمایا کہ اختلاف کیا اُنھوں نے اُس کے قتل میں اور یہ قول اللہ تعالیٰ کا کہ اُن کو کچھ خبر
نہیں ہے رئیسوں کے سوا باقی یہود اور نصاریٰ کی طرف راجع ہے اور مِن کا لفظ یہاں
سب کے شامل ہونے پر دلالت کرتا ہے اور یہ قول خدا تعالیٰ کا کہ وے ظن کی پیروی کرتے
ہیں اِس کے یہ معنی ہیں کہ اُس کی پیروی کرتے ہیں جو اُن کے رؤسا نے کیا اور دعوے کیا
اور یہ ظن کی پیروی ہے اور جب کہ پیروی کرنے والوں کی طرف سے ظن بولا تو اُس کے
بعد یقین کا ذکر کیا اُن کی جانب سے جنھوں نے شبہ میں ڈالا یا وصف نہ قتل ہونے عیسیٰ کے
پس فرمایا کہ نہیں مارا ہے اُس کو اور ہماری یہ خبر دینی کہ اُس کو نہیں مارا ہے یہ اُن کے یقین کی خبر ہے
اور یہ نہیں سمجھا جاتا کہ اُنھوں نے شک سے مارا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے اُس کو اپنی طرف اُٹھا لیا
ہے اور ہے اللہ عزت والا دانا ٭

اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول کہ عیسیٰ کو اللہ نے اُٹھایا اپنی طرف ایسا ہے جیسے یہ قول کہ ہم نے
اُٹھایا اُس کو بڑے مرتبہ پر اور جیسے ابراہیم کا یہ قول نقل کیا کہ میں جاتا ہوں اپنے پروردگار کے

واما قوله تعالیٰ بل رفعه الله الیه
فهو کقوله تعالیٰ ورفعناه مکاناً علیاً وکقوله
عن ابراهیم انی ذاهب الی ربی ومثله
یرفع الله الذین امنوا منکم والذین
اوتوا العلم درجات ونفس قوله تعالیٰ
بل رفعه الله الیه یعطی ان هذا الرفع
لیس بجسد لان الله تعالیٰ لیس فی مکان
وحیز بل کما قیل فی الشهداء عند ربهم
یرزقون فرحین واجسامهم فی التراب
جیفة وقد روی ان ابراهیم وموسیٰ
وغیرهما راهم النبی صلی الله علیه وسلم
لیلة المعراج ولا شك انه ما منهم احد
رفع بالجسد ونحن فلا یجوز لنا ان نحمل
علیٰ عقولنا ما لیس فی وسعها لانها مبعدة

پاس اور ایسا ہی ہے یہ قول کہ اُٹھا دیگا اللہ تعالیٰ
اُن کو جو ایمان لائے تم میں سے اور جن کو علم
ملا بڑے درجوں پر اور خود اللہ تعالیٰ کا یہ
قول کہ اللہ نے اس کو اُٹھایا اپنی طرف یہ فائدہ
دیتا ہے کہ یہ بدن کا اُٹھانا نہیں ہے اِس لئے
کہ اللہ تعالیٰ کسی جگہ اور مقام میں نہیں ہے
جیسا کہ شہیدوں کے حق میں کہا گیا ہے کہ
خدا کے پاس ہیں رزق دئے جاتے ہیں خوش
ہیں اور اُن کے بدن تو مٹی میں مردہ پڑے
ہیں اور روایت کیا گیا ہے کہ ابراہیم اور موسیٰ
اور اِن کے سوا اَور نبیوں کو حضرت محمد
رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے معراج کی
رات میں دیکھا اور اِس میں کچھ شک نہیں
کہ اُن میں سے کوئی مع بدن کے نہیں اُٹھایا گیا

علیھم بل الرؤساء شبہوا وغیرھم شبہ لھم ولم یقل ایضا شبہ لہ الله کما تقدم و اما الذین اختلفوا فیہ فھم غیر الرؤساء لا تھم کالھد کانوا یھودا غیر ان بعضھم خالف بعضا فی الایمان بہ فاخبر الله عن بقیۃ الیھود والنصاری بقولہ وان الذین اختلفوا فیہ ای فی الایمان بہ لا فی قتلہ لفی شك منہ فعاد قولہ وما قتلوہ راجعا الی الرؤساء والمتبعین بانھم لم یقتلوہ بل شبہوا وقولہ ان الذین اختلفوا فیہ راجع الی الیھود والنصاری مواد لھذا لم یقل اختلفوا فی قتلہ وقولہ ما لھم بہ من علم عاید الی الیھود والنصاری غیر الرؤساء ومن ھھنا تدل علی استغراق الجنس وقولہ الا اتباع الظن ای ان اتباعھم لما قولہ الرؤساء وادعوہ اتباع ظن ولما ذکر الظن من المتبعین اتبعہ بذکر الیقین من القائلین للمشبہ مع نفی القتل عن عیسیٰ فقال وما قتلوہ ای وذلك الاخبار منا بقولنا ما قتلوہ ھو عن یقین منھم ولانھم انھم قتلوہ شکا بل رفعہ الله علیہ وکان الله عزیزا حکیما ۔

یقین ہے یعنی جو قتل کا دعوےٰ کرتے ہیں وَے بے شک جانتے ہیں کہ اُنہوں نے نہیں مارا اور اُنہوں ہی نے اپنے باقی آدمیوں کو شبہ میں ڈال دیا ہے اور یہ باقی آدمی وَے ہی ہیں جن کے لئے مشابہ کیا گیا ایک آدمی جو حضرت عیسےٰ کے مشابہ تھا پس یہ عبارت صورت واقعہ کی خبر دیتی ہے اور اگر اللہ تعالےٰ ایک آدمی کو اُن کے لئے عیسےٰ کی سی صورت بنا دیتا اور وَے اس کو مار ڈالتے تو ان کا یہ قول کہ ہم نے مسیح کو مار ڈالا کچھ تعجب کی بات نہ ہوتی اور نہ جھوٹ ہوتا اِس لئے کہ اگر ایک آدمی ایک عورت سے جماع کرے جو اس کی زوجہ کے مشابہ ہو اِس طرح پر کہ اِس میں کچھ شک نہ ہو تو یہ زنا نہیں ہوگا اور یہ قول اللہ تعالےٰ کا کہ نہ اُس کو مارا اور نہ صلیب پر لٹکایا اِس پر دلالت کرتا ہے کہ اُنہوں نے ایک آدمی کو پہلے مارا پھر بعد قتل کے صلیب پر لٹکایا اور یہ اپنے ارادہ سے کیا اسی لئے نہیں فرمایا کہ اُن پر مشابہ ہو گیا تھا کہ اُن پر تو نہیں مشابہ ہوا تھا بلکہ رؤساء نے صورت بنا دی تھی اور غیر رئیسوں کے لئے صورت بنا دی تھی اور اِس لئے نہیں کہا کہ اللہ تعالےٰ نے صورت بنا دی تھی جیسا کہ پہلے گذر چکا اور جن میں اختلاف ہوا وَے رئیسوں کے سوا اور یہود ہیں کہ وَے تو سب یہود ہی تھے ہاں مگر اُن میں کچھ آدمیوں نے دوسروں کی مخالفت کی عیسےٰ پر ایمان لانے میں پس اللہ تعالےٰ نے باقی یہود اور نصارےٰ سے خبر دی اپنے اِس قول میں کہ جنہوں نے اُس میں اختلاف کیا یعنی اُس پر ایمان لانے میں اختلاف کیا نہ یہ کہ اُس کے قتل میں اختلاف کیا وَے البتہ شک میں ہیں پس یہ قول خدا تعالےٰ کا کہ نہیں مارا راجع ہے

اخبار نور افشاں

مطبوعہ ۳۱- اگست ۱۸۷۶ء

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین کہ جب کسی مشرک کو مذہب اسلام کی دعوت کی جاتی ہے اور وہ پوچھتا ہے کہ مذہب اسلام کے قبول کرنے سے مجھے کیا فائدہ ہوگا۔ تو اُس سے یہ وعدہ کیا جاتا ہے کہ تو جنّت میں داخل ہوگا اور اِس وعدہ کو سُن کر وہ مسلمان ہونے کی خواہش کرتا ہے لیکن دوسرے مشرک اُسے اِس طرح بہکاتے ہیں کہ مذہب اسلام میں تہتر فرقے ہیں اور ناجی اُن میں سے ایک ہی ہے اور بہتر فی النّار ہیں اور فرقہ ناجیہ کا تحقیق معلوم ہونا نہایت دشوار ہے اور جس فرقہ میں تو جائیگا بہتر فرقے اُس کے فی النار ہونے کی گواہی دینگے۔ یہ بات سُن کے وہ شخص متحیر ہو کے مُسلمان ہونے سے باز رہتا ہے اور اشاعت و ترقئ اسلام میں نقصان ہوتا ہے اور ایسا اتفاق اکثر ہوا ہے کہ جب بعض بُت پرستوں کو اسلام کی دعوت کی گئی اور وہ مذہب اسلام کی طرف متوجہ ہوئے تو مخالفوں نے اُن کو مضامین مذکورہ سُنا کے روک دیا یہاں تک کہ وہ مغالطہ میں آکے دوسری طرف متوجہ ہو گئے بلکہ اکثر عوام کو خواہ شیعہ ہوں اور خواہ سُنّی ہوں جب عیسائی یہ مغالطہ دیتے ہیں تو وہ بھی متحیر ہو کے اسلام سے منحرف ہوتے اور مذہب عیسائی کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں اور اِس طرح سے مذہب اسلام میں یوماً فیوماً تنزل ہوتا ہے ترقی کا تو کیا ذکر ہے اُس کا قیام دشوار معلوم ہوتا ہے پس اِس وقت میں مشرکین و عوام اسلام کو کتنے مسائل بتا کے یہ وعدہ کیا جائے کہ اگر تم اِن پر قائم رہوگے تو ہر فرقہ اسلامیہ کے نزدیک ضرور نجات پاؤگے کیونکہ جب تک ایسا وعدہ نہ کیا جائیگا تب تک مشرکین اسلام کو قبول کرینگے اور نہ عوام اپنے مذہب پر قائم رہینگے اور اسلام کی ترقی رُکی رہے گی بلکہ یوماً فیوماً کمی ہوگی۔ بینوا فتوجروا +

راقم

سید عبداللہ الہ آبادی
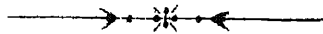
متناهية واما الاسراء فلا شرف اذا
كان بجسد النبي صلى الله عليه وسلم
بعد ان قد رأى ما رأه و صدق الله
تعالى بقوله ما كذب الفواد ما رأى و لا
نقص اذا كان الاسراء بالروح دون الجسد
وكان نوما ولا خلاف في ان ابراهيم و
آدم موسى لم يكونوا في السماء باجساد
وكذالك راهم وهذا انما نقوله لانه
الاقرب في الاذهان مع اننا لا ننكر
ان الله تعالى يفعل ما يشاء من رفع جبل
في الهوى و بحر من الماء في السحاب وغيره
فكيف لا يرفع جسد نبي له ولكن شرف
الرسول ثابت بما لا يدفعه الخصم و
كذالك الاعتراف بقدرة الباري تعالى
فلا نزاع اذا حصل المراد وكذالك الكلام
في عيسى عليه السلام والله اعلم بانبياء
ويجب ان تعلم ان الله تعالى انما اذن
للرؤساء ومكنهم بما فعلوه من انهم
قتلوا انسانا وشبهوه لبني اسرائيل
وادعوا انه عيسى جمع ذلك بحكمة
الهية من الله سبحانه خلاف ان هذا الامر
بعينه رحمة في حق من امن بعيسى و
فتنة في حق من كفر به ٭

اور ہم کو یہ جائز نہیں ہے کہ ہم اپنی عقلوں
پر ایسا بوجھ ڈالیں جس کو اٹھا نہ سکیں اس لئے
کہ یہ عقول پابند ہیں اسباب کی اور ان کی
ادراک کی ایک حد ہے اور معراج میں اس سے
کچھ زیادہ خوبی نہیں بڑھ جاتی اگر وہ مع جسد
کے مانی جاوے کہ حضرت نے دیکھا جو کچھ
دیکھا اور خدا تعالے نے اُس کی اپنے اِس
قول سے تصدیق کی کہ جھوٹ نہ جانا دل نے
جو کچھ دیکھا تھا اور کچھ نقصان نہیں ہے
اِس میں کہ معراج روح کو بغیر بدن کے سوتے
ہوئے ہوئی ہو اور اس میں تو کچھ اختلاف نہیں
ہے کہ ابراہیمؑ اور آدمؑ اور موسٰےؑ تو آسمان پر
مع بدن کے نہ تھے اور ایسے ہی اُن کو دیکھا
اور یہ ہم اس لئے کہتے ہیں کہ یہی ذہن کے
قریب ہے اور ہم اس کا انکار نہیں کرتے کہ
اللہ تعالٰے کر سکتا ہے جو چاہے کہ ایک پہاڑ
کو ہوا میں اُٹھا دے اور ابر میں ایک دریا
بہا دے اور اس کے سوا اور جو کچھ چاہے
پس کس طرح نہیں اُٹھا سکتا اپنے ایک نبی کا
بدن لیکن نبی کی بزرگی ایسی ماننی چاہئے جس کا
دشمن انکار نہ کر سکے اور ایسے ہی خدا کی قدرت کا
اقرار پس جھگڑا نہ چاہئے جب مطلب حاصل ہو جاوے
اور ایسے ہی کلام ہے عیسٰےؑ کے اٹھا لینے میں اور
خدا تعالٰے اپنے نبیوں کے حال کو خوب جانتا ہے اور ضرور تجھ کو یہ جاننا چاہئے کہ اللہ تعالٰے نے جو یہودیوں کے سرداروں کو
یہ کرنے دیا اور اُن کو اُس پر قدرت دی جو اُنہوں نے کیا کہ ایک آدمی کو مارا اور اُس کو اور سب بنی اسرائیل پر مشتبہ کیا
اور دعوٰی کیا یہ عیسٰے ہی ہے۔ یہ سب کام حکمت الٰہی سے خالی نہیں ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ سب کام عیسٰےؑ کے پیروؤں
کے لئے باعث رحمت کا ہوا اور اسی سے اُن یہودیوں میں جنہوں نے عیسٰے کو نہ مانا تھا فتنہ پھیلا ٭

دم بھرنے والوں کا دل تسلی ہوجاویگا۔ مسئلہ یہ ہے کہ اکثر کٹھ ملا کہتے ہیں کہ "ترکوں کی ہم لوگوں کو وضع اختیار کرنی نہیں چاہیئے کیونکہ وہ لوگ لامذہب ہیں وجہ لامذہب ہونے کی یہ بتاتے ہیں کہ وہ اپنی ڈاڑھیوں کو منڈاتے ہیں۔ کیونکہ وہ لوگ اس کو تہذیب میں بڑا دخل سمجھتے ہیں اور بہت کام خلاف شرع کرتے ہیں یہاں تک کہ سلطان اور خدیو مصر وغیرہ بھی اِس کے مرتکب ہیں"۔ اَب میں جناب سے پوچھتا ہوں کہ آیا یہ فعل دنیاوی باتوں سے تعلق رکھتا ہے یا دینی ہے تو کیا کوئی صحیح حدیث اس باب میں ہے۔ بعض اکابر کا جو یہ مذہب ہے کہ جائز ہے تو اُن کی حجت قابل تسلیم ہے یا نہیں۔ اگر یہ تحقیق تہذیب الاخلاق میں درج فرماویں تو اور ہزار ہا لوگ واقف ہوجاوینگے * زیادہ والسلام

ازمقام روپڑ

مورخہ ۲۹- اکتوبر ۱۸۷۶ء

جواب از طرف سیّد احمد

اِس عنایت نامہ میں جو خیالات ظاہر کئے ہیں اُس میں کئی غلطیاں ہیں۔ اول یہ کہ ڈاڑھی رکھنے یا منڈانے کو تہذیب میں کچھ دخل نہیں ہے بال جو انسان کے سر پر اور مُنہ پر خُدا نے پیدا کئے ہیں اگر انسان اُن کو ایک پریشانی اور ابتری کی حالت میں رہنے دے جیسے کہ بعض میلے کچیلے بے تمیز جنگلی جانوروں کے ہوتے ہیں تو بلاشبہ وہ پورا وحشیانہ پن ہے اور اگر اُن کو درستی اور خوبی سے رکھے تو وہ تہذیب و شائستگی کی علامت ہے اسی لئے تمام مہذب قومیں بقدر اپنی تہذیب اور موافق اپنے خیالات کے بال بناتی ہیں اور موافق اپنے مذاق تہذیب و خیالات کے اُن کو آراستہ کرتی ہیں مگر یہ خیال کہ ڈاڑھی منڈانا تہذیب میں داخل ہے ایک محض غلط خیال ہے *

دوسرے ترکوں کی پیروی کو اِس وجہ سے منع کرنا کہ وہ ڈاڑھی منڈاتے ہیں اور اُس کو داخل تہذیب سمجھتے ہیں اور بہت کام خلاف شرع کرتے ہیں ایک دوسری غلطی ہے کیونکہ اس دلیل کا نتیجہ صرف یہ نکلتا ہے کہ اُس امر میں اُن کی پیروی نہ چاہیئے جو خلاف شرع ہو نہ یہ کہ دلیل تو ہو خاص اور نتیجہ نکالا جاوے عام۔ ہمارا یہ مطلب نہیں ہے کہ بعد تسلیم کرنے اِس امر کے کہ وہ کام خلاف شرع ہے اور پھر اُس کی پیروی کی جاوے بلکہ جہاں تک بحث ہے وہ اس میں ہے کہ درحقیقت وہ کام خلاف شرع ہے یا نہیں۔ ترک شراب بھی پیتے ہیں جیسا کہ مشہور ہے اگر یہ امر صحیح ہو تو جیسے ہم کو اُن کے اس کام کی پیروی کرنا بُرا ہے ویسے ہی صرف اس کام ناجائز کے سبب اُن کے اور عُمدہ و مہذبانہ مباح کاموں کی پیروی چھوڑنا بھی ویسا ہی بُرا ہے *

جواب از طرف اڈیٹر تہذیب الاخلاق

یہ مسئلہ اسلام کا نہیں ہے کہ مذہب اسلام میں تہتر فرقے ہیں اور ناجی ان میں سے ایک ہی ہے۔ یہ تو ایک موضوع روایت ہے جس کو اُس زمانہ کے لوگوں نے جبکہ مسلمانوں میں باہم مسائل فروعی میں اختلاف پڑا اپنی تائید کے لئے بنالی ہے اُس روایت کا موضوع ہونا روایتاً ودرایتاً محققین کے نزدیک ثابت ہے سچا مسئلہ اسلام کا صرف یہ ہے :-

مَنْ قَالَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ فَدَخَلَ الْجَنَّۃَ

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ اُس کے ساتھ لازم و ملزوم ہے پس اسلام اسی قدر ہے اور اسی کی تعلیم اور اسی پر یقین نجات کے لئے کافی ہے ؎

عن معاذ بن جبل قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مفاتیح الجنۃ شہادۃ ان لا الٰہ الا اللہ رواہ احمد ؎

مراسلات

میرے ہادی رہنمائے حقیقت مولانا مولوی سید احمد خان صاحب۔ ایک عرصہ سے جناب کی ہمدردی محبت آمیز دیکھکر دل سے ہزار ہزار بار یہی صدا اُٹھتی ہے مرحبا سید مرحبا۔ جب آپ کی بوڑھی عمر پر خیال آتا ہے اور آپ کی جوان کوششوں پر دھیان جاتا ہے۔ آپ کی سچی محبت پر دل جمتا ہے۔ دل سے بے قصد یہ آواز آتی ہے۔ بجز آپ کے اس زمانہ میں کوئی اس لائق نہیں ہے جس کو ہادی حقیقت اور مخزن اسرار کا خطاب دیا جاوے۔ افسوس آپ کے نعرہ جاں سوز کی اُس وقت لوگوں کے کان میں آواز پہنچی جبکہ بہت نوجوان لوگ مذہب اسلام چھوڑ بیٹھے (یہ واقعہ صرف موجودہ اسلام کی تاریکی سے ہوا) جو مسلمان طالب علم اپنے مذہب سے برگشتہ تھے آپ کی پاک طبیعت نے اُن کے دل پر ایسا اثر اسلام کا کیا جو سنبھل کر پھولے نہیں سماتے۔ یعنی دنیا میں اُن کے لئے وہ بندوبست کیا جس سے وہ مالا مال اور شاداب رہیں۔ اور آخرت کے وہ نکتے بتائے جو بے سبب دل پر اپنا نقش کر کے اُن کے چال چلن میں ایسا اثر کرتے ہیں جو بالکل ہادی اور رحمدل ہو جاتے ہیں اور خدا تو اِس پیر مغاں کی عمر ہزار برس کر۔ اب کچھ فرصت دیکھ کر جناب سے ایک مسئلہ پوچھتا ہوں جس پر مدت سے لوگوں کا مباحثہ ہو رہا ہے۔ یہ مباحثہ آپ تک پہنچانا اپنا فرض سمجھتا ہوں اور اُمید کرتا ہوں کہ آپ کی تحقیق پر آپ کے

اشراق کی نماز کے بعد نائی حاضر ہوتا ہے اور اصلاح مبارک بناتا ہے۔ اصلاح میں کیا ہوتا ہے کہ گالوں پر سے ڈاڑھی مونڈی جاتی ہے اور ایک قوسی خط میں قریب مدور کے کی جاتی ہے ہونٹ اور ٹھوڑی کے بیچ میں ایک بچکانی بنائی جاتی ہے اور دونوں طرف سے مونڈی جاتی ہے۔ پھر حلقوم مبارک سے لے کر ٹھوڑی اور جبڑے کے قریب تک مونڈی جاتی ہے۔ بعض مقدسوں کو اپنے بھولے بھالے مجرب گالوں کے کھولنے کا ایسا شوق ہوتا ہے کہ ریش مبارک صرف بطور ایک جھالو کے رہ جاتی ہے پس کیا یہ ڈاڑھی منڈانا نہیں ہے جو بیچارے ترکوں فرشتہ صورتوں پر طعن کیا جاتا ہے ٭

قصص و احادیث تفاسیر

ہم اکثر اپنی تحریروں میں لکھتے ہیں کہ تفاسیر کے قصے اور تفسیروں کی حدیثیں لائق اعتماد کے نہیں ہیں اور اسی سبب سے ہم ان کو لغو و مہمل سمجھتے ہیں اور ان پر جب تک کہ درایۃً ان کی صحت نہ معلوم ہو اعتماد نہیں کرتے ٭

ان دنوں ہیں ہمارے زمانہ کے مقدسین و متبحرین میں جھگڑا ہوا تھا ایک گروہ کا باستدلال اثر ابن عباس یہ اعتقاد تھا کہ زمینیں اوپر تلے سات ہیں اور ہر ایک پر ایسا ہی آسمان۔ چاند سورج ستارے ہیں اور ہر ایک زمین میں ایک ایک باوا آدم اور ایک ایک نبی آخر الزمان ہے پس صرف محمد رسول اللہ صلعم ہی خاتم الانبیاء نہیں ہیں بلکہ چھ اور بھی ہیں۔ دوسرے گروہ مقدسین نے ان کو کافر بتایا اور فتوے کفر دئیے گئے ان کے پیچھے نماز پڑھنی چھوڑ دی گئی آخر یہاں تک نوبت پہنچی کہ مکہ معظمہ کے علماء سے اس میں فتوے پوچھا گیا اور وہ فتوے بطور ایک رسالہ کے مصر میں چھاپا گیا ہے جو اس وقت ہمارے سامنے رکھا ہوا ہے ہم کو اس بحث اور فتوے سے تو غرض نہیں مگر اس میں دو مقدمے ہیں جن میں وہی مضامین نسبت قصص تفسیروں کے اور ان کی حدیثوں کے لکھے ہیں جو ہم ان کی نسبت لکھتے ہیں۔ پس مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم ان دونوں مقدموں کو معہ ترجمہ کے اس مقام پر لکھ دیں تاکہ لوگ جانیں کہ ہمارے سوا اور بہت سے اکابر مکہ معظمہ بھی ان قصص و حدیثوں کو لغو و نامعتبر سمجھتے ہیں ٭

تیسری غلطی خیالات کی اس عنایت نامہ سے یہ پائی جاتی ہے کہ کسی مہذب قوم کی پیروی کرنے سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ اُس کے تمام کاموں کی بلا لحاظ اِس بات کے اور غور کے کہ وہ فی نفسہ اچھے ہیں یا بُرے پیروی کرنا مقصود ہوتا ہے اگر یہ خیال ہو تو محض ایک غلط اور نہایت مضر خیال ہے بلکہ ہمیشہ جس بات کو اختیار کیا جاوے اول اُس کی بھلائی اور بُرائی پر غور کرنی واجب ہے۔ جو عُمدہ بات کسی قوم کی ہو اُس کو لینا اور بُری کو چھوڑنا واجب ہے ورنہ ایک گڑھے میں سے نکلنا اور دوسرے میں گرنا ہے ﴿

آپ کو معلوم ہے کہ ہم کو مسند افتا کی گدی پر بیٹھنا مقصود نہیں ہے بلکہ صرف دو امر ہم کو مقصود ہیں: اوّل یہ کہ مذہب اسلام پر جو جھوٹے الزام لگائے گئے ہیں اور اُس کو مانع تہذیب و شایستگی و مخالفت انسانیت و تمدن و حسن معاشرت قرار دیا گیا ہے اُن غلط الزاموں کی غلطی ٹھیٹ مذہب اسلام کی رُو سے ظاہر کردیں۔ دوسرے جو امر کہ خلاف تہذیب مسلمانوں میں مروج ہیں اُن کو دُور کریں پس ڈاڑھی جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا بشرطیکہ وحشیانہ پن سے نہ رکھی جاوے تہذیب کے برخلاف نہیں ہے چنانچہ ہزاروں۔ لاکھوں۔ کروڑوں اشخاص جو نہایت مہذب قوم کے ہیں ڈاڑھی رکھتے ہیں اور ہمارے ملک کے بھی خوبصورت گورے رنگ کے چہروں پر بشرطیکہ گورا رنگ ہو کالی ڈاڑھی نہایت خوبصورت اور بھلی معلوم ہوتی ہے (ہاں جب سفید ہو جاوے تو مُنڈانے کے قابل ہو جاتی ہے بشرطیکہ مُنہ کی جھریاں اور گالوں کے گڑھے اور مُنہ کا پوپلا پن صورت کو بدنما نہ کردے) اس کے سوا مُنہ کی رونق اور شجاعت و بہادری و رُعب اُس سے پایا جاتا ہے پس اُس کا رکھنا یا منڈانا ہماری بحث سے خارج ہے اور ہم اُس پر بحث کرنا نہیں چاہتے کیونکہ ہم قطعاً اُن مسائل سے جن کو مانع تہذیب نہیں سمجھتے بحث نہیں کرتے اگر ڈاڑھی منڈانی ناجائز ہو تو اُس سے ہمارا کچھ حرج نہیں اگر جائز ہو تو ہمارا کچھ حرج نہیں لیکن اگر ڈاڑھی کو ایک ٹٹی بنایا جاوے جس کی اوجھل شکار کھیلا جاوے تو اس سے تو منڈانا ہی بہتر ہے ﴿

اگر ڈاڑھی منڈانی ناجائز ہے تو بیچارے تُرکوں پر کیا الزام ہے۔ ہندوستان کے بڑے بڑے مقدس مولوی صاحب جبہ و عمامہ بھی ڈاڑھی منڈاتے ہیں۔ اتنا فرق ہے کہ ترک تو ڈاڑھی منڈا کر فرشتہ کی سی صورت ہو جاتے ہیں اور یہ حضرت مقدسین بیجا بن جاتے ہیں اِس کا مطلب یہ ہے کہ ڈاڑھی کا اطلاق جیسا کل ڈاڑھی پر ہے ویسا ہی جزو ڈاڑھی پر ہے اگر ڈاڑھی کا منڈانا ناجائز ہے تو اُس کے جزو کا بھی ناجائز ہے۔ اگر کوئی شخص ایک طرف کی ڈاڑھی منڈا دے اور ایک طرف کی رہنے دے یا بیچ میں سے منڈا دے اور دونوں طرف گل مچھے رہنے دے وہ بھی ایسی ہی ناجائز ہوگی جیسے کہ کُل ڈاڑھی کا منڈانا۔ آپ حضرات مقدسین کو دیکھتے ہونگے کہ ہر جمعہ کی صبح کو

الموضوعۃ کالثعلبی والواحدی و الزمخشری فلا یحل الوثوق بما یرویہ عن السلف من التفسیر فانہ اذا لم یفہم الکذب علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یفہم الکذب علی غیرہ قال المحدث الدہلوی ولی اللہ رحمۃ اللہ فی الفوز الکبیر فی اصول التفسیر و در ینجا باید دانست کہ قصص انبیائے سابقین در حدیث کم مذکور شدہ اند این قصص طویلہ عریضہ کہ مفسرین تصدیع روایت آں میکشند ہمہ منقول از علمائے اہل کتاب است الا ماشاء اللہ۔ و در صحیح بخاری آمدہ مرفوعاً (لا تصدقوا اہل الکتاب ولا تکذبوھم) انتھی کلامہ بلفظہ ؛

ثم قال آنچہ محمد بن اسحاق و واقدی و کلبی دریں باب افراط کردہ اند و در زیر ہر آیتے قصہ آوردہ اند نزدیک محدثین اکثر آن غیر صحیح است و در اسناد آں نظر است ؛

میں سے ایک تفسیر عبد اللہ بن عباس کی ہے کہ وہ منقول ہے جھوٹے راویوں کے ذریعہ سے جیسے کلبی اور سدی اور مقاتل سیوطی نے اس کے یہ معنی کہے ہیں اور اُس سے پہلے ابن تیمیہ نے بھی یہی کہے تھے کہ مفسرین سے جو ایسا ہے کہ احادیث موضوعہ کو ذکر کرتا ہے جیسے ثعلبی اور واحدی اور زمخشری (جس کی تفسیر کشاف بہت مشہور ہے) وہ جو تفسیر سلف سے روایت کرے اس پر بھی اعتماد نہ کرنا چاہیئے کہ جب وہ رسول ہی کی طرف جھوٹی روایت کو نہیں سمجھتا تو اَوروں کی طرف کس طرح جھوٹ کو سمجھیگا۔ محدث دہلوی مولوی شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے فوز کبیر میں جو اصول تفسیر میں ہے کہا ہے کہ یہ جاننا چاہیئے کہ پچھلے نبیوں کے قصے حدیث میں بہت کم مذکور ہوئے ہیں یہ بڑے لمبے چوڑے قصے کہ مفسرین اُن کے لکھنے کی تکلیف اُٹھاتے ہیں یہ سب اہل کتاب سے منقول ہیں اور صحیح بخاری میں یہ حدیث مرفوع منقول ہے کہ اہل کتاب کی نہ تصدیق کرو اور نہ تکذیب۔ پس اِن قصوں کی بھی نہ تصدیق کرو اور نہ تکذیب ؛

اور پھر کہا ہے کہ محمد ابن اسحاق اور واقدی نے اِس باب میں بہت زیادتی کی ہے اور ہر آیت کی ذیل میں قصہ بیان کیا ہے۔ محدثوں کے نزدیک اکثر وہ صحیح نہیں ہے اور اُس کی اسناد میں تامل ہے ؛

المقدمۃ العاشرۃ

قال التفتازانی فی شرح العقاید النسفیہ ذیل شرح قول المصنف والاولی ان لا نقتصر علی عدد فی الایمان بالانبیاء (الخ)

دسواں مقدمہ

علامہ تفتازانی نے شرح عقاید نسفی میں مصنف کے اس قول کی ذیل میں کہ بہتر یہ ہے کہ نبیوں پر ایمان لانے میں کسی عدد خاص پر

وهذه هي المقدمات

المقدمة الثامنة

في المغازي والملاحم والتفسير
توجد الروايات الكثيرة ونقل بعض
المفسرين اكثر القصص الروايات عن
الاسرائيليات قال الشوكاني في الفوائد
المجموعة في الاحاديث الموضوعة في اخر
الباب الاول من كتاب الفضائل قال احمد
بن حنبل ثلث كتاب ليس لها اصل المغازي
والملاحم والتفسير قال الخطيب هذا
محمول على كتب مخصوصة في هذه المعاني
الثلثة غير معتمد عليها لعدم عدالت
ناقليها وزيادة القصص فيها اما كتب
التفسير فمن اشهرها كتابان للكلبي ومقاتل
بن سليمان قال احمد في تفسير الكلبي من
اوله الى اخره كذب لا يحل النظر فيه وقد
حمل هذا على الاكثر انتهى ثم قال اقول
لا شك ان كثيرا من كلام الصوفية على
الكتاب العزيز هو بالتحريف اشبه منه
بالتفسير بل غالب ذلك من جنس تفاسير
الباطنية وتحريفاتهم ومن جملة التفاسير
تفسير ابن عباس فانه مروي عن طريق
الكذابين كالكلبي والسدي والمقاتل ذكر معنى
ذلك السيوطي وقد سبقه الى معناه ابن تيمية
ومن كان من المفسرين تتفق عليه الاحاديث

مقدمہ آٹھواں

مغازی اور ملاحم اور تفسیر میں بہت
روایات پائی جاتی ہیں اور اکثر مفسرین نے
بہت زیادہ قصے اور روایتیں یہودیوں سے
نقل کی ہیں شوکانی نے فوائد المجموعہ فی
الاحادیث الموضوعہ کی کتاب الفضائل کے
باب اوّل کے آخر میں کہا ہے کہ کہا ہے
امام احمد بن حنبل نے تین کتابیں ہیں کہ جن کی
کچھ اصل نہیں ہے مغازی اور ملاحم اور تفسیر
خطیب نے یہ کہا ہے کہ اس سے چند
خاص کتابیں مراد ہیں اس فن کی جن پر اعتماد
نہیں ہے کہ ان کے راوی عدل نہیں ہیں
اور اُن میں قصے بڑھا دئے ہیں اور تفسیر
کی کتابوں سے بہت مشہور دو کتابیں کلبی
کی اور مقاتل بن سلیمان کی ہیں کہا ہے
احمد نے کہ تفسیر کلبی کے حق میں یہ کہا ہے کہ
اوّل سے آخر تک جھوٹ ہے اُس کو دیکھنا بھی
حلال نہیں ہے اور اُس کے یہ معنی کئے
گئے ہیں کہ اُن میں سے اکثر جھوٹ ہیں
اور پھر کہا ہے کہ کہتا ہوں میں کہ کچھ شک
نہیں ہے کہ صوفیہ نے جو تاویلات کلام اللہ
میں کی ہیں وہ بھی بمنزلہ تحریف کے ہیں نہ
تفسیر کے بلکہ اکثر وہ تفسیر ایسی ہیں جیسے فرقہ
باطنیہ کی تفسیر اور تحریفات ہیں اور تفسیروں

محمد مطاع الشیمی الشافعی الحسنی بالازہر۔
السید محمد الطیب الشافعی بالازہر۔
علی بن قاسم بن العباس الیمنی احد مجاورین الازہر۔
محمد صادق مدراسی الحنفی القادری۔

خطبہ میں بادشاہ کا نام

چند روز ہوئے کہ ہم نے پایونیر میں نسبت خطبہ جمعہ کے ایک تحریر لکھی تھی جس میں بعض خطبوں کا ترجمہ بھی تھا جمعہ کا خطبہ ہو یا عیدین کا مسلمانوں کے مذہب کے بموجب اُس میں صرف خدا کی تعریف اور مسلمانوں کو نیکی اختیار کرنے کی نصیحت ہونی چاہئے۔ خطبہ کی کوئی عبارت مذہباً معین نہیں ہے بلکہ خطیب خود اپنے علم و استعداد و لیاقت کے موافق خطبہ پڑھتا ہے یا اَور لوگوں نے جو خطبے کہے ہیں اور جو چھپے ہوئے یا قلمی لوگوں کے پاس ہوتے ہیں اُن میں سے کوئی خطبہ پڑھ دیتا ہے۔ خطبہ کی مثال بعینہٖ ایسی ہے جیسے عیسائیوں میں سرمن مگر پایونیر میں اس بات کی کافی بحث نہیں کی گئی تھی کہ آیا خطبہ میں بادشاہ کا نام لینا بھی کوئی مذہبی مسئلہ ہے اور مذہب کی رُو سے جائز ہے یا نہیں اور اِسی بحث کو ہم اپنے اس آرٹیکل میں لکھنا چاہتے ہیں۔

پیغمبر خدا صلعم کے وقت میں اور خلفائے راشدین کے وقت میں کسی کا نام خطبہ میں نہیں پڑھا جاتا تھا مگر جو محاربات کہ صحابہ میں واقع ہوئے تھے اور اُس کے سبب سے باہمی نزاع قائم ہوگئی تھی اور خلفائے راشدین کی نسبت سب و شتم کا رواج ہو چلا تھا۔ اُس کے مٹانے کو خطبہ میں خلفائے راشدین اور عمین مکرمین کا نام لئے جانے کا رواج ہوا تاکہ معلوم ہو کہ سب کے سب واجب التعظیم اور قابل ادب ہیں اور فقہا نے اس کو مندوب یعنی اچھا قرار دیا اُس کے بعد بخوبی تحقیق نہیں ہوتا کہ کس خلیفہ سے جو حقیقت میں بادشاہ تھے اُن کا نام خطبہ میں لینا شروع ہوا۔ تاریخ الخلفاء سیوطی سے اُس کے لقب کے جس میں فخریہ الفاظ تھے خطبہ میں لیا گیا اور امیر المؤمنین کا لقب تحریرات میں لکھا گیا چنانچہ اُس میں لکھا ہے کہ علی بن محمد نوفلی نے اور اُس کے سوا

وقال علی بن محمد النوفلی وغیرہ	اور لوگوں نے کہا ہے کہ سفاح اور منصور
لم یدع للسفاح ولا للمنصور ولا للمہدی	اور مہدی اور ہادی اور رشید کے لئے

ان خبر الواحد علی تقدیر اشتماله علی جمیع الشرایط المذکورۃ فی اصول الفقہ لا یفید الا الظن ولا عبرۃ بالظن فی باب الاعتقادات خصوصاً اذا اشتمل علی اختلاف الروایات وکان بموجبہ مما یفضی الی مخالفۃ ظاہر الکتاب وھو ان بعض الانبیاء لم یذکر للنبی علیہ السلام ویحتمل مخالفۃ الواقع وھو عدالنبی من غیر الانبیاء او غیر النبی من الانبیاء (انتھی کلامہ بلفظہ) وقال الخیالی فی حاشیتہ قولہ علی تقدیر اشتمالہ علی جمیع الشرایط مثل العقل والضبط والعدالۃ والاسلام وعدم الطعن انتھی کلامہ بلفظہ ٭

اکتفا نہ کرے کہ اس معاملہ میں جو حدیث آئی ہے وہ خبر احاد ہے اور وہ حدیث جس کا راوی حضرت سے ایک ہی ہو اگر اُس میں وہ ساری شرائط بھی پائی جاویں جو اصول فقہ میں مذکور ہیں تو اس سے صرف ظن حاصل ہوتا ہے اور در باب اعتقاد کے ظن کا کچھ اعتبار نہیں اور خاص کر جبکہ اُس میں اختلاف روایات کا ہو اور اُس کے مطلب سے مخالفت ظاہر قرآن کی لازم آتی ہو اور وہ یہ ہے کہ بعض نبیوں کا ذکر حضرت سے نہیں کیا گیا اور نیز اس روایت میں احتمال مخالفت واقع کا بھی ہے کہ کوئی نبی غیر نبیوں میں نہ داخل ہو جاوے یا غیر نبی نبیوں میں شمار ہو جاوے ٭

اور خیالی نے اپنے حاشیہ میں کہا ہے کہ وہ شرائط جو حدیث میں معتبر ہیں یہ ہیں عقل اور حافظہ کا درست ہونا اور عادل ہونا اور اسلام اور اُس میں کسی نے طعن نہ کیا ہو ٭

خاتمہ پر اِن لوگوں کی مُہریں ہیں

عبد الرحمن بن عبد اللہ سراج الحنفی مفتی بمکۃ المکرمۃ ٭

رحمت اللہ یہ ہندوستان کے معروف و مشہور مولوی رحمت اللہ صاحب ہیں ٭

احمد بن زینی دحلان مفتی الشافعیہ بمکۃ المحمیہ ٭

محمد بن عبد اللہ بن حمید مفتی الحنابلہ بمکۃ المشرفہ ٭

حسین بن ابراھیم مفتی المالکیہ بلد اللہ المحمیہ ٭

ابراھیم بن محمد سعید ٭

السید محمد الکتبی الحنفی الخطیب والامام والمدرس بالمسجد الحرام ٭

محمد الحسینی الطندنائی الحنفی بالازھر ٭

عبد القادر الدنیشالی الحنفی بالازھر ٭

محمد سالم العباسی العابدی الشافعی بالازھر ٭

کی طرف منسوب کیا ہے اور ثواب ہونے کو منسوب نہیں کیا اس کا سبب یہ ہے کہ ثواب افعال میں ایک حکم شرعی ہے جس کے لئے کسی دلیل شرعی کا ہونا ضرور ہے، (اور بادشاہ کے نام لینے اور اُس کے لئے دُعا کرنے کی کوئی شرعی دلیل نہیں) اور بحرالرائق میں مذکور ہے کہ بہتر نہیں ہے بادشاہ کا نام لینا اور اُس کے لئے دُعا کرنا کیونکہ عطاء ابن یسار تابعی سے روایت ہے کہ جب اُن سے اُس کی نسبت پوچھا گیا تو اُنھوں نے کہا کہ یہ نئی بات نکالی ہوئی ہے خطبہ میں تو صرف نصیحت ہوا کرتی تھی ؛

اِس تمام تحقیقات سے ثابت ہوتا ہے کہ خطبہ میں بادشاہ کا نام لینا اور اُس کے لئے دُعا کرنا کوئی مذہبی مسئلہ نہیں ہے بلکہ مذہب کی رُو سے بدعت و محدث ہے، وللہ در من قال کل محدث (ای فی الدین) بدعۃ وکل بدعۃ ضلالۃ ؛

جس طرح کہ خلفائے بغداد اپنے فخر و شیخی کے لئے خطبوں میں اپنا نام لواتے تھے اُسی طرح ہندوستان کے بادشاہ بھی اپنا نام خطبوں میں لواتے تھے مگر مذہب کے بالکل برخلاف تھا ہم نے بھی اکبرشاہ و بہادرشاہ کا نام باوجودیکہ کچھ بھی بادشاہت اُن کی باقی نہیں رہی تھی دلّی کی مسجدوں کے خطبوں میں اور بیرونجات کی بھی بہت سی مسجدوں میں لیا جاتا سُنا ہے مگر ہندوستان کی بہت سی مسجدیں ایسی بھی تھیں کہ شاہ عالم کے بعد اُن میں کسی بادشاہ کا نام نہیں لیا جاتا تھا اِس لئے کہ اکبرشاہ و بہادرشاہ کو خطبہ میں بادشاہ کے نام سے ملقب کرنا وہ جھوٹ سمجھتے تھے اور خطبہ میں اس کا استعمال کرنا جھوٹ کا استعمال کرنا جانتے تھے ؛

شاہ عالم کے بعد جن مسجدوں میں اکبرشاہ و بہادرشاہ کا نام نہیں لیا جاتا تھا وہ دو قسم کی ہوگئی تھیں جو لوگ کہ اپنی نادانی سے یہ سمجھتے تھے کہ کسی مسلمان بادشاہ کا نام لینا چاہئے گو وہ کہیں کا بادشاہ ہو اُنھوں نے تو سلطان روم کا نام لینا شروع کر دیا۔ اور شاید بمبئی کلکتہ اور ایسے ہی دُور دراز کے شہروں میں اُس کا رواج ہوا مگر اکثر مسجدوں میں کسی بادشاہ کا نام نہیں لیا جاتا تھا بلکہ اور باقی مسجدوں میں مسلمانوں کے حق میں صرف یہ دُعا ہوتی تھی کہ "اللھم اید المسلمین بالسلطان العادل (یعنی بجز سلطان کے لفظ کے بدلے امام کا لفظ کہا جاتا ہے) والخیر والطاعۃ واتباع سنن سید الموجودات یعنی اے خدا مسلمانوں کی مدد کر بادشاہ عادل کی حکومت سے اور اُن کی مدد کر بھلائی کرنے سے اور خدا کی فرمانبرداری اور رسول کی پیروی کرنے سے جو تمام موجودات کے سردار ہیں" یہی دُعا ہندوستان کی اکثر مسجدوں میں پڑھی جاتی ہے پس جو بادشاہ ہم پر عدل و انصاف سے حکومت کرے ہمارے مذہبی فرائض میں دست اندازی نہ کرے۔ ہماری جان و مال کی حفاظت کرے۔ ہمارے حقوق ہم کو عطا کرے وہ

ولا للہادی ولا للرشید علی المنابر باوصافہم ولا کتب فی کتبہم حتی ولی الامین فدعی لہ بالامیر علی المنابر وکتب عنہ من عبد اللہ محمد الامین امیر المومنین وکذا قال العسکری فی الاوایل اول من دعی لہ بلقبہ علی المنابر الامین ٭

ممبروں پر اور اُس کی تعریفیں کر کے دُعا نہیں کی گئی اور نہ ان کے فرمانوں میں کچھ فخریہ لفظ لکھے گئے مگر جبکہ امین خلیفہ ہوا تو اُس کے لئے ممبر پر امیر کہہ کر دعا کی گئی اور اُس کی طرف سے فرمانوں میں لکھا گیا عبد اللہ محمد الامین امیر المومنین اور عسکری نے بھی اوایل میں لکھا ہے کہ سب سے اوّل امین کے لئے ممبروں پر اُس کا لقب لے کر دُعا کی گئی ٭

مگر اب ہم کو دیکھنا چاہیئے کہ فقہا کی جن کی رائے واجتہاد پر مذہب اسلام کا مدار رہ گیا ہے کیا رائے ہے۔ دُرّ مختار میں جو نہایت معتبر فقہ حنفی کی کتابوں میں سے ہے لکھا ہے کہ خطبہ میں بادشاہ کے لئے دُعا کرنا کوئی مذہبی ثواب کا کام نہیں ہے صرف قہستانی نے لکھا ہے کہ بادشاہ کا نام لینا کچھ مضائقہ نہیں۔ اور بحر الرائق میں ہے کہ بادشاہ کا نام لینا ثواب نہیں ہے اِس لئے کہ یہ امر محدث یعنی بدعت ہے۔ خطبہ میں صرف نصیحت ہونی چاہیئے ٭

چنانچہ درمختار اور اُس کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ ثواب ہے ذکر کرنا خلفائے اربع راشدین اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے دونوں چچا حضرت حمزہؓ اور حضرت عباسؓ کا اور ثواب نہیں

ومندب ذکر الخلفاء الراشدین والعمین لا الدعاء للسلطان وجوزہ القہستانی کذا فی الدر المختار۔ قولہ وجوزہ القہستانی الخ عبارتہ ثم یدعو لسلطان الزمان بالعدل والاحسان متجنبا فی مدحہ عما قالوا انہ کفر وخسران کما فی الترغیب وغیرہ الخ واشار الشارح بقولہ وجوز الی حمل قولہ ثم یدعو الخ علی الجواز لا الندب لانہ حکم شرعی لابد لہ من دلیل وقد قال فی البحر انہ لا یستحب لما روی عن عطاء حین سئل عن ذالک فقال انہ محدث وانما کانت الخطبۃ تذکیرا کذا فی رد المختار حاشیہ الدر المختار ٭

ہے بادشاہ وقت کے لئے دُعا کرنا (واضح ہو کہ اِسی دُعا کے ساتھ بادشاہ کا نام بھی لیا جاتا ہے) مگر قہستانی نے اُس کو جائز لکھا ہے یہ مضمون تو دُرّ مختار میں ہے اور دُرّ مختار کے حاشیہ میں جس کا نام ردّ المختار ہے یہ لکھا ہے کہ قہستانی کی یہ عبارت ہے کہ خلفائے اربع اور عمین مکرمین کے نام کے بعد بادشاہ وقت کے لئے دُعا کی جاوے کہ وہ عدل اور بھلائی کرے مگر اُس کی ایسی تعریف کرنے سے پرہیز کیا جاوے جس کو عالموں نے کُفر و گمراہی کہا ہے چنانچہ یہ مطلب ترغیب میں اور اور کتابوں میں لکھا ہے دُرّ مختار کے مصنف نے جو لفظ جائز قہستانی

ضوابط مقرر کرنے۔ انفصال حقوق کے اصول میں۔ جنگی معاملات میں۔ غیر سلطنتوں سے صلح نامہ کرنے میں۔ فوج کے آراستہ کرنے میں۔ یہاں تک کہ فوج کی وردی و ہتیار اور قواعد کے طریقہ میں بھی اُس کو مداخلت ہوتی تھی *

مسلمانوں کا گروہ کسی مُلک کے ہوں یہ خیال نہیں ہے کہ شیخ الاسلام کی روح میں کوئی ایسی بات ہے جس کا حکم ماننا ضرور ہے جیسے کہ رومن کیتھلک عیسائیوں کا پوپ کی نسبت خیال ہے بلکہ وہ اُس کے حکم کو اِس خیال سے واجب التعمیل سمجھتے ہیں کہ وہ فقہ حنفی کا سب سے بڑا عالم تسلیم کیا جاتا ہے اور جو وہ حکم دیتا ہے سمجھا جاتا ہے کہ بے شک وہ فقہ و شریعت کے مطابق ہے جس کی پیروی مسلمان مذہبًا ضرور سمجھتے ہیں *

اگلے زمانہ میں جب کہ ترکوں میں جہالت اور ناتہذیبی زیادہ تھی اُس وقت تک شیخ الاسلام کو ان تمام باتوں میں پوپ کی مانند بہت بڑا کامل اختیار تھا مگر رفتہ رفتہ بہت سی باتوں میں کم ہوتا گیا اور سلطان محمود کے وقت سے اُس کے اختیاروں میں بہت کمی ہوگئی اب تو شیخ الاسلام صرف شیر کی کھال رہ گئے ہیں جو باتیں بطور فتوئے شریعت لوگوں میں مشہور کرنی ہوتی ہیں جیسے حال میں اشتہار جہاد یا اعلام نامہ عدم زیادتی نسبت عیسائیان مشتہر کیا گیا ہے وہ شیخ الاسلام کی معرفت ہوتا ہے عدالتوں میں ابھی اُس کو مداخلت ہے گو پہلے کی نسبت کسی قدر کم ہو *

ایک زمانہ وہ تھا کہ شیخ الاسلام کا تبدیل کرنا ترکوں کے لئے کچھ آسان کام نہ تھا وہ جھٹ سلطان کے کافر یا عیسائی ہوجانے کا فتوے دے دیتا تھا اور لوگوں میں بغاوت پھیلانی شروع کر دیتا تھا مگر دیکھو کہ اب کس قدر زمانہ بدل گیا ہے کہ ہم دوشنبہ کی تار برقی سے پاتے ہیں کہ شیخ الاسلام مثل ایک نوکر کے موقوف کر دیا گیا اور دوسرا شیخ الاسلام اُس کی جگہ مقرر ہوگیا۔ ہمارے یورپین ہمعصر مسلمانی مذہب کے اصولوں سے بخوبی واقفیت نہیں رکھتے اِس لئے وہ شیخ الاسلام کی نسبت معلوم نہیں کیا خیالات رکھتے ہیں پایونیر لکھتا ہے کہ " تھوڑا عرصہ ہوا کہ ہم نے اشتہار جہاد کی نسبت مباحثہ کیا تھا یہ اشتہار اُس شیخ الاسلام نے مشتہر کیا تھا جو اب اُس مُعزز عہدے سے موقوف ہوگیا ہے اور ہم نے بھروسہ کرکے اس امر کا یقین کرایا تھا کہ برٹش انڈیا کے مسلمانوں کے دلوں پر اُس فتوائے جہاد سے کچھ اثر نہ ہوگا گو اُن لوگوں کی ہمدردی ترکوں کے واسطے کیسی ہی کیوں نہ ہو علے ہذالقیاس شیخ الاسلام کی برطرفی ایک ایسی بات ہے جس کا اثر قسطنطنیہ پر ہو مگر قیصر ہند کی مسلمان رعایا پر شمہ بھر بھی اُس کا کچھ اثر نہ ہوگا "

بھی اُس دعا میں داخل ہے۔ یہ دُعا درحقیقت کسی بادشاہ کے لئے نہیں ہے بلکہ عام مُسلمانوں کی بھلائی کے لئے ہے۔ پس یہ خیال کہ کسی بادشاہ کا خطبہ میں نام لینا کسی مذہبی مسئلہ پر مبنی ہے اور مُسلمانوں کو اُس بادشاہ کے مذہب کی رُو سے کوئی مذہبی اطاعت واجب ہے صحیح نہیں ہے ٭

شیخ الاسلام

شیخ الاسلام کا عہدہ سلطنت ٹرکی میں درحقیقت ایک بہت بڑا معزز عہدہ ہے۔ شیخ الاسلام بہ حیثیت اپنے عہدہ کے اُس کونسل خاص کا ممبر بھی ہے جس کا پریسیڈنٹ وزیر اعظم ٹرکی ہوتا ہے اور جس کو مجلس باب العالی کہتے ہیں ٭

یہ عہدہ ہمیشہ ایسے شخص کو دیا جاتا ہے جو بہت بڑا عالم اور حنفی مذہب ہو اور مسائل فقہ حنفی سے بخوبی واقفیت رکھتا ہو اُس کو کوئی ایسا حق یا اختیار نہیں ہے کہ کوئی جدید حکم مثل حکم شرع کے جاری کر سکے یا اُن حکموں میں سے جو شرع میں ہیں کوئی حکم منسوخ یا ترمیم کر سکے بلکہ اُس کا کام صرف یہ ہے کہ جو واقعات پیش آویں اُن کی نسبت بتا دے کہ فقہ حنفی کا حکم کیا ہے یا جن احکام کا اجرا منظور ہو اُن کی نسبت بتا دے کہ فقہ کے مطابق ہیں یا نہیں اگرچہ اُس کو پہلے تو بہت زیادہ اختیار تھا مگر اب بھی کسی قدر اختیار رکھتا ہے کہ جن احکام کو خلاف شرع سمجھے اُن کے عدم اجرا میں بحث و کوشش کرے ٭

اِن اسباب سے شیخ الاسلام کو گویا تمام امور کلی و جزوی سلطنت میں ایک گونہ مداخلت ہو جاتی ہے مثلاً جب وزیروں نے سلطان عبد العزیز یا سلطان مراد کا معزول کرنا مناسب سمجھا تو اُس میں شیخ الاسلام کا اتفاق ضرور تھا اور اُس سے ایک فتوے لیا گیا کہ سُلطان عبد العزیز یا سلطان مراد لائق بادشاہت نہیں رہا اُس کا عزل کرنا احکام شریعت کے موافق درست ہے۔ جب دوسرا بادشاہ اُس کی جگہ قائم کیا گیا تو شیخ الاسلام سے اُس کا استحقاق بادشاہت تسلیم کرایا ہوا ٭

جو کہ مُسلمانوں نے یہ ٹھہرا رکھا ہے کہ عقائد مذہبی اور معاملات دنیوی اور انتظامات مُلکی سب کا تقلیداً بموجب فقہ حنفی کے ہونا چاہیئے (جو نا واجب تقلید اصلی باعث اُن تمام خرابیوں کا ہے جو سلطنت اسلامیہ میں پائی جاتی ہیں) اس سبب سے ہر ایک امر متعلق انتظام سلطنت میں شیخ الاسلام کو مداخلت ہے۔ زمین پر مالگذاری مقرر کرنے۔ ٹیکس یا جزیہ لگانے۔ تجارتی احکام جاری کرنے مُلکی قانون جاری کرنے۔ عدالتوں کے تقرر کرنے۔ عدالتوں کی کارروائی کے

ملک یمین

ان دنوں میں تمام دُنیا کے مُسلمانوں میں روم وروس کی لڑائی کا چرچا ہے۔ لڑائیاں تو آپس میں بادشاہوں کے ہؤا ہی کرتی ہیں اور چرچا بھی لڑائیوں کا ہؤا ہی کرتا ہے مگر جو رنج وغم مُسلمانوں کا ہے وہ روسیوں اور بلگیریا والوں کے اُن ظلموں کا ہے جو اُنھوں نے مُسلمانوں پر کئے ہیں سینکڑوں بے گناہ مُسلمانوں کو پکڑ کر مار ڈالا اور نہایت بے رحمیوں سے مارا۔ بڈھوں اور بچوں اور عورتوں کو قتل کیا جن عورتوں کی گود میں شیر خوارہ بچّے تھے اُن کو بھی قتل کیا اور اُن شیر خوارہ بچوں کو زندہ اُنھی لاشوں میں ڈال دیا کہ رو رو کر۔ چلّا چلّا کر اور جانوروں کے پنجوں سے زخمی ہو کر سِسک سِسک کر مر گئے۔ یہ واقعات اگرچہ بیحد غم ولانے والے ہیں مگر چنداں رنج میں ڈالنے والے نہیں ہیں کیونکہ اِن سب کا آخری نتیجہ موت تھی۔ پس مرنے سے کیا ڈرنا وہ کسی نہ کسی طرح آ گئی تکلیف اُٹھا کر جان گئی یا آسانی سے جان نکل گئی مگر سب سے زیادہ رنج اور غصّہ اور غیرت اور کاہش طبع جو مُسلمانوں کو ہے وہ روسیوں کی اور بلگیریا والوں کی اُس نالائق حرکت سے ہے جو اُنھوں نے کنواری لڑکیوں۔ بیاہی عورتوں۔ بُڈھی بیواؤں سے بطور ملک یمین کے کیا مقام پیرا سے جو تار برقی آیا ہے اُس میں لکھا ہے کہ "ہر ایک سمت سے لوگ بھاگ بھاگ کر اُن مقاموں کو آتے ہیں جہاں پناہ ملنے کی توقع ہوتی ہے اور مرد اور عورت بلکہ چھوٹے چھوٹے بچّوں کے قتل کی ایسی خبریں اپنے ساتھ لاتے ہیں جن کو سُن کر کلیجا پھٹ جاتا ہے روسی سپاہی مُسلمانوں کی جوروؤں اور کنواری لڑکیوں کو پکڑ لیتے ہیں اور اُن کو خراب کرتے ہیں اس طرح پر سینکڑوں عورتیں خراب کی گئیں" پس یہ واقع سب سے زیادہ مُسلمانوں کو رنج دیتا ہے اور تمام دنیا کے لوگ اس پچھلی حرکت کو نہایت وحشیانہ و نالائق حرکت خیال کرتے ہیں۔ اُس وحشی انسان پر غور کرنا چاہیے جس نے ایسی عورت کو پکڑ لیا ہو جس کا بیٹا میدان میں مقتول پڑا ہے اور جس کا خصم زخمی تڑپ رہا ہے اور وہ رو رہی ہے اور چلّا رہی ہے اور یہ اُس کو پچھاڑ کر اُس کے ساتھ درخت کے نیچے یا اپنے تنبو کے تلے وہ وحشیانہ حرکت کرتا ہے جس کو بیان کرتے ہوئے شرم آتی ہے۔ کافر سے کافر کیوں نہ ہو ہم کو یقین ہے کہ وہ روسیوں اور بلگیریا والوں کی اس حرکت پر اُن کو لعنت و نفرین کرتا ہوگا۔ کیسے سے کیسا ہی مقدس مُسلمان ہو وہ بھی ان حرکتوں کو اپنے بارے میں وحشیانہ حرکت سمجھتا ہوگا۔ ہم نے سُنا ہے کہ کافروں نے بھی اس امر کو ناپسند کیا ہے اور چند عیسائی سُلطنتوں نے ان ظلموں کی بابت روسیوں سے کیفیت طلب کی ہے مگر ہم کو بڑا خوف ہے کہ

ہم بیان کرنا چاہتے ہیں کہ شیخ الاسلام مسلمانی مذہب کے مطابق کوئی چیز نہیں ہے۔ کوئی شخص خواہ نخواہ اُس کا حکم ماننے پر مجبور نہیں ہے جو شخص کہ اُس کا حکم نہ مانتے اُس کے ایمان میں اُس کے مذہب میں کسی قسم کا نقصان نہیں آسکتا نہ کوئی گناہ اُس پر ہوتا ہے۔ یہ عہدہ کوئی مذہبی عہدہ نہیں ہے جیسے کہ پوپ کا عہدہ خیال کیا جاتا ہے۔ ہر شخص کو آزادی ہے کہ شیخ الاسلام کے احکام پر غور کرے اگر اُس کے نزدیک وہ حکم غلط ہو اُس کو رد کردے ہندوستان کے مسلمانوں کو قسطنطنیہ کے شیخ الاسلام سے کچھ تعلق نہیں ہے۔ نہ کوئی اُس کا حکم اُن پر واجب التعمیل ہے۔ ہندوستان کے مسلمانوں کی حالت ٹرکی کے مسلمانوں کی حالت سے از روئے احکام مذہب اسلام کے بالکل مختلف ہے ہندوستان کے مسلمان گورنمنٹ انگریزی کی رعایا ہیں اور اُس کے امن میں رہتے ہیں۔ برخلاف اس کے ٹرکی کے مسلمان ایسے نہیں ہیں اور یہی وجہ ہے کہ دونوں کے لئے احکام مذہبی مختلف ہیں۔ شیخ الاسلام کا کوئی حکم ہندوستان کے مسلمانوں سے مذہبًا متعلق نہیں ہوسکتا۔ ہندوستان کے مسلمانوں کا مذہبًا یہ فرض ہے کہ اپنے بادشاہ کی جس کی وہ رعیت ہیں اور جس کی امن میں مذہبی آزادی سے وہ بسر کرتے ہیں ہمیشہ اُس کے تابع رہیں گو وہ ترکوں کے ساتھ کیسی ہی ہمدردی رکھتے ہوں اور گو ٹرکی میں اور خود قسطنطنیہ میں کچھ ہی ہوا کرے۔ فرض کرو کہ اگر خود انگلش گورنمنٹ بجائے روس کے ہوتی اور ترکوں کا ملک بظلم چھین لینا چاہتی اور گو اِس بات سے کیسا ہی رنج و غم اور غصہ اور آزردگی ہندوستان کے مسلمانوں کو ہوتی اُس پر بھی مذہب کی رُو سے ہندوستان کے مسلمانوں کو ہندوستان میں جہاں اُن کو امن اور مذہبی آزادی ہے بجز انگریزی گورنمنٹ کی اطاعت کے اور کچھ چارہ نہیں پس ہم اپنے یورپین دوستوں کو بتانا چاہتے ہیں کہ ٹرکی میں کچھ ہی انقلاب ہوا کریں اور کچھ ہی احکام جاری ہوا کریں اُن کا اثر ہندوستان میں مذہب کی رُو سے کچھ نہیں ہوسکتا مگر اس میں کچھ شُبہ نہیں کہ جو امور خلاف مراد ٹرکی ہوتے ہیں اُن سے ہندوستان کے مسلمانوں کو از حد رنج و غم و غصہ ہوتا ہے۔ مخالفان ٹرکی سے از حد ناراض ہوتے ہیں۔ ہمارے نزدیک یہ بات کہ مسلمان سلطان کو ایک مذہبی پیشوا سمجھتے ہیں اور اِس لئے اُس کی ہمدردی کرتے ہیں ایک لغو و مہمل بات ہے بلکہ یہ ہمدردی ایک قدرتی طبعی بات ہے اور تعلیم سے اور اخبارات سے اور سفر کی آسانی جو اِس زمانہ میں حاصل ہے اور جس کے سبب سے سلطنت ٹرکی میں ہندوستان کے مسلمانوں کی آمد و رفت بہت زیادہ ہوگئی ہے اُس ہمدردی کو بہت کچھ ترقی ہوگئی ہے ٭

ہوجاتا ہے اور یہ بات بھی کھل جاتی ہے کہ ان حدیثوں کے بنانے کی کیا ضرورت پیش آئی تھی۔
چنانچہ ہم اُن حدیثوں کو اوّلاً معہ تاریخی واقعات کے بیان کرتے ہیں اور اُن کا وضعی ہونا
دکھلاتے ہیں اور پھر محدثین کے طریقہ پر اُن کے راویوں کی نسبت بحث کریں گے اور
راویوں کا نامعتبر ہونا دکھلاویں گے جس سے ثابت ہوجاویگا کہ مہدی آخرالزمان کی بشارت
کوئی اصلی بشارت نہ تھی بلکہ اُس زمانہ کے لوگوں کی صرف ایک حکمت عملی اور خلافت ہاتھ
آجانے کی تدبیروں میں سے ایک تدبیر تھی اور اُن سے کسی ایسے مہدی کی جو مسلمانوں
نے تصور کر رکھا ہے اور جس کا قیامت کے قریب ہونا خیال کیا ہے بشارت مقصود
نہیں تھی ✦

جبکہ خلفائے اربع کی خلافت ختم ہوگئی اور حضرت امام حسن نے بھی خلع خلافت کیا اور
مستقل خلافت خاندان بنی اُمیّہ میں چلی گئی تو بنی ہاشم اور بنی فاطمہ کے دل سے پھر خلافت حاصل
کرنے کا جوش کبھی کم نہیں ہوا۔ اُسی حالت میں واقعہ کربلا واقع ہوا جس سے بہت لوگوں کا دل
بنی اُمیہ کی طرف سے متنفر اور بنی فاطمہ کی طرف مائل ہوا ✦

مگر جیسا کہ بنی فاطمہ خلافت کا اپنے تئیں مستحق سمجھتے تھے بنی عباس بھی کچھ کم خواستگار خلافت
کے نہ تھے کیونکہ وہ بھی بنی ہاشم تھے اور تمام بنی ہاشم اپنے تئیں آل محمدؐ یعنی آنحضرت صلعم کا
کُنبہ سمجھتے تھے۔ بنی عباس کو یہ بھی یقین تھا کہ بنی فاطمہ سے خلافت کا کام نہیں چلنے کا مگر ہم
چلا لینگے چنانچہ جب بنی عباس خراسان میں اپنی خلافت کی تدبیر کر رہے تھے اُس وقت بنی فاطمہ
کے دل میں بھی اُس کا جوش ہوا تھا کہ تم سے یہ کام نہیں ہونے کا ترجمہ تاریخ طبری میں مندرج ہے
کہ انگاہ یعنی (بزمانہ تحریک خراسان برخلاف بنی عباس) طمع افتاد بنی ہاشم را اندر خلافت وفضل
ابن عبدالرحمٰن بن عباس بن ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب بیتے چند گفت وبعبداللہ بن الحسن
بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما داد و او را تحریص کرد بر طلب ولایت و ابوالحسن گفت
کہ با عبداللہ بن الحسن بن علی بن ابی طالب وعلی بن عبداللہ بن العباس ہمی رفتیم داؤد بن علی فرا
نزدیک عبداللہ بن حسن شد و گفت اگر تو فرمودی پسران خویش را محمد و ابراہیم تا اندر آمدندے
فرداو حرب کردندے نیک بودے کہ دولت بنی اُمیہ اندر شوریدہ نہ بینی کہ خبرہائے خراسان چگونہ
ہمی آید و تباہ شدہ است وعبداللہ بن الحسن گفت ہنوز آں ہنگام نیست کہ ما را باید آمدن عبداللہ
بن علی گفت یا ابا محمدؐ شما را بر بنی اُمیہ ظفر نباشد ظفر ما را بود و منم کہ ایشاں را بکشم و کار از
ایشاں بستانم وما ذالک علی اللہ بعزیز پس عبداللہ بن الحسن خاموش شد و چیزے نگفت
(ورق ۴۹۸۔ صفحہ ۲) ✦

کہیں نور الآفاق کے پچھلے پرچے جس میں ہمارے شفیق مولوی محمد علی صاحب نے ہمارے رسالہ تبریۃ الاسلام عن شین الامۃ والغلام کا جواب لکھا ہے اور کہیں ہمارے مخدوم و مکرم مولوی علی بخش خاں صاحب کے رسالہ جن میں اُنہوں نے ایسی حرکات کو مذہب اسلام میں جائز قرار دیا ہے روسیوں کے ہاتھ نہ لگ گئے ہوں اور وہ اُن کو اپنی برات کی دلیل میں پیش نہ کریں اور جواب دیں کہ یہ باتیں کچھ وحشیانہ پن کی نہیں ہیں جن لوگوں کے ساتھ ہم نے کیا ہے وہ اپنے مذہب کی رُو سے اور اپنے خدا کے حکم کے بموجب دوسرے لوگوں کے ساتھ ایسی حرکتیں کرنی جائز سمجھتے ہیں اور نعوذ باللہ اپنے بزرگوں کی نسبت ان افعال کو منسوب کرتے ہیں۔ پھر ہم ان افعال میں کیوں مجرم ہیں ہاں عورتوں اور بچوں کے قتل کا گناہ ہم پر ہے مگر تصرف علی ملک الیمین کی نسبت جواب پوچھنا بیجا ہے۔ ہم کو نہایت رنج و افسوس ہے مسلمانوں کی ایسی جاہلانہ باتوں پر جو اسلام کو ایسی بدباتوں سے داغدار کرتے ہیں اور جو باتیں اسلام میں نہیں ہیں صرف اپنی ہوائے نفسانی سے اُس میں داخل کرتے ہیں جس ہندوستان کے مُسلمان کو ہمارے مسئلہ حریت اساری میں شُبہ ہو اُس کو جناب مولوی محمد علی صاحب اور جناب مولوی علی بخش خان صاحب کے رسالوں کو پڑھنا ضرور نہیں ہے وہ سیدھا بلگیریا میں چلا جاوے اور جو زیادتیاں عورتوں اور کنواری لڑکیوں پر ہوئی ہیں اُن کو دیکھے اور فیصلہ کرے کہ ایسی باتیں مذہب اسلام میں بھی ہونا جائز ہو سکتا ہے افسوس ہے اُن مُسلمانوں پر جو ایسی باتیں مذہب اسلام میں جائز بتاتے ہیں اور مذہب اسلام کو بدنام کرتے ہیں اور اس سے بھی زیادہ افسوس ہے مُسلمانوں کی اس حالت پر کہ ایسوں کو تو مقدس مسلمان تصور کرتے ہیں اور جو کوئی مذہب اسلام کو ان نجس باتوں سے پاک بتاوے اور ثابت کرے کہ یہ خدا کا حکم نہیں ہے اور نہ مذہب اسلام میں جائز ہے بلکہ مذہب اسلام اس عیب سے پاک ہے اُس کو کافر و ملحد و کرسٹان و نیچریہ بناتے ہیں وسیعلون من ھو اشد ظلما و کفراً۔

مہدی آخر الزمان

اُن غلط قصوں میں سے جو مُسلمانوں کے ہاں مشہور ہیں ایک قصہ امام مہدی آخر الزمان کے پیدا ہونے کا ہے۔ اِس قصہ کی بہت سی حدیثیں کتب احادیث میں بھی مذکور ہیں مگر کچھ شُبہ نہیں کہ سب جھوٹی اور مصنوعی ہیں جبکہ ایک محقق کیا باعتبار واقعات تاریخی کے اور کیا باعتبار اُن کے راویوں کے اُن پر غور کرتا ہے تو اُن کا غلط اور نامعتبر اور وضعی ہونا آفتاب کی طرح روشن

کیا گیا ہے عدل و انصاف کرنے والا پیدا ہوگا جس کی اطاعت سب کو چاہیئے اور اُن وضعی حدیثوں میں اُس مہدی کی ایسی نشانیاں بتاتے تھے جو اُن لوگوں پر صادق آتی تھیں جن کا وہ خلیفہ ہونا چاہتے تھے چنانچہ یہ امر اُن واقعات کو حدیثوں سے مطابق کرنے سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے ❖

عبداللہ بن زبیر کا زمانہ بہت نہیں چلا جبکہ ۶۰ھ ہجری میں مطابق ۶۸۰ء کے یزید تخت پر بیٹھا اور واقعہ کربلا بھی ہو چکا تو اہل حجاز اُس کی بدکاریوں سے نہایت ناراض تھے۔ عبداللہ بن زبیر نے یزید سے بیعت نہیں کی تھی اور حجاز کے لوگ اُن کی طرف مائل تھے پس عبداللہ بن زبیر نے مکہ میں اپنے آپ کو خلیفہ کیا اور عراق و حجاز و یمن و بصرہ کے لوگوں نے اُن کی اطاعت قبول کی یزید نے اُن سب مُلکوں کو باغی قرار دیا اور مدینہ منورہ کے قتل و غارت کے بعد عبداللہ بن زبیر سے لڑنے کو مکہ پر فوج بھیجی۔ وہ مکہ میں محصور ہوئے اور لڑائی ہوئی مگر یزید کے مرجانے کے سبب سے وہ فوج واپس آئی ❖

یزید کے بعد معاویہ ابن یزید خلیفہ ہوا۔ مگر اُس نے خلافت چھوڑ دی اور ۶۵ھ ہجری مطابق ۶۸۴ء عیسوی کے عبدالملک بن مروان خلیفہ ہوا اُس نے اپنے وزیر حجاج کو مع فوج کثیر عبداللہ بن زبیر سے لڑنے کو مکہ پر روانہ کیا عبداللہ پکڑے گئے اور ۷۳ھ ہجری مطابق ۶۹۲ء کے اُن کو سُولی دے کر مار ڈالا ❖

یہ فوج کشی جو دوسری دفعہ ہوئی نہائت سخت تھی اور اِس غرض سے کہ لوگ عبداللہ بن زبیر کی مدد کریں اُن لوگوں نے جو حضرت عبداللہ بن زبیر کے طرفدار تھے اُن کے لئے حدیثیں بنالیں

۱۔ (قتادہ) عن ام سلمۃ عن النبی صلعم قال یکون اختلاف عند موت خلیفۃ فیخرج رجل من اهل المدینۃ هاربا الی مکۃ فیاتیہ ناس من اهل مکۃ فیخرجونہ وهو کارہ فیبایعونہ بین الرکن والمقام ویبعث الیہ بعث من الشام فیخسف بهم بالبیداء بین مکۃ والمدینۃ فاذا رای الناس ذلک اتاہ ابدال الشام وعصائب اهل العراق فیبایعونہ ثم ینشاء رجل من قریش اخوالہ کلب فیبعث الیهم بعثا فیظهرون

اُنہی حدیثوں میں سے وہ حدیث بھی ہے جو ابو داؤد نے ام سلمہؓ سے روائت کی ہے جس میں قتادہ بھی ایک راوی ہے اور وہ حدیث یہ ہے کہ ام سلمہؓ نے آنحضرت صلعم کا فرمانا بیان کیا کہ ایک خلیفہ کے مرنے پر اختلاف واقع ہوگا پھر ایک شخص مدینہ میں سے بھاگ کر مکہ میں آویگا پھر اُس کے پاس مکہ کے لوگ آوینگے اور اُس کو خلیفہ بنانے کے لئے نکالینگے اور وہ خلیفہ ہونے کو ناپسند کریگا پھر لوگ اُس سے حجر اسود اور مقام ابراہیم کے بیچ میں

غرض کہ اخیر زمانہ خلفائے بنی اُمیّہ میں جبکہ اُن کی خلافت میں کسی قدر ضعف بھی ہوگیا تھا اور اُن کے ظلم و تعدّی سے اہل حجاز ناراض بھی تھے بنی عباس اور بنی فاطمہ بہت سی تدبیریں اور ترغیبیں خلافت حاصل کرنے کو کر رہے تھے۔ اس خلفشار میں لوگوں کے چار گروہ ہوگئے ایک گروہ تو خلفائے بنی اُمیّہ کا طرفدار تھا جو مسند خلافت پر جلوہ آرا تھے۔ دوسرا گروہ وہ تھا جو عبداللہ بن زبیر کی خلافت پر مائل تھا جنھوں نے مکّہ معظمہ میں دعوائے خلافت کا کیا تھا۔ تیسرا گروہ وہ تھا جو بنی عباس میں سے خلیفہ ہونے کی تدبیر میں تھا اور چوتھا وہ تھا جو بنی فاطمہ میں سے خلیفہ ہونے کا طرفدار تھا۔

بنی اُمیّہ والے گروہ کو تو بجز اس کے کہ وہ اُن کی خلافت قائم رکھنے میں کوشش کریں اور مخالفوں سے لڑیں اور اُن کو قتل و برباد کریں اور کوئی کام نہ تھا مگر تین فریق جو باقی رہے اُن کی تدبیریں البتہ غور کے قابل ہیں۔ عبداللہ بن زبیر کے طرفداروں کو کچھ زیادہ کارروائی کا موقع نہیں ملا مگر بنی عباس و بنی فاطمہ کے طرفداروں نے نہایت عاقلانہ تدبیریں اختیار کی تھیں سب سے بڑی تدبیر یہ تھی کہ اُن کی طرف سے لوگ دُور دُور مُلکوں میں جاتے تھے اور لوگوں کو بنی اُمیّہ سے برخلاف اور اُن کی خلافت پر مائل کرتے تھے اور سب سے بڑا ذریعہ لوگوں کے برانگیختہ کرنے کا اُن وضعی حدیثوں کا پھیلانا اور لوگوں کو سُنانا تھا جن سے اُن لوگوں کے استحقاق خلافت کو جن کے طرفدار اُن حدیثوں کو بتاتے تھے بطور پیشین گوئی کے تقویت ملتی تھی۔ وہ اِن پیشین گوئیوں میں یہ تو کہہ نہیں سکتے تھے کہ کوئی دوسرا پیغمبر ہونے والا ہے جس کی اطاعت سب کو چاہئے اس لئے اُنھوں نے لفظ مہدی کا اختیار کیا تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ ایک شخص جو خدا کی طرف سے ہدایت

ہشام کی فوج آئی تو صرف پانسو آدمیوں نے ساتھ دیا شکست ہوئی اور حضرت زید شہید ہوئے یعنی کناسہ میں سُولی دیدی گئی ❖

جو لوگ کہ بنی فاطمہ سے گرویدہ تھے اور زید شہید کی خلافت چاہتے تھے اُنھوں نے اِس لئے کہ لوگ بنی فاطمہ کی طرف رجوع کریں اور زید شہید کی خلافت کے حامی ہوں وضعی حدیثیں بنا کر لوگوں میں پھیلانی شروع کیں اب ایسا مضمون اُن حدیثوں میں بیان ہونے لگا جس سے پایا جاوے کہ بنی فاطمہ میں سے خلیفہ ہونے کی پیشین گوئی ہوئی ہے اس مضمون کی بہت سی حدیثیں کتابوں میں پائی جاتی ہیں چنانچہ ابوداؤد میں حضرت علیؓ سے روایت ہے جس میں کا ایک راوی فطر بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے آنحضرت صلعم کا فرمانا بیان کیا کہ اگر دنیا سب چلی جاوے اور صرف ایک دن ہی باقی رہ جاوے تو بھی ضرور خدا تعالےٰ میری اہل بیت میں سے ایک شخص کو کھڑا کریگا جو دنیا کو عدل سے بھر دیگا جس طرح کہ وہ ظلم سے بھری ہوگی ❖

۲ (فطر) عن علی عن النبی صلعم لو لم یبق من الدنیا الا یوما لبعث اللہ رجلا من اہل بیتی یملاءھا عدلا کما ملئت جورا ❖ (ابوداؤد صفحہ ۲۳۲)

اسی طرح مشکوٰۃ میں ایک حدیث غالباً حاکم کی مستدرک سے نقل کی ہے کہ ابوسعید نے کہا کہ آنحضرت صلعم نے ذکر کیا کہ اِس اُمّت پر ایک بلا پڑیگی یہاں تک کہ کوئی شخص اُس کے ظلم سے بچنے کو کوئی ٹھکانا نہ پاویگا پھر اللہ تعالےٰ ایک شخص میری اولاد اور میری اہل بیت سے کھڑا کریگا اور اُس کے سبب سے زمین کو عدل و انصاف سے بھر دیگا جس طرح کہ وہ ظلم و جور سے بھر گئی ہوگی اُس سے آسمان کے رہنے والے اور زمین کے رہنے والے راضی ہونگے اور آسمان اپنی بوندوں میں سے ذرا بھی نہیں چھوڑیگا جو نہ برسائی ہو اور زمین نباتات میں سے کچھ نہ چھوڑیگی جو نہ اگائی ہو یہاں تک کہ زندے مردوں کو یاد کرینگے اور اسی حالت میں وہ سات یا آٹھ یا نو برس زندہ رہیگا ❖

۳ عن ابی سعید قال ذکر رسول اللہ صلعم بلاء یصیب ھذہ الامۃ حتی لا یجد الرجل ملجاء الیہ من الظلم فیبعث اللہ رجلا من عترتی و اہل بیتی فیملاء بہ الارض قسطا و عدلا کما ملئت ظلما و جورا یرضی عنہ ساکن السماء و ساکن الارض لا تدع السماء من قطرھا شیئا الا صبتہ مدرارا و لا تدع الارض من نباتہا شیئا الا اخرجتہ حتی یتمنی الاحیاء الاموات یعیش فی ذالک سبع سنین او ثمان سنین او تسع سنین ۔ (مستدرک حاکم) ۔ مشکوٰۃ صفحہ ۴۶۳ ❖

عليهم ذلك بعث كلب والخيبة لمن لم
يشهد غنيمة كلب فيقسم المال ويعمل فى
الناس لسنة نبيهم صلعم ويلقى الاسلام
بجرانه الى الارض فيلبث سبع سنين
(تسع سنين) ثم يتوفى ويصلى عليه
المسلمون ۔ (ابوداؤد صفحہ ۲۳۴)

بیعت کرلینگے پھر شام سے اُس پر لشکر چڑھ کر آویگا پھر وہ لشکر مکہ و مدینہ کے درمیان کے میدان میں دھنس جاویگا جب لوگ یہ بات دیکھینگے تو شام کے ابدال یعنی بزرگ لوگ اور عراق کے لشکر اُس کے پاس چلے آوینگے اور اُس سے بیعت کرینگے پھر ایک شخص قریش میں سے جس کی قوم بنی کلب رشتہ میں ماموزاد ہو گی اُٹھیگا اور ایک لشکر اُن پر بھیجے گا اور وہ اُن پر فتح پاوینگے اور یہ لشکر قوم کلب کا ہوگا۔ افسوس ہے اُس شخص پر جو کلب کی لوٹ میں موجود نہ ہو پھر وہ شخص مال کو تقسیم کریگا اور لوگوں میں اُن کے پیغمبر کے طریقہ پر عمل کریگا اور اسلام کو زمین پر پھیلاویگا پھر سات برس یا نو برس جیتا رہیگا پھر مرجاویگا اور مسلمان اُس کی نماز پڑھینگے ۔

یہ شروع زمانہ اس قسم کی حدیثوں کے بننے کا ہے اور ابھی تک مہدی کا لفظ وضع نہیں کیا گیا ہے مگر محدثین نے مہدی ہی سے اس حدیث کا بھی تعلق سمجھا ہے اور اسی لئے ابوداؤد نے باب المہدی میں اس حدیث کو لکھا ہے۔ مگر غور کرنے سے صاف ظاہر ہے کہ یہ حدیث عبداللہ بن زبیر کے لئے بنائی گئی تھی مدینہ سے مکہ میں آنا اور بین الرکن والمقام بیعت کا ہونا اور پہلی دفعہ جو شام کا لشکر بغیر فتح کے واپس چلا گیا اُس کے دھنس جانے سے کنایہ کرنا اور عراق سے لشکر کا آنا جس نے عبداللہ بن زبیر کی اطاعت قبول کی تھی یہ سب ایسے اشارے اس پیشین گوئی میں ہیں کہ ہیر پھیر کر سب اِس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ جو پیشین گوئی اس میں ہے وہ عبداللہ بن زبیر ہی اُس کی مصداق ہیں ۔

بنی فاطمہ نے جو تدبیر خلافت مغصوبہ کے دوبارہ حاصل کرنے کی کی تھی وہ مدت تک جاری رہی مگر افسوس ہے کہ کامیاب نہ ہوئے ۔

سب سے پہلے کوشش وہ تھی جو یزید کے وقت میں ہوئی اور اہل کوفہ کی خواہش پر حضرت امام حسینؑ نے مسلم ابن عقیل کو وہاں بھیجا اور پھر خود بھی روانہ ہوئے اور صحرائے ماریہ میں فرات کے کنارہ ۶۱ھ ہجری مطابق ۶۸۰ء کے مع بہتر رفقا کے شہید ہوگئے ۔

مگر بنی فاطمہ کے دل سے یہ دعوے زائل نہیں ہوا جبکہ ۱۰۵ھ ہجری مطابق ۷۲۴ء کے ہشام بن عبدالملک خلیفہ ہوا تو زید ابن علی بن حسین علیہم السلام نے جو مدت سے اپنی خلافت کی تدبیر کررہے تھے اور جا بجا اُن کے نقیب پھیلے ہوئے تھے کوفہ میں دعوائے خلافت کیا مگر جب

اور وہ شہید ہو گئے ؀

حضرت محمدؐ بن عبد اللہ کی خلافت مستحکم کرنے کو اور اِس غرض سے کہ لوگ اُن کے معتقد اور اُن کے گرویدہ ہو جاویں اُن کے طرفداروں نے بہت سی وضعی حدیثیں پھیلائیں اُنہیں میں سے وہ حدیث بھی ہے جو ابو داؤد میں لکھی ہے اور جس میں ہارون اور عمرو بن ابی قیس اور ابو اسحٰق بھی راوی ہیں اور وہ حدیث یہ ہے کہ حضرت علی نے اپنے بیٹے امام حسنؑ کی طرف دیکھا اور کہا کہ

۶-(ہارون عمرو بن ابی قیس ابو اسحٰق شیعی) قال علی ونظر الی ابنہ الحسن قال ان ابنی ھذا سید کما سماہ النبی صلعم وسیخرج من صلبہ رجل یسمی باسم نبیکم صلعم یشبھہ فی الخلق ولا یشبھہ فی الخلق ثم ذکر قصۃ یملأ الارض عدلا (ابو داؤد صفحہ ۲۳۳)

"یہ میرا بیٹا سیّد ہے جیسے کہ پیغمبر خدا نے اُن کا یہ نام رکھا ہے اور قریب ہے کہ اُس کی اولاد میں سے ایک شخص نکلیگا جس کا نام وُہی ہوگا جو تمہارے نبی کا نام ہے اور اُنہیں کا سا خُلق ہوگا مگر صورت میں اُن کے مشابہ نہ ہوگا پھر اُن کا بیان کیا کہ وہ بھر دیگا زمین کو عدل سے" محمد ابن عبد اللہ حضرت امام حسنؑ کے پر پوتے تھے اور محمدؐ ہی اُن کا نام تھا پس اُن کی خلافت پر لوگوں کو راغب کرنے کے لئے یہ حدیث بنائی گئی ؀

علاوہ اس کے اور بہت سی وضعی حدیثیں ہیں جن میں مہدی کا محمدؐ نام ہونے کی بشارت ہے چنانچہ ابو داؤد میں ایک حدیث جس میں عاصم بھی ایک راوی ہے اور وہ حدیث یہ ہے کہ

۷-(عاصم) عن عبد اللہ بن مسعود عن النبی صلعم لو لم یبق من الدنیا الا یوما لطول اللہ ذٰلک الیوم حتی یبعث اللہ فیہ رجلا منی او من اھل بیتی یواطی اسمہ اسمی واسم ابیہ اسم ابی زاد فطر یملأ الارض قسطا وعدلا کما ملئت ظلما وجورا وفی حدیث سفیان لا تذھب او لا تنقضی الدنیا حتی یملک العرب رجل من اھل بیتی یواطی اسمہ اسمی (ابو داؤد صفحہ ۲۳۲)

عبد اللہ ابن مسعود نے نبی صلعم کا زمانا بیان کیا کہ اگر دنیا بجز ایک دن کے کچھ نہ باقی رہی تو بھی اللہ تعالےٰ ضرور اُس دن کو بڑھاویگا تاکہ اللہ اُس میں ایک شخص کو مجھ میں سے یا یہ کہا کہ میری اہلبیت میں سے کھڑا کریگا جس کا نام میرے نام کے مطابق ہوگا اور اُس کے باپ کا نام میرے باپ کے نام کے مطابق اور فطر راوی نے اس قدر اور بڑھایا کہ وہ بھر دیگا زمین کو عدل و انصاف سے جیسے کہ وہ بھر گئی ہوگی ظلم و جور سے اور سفیان کی حدیث میں ہے کہ نہ جاویگی یا نہ گذریگی دنیا یہاں تک کہ میرے اہلبیت میں سے عرب کا ایک شخص مالک ہوگا جس کا نام میرے نام کے مطابق ہوگا" محمد ابن عبد اللہ نے حجاز میں خروج کیا تھا اور اسی لئے اس حدیث میں عرب کا نام بھی داخل کیا گیا ؀

کچھ عجب نہیں ہے کہ اسی زمانہ میں اُس شخص کے لیئے جس کی نسبت مُبہم مُبہم پیشین گوئی
ہوتی چلی آتی تھی مہدی لقب وضع ہوا کیونکہ مہدی کا لقب انہی حدیثوں کے ساتھ شامل ہے
جن میں بنی فاطمہ اور اہل بیت میں سے خلیفہ ہونے کی بشارت ہے اور وہ حدیثیں بھی جن میں

۴۔ (علی بن نفیل) عن ام سلمة
قال سمعت رسول اللہ صلعم یقول المهدی
من عترتی من ولد فاطمة *
(ابو داؤد۔ صفحہ ۲۳۲)

مہدی کا لقب بیان ہوا ہے متعدد کتابوں میں
ہیں چنانچہ ابوداؤد میں ام سلمہ سے جس کے راویوں
میں علی بن نفیل بھی ایک راوی ہے یہ حدیث
مذکور ہے کہ ام سلمہ نے کہا کہ میں نے رسول خدا
صلعم سے سُنا ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ میری آل میں سے اور فاطمہؓ کی اولاد میں سے مہدی ہوگا“
اور ابوداؤد ہی میں ایک دوسری حدیث ابی سعید خدری سے ہے جس میں عمران القطان

۵۔ (عمران القطان) عن سعید
الخدری قال قال رسول اللہ صلعم المهدی
منی اجلی الجبهة اقنی الانف یملا الارض
قسطا وعدلا کما ملئت جورا وظلما
یملك سبع سنین *
(ابو داؤد۔ صفحہ ۲۳۲)

بھی ایک راوی ہے اور وہ یہ ہے کہ سعید خدری
نے آنحضرت صلعم کا یہ فرمانا بیان کیا کہ ”مہدی
مجھ میں سے ہے چمکتی ہوئی پیشانی اور اونچی
ناک والا بھر دیگا زمین کو عدل و انصاف سے
جیسے کہ بھر گئی ہوگی جور و ظلم سے اور وہ مالک
رہیگا سات برس“ جو حلیہ اس حدیث میں
بیان ہوا ہے گویا وہ حلیہ زید شہید کا ہے *

اتفاقات زمانہ سے حضرت زید شہید اور اُن کے بیٹے حضرت یحییٰ اپنے ارادہ میں کامیاب
نہ ہوئے اور ہشام کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔ حضرت یحییٰ نے شہید ہونے وقت وصیت کی
کہ میرے بعد محمد بن عبداللہ کی طرف رجوع کرنا حضرت محمد پر پوتے ہیں حضرت امام حسن علیہ السلام

قال الزیدیة بامامة ابنه یحیی من
بعد زید فمضی الی خراسان وقتل بالجوزجان
بعد ان اوصی الی محمد بن عبد اللہ
بن حسن بن الحسن السبط ویقال له
النفس الزکیة فخرج بالحجاز وتلقب
بالمهدی وجاءته عساکر المنصور فقتل *
(ابن خلدون صفحہ ۱۶۷)

کے انہی کا خطاب نفس زکیہ اور لقب المهدی ہے
چنانچہ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ فرقہ زیدیہ
حضرت زید شہید اور اُن کے بیٹے حضرت یحییٰ
کی امامت کے قائل ہیں پھر وہ خراسان کی طرف
گیئے اور خورجان میں شہید ہو گئے شہید ہوتے
وقت اُنہوں نے محمد بن عبداللہ بن حسن بن
الحسن السبط کے حق میں وصیت کی اُن کو نفس زکیہ
ہشام بن عبد
تدبیر کر رہے تھے اُنہوں نے حجاز میں خروج کیا اور مہدی اُن کا لقب دیا گیا پھر منصور کا لشکر اُن پر چڑھ آیا۔

الجنۃ انا و حمزۃ و علی و جعفر و الحسن والحسین والمھدی (ابن ماجہ صفحہ ۳۴۹) تھے کہ ہم اولاد عبدالمطلب سردار اہل جنت ہیں اور وہ کون ہیں میں ہوں اور حمزہ اور علی اور جعفر اور حسن اور حسین اور المھدی "۔

غور کرو کہ اس حدیث کے بنانے والے نے جو خاص بنی فاطمہ کا طرفدار معلوم ہوتا ہے کس حکمت سے حضرت عباس کا نام اولاد عبدالمطلب سے چھوڑ دیا ہے تاکہ بنی عباس کے دعوے خلافت کو تقویت نہ پہنچے۔ حالانکہ طرفداران بنی فاطمہ و طرفداران بنی عباس دونوں اکثر شیعی تھے مگر جو جس کا طرفدار تھا اُس کے مفید کام کرتا تھا ۔

بنی عباس نے اپنی تدبیروں میں نہایت کامیابی حاصل کی اور آخر کار وہ خلیفہ ہو گئے۔ بنی عباس میں سے ابراہیم بن محمد بن علی بن عبداللہ بن العباس نے اپنے تئیں بلقب امام ملقب کیا مگر وہ مروان کی قید میں پڑے اور قتل ہوئے۔ اس واقعہ سے بنی عباس کی تدبیروں میں کچھ نقصان نہیں آیا اس لئے کہ ابومسلم خراسانی نے جو نہایت دانشمند اور مدبر شخص تھا محمد بن علی بن عبداللہ بن العباس سے خفیہ بیعت کر لی تھی اور وہ خراسان میں اس لئے گیا ہوا تھا کہ لوگوں کو بنی عباس کے خلیفہ ہونے پر مائل کرے ابومسلم پاس وہاں خوب جمعیت جمع ہوگئی اور بنی عباس کی طرف لوگوں کے دل مائل ہو گئے۔ ابومسلم نے "نقیب آل محمد" اپنا لقب اختیار کیا کیونکہ بنی عباس بھی آل محمد کہلاتے تھے اور اپنی طرف سے ستر نقیب اطراف میں لوگوں کو بنی عباس کی خلافت پر مائل کرنے کے لئے روانہ کئے اور کل دوستداران آل عباس کے لئے سیاہ لباس تجویز کیا اور اُن کے لشکروں کے جھنڈے بھی سیاہ قرار پائے ۔

اُس زمانہ میں سب سے بڑا نسخہ لوگوں کو گرویدہ کرنے کا حدیثوں کا پیش کرنا تھا اس لئے بنی عباس کے طرفداروں نے ایسی وضعی حدیثیں بنائیں جن سے خلیفہ یا مہدی ہونے کی پیشین گوئی بنی عباس کے حق میں نکلتی تھی اور مسلمانوں کو اُن کی مدد کرنا اُن حدیثوں کی رُو سے ضرور ثابت ہوتا تھا چنانچہ اسی قسم کی وہ حدیث ہے جو مشکوٰۃ میں مندرج ہے اور وہ یہ ہے کہ "ثوبان نے

۴ عن ثوبان قال قال رسول اللہ صلعم اذا رأیتم الرایات السود قد جاءت من قبل خراسان فاتوھا فان فیھا خلیفۃ اللہ المھدی رواہ احمد والبیھقی فی دلائل النبوۃ ۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۴۶۳) کہا کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا جس وقت تم دیکھو سیاہ جھنڈوں کو خراسان کی طرف سے آتے ہوئے تو اُن کی اطاعت کرو بیشک انھی میں خلیفۃ اللہ مہدی ہوگا"

اس حدیث کے مضمون سے صاف پایا جاتا ہے کہ ابومسلم نے جو اپنے لشکر کے جھنڈے سیاہ قرار دئے تھے اس لئے ہوا خواہان بنی عباس نے

ترمذی میں بھی اسی قسم کی مندرجہ ذیل حدیثیں ہیں اور اُن سب میں عاصم بھی ایک راوی ہے اور وہ حدیثیں یہ ہیں۔

۸۔ (عاصم) عن عبد اللہ قال قال قال رسول اللہ صلعم لا یذھب الدنیا حتی یملک العرب رجل من اھل بیتی یواطی اسمہ اسمی ۔ (ترمذی صفحہ ۳۷۱)

عبد اللہ نے کہا کہ رسول خدا صلعم نے فرمایا کہ دنیا نہیں جانے کی جب تک کہ میری اہلبیت میں سے ایک شخص عرب کا مالک ہو جس کا نام میرے نام کے مطابق ہوگا ۔

۹۔ (عاصم) عن عبد اللہ عن النبی صلعم قال یلی رجل من اھل بیتی یواطی اسمہ اسمی ۔ (ترمذی صفحہ ۳۷۱)

پھر انھی عبد اللہ سے روایت ہے کہ نبی صلعم نے فرمایا کہ والی ہوگا ایک شخص میری اہلبیت میں سے جس کا نام میرے نام کے مطابق ہوگا ۔

۱۰۔ (عاصم) عن ابی ھریرۃ قال لو لم یبق من الدنیا الا یوما لطول اللہ ذالک الیوم حتی یلی الخ (ترمذی صفحہ ۳۷۱)

اور ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ اگر دنیا سے بجز ایک دن کے باقی نہ رہے تو ضرور اللہ تعالےٰ اُس دن کو بڑھا دیگا تاکہ والی ہو ایک شخص میری اہلبیت میں سے جس کا نام میرے نام کے مطابق ہوگا ۔

ابن ماجہ میں بھی اس قسم کی حدیثیں پائی جاتی ہیں۔ ایک حدیث میں جس کے راویوں میں یاسین العجلی بھی راوی ہے یہ آیا ہے کہ حضرت علیؓ نے کہا کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ المھدی ہم میں سے ہماری اہل بیت میں سے ایک رات میں اللہ تعالےٰ اُس کے سب کام درست کر دیگا ۔

۱۱۔ (یاسین عجلی) عن علی قال قال رسول اللہ صلعم المھدی منا اھل البیت یصلحہ اللہ فی لیلۃ ۔ (ابن ماجہ صفحہ ۲۹۷)

ایک اور حدیث میں جس میں علی بن نفیل بھی راوی ہے سعید بن مسیّب کا بیان ہے کہ ہم ام سلمہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور مہدی کا ذکر کر رہے تھے ام سلمہ نے کہا کہ میں نے رسول خدا صلعم سے سُنا ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ مہدی اولاد فاطمہ سے ہوگا ۔

۱۲۔ (علی بن نفیل) عن سعید بن مسیب قال کنا عند ام سلمۃ فتذاکرنا المھدی فقالت سمعت رسول اللہ صلعم یقول المھدی من ولد فاطمۃ (ابن ماجہ صفحہ ۲۹۷)

ایک اور حدیث میں جس میں علی بن نفیل بھی راوی ہے سعید بن مسیب کا بیان ہے کہ ہم ام سلمہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور مہدی کا ذکر کر رہے تھے ام سلمہ نے کہا کہ میں نے رسول خدا صلعم سے سُنا ہے کہ آپ فرماتے

۱۳۔ (عکرمۃ بن عمار علی بن زیاد) عن انس بن مالک قال سمعت رسول اللہ صلعم یقول نحن ولد عبد المطلب سادۃ اھل

اعزو رقت عيناه وتغير لونه قال فقلت
ما نزال نرى في وجهك شيئا نكرهه فقال
انا اهل بيت اختار الله لنا الآخرة على
الدنيا وان اهل بيتي سيلقون بعدي
بلاء وتشديدا وتطريدا حتى يأتي قوم
من قبل المشرق معهم رايات سود فيسألون
الخير فلا يعطونه فيقاتلون فينصرون
فيعطون ما سألوا فلا يقبلونه حتى يدفعوها
الى رجل من اهل بيتي فيملأها قسطاً
كما ملؤها جورا من ادرك ذلك منكم
فليأتهم ولو حبوا على الثلج ٭
(ابن ماجه صفحه ٢٨٧)

متغیر ہوگیا۔ عبد اللہ نے عرض کیا کہ کیا بات ہے
جو آپ کے چہرہ مبارک سے ایسی بات پائی
جاتی ہے جو ہم کو ناخوش کرتی ہے آپ نے
فرمایا کہ اللہ تعالےٰ نے ہم اہل بیت کے لئے
دنیا پر آخرت کو پسند کیا ہے اور قریب ہے کہ
میری اہل بیت میرے بعد بلا میں اور تشدد
میں اور ڈاواں ڈول ہو جانے میں پڑیگی
یہاں تک کہ مشرق کی جانب سے ایک قوم آویگی
جس کے ساتھ سیاہ جھنڈے ہونگے پھر وہ
ایک نیک بات کا سوال کریگی پھر اُن کو وہ
نہیں ملیگا پھر وہ لڑینگے اور فتح پاوینگے اور
جو مانگتے تھے وہ مل جاویگا پھر وہ اُس کو
قبول نہ کرینگے یہاں تک کہ اُس کو میری اہل بیت میں سے ایک آدمی کو دیدینگے اُس وقت کہ
ایک شخص میری اہل بیت میں سے کہ دیدیا جاویگا پھر وہ بھر دیگا دنیا کو انصاف سے جس طرح
کہ وہ بھر گئی ہوگی ظلم سے جو شخص تم میں سے اُس کو پاوے تو اُن کا ساتھ دے گو کہ برف پر
گھسٹ کے ہو۔"

ابو مسلم نے جو لوگوں کو بنی عباس کی خلافت پر مائل کیا تھا مدت تک اُس نے یہ ظاہر نہیں
کیا کہ کس شخص کو وہ خلیفہ ہونا چاہتا ہے جب بہت لوگ جمع ہوگئے اور لشکر بہم پہنچ گیا اور خراسان
میں بخوبی ضبط ہوگیا اُس وقت اُس نے عبد اللہ ابو العباس کا نام ظاہر کردیا اور اُس کو خلیفہ مشہور
کردیا۔ پس یہ حدیث صرف اس تدبیر کے پورا کرنے کو بطور پیشین گوئی بنائی گئی تاکہ عبد اللہ کی خلافت
کا اثر اور استحکام لوگوں کے دلوں پر جم جاوے ٭

ابن ماجہ میں ایک اور حدیث بھی ہے جس میں عبد الرزاق ابی قلابہ بھی راوی ہے اور وہ

١٧- (عبد الرزاق ابی قلابه عن ثوبان
رض قال قال رسول الله صلعم يقتتل عند كنزكم
ثلاثة كلهم ابن خليفة ثم لا يصير الى
واحد منهم ثم تطلع الرايات السود من قبل
المشرق فيقتلونكم قتلا لم يقتله قوم ثم

یہ ہے کہ "ثوبان نے کہا کہ رسول خدا صلعم نے
فرمایا کہ تمہارے خزانہ پر تین شخص مارے جاوینگے
وہ سب خلیفہ کے بیٹے ہونگے پھر اُن میں کسی کو
نہ ملیگا پھر مشرق کی جانب سے سیاہ جھنڈے
نکلینگے اور تم کو ایسا قتل کرینگے کہ کسی قوم نے

یہ حدیث وضع کر کر لوگوں میں پھیلائی تھی۔ تاکہ لوگ اُن کے مطیع ہو جاویں *

اِس سے بھی زیادہ وضعی ایک اور حدیث ہے جو ابو داؤد میں مذکور ہے۔ انہی ہنگاموں اور تدبیروں کے زمانوں میں جو نسبت خلافت کے ہو رہی تھیں ایک شخص الحرث قوم ازد میں سے تھا اور وہ بھی خراسان میں بنی اُمیہ کے گروہ میں تھا مگر اُس نے خلیفہ بنی اُمیہ کی اطاعت کو چھوڑ دیا اور ہوا خواہان بنی عباس میں شامل ہو گیا چنانچہ تاریخ ابن خلدون میں لکھا ہے۔ کہ ”حرث

کان الحرث عظیما لازد بخراسان	ایک شخص قوم ازد کا خراسان میں تھا اُس نے
فخلع سنة ستة عشر ولبس السواد ودعا	۱۱۶ھ میں خلیفہ بنی اُمیہ کی اطاعت کو
الی کتاب الله وسنة نبیه والبیعة الرضا	چھوڑ دیا اور سیاہ لباس پہن لیا اور لوگوں کو
علی ما کان علیه دعاة بنی عباس هناك	خدا کی کتاب و پیغمبر کی سُنّت پر چلنے اور اُس

طریقہ کو پسند کرنے پر جس پر کہ بنی عباس کے ہوا خواہ بیعت لے رہے تھے مشغول ہوا“

اس حرث کے لیے بھی ایک حدیث بنائی گئی اور لوگوں میں پھیلائی گئی جو ابو داؤد میں مندرج ہے اور جس میں ہارون و عمرو بن ابی قیس وہلال ابن عمر بھی راوی ہیں اور وہ حدیث یہ ہے کہ ”حضرت علیؓ نے کہا کہ رسول خدا صلی اللہ

۱۵۔ (هارون عمرو بن ابی قیس	علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا کہ نہر فرات کے اُس طرف
هلال ابن عمرو) عن علی قال قال رسول الله صلعم	سے ایک شخص خروج کریگا جس کو حارث حراث
یخرج رجل من وراء النهر یقال له الحارث	کہینگے اُس کی سرداری میں ایک شخص ہوگا
حراث علی مقدمته رجل یقال له منصور	جس کو منصور کہینگے بسا دیگا اور جگہ دیگا
یوطن او یمکن لآل محمد کما مکنت قریش	آل محمدؐ کو جس طرح کہ جگہ دی قریش نے رسول خدا
لرسول الله صلعم وجب علی کل مومن نصره	صلعم کو واجب ہے ہر مسلمان پر اُس کی مدد“

(ابو داؤد صفحہ ۲۳۳)

یہ منصور وُہی ہیں بنی عباس میں سے جو خلیفہ ہوئے۔ پس ان تمام واقعات کے مطابق کرنے سے کِس شخص کو شبہ باقی رہتا ہے کہ یہ سب حدیثیں وقت کی مناسبت سے اور اپنے مقاصد کے حاصل کرنے کے لئے بنا لی گئی تھیں *

اسی قسم کی کئی حدیثیں ابن ماجہ میں ہیں اُنہی میں سے وہ حدیث ہے جس میں یزید ابن ابی زیاد بھی راوی ہے اور وہ یہ ہے۔ کہ ”عبد اللہ نے کہا کہ ایک دفعہ ہم رسول خدا صلعم کے پاس

۱۶۔ (یزید ابن ابی زیاد) عن عبد الله	تھے کہ دفعتہً بنی ہاشم کے چند گبرو آگئے جب
قال بینما نحن عند رسول الله صلعم اذ اقبل	اُن کو رسول خدا صلعم نے دیکھا تو آپ کی
فتیة من بنی هاشم فلما راهم النبی صلعم	آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور آپ کا رنگ

مگر اس کا سبب ذرا سے غور کرنے میں بخوبی واضح ہو جاتا ہے۔ دیکھو یہ حدیثیں دو گروہ سے متعلق ہیں۔ ایک بنی فاطمہ سے اور ایک بنی عباس سے۔ ایک قسم کی حدیثوں میں المہدی کا ہونا بنی فاطمہ میں بیان ہوا اور اس کی اطاعت و نصرت پر حکم ہے۔ اور ایک قسم کی حدیثوں میں بنی عباس میں المہدی کا ہونا اور اس کی مدد و اعانت کرنے کا حکم ہے۔ اگر درحقیقت کوئی المہدی ہوتا تو وہ بنی فاطمہ میں سے ہوتا یا بنی عباس میں سے نہ یہ کہ دو مختلف شاخوں میں سے۔ پس صاف پایا جاتا ہے کہ کوئی پیشین گوئی المہدی کی نہ تھی بلکہ ہر ایک فریق نے اپنی اپنی تائید کے لئے حدیثیں بنا لی تھیں ؛

جن حدیث کی کتابوں میں یہ حدیثیں مندرج ہیں اگر وہ کتابیں قبل ان واقعات کے تصنیف ہو چکی ہوتیں اور اُن میں یہ حدیثیں مندرج ہوتیں تو البتہ ایک بات قابل اعتماد کے ہوتی مگر وہ سب کتابیں حدیث کی جن میں یہ حدیثیں ہیں ان واقعات کے بہت دنوں بعد تالیف ہوئی ہیں۔ ان حالات سے جو ہم نے بیان کئے صاف ظاہر ہے کہ یہ سب واقعات ۱۵۰ھ ہجری سے پہلے ختم ہو چکے تھے اور اُن حدیث کی کتابوں کے مصنف سب اُس زمانہ کے بعد تھے اور وہ کتابیں سب اُس زمانہ کے بعد تالیف ہوئی ہیں جس کی تفصیل ذیل میں مندرج ہے :-

نام	سنہ پیدایش	سنہ وفات
محمد اسمٰعیل بُخاری	۱۹۴	۲۵۶
مُسلم	۲۰۴	۲۶۱
ابو عیسےٰ محمد ترمذی	۲۰۹	۲۷۹
ابو داؤد	۲۰۲	۲۷۵
ابو عبدالرحمٰن احمد نسائی	۲۱۵	۳۰۳
ابو عبداللہ محمد ابن ماجہ	۲۰۹	۲۹۳

اس رائے کی زیادہ تقویت اِس بات سے ہوتی ہے کہ امام مالک ۹۵ھ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۱۷۹ھ ہجری میں فوت ہوئے اور یہ تمام واقعات اُن کے سامنے گذرے مگر اُن کی کتاب موطا میں کوئی حدیث المہدی کی پیشین گوئی کی نہیں ہے اور نہ بُخاری و مُسلم میں ہے ؛

ایک بڑا دھوکہ لوگوں کو یہ پڑتا ہے کہ جب سُنتے ہیں یا دیکھتے ہیں کہ یہ حدیث صحاح ستہ میں مندرج ہے تو بلا غور اُس کو مان لینا چاہتے ہیں حالانکہ مُصنفین صحاح ستہ نے جہاں تک اُن سے ہوسکا ہے اُنھوں نے روایت کی تنقیح میں بڑی کوشش کی ہے یعنی حتے المقدور جن راویوں کو معتبر سمجھا اور اُنھوں نے جو حدیث نقل کی اُس کو کتاب میں مندرج کیا مگر اُن حدیثوں کی تنقیح بلحاظ

ذکر شیئًا لا احفظہ فقال اذا رأیتموہ فبایعوہ ولو حبوا علی الثلج فانہ خلیفۃ اللہ المہدی ۔ (ابن ماجہ صفحہ ۲۹۹)

نہ کیا ہوگا اُس کے بعد اور کچھ فرمایا جو راوی کو یاد نہیں رہا پھر یہ فرمایا کہ جب تم اُن کو دیکھو تو اُن سے بیعت کرو گو کہ برف پر گھسٹ کر جانے سے ہو کیونکہ وہ ہوگا خلیفۃ اللہ المہدی ۔

جبکہ بنی اُمیہ کے خاندان کی خلافت ختم ہونے کو ہوئی اور بنی عباس کا ستارۂ اقبال عروج پر ہوا تو ان جھگڑوں میں اس قدر خوں ریزیاں ہوئی تھیں کہ در حقیقت کسی قوم میں نہ ہوئی تھیں بنی اُمیہ اور اُن کے طرفدار سب قتل ہوئے محمد بن علی کے سامنے ایک حمام میں ستر گروہ بنی اُمیہ کے قتل ہوئے تھے اور پھر اُن کی لاشوں پر بچھونا بچھا کر کھانا کھایا گیا تھا عبداللہ ابوالعباس کا نام سفاح بسبب بے انتہا خونریزی کے پڑ گیا تھا اِس خونریزی پر خاک ڈالنے اور بنی عباس کی خلافت مستحکم کرنے کے لئے یہ حدیث بنائی گئی جس سے معلوم ہوا کہ اس خونریزی کی پیشین گوئی ہو چکی تھی اور ضرور ہونے والی تھی ۔

ابن ماجہ میں ایک اور حدیث ہے کہ عبداللہ بن الحارث زیدی نے کہا کہ رسول خدا صلعم

۱۸- (ابن لہیعۃ) عن عبداللہ ابن الحارث بن زید یٰ قال قال رسول اللہ صلعم یخرج ناس من المشرق فیوطئون للمہدی یعنی سلطانہ (ابن ماجہ صفحہ ۳۰۰)

نے فرمایا کہ مشرق کی جانب سے لوگ خروج کرینگے اور مہدی کے لئے سلطنت و حکومت قائم کرینگے ۔

بنی عباس کی کوششوں کا آخر کار نتیجہ یہ ہوا کہ عبداللہ ابوالعباس سفاح پڑپوتے حضرت عباس کے مستقل خلیفہ ہو گئے اُن کے مرنے کے بعد ابو جعفر منصور دوانقی اُن کا بھائی سنہ ۱۳۶ ہجری مطابق سنہ ۷۵۵ء کے خلیفہ ہوا اُسی کے وقت میں محمد بن عبداللہ حضرت امام حسن کے پروتے نے دعوے خلافت کیا تھا جو انجام کار قتل ہوئے - اس کے مرنے کے بعد ابو عبداللہ محمد بن منصور سنہ ۱۵۸ ہجری مطابق سنہ ۷۷۵ عیسوی کے خلیفہ ہوئے اور اُنہوں نے المہدی اپنا لقب قرار دیدیا تاکہ لوگ جان لیں کہ المہدی جس کی پیشین گوئیاں تھیں وہ آ چکا اب کوئی نہیں آنے والا - مقصود اس سے یہ تھا کہ آیندہ فساد اور دعوے مہدیت بند ہو ۔

ان تمام حالات کو پڑھ کر ضرور ہمارے اِس آرٹکل کے پڑھنے والوں کے دل میں یہ خیال جاویگا کہ یہ کیوں قرار دیا گیا ہے کہ جب یہ واقعات پیش آئے تو اُس وقت اُن کے مطابق یہ حدیثیں اپنے اپنے اغراض کے لئے بنائی گئیں برعکس اس کے یہ کیوں نہیں قرار دیا جاتا کہ یہ سب حدیثیں تھیں اور جو پیشین گوئیاں اُن میں تھیں اُنھی کے مطابق یہ سب واقعات پیش آئے ۔

غیر ثقۃ (صفحہ ۲۶۲) اس کی روایت سے استدلال نہ کرنا چاہیئے اور ابو بکر بن عیاش نے کہا ہے کہ میں نے فطر کی روایت تو اُس کی خرابی مذہب کے سبب سے چھوڑ دی ہے اور جرجانی نے کہا ہے کہ وہ کج رائے ہے قابل اعتبار کے نہیں ہے ﴿

۱۳۔ (حاکم) قال البلقینی قد جمع الحافظ الذھبی زھاء مائۃ حدیث موضوع من احادیث المستدرك وشنع علیہ غایۃ التشنیع فی بعض المواضع وقال الحافظ ابن حجر انما وقع للحاکم التساھل لانہ سود الکتاب لینقحہ فاعجلتہ المنیۃ او بغیر ذالك فتری الحرم (صفحہ ۱۱)

حاکم کے حق میں بلقینی نے کہا ہے کہ ذہبی نے بقدر سَو حدیث موضوع کے جمع کی ہیں جو حاکم نے مستدرک میں روایت کی ہیں اور اُس پر بہت تشنیع کی ہے اور بُرا کہا ہے اکثر جگہ اور حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ حاکم سے مستدرک میں تساہل اس لئے ہوا کہ اُس نے یہ کتاب لکھی تھی کہ پھر اُسی میں سے احادیث صحیحہ کا انتخاب کریگا مگر اس سے پہلے مر گیا ﴿

(۱۴) بیہقی اور شاہ عبد العزیز محدث دہلوی نے مستدرک اور کتب بیہقی کو طبقہ سوم کہ جس میں احادیث صحیح اور حسن اور ضعیف اور متہم بالوضع بھی ہیں شمار کیا ہے ﴿ **قولہ** طبقہ ثالثہ احادیثے کہ جماعہ از علمائے متقدمین بر زمان بخاری و مسلم یا معاصرین آنہا یا لاحقین بآنہا در تصانیف خود روایت کردہ اند والتزام صحت نہ نمودہ وکتب آنہا در شہرت وقبول در مرتبہ طبقہ اولے وثانیہ نہ رسیدہ ہر چند مصنفین آن کتب موصوف بودند بہ تبحر در علوم حدیث و وثوق وعدالت و ضبط واحادیث صحیح وحسن وضعیف بلکہ متہم بالوضع نیز دراں کتب یافتہ مے شود ورجال آں کتب بعضے موصوف بعدالت وبعضے مستور وبعضے مجہول واکثر آں احادیث معمول بہ نزد فقہاء نشدہ اند بلکہ اجماع برخلاف آنہا منعقد گشتہ ودریں کتب ہم تفاصیل وتفاوت ہست بعضہا اقوی من البعض۔ اسامی آں کتب ایں است ۔ مسند شافعی سنن ابن ماجہ مسند دارمی مسند ابی یعلی موصلی مصنف عبد الرزاق مصنف ابی بکر شیبہ مسند عبد بن حمید مسند ابی داؤد طیالسی سنن دار قطنی صحیح بن حبان مستدرک حاکم کتب بیہقی کتب طحاوی تصانیف طبرانی ﴿

(۱۳ و ۱۴) علی بن نفیل قد ضعفہ ابو جعفر العقیلی وقال لایتابع علی بن نفیل علیہ ولا یعرف الا بہ (صفحہ ۲۶۲)

علی بن نفیل کو عقیلی نے ضعیف کہا ہے اور کہا ہے اس میں اُس کا اور کوئی تابع نہیں ہے اور وہ اسی روایت سے معلوم ہوا ہے اور کوئی روایت اُس کی کہیں نہیں مروی ہوئی ﴿

عمران قطان میں اختلاف ہے کہ اُس کی روایت حجت ہو سکتی ہے یا نہیں بخاری نے

اُن کے واقعات مندرجہ اور اُن کے مضامین کے جو روایت سے تعلق رکھتے ہیں پڑھنے والوں کی تحقیق پر چھوڑا ہے مگر افسوس ہے کہ اس زمانہ کے پڑھنے والے اُس کی تنقیح کی طرف مطلق مُتوجہ نہیں ہوتے *

یہ حدیثیں جو ہم نے بیان کیں اگرچہ اُنہی کتب میں مندرج ہیں جو صحاح میں کہلاتی ہیں لیکن اُن کے راوی بھی معتبر نہیں ہیں اور اس لئے یہ حدیثیں روایت کی تنقیح کے مطابق بھی جو محدثین کے اصُول مسلمہ میں سے ہے قابل رد کرنے کے ہیں پس اَب ہم بموجب اصُول محدثین کے ان حدیثوں کا مردود ہونا بیان کرتے ہیں - ابن خلدون نے ان حدیثوں کے راویوں کی نسبت جو بحث کی ہے نہایت خوبی سے ایک جگہ جمع کردی ہے اور ہم اُسی کی نقل پر اکتفا کرتے ہیں *

ہمارے آرٹکل کے پڑھنے والے دیکھینگے کہ ہم نے ہر حدیث کے پہلے بعض راویوں کا نام دو ہلالی خط کے بیچ میں لکھ دیا ہے اُس سے مطلب یہ ہے کہ اُس حدیث کے راویوں میں سے وہ شخص بھی ایک راوی ہے اور وُہی شخص نامعتبر ہے اور اُسی کے راوی ہونے کی وجہ سے وہ حدیث قابل اعتبار اور لائق قبول کے نہیں رہی پس اَب ہم ہر ایک کی نسبت جو جرح ہے وہ لکھ دیتے ہیں *

۱- (قتادہ) وقتادہ مدلس وقد عنعن فیہ والمدلس لا یقبل من حدیثہ الا ما صرح فیہ بالسماع * (ابن خلدون صفحہ ۲۶۳)

ابو داؤد کی روایت میں قتادہ ایک راوی ہے اور وہ مدلس ہے یعنی بیچ کے راویوں کے نام چھوڑ جاتا ہے اور اُس نے اُس حدیث کو عن عن کر کر بیان کیا ہے اور مدلس کی بیان کی ہوئی حدیث بغیر اس کے کہ وہ اُس کا سُننا صاف نہ بیان کرے قبول نہیں ہوسکتی *

۲- (فطر) قال العجلی حسن الحدیث وفیہ تشیع قلیل وقال ابن معین ثقۃ شیعی وقال احمد بن عبد اللہ بن یونس کنا نمر علی فطر وھو مطروح لا نکتب عنہ وقال مرۃ کنت امر بہ وادعہ مثل الکلب وقال الدار قطنی لا یحتج بہ وقال ابو بکر بن عیاش ما ترکت الروایۃ عنہ الا لسوء مذھبہ وقال الجوجانی زائغ

عجلی نے فطر کے حق میں کہا ہے کہ اُس کی حدیثیں اچھی ہیں اور اس میں کچھ شیعہ پن ہے اور ابن معین نے کہا ہے کہ وہ ثقہ ہے شیعہ ہے اور احمد بن عبد اللہ بن یونس نے کہا ہے کہ ہم فطر کے سامنے کو چلے جاتے تھے اور اُس کو چھوڑ دیتے تھے اُس سے کچھ نہیں لکھتے تھے یعنی ہم اُس کو لائق اخذ روایت کے نہیں جانتے تھے اور مرہ نے کہا ہے کہ میں اُس کو مثل کتے کے چھوڑ کر چلا جاتا ہوں اُس سے روایت نہیں کرتا ہوں اور دار قطنی نے یہ کہا ہے کہ

کان ثقة الا انه کثیر الخطاء ۔ میں اکثر خطا ہوتی ہے ۔

اور یعقوب ابن سفیان نے کہا ہے کہ اس کی حدیث میں اضطراب ہے اور عبد الرحمن بن
ابی حاتم نے کہا ہے کہ میں نے اپنے باپ سے کہا کہ ابوزرعہ یہ کہتا ہے کہ عاصم ثقہ ہے کہا

فی حدیثه وقال یعقوب بن سفیان
فی حدیثه اضطراب وقال عبد الرحمن
بن ابی حاتم قلت لابی ان ابا زرعة یقول
عاصم ثقة قال لیس محله هذا وقد تکلم
فیه ابن علیة فقال کل من اسمه عاصم
سیئ الحفظ وقال ابو حاتم محله عندی
محل الصدق صالح الحدیث ولم یکن
بذلك الحافظ واختلف فیه قول النسائی
وقال ابن حراش فی حدیثه نکرة وقال
ابو جعفر العقیلی لم یکن فیه الاسوء الحفظ
وقال الدارقطنی فی حفظه شئ وقال
یحیی القطان ما وجدت رجلا اسمه
عاصم وجدته ردی الحفظ وقال ایضا
سمعت شعبة یقول حدثنا عاصم ابن ابی
النجود وفی الناس ما فیها وقال الذهبی
ثبت فی القراة وهو فی الحدیث دون
الثبت صدوق فهم وهو حسن الحدیث
وان احتج احد بان الشیخین خرجا له
فنقول اخرجا مقرونا بغیره لا اصلا له
(صفحه ۲۶۱) ۔

اُس کا یہ درجہ نہیں ہے اور ابن علیۃ نے
اُس میں کلام کیا ہے اور کہا ہے جتنوں کا نام
عاصم ہے اُن کا حافظہ اچھا نہیں ہے اور
ابوحاتم نے کہا ہے کہ میرے نزدیک اُس کا
درجہ یہ ہے کہ وہ سچا ہے اور لائق حدیث کے
ہے مگر کچھ بہت یاد رکھنے والے نہیں ہیں
اور نسائی کے قول اُس کے حق میں مختلف
ہیں اور ابن حراش نے کہا ہے کہ اُس کی حدیث
میں امر قابل انکار بھی ہوتا ہے اور ابوجعفر
عقیلی نے کہا ہے اُس میں سوائے نقص
حافظہ کے اور کچھ عیب نہ تھا اور دارقطنی نے
کہا ہے کہ اُس کی یاد میں کچھ نقص تھے اور
یحیی قطان نے کہا ہے کہ میں نے کسی عاصم
کی یاد اچھی نہیں پائی اور کہا ہے کہ میں نے
سُنا ہے شعبہ سے کہ کہتے تھے مجھ سے حدیث
کہی عاصم بن ابی النجود نے اور آدمیوں میں
مشہور ہے جو اُس کا حال ہے اور ذہبی نے
کہا ہے کہ قرات میں تو وہ بہت اچھا ہے اور
حدیث میں اس سے کم ہے سچا ہے اور اچھی حدیث
والا ہے اور اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ بخاری
اور مسلم نے تو اُس سے روایت کی ہے تو ہم کہتے ہیں کہ اُس سے دوسرے کے ساتھ ملی ہوئی اُنہوں نے
روایت کی ہے اور اصل اُسی کی روایت نہیں کی ۔

یاسین عجلی کے حق میں بخاری نے کہا ہے کہ اُس میں نظر ہے اور بخاری کی اصطلاح میں

۱۱- یاسین عجلی قال البخاری فیه نظر ۔ یہ لفظ بہت زیادہ ضعیف کہنا ہے اور

(۵ نمبر) عمران القطان اختلف فی الاحتجاج بہ انما اخرج لہ البخاری استشہادا لا اصلا وکان یحیی القطان لا یحدث عنہ وقال یحیی بن معین لیس بالقوی وقال مرۃ لیس بشئی وقال احمد بن حنبل ارجو ان یکون صالح الحدیث وقال یزید بن الزریع کان حروریا وکان یری السیف علی اھل القبلۃ وقال النسائی ضعیف (صفحہ ۲۶۳)

اس کی روایت تو دوسری روایت کی تائید اور تقویت کے لیئے ذکر کی ہے اس کی اصل روایت نہیں بیان کی ہے اور یحیی قطان تو اُس کی حدیث نہیں لیتے تھے اور یحیی بن معین نے کہا ہے کہ یہ قوی نہیں ہے اور مرہ نے کہا ہے کہ وہ کچھ نہیں ہے اور امام احمد بن حنبل نے کہا ہے کہ شاید اُس کی حدیثیں اچھی ہوں اور یزید بن الزریع نے کہا ہے کہ اُس کا عقیدہ خوارج کا سا تھا اور اہل قبلہ پر تلوار پکڑنا اور اُن سے لڑنے کا قائل تھا اور نسائی نے کہا ہے کہ وہ ضعیف ہے ✦

ہارون اور عمرو بن ابی قیس اور ابو اسحاق شیعی کا یہ حال ہے کہ ہاروں کے حال سے

(۶) ھارون عمرو بن ابی قیس ابو اسحاق شیعی ھارون سکت ابو داؤد علیہ وقال فی موضع فی ھارون ھو من ولد الشیعۃ وقال السلیمانی فیہ نظر (صفحہ ۲۶۲)

ایک جگہ تو ابو داؤد نے سکوت کیا اور دوسری جگہ کہا ہے کہ وہ شیعوں میں سے ہے اور سلیمانی نے کہا کہ اُس میں نظر ہے ✦

عمرو بن ابی قیس کے حق میں داوود نے یہ کہا ہے کہ اُس کا ڈر نہیں ہے اُس کی

عمرو بن ابی قیس قال ابو داوود فی عمرو بن قیس لا باس بہ فی حدیثہ خطاء و قال الذھبی صدوق لہ اوھام (صفحہ ۲۶۲)

حدیث میں خطا ہوتی ہے۔ ذہبی نے کہا ہے کہ وہ سچا ہے مگر اُس کو کچھ اوہام اور شبہات ہوگئے ہیں ✦

ابو اسحاق الشیعی وان خرج عنہ الشیخان فی الصحیحین فقد ثبت انہ اختلط آخر عمرہ وروایتہ عن علی مقطوعۃ (صفحہ ۲۶۲)

ابو اسحاق شیعی کی روایت اگرچہ بخاری اور مسلم میں مذکور ہیں مگر یہ ثابت ہوا ہے کہ وہ آخر میں بہک گئے تھے اور حضرت علیؓ سے اُن کی روایت متصل نہیں ہے ✦

عجلی نے کہا ہے کہ عاصم نے جو روایتیں زر اور ابی وائل سے کی ہیں اُن میں اختلاف

(۷ و ۸ و ۹ و ۱۰) عاصم قال العجلی کان یختلف علیہ فی زر و ابی وائل یشیر بذلک الی ضعف روایتہ عنہما وقال محمد بن سعد

ہے اس سے اشارہ ہے کہ ان دونوں سے اس کی روایتیں ضعیف ہیں اور محمد بن سعد نے کہا ہے کہ وہ اچھا ہے مگر اُس کی حدیث

ليس بالقوي وقال الجرجاني سمعتهم يضعفون	اور ابو حاتم نے کہا ہے کہ وہ قوی نہیں ہے
حديثه وقال ابن عدي هو من شيعة	اور جرجانی نے کہا ہے کہ میں نے سنا ہے
اهل الكوفة ومع ضعفه يكتب حديثه	علماء کو کہ اُس کی حدیث کی تضعیف کرتے تھے
رواه مسلم لكن مقرونا بغيره وبالجملة	اور ابن عدی نے کہا ہے کہ وہ توکوفہ کے
فالاكثرون على ضعفه وقد صرح الائمة	شیعوں میں سے ہے اور باوجود ضعف کے
بضعف هذا الحديث قال ابو قدامة سمعت	اُس کی حدیث لکھ لے جاوے مسلم نے اُس سے
اباسلمة يقول في حديث يزيد عن ابراهيم	روایت کی ہے لیکن دوسرے سے ملی ہوئی اور
لوحلف عندي خمسين يمينا قسامة ما	اکثر اُس کو ضعیف کہتے ہیں اور سب آئمہ نے
صدقته (صفحه ۲۶۵)	بہ تصریح اس حدیث کو ضعیف کہا ہے ابو قدامہ

نے کہا ہے کہ میں نے ابو سلمہ سے سُنا ہے کہ وہ یزید کی حدیث کو جو اُس نے ابراہیم سے روایت کی ہے یہ کہتے تھے کہ اگر وہ میرے سامنے پچاس مرتبہ اپنے علم پر قسم کھا کر بھی کہے تو میں اُس کو سچا نہ مانوں ✤

۱۷- عبد الرزاق والي قلابه	عبدالرزاق بن ہمام تو شیعہ ہونے میں
عبد الرزاق بن همام كان مشهورا	مشہور تھا اور آخر عمر میں اندھا بھی ہو گیا تھا
بالتشيع وعمي في اخر وقته وقال ابن	اور ابن عدی نے کہا ہے کہ اُس نے فضائل
عدي حديث باحاديث في الفضائل	میں ایسی حدیثیں روایت کی ہیں جو کسی نے
لم يوافقه عليها احد ونسبوه الى	نہیں کی اور اُس کو تو سب نے تشیع کی طرف
التشيع (صفحه ۲۶۷)	نسبت کیا ہے ✤
ابو قلابة ذكره الذهبي وغيره انه	ابو قلابہ کے حق میں ذہبی اور اوروں نے
مدلس وفيه السفيان وهو مشهور بالتدليس	یہ ذکر کیا ہے کہ وہ مدلس ہے اور اس حدیث
وعنعنا ولم يصرحا بالسماع فلا تقبل (۲۶۷)	کے راویوں میں سفیان سے بھی جو تدلیس میں

مشہور ہے اور ان دونوں نے یہ حدیث عن عن کر کے روایت کی ہے اور صاف اپنا سماع نہیں بیان کیا تو نہیں قبول کی جا سکتی ✤

۱۸- ابن لهيعة- قال الطبراني تفرد به	ابن لہیعہ کی حدیث کو طبرانی نے یہ کہا ہے کہ
ابن لهيعة وقد تقدم لنا في حديث علي الذي	یہ صرف اُسی سے مروی ہے اور ہم پہلے حضرت علی
خرجه الطبراني في معجمه الاوسط ان	کی حدیث میں جو طبرانی نے معجم اوسط میں روایت
ابن لهيعة ضعيف (صفحه ۲۶۸)	کی ہے کہہ چکے ہیں کہ وہ ضعیف ہے ✤

هذه اللفظة من اصطلاحهم قوية بالتضعيف جدا و اوراد له ابن عدی فی کامل و ذهبی فی المیزان هذا الحدیث علی وجه الاستنکار له وقال هو معروف به (صفحہ ۲۶۶)

ابن عدی نے کامل میں اور ذہبی نے میزان میں یہی حدیث اُس پر انکار کے لئے ذکر کی ہے اور کہا ہے کہ وہ تو مشہور ہے اس حدیث کے معاملہ میں *

عکرمہ بن عمار اور علی بن زیاد عکرمہ بن عمار کو تو بعض نے ضعیف کہا ہے اور بعض نے

۱۴- عکرمة بن عمار علی بن زیاد عکرمة بن عمار قد ضعفه بعض وثقه آخرون و قال ابو الرازی هو مدلس فلا یقبل منه الا ان یصرح بالسماع (صفحہ ۲۶۷)

اچھا کہا ہے اور ابو حاتم نے کہا ہے کہ وہ مدلس ہے یعنی راوی چھوڑ دیتا ہے اُس کی وہ حدیث ماننی چاہئے جس کو بتصریح یہ کہے کہ میں نے سُنا ہے *

علی بن زیاد۔ قال الذهبی فی المیزان لا ندری من هو وقد تکلم فیه الثوری *

علی بن زیاد کے حق میں ذہبی نے کہا ہے کہ ہم نہیں جانتے وہ کون ہے اور ثوری نے بھی اس میں کلام کیا ہے *

کہا ہے کہ ثوری نے اُس کو دیکھا کہ بہت مسئلوں میں حکم دیتا تھا اور اُن میں خطا کرتا تھا

قالوا انه یفتی فی مسائل ویخطی فیها وقال ابن حبان کان ممن فحش خطاء فلا یحتج به۔ (صفحہ ۲۶۷)

اور ابن حبان نے کہا ہے کہ وہ بہت زیادہ صرف کرتا تھا اور دیتا تھا تو اُس کی حدیث سے حجت نہیں لا سکتے *

۱۵- هلال بن عمرو مجهول (صفحہ ۲۶۷)

ہلال بن عمرو مجہول ہے اُس کا کچھ حال معلوم نہیں ہوا کہ کیسا ہے *

شعبہ نے یزید بن ابی زیاد کے حق میں کہا ہے کہ وہ تو کچھ نہیں اُن حدیثوں کو حضرت رسول اللہ صلعم تک مرفوع کر دیتا تھا جس کا رفع ثابت نہیں ہوا اور محمد بن الفضل نے کہا ہے

۱۶- یزید بن ابی زیاد۔ قال فیه شعبة کان رفاعا یرفع الاحادیث التی لا تعرف مرفوعه وقال محمد ابن الفضل کان من کبار ائمة الشیعه وقال احمد بن حنبل لم یکن بالحافظ وقال مرة حدیثه لیس بذلك و قال یحیی بن معین ضعیف قال ابو زرعه لان یکتب حدیثه ولا یحتج به وقال ابو حاتم

وہ تو شیعوں کا بڑا پیشوا تھا اور احمد بن حنبل نے بھی کہا ہے کہ وہ یاد رکھنے والا نہ تھا اور مرہ نے کہا ہے کہ اُس کی حدیث ایسے درجہ کی نہیں ہے اور یحیی بن معین نے اُس کو ضعیف کہا ہے ابو زرعہ نے یہ کہا ہے کہ وہ اس لائق ہے کہ اُس کی حدیث لکھی جاوے اور اُس کی حدیث سے حجت نہ لانی چاہئے

عن جابر قال قال رسول اللہ صلعم من کذب بالمھدی فقد کفر ومن کذب بالدجال فقد کذب ٭
(فوائد الاخبار لابی بکر العسکاف)

فوائد الاخبار مصنفہ ابی بکر العسکاف میں جابر سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ رسول خدا صلعم نے فرمایا کہ جو کوئی جھٹلاوے مہدی کے ہونے کو وہ کافر ہوگیا اور جو جھٹلاوے دجال کے ہونے کو وہ جھوٹا ہوگیا ٭

مگر یہ حدیث بھی محض جھوٹی اور وضعی ہے ابن خلدون نے اس کی نسبت لکھا ہے کہ

وحسبك ھذا غلوا واللہ اعلم بصحة طریقه الی مالك ابن انس علی ان ابی بکر العسکاف عندھم متھم وضاع ٭
(صفحہ ۲۶۱)

یہی بات کافی ہے کہ یہ نہایت غلو ہے اور خدا ہی اس حدیث کی صحت کے طریقہ کو مالک ابن انس تک جانتا ہوگا۔ علاوہ اس کے یہ بات ہے کہ ابوبکر العسکاف اہل حدیث کے نزدیک متہم ہے اور بہت بڑا جھوٹی حدیثیں بنانے والا ہے ٭

یہ تمام جھگڑے تو بنی فاطمہ اور بنی عباس کے تھے جو اپنے تئیں مستحق خلافت سمجھتے تھے مگر اُس میں بعض اُستاد اور کود پڑے اور اُنہوں نے ایک لفظ حدیث میں بدل کر اُمتی کا لفظ داخل کر دیا تا کہ مہدی کا پیدا ہونا صرف بنی فاطمہ یا بنی عباس پر موقوف نہ رہے اور وہ حدیث یہ ہے کہ "ابوسعید خدری نے کہا کہ ہم نے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا حضرت نے فرمایا کہ میری اُمت میں مہدی ہوگا وہ خروج کریگا اور پانچ برس یا سات برس یا نو برس جیتا رہیگا پھر اُس کے پاس ایک شخص آویگا اور کہیگا اے مہدی مجھے دو مجھے دو حضرت نے فرمایا کہ پھر مہدی اُس کو دونوں لپیں بھر کر اُس کے کپڑے میں ڈالیگا جس قدر وہ اُٹھا سکے" ٭

۱۹۔ (ذیل العجلی) عن ابی سعید الخدری قال سئلنا عن النبی صلعم فقال ان فی اُمتی المھدی یخرج یعیش خمسا او سبعا او تسعا فیجیئ الیہ الرجل فیقول یا مھدی اعطنی اعطنی قال فیحثی له فی ثوبه ما استطاع ان یحمله ٭
(ترمذی صفحہ ۳۷۱)
(ومثل ھذا فی ابن ماجہ صفحہ ۳۰۹)

یہ حدیث تو ترمذی کی ہے اور اسی طرح کی ایک حدیث ابن ماجہ میں ہے اور اُس میں بھی اُمتی کا لفظ ہے مگر ان دونوں حدیثوں میں زید العمی ایک راوی ہے جو نامعتبر ہے اور اسی سبب سے یہ حدیث مردود ہے۔ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ ابوحاتم نے اس کے حق میں کہا ہے کہ اُس کی حدیث ضعیف ہی لکھ لی جاوے اور سند نہ پکڑی جاوے اور یحییٰ بن معین نے ایک

وعبداللہ بن لھیعۃ ضعیف معروف الحال وفیہ عمرو بن جابر الحضرمی وھو اضعف منہ وقال احمد بن حنبل روی عن جابر مناکیر وبلغنی انہ کان یکذب وقال النسائی لیس بثقۃ قال کان ابن لھیعۃ شیخا احمق ضعیف العقل وکان یقول علی فی السحاب وکان یجلس معنا فیبصر سحابۃ فیقول ھذا علی قد مر فی السحاب (صفحہ ۲۶۶)

عبداللہ ابن لہیعہ کے ضعیف ہونے کا حال تو مشہور ہے اور اس حدیث میں عمرو بن جابر بھی اس کے ساتھ شریک ہے اور وہ اُس سے بھی زیادہ ضعیف ہے اور احمد بن حنبل نے کہا ہے وہ تو بہت مُنکر حدیثیں جابر سے نقل کرتا ہے اور مجھ کو یہ دریافت ہوا ہے کہ وہ جھوٹ کہتا ہے اور کہا ہے نسائی نے کہ وہ ثقہ نہیں ہے اور نسائی نے کہا ہے کہ ابن لہیعہ ایک بوڑھا احمق آدمی تھا اور یہ کہا کرتا تھا کہ علی مرتضیٰ ابر میں ہیں اور ہمارے پاس بیٹھا تھا جب ابر کو دیکھتا تو یہ کہتا کہ یہ علی تھے جو ابر میں گئے *

جس وقت حدیث کے راویوں کی نسبت بحث ہوتی ہے اُس وقت یہ مشکل پیش آتی ہے کہ کسی راوی کو ایک شخص نامعتبر قرار دیتا ہے اور دوسرا اُس کو معتبر سمجھتا ہے مگر اصول حدیث میں سے یہ قاعدہ مسلم ٹھہرا ہے کہ جرح تعدیل پر مرجح ہوتی ہے۔ اِس کا سبب یہ ہے کہ جس شخص نے کسی کو معتبر سمجھا ہے اُس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اُس نے اُس میں کچھ نقص نہیں پایا پس گویا اس کی شہادت ایک نفی کی شہادت ہے اور جس نے اُس کو نامعتبر قرار دیا ہے اُس نے اُس میں نقص پایا ہے اور اِس لئے اُس کی شہادت ایک مثبت ہے جو منفی پر مقدم ہے پس جو لوگ اُن راویوں کو معتبر قرار دیتے ہیں اُس سے جو جرح کہ اُن پر کی گئی ہے وہ زایل نہیں ہوسکتی اور اِس لئے اُن کی بیان کی ہوئی روایت معتبر نہیں ہوسکتی *

اِن راویوں میں سے بعض کی نسبت شیعہ ہونے کی وجہ سے جرح کی گئی ہو گو ہمارے نزدیک صرف شیعہ ہونا وجہ کافی جرح کی نہ ہو لیکن ایسے موقع میں جس میں یہ حدیثیں مذکور ہوئی ہیں کوئی حدیث جو کسی فریق کے طرفداروں نے اُس فریق کے حق میں شہرت دی ہو قابل اعتماد نہیں ہوسکتی اور اِسی وجہ سے ہماری دانست میں وہ حدیثیں جو شیعوں نے بنی فاطمہ و بنی عباس کی نسبت مشہور کی تھیں اعتماد کے لائق نہیں ہیں *

معلوم ہوتا ہے کہ خود اُس زمانہ میں بھی جب کہ سب واقعات ہو رہے تھے اور یہ حدیثیں پھیل رہی تھیں ایسے بھی لوگ تھے جو مہدی کے مُنکر تھے کیونکہ اُس وقت ایک حدیث بنائی گئی کہ جو شخص مہدی کا انکار کرے وہ کافر ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ اگر اُس وقت میں مُنکرین مہدی موجود نہ ہوتے تو اُس حدیث کے بنانے کی ضرورت ہی نہ ہوتی اور وہ حدیث یہ ہے۔

مضامین متفرق

ذکر ٹرکی یعنی روم کی مجلسوں کا

مسٹر ولیم ہوورڈ رسل صاحب کے روزنامچہ میں سے کچھ تھوڑا سا حال پرنس اف ویلز یعنی ولی عہد سلطنت انگلستان اور پرنسس اف ویلز یعنی ولی عہد بیگم سلطنت انگلستان کے روم میں جانے اور سلطان روم سے مُلاقاتیں ہونے کا لکھتے ہیں ✤

یہ دونوں شاہی خاندان انگلستان کے نگین تاج ۱۸۶۸ء میں دار السلطنت قسطنطنیہ میں گئے تھے اور کئی روز تک سلطان عبد العزیز خاں سلطان روم کے ہاں مہمان رہے اُنہی مہمانیوں کے جلسوں میں سے دو جلسوں کا حال لکھتے ہیں ✤

ایک رات سلطان نے پرنس اور پرنسس آف ویلز اور اُن کے ساتھ کے اُمراء کو اپنے ساتھ کھانا کھلانے کی دعوت کی ڈوالما بخشی محل جو بڑا عمدہ اور نہایت نامی محل ہے جلسہ دعوت کے لئے تجویز ہوا۔ قریب سات بجے کے پرنس اور پرنسس آف ویلز اُس محل میں تشریف لائے علی پاشا وزیر اعظم سلطان روم نے استقبال کیا اور ملاقات کے بڑے کمرے میں لے گیا جہاں اَور وزرائے سلطنت روم بھی حاضر تھے چند لمحہ نہ گذرے تھے کہ سلطان عبد العزیز خاں سلطان روم بھی وہاں تشریف لائے اور پرنسس آف ویلز کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں ڈال کر کھانا کھانے کے کمرے میں

زید العمی - قال فیہ ابو حاتم ضعیف یکتب حدیثہ ولا یحتج بہ وقال یحیی بن معین فی روایۃ اخری لاشی وقال مرۃ یکتب حدیثہ وھو ضعیف وقال ابو زرعۃ لیس بقوی واھی الحدیث وقال ابو حاتم لیس بذلک وقد حدث عنہ شعبۃ وقال النسائی ضعیف (صفحہ ۲۶۳ و ۲۶۴)	دوسری روایت میں کہا ہے کہ وہ کچھ چیز نہیں ہے اور مرہ نے کہا ہے کہ اُس کی حدیث اور وہ تو ضعیف ہے اور ابو زرعہ نے کہا ہے کہ وہ قوی نہیں ہے واہی حدیثیں کہتا ہے اور ابو حاتم نے بھی یہی کہا ہے وہ تو ایسا نہیں ہے اور شعبہ نے اُس سے حدیث روایت کی ہے اور نسائی نے کہا کہ وہ ضعیف ہے

اِس حدیث کی بدولت دنیا میں بڑے بڑے کام ہوئے بہت سے لوگوں نے بلا لحاظ اِس بات کے کہ وہ بنی فاطمہ ہیں یا بنی عباس صرف اُمتی ہونے کی دلیل سے مہدیت کا دعوے کیا اور کبھی زیادہ اور کبھی کم لوگ اُن کے معتقد ہو گئے یہاں تک کہ ایک فرقہ مہدیہ قائم ہو گیا جن کا اعتقاد یہ ہے کہ مہدی موعود آیا اور گذر گیا۔ شیخ مبارک ابو الفضل کا باپ بھی مہدویہ فرقہ میں سے تھا۔

مگر جبکہ عام لوگوں نے دیکھا کہ جن لوگوں نے مہدیت کا دعوے کیا اُن کے آنے سے دُنیا میں وہ تبدیلیاں واقع نہیں ہوئیں جن کے ہونے کی وہ توقع کرتے تھے انہوں نے مہدی موعود کا آنا دنیا کے خاتمہ ہونے کے قریب قرار دیا اور دجال کے پیدا ہونے اور حضرت مسیح کے آسمان پر سے اُترنے کے زمانہ سے مہدی موعود کے ہونے کا زمانہ ملا دیا اور اسی پر اب عام مسلمانوں کا اعتقاد ہے مگر ہمارے اس آرٹکل سے ظاہر ہو گیا ہو گا کہ مہدی کے آنے کی کوئی پیشین گوئی مذہب اسلام میں ہے ہی نہیں بلکہ وہ سب ایسی ہی جھوٹی روایتیں ہیں جیسے کہ دجال اور مسیح کے آنے کی۔

شیعوں نے اِس سے بڑھ کر کام کیا وہ یہ اعتقاد کرتے ہیں کہ مہدی پیدا ہوئے جبکہ وہ دو ڈھائی برس کے ہوئے تو فرشتے اُن کو اُٹھا لے گئے اور ایک غار میں چھپا رکھا ہے گو سینکڑوں برس گذر گئے مگر وہ اس غار میں زندہ موجود ہیں اور چھپے ہوئے بیٹھے ہیں جب دُنیا اخیر ہونے کو ہو گی تو وہ نکلینگے اور دُنیا کو عدل و انصاف سے بھر دینگے اور اخیر زمانہ کے امام اور مہدی ہونگے۔

امام کے معنی پیشوا کے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ اوّل اوّل یہ لقب ابراہیم بن محمد بن علی بن عبد اللہ بن العباس نے اختیار کیا تھا کیونکہ اُس وقت اُن کو مُلک پر کچھ حکومت نہ تھی اور اس لئے خلیفہ یا امیر کا لقب اختیار نہیں کر سکتے تھے پس بامید آیندہ امام کا لقب اختیار کیا تھا جب ہی پیشوایان دین کو یہ لقب ملنے لگا۔ چنانچہ دوازدہ امام کا (جن میں سے بارھویں شیعوں کے مذہب کے مطابق امام مہدی ہیں جو غائب ہو گئے ہیں) اسی وجہ سے امام لقب ہوا ہے۔

دوسرا جلسہ برٹش امباسٹر کے ہاں یعنی سفیر سلطنت انگلستان کے ہاں ہوا جو روم میں رہتا ہے سفیر سلطنت انگلستان نے پرنس اور پرنسس آف ویلز کے لیے برٹش امباسٹی میں یعنی اُس مکان میں جہاں سفیر انگلستان رہتے ہیں بہت عالی شان شاہانہ بال دینا چاہا اور بنظر اظہار اپنے نہایت خوشی اور خاطر اور تواضع ایسے عالی شان عزیز مہمانوں کے سُلطان نے برٹش امباسٹر کے ہاں اُس بال میں تشریف لانا منظور کیا تمام بادشاہتوں کے امباسٹر اور وزرا اُس بال میں حاضر تھے اور چھ سو چٹھیاں بلاوے کی اُمرا و روسا اور افسران فوجی اور مُلکی کو تقسیم ہوئی تھیں تمام لوگ وقت پر آحاضر ہوئے۔ ہر ایک شخص نہایت عُمدہ اور نفیس پوشاک پہنے ہوئے تھا نو بجے کے بعد پرنس اور پرنسس آف ویلز وہاں رونق افروز ہوئے۔ برٹش امباسٹر اور مسس الیٹ نے استقبال کیا۔ امباسٹی کے پھاٹک میں سمندری فوجی لوگ کھڑے تھے اُنھوں نے سُرخ اور نیلے رنگ کی مہتابیاں روشن کرنے سے خوشی اور تعظیم دونوں کا اظہار کیا وہ بڑا کمرہ جس میں بال تھا نہایت عمدہ آراستہ تھا اوسگارڈ آف آنر کا پہرا موجود تھا اور اندر و باہر کمرے کے انواع انواع اقسام کے پھول و گلدستے سجے ہوئے تھے ٭

تھوڑی دیر بعد سلطان عبد العزیز خاں بھی تشریف لائے اور بہت سے وزرا و اراکین سلطنت اُن کے ساتھ تھے پرنس آف ویلز اور برٹش امباسٹر نے استقبال کیا اور سمندری فوج نے سُرخ اور نیلے رنگ کی مہتابیاں روشن کرنے سے تعظیم اور خوشی کا اظہار کیا پرنسس آف ویلز اور مسس الیٹ پہلی سیڑھی پر استقبال کو کھڑی تھیں سب مہمان اور میزبان بخوشی و خورمی اُس بڑے ہال میں جہاں بال تھا داخل ہوئے اور سُلطان نے اپنی کُرسی پر تشریف رکھی اور اُس کی بغل میں ادھر اُدھر پرنس اور پرنسس آف ویلز اپنی اپنی کُرسیوں پر تشریف فرما ہوئے معمولی بال شروع ہوا آدھی رات کے بعد سلطان وہاں سے رخصت ہوئے مگر وہاں وہ جلسہ صبح تک رہا ٭

سلطان کا لنڈن میں آنا اور ملکہ معظمہ سے ملنا اور ولیعہد سُلطنت انگلستان کا اور ولیعہد بیگم کا وہاں جانا ایک نہایت عمدہ تاریخی واقعات سے ہے اور تمام دُنیا کی آنکھوں میں اُس محبت اور دوستی کا جو روم اور انگلستان یا یوں کہو کہ ایک مُسلمان اور عیسائی سُلطنت میں ہے بڑا ثبوت ہے ٭

جب سُلطان لندن میں تشریف لائے تھے اور انڈیا آفس میں اُن کی دعوت ہوئی تھی تو اُس بڑے ہال میں بطور یادگاری محبت اور دوستی عیسائی اور مُسلمان سُلطنت کے نقش کرسنت اور کراس کا ملا کر کھدوا دیا گیا ہے ٭

کرسنت کہتے ہیں پہلی تاریخ کے چاند کو اور یہ ہلال کی صورت چاند کا نشان مسلمانی سلطنت کا

لے گئے اور اُن کے پیچھے اور تمام مہمان درجہ بدرجہ اُس کمرہ میں آئے۔ میز جس پر کھانا تناول فرمایا مستطیل تھی اور ایک سرا اُس کا گول تھا اُس گول سرے کی طرف بیچ میں سلطان اور ایک طرف پرنس آف ویلز اور ایک طرف پرنسس آف ویلز رونق افروز ہوئے ؛

پرنسس آف ویلز کے بعد علی پاشا وزیر اعظم سلطنت روم اور اُن کے بعد مسس الیٹ اور اُن کے بعد جنرل اگنا ٹیف اور مسٹر الیٹ اور اُن کے بعد دیگر وزرائے سلطنت روم کرسیوں پر میز کے پاس بیٹھے اور پرنس آف ویلز کے بعد میڈم اگنا ٹیف اور اُن کے بعد بم بوری اور اُن کے بعد مسس گرے اور اُن کے بعد اور وزراء اور اُمرائے سلطنت روم میز کے پاس کرسیوں پر بیٹھے ؛

سُلطان کے سامنے سوائے وزیر اعظم کے اور کوئی وزیر بیٹھتا نہیں تھا یہ پہلا جلسہ ہے جس میں سُلطان نے اپنے اور وزیروں کو بھی اپنے ساتھ بٹھلایا ؛

میز پر مُسلمان اور عیسائی سب چوبیس آدمی تھے اور میز عُمدہ برتنوں اور نفیس گلدستوں سے خوب سجی ہوئی تھی اور ڈالما بخشی محل کا کھانا کھانے کا کمرہ اپنی عمدگی اور آراستگی میں اور نہایت عمدہ بلوری جھاڑ و فانوس میں مشہور ہے ؛

سُلطانی کھانے کا طرز نہایت عجیب تھا اور فرنچ اور ترکش یعنی رومی دونوں قسم کھانے تھے کھانا کھانے میں سُلطان نے پہلے پرنسس آف ویلز سے باتیں کیں اور علی پاشا (جو انگریزی خوب جانتا ہے) اُن دونوں میں مترجم ہوا ؛

اُس کے بعد سُلطان نے پرنس آف ویلز سے باتیں کیں اور عرفی بھی جو سُلطان کی کرسی کے پیچھے کھڑا تھا اُن میں مترجم ہوا وہ اِسی واسطے سلطان کی کرسی کے پاس کھڑا تھا کہ جب سُلطان اور پرنس آف ویلز آپس میں باتیں کریں تو وہ ترجمان ہوں ؛

سُلطان کا ایک خاص باجہ نہایت نفیس پاس کمرے میں بج رہا تھا سب نے نہایت خوشی اور خوبی سے کھانا کھایا اور جب میز پر سے اُٹھے تو سُلطان پرنسس آف ویلز کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں ڈال کر زنانہ خانہ میں لے گیا اور اور لیڈیاں بھی اندر گئیں والدہ سلطانہ یعنی سُلطان بیگم نے اُٹھ کر استقبال کیا اور پرنسس آف ویلز سے باتیں کرنے لگیں اور میڈم جھرن اُن میں ترجمان ہوئیں اور پرنس آف ویلز اور اَور اُمراء و رؤساء چرٹ پینے کے کمرے میں تشریف لے گئے۔ تھوڑی دیر بعد سلطان بھی زنانہ خانہ سے باہر آئے اور مُلاقاتی چھوٹے کمرہ میں پرنس آف ویلز کے ساتھ بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔ جب پرنسس آف ویلز اور اَور لیڈیاں بیگمات سے ملاقات اور بات چیت کر کر فارغ ہوئیں اور باہر تشریف لائیں اُس وقت سب مہمان سُلطان سے رخصت ہوئے اور جلسہ ختم ہُوا ؛

یورپین کی عورتیں بھی نہایت خوبی اور صفائی سے رہتی ہیں نفیس نفیس لباس پہنے ہوئے پھرتی ہیں بات چیت نہایت تہذیب اور شائستگی سے کرتی ہیں اور یورپین مرد عموماً صاف اور درست معمولی لباس کوٹ پتلون پہنے ہوئے رہتے ہیں الّا یورپ کی ٹوپی سو میں دو چار پہنتے ہونگے ورنہ سب کے سب ترکی لال ٹوپی پھندنے دار پہنتے ہیں اُن کا لباس اور بدن اور کھانا اور کھانے کے برتن پاک صاف اُجلے اور درست رہتے ہیں۔ یورپین زن و مرد اپنی یورپ کی زبان بھی بولتے ہیں اور عربی بھی خوب بولتے ہیں جو بالفعل تمام مصریوں کی زبان ہے بات چیت ان لوگوں کی نہایت شائستہ اور مہذب اور لہجہ گفتگو مثل مہذب آدمیوں کے لہجہ کے ہے ❊

مسلمان اُمرا اور رؤسا و عہدہ داران نے بالکل اپنا قدیم طریقہ اور قدیم لباس اور پُرانا طرز زندگی چھوڑ دیا ہے سب کے سب کوٹ پتلون پہنتے ہیں اور لال پھندنے دار ترکی ٹوپی اوڑھتے ہیں مثل یورپین کے اپنے مکانات کو صاف اور پھولوں اور پھولدار درختوں سے آراستہ رکھتے ہیں میز و کرسی پر بیٹھتے ہیں چھری کانٹے سے کھانا کھاتے ہیں اکثر فرنچ اور عربی اور ترکی تینوں زبانیں جانتے ہیں اُن کی نسبت مجھ کو کہنا چاہئے کہ اگر بالکل یورپین کی مانند مہذب نہیں ہوگئے ہیں تو اُن کی پُوری پوری نقل تو ضرور کی ہے ❊

عیسائی مصری بھی تہذیب و شائستگی میں کم نہیں۔ اُنہوں نے اپنے ہم مذہب یورپین بھائیو کا سا برتاؤ اور طریقہ اختیار کیا ہے میں دو ایک عیسائی مصریوں سے ملا اور اُن کو تہذیب و شائستگی میں آراستہ پایا وہ سب قبطی نسل کے تھے اور اُن میں سے ایک شخص باوجودیکہ بجز عربی زبان کے اور کوئی زبان نہیں جانتا تھا مگر ہر بات اور عادت اور بات چیت میں مثل یورپین جنٹلمین کے مہذب تھا مصری عیسائی لڑکیوں کے پڑھانے کے لئے مشنریوں نے اسکول بھی بنائے ہیں اور اُن لڑکیوں کو عربی زبان میں تعلیم دی جاتی ہے اور انجیل اور اَور دعاؤں کی کتابیں عربی زبان میں پڑھائی جاتی ہیں ❊

متوسط درجہ اور ادنٰے درجہ کے مسلمان مصری جو بہت کثرت سے ہیں نہایت خراب اور ابتر حالت میں ہیں میلے اور نہایت میلے اور لباس نہایت خراب اکثر نیلا کُرتا جس کا گریبان کھُلا ہوا ہے پہنے ہوئے ہیں اور ٹانگوں میں کوئی چیز نہیں بالکل ننگی اور کپڑا ایسا میلا کہ شاید پہننے کے بعد کبھی دھونے کی نوبت نہیں آتی ہوگی۔ پاس بٹھانے کو دل نہیں چاہتا۔ بدن و کپڑوں میں سے بُری بُو آتی ہے ❊

متوسط درجہ کی عورتوں کی حالت بہ نسبت مردوں کے اچھی معلوم ہوتی ہے مگر ادنٰے درجہ

ہے اور کراس کہتے ہیں صلیب کو جو عیسائی مذہب میں مقدس نشان ہے انڈیا آفس کے ہال میں ہلال اور اس کے بیچ میں صلیب کا نقش کھدوا ہے جو عیسائی اور مسلمانی سلطنت کی دوستی اور محبت پر دلالت کرتا ہے ؛

ہم کو اُمید ہے کہ ہندوستان کے لوگ بھی اِن حالات اور واقعات سے عُمدہ نصیحت پکڑینگے اور اپنے حالات پر غور کر کر تہذیب اخلاق اور حسن معاشرت کی ترقی میں کوشش کرینگے ؛

مصر اور اُس کی تہذیب

مشہور ہے کہ مُسلمانی ریاستوں میں سے مصر نے تہذیب وشایستگی میں بہت ترقی کی ہے اس لئیے ہم اُس کا کچھُ حال جو ہماری آنکھ کا دیکھا ہے لکھتے ہیں ؛

مصر کی تہذیب وشائستگی کا حال بیان کرنے کے لئے وہاں کے باشندوں کو چار فرقوں میں تقسیم کرنا چاہئیے ؛

اوّل - یورپین یعنی فرنچ اور اٹالین اور گریک اور کچھُ انگریز جو بطور رعایا یا تجار وہاں بسے ہوئے ہیں ؛

دوم - مُسلمان امرا ورؤسا و عہدہ دار جو اُس ملک میں رہتے ہیں یعنی اعلےٰ درجہ کے مُسلمان باشندے مصر کے ؛

سوم - عیسائی مصری یعنی مصر کے رہنے والے جنہوں نے قدیم یا حال کے زمانہ میں مذہب عیسائی اختیار کیا ہے اور جو اکثر قبطی نسل کے ہیں ؛

چہارم - متوسط درجہ اور ادنےٰ درجہ کے مسلمان باشندے مصر کے ؛

یورپ کی قومیں جو مصر میں ہیں اگرچہ وہ بہ نسبت اُن یُورپین قوموں کے جو خاص یورپ میں رہتی ہیں تہذیب وشائستگی میں گھٹی ہوئی ہیں لیکن پھر بھی نہایت مہذب اور شائستہ اور تربیت یافتہ ہیں اُن کے مکان نہایت صاف اور بخوبی بقدر اپنے اپنے مقدور کے آراستہ پھولوں اور پھولدار درختوں اور بیلوں کو جا بجا مکان پر چڑھانے سے پیراستہ ہیں ہر ایک یورپین کا مکان اسی طرح پر بقدر اپنے مقدور کے آراستہ ہے اِلّا بہت مفلس یورپین جو قدیم شہر کے اندر عام لوگوں سے ملے ہوئے رہتے ہیں اور جن میں سے ایک شخص گریک کے گھر میں خود گیا تھا مثل عام مصریوں کے گھروں کے خراب ہیں ؛

ناک پر سیاہ رنگ کا لنبا ہاتی کی سونڈ کی طرح ایک کپڑا لٹکاتی ہیں جس سے نہایت ہیبت ناک صورت ہوجاتی ہے اُن کی ہیئت مجموعی ایسی معلوم ہوتی ہے کہ گویا ممی قبر میں سے نکل کر پھرتی ہے *

امیر عورتوں کے باہر نکلنے کا لباس اُن سے کسی قدر بہتر ہے خدیو مصر کی بیگمات جو حرم کہلاتی ہیں ایک دفعہ سواری میں مجھ کو ملیں نہایت عمدہ بروم میں کھلے میدان سوار تھیں چار گھوڑے جُتے ہوئے تھے اور گورے کوچوان انگریزی وردی پہنے ہوئے پشتیر گھوڑوں کو ہانکتے تھے ایک یورپین فوجی افسر گھوڑے پر سوار ساتھ ساتھ تھا *

یہ بات خیال کرنی کہ مصری گورنمنٹ نے اپنے مُلک کو مہذب اور شائستہ کرنے میں کس قدر کامیابی حاصل کی ہے ایک نہایت مشکل کام ہے کیونکہ اس بات کا فیصلہ کرنے کے لئے اُس ملک کے حالات سے نہایت واقفیت ہونی چاہئے تاہم باوجودیکہ عام لوگ ایسی خراب اور ذلیل و ناشائستہ حالت میں ہیں اس پر بھی تہذیب و شائستگی کی بہت ترقی معلوم ہوتی ہے۔ شہر جو کہ نہایت میلا اور خراب اور بدوضع مردوں کے رکھنے کی بدبودار تہ خانوں کی مانند تھا نہایت عمدہ ہوتا جاتا ہے۔ شہر کے غربی جانب بلاق تک ایسا عمدہ شہر آراستہ ہوا ہے کہ دیکھنے سے تعلق ہے نہایت نفیس سڑکیں اور جابجا حوض و فوارہ اور چوکوں میں خوبصورت خوبصورت پھولوں کے باغیچہ طیار ہو گئے ہیں تمام دوکانیں اور بالکل مکانات اور ہوٹلیں انگریزی طور پر طیار ہیں مصر کا شہر غربی جانب کا بلاق تک ہرگز افریقہ کا شہر نہیں معلوم ہوتا بلکہ یورپ کا عمدہ و نفیس شہر معلوم ہوتا ہے صرف دو نقص عظیم پائے جاتے ہیں ایک تو یہ کہ یہ خوبی جس قدر ہوئی گورنمنٹ کی طرف سے ہوئی۔ رعایا ایسی مہذب نہیں ہے کہ وہ خود یہ سب کام کرے۔ دوسرے یہ کہ شہر کی اس نفیس طرف جس قدر آبادی ہے وہ اکثر یورپین کی ہے اور وُہی رہتے ہیں اور عیش و آرام کرتے ہیں اور فرحت اور خوشحالی سے زندگی بسر کرتے ہیں اور مسلمان اب تک اکثر اُسی مویشی خانہ میں بندھتے ہیں اور ذلت اور نکبت سے نہیں نکلے *

مصر میں اُس کی گورنمنٹ کی کوشش سے تہذیب و شائستگی پھیلنے کا ایک اور بڑا نشان یہ ہے کہ تعلیم کے قواعد کسی قدر رائج ہوتے جاتے ہیں مصر کے مدرسہ کو جو خدیو کا مدرسہ کہلاتا ہے میں نے دیکھا نہایت عمدہ ہے اور وہاں صرف تعلیم ہی نہیں ہوتی بلکہ لڑکوں کو تہذیب و شائستگی بھی سکھائی جاتی ہے تمام لڑکے نوعمر نہایت عمدہ اور خوبصورت وردی پہنے ہوئے تھے۔ انگریزی بوٹ اور کوٹ پتلون اور سُرخ ترکی ٹوپی پھندنے دار پہنے ہوئے اور میز و کرسی پر اپنی اپنی جماعتوں میں بیٹھے ہوئے نہایت خوبصورت دکھائی دیتے تھے ہر ایک علم پڑھنے والوں کی وردی کی رنگت میں یا کسی خاص وضع کے تکمے کا فرق تھا تمام علوم و فنون عربی زبان میں جو اُن کے مُلک کی زبان ہے

کی عورت و مرد کی نہایت خراب حالت معلوم ہوتی ہے اور جو کہ یہی لوگ سب سے زیادہ کثرت سے ہیں
اِس لئے مصر باعتبار خلقت کے آنکھ میں نہایت بُرا اور خراب معلوم ہوتا ہے اگر مصر کے بازاروں
میں جاؤ اور عام طور پر وہاں کی خلقت پر نظر ڈالو تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کہ ہندوستان میں
قحط کے دنوں میں ہٹنیر کی طرف کے لوگ عورت مرد نیلے کُرتے پہنے ہوئے اور تباہ حالت میں
چلے آتے ہیں تمام یورپین کیا مرد اور کیا عورت اُن لوگوں میں ایسے معلوم ہوتے ہیں جیسے اندھیری
رات میں تارے یا کوڑے میں موتی ٭

اِس درجہ کے لوگوں کا لہجہ گفتگو ایسا ناشائستہ اور خراب ہے کہ اُن کی نامہذب آواز کی دل پر
چوٹ لگتی ہے بہت بلند اور حلق میں نکلنے والی اور نہایت درشت آواز سے جس میں گردن کی رگیں
تن جاتی ہیں باتیں کرتے ہیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ دو جانور آپس میں لڑتے ہیں اور باوجودیکہ وہاں
مُسلمان گورنمنٹ ہے تب بھی اس فرقہ کے لوگ یورپین کے سامنے بہ سبب اپنے ناشائستہ اور
نامہذب ہونے کے نہایت ذلیل ہیں اور جانوروں سے بدتر اُن کا حال ہے سُلطنت اسلام
ہے اِلّا اِسلام صرف اِن مُسلمانوں کے ناشائستہ اور ناتربیت یافتہ ہونے سے غیر قوموں کی آنکھ
میں ذلیل ہے ٭

پہلے پہل جب مَیں نے مصریوں کو آپس میں بات چیت کرتے دیکھا تو میں نے خیال کیا کہ بسبب
عربی زبان ہونے کے جس میں حروف حلقی زیادہ ہیں اُن کا لہجہ ایسا خراب ہے مگر میں نے جب قبطی
عیسائیوں کو دیکھا جو تربیت یافتہ تھے اُن کا لہجہ نہایت سُبک اور آواز نرم اور آہستہ بات کرنا سب
کچھ عمدہ تھا اُن کے مُنہ سے لفظ پیارے معلوم ہوتے تھے اور عورتوں کے مُنہ سے تو وہ عربی
لفظ نہیں نکلتے تھے بلکہ پھول جھڑتے تھے ٭

مجھ پر میری عمر میں ایک زمانہ ایسا گذرا کہ تھوڑی دیر کے لئے میں نے خیال کیا کہ شاید جین
مذہب حق ہے جبکہ میں نے تمام چیزوں کو آفت میں اور جینیوں کے مندر کو امن میں دیکھا اور مصر
کی سیر میں مجھ پر ایک زمانہ ایسا گذرا کہ تھوڑی دیر کے لئے میں نے خیال کیا کہ شاید عیسائی مذہب
حق ہے کیونکہ ہر مقام پر جو خوبی اور عزت اور برکت خدا نے عیسائیوں کو دی ہے وہ اور کسی کو نہیں
دی پس کیا شرم کی بات ہے کہ مسلمان اپنے نامہذب اور ناشائستہ ہونے سے اسلام کو داغ لگائیں
اور اُس کو حمیت اسلامی کے برخلاف نہ سمجھیں ٭

معلوم ہوتا ہے کہ مصر کی عورتوں میں باہر نکلنے کا عام رواج ہے غریب عورتیں پیادہ پھرتی ہیں
اور ذی مقدور خاندان کی عورتیں بروم اور فٹن اور چرٹ پر سوار ہو کر پھرتی ہیں مگر باہر پھرنے کا
ایک خاص قسم کا لباس ہے کہ اُس میں بجز آنکھوں کے اور کچھ نہیں معلوم ہوتا آنکھوں کے نیچے

ہیں جو دُنیا میں نہایت عُمدہ ہے (یعنی انگریزی عملداری میں) کیا کیا ہوتا ہے تب مُسلمان حکمران (یعنی خدیو مصر) پر پتھر پھینکو جو فی الحقیقت اپنی رعایا کو اُسی حال میں رکھنا چاہتا ہے جس حال میں اُن کے باپ دادا رہتے تھے اور باوصف اِس کے اُس نے اپنے مُلک کو ضروری باتوں میں کامیابی بخشی ہے اور ترقی دی ہے اُس نے سڑکیں اور پانی کے جھرنے بنوائے دار السلطنت یعنی شہر قاہرہ کو آراستہ کیا۔ ہُنر اور محنت کو بڑھایا اور جہاں تک اُس سے ہوسکا اُس نے اُس زنجیر کو توڑ ڈالا جو مُسلمانوں کو عیسائیوں سے جُدا کرتی ہے ؛

فرض کرو کہ اگر اسمٰعیل پاشا ہر آدمی کو جو اُس کے مُلک میں رہتے ہیں اُن کے گھر سے اور اُن کے پیشہ سے چھوڑا کر چند سال کے لئے سرکاری خدمت پر مجبور کرے تو اُس حالت میں اُس کے اطوار کی نسبت کیا کُچھ نہ کہا جاویگا ؛

فرض کرو کہ اگر اسمٰعیل پاشا کروڑوں اپنی رعایا سے کہے کہ تم کو محصُول دینا پڑیگا اور جو میں حکم دُونگا وہی کرنا ہوگا لیکن تم کو کوئی جلیل عہدہ سلطنت میں نصیب نہ ہوگا اور فوجی اور جہازی اور سِول کے کاموں میں بجز ادنےٰ کاموں کے اور کوئی کام تم کو نہ ملیگا تو ہم لوگ کس قدر اُس کو لعنت ملامت کرینگے "؛

مسٹر رسل کی یہ رائے درحقیقت نہایت عُمدہ اور منصفانہ ہے اور جس عالی رُتبہ اور فیاض طبیعت کے وہ ہیں اُسی رُتبہ کی یہ رائے ہے مگر نا مہذّب گورنمنٹ اور نا مہذّب قوم کو اُس کو پڑھ کر پھولنا اور خوش ہونا نہیں چاہئے مہذّب اور تربیت یافتہ گورنمنٹ میں اگر کوئی نقص ہوتا ہے تو ہزاروں بھلائیاں بھی ہوتی ہیں جیسے کہ اُن گورنمنٹوں میں جن کی طرف مسٹر رسل صاحب نے اشارہ کیا ہے مگر نامہذّب اور ناتربیت یافتہ گورنمنٹ میں یہ ہوتا ہے کہ اُس میں بُرائی ہی بُرائی دکھائی دیتی ہے اور بھلائی ایسی قلیل ہوتی ہے جو خیال میں نہیں آتی اگر یہ بات سچ ہو جیسا کہ مسٹر رسل نے خیال کیا ہے کہ مسلمان حاکم یعنی خدیو مصر اپنی رعایا کو اُسی حالت میں رکھنا چاہتا ہے جس حالت میں اُن کے باپ دادا تھے تو حقیقت میں وہ حاکم کافر اور ظالم فرعون سے کُچھ اور زیادہ درجہ نہیں رکھتا ہے اور جو بھلائی کہ اُس نے کی ہو اُس بھلائی سے زیادہ نہیں ہے جو فراعنہ مصر رعایا کو ظلم سے بیگار میں پکڑ کر کام لیتے تھے اور پیاز اور سوکھی روٹی کھانے کو دے کر اُن کے ساتھ بڑی نیکی کرتے تھے۔ جو گورنمنٹ کہ اپنی رعایا کی ترقی کی دل سے خواہاں نہیں وہ حقیقت میں گورنمنٹ نہیں ہے بلکہ رعایا کی دشمن ہے ؛

مہذب قوم اور نامہذب قوم میں بھی یہی فرق ہوتا ہے۔ یہ ہرگز نہیں ہوتا کہ مہذب قوم میں کوئی نقص یا عیب یا بُرائی نہ ہو مگر البتہ یہ ہوتا ہے کہ اُن برائیوں کے ساتھ لاکھوں کروڑں بھلائیاں

پڑھائے جاتے ہیں علاوہ اس کے انگریزی اور فرنچ اور جرمن زبان سکھلائی جاتی ہے اور انجام کار لائق لڑکوں کو تکمیل علم کے لئے جرمن و فرانس اور لندن میں بھیجا جاتا ہے ٭

ہر قسم کا ہنر مصریوں میں ترقی پر ہے تمام کام ریل کے چلانے کا مصری خود آپ کرتے ہیں دھوئیں کی کل سے کام لیتے ہیں دھوئیں کا پمپ اور دھوئیں کا ہل گنوار دہقانوں کو چلاتے میں نے دیکھا کاغذ بنانے کی کل جو دھوئیں سے چلتی ہے مصری چلاتے ہیں اور کاغذ بناتے ہیں۔ دھوئیں کی کل سے مصری چھاپے خانے کا کام کرتے ہیں یہ سب باتیں ایسی ہیں جن کے سبب مصریوں کو ہندوستان کے مسلمانوں سے باوجودیکہ ہندوستان کے مسلمان اُن سے بہت زیادہ خوشحال ہیں فوقیت دیتے ہیں ٭

میوزیم مصر کا یعنی عجائب خانہ ایسا عمدہ ہے کہ مصر کی پرانی چیزوں کے لئے اپنا نظیر نہیں رکھتا پرانی لاشیں جو ممی کہلاتی ہیں اور پرانی صنائع مصر کی نہایت خوبصورتی اور عمدگی سے آراستہ ہیں اور بہت فائدہ بخش عبرت انگیز اور حیرت خیز ہیں ٭

ولیم ہورڈ رسل صاحب نے جو ایک مشہور نامی گرامی قابل شخص ہیں اپنے روزنامچہ میں مصر کی گورنمنٹ کی نسبت ایک رائے لکھی ہے جو کہ نہایت دلچسپ ہے ہم اُس کو اس مقام پر لکھتے ہیں اور وہ یہ ہے :-

"اس بات کی نسبت رائے دینی کہ مصر ترقی کی حالت میں ہے یا تنزل کی اُس وقت ہو سکتی ہے جبکہ اُس ملک کے حالات کا ایک خاص علم ہو نامی لوگ جو مصر میں جاتے ہیں اُن کے ساتھ مدارات کرنے میں اسمٰعیل پاشا کو یورپ کی شائستہ اور مہذب قوموں سے کچھ سیکھنا نہیں ہے ممکن ہے کہ یہ بات لوگوں کی حیثیت کے لئے کسوٹی نہ ہو اور نہ میں اُس کے کسوٹی ہونے پر استدلال کرتا ہوں مگر اس سے یہ مقصود ہے کہ انگلستان کے لوگ بے تمیزی سے اُس کی نکتہ چینی نہ کریں بلکہ اُس قوم کی جس کی عزت اُس کے بادشاہ کی ذات میں ہے شکر گزاری کریں ٭

میں تمام ہندوستان میں پھرا ہوں اور میں جانتا ہوں کہ اگر کوئی اجنبی شخص گو کہ وہ فہیم ہو لیکن ہندوستان کے حالات سے ناواقف ہو صرف رعایا اور دہقانی اور قصباتی بازاریوں سے ظاہری صورت دیکھ کر انتظام انگریزی کی نسبت اتہام لگائے اور اپنی رائے قائم کرے تو کیسی مشکل کی بات ہے کلکتہ میں گورنر جنرل یا کسی صوبہ میں چیف کمشنر یا کوئی کلکٹر یا جج بلکہ ادنےٰ عہدہ دار کو معہ اُس کے ملازمین اور چپراسیان اردلی اور جلوس سواری کے رعایا کی حیثیت سے مقابلہ کرو اور غور کرو کہ محل کے رہنے والوں کی کیا کیفیت دکھائی دیتی ہے۔ خیال کرو کہ ہم نے ہندوستان کے لوگوں سے ڈوننگ اسٹریٹ میں سلطان کے بال کا ایک گونہ مفت خرچ دلایا ہے غور کرو کہ اس عملداری

علم صرف۔ اس میں مفصلہ ذیل کتابیں پڑھائی جاتی ہیں۔ میزان منشعب۔ پنج گنج زبدہ۔ صرف میر۔ فصول اکبری۔ شافیہ نقود الصرف۔ دستور المبتدی ٭

علم نحو۔ اس میں مفصلہ ذیل کتابیں درس میں ہیں۔ مائۃ عامل۔ شرح مائۃ عامل نحو میر ہدایۃ النحو۔ کافیہ۔ ضوء شرح ملا ٭

علم معانی و بیان و بدایع۔ اس میں یہ کتابیں پڑھتے ہیں۔ مختصر معانی تمام مطول تا بحث ما انا قلت۔ ملازادہ مختصر ٭

علم ادب۔ اس میں یہ کتابیں پڑھائی جاتی ہیں۔ مقامات حریری چند مقالہ۔ دیوان متنبی چند صفحہ۔ سبعہ معلقہ۔ حماسۃ العرب۔ نفحۃ الیمن۔ العجب العجاب ٭

علم منطق۔ اس میں مفصلہ ذیل کتابیں درس میں ہیں۔ ایساغوجی۔ قال اقول۔ میر ایساغوجی۔ شرح تہذیب ملا یزدی۔ بدایع المیزان۔ قطبی۔ میر قطبی۔ تصورات۔ شرح سلم ملا حسن تصدیقات شرح سلم ملا حمداللہ۔ تصورات۔ شرح سلم قاضی مبارک۔ میر زاہد رسالہ غلام یحییٰ حاشیہ بحر العلوم بر میر زاہد رسالہ ملا جلال۔ میر زاہد ملا جلال ٭

علم طبعی و الٰہی۔ اس میں تین کتابیں پڑھائی جاتی ہیں۔ میبذی تمام۔ صدرا تا فلکیات شمس بازغہ تمام ٭

علم حساب۔ اس میں ایک کتاب پڑھتے ہیں۔ خلاصۃ الحساب ٭

علم ہندسہ۔ اس میں تحریر اقلیدس کا صرف پہلا مقالہ داخل درس ہے اور بعض چار مقالے اور بعض چار سے بھی زیادہ پڑھتے ہیں ٭

علم ہیئت۔ اس میں یہ کتابیں داخل ہیں تشریح الافلاک بامنہیات (اور بعضے تصریح شرح تشریح الافلاک بجائے تشریح الافلاک بامنہیات کے پڑھتے ہیں) تو شجیہ۔ سبعہ شداد۔ شرح چغمینی ٭

علم کلام۔ اس میں یہ کتابیں پڑھائی جاتی ہیں شرح عقاید نسفی۔ خیالی۔ شرح مواقف۔ میر زاہد امور عامہ۔ شرح عقاید جلالی۔ عقیدہ حافظ۔ حاشیہ فاضل قراباغی بر شرح عقاید جلالی ٭

علم فقہ۔ اس میں یہ کتابیں پڑھاتے ہیں۔ عبادات شرح وقایہ۔ معاملات ہدایہ۔ کنز الدقائق تمام۔ مختصر وقایہ و قدوری ٭

علم اصول۔ اس میں یہ کتابیں داخل درس ہیں۔ شاشی۔ نور الانوار۔ توضیح۔ تلویح۔ مسلم الثبوت۔ دایر الاصول۔ حسامی ٭

علم تفسیر۔ اس میں یہ کتابیں پڑھاتے ہیں۔ جلالین۔ بیضاوی۔ چند جزو۔ کشاف

بھی ہوتی ہیں مگر نامہذب قوم میں بجز بُرائیوں کے اور کچھ نہیں دکھائی دیتا۔ نامہذب قومیں گناہ کو ایسے بُرے طور سے استعمال کرتی ہیں جس سے اُس گناہ کی بدیاں بہت زیادہ عام اور تمام قوم کو خراب کرنے والی ہوجاتی ہیں مہذب قومیں اگرچہ وُہی یا اُسی قسم کا گناہ کرتی ہیں مگر وہ اِس طرح پر وقوع میں آتا ہے کہ اُس کی بدی عام ہونے نہیں پاتی قوم کی قوم کو غارت و تباہ نہیں کرتی سچ ہے ؎

"شرط سلیقہ ہے ہر ایک کام میں
عیب بھی کرنے کو ہُنر چاہیئے"

نامہذب قوم نیکی بھی ایسی بُری طرح کرتی ہے کہ یا تو وہ نیکی نیکی نہیں رہتی یا غیر مفید اور بے محل ہوجاتی ہے مہذب قوم جو نیکی کرتی ہے وہ ایسے سلیقہ اور خوبی سے کرتی ہے کہ وہ نیکی زیادہ عُمدہ اور بہت مفید اور برمحل ہوتی ہے*

نامہذب قوموں میں اعتدال نہیں ہوتا نیکی کی طرف اگر متوجہ ہوتی ہیں تو اُس کو اتنا کھینچتی ہیں کہ ٹوٹ جاتی ہیں۔ بدی کی طرف متوجہ ہوتی ہیں تو اُس کو اتنا بڑھاتی ہیں کہ شیطان کے بھی کان کاٹتی ہیں*

اِس زمانہ میں ہمارے بھائی ہند مُسلمان صاحبوں کا یہ حال ہے کہ اگر کسی مہذب قوم کا ذکر اُن کے سامنے کرو تو اُس قوم کی بُرائیوں اور عیبوں کا ذکر کرتے ہیں لے صاحب یہ کون کہتا ہے کہ مہذب قوموں میں کوئی عیب نہیں ہوتا مگر یہ تو دیکھو کہ اُن میں ان عیبوں کے ساتھ بہت سی بھلائیاں اور خوبیاں بھی ہیں ہم اُن کے عیبوں کو کیا تکیں جبکہ ہم میں عیب ہی عیب بھرے ہیں مثل مشہور ہے کہ "چھاج بولے تو بولے چھلنی کیا بولے جس میں نو سو بہتر چھید"*

نظامیہ سلسلہ تعلیم

ہم مختصر طور پر اُس سلسلۂ تعلیم کا ذکر کرتے ہیں جو بالفعل ہندوستان کے مُسلمانوں میں رائج ہے اور جو سلسلہ نظامیہ کہلاتا ہے۔ مقصود ہمارا اِس کے بیان سے صرف اتنا ہے کہ لوگ اِس بات پر غور کریں کہ بلحاظ حالات اور علوم مروجہ زمانہ حال کے آیا یہ سلسلہ اور طریقہ درحقیقت کافی اور مفید ہے یا واقعی اس میں کچھ تغیر و تبدل کی ضرورت ہے*

ہم اِس آرٹکل میں اس پر کچھ بحث کرنی نہیں چاہتے اور صرف اُن علوم اور اُن کی کتابوں کا ذکر کرتے ہیں جو بالفعل درس میں داخل ہیں تاکہ جو لوگ اُس پر بحث کرنے پر آمادہ ہوں اُن کو کسی قدر امداد ملے*

کُتب فارابی۔ فصوص الحکم۔ جمع بین الرائین۔ رسالہ تحقیق عقل۔ کتب شیخ الرئیس۔ شفا۔ اشارات۔ عیون الحکمت۔ کُتب شیخ مقتول۔ حکمۃ الاشراق۔ تلویحات۔ ہیاکل النور۔ شرح ابن کمونہ بر ہیاکل النور۔ شرح علامہ شیرازی بر ہیاکل۔ کُتب میر باقر۔ افق المبین۔ ایماضات۔ قبسات تقدیسات وغیرہ کتب محقق طوسی۔ تحریر مجسطی۔ تذکرہ وغیرہ اور علےٰ ہذا القیاس اسی قسم کی کتابیں ہیں جو بلحاظ شوق اور وقت پڑھنے میں آتی ہیں۔ اب میری یہ خواہش ہے کہ ذی عقل اور دانشمند لوگ غور کر کر اس بات کی تنقیح فرماویں کہ آیا یہ سلسلہ کافی ہے یا تبدیل کی اس میں ضرورت ہے *

امیر الامرا جناب سیّد خیر الدّین صاحب بہادر وزیر مملکت ٹونس

چند روز سے ہماری خواہش اپنے ہمقوموں سے یہ ہے کہ وہ تہذیب و شایستگی میں ترقی کریں اور تعصب کو جس کا منشا جہل مرکب ہے چھوڑیں اور اچھی باتوں کو گو وہ کسی قوم کی ہوں اور جو شریعت اسلامیہ میں بھی مباح ہوں اختیار کریں تاکہ مہذب قوموں کی نگاہ میں ذلیل و خوار نہ ہوں۔ ہم کو اس بات کے بیان کرنے سے نہایت خوشی ہے کہ صرف ہماری ہی یہ رائے یا یہ خواہش نہیں ہے بلکہ جو بڑے بڑے عالم اور مدبر بلاد اسلامیہ کے ہیں اُن کی بھی یہی رائے ہے چنانچہ ہم اس دعوے کی سند پر جناب امیر الامرا سیّد خیر الدین صاحب بہادر وزیر مملکت ٹونس کی رائے کا خلاصہ اس مقام پر مندرج کرتے ہیں *

ٹونس کنارہ افریقہ پر ایک چھوٹی سی خود مختار اسلامی سلطنت ہے وہاں کا بادشاہ بی۔ آف ٹونس کہلاتا ہے۔ اُس کے وزیر سیّد خیر الدین صاحب نے نہایت عُمدہ اور فصیح عربی زبان میں ایک کتاب یورپ کی سلطنتوں کے حال میں لکھی ہے اور اُس کا نام "اقوام المسالک فی احوال الممالک" رکھا ہے وہ کتاب ٹونس میں چھپی ہے اور اُس کی ایک جلد ہمارے پاس موجود ہے اس کتاب کے مصنف نے اس کے دیباچہ اور مقدمہ میں سبب اُس کتاب کی تالیف کا بیان کیا ہے جو آگے لکھا جاتا ہے اور جس سے اُس بڑے مدبر اور عالم کی رائے واضح ہوتی ہے *

وھو ھذا:۔

مدارک ٭

علم فرایض۔ اس میں صرف ایک کتاب پڑھتے ہیں۔ فرایض شریفی ٭

علم مناظرہ۔ اس میں بھی ایک کتاب پڑھتے ہیں۔ رشیدیہ ٭

علم وضع الات۔ اس میں بھی ایک کتاب پڑھتے ہیں۔ رسالہ اسطرلاب مسمی بست بابی محقق طوسی ٭

اصول علم حدیث۔ اس میں ایک کتاب نخبۃ الفکر پڑھتے ہیں اور بعضے اُس کی شرح بھی پڑھتے ہیں ٭

علم حدیث۔ اس میں مفصلۂ ذیل کتابیں ہیں۔ مشکوٰۃ المصابیح۔ موطا۔ صحاح ستہ۔ مگر ان کو صرف تیمناً و تبرکاً تھوڑا تھوڑا پڑھ کر سند لے لیتے ہیں اور بعضے سب کتابیں کامل پڑھتے ہیں۔ صحاح ستہ یہ ہیں۔ صحیح بخاری۔ صحیح مسلم۔ جامع ترمذی۔ صحیح نسائی۔ سنن ابی داؤد۔ سنن ابن ماجہ ٭

علم لغت میں۔ قاموس ٭

علم طب میں۔ قانونچہ۔ موجز۔ کلیات نفیسی۔ معالجات سدیدی۔ شرح اسباب۔ حمیات شیخ ٭

سنی اور شیعہ کی تعلیم میں کچھ فرق نہیں فقط اتنا تفاوت ہے کہ مذہبی کتابیں جو فہرست مذکورہ بالا میں مندرج ہیں سنیوں کی ہیں۔ شیعہ مذہبی کتابوں مندرجہ بالا کی جگہ اور کتابیں پڑھتے ہیں اور مذکورہ بالا کتابوں میں سے بھی بعض کتابیں پڑھتے ہیں مثل مسلم الثبوت و شرح عقاید نسفی و میرزاہد امور عامہ اور بعض مشکوٰۃ شریف یا صحیح بخاری اور بیضاوی و کشاف میں سے بھی کچھ کچھ پڑھتے ہیں اور خاص کتابیں اپنے مذہب کے لحاظ سے بہ تفصیل ذیل اُن کے درس میں ہیں ٭

علم فقہ میں۔ حدیقۃ المتقین۔ جامع عباسی۔ مختصر نافع۔ شرح صغیر۔ شرح لمعہ دمشقی۔ شرایع الاسلام۔ جواہر الکلام فی شرح شرایع الاسلام ٭

علم اصول فقہ میں۔ معالم الاصول۔ اساس الاصول۔ زبدۃ الاصول۔ قوانین ٭

علم کلام میں۔ تجرید۔ شرح تجرید علامہ حلی۔ کشف الحق۔ شرح کشف الحق قاضی نور اللہ۔ شرح باب حادی عشر ٭

علم حدیث میں۔ اصول کافی۔ من لا یحضرہ الفقیہ۔ تہذیب۔ استبصار ٭

تفسیر میں۔ مجمع البیان ٭

یہ سلسلہ جو ہم نے بیان کیا سلسلہ تعلیم ہے۔ اس سے فراغ کے بعد جو کتابیں بڑے بڑے علما کے استعمال میں رہتی ہیں اور جن کے پڑھنے پڑھانے پر وہ نہایت ناز اور فخر کرتے ہیں یہ ہیں۔

السنة الآثام بالثناء عليه ناطقة لم يخل سعي من فايدة خصوصا اذ اصادف
افئدة على حماية بيضة الاسلام متعاضدة واهم تلك الفوايد عندي التي
في هذا التاليف مناط قصدي تذكير العلماء الاعلام بما يعينهم على معرفة ما يجب
اعتباره من حوادث الايام وايقاظ الغافلين من رجال السياسة وسائر الخواص
والعوام ببيان ما ينبغي ان تكون عليه التصرفات الداخلية والخارجية وذكر
ما تتاكد معرفته من احوال الامم الافرنجية خصوصا من لهم بنا مزيد اختلاط وشدة
علقة وارتباط مع ما ولعوا به من صرف الهمم الى استيعاب احوال سائر الامم واستسهالهم
ذالك بطي مسافات الكرة الذي الحق شامها بالامم فجمعت ما تيسر بعون الله مستخلصاتهم
المتعلقة بسياستي الاقتصاد والتنظيم مع الاشارة الى ما كانوا عليه في العهد القديم و
بيان الوسائل التي ترقوا بها في سياسة العباد الى غاية القصوى من عمران البلاد كما اشرت
الى ما كانت عليه امة الاسلام المشهود لها حتى من مورخي اوربا الاعيان بسابقية
التقدم في مضماري العرفان والعمران وقت نفوذ الشريعة في احوالها ونسج سائر التصرفات
بمنوالها والغرض من ذكر الوسائل التي اوصلت الممالك الاوربياوية الى ما هي عليه
من المنعة والسلطنة الدنيوية ان نتخير منها ما يكون بحالنا لائقا ولنصوص شريعتنا
مساعدا وموافقا عسى ان نسترجع منها ما اخذ من ايدينا ونخرج باستعماله من
ورطات التفريط الموجود فينا الى غير ذالك مما تتشوق اليه نفس الناظر في هذا
الموضوع المحتوي من الملاحظات النقلية والعقلية على ما نشرحه بطي فصول بصور
وسميته اقوم المسالك في معرفة احوال الممالك مرتبا له على مقدمة وكتابين
يشتمل كل منهما على ابواب وبهداية الله نستوضح مناهج الرشد والصواب
والجري في هذا المجال وان كان فوق طاقتي لكن اغضاء الفضلاء مامول في جنب
فاقتي وصدق النية كافل ان شاء الله تعالى ببلوغ الامنية ❊

المقدمة

لما كان السبب الحامل على الشئ متقدما عليه طبعا ناسب ان نقدمه وضعا ولم
نكتف بالايماء في الخطبة الى ما دعانا لجمع هذا التاليف بل راينا من المهم ان نعود
الى ايضاحه هنا وننبه عليه ما اردنا ايراده في المقدمة فنقول ان الباعث الاصلي
على ذلك امران آيلان الى مقصد واحد احدهما اغراء ذوي الغيرة والحزم من

خطبہ کتاب اقوم المسالک

اما بعد فیقول جامع هذه الورقات ارشده الله تعالیٰ الی اقوم الطرقات انی بعد ان تأملت تاملا طویلا فی اسباب تقدم الامم وتاخرها جیلاً فجیلاً مستنداً فی ذالک لما امکن تصفحه من التواریخ الاسلامیة والافرنجیة مع ما حرره المؤلفون من الفریقین فیما کانت علیه وآلت الیه الامة الاسلامیة وما سیؤول الیه امرها فی المستقبل بمقتضی شواهد التی قضت التجربة بان تقبل التجآت الی الجزم بما لا اظن عاقلا من رجال الاسلام ینا قضه او ینهض له دلیل یعارضه من انا اذا اعتبرنا تسابق الامم فی میادین التمدن وتحزب عزائمهم علی فعل ما هو اعود نفعا واعون لا یتهیالنا ان نمیز ما یلیق بنا علی قاعدة محکمة البنا الا بمعرفة احوال من لیس من حزبنا لا سیما من حق بنا وحل بقربنا ثم اذا اعتبرنا ما حدث فی هذه الازمان من الوسائط التی قربت تواصل الابدان والاذهان ثم نتوقف ان نتصور الدنیا بصورة بلدة متحدة تسکنها امم متعددة حاجة بعضهم لبعض متاکدة وکل منهم وان کان فی مساعیه الخصوصیة غریم نفسه فهو بالنظر الی ما ینجر بها من الفوائد العمومیة مطلوب لسائر بنی جنسه فمن لاحظ هذین الاعتبارین اللذین لا تبقی المشاهدة فی صحتهما ادنی رین وکان بمقتضی دیانته من الدارین ان الشریعة الاسلامیة کافلة بمصالح الدارین ضرورة ان التنظیم الدنیوی اساس متین لاستقامة نظام الدین یسوءه ان یری بعض علماء الاسلام الموکول لامانتهم مراعاة احوال الوقت فی تنزیل الاحکام معرضین عن استکشاف الحوادث الداخلیة وذاهلین عن معرفة الخارجیة خلیة ولا یخفی ان ذلک من اعظم العوائق عن معرفة ما یجب اعتباره علی الوجه اللائق فیحسن من اساة الامة الجهل بامراضها او صرف الهمة الی اقتناء جواهر العلوم مجردة عن اعراضها کما انه یسوءنا الجهل بذلک من بعض رجال السیاسة والتجاهل من بعضهم رغبة فی اطلاق الریاسة فلذالک هجس ببالی ما استذکیت لاجله ذبالی من انی لو جمعت بعض ما استنتجته منذ سنین باعمال الفکر والرویة مع ما شاهدته اثناء اسفاری للبلدان الاوربیة التی ارسلنی الی بعض ودلها الفخام الطود الرفیع الاسمی والکهف المنیع الاحمی جناب ولی النعم وزکی الاخلاق والشیم من لم تزل عزائمه کاسمه صادقة

هو ما كان على خلاف مقتضى شرعنا اما ما فعلوه على وفق الندب او الايجاب او الاباحة فانا لا نتركه لاجل تعاطيهم اياه لان الشرع لم ينه عن التشبه بمن يفعل ما اذن الله فيه وفي حاشية الدر المختار للعلامة الشيخ محمد بن عابدين الحنفي ما نصه ان صورة المشابهة فيما تعلق به صلاح العباد لا تضر على انا اذا تاملنا في حالة هؤلاء المنكرين لما يستحسن من اعمال الافرنج نجدهم يمتنعون من مجاراتهم فيما ينفع من التنظيمات ونتائجها ولا يمتنعون فيما يضرهم وذلك انا نراهم يتنافسون في الملابس واثاث المساكن ونحوها من الضروريات وكذا الاسلحة وسائر اللوازم الحربية والحال ان جميع ذلك من اعمال الافرنج ولا يخفى ما يلحق الامة بذلك من الشين والخلل في العمران وفي السياسة اما الشين فبالاحتياج للغير في غالب الضروريات الدال على تاخر الامة في المعارف واما خلل العمران فبعدم انتفاع صناع البلاد باصطناع نتائجها الذي هو اصل مهم من اصول المكاسب ومصداق ذلك ما نشاهده من ان صاحب الغنم منا ومستولد الحرير وزارع القطن مثلا يقتحم تعب ذلك سنة كاملة ويبيع ما ينتجه عمله للافرنجي بثمن يسير ثم يشتريه منه بعد اصطناعه في مدة يسيرة باضعاف ما باعه به وبالجملة فليس لنا الان من نتائج ارضنا الا قيمة مرادها المجردة دون التطويرات العلمية التي هي منشأ توفر الرغبات منا ومن غيرنا ثم اذا نظرنا الى مجموع ما يخرج من المملكة وقايسناه بما يدخلها فان وجدناهما متقاربين خف الضرر واما اذا زادت قيمته الى اخذ على قيمة الخارج فحينئذ يتوقع الخراب لا محالة ٭

ترجمہ خطبہ کا

حمد و نعت کے بعد کہتا ہے مؤلف اس کتاب کا اللہ اُس کو سیدھی راہ بتاوے کہ جب میں نے دنیا کی مختلف قوموں کی ترقی اور تنزل کے اسباب کو نہایت فکر و تامل کے ساتھ دیکھا اور مسلمانوں اور انگریزوں کی تواریخ سے جہاں تک ممکن تھا ڈھونڈ ڈھونڈ کر اُن کو ملایا اور جو کیفیت مسلمان لوگوں کے اُن حالات کی جو اُن پر ابتدائے زمانہ میں طاری تھے اور جو فی زماننا طاری ہیں اور جو آیندہ تجربہ کی رُو سے اُن پر طاری ہونے والے ہیں انگریزی و مسلمان مورخوں نے لکھی ہے اُس کو بھی میں نے دیکھا تو خواہ مخواہ مجھ کو یہ یقین ہو گیا اور میرے اس یقین کا شاہد کوئی مرد مسلمان مخالف نہ ہوگا اور نہ اُس کی مخالفت کے واسطے وجہ نکلے گی کہ جب ہم ایک قوم کی ترقی اور انتظام مملکت کی

رجال السياسة والعلم بالناس ما يمكنهم من الوسائل الموصلة الى حسن حال الامة الاسلامية وتلنية اسباب تمدنها بمثل توسيع دوائر العلوم والعرفان وتمهيد طرق الثروة من الزراعة والتجارة وترويج سائر الصناعات ونفي اسباب البطالة واساس جميع ذلك حسن الامارة المتولد منه الامن المتولد منه الامل المتولد منه اتقان العمل المشاهد في الممالك الاوربياوية بالعيان وليس بعده بيان ثانيهما تحذير ذوي الغفلات من عوام المسلمين عن تماديهم في الاعراض عما يحمد من سيرة الغير الموافقة لشرعنا بمجرد ما انتقش في عقولهم من ان جميع ما عليه غير المسلم من السير والتراتيب ينبغي ان يهجر وتاليفهم في ذلك يجب ان تنبذ ولا تذكر حتى انهم يشددون الانكار على من يستحسن شيئا منها وهذا على الاطلاق خطا محض فان الامر اذا كان صادرا من غيرنا وكان صوابا موافقا للادلة لا سيما اذا كنا عليه واخذ من ايدينا فلا وجه لانكاره واهماله بل الواجب الحرص على استرجاعه واستعماله وكل متمسك بديانته وان كان يرى غيره ضالا في ديانته فذلك لا يمنعه من الاقتداء به فيما يستحسن في نفسه من اعماله المتعلقة بالمصالح الدنيوية كما تفعله الامة الافرنجية فانهم ما زالوا يقتدون بغيرهم في كل ما يرونه حسنا من اعماله حتى بلغوا في استقامة نظام دنياهم الى ما هو مشاهد وشان الناقد البصير تمييز الحق بمسبار النظر في الشيء المعروض عليه قولا كان او فعلا فان وجده صوابا قبله واتبعه سواء كان صاحبه من اهل الحق او من غيرهم فليس بالرجال يعرف الحق بل بالحق تعرف الرجال والحكمة ضالة المؤمن ياخذها حيث وجدها ٭

ولما اشار سلمان الفارسي رضي الله عنه على رسول الله صلى الله عليه وسلم بان عادة الفرس ان يطوقوا مدنهم بالخندق حين يحاصرهم العدو اتقاء من هجومه عليهم اخذ رسول الله صلى الله عليه وسلم برايه وحفر خندقا بالمدينة في غزوة الاحزاب عمل فيه بنفسه ترغيبا للمسلمين وقال سيدنا علي كرم الله وجهه لا تنظر الى من قال وانظر الى ما قال واذا ساغ للسلف الصالح اخذ مثل المنطق من غير اهل ملتهم وترجمته من لغة اليونان لما راوه من الآلات النافعة حتى قال الغزالي رحمه الله من لا معرفة له بالمنطق لا يوثق بعلمه فاي مانع لنا اليوم من اخذ بعض المعارف التي نرى انفسنا محتاجين اليها غاية الاحتياج في دفع المكائد وجلب الفوائد وفي سنن المهتدين للعلامة الشيخ المواق المالكي ما نصه ان ما نهينا عنه من اعمال غيرنا

ہے اور جس کے ارادے ہمیشہ اُس کے نام کی مثل صادق ہوتے رہتے ہیں اور جس کی تعریف میں
تمام دنیا رطب اللسان ہے تو شاید میری یہ محنت رایگاں نہ جاویگی خصوصاً اُس حالت میں جبکہ
بہت سے لوگ یکدل ہوکر شریعت غراء اسلام کی حمایت کرنے پر مستعد ہونگے اور سب سے بڑا
کام اِس کتاب کے تالیف کرنے سے میں نے اپنے دل میں یہ ٹھہرایا تھا کہ میں اُس کے ذریعہ
سے بڑے بڑے نامی علماء کو اُن باتوں سے آگاہ کروں جس کی اطلاع سے اُن لوگوں کو ایسی
باتوں کے دریافت کرنے میں مدد ملیگی جن کی حسب مقتضائے زمانہ اور مصلحت وقت ہم کو
نہایت بڑی ضرورت ہے اور اُن باتوں کا ذکر کروں جن پر فی زماننا انسان کے جملہ معاملات
ظاہری اور باطنی کا مدار ہونا چاہیئے تاکہ جو اہل سیاست بلکہ علی العموم جو لوگ خواب غفلت میں ہیں
وہ سب بیدار ہو جاویں اور یہ بھی ارادہ کیا کہ کچھ حالات انگریزی قوم کے خصوصاً اُن لوگوں کے
جن کے ساتھ ہم کو زیادہ خصوصیت اور ربط وضبط اور سخت تعلق ہے بیان کروں اور اُن کے
حالات کے ساتھ انگریزی قوم کی اُن عالی ہمتیوں کا بھی ذکر کروں جن کی بدولت اُنہوں نے تمام
دنیا کی قوموں کے حالات مفصل دریافت کر لئے ہیں اور اس کام کو اُنھوں نے اپنی سیر و سیاحت
اور تمام عالم کے سفر سے اپنے اوپر آسان کیا ہے پس میں نے اپنے ارادہ کے موافق اس کتاب میں
اُن سب باتوں کو جمع کیا جو انگریزی قوم نے تدابیر ملکیہ سے متعلق نظم و نسق کی غرض سے ایجاد
کی ہیں ۔ جہاں تک کہ خدا نے مجھ پر آسان کیا اور ان جدید باتوں کے ضمن میں میں نے اُن باتوں پر
بھی ایما کر دیا جو زمانہ سابق یعنی عہد قدیم میں انگریزوں کے ہاں رائج تھیں اور اُن طریقوں کو بھی
بیان کیا جن کی بدولت انگریزی قوم نے سیاست مدن میں ایسی ترقی حاصل کی ہے جس کے سبب سے
وہ ترقی مُلک کی حد پر پہنچ گئی ہیں اور اسی طرح میں نے اس کتاب میں اُمت اسلامیہ کے اُن قدیمی
حالات کو بیان کیا ہے جن سے اس قوم کے کمالات اور فضائل کی وہ کیفیت معلوم ہوتی ہے جو
اُس زمانہ میں تھی جب کہ احکام شرعیہ اپنے اپنے موقع پر جاری تھے اور جملہ معاملات اپنے اپنے طریقہ
سے برتے جاتے تھے اور انگریزی قوم کے تمام معاملات نظم و نسق اور طریقہ سیاست اور تمدن کو
مَیں نے اِس غرض سے بیان کیا ہے کہ مُسلمان لوگ بھی اُن میں سے جن باتوں کو اپنے حسب حال
اور اپنے حق میں بہتر دیکھیں اُن کو اختیار کرلیں اور جو باتیں ہماری شریعت کے مخالف نہیں
ہیں بلکہ مساعد ہیں اُن کو اپنے برتاؤ میں داخل کریں تاکہ وہ شاید اس تدبیر سے پھر اپنے اُن کمالات
کو حاصل کرلیں جو کسی زمانہ میں ہمارے ہاتھوں سے نکل گئے ہیں اور شاید ہم اس ذریعہ سے اپنے
ہاں کی اس تفریط کے گرداب سے نجات پاویں جو آج کل ہم لوگوں میں پھیل رہی ہے اور علاوہ
ان باتوں کے اور بہت سی عقلی اور نقلی باتیں اس کتاب میں ایسی ہیں جن کو دیکھنے والا نہایت

خوبی کا خیال کریں اور اُس کی ہمت کو بھلائی اور نفع کی باتوں پر حد سے زیادہ مائل پاویں تو اس
صورت میں ہم کو اپنی بھلائی کی باتوں کے اچھی طرح پر سمجھنے اور جانچنے کے لئے بجز اس کے اور
کوئی طریقہ نہیں ہے کہ ہم ایک ایسی قوم کے حالات کو نظر تامل سے دیکھیں جو ہمارے گروہ کی نہیں ہے
اور اُس کی ترقی کے اسباب کو دریافت کریں خصوصاً اُس قوم کے حالات کو جو ہمارے قرب و جوار میں
ہیں ہی رہتی ہو اور پھر ہم اُن جدید ہنرمندیوں اور کمالات کو خیال کریں جو فی زماننا علم و عمل کے
موافق ہونے سے پیدا کی گئی ہیں اور ان باتوں کا لحاظ کر کے ہم تمام دنیا کو یہ سمجھیں کہ گویا ساری دنیا
بمنزلہ ایک شہر کے ہے جس میں مختلف قومیں اِس قسم کی رہتی ہیں جن کی ضرورتیں باہم ملی جُلی ہیں اور
ایک دوسری پر موقوف ہے اور یہ خیال کریں کہ گو ہر ایک فرقہ اپنی خاص ضرورتوں میں اپنے ہی نفس کا
محتاج ہے مگر بلحاظ اُن فوائد کے جو سب کی نسبت عام ہیں سب قومیں ایک دوسرے کی محتاج
ہیں پس جو شخص ان سب باتوں پر غور کریگا جو ہمارے تجربہ کی رُو سے بلاشبہ صحیح ہیں اور یہ بھی
اپنی دیانت کی رو سے جانتا ہوگا کہ شریعت اسلامیہ دین و دنیا دونوں کی مصلحتوں پر مشتمل ہے کیونکہ
دنیوی معاملات کی اصلاح امور دینیہ کے استحکام کی بنیاد ہے اُس شخص کو یہ بات نہایت بُری معلوم
ہوگی کہ وہ ایسے علماء اسلام کو جو بسبب اپنی امانت اور دیانت کے اِس بات کے ذمہ دار ہیں کہ
احکام شرعیہ کے جاری کرنے میں مصلحت وقت کا بھی ضرور لحاظ رکھیں غوامض اور دقائق شرعیہ
کے کھولنے اور مصالحہ دینیہ کی حقیقت بیان کرنے سے پہلوتہی کرتا دیکھے اور دانستہ اغماض کرتا
پاوے یا ایسے علماء کی عقلیں ظاہری اور باطنی مصلحتوں کے سمجھنے سے قاصر ہوں اور اُن کے
ذہن اُن سے خالی رہیں کیونکہ یہ بات سب جانتے ہیں کہ ایسے خاص لوگوں کا ایسا ہونا عوام الناس
کو بہتری اور ترقی کی اُن باتوں کے دریافت کرنے سے محروم رکھتا ہے جو ان کے لئے ضروری ہیں۔
بھلا انصاف کرو کیا یہ بات کچھ اچھی ہے کہ طبیب ہی مریضوں کے حال سے غافل ہو یا یہ بات
کسی کو زیبا ہے کہ وہ صرف ایک چیز کی اصلیت تو دریافت کرے اور اُس کے لوازم اور عوارض
سے جاہل رہے اور جیسی یہ بات بُری معلوم ہوتی ہے اسی طرح یہ بات بھی بُری معلوم ہوتی ہے کہ
جو لوگ صاحب سیاست ہیں وہ سیاست کے طریقوں سے جاہل ہوں یا اپنی ریاست کی باگ
چھوڑ دینے کے واسطے دانستہ تجاہل کریں پس جب مجھ کو اِس بات کا یقین ہو گیا کہ ترقی کے سامان
بغیر دریافت کرنے کسی ترقی یافتہ قوم کے حالات کے ہرگز ہم کو میسر نہیں آسکتے تو میرے دل میں
یہ خیال آیا کہ اگر میں اُن سب باتوں کو بطور کتاب کے جمع کر کے لکھوں جو میں نے برسوں کی فکر
اور تجربہ سے حاصل کی ہیں اور جن کو میں نے اپنی آنکھ سے یورپ کے اُس سفر میں دیکھا ہے جس میں
مجھ کو میرے ایسے آقائے نامدار نے نامور کیا تھا جو نہایت مفخر اور معظم اور بلند رُتبہ پاکیزہ اخلاق پسندیدہ خصلت

وہ دوسرے مذہب کے لوگوں کی جملہ باتوں کو اِسی قابل سمجھتے ہیں کہ اُن کو ترک کیا جاوے خواہ وہ باتیں کسی قوم کی عادات میں سے ہوں خواہ تدابیر ملکیہ سے متعلق ہوں اور وہ غافل لوگ غیر مذہب والے کی تالیفات کو پڑھنا بھی بُرا سمجھتے ہیں یہاں تک کہ اگر کوئی شخص اُن کے سامنے غیر مذہب کی تالیفات یا عمدہ باتوں کی تعریف کرے تو وہ اُس شخص کو بھی بُرا بھلا کہنے پر مستعد ہوجاتے ہیں حالانکہ یہ بات بالکل حماقت کی ہے اور سراسر خطا ہے اِس لئے کہ جو کام فی نفسہ اچھا ہو اور ہماری عقل بھی اُس کو تسلیم کرے خصوصاً وہ کام جس کو کبھی ہم لوگ ہی کیا کرتے تھے اور غیروں نے اُس کو ہم سے ہی اُڑا لیا ہے تو ایسے کام سے انکار کرنے اور یا اُس کو چھوڑ دینے کی کوئی وجہ نہیں ہے بلکہ جب وہ کام کسی زمانہ میں ہماری ہی قوم کے عملدرآمد میں تھا تو ہم کو ایسے کام کے پھر حاصل کرنے میں نہایت شوق اور تمنا ظاہر کرنی چاہیئے اور گو یہ بات مسلم ہے کہ ہر اہل مذہب اپنے مذہب کے سامنے دوسرے کے مذہب کو ضلالت خیال کیا کرتا ہے لیکن اس سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ غیر مذہب والے کی دنیوی باتیں بھی بُری ہوجاویں یا جو کام مصلحت مُلکی کے لحاظ سے اُس نے کیا ہے وہ بھی ضلالت ہوجاوے اور ہم کو اُن کاموں میں غیر مذہب والی قوم کا اتباع ممنوع ہو دیکھو انگریزوں کا ہمیشہ سے یہ دستور ہے کہ جب وہ کسی قوم کا کوئی کام اچھا دیکھتے ہیں فوراً اُس کے کرنے پر مستعد ہوجاتے ہیں چنانچہ وہ اپنی ایسی ہی باتوں کے سبب سے آج اپنی ترقی اور بلندی کے اُس رُتبہ پر ہیں جس کو سب لوگ آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور حقیقت میں ایک بڑے پڑھے دانشمند کا کام بھی یہی ہے کہ جو بات اُس کے سامنے پیش آوے خواہ وہ کسی کا قول ہو یا فعل ہو اُس کو نظر امتیاز سے تاڑ کر جانچے اور اگر اُس کو اچھا دیکھے تو فوراً اخذ کرلے اور دل سے اُس کو بہتر سمجھے گو اُس کا موجد دین کے لحاظ سے سچا ہو یا جھوٹا اِس لئے کہ حق بات کچھ لوگوں سے نہیں پہچانی جاتی بلکہ لوگ حق بات سے پہچانے جاتے ہیں اور حکمت مسلمان کے لئے بمنزلہ ایک گم شدہ چیز کے ہے کہ جہاں کہیں اُس کو پاوے فوراً لے لے ۔

ایک مرتبہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ نے جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بطور مشورہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ اہل فارس محاربہ کے وقت اپنے شہروں کے گرد خندقیں کھود لیتے ہیں تاکہ دشمن کے مقابلہ اور حملہ سے محفوظ رہیں۔ حضرت رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اِس رائے کو پسند فرما کر غزوہ احزاب میں مدینہ کے گرد خود خندق کھودی تاکہ اور مسلمان بھی اس تدبیر پر عمل کیا کریں اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ قول کی خوبی کی طرف دیکھو قائل کے حال کی طرف مت دیکھو اور جبکہ ہمارے متقدمین نے غیر ملت کے لوگوں سے علوم منطقیہ کو نفع کی چیز سمجھ کر اپنی زبان میں ترجمہ کرلیا اور اُس کے رواج کو مستحسن جانا

شوق سے دیکھیگا اور اِس کتاب کا نام اقوم المسالک فی معرفتہ احوال الممالک رکھا ہے (یعنی نہایت سیدھی راہ مملکتوں کا حال دریافت کرنے کے باب میں) اور اِس کتاب کو ہم نے ایک مقدمہ اور دو حصّوں پر منقسم کیا ہے اور اُس کے ہر ایک حصّہ میں متعدد باب ہیں اور اللہ کی ہدایت سے مجھ کو توقع ہے کہ وہ سیدھے راستے مجھ پر کھول دیگا اور چونکہ ایسے مشکل کام کا سرانجام میری بساط سے بڑھ کر تھا اِس لئے مجھ کو علماء اور فضلاء سے اِس بات کی اُمید ہے کہ وہ میری خطا سے چشم پوشی فرماوینگے اور اِس میں کچھ شبہ نہیں ہے کہ جو کام صدق نیت اور خلوص قلب سے کیا جاتا ہے اُس میں کامیابی عطا کرنے کا خود اللہ ہی کفیل ہو جاتا ہے ؂

ترجمہ مقدمہ کتاب کا

جب ہر چیز کا اصلی سبب اُس کے وجود پر مقدم ہوتا ہے تو اُس سبب کو کتاب میں بھی بیان کرنا زیبا معلوم ہوتا ہے اور مجھ کو یہ بات منظور نہیں ہے کہ میں اِس کتاب کے سبب تالیف کا اظہار صرف اُسی قدر کافی سمجھوں جس قدر کہ میں نے خطبہ میں ایمائً بیان کر دیا بلکہ میں اُس کی تصریح اِس موقع پر بھی ضروری سمجھتا ہوں کیونکہ جو بات مجھ کو اِس مقدمہ میں بیان کرنی منظور ہے اُس کی بنا یہی سبب تالیف ہے چنانچہ کہتا ہوں میں کہ اِس کتاب کے تالیف کرنے اور اِس میں مطالب مذکورہ بالا کے بیان کرنے کی ضرورت مجھ کو دو وجہ سے معلوم ہوئی اگرچہ اُن دونوں وجہوں کا مآل واحد ہی ہے ایک تو اُن میں سے غیرت دلا کر برانگیختہ کرنا غیرت دار عقلمند عالم صاحب ثروت اہل سیاست مسلمانوں کا اِس بات پر کہ وہ ذرا ہوشیار ہو کر اُن وسیلوں کو دریافت کریں جن کے سبب سے مسلمانوں کی یہ حالت آیندہ اصلاح پذیر ہو اور جن کے سبب سے اُن کے علم و فضل اور طریق تمدّن وغیرہ میں ترقی ہو اور جن کی بدولت اُن کی ثروت اور عزّت کے سامان مہیا ہوں مثلاً تجارت یا زراعت یا صناعی اور دستکاری کے کام رونق پکڑیں اور اِن سب کاموں کے اسباب اُن کے لئے پیدا ہو جاویں اور جن باتوں سے اُن پر ذلّت اور افلاس چھا رہا ہے وہ سب رفع ہو جاویں اور ایسی بہبودی کی باتوں کی جو حقیقت میں انتظام ملکی اور طریق سیاست کی اصلاح ہے کہ اُس اصلاح سے امن پیدا ہوتی ہے اور امن سے دلوں کی آرزوئیں بڑھتی ہیں اور آرزو پیدا ہونے سے کام مضبوط ہوتا ہے جیسا کہ ہم سب لوگ ممالک یورپ میں آنکھوں سے مشاہدہ کرتے ہیں اور جس کا بیان ہم نہیں کر سکتے اور دوسری بات جو اِس تالیف کا باعث ہے اُن غافل لوگوں کا ہوشیار کرنا اور متنبہ کرنا ہے جو ایک اچھی بات کو بھی صرف اِس خیال سے نہیں اختیار کرتے کہ وہ ظاہراً اُن کی شریعت میں نہیں ہے اور اِس غلط خیال کا منشاء یہ ہے کہ

اُن کو ردی دی تھی انگریزوں کو چوگنی قیمت دیکر کپڑا خریدتے ہیں غرض کہ ہم کو اپنے ملک کی صرف اصلی پیداوار کی قیمت مل جاتی ہے اور کسی قسم کی ہنرمندی یا صناعی سے ہم اُس سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتے پس جب ہم یہ بات دیکھیں کہ ہمارے ملک میں سے یہ چیز جاتی ہے اور یہ چیز آتی ہے اور اِس بات کا اندازہ کریں کہ آنے والی چیز کا خرچ اور جانے والی چیز کی آمدنی مساوی ہے تو یہاں تک گویا خیریت ہے تھوڑا ہی سا ضرر ہے اور جب ہم کو جانے والی چیز کی قیمت کم ملے اور آنے والی چیز کی قیمت چہار چند دینی پڑی تو یقین کرلو کہ ایسا ملک آج نہ تباہ ہوا کل تباہ ہوگا *

حکایت

ایک نادان خدا پرست اور دانا دُنیادار کی

کیا عجیب بات ہے ان ہوئی اور ان سُنی۔ دو شخص پچھلی رات کو جنگل میں چلے جاتے تھے صبح ہونے ہی کو تھی کہ اُن کے سامنے روشنی کا ایک شعلہ نمودار ہوا۔ اُنہوں نے کہا کہ یہ کیا ہے شعلہ میں آواز آئی کہ میں خدا ہوں میرے سوا کوئی خدا نہیں۔ تب تو یہ دونوں گھبرائے اور ننگے پاؤں ہوکر آگے بڑھے۔ قدموں کو ہاتھ لگایا اور ہاتھوں کو چوما اور کہا کہ اے پیارے خدا۔ ہم تو تجھ کو ملکوں میں ڈھونڈ پھرے مگر تُو تو ہمارے پاس ہی نکلا۔ اب ہم پر مہربانی کر *

شعلہ میں سے آواز آئی کہ تمہاری دُعا قبول ہوئی۔ کل صبح کو نور کے تڑکے تم دونوں میں سے ایک اِس پہاڑ پر اور دوسرا اِس دوسرے پہاڑ پر جو دکھائی دیتے ہیں آ حاضر ہو جو تمہاری تمنّا ہوگی دی جاویگی *

سارا دن اور ساری رات دونوں کو بیقراری میں گذرا اور ہر ایک اپنے دل میں منصوبے کرتا رہا کہ کیا مانگوں کیا مانگوں۔ اتنے میں وقت آ پہنچا اور یہ دونوں اپنے اپنے پہاڑوں پر جا حاضر ہوئے اتنے میں جھاڑی چمکنے لگی اور خدا کی آواز آئی۔ دونوں لبیک لبیک کہہ کر چلا اُٹھے جھاڑی میں سے آواز آئی جو مانگنا ہو مانگو۔ خدا پرست نے کہا کہ مجھ کو اپنی محبت اور چند روزہ دنیا کی مزخرفات سے نفرت دے۔ دنیادار نے کہا کہ مجھ کو نیک کاموں کے لئے دُنیا دے۔ خدا کے ہاں کس بات کی کمی اور کاہے کی دیر تھی۔ جو اُنہوں نے کہا وہی ہوگیا۔ وہ دونوں پہاڑ پر سے اپنے اپنے گھر آئے ایک خدا کی محبت سے نہال اور دوسرا دُنیا کی جاہ و حشمت سے مالا مال *

یہاں تک کہ امام غزالی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ جو شخص منطق نہ جانتا ہو گویا اُس کا علم کچا ہے تو
ہم کو کس چیز نے منع کر دیا ہے کہ ہم بھی اس زمانہ میں غیر ملت قوم کی جن باتوں کو اپنے حق میں نافع
اور کارآمد دیکھیں اُن کو نہ کریں اور جن باتوں کی طرف ہم کو مکائد اعدا سے محفوظ رہنے اور منفعتوں
کے حاصل کرنے میں نہایت حاجت ہو اُن کو اختیار نہ کریں کتاب سنن المہتدین میں
شیخ المراق المالکی نے صاف لکھا ہے کہ غیر قوم کے ساتھ جن باتوں میں مشابہت ممنوع ہے وہ
صرف وُہی باتیں ہیں جو ہماری شریعت کے خلاف ہیں ورنہ جن باتوں کو غیر ملت کے لوگ موافق
طریقہ مندوبہ یا مباح یا واجب کے کرتے ہوں اُن کو ہم صرف اس خیال سے نہیں چھوڑ سکتے
کہ غیر ملت کے لوگوں کا بھی اُن پر عملدرآمد ہے اس واسطے کہ ہماری شریعت نے ہم کو غیر قوم
کے ساتھ اُن باتوں میں مشابہ ہونے سے منع نہیں کیا جن کو وہ قوم بھی کارخانہ قدرت کی اجازت
سے کرتی ہو اور حاشیہ درمختار میں علامہ شیخ محمد بن عابد بن الحنفی نے تو یہاں تک یہ تصریح لکھا ہے کہ
جن باتوں میں مخلوق خدا کی بہتری اور ترقی ہو اگر اُن کے کرنے میں ہم کسی غیر ملت قوم کے ساتھ
بھی مشابہ ہو جاویں تو کچھ خرابی نہیں ہے اور بڑے تعجب کی بات یہ ہے کہ جو لوگ انگریزی قوم
کی باتوں کے اتباع سے سخت انکار کرتے ہیں وہ اپنی بھلائی کی باتوں میں تو انکار کرتے ہیں
اور جو باتیں اُن کے حق میں مضر ہیں اُن میں کچھ اُن کو انکار نہیں ہے کیونکہ وہ لوگ انگریزی
بُنا ہوا کپڑا پہن کر خوش ہوتے ہیں اور انگریزی اسباب گھروں میں رکھتے ہیں اور انگریزی ہتیار
اور اَور ضرورت کی چیزیں استعمال میں لاتے ہیں مگر اُن چیزوں کو انگریزی تدبیر سے کام میں لانے
میں بڑا پرہیز کرتے ہیں حالانکہ ان باتوں سے اُن کے مُلکی انتظام اور مُلکی ترقی میں بڑا نقصان
اور خرابی پڑتی ہے اور وہ خرابی کچھ پوشیدہ نہیں بلکہ ظاہر ہے اور گویا اس سبب سے ان میں
ایک عیب رہتا ہے اس لئے کہ جب وہ اپنی ذاتی ضرورتوں کے سامان میں دوسری قوم کے
محتاج ہیں تو گویا علم میں وہ اُس قوم سے پست درجہ ہیں اور اُن کی مُلکی ترقی میں یہ نقصان رہتا
ہے کہ وہ اپنے ملک کی پیداوار وغیرہ کے ثمرہ سے نفع نہیں اُٹھا سکتے حالانکہ ترقی ملک کی
یہی علامت اور اُس سے یہی مقصود ہے اور تصدیق اِس کی ہمارے اِس مشاہدہ سے ہوتی
ہے کہ ہماری قوم کے صنّاع لوگ اپنی صنعت اور دستکاری سے کچھ فائدہ حاصل نہیں کرتے
مثلاً جو لوگ روئی بوتے ہیں یا بکریوں کی اُون تراش کر درست کرتے ہیں اور سال بھر اُس پر
جان ملاتے ہیں وہ اپنی سال بھر کی محنت کی پیداوار یعنی رُوئی اور اُون وغیرہ کو تھوڑی سی قیمت
پر انگریزی قوم کے ہاتھ بیچ ڈالتے ہیں اور جب اُسی روئی اور اُون سے انگریز لوگ تھوڑے عرصہ
میں اپنی صناعی کی بدولت طرح طرح کے کپڑے بُن کر لاتے ہیں تو پھر وُہی ہماری قوم کے لوگ جنہوں نے

شرعی کو بجالاتے تھے۔ کینہ و بغض و حسد سے دل کو صاف رکھتے تھے۔ دغا و فریب اور جھوٹ سے بچتے تھے اور اچھے خاصے دنیادار تھے۔ مولوی روم نے بھی یہی کہا ہے ؎

چیست دنیا از خدا غافل بودن
نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

طوطے کی طرح اللہ اللہ جپنا اور یاہو کبوتر کی مانند غوٹر غوں غوٹر غوں کرنا اللہ کی یاد نہیں ہے بلکہ اُس نے جو چیزیں ہم کو مرحمت کی ہیں اُن کو اُسی کے کام میں صرف کرنا خدا کی یاد ہے عقل ہم کو خدا نے اس لئے دی ہے کہ اُس کی صنایع و بدایع پر غور کریں۔ اُس کی عجایب قدرت کو دیکھیں اور اُس کے وجود ازلی و ابدی بے صدر و ندیر یقین کریں آنکھ ناک حس و حرکت اس لئے بخشی ہے کہ ہماری عقل کے مصاحب اور مددگار رہوں نطق ہم کو اس لئے دیا ہے کہ ہم اوروں کو اپنے خیالات کا فائدہ پہنچاویں مال و متاع اس لئے ہمارے لئے مہیا کیا ہے کہ ہم خود بھی اُس سے فائدہ اُٹھاویں اور اَوروں کو بھی فائدہ پہنچاویں یہ کیسا وحشیانہ طریقہ ہے جس میں اپنی ذاتی غرض کے سوا اَور کچھ مد نظر ہی نہیں ؂

گر ہمی گلیم خویش بروں می برد ز موج
من سعی میکنم کہ برارم غریق را

بعضے دس پانچ سو پچاس آدمی جو انہی سے بیوقوف تھے خدا پرست صاحب کے گرد ہوئے دُنیا کو اپنے خیال کے موافق چھوڑ چھاڑ دصوفی رہا مسلمان جوگی جی کے ساتھ ہو لئے اور دُنیا کے عیش و آرام اور اُس کے کاروبار کو ترک کر کر خدا کی خیالی محبت میں سرشار ہو گئے ؂

اَب خیال کرو ان بزرگواروں سے اسلام نے کیا عزت پائی اور اُن کے حال سے اسلام کی صورت کیسی دیکھائی دی۔ اسلام ایسا دکھائی دیا جیسے ایک ضعیف پیر مرد بزرگ پر کڑ کھایا ہوا میلا بدن ٹوٹے دانت ہڈی پر چمڑا اچٹا ہوا کنپٹیاں بیٹھی ہوئیں پیٹ پیٹھ سے ملا ہوا کمر کبھڑی ٹانگیں ٹھڑی۔ ہاتھ پاؤں کانپتے ہوئے لڑکھڑا لڑکھڑا لاٹھی ٹیک ٹیک ایک قدم آگے دھرا اور کپ کپا کر دو قدم پیچھے ہٹ گیا پھٹی گدڑی پڑی ہوئی ادھر سے ران کھلی اُدھر سے چوتڑ کھلا جدھر گئے اُودھر ہزاروں مکھیاں چمٹ گئیں۔ اُدھ گھٹنہ بھوں بھوں کر کے پیچھے پڑ گئے جس قوم کے سامنے سے نکلے اُس نے نفرت کی۔ ہر طرف سے دُھُت دُور پرے پرے کی آواز سُنی اور ذلت کے لئے مسلمان دنیا میں ضرب المثل ٹھہرے۔ سبحان اللہ ان نادان خدا پرست نے خوب اسلام کی صورت دیکھائی اور نہایت اُس کی عزت بنائی ؂

اَب دنیادار صاحب کا حال سُنیئے جب وہ گھر آئے دوست۔ آشنا۔ بھائی بند جمع ہوئے

خدا پرست خدا کی محبت میں چُور تھا اور اپنے دوست دنیا دار کے حال پر افسوس کرتا تھا کہ کس طرح دُنیا کے کاموں میں مصروف ہے اور اُس کو خدا کی عبادت اور زہد و تقوے کے سواء اَور کچھ کام نہ تھا مگر دنیا کی طرف سے نہایت عاجز اور ذلیل۔ کبھی کبھی زکوٰۃ دینے کا جو ثواب ہے اُس کے حاصل کرنے کی خواہش ہوتی تھی مگر مقدور نہ تھا کہ اس دولت کو حاصل کرے۔ حج کرنے کا شوق دل میں اُٹھتا تھا الا بے استطاعتی کے سبب سے مجبور تھا اپنی قوم کو خدا پرست ہونے کی راہ بتاتا تھا مگر بے استطاعت اور بے مقدور قوم کیا کرے۔ پراگندہ روزی پراگندہ دل۔ کسی سے کچھ بن نہیں آتا تھا۔

اِن بیچارہ کا یہ حال کہ نان شبینہ کو محتاج۔ کپڑا بدن پر نہیں کہ جس سے ستر ڈھانکیں۔ روٹی کھانے کو نہیں کہ بدن میں عبادت کی طاقت آوے۔ چار ناچار شہر چھوڑنا پڑا۔ لوگوں سے کنارہ گزیں ہونے پر مجبور رہوا۔ جنگل میں جا بسیرا کیا۔ وحوش و طیور سے جا صحبت کو گرم کیا۔ دنیا اور دُنیا کے کاموں سے نفرت کی اور خدا اور خدا کی محبت سے اُلفت کی۔

فاقے پر فاقے ہوتے تھے مگر یہ شیرِ خدا کی محبت سے سیر تھے مگر جب تین تین دن کے فاقے گذرنے لگے تو مردار کھانے یا ایک ٹکڑا روٹی کا مانگنے پر مستعد ہوئے۔ لکڑی ٹیکتے ٹیکتے پاؤں لڑکھڑاتے لڑکھڑاتے کسی گاؤں گنویں میں جاتے ہیئت مبارک دیکھ کر گاؤں کے کتے پیچھے پڑتے یہ بیچارے خدا پرست کتوں سے بچتے بچاتے ہشت ہشت کرتے کسی کے دروازہ تک پہنچتے کسی نے دیا تو لے لیا ورنہ دوسرا دروازہ جا دیکھا جب قوت لایموت جھولی میں آیا پھر اُس سے زیادہ سوال کرنا حرام سمجھا کسی کنوئیں کے کنارہ پر بیٹھے سوکھے بھیک کے ٹکڑے چبائے کسی چلتے کنوئیں پر جا کھڑے ہوئے پانی کے دو چلو پی لئے خدا کے نور کے شعلے سینہ میں بھڑکتے تھے مگر نکل نہ سکتے تھے جس سے دنیا روشن ہو۔

رفتہ رفتہ اُن کی بزرگی کا شہرہ پھیلا۔ دُور و نزدیک کے لوگوں نے زیارت کا قصد کیا لوگ جمع ہونے لگے منتیں ماننے لگے۔ ہر ایک نے اپنے مطلب کی دُعا مانگنا چاہی کسی نے بیٹے کی خواہش کی۔ کسی نے دولت چاہی۔ کسی نے روزگار کی تمنا کی۔ کسی نے تجارت کی ترقی کی آرزو کی اِن کو تو دنیا کی باتوں سے نفرت تھی۔ لاٹھی لے سامنے ہوئے۔ لوگوں کو سمجھانے لگے دنیا چند روزہ ہے اُس کے لئے کیوں ولولہ کرتے ہو۔ ولولہ کے لائق تو دین کی باتیں ہیں۔ دُنیا کو چھوڑو اور دین کی باتیں پکڑو۔ عقلمند اور نیک بخت آدمی اُن کو بہت بزرگ سمجھتے تھے۔ مگر اُن کی نصیحتوں سے متعجب ہوتے تھے کہ اگر سچ مچ دینداری یہی ہے تو دنیا کا کیا حال ہوگا اور دنیا کا کیونکر کام چلیگا۔ پیغمبرؐ کا بھی زمانہ گذرا۔ صحابیوں کا بھی زمانہ گذرا۔ کسی نے دنیا کو نہیں چھوڑا۔ مگر دنیا کو دین کے لئے برتا۔ وہ احکام

کے پیٹ میں کب آتا ہے ❖

پھر سوچا کہ سب سے عمدہ یہ بات ہے کہ مسجدیں بنواؤ اور ٹوٹی مسجدوں کی جو خدا کے گھر ہیں مرمت کے لئے روپیہ اکٹھا کرو اور جھاڑ فانوس روشن کرو پھر ہنسا اور کہا کہ زندہ خدا کے زندہ گھر یعنی قوم کے دل ٹوٹے پڑے ہیں دل کی آنکھوں کے پھوٹ جانے سے بے نور ہو رہے ہیں مسجد کس کے لئے بناؤ اور چراغ کس کے لئے جلاؤں ❖

پھر سوچا کہ مکہ شریف روپیہ بھیج دو۔ وہاں کے غریبوں پر بانٹو۔ ایک ایک کے لاکھ لاکھ ملینگے روپیہ بھیج کر حاجیوں کے لئے رباطیں بنواؤ اور خیر جاری کا ثواب کماؤ۔ پھر ہنسنے لگا کہ کیا بیوقوفی کی بات ہے جہاں شدید ضرورت ہے وُہیں روپیہ خرچ کرنے سے زیادہ ثواب ہے دیکھنا چاہیئے کہ جو ضرورت مکہ میں پہلے تھی وہ اب بھی ہے یا نہیں ہمارے مُلک اور ہماری قوم میں جو ضرورت ہے وہ اُس سے زیادہ ہے۔ رباطیں بنوانے اور متولیوں کی آمدنی کر دینی بری نہ سہی مگر جب ہماری قوم کے گھروں پر چھپر نہیں ہیں تو مکہ میں رباطیں بنوانے سے کیا منفعت ہے ❖

ایک صاحب اُٹھے کہ اجی سب سے عمدہ یہ بات ہے کہ غریبوں کو جہاز کرایہ کر دو اور مکہ حج کو بھیج دو۔ اُس نے کہا کہ ہاں اپنی تو بڑی نیک نامی ہے مگر خدا کے نزدیک تو پشیمانی ہے۔ خدا نے جس پر جو بات فرض نہیں کی مَیں اُس پر فرض کرنے والا ہوں ❖

بڑے خیر خواہ اور عقلمند جو تھے وہ اُٹھے کہ میاں عربی کا مدرسہ قائم کرو۔ قال اللہ و قال الرسول کا ذکر سُنو۔ حدیث۔ تفسیر۔ فقہ پڑھاؤ۔ ہمارے ہاں کی معقول، منطق، حکمت۔ فلسفہ ڈوبی جاتی ہے اُس کو بِلے لگاؤ مگر یہ شخص سوچا کہ علوم دینیہ قوم کے زیور ہیں مگر جب قوم ہی نہیں تو وہ زیور کون پہنے گا۔ پُرانی حکمت اور فلسفہ کو اب کوڑی کو بھی کوئی نہیں پوچھتا اُس سے قومی ترقی اور قومی عزت کی کیا توقع ہے ❖

غرضکہ سب کی باتیں اُس نے سُنیں اور کہا کہ یہ سب مکر کی باتیں یا شیطان کا نیکی کی صورت میں جلوہ افروز ہو کر وسوسے میں ڈالتا ہے اِن سب کو چھوڑو اور نیک نیت سے خدا پر بھروسا کر کے قومی عزت، اور قومی ترقی کی فکر کرو اور اصلی نیک کام میں دنیا کو برتو ❖

اُس نے سمجھا کہ بھلا سب سے بڑا سبب قومی ذلت کا آپس میں ہمدردی کا نہ ہونا ہے میری قوم خود غرضی کی بیماری میں مبتلا ہے۔ اپنے فائدے کے لئے ہزاروں محنتیں کرتے ہیں اور اچھا کپڑا پہننے اور چَین سے سونے اور ہنس ہنس کر میٹھی میٹھی باتیں بنا دینے کو تمام اخلاق اور لیاقت کا منتہا سمجھتے ہیں۔ قوم کی بھلائی اور رفاہ عام کی طرف مطلق توجہ نہیں ہے اُس نے اس بیماری کو کھونا چاہا اور فرض پنجگانہ ادا کرنے کے بعد قرآن کی تلاوت، اور اوراد مندوبہ اور اعمال مشائخ

لعنت ملامت کرنے لگے کہ دنیا کا لالچی۔ دُنیا کا کُتا۔ ایمان اسلام سے بے بہرہ۔ دُنیا کے عیش و آرام میں غرق اور اُسی کا طالب دین کے بدلے دُنیا لے کر آیا ہے*

یہ بیچارہ چُپ اُن جاہلوں سے کیا کہے۔ اپنے دل میں کہتا ہے کہ میں نے تو نیک کاموں کے لئے دُنیا لی ہے۔ اگر دُنیا کو نیک کاموں کے لئے برتا جاوے تو وہ ہزاروں زہد و تقویٰ اور جنگل میں بیٹھنے اور مالا جپنے سے بہتر ہے*

خدا نے جو کچھ ہم پر فرض کیا ہے وہ بہت تھوڑا ہے اگر ہم "واللہ لا ازید ولا انقص" کے مضمون پر یقین کریں تو صرف فرائض کے ادا کرنے سے قطعی بہشتی ہیں۔ باقی رہی اوپر کی نیکی وہ نادان خدا پرست بننے سے حاصل نہیں ہوتی۔ ہم کو دینداری کے لئے دنیا کے کاموں میں مصروف ہونا چاہئے محرمات شرعیہ سے بچنا اور مباحات شرعیہ کے مزے اڑانا اور دنیا کو نیک کاموں میں برتنا ہی سب سے بڑی نیکی اور اصلی خدا کی عبادت ہے*

پھر وہ اِس سوچ میں گیا کہ کسی قوم پر خدا کی خفگی اور خدا کی لعنت ہونے کی کیا نشانی ہے۔ ہرچند سوچتا تھا کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا۔ لوگوں سے پوچھتا تھا پر تشفی نہ پاتا تھا۔ آخر ایک دن قرآن مجید پڑھتے پڑھتے یہودیوں کے حال میں یہ آیت اُس نے پڑھی "وضربت علیھم الذلۃ والمسکنۃ وباؤا بغضب من اللہ" یہ پڑھتے ہی وہ چلا اُٹھا کہ پالیا پالیا بے شک دُنیا میں قومی ذلت خدا کے غضب کی نشانی ہے دنیا میں غریب۔ مسکین۔ محتاج ہر قوم میں ہوتے ہیں مگر جب قومی ذلت اور قومی مسکنت دنیا میں ہو جاتی ہے تو وہ ٹھیک نشانی خدا کے غضب اور خدا کے لعنت کی ہوتی ہے*

اب تو اِس کا دل شیر ہوا اور ڈھارس بندھی اور کہا کہ بے شک میں نے اُس نادان خدا پرست سے اچھا کام کیا ہے میں نے تو نیک کاموں کے لئے دنیا کو اختیار کیا ہے۔ اب تو میں دُنیا ہی سے دین کو لے لونگا اور ایسے ایسے لنگڑے لُولے۔ بوڑھے ٹھیرے نادان خدا پرستوں کو کوڑی کوڑی پر خرید کر پھینک دونگا۔ پر اے خدا جیسے کہ تو نے میری دُعا قبول کی ہے میرے ساتھ رہ اور نیک کاموں میں دُنیا کو برتنے دے*

اب وہ اس سوچ میں گیا کہ اس دُنیا کو کیونکر نیک کاموں میں برتوں۔ سب سے پہلے یہ خیال کیا کہ بھوکوں کو روٹی اور ننگوں کو کپڑا دو۔ پھر اپنے دل میں کہا کہ بات تو اچھی ہے کرنی تو چاہئے پر اِس سے قومی ذلت تو نہیں جاتی جو خدا کے غضب کی نشانی ہے*

پھر سوچا کہ حافظ نوکر رکھ کر قرآن بہت سے پڑھواؤ۔ لوگوں سے چلے کھنچواؤ۔ ختم خواجگان کرواؤ۔ بخاری شریف کی منزلیں پڑھواؤ۔ پھر ہنسا کہ اس سے کیا فائدہ۔ ایک کا کھایا دوسرے

اُن سے پرہیز کرو جو علوم غیر قوم اور غیر مذہب کے لوگوں نے پیدا کئے ہیں بلا تعصب سیکھو جس زبان کے ذریعہ سے وہ علم آسکتے ہوں خواہ وہ انگریزی ہو یا فرانسیسی - یونانی ہو یا لاطنی سب کو سیکھو اور اپنی قوم میں پھیلاؤ تاکہ اُن کو عجائبات قدرت الٰہی زیادہ تر معلوم ہوں اور دنیا حاصل کرنے کی بھی لیاقت ہو ✤

صنائع و بدائع ہر قسم کے جو کسی قوم میں ہوں اُن کو اپنی قوم میں لانے کی کوشش کی تجارت کے اصول پر غیر قوموں نے عمدہ طور پر قائم کئے ہیں اُن کی اپنی قوم میں مروج ہونے کی خواہش کی اور ان تمام باتوں سے یہ مقصود تھا کہ قوم کی مسکنت اور اُس کے باعث سے جو ذلت ہے وہ رفع ہو اور قوم آسودہ حال ہو اور اپنی قوم کے لوگوں کو سنبھالے اور شعار اسلامی کو بچا لا سکے جس سے اسلام کو رونق ہو ✤

اُس نے خیال کیا کہ طریقہ تمدن و معاشرت اگر خراب ہے تو وہ بھی ذلت قومی کا باعث ہے، اُس نے اپنی قوم کے طریقہ معاشرت و تمدن کے ادنےٰ ذلیل درجہ سے اعلےٰ درجہ پر تبدیل ہونے کی کوشش کی تاکہ اسلام پر سے یہ جھوٹا دھبہ کہ خرابی معاشرت و تمدن کا باعث اسلام ہے مٹ جاوے ✤

قوم کا معزز اور ذلیل نظر آنا اُن کے طریقہ لباس اور اکل و شرب اور چال وچلن اخلاق اور عادات پر بہت زیادہ منحصر ہے اُس نے اُن کی درستی پر کوشش کی اور طہارت اور صفائی اور اُجلاپن اور لباس اور اکل و شرب کے طریقہ کو بہت اعلےٰ اور عمدہ درجہ پر پہنچانا چاہا جس کے سبب سے اور قوموں کی نظر حقارت جو اسلامی قوم کے ساتھ تھی وہ نہ رہی اُس نے خوب غور کیا تھا کہ اسلام ایک مٹی کا پتلا بن کر دنیا کے سامنے نہیں آسکتا وہ اُس کے پیرووں کی خصلت اور افعال سے دکھائی دیتا ہے پس اُن کا طریقہ زندگی ایسا عمدہ و پاک صاف کیا جاوے جس سے اسلام کی جو اصلی صورت ہے دنیا کو نظر آوے ✤

فرض کرو کہ یہ سب خواہشیں پوری ہو گئیں تو ان کی بدولت اسلام کی کیسی صورت دکھائی دی - ایسی دکھائی دی جیسے ایک نورانی فرشتہ جس نے رحمت کے پر پھیلا کر تمام عالم کو اپنی رحمت سے ڈھانپا ہے - پس بڑی نادانی اور کم سمجھی کی بات ہے جو دنیا دار کے ان کاموں کو دنیا کے کام سمجھے اور عین خدا کی عبادت نہ جانے ✤
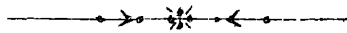
کے بدلے اپنی قوت لسانی اور مراقبہ قلبی کو اس طرف متوجہ کیا خلوت میں اس بات کی فکر کی کہ یہ بیماری کیونکر جاوے جلوت میں پند و نصائح تقریر بیان سے اسی بات کا پرچا اگرچہ بہت سی نا اُمیدیاں اُس کو پیش آتی گئیں الّا اپنے ارادہ میں مستحکم اور ثابت قدم رہا اور یہ سمجھا کہ اس کام میں جتنا میرا وقت صرف ہوتا ہے وہ اُس مندوب عبادت سے جس کو لوگ عبادت سمجھتے ہیں کچھ کمتر عبادت میں صرف نہیں ہوتا ؂

اُس نے بقدر اپنی طاقت کے مسائل شرعیہ اور حقایق و معارف قرآن و حدیث پر غور کیا اُس نے دیکھا کہ علمائے سابق نے اپنے زمانہ کے علم کے موافق بہت سی باتیں ایسی کی ہیں جو زمانہ حال میں یقینی غلط اور جھوٹ ثابت ہوئی ہیں اور تمام مسلمانوں نے اُن علماء کے غلط اقوال کو مثل احکام شارع سمجھ رکھا ہے اور اس سبب اسلام کو یہ مضرت پہنچی ہے کہ جو لوگ زمانہ حال کے علوم سے واقف ہوتے ہیں وہ مذہب اسلام کو غلط سمجھتے ہیں حالانکہ مذہب اسلام میں غلطی نہیں ہے بلکہ اُن علماء کے اقوال میں غلطی ہے چند روز تک تو اُس نے اُن علماء کا بڑا ادب کیا پھر وہ سمجھا کہ علماء کے اقوال کا غلط ہونا مذہب اسلام میں کچھ نقص نہیں لاتا اگر بالفرض ابوبکرؓ و عمرؓ نے کسی بات میں غلطی کی ہو تو بھی مذہب اسلام پر کچھ داغ نہیں لگتا پھر اور بیچارے مولوی ملا کس شمار قطار میں ہیں۔ تب اُس نے علماء وقت کی خدمت میں رجوع کی اور ہر ایک کے آگے ہاتھ جوڑے ناک رگڑی کہ خدا کے واسطے آپ ان غلطیوں کے رفع کرنے پر مُستعد ہو جیئے۔ یہ بیچارہ خود جاہل صرف دو چار لفظ سے آشنا تھا خود کیا کر سکتا تھا۔ مگر جب کوئی متوجہ نہیں ہوا تب اُس نے کہا کہ جو عقل خدا نے مجھ کو دی ہے اُس کو کام میں لانا اور اپنے خیالات کو دوسروں تک پھیلانا خاص میری عبادت ہے۔ اُس نے ملامت کرنے والوں کی ملامت کا ڈر نہ کیا اور اسلام کی محبت کو ابو حنیفہؒ و شافعیؒ۔ مالکؒ و حنبلؒ کی محبت سے زیادہ سمجھا اور نیک نیتی اور صرف اسلام کی محبت سے جو کیا سو کیا اور اُس کے عوض اپنے ہم مذہبوں سے جو سُنا اُس کو بخندہ پیشانی گوارا کیا ؂

اُس نے بہادرانہ طور سے مذہب کو عقل کے سامنے ڈال دیا کہ جس طرح چاہو جانچو۔ سچا سچا ہی ہے اُس نے مذہب کو حقائق موجودات سے موازنہ کیا اور دنیا کو یہ دکھلانا چاہا کہ خدا کا قول یعنی مذہب اور خدا کا فعل یعنی فطرت موجودات دونوں ایک ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ دونوں کا مبداء ایک ہی ہے ؂

اُس نے اپنی قوم سے تعصبات اور پابندی رسومات اور اوہام مذہبی کے جو حقیقت میں مذہب سے متعلق نہ تھے چھوڑانے پر کوشش کی تا کہ لغو خیالات سے لوگوں کے دل پاک ہوں اُس نے لوگوں کو اس بات پر رغبت دلائی کہ اچھی باتیں جس میں ہوں اُن کو لو اور بُری باتیں جس میں ہوں

ترقی اور تربیت و شایستگی کے لئے کیا کچھ کرنا ہے ❊

جو حال کہ ہم نے اوپر بیان کیا اُس میں سرکاری اسکولوں اور سرکاری کالجوں کا نام آیا اس سے یہ نہ سمجھا جاوے کہ اُن اسکولوں اور کالجوں کا خرچ سرکاری خزانہ میں سے دیا جاتا ہے۔ نہیں تمام اسکولوں اور مکتبوں اور کالجوں کا خرچ رعایا دیتی ہے مگر وہاں تعلیم کے باب میں ایک خاص قانون ہے اُس کے مطابق جو اسکول یا مدرسے قائم ہیں وہ سرکاری کہلاتے ہیں اور باقی خانگی۔ ورنہ حقیقت میں وہ سب رعایا کی طرف سے ہیں ❊

جرمنی میں جو رعایا کی تعلیم کا قانون ہے نہایت ہی عمدہ ہے مگر وہ قانون ہندوستان سے جہاں مختلف مذاہب کے لوگ آباد ہیں کسی طرح مناسبت نہیں رکھتا بلکہ انگلنڈ اور ویلز میں بھی اُس کے مطابق عملدرآمد ہونا نہایت دشوار ہے چہ جائیکہ ہندوستان اور اس لئے ہماری یہ رائے ہے کہ جب تک کہ ہندوستان کی ہر ایک قوم خود آپ اپنی قوم کی تربیت کی طرف متوجہ نہ ہوگی اور خود آپ اپنی قوم کی تعلیم کا بندوبست نہ کرے گی اُس وقت تک قومی تعلیم کا ہونا غیر ممکن ہے ❊

جب کہ ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمان اپنے لغو خیالات اور بیہودہ تعصبات میں مبتلا ہیں اور اپنی قوم کی بھلائی اور اُن کی تعلیم و تربیت کی کچھ فکر نہیں کرتے ہمارا دل جلتا ہے اور کمال رنج ہوتا ہے اُس وقت ہمارا قلم نہیں رُکتا اور زبان حال سے صابر کا یہ شعر پڑھتا ہے ؎

ضبط کروں میں کب تک آہ
چل رے خامہ بسم اللہ

اور پھر کہتا ہے جو کہتا ہے اور لکھتا ہے جو لکھتا ہے ❊

غیر مفید تعلیم

جو تعلیم کہ حسب احتیاج وقت نہ ہو وہ غیر مفید ہے۔ ایک عقلمند آدمی کا قول ہے کہ اگر حسب احتیاج وقت لوگوں کی تعلیم و تربیت نہ ہو تو اُس کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ لوگ اوّل مفلس اور محتاج اور پھر نالائق اور کاہل اور پھر ذلیل و خوار اور پھر چور و بدمعاش ہو جاتے ہیں ❊

پچھلی حالت تو اب تک مسلمانوں کی نہیں پہنچی اگر اسی طرح زمانہ چلا گیا تو بہت جلد یہ نوبت بھی آجاویگی مگر اور سب باتیں تو فضل الٰہی سے ٹھیک پوری ہو گئی ہیں اب یہ بات

عام تعلیم پرشیا میں

پرشیا واقع جرمنی کی عام تعلیم کی بابت ۱۸۶۱ء میں ایک رپورٹ چھپی تھی اُس کا خلاصہ ہم اس لئے لکھتے ہیں تاکہ ہندوستان کے مسلمان جانیں کہ تربیت یافتہ قوموں میں کس درجہ تک تعلیم کی ترقی ہے*

۱۸۶۱ء میں پرشیا میں پچیس ہزار ایک سو چھپن سرکاری ابتدائی سکول تھے اور آٹھ سو تیرہ خانگی۔ جن کی کُل میزان پچیس ہزار نو سو اُنہتر ہوئی*

سرکاری اسکولوں میں ستائیس لاکھ تہتر ہزار چار سو تیرہ لڑکے و لڑکیاں پڑھتی تھیں اور خانگی اسکولوں میں اڑتالیس ہزار تین سو بیالیس جس کی میزان اٹھائیس لاکھ ایک ہزار سات سو پچپن ہوئی*

پرشیا کے مُلک کی آبادی ایک کڑور چوراسی لاکھ اکیانوے ہزار دو سو بتیس آدمیوں کی ہے اس حساب سے فی سات سو بارہ آدمیوں میں ایک اسکول ہوتا ہے اور اوسط لڑکوں کا فی اسکول ایک سو دس کے قریب پڑتا ہے*

ان اسکولوں کے سوا چار سو تینتالیس چھوٹے لڑکوں کے پڑھنے کے لئے مکتب تھے جن میں بتیس ہزار سات سو پینتالیس لڑکے پڑھتے تھے*

اعلےٰ تعلیم کے مدرسہ اس سے علاوہ ہیں مگر ۱۸۶۱ء میں کُل طالب علم جو تمام مدرسوں اور اسکولوں اور مکتبوں میں پڑھتے تھے اُن کی تعداد بتیس لاکھ چھیانوے ہزار پانسو چھیالیس تھی۔ اور کُل مدرس چھتیس ہزار تین سو چودہ تھے جن میں سے تینتیس ہزار تریسٹھ مرد اور تین ہزار دو سو اکیاون عورتیں تھیں اور متوسط اور اعلےٰ مدرسوں میں نو ہزار نو سو تیرہ مدرس تھے*

اُسی رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۸۶۱ء میں اُن لوگوں میں جو فوج میں بھرتی تھے اس بات کا تخمینہ کیا گیا کہ کس قدر آدمی بن پڑھے ہیں تو معلوم ہوا کہ فی صدی دو آدمی بن پڑھے تھے مگر یہ زمانہ اَب گیا۔ اِس عرصہ میں اب اور زیادہ ترقی تعلیم کی ہوگئی ہے۔ جب مَیں ولایت میں تھا تو ایک جرمنی عالم سے میری بہت مُلاقات تھی اور اُن سے جرمنی کی تعلیم کا بہت ذکر رہتا تھا وہ مجھ سے فرماتے تھے کہ اَب پرشیا میں فی ہزار ایک آدمی بھی بن پڑھا بہ مشکل نکلیگا*

اب ہندوستان کے مسلمانوں کے حال پر خیال کرو کہ اگر اُن میں پڑھے ہوئے آدمی تلاش کیئے جاویں تو فی ہزار ایک آدمی بھی پڑھا ہوا بہ مشکل نکلیگا پس غور کرنے کا مقام ہے کہ ہم کو اپنی قومی

علم طبعی آلہی۔ ایک فقرہ ایک لفظ ایک حرف اِس علم کا اِس زمانہ میں مفید نہیں نہ دین کے کام کا نہ دنیا کے بقول شخصے۔ نہ لیپنے کا نہ پوتنے کا۔

علم حساب۔ علم ھندسہ۔ یہ دونوں علم بلاشبہ نہایت مفید ہیں مگر مُسلمانوں میں اِن کی تعلیم جس قدر مروّج ہے وہ کچھ بھی مفید نہیں۔ بڑے سے بڑے عالم وحید العصر اور فرید الدہر جناب مولوی صاحب وقبلہ کو لے لو۔ تحصیلی مکتبوں کا ہوشیار لڑکا ان دونوں علموں کو اُن سے بہتر ومفید تر جانتا ہوگا۔ پس جس مقدار سے کہ یہ علوم مُسلمانوں میں مروّج ہیں اور عمل تقسیم تک خلاصتہ الحساب پڑھ لینے اور تحریر اقلیدس کا مقالہ اوّل ختم کر لینے پر فضیلت کی پگڑی بندھائی جاتی ہے محض غیر مفید ہیں۔

علم ھیئت۔ ایک اصول اور ایک مسئلہ اس علم کا جو عربی زبان میں ہے صحیح نہیں من اوّلہ الی آخرہ غلط اور خلاف واقع ہے۔ پس جو چیز کہ غلط اور خلاف واقع ہے وہ کبھی مفید نہیں ہوسکتی۔ پس شرح چغمینی اور مجسطی پڑھنے سے کیا نتیجہ مفید حاصل ہوسکتا ہے ہاں البتہ جہل مرکّب ترقی پاتی جاتی ہے۔

علم الآلات۔ ہم کیوں اس کا تذکرہ کرتے ہیں اس لئے کہ مُسلمانوں میں مروّج ہی نہیں مگر دیکھنا چاہئے کہ یہ علم مسلمانوں میں ہے بھی یا نہیں جب بہت تلاش کرتے ہیں تو بڑے بڑے عالموں کے کُتب خانے میں چند ورق کا رسالہ جرثقیل اور دو یا تین صفحہ کا رسالہ عمل کُرّہ اور بیس باب کا رسالہ اسطرلاب پاتے ہیں اور جب اور زیادہ تلاش کرتے ہیں اور مُلکوں مُلکوں میں ڈھونڈتے پھرتے ہیں تو ایک بڑی نام آور کتاب "آلات رصد برجندی" پاتے ہیں مگر پھر پوچھنا پڑتا ہے کہ اس کو کوئی جانتا ہے تو اُس گھسیارہ کے منشی کی طرح جو دیکھتا ہے وہ روتا ہے بہر حال اگر اُن کو کوئی جاننے والا دیکھے بھی تو زمانہ حال کے آلات کے مقابل میں محض لغو اور بیہودہ اور غیر مفید خیال کرے۔

علم طب۔ اس علم کا پردہ موت وحیات نے ڈھانک رکھا ہے۔ یعنی جتنے معالج ہیں اُن کے علاج سے لوگ مرتے بھی ہیں اور جیتے بھی ہیں مگر جب زمانہ حال کی طب اور اُس کے اعمال اور اُس کی تحقیقات کا مقابلہ کیا جاوے تو ثابت ہوگا کہ علم طب جو مسلمانوں میں رائج ہے اگر اس میں ترقی نہ کی جاوے تو اُس کی کامل فائدہ مندی نہیں ہے۔

اب مسلمانوں کے علوم کی شرح کی تمام ہوگئی اور بخوبی ظاہر ہوگیا کہ اُن میں کوئی علم مفید مروّج نہیں ہے اور یہی باعث اُن کی ذلت ومسکنت کا ہے پس مُسلمانوں پر واجب ہے کہ تعصب کو چھوڑیں اور بعد تحقیقات اور مباحثہ کے سلسلہ تعلیم مُسلمانوں کا ایسا قایم کریں جو اُن کے دین ودُنیا دونوں کے لئے مفید ہو۔

دیکھنی چاہیئے کہ یہ حالت مسلمانوں کی درحقیقت اسی سبب سے ہوئی یا نہیں مفلسی کا اصلی سبب جہل ہے اور غیر مفید علوم کا عالم اور جاہل دونوں برابر ہیں اس لئے کہ اُن سے نہ لوگوں کو کچھ فائدہ ہوتا ہے اور نہ وہ خود کچھ اپنا بھلا کر سکتے ہیں ❊

بالفعل جو علوم کہ مُسلمانوں میں مروج ہیں وہ بلاشبہ غیر مفید ہیں اور حسب احتیاج وقت نہیں اور یہی باعث اُن کی مفلسی اور محتاجی کا ہے چنانچہ ہم اُن علوم کا مختصر ذکر اس مقام پر کرتے ہیں ❊

علم دین۔ اہل مذہب کے لئے علم دین کسی وقت غیر مفید نہیں ہو سکتا اس لئے کہ خود اُس کی ذات کو ہر وقت اُس کی احتیاج ہے ہاں اُس کے مفید یا غیر مفید ہونے سے اُس وقت بحث کی جا سکتی جبکہ اُس کے فائدہ کا متعدی کرنا یا غیر مذہب والوں کے حملہ سے اُس کی حفاظت منظور ہو مگر جو طریقہ تعلیم دینیات کا مُسلمانوں میں بالفعل رائج ہے وہ ان دونوں پچھلی باتوں میں سے ایک کے لئے بھی مفید نہیں یونانی فلسفہ کا تو زمانہ جس کے مقابلہ کے لئے علم نکلا تھا گیا مگر جو اعتراضات تاریخی اور علمی مذہب اسلام پر زمانہ حال میں وارد کئے جاتے ہیں اُن کا جواب تو درکنار شاید اُن کے سمجھنے کی بھی لیاقت نہیں ہے اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ زمانہ حال میں دینیات کی تعلیم بھی مسلمانوں میں مفید طریقہ پر نہیں ہے ❊

علم لسان۔ اِس علم سے سات علم متعلق ہیں۔ لغت۔ صرف۔ نحو۔ معانی۔ بیان۔ بدیع۔ انشاء۔ یہ سب علوم اکثر بزبان عربی اور کبھی بزبان فارسی مسلمانوں میں پڑھائے جاتے ہیں مگر یہ سب علوم فی نفسہ کچھ علوم نہیں ہیں بلکہ حصول علم اور اُس کی تدوین اور اُس کے بیان کے لئے آلہ ہیں پس اگر علم لسان ذریعہ حصول علوم مفیدہ نہیں ہے تو محض بیفایدہ ہے عربی زبان اِس زمانہ میں بجز علم دین کی شق اوّل کے اور کسی قسم کے مفید علوم حاصل کرنے کے لئے ذریعہ نہیں ہے اور اِس لئے سوائے ایک حالت کے اور تمام حالتوں میں وہ علوم محض غیر مفید ہیں ❊

علم منطق۔ یہ بلاشبہ مفید ہے مگر فی نفسہ کچھ مفید نہیں بلکہ جب اور علوم مفیدہ کے شامل استعمال کیا جاتا ہے جب مفید ہوتا ہے مگر مُسلمانوں میں دو وجہ سے یہ علم بھی غیر مفید ہو گیا ہے اوّل اِس لئے کہ کسی علم مفید کی تعلیم ہی نہیں رہی جس کے ساتھ استعمال میں آنے سے اِس علم کو مفید قرار دیا جاوے۔ دوسرے اِس لئے کہ اِس علم کے اصول نہایت مختصر ہیں جو بکار آمد ہیں مُسلمانوں نے اُس کو اس قدر غیر مفید طول دیا ہے کہ ایک عمر تصور و تصدیق ہی کی بحث میں گذر جاتی ہے اور نہ کسی کا تصور ہوتا ہے نہ کسی کی تصدیق اور اس لئے اس کو خود غیر مفید کر دیا ہے ❊

کیونکر اس بات کا خیال کریں کہ اسلام نے کچھ بھی اُن کے دلوں پر اثر نہیں کیا ہے +

اگر تمام دنیا کے مسلمان ایسے ہی ہوتے تو بڑی مشکل پیش آتی اس لئے کہ خود اسلام کی نسبت بہت کچھ شُبہ پڑتا مگر نہایت خوشی کی بات ہے کہ اور ملک کے مسلمانوں کا حال دیکھ کر یقین آتا ہے کہ اسلام بلا شُبہ روحانی اور اخلاقی اور تمدنی نیکیاں بخشنے والا ہے +

مسٹر جان ریئل موربل صاحب نے ٹرکی کے حالات میں ایک تاریخ لکھی ہے اُس میں اُنہوں نے جو کچھ حال ترکوں کا لکھا ہے اُس کا انتخاب اِس مقام پر لکھتے ہیں تاکہ ہندوستان کے مسلمان اُس کو دیکھ کر عبرت اور غیرت پکڑیں +

وہ لکھتے ہیں کہ "جس کسی نے ترکوں کے چال چلن کا حال لکھا ہے اُس نے ماں اور لڑکوں کی محبت کا ضرور ذکر کیا ہے۔ ماں کی شفقت اور لڑکوں کا ادب یہ دونوں باتیں طرفین کی طرف سے نہایت مستحکم اور لازوال ہوتی ہیں اسی کے ذریعے سے عورتوں کو وہ خوشی حاصل ہوتی ہے جو فرنگستان میں نہیں ہے۔ عورت کو خانہ داری میں بالکل اختیار رہتا ہے۔ ہم لوگوں میں (یعنی اہل فرنگ میں) اگر عورت تمام عمر اُس کے حاصل کرنے کی کوشش و محنت کرے تو بھی وہ اختیار اُس کو حاصل نہیں ہوسکتا +

وہ کہتے ہیں کہ "کثرت ازدواج ترکوں میں اس قدر زیادہ اور ایسی عام بلا نہیں ہے جیسا کہ لوگ عموماً تصور کرتے ہیں +

اُن کا قول ہے کہ "اسلام عورتوں کی طرف نہایت رحمدل ہے۔ قرآن میں صاف لکھا ہے کہ جو کوئی نیک کام کرتا ہے اور خدا پر یقین رکھتا ہے مرد ہو یا عورت بہشت میں جاویگا"+

وہ لکھتے ہیں کہ "مس پارڈہ جو ۱۸۳۶ء میں ٹرکی میں تھیں اور وہ ترکوں کے زنانہ میں جایا کرتی تھیں ترکوں کے گھر کی چال چلن سے نہایت خوش تھیں اور ترکوں کی عورتوں کی نیکی اور پارسائی کی تصدیق کرتی ہیں +

مسٹر سی ہوایٹ صاحب بیان کرتے ہیں کہ قسطنطنیہ میں امیروں کی عورتیں اپنے وقت کو اُسی طرح پر صرف کرتی ہیں جیسکہ اَور دارالریاست کی عورتیں۔ فرق یہ ہے کہ اُن کے خاندان میں اتفاق زیادہ ہوتا ہے۔ لڑکے اپنے والدین کا ادب زیادہ کرتے ہیں اور بی بی شوہر کی زیادہ مطیع ہوتی ہے۔ عورتوں کا دل اور اصول چلن کا نہایت کم خراب ہوتا ہے۔ ایک سے زیادہ عورتوں سے شادی کرنے کا عام دستور جاری نہیں ہے اور نہ یہ کوئی قاعدہ کی بات ہے بلکہ ایسی حالت مستثنیٰ ہے رذیل اور اوسط درجہ کے لوگوں میں بھی شاذو نادر ایسے لوگ ملینگے جنہوں نے دو عورتوں سے شادی کی ہو۔ نہایت درجہ کے امیر لوگوں میں بھی یہ دستور مستثنیٰ ہے +

اسلام کا نتیجہ نیک چلن ہونا ہے اگر ہم دیکھیں کہ کسی ملک کے مسلمانوں میں نیک چلنی نہیں ہے تو ہم کو یقین کرنا چاہئے کہ اسلام صرف اُن کے مُنہ ہی مُنہ میں ہے حلق کے نیچے ذرا بھی نہیں اُترا گو اُنھوں نے اپنے تئیں کیسا ہی جبہ اور عمامہ سے مقدس بنایا ہو اور نمازیں پڑھ پڑھ کر اور تسبیحیں ہلا ہلا کر قدوس جتایا ہو*

اسلام جس طرح کہ اخلاقی اور روحانی نیکیاں تعلیم کرتا ہے۔ نہیں نہیں جس طرح کہ اخلاقی اور روحانی نیکیوں کو دل میں بٹھا دیتا ہے اُسی طرح تمدن اور حُسن معاشرت کی جو نیکیاں ہیں اُن کو بھی اپنے پیروؤں کے برتاؤ میں ایسا ملا جُلا دیتا ہے کہ کسی طرح اُس سے الگ نہیں ہوسکتیں اور بطور فطرتی عادتوں کے دکھائی دیتی ہیں اور طبیعت ثانی ہونے سے بھی بڑھ کر اصلی طبیعت ہو جاتی ہیں*

اخلاقی اور روحانی نتیجہ اُس کا خدا ہی کو ماننا اور اُسی پر بھروسا رکھنا اور ہر حال میں اُس کی مرضی پر شاکر رہنا اور تمام مصیبتوں پر نیک دلی سے صبر کرنا ہوتا ہے اور تمدنی نتیجہ اُس کا اپنے ہمجنسوں سے محبت کرنا اور ہر ایک کے ساتھ نیکی اور سچائی اور پوری پوری صداقت سے پیش آنا ہوتا ہے۔ رحمدلی اور صدق مقال یعنی ہر بات میں سچ بولنا اسلام کا تأیل یعنی لقب ہے۔ دغا و فریب سے بچنا اُس کی ڈگری یعنی اُس کا منصب ہے۔ اب دیکھو کہ ہندوستان کے مسلمانوں میں کتنے ہیں جن کا ایسا برتاؤ ہے*

افسوس کہ ہم نے اپنی بدچلنی سے اسلام کو کیسا داغ لگایا ہے۔ شہادت زُور گویا مفلس مسلمانوں کا پیشہ ہوگیا ہے۔ ہندوستان کی عدالتوں میں جس وقت ہندو گواہ آتے ہیں تو منصف جج گو کہ وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو اس بات پر غور کرنی پڑتی ہے کہ آیا اُس کی شہادت سچ ہے یا نہیں مگر جس وقت مسلمان گواہ آیا اور اُس نے اپنا نام بتایا اور جج کو ظن غالب اُس کے جھوٹے ہونے کا ہوگیا جب تک کسی اور قرینہ سے اُس کے سچے ہونے کا گمان نہ ہو۔ مسلمان سودا بیچنے والے بہ نسبت اور قوموں کے بہت زیادہ جھوٹ بولتے ہیں اور فریب کرتے ہیں کسی چیز کی اصلی قیمت ہرگز نہ کہینگے اور ہمیشہ اس بات پر قصد رہیگا کہ مشتری سے جہاں تک ممکن ہو زیادہ قیمت لے جاوے*

جب کہ ہم کسی قوم کے سوداگروں اور خوردہ فروشوں میں یہ بات دیکھتے ہیں کہ تمام اشیاء کی ایک قیمت خاص معین ہے وہی کہتے ہیں اور وہی لیتے ہیں تو ہم کو مسلمانوں کی خراب عادت یعنی جھوٹی قیمت کہنے اور پھر ٹہکا ٹہکا تے چُکاتے نصف سے بھی بعض اوقات کم پر بیچنے سے کیوں نہ رنج ہو اور ہم

اور استقلال اور خدا پر بھروسہ رکھنے میں اُنھوں نے اُس کو بہا حقیقت میں دُنیا کی عجائبات میں سے ہے۔ ہماری رائے میں اسلام کی عزّت جس قدر کہ ہندوستان میں رکھی ہے صرف مُسلمان عورتوں نے رکھی ہے اور جب اُس کے ساتھ مُسلمان مردوں کا چال چلن جو اُن کے ساتھ ہے خیال کیا جائے تو عورتوں کی نیکی ایسے درجہ پر پہنچ جاتی ہے جو حد بیان سے خارج ہے ۔

ہماری رائے یہ ہے کہ تمام مُسلمانوں پر واجب ہے کہ صرف زبان سے مسلمان کہنے اور ٹخنوں سے اُونچا پاجامہ اور نیچ کے گریبان کا کُرتا اور گول عمامہ پہنتے اور صرف نماز پڑھ کر دل خوش کر لینے اور صرف دن بھر کا فاقہ کر کر شام کو لذیذ چیزوں اور نفیس شربتوں سے افطار کرنے ہی کو اسلام نہ سمجھیں بلکہ اُس کے ساتھ اُن تمام نیکیوں پر بھی خیال کریں جو اسلام کے نتیجے ہیں اور جب تک کہ انسان کے افعال اور خواہش اور معاملات اور اخلاق اور تمدن اور معاشرت میں اُن کا ظہور نہیں ہوتا اُس وقت تک ہرگز یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ اسلام نے اُن میں کچھ اثر کیا ہے ؎

گر مُسلمانی ہمیں ست کہ واعظ دارد
وائے گر در پس امروز بود فردائے

خدیو مصر کی محلسرا

جبکہ ہم یہ خواہش کرتے ہیں کہ ہم اپنے بھائیوں کو غیر قوم کے اُن خیالات سے مطلع کریں جو وہ ہماری زندگی بسر کرنے کی نسبت رکھتے ہیں تو ہم کو نہایت مشکل پیش آتی ہے اس لئے کہ تربیت یافتہ قومیں جس طرح اپنی زندگی بسر کرتی ہیں اُن سے ہمارے بھائی بند واقف نہیں ہیں اور یہ بھی بڑے شکر کا مقام ہے کہ غیر قوم کے لوگ بھی بخوبی اِس بات سے واقف نہیں ہیں کہ ہم لوگ کس طرح اپنی زندگی بسر کرتے ہیں اگر واقف ہوتے تو ہم نہیں خیال کر سکتے کہ وہ اور بھی کس قدر زیادہ حقارت اور ذلت کی نظر سے ہم کو دیکھتے ۔

ہم لوگ روپیہ خرچ کرنے میں مہذب قوموں سے بہت زیادہ فضول خرچ ہیں ہم کچھ روپیہ خرچ کرنے میں دریغ نہیں کرتے ہمارے اخراجات زندگی بسر کرنے کے اُن مہذب قوموں کے اخراجات سے کچھ کم نہیں ہیں۔ اگر ہم ہندوستان کے کسی نواب یا راجہ یا مسلمان امیر یا متمول ہندو کے اخراجات کا تخمینہ کریں تو بلاشبہ مہذب قوم کے اُسی درجہ کے امیروں سے زیادہ نکلیگا مگر

مسٹر جان کارنی صاحب کیمبرج والے یہ فرماتے ہیں کہ "ترکوں کی عجیب ایمانداری کا کچھ ذکر کرنا عین انصاف ہے۔ جب کہ میں گلیٹیا میں وارد ہوا تو میرا اسباب ایک مزدور نے اُٹھالیا اور ہم آگے بڑھے۔ جب ہم ایسی جگہ پہنچے جہاں لوگوں کی بہت کثرت تھی تو وہ مزدور میری نظر سے غائب ہوگیا اور ہم لوگ ایک قہوہ خانہ میں گئے۔ میں نے یہ خیال کیا کہ وہ مزدور میرا اسباب لیکر بھاگ گیا مگر سیوڈن کا رہنے والا کپتان جہاز کا جو پہلے بھی اس بندر میں آیا تھا کہنے لگا کہ ایسے کام کرنا یہاں کوئی جانتا بھی نہیں۔ تھوڑے عرصہ میں ہم کیا دیکھتے ہیں کہ وہ غریب مزدور اُسی راہ سے پھرا چلا آتا ہے اور گھبرایا ہوا ہر چہار طرف دیکھتا آتا ہے۔ بازاروں میں اکثر دوکاندار اپنی دُکان اور اسباب کو کھلا ہوا چھوڑ کر چلے جاتے ہیں اور کچھ اندیشہ نہیں ہوتا۔ دین لین میں کوئی شاذ و نادر فریب دینے کی کوشش کرتا ہے۔ ٹرکی یعنی روم کی سلطنت کے مختلف حصّوں میں میں نے سفر کیا اور اثنائے سفر میں غریبوں کے جھونپڑوں اور امیروں کے مکانوں میں رہا مگر کبھی ایک خرمہرہ کا بھی میرا نقصان نہیں ہوا "

یونانیوں نے جبکہ تریپولٹ زا مقام کی ٹرکی عورتوں پر ظلم کیا۔ امیروں کی عورتوں کو رذیل قوم کی عورتوں میں ملا دیا۔ اُن کے مرد رشتہ دار ذبح کر ڈالے تاہم جس صبر و قناعت کے ساتھ اُن عورتوں نے اُس تکلیف کو گوارا کیا نہایت قابل تعریف کے ہے۔ خدا کی شکایات یا بیفایدہ افسوس کبھی اُن کی زبان سے نہیں نکلا۔ وہ یہی کہتی تھیں کہ خدا کی یہی مرضی ہے اور سب تکلیفوں کو نہایت صبر و شکر سے گوارا کرتی تھیں۔ ترک مرد بھی رنج و تکلیف کو نہایت صبر سے برداشت کرتے ہیں۔ مگر ترک عورتیں تو گویا رنج و محنت کی برداشت کی روحیں ہیں "

اِس مقام پر ہم کو کچھ ہندوستان کے شریف خاندانوں کی عورتوں کا بھی حال لکھنا مناسب ہے بلا شبہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ مسلمان شریف خاندانوں کی عورتیں جیسی نیک اور ایماندار اور خدا پر شاکر اور رنج و مصیبت میں صابر ہیں شاید تمام دُنیا کی عورتوں سے سبقت رکھتی ہیں۔ خدا کی عبادت اور دل کی نیکی اور بے انتہا رحمدلی۔ والدین کا ادب۔ شوہر کی محبت اور اطاعت۔ تمام رشتہ مندوں کی اُلفت اور رنج و راحت میں اُن کے ساتھ شرکت۔ اولاد کی پرورش۔ خانہ داری کا انتظام جس دلی نیکی اور خالص ایمانداری سے وہ کرتی ہیں بیان سے باہر ہے۔ نہایت خوشی میں بھی وہ خدا ہی کو پکارتی ہیں کہ او خدا تیرا شکر ہے کہ تو نے ہم کو یہ خوشی دی اور نہایت مصیبت میں بھی وہ خدا ہی کو پکارتی ہیں۔ اُن کی زبان پر یہ ایک مثل ہے کہ مصیبت کے وقت بھی خدا ہی کو نہ پکاریں تو کیا کریں۔ دیکھو بچے کو ماں ہی مارتی ہے پر بچہ ماں ہی ماں پکارتا ہے۔ جو مصیبتیں ہماری یاد میں ہندوستان کی مسلمان عورتوں پر اتفاقات زمانہ سے پڑیں اور جس صبر و شکر و قناعت

مذکورہ بالا تحریر سے یہ بات معلوم ہوگی کہ مہذب قوم کے لوگ کم درجہ کے بھی اپنے رہنے کے کمرہ میں کن چیزوں کو اشد ضروری سمجھتے ہیں اور لکھنے اور پڑھنے کے سامان نہ ہونے سے کیسا تعجب کرتے ہیں*

وہ لکھتی ہے کہ "اُس کمرہ کے پلنگ کا بچھونا ایسا خراب اور سخت مثل تخت کے تھا کہ ہمارے وطن (یعنی انگلنڈ) میں اگر نہایت غریب گنوار کی چھوٹی سی جھونپڑی میں بھی ایسا بستر ہوتا تو اُس جھونپڑہ کی بے عزتی ہوتی۔ مجھ کو اپنے وطن کے گھر کا خیال آتا اور خدیو مصر کے محل میں آنے کا نہایت ہی افسوس ہوتا۔ ہردم یہی کہتی تھی کہ اگر نہ آتی تو بہتر ہوتا*

اُس کمرہ میں نہ تو کوئی سنگار میز تھی اور نہ اُن لوازمات ضروری میں سے کوئی چیز تھی جو عورتوں کی خوابگاہ میں ہونی چاہیئے۔ پھول سجانے کے لئے کوئی گلدان تک نہ تھا"

مذکورہ بالا فقرہ سے تفاوت خیالات بخوبی واضح ہوتا ہے کہ مہذب قوم کے ادنٰے لوگ بھی جن چیزوں کو ضروری سمجھتے ہیں ہم کو اُن کا کبھی خیال بھی نہیں آتا*

وہ لکھتی ہے کہ "البتہ اُس کمرہ میں قالین بچھا ہوا تھا اور کھڑکی کے پاس مشجر سے منڈھی ہوئی ایک کوچ رکھی ہوئی تھی۔ سب سے بڑی عجیب چیز جو اُس میں تھی وہ کپڑے رکھنے کی (وارڈ روب) الماری فرانس کی بنی ہوئی تھی اور گویا یہ خاص خاطرداری کے لئے تھی کیونکہ روم اور مصر کی عورتیں پہننے کے کپڑے الماریوں میں رکھتی ہیں جو دیواروں میں مثل طاق کے بنتی ہیں"*

وہ لکھتی ہے کہ "بیگمات کے بیٹھنے کے دو کمرے تھے اُن میں نہایت عمدہ قالین بچھے ہوئے تھے مگر جابجا سفید چربی کے داغ پڑے ہوئے تھے۔ سبب یہ تھا کہ بے تمیزی سے لونڈیاں ہاتھوں میں شمعیں جلا کر لئے ہوئے اِدھر اُدھر پڑی پھرتی ہیں اور چربی کی بوندیں قالین پر ٹپکتی جاتی ہیں اور وُہی بچھا رہتا ہے۔ دیواروں کے پاس مشجر کپڑے سے منڈھی ہوئیں کوچیں بچھی تھیں اور بیچ دیوار میں بہت بڑا آئینہ زمین سے چھت تک کا لگا ہوا تھا چھت نقش و نگار سے آراستہ تھی۔ بیچ میں سنگ مرمر کی ایک میز جس کے پایوں پر گلٹ کا کام تھا رکھی ہوئی تھی اور اُس کے چاروں پایوں پر آٹھ آٹھ بتی کے چار جھاڑ چاندی کے جن میں سرخ رنگ کی فانوسیں چڑھی ہوئی تھیں رکھے ہوئے تھے۔ تمام مکان میں تصویر رکھی نہ تھی کچھ سامان بے ترتیب رکھا ہوا تھا اور بہت سی چیزیں وہاں نہ تھیں جن کی درحقیقت مکان کی آراستگی کے لئے ضرورت تھی۔ کافی رکھنے کی چھوٹی بقدر رکابی کے گول میزوں پر سیپ کی پچی کاری بہت خوبصورت تھی مگر جو کہ میری نظر میں اپنے وطن کے امیروں کے ڈرائینگ روم کی سجاوٹ اور عمدگی سامان کی سمائی ہوئی تھی۔ اس لئے یہ سب چیزیں نہایت حقیر معلوم ہوتی تھیں۔ غرضکہ

افسوس اس پر آتا ہے کہ باوجود ان سب باتوں کے مہذب قوم کے لوگ فرشتوں کی مانند صفائی اور لطافت اور خوبی سے اپنی زندگی بسر کرتے ہیں اور ہم مانند ایک میلے کچیلے جانور کی۔ بہت لوگوں کی یہ رائے ہے کہ یورپ کی قوموں کی طبیعت میں ایک قدرتی صفائی اور لطافت ہے اور ایشیا کی قوموں کی طبیعتوں میں قدرتی کثافت اور غلاظت ہے یہ بھی ایک رائے ہے کہ ایشیا کی قوموں کی رسومات مذہبی ایسی ہیں جو انسان کی طبیعتوں کو کثافت کا عادی کر دیتی ہیں ؞

مگر یہ رائیں کسی طرح تسلیم نہیں ہو سکتیں اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ انسان کے مہذب ہونے کے لئے آب و ہوا اور موقع ملک کو بہت بڑا دخل ہے مگر ایشیا کا ملک یا ہندوستان ایسا نہیں ہے جو وہاں کے باشندوں علی الخصوص مسلمانوں کو تہذیب میں ترقی کرنے کا مانع ہو۔ مذہب اسلام جبکہ وہ تعصبات اور توہمات سے جس نے ہندوستان میں اس کو بہ نسبت اور ملکوں کے بھی زیادہ گھیر لیا ہے پاک صاف ہو تو وہ انسان کے مہذب ہونے کا خود ذریعہ ہے چہ جائیکہ وہ ہارج یا مزاحم ہو۔ اصل بات یہ ہے کہ تربیت اور عادت کو بہت بڑا دخل ہے ہماری تربیت ایسے ناقص طریقہ پر ہوتی ہے جس کے سبب سے ہماری طبیعتوں میں صفائی اور نفاست نہیں رہتی ؞

ابراہیم پاشا خدیو مصر کا بڑا بیٹا جبکہ چھوٹا تھا تو اس کے باپ اسمٰعیل پاشا خدیو مصر نے یہ تدبیر سوچی کہ اس کی پرورش یورو پین عورتوں کے ذریعہ سے ہو تاکہ اس کو بچپن ہی سے صفائی اور مہذب قوموں کی مانند زندگی بسر کرنے کی عادت پڑے۔ حقیقت میں یہ تدبیر نہایت عمدہ اور نہایت دانشمندی کی تھی چنانچہ اس نے لنڈن سے ایک عورت کو جس کا نام املین لاٹ تھا اس کام کے لئے نوکر رکھ کر بلایا اور وہ چند روز ابراہیم پاشا پر نوکر رہی جبکہ وہ اپنے ملک میں واپس گئی تو اس نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام "حرم لیف" رکھا ہے یعنی محلسرائے کی رہنے والی بیگمات کی زندگی بسر کرنے کا حال۔ ہم اس کتاب سے بالفعل مفصلۂ ذیل مضمون منتخب کر کر لکھتے ہیں اور آیندہ اور بھی لکھینگے اور اُمید کرتے ہیں کہ ان حالات سے ہمارے بھائیوں کو غیر قوم کے خیالات کا کچھ حال جو وہ ہماری زندگی بسر کرنے کی نسبت رکھتے ہیں معلوم ہوگا ؞

وہ لکھتی ہے کہ "جب میں محلسرائے میں داخل ہوئی تو مجھ کو ایک کمرہ رہنے کو ملا مگر اس کمرہ کا سامان ایسا خراب تھا جسے دیکھ کر مجھے کمال نفرت ہوئی وہ کمرہ خود بھی نہایت چھوٹا اور خراب تھا اور کچھ بھی سامان اس میں نہ تھا ہمارے ملک (یعنی لنڈن) کی اشراف بی بیوں کے ہاں جو عورتیں مزدوری کرنے کو آتی ہیں وہ بھی ایسے کمرہ میں دو رات بھی بسر نہ کرینگی۔ اس کمرہ میں نہ بیٹھنے کے لئے کوئی کرسی تھی اور نہ لکھنے کے لئے کوئی میز تھی اور نہ کپڑا پہننے کے لئے کوئی علحدہ جگہ تھی" ؞

مقرر کئے جس میں فرنچ ڈاکٹر کام کرتے تھے۔ ڈاکٹر ڈس گالیر صاحب لکچر دیا کرتے تھے اور سلطانی حکیموں کو حکم تھا کہ وہ بھی اُن کا لکچر سُننے کو حاضر ہوا کریں ؛

سنہ ۱۸۳۰ء میں اِس سلطان نے غلامی کے رواج کو جو محض خلاف شرع جاری تھا موقوف کر دیا اور تمام گریک کو جو بطور غلامی پکڑے گئے تھے چھوڑ دیا اور غلام آزاد کر دئے کیونکہ قرآن مجید کے احکام کے مطابق اور خصوصاً آیت انما المومنون اخوۃ فاصلحوا بین اخویکم اور آیت فاما منا بعد واما فداءً کے حکم کے مطابق کوئی شخص کسی کا غلام نہیں ہو سکتا ؛

اِسی بادشاہ کے عہد میں تُرکی زبان میں اخبار شروع ہوا اور پانچویں نومبر سنہ ۱۸۳۱ء کو پہلا اخبار چھپا جس کا نام تقویم وقایع رکھا گیا تھا ؛

ترک ایسے جاہل اور بیجا تعصب مذہبی میں مبتلا تھے کہ علم تشریح انسان سیکھنے کو بھی تصویر کا بنانا جائز نہ سمجھتے تھے۔ سلطان نے خود اپنی تصویر بنوائی اور سرجری اسکول قایم کیا جو دوسری جنوری سنہ ۱۸۳۲ء کو کھولا گیا تھا اور حکم دیا کہ کتب تشریح معہ تصاویر تصنیف کی جاویں اور چھاپی جاویں اور پڑھائی جاویں ؛

اِس سُلطان نے ترکوں کا لباس اور طریق زندگی درست کرنے میں بڑی کوشش کی وہ خوب جانتا تھا کہ مہذب قوموں کے سامنے عزت حاصل کرنی اور حقارت سے نکلنا اور برابر کی ملاقات اور دوستی رکھنی بغیر اس کے کہ لباس اور طریقہ زندگی نہ درست کیا جاوے بالکل ناممکن ہے ؛

اس نے دفعتاً اپنی سپاہ کی وردی بدل دی اور بالکل انگریزوں کی سی کر دی صرف ٹوپی کا فرق تھا۔ ڈاکٹر ولش صاحب لکھتے ہیں کہ ٹرکی کی زمین پر قدم رکھتے ہی پہلی چیز جو میں نے دیکھی اور جس نے مجھ کو حیران کر دیا وہ تعلیم یافتہ اور خوبصورت وردی پہنی ہوئی شکل سپاہیوں کی تھی اور افسر فوج کے ولنگٹن کوٹ اور پتلون اور بوٹ پہنے ہوئے تھے ؛

اِس سُلطان نے خود بھی ترکی لباس اور دسترخوان پر یا پائیدار خوان پر کھانا رکھ کر ہاتھ سے کھانا ترک کر دیا اور لباس میں کوٹ پتلون اور سُرخ ٹوپی جو فیس کہلاتی ہے پہننی شروع کی ؛

میز و کُرسی پر چمچہ اور چھُری اور کانٹے سے کھانا شروع کیا ڈاکٹر ولش صاحب نے سلطان محمود کو دیکھا تھا کہ وہ لکھتے ہیں کہ سُلطان کی یوروپین پوشاک اور یوروپین طریقہ تناول طعام اور خوبیٔ اوصاف اور شایستگی عادات میں اور ترکوں کی قدیم جہالت اور ناشایستگی میں آسمان و زمین کا فرق ہے ؛

محلسرائے کا یہ حال تھا کہ کہیں کوئی چیز ہے اور کہیں نہیں ہے اور ایسا مکان معلوم ہوتا تھا کہ جیسا چاہیئے ویسا آراستہ نہیں ہوا ﴿

مجھے افسوس ہے کہ املین لاٹ نے ہندوستان میں آکر کسی ہندوستان کے نواب یا راجہ کی نوکری نہیں کی اگر ہندوستان کی محلسراؤں کا حال دیکھتیں تو اور بھی زیادہ خوش ہوتیں ٭

یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے کہ اُس زمانہ سے جس کا حال املین لاٹ نے لکھا ہے مصر اَب بہت زیادہ ترقی پر ہے اور یورپ سے زیادہ اختلاط ہونے کے سبب تہذیب و شایستگی میں اُس نے بہت ترقی کی ہے ٭
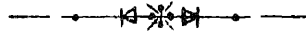
مُصلحانِ معاشرتِ مُسلمانان

ہم سے پہلے بھی ایسے لوگ گذرے ہیں جنھوں نے مُسلمانوں کی طرز معاشرت و طریقہ تمدن میں ترقی کرنے کی کوشش کی ہے اور اپنی کوششوں میں کامیاب بھی ہوئے ہیں اُن کا کچھ مختصر حال لکھنا مُسلمانوں کی واقفیت کے لئے بہتر ہوگا ٭

اوّل

سُلطان محمود خاں مرحوم سُلطان روم

یہ بادشاہ ۱۸۰۸ء میں تخت پر بیٹھا اور ۱۸۳۹ء میں فوت ہوا ٭

ہماری رائے میں مُسلمانوں میں سب سے اول یہ سلطان ہے جس نے مُسلمانوں کے اخلاق اور طریق معاشرت میں تہذیب شروع کی۔ تعصبات مذہبی کو جو درحقیقت اخلاق محمدی کے برخلاف تھے بالکل چھوڑ دیا۔ اپنے تمام مختلف مذہب کی رعایا کو اجازت دی کہ مطابق اپنے مذہب کے اپنی اپنی رسومات مذہبی ادا کریں۔ خود عیسائی گرجاؤں کی جو اُس کے مُلک میں تھے مرمت کرا دی جبکہ اُس نے رفاہ عام کے کاموں میں ایک لاکھ پیاستر (یہ ایک ٹرکی سکہ چاندی کا ہے) بانٹے تو گریک اور ارمنی چرچوں کو بھی برابر حصہ دیا ٭

اپنے مُلک میں اسکول مقرر کئے اور کُل مذہب کے لوگوں یہودی۔ عیسائی مُسلمان سب کو برابر بلا تعصب تعلیم دینی شروع کی ٭

سیتلا کی بیماری موقوف ہونے کے لئے ٹیکا لگانے کا نہایت خوبی سے رواج دیا شفاخانے

سلطان کی خوش قسمتی سے سلطان کو ایک نہایت لایق اور جامع جمیع صفات وزیر ہاتھ آیا تھا جس کا نام رشید پاشا تھا۔ اگر ہم سلطان عبدالمجید خاں کے ادب کا پاس نہ کرتے تو اُن لوگوں کی فہرست میں جنھوں نے مسلمانوں کے حالات معاشرت میں اصلاح و ترقی کی سلطان محمود خاں کے بعد رشید پاشا کا نام نامی اور لقب گرامی لکھتے۔ اُس نے ترکوں کے تمام لغو اور بیہودہ تعصبات کو جن کو اُنھوں نے غلط دینداری کے رنگ میں رنگا تھا اور جو در اصل مذہب اسلام سے کچھ علاقہ نہیں رکھتے تھے اور جو درحقیقت مسلمانوں کے تربیت یافتہ اور مہذب ہونے کے مانع تھے بہ خوبی غور کیا اور قرآن مجید کے استدلال اور سند سے اور نہ زید و عمرو کی تقلید سے اُن تمام تعصبات کی تردید کی اور یورپ کے طریقوں کے اختیار کرنے کا جواز لکھا اور سلطان عبدالمجید خاں نے اُس کو پسند کیا اور تمام علما اور مسلمانوں میں اور تمام رعایا میں اُس کے مشتہر کرنے کا حکم دیا چنانچہ وہ تمام تحریر بطور فرمان لکھی گئی جو ترکی زبان میں "ھت شریف" کے نام سے ملقب ہے *

۳۔ نومبر ۱۸۴۱ء کو ایک بہت بڑے عالی شان مکان میں خود سلطان اور اُس کے تمام وزرا اور علما اور سول و فوج کے افسر اور تمام سلطنتوں کے سفیر جو انباسڈر کہلاتے ہیں اور شیخ و مشائخ کبار اور ہر درجہ کے امام اور گریک اور ارمنی چرچ کے بشپ جو پیٹریارک کہلاتے ہیں اور علمائے یہود جو ربی کہلاتے ہیں اور تمام اہل حل و عقد جمع ہوئے اور رشید پاشا نے وہ ہت شریف پڑھا اور سب نے آمنّا و صدقنا کہا۔ یہ دن سلطان عبدالمجید خاں کی سلطنت میں ایسا مبارک دن تھا جس پر سے ہزار عید قربان ہونی چاہئیں۔ یہ دن نہیں تھا بلکہ مسلمانوں کی قوم کی جان تھا اور حقیقت میں رشید پاشا مسلمانوں کی قوم کی زندگی کا سبب تھا۔ خدا اُس پر رحمت کرے *

سلطان عبدالمجید خاں نے جو اس زور شور سے مسلمانوں کے حالات کی بہتری چاہی اور اُن کے لغو تعصبات کو جو غلط دینداری کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے دفعتاً توڑ دیا تو عام جاہل لوگوں اور اُن کٹ ملاؤں نے جن کی مثال ایسی تھی کہ مصرع

چارپائے بر و کتابے چند

اُنھوں نے بہت غل مچایا اور عوام میں ایک ناراضی پیدا ہوئی اور اُس کو کرسٹان کہنے لگے مگر جب رفتہ رفتہ لوگوں کو معلوم ہوتا گیا کہ سلطان نے کیا کچھ بھلائی اور بہتری اسلام کی اور مسلمانوں کے ساتھ کی ہے تو سب لوگ دل سے سلطان کو چاہنے لگے *

ایک مؤرخ لکھتا ہے کہ ایک دفعہ سلطان کوٹ پتلون پہنے ہوئے اور لال ترکی ٹوپی اوڑھے ہوئے گھوڑے پر سوار نماز کے لیے بایزید کی مسجد کو جاتا تھا راستہ میں عورتوں کے غول نے

اِس بادشاہ نے جو نصیحت اور تدبیر مملکت اپنے جانشینوں کے لئے چھوڑی تھی وہ یہ ہے کہ سب کو برابر پناہ اور حقوق ہوں مسلمان پہچانے جاویں اور لوگوں سے صرف مسجدوں میں اور عیسائی صرف گرجاؤں میں اور یہودی صرف سنیگا میں ؛

یہ تھے اصلی اصول اسلام کے جس پر سُلطان محمود نے عمل کرنا شروع کیا تھا اور ہم ہندوستان کے عالموں سے یہ بھی کہتے ہیں کہ سُلطان نے یہ سب کام علمار پایہ تخت کے فتووں سے کئے تھے مگر وہ لوگ ہندوستان کے لوگوں کی طرح جاہل اور متعصب نہ تھے اِس سلطان کی پُورے قد کی تصویر میں نے وارسیل کے بیلس میں دیکھی تھی جو پیرس دارالسلطنت فرانس میں ہے اُس کو یُورپین لباس اور سُرخ ٹوپی نہایت ہی سوہاتی تھی۔ خدا اُس پر رحمت کرے کہ اُس نے مُسلمانوں کو مہذب و شایستہ بنانے کے لئے سب سے اول کوشش کی ؛

دوم

سُلطان عبدالمجید خان مرحوم سُلطان روم

یہ سُلطان پہلی جولائی ۱۸۳۹ء کو تخت پر بیٹھا اور ۱۸۶۱ء میں فوت ہوا ؛

اِس سُلطان نے بالکل سلطان محمود کے طریقہ کی پیروی کی۔ بالکل یورپین کوٹ و پتلون اور تمام یُوروپین لباس پہنتا تھا صرف ٹوپی سرخ ٹرکی کی ہوتی تھی۔ میز پر چھُری کانٹے چمچے سے کھانا کھاتا تھا اور تمام تعصّبات کو جو مذہب اسلام کی رُو سے لغو تھے چھوڑ دیا تھا اور روز بروز عیسائی قوموں سے محبت اور دوستی بڑھاتا جاتا تھا ؛

سب سے اول اور عُمدہ کام جو اِس بادشاہ سے بن آیا اور جس کے سبب مسلمان ہمیشہ اُس کے احسان مند رہینگے تمام یورپ کی اعلےٰ سلطنتوں سے اور خصوص انگریزوں سے خالص محبت اور اخلاص پیدا کرنا تھا جس کے سبب سلطنت روم کی منجملہ یورپ کی سلطنتوں کے شمار ہوئی اور جو عہدنامہ ۱۸۵۶ء میں یورپ کی سلطنتوں میں ہوا اُس عہدنامہ میں یہ مُسلمانی سلطنت بھی شامل ہوئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کریمیا کی لڑائی میں جو اِس بادشاہ سے اور روسیوں سے ہوئی تھی انگریز اور فرنچ نے سُلطان کی مدد کی اور اِس مُسلمانی سلطنت کو بچا لیا ورنہ آج دُنیا میں مُسلمانی سلطنت کا نام بھی نہ ہوتا۔ پس حقیقت میں تمام دُنیا کے مُسلمانوں پر انگریزوں اور فرنچوں کا مگر بالتخصیص انگریزوں کا اِس قدر احسان ہے کہ جب تک مُسلمانی سلطنت قایم ہے بلکہ جب تک مُسلمان دُنیا میں ہیں اُس کے شکر اور مراسم احسانمندی کو ادا نہیں کرسکینگے ؛

ملکہ معظمہ وکٹوریا کا تھا مرگیا تھا مگر اُن کی بی بی لیڈی پالمرسٹن زندہ تھی سلطان خود لیڈی پالمرسٹن
کے پاس اُن کے شوہر عالی وقار کا شکر ادا کرنے گیا اور جتنی بڑی عزت کا یہ کام سلطان سے ہوا
شاید آیندہ تمام عمر اُس کو ایسا دوسرا کام کرنا نصیب نہیں ہونے کا ؛

اِس مقام پر ہم ہندوستان کے مسلمانوں سے سر اسٹافورڈ نارتھ کوٹ اُس زمانہ کے
سکرٹری آف اسٹیٹ فار انڈیا یعنی وزیر ہندوستان کے اُس احسان کا ضرور ذکر کرینگے کہ جب
سلطان لنڈن میں تشریف رکھتے تھے تو اُنہوں نے ہندوستان کی طرف سے سلطان کو
انڈیا آفس میں بُلایا اور ہماری طرف سے دعوت کی۔ جب میں لنڈن میں گیا تھا تو میں نے انڈیا آفس
کے اُس خوبصورت بڑے ہال کو جس میں ہماری طرف سے سلطان کی دعوت ہوئی تھی دیکھا
تھا اور سر اسٹافورڈ نارتھ کوٹ کا بہت بہت شکر کیا تھا ؛

پھر اُسی دوستی اور اخلاص کا استحکام ۱۸۶۹ء میں اور زیادہ روشن ہوا کہ پرنس آف ویلز
اور پرنسس آف ویلز یعنی ولی عہد ملکہ معظمہ اور ولی عہد بیگم قسطنطنیہ میں سلطان کے ہاں مہمان
تشریف لے گئے اور باہم دوستی و محبت سے جلسوں اور دعوتوں میں شریک رہے ؛

اُس کے بعد امپرس آف فرانس یعنی فرانس کے بادشاہ بیگم سلطان کے ہاں مہمان تشریف
لے گئیں اور اُسی طرح کھانے پینے اور دعوتوں کے جلسے رہے ؛

پھر امپرر جوزف یعنی شہنشاہ آسٹریا سلطان کے ہاں مہمان تشریف لے گئے اور چونکہ سلطان
کے مُلک کی اور آسٹریا کی حد بالکل پیوستہ ہے اور جار ملاصق ہے اس لئے سلطان نے
حق ہمسایہ کو جس کا ادب بموجب مذہب اسلام زیادہ تر ہے زیادہ عزیز سمجھا اور خاص اُسی محل میں
جس میں خود رہتا تھا اپنے ساتھ شہنشاہ آسٹریا کو اُتارا۔ دن رات باہم صحبت رہی۔ کھانے
پینے میں شریک رہے۔ سب ایک میز پر بیٹھ کر کھاتے تھے صرف سلطان کا نماز پڑھنا اور شہنشاہ
آسٹریا کا چرچ میں جانا مسلمان اور عیسائی ہونا بتاتا تھا اور اس کے سوا کچھ فرق نہ تھا ؛

گریک اور ارمنی چرچوں کے لئے بشپ اور پیٹریارک اسی طرح سلطان مقرر کرتا ہے جس طرح
کہ اگر خود اُنہی مذہبوں کا کوئی بادشاہ ہوتا اور وہ مقرر کرتا اُس کے ہاں تمام عہدہ دار اعلےٰ سے اعلےٰ
بھی بلحاظ مذہب کے عہدوں پر مقرر ہیں اور آپس میں ایسا اطمینان اور اعتماد ہے کہ سفارت
کے عہدوں تک جس میں ہزاروں راز کی باتیں ہوتی ہیں عیسائی اور مسلمان سب مقرر ہیں۔ یہ
کیسی اور عمدہ اور خوشی کی بات ہے کہ مسلمان سلطان کی طرف سے دربار حضور ملکہ معظمہ میں جو سب سے
بڑا دربار ہے اور سلطان کو سب سے زیادہ تعلق اور غرض اُس عالی شان دربار سے ہے مسورس پاشا
جو گریک ہے انباسڈر یعنی سفیر مقرر رہے ؛

بادشاہ کو گھیر لیا اور دیکھ کر بہت خوش ہوئیں اور آپس میں کہنے لگیں کہ کیا ہمارا بیٹا خوبصورت نہیں ہے۔ اب اس بات سے ہر کوئی سمجھ سکتا ہے کہ سلطان کو کس قدر لوگ عزیز سمجھنے لگے تھے ؞

اِس سُلطان نے اپنی سلطنت میں نہایت عمدہ کام کئے۔ انگریزوں اور فرنچ سے نہایت استحکام اور سچائی سے دوستی قایم کی۔ عدالتوں کے لئے قوانین بنائے اور فرانس کے طریقہ پر تمام انتظام سلطنت قایم کیا ۱۸۴۶ء میں پبلک انسٹرکشن کی کونسل بنائی۔ نئی یونیورسٹی قایم کی نارمل اسکول قایم کئے اور اُس کے وقت میں اتنی ترقی ہوئی کہ قسطنطنیہ میں تیرہ اخبار فرنچ اور ٹرکی اور گریک زبان میں چھپنے لگے تھے ؞

ماشر ابی سینی صاحب ایک فرنچ مؤرخ نے اِس سُلطان کے زمانہ کے حال میں لکھا ہے کہ ترک نہایت بہادر اور ذہین آدمی ہیں اور نہایت ایماندار مُسلمان جو نہایت عجیب طرز پر اپنے مذہب کے ذریعہ سے اپنے چال چلن درست کرنے پر متوجہ ہیں ؞

سوم

سُلطان عبد العزیز خاں سُلطان روم

یہ اِس عہد کا بادشاہ ہے جس کی ذات مبارک سے روم کا تخت سلطنت مزین ہے خدا اُس کو اور اُس کی سلطنت کو سلامت رکھے یہ سلطان بھائی ہے سلطان عبد المجید خاں کا ۱۸۶۲ء میں اپنے بھائی کے مرنے کے بعد تخت پر بیٹھا ؞

اِس سُلطان نے سب سے زیادہ مُسلمانوں میں تربیت و شایستگی پھیلانے میں قدم بڑھایا ہے اور انگریزوں اور فرنچ اور آسٹریا سے اور بھی زیادہ دوستی و اخلاص پیدا کیا ہے ؞

لباس میں اور طریقہ زندگی میں اپنے سابقین کی صرف پیروی ہی نہیں کی بلکہ زور بروز اُس میں ترقی کرتا گیا بے تعصبی اور سچی دوستی اور محبت کا جو اُس نے فرنچ اور انگریزوں سے پیدا کی ہے ۱۸۶۷ء میں بخوبی ثبوت ہو گیا جب کہ سُلطان پیرس دار السلطنت فرانس میں بطور مہمان کے آیا اور امپرر نیپولین کے ساتھ کھانے اور تمام جلسوں میں شریک رہا اور وہاں کی سیر و سیاحت کر کر لنڈن میں صرف دوستی اور اخلاص کے سبب ملکہ معظمہ وکٹوریا دام ظلہا سے ملاقات کر آیا اور کھانوں اور دعوتوں اور جلسوں میں شریک رہا ؞

سب سے زیادہ عزت جو سلطان نے لنڈن میں کمائی بلکہ مُسلمانوں کی قوم کو بلکہ اُن کے اخلاق مذہبی کو دی وہ صرف یاد رکھنا اُس احسان کا تھا جو لارڈ پالمرسٹن نے کریمیا کی لڑائی میں ترکوں کو مدد دینے سے کیا تھا وہ عالی ہمت فیاض لارڈ جو زمانہ جنگ کریمیا میں وزیر اعظم سلطنت

انتقال کیا کتاب تصنیف کی اور بعضے کہتے ہیں کہ ربیع ابن صبیح نے جو ۱۶۰ ہجری میں مر گئے
سب سے اوّل کتاب لکھی اور اسی زمانہ کے قریب میں سفیان بن عیینہ اور مالک ابن انس کی
تصنیفات مدینہ میں اور عبداللہ ابن وہب کی تصنیفات مصر میں اور معمر اور عبدالرزاق کی تصانیف
یمن میں اور سفیان ثوری اور محمد ابن فضیل ابن غزوان کی کوفہ میں اور حماد ابن سلمہ اور روح ابن
عبادہ کی بصرہ میں اور ہشیم واسط اور عبداللہ ابن مبارک کی خراسان میں شایع ہوئیں *

تیسری دفعہ مسلمانوں کے علوم کی ترقی اُس وقت ہوئی کہ بعض لوگوں نے عقاید مذہبی
میں اختلاف کیا اور فرق بدع واہوا کا شیوع ہوا اور علم کلام میں کتابیں تصنیف ہونی شروع
ہوئیں پھر اسی علم کلام کو اور زیادہ ترقی ہوگئی جبکہ تردید مسائل فلسفہ یونانیہ بھی جو عقاید اسلام کے
برخلاف تھے اس میں شامل کئے گئے۔ سب سے اوّل اِس علم میں حارث محاسبی نے کتاب
تصنیف کی جو حضرت امام احمد حنبلؒ کا ہمعصر تھا۔ اوّل اوّل علماء اور اتقیاء اِس علم کو زندقہ والحاد
سمجھتے تھے پھر رفتہ رفتہ اس کی ایسی ضرورت معلوم ہوئی کہ فرض کفایہ تک نوبت پہنچ گئی *

چوتھی دفعہ مسلمانوں کے علوم کی ترقی خلفائے عباسیہ کے عہد میں ہوئی کہ یونانیوں کے
علوم یونانی زبان سے عربی میں ترجمہ ہوئے اور مسلمانوں میں رایج ہوئے۔ اوّل اوّل ان علوم کے
پڑھنے والوں پر بھی کفر و ارتداد کے فتوے ہوئے مگر چند روز بعد یہی علوم مدار فضیلت
و کمال قرار پائے *

پانچویں دفعہ مسلمانوں کے علوم کی ترقی اُس وقت ہوئی جبکہ مسلمان عالموں نے معقول و
منقول کی تطبیق کو ایک امر لازمی اور ضروری سمجھا اور یقین کیا کہ بغیر اس کے انسان کا ایمان
کامل نہیں ہوسکتا *

اِس فن میں سب سے زیادہ کمال امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے حاصل کیا۔ اُن کی کتاب
احیاءالعلوم گویا سرچشمہ اس فن کا ہے۔ اگرچہ ابتداء میں امام غزالیؒ کی نسبت بھی کفر کے
فتوے ہوئے اور اُن کی کتاب کے جلا دینے کے اشتہار کئے گئے مگر آخر کو حجۃ الاسلام اُن کا
لقب ہوا اور اُن کی کتاب کو تمام عالم نے تسلیم کیا *

اُس کے بعد بہت کم کتابیں اس فن میں تصنیف ہوئیں مگر اخیر زمانہ میں مولانا شاہ ولی اللہ
صاحب رحمۃ اللہ علیہ اِس طرف متوجہ ہوئے اور کتاب حجۃ اللہ البالغہ لکھی جو بلحاظ اُس زمانہ کے
درحقیقت نہایت عمدہ اور عجیب لطیف کتاب تھی *

مگر اب یہ تمام وقت جن کی کہانی ہم نے بیان کی گذر گئے اور اب بڑی ضرورت ہے کہ
مسلمانوں میں دو طرح پر علوم کی ترقی ہو *

ترکوں کی تربیت اور شایستگی اور تہذیب کا اب یہ حال ہے کہ اُن کا تمام لباس کوٹ و پتلون اور قمیص و اسکٹ بالکل یورپ کی مانند ہے ایک قسم کا فراک کوٹ ہے جو وہ استعمال کرتے ہیں اور تمام اُمرا اور شریف لوگوں کا یہی لباس ہے صرف ترکی ٹوپی جدا ہے سب نے زمین پر کا بیٹھنا چھوڑ دیا ہے میز و کرسی پر بیٹھتے ہیں۔ میز پر چھُری کانٹوں سے کھانا کھاتے ہیں اُن کے مکان کی آراستگی اور طریقہ زندگی بالکل یورپین کا سا ہو گیا ہے ❊

علی پاشا وزیر سلطنت نہایت عمدہ انگریزی پڑھا ہوا ہے لنڈن میں اُس نے تعلیم پائی ترکوں کا لباس نہایت عمدہ اور خوبصورت ہو گیا ہے۔ خوش وضع پتلونیں اور پاؤں میں سیاہ نفیس انگریزی بوٹ اور سیاہ سیاہ نفیس بانات کے کوٹ اور سر پر لال ٹوپی جو فیس کہلاتی ہے نہایت خوبصورت معلوم ہوتی ہے۔ صفائی اور نفاست اور آراستگی مکانات بالکل یورپ کی مانند ہے۔ جب وہ لوگ اپنی ہمسایہ قوموں فرنچ اور انگریزوں میں مل کر بیٹھتے ہیں تو معمولی معلوم ہوتے ہیں اور اُمید ہے کہ روز بروز اور زیادہ مہذب ہوتے جاوینگے۔ پس ہندوستان کے مُسلمانوں سے بھی ہم یہی چاہتے ہیں کہ اپنے تعصبات اور خیالات خام کو چھوڑیں اور تربیت اور شایستگی میں قدم بڑھائیں ❊

ترقی علوم

مُسلمانوں میں ترقی علوم کی ایک عجیب سلسلہ سے ہوئی ہے۔ سب سے اول بنیاد ترقی علوم کی جنگ یمامہ کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ہوئی کہ اُنھوں نے زید ابن ثابت کو متعین کیا کہ قرآن مجید کو اول سے آخر تک یکجا جمع کر کر بطور ایک کتاب کے لکھ دیں چنانچہ اُنھوں نے لکھا جیسا کہ اب موجود ہے ❊

دوسری دفعہ مُسلمانوں کے علوم کو اُس وقت ترقی ہوئی جبکہ لوگوں نے حدیث کو جمع کرنیکا ارادہ کیا اگرچہ اوّل اوّل لوگ اس کو بُرا جانتے تھے (اور شاید اُن کی رائے صحیح ہو) مگر دوسری صدی میں سب نے اُس کی ضرورت کو قبول کیا اور حدیثوں کو جمع کرنے اور حدیث کی کتابوں کے لکھنے کی طرف متوجہ ہو گئے ❊

اِس بات میں اختلاف ہے کہ سب سے اول کس نے اِس کام کو شروع کیا بعضے کہتے ہیں کہ سب سے اول امام عبد الملک بن عبد العزیز ابن جریج بصری نے جنھوں نے ۱۵۵ ہجری میں وفات پائی کتاب تصنیف کی اور بعضے کہتے ہیں کہ ابو نصر سعید ابن عروبہ نے جنھوں نے ۱۵۶ ہجری میں

مقاصد تہذیب الاخلاق

ہمارے اِس پرچہ کی عمر سوا برس کی ہوئی اور تریسٹھ مضمون اس میں چھپے اب ہم کو سوچنا چاہئے کہ ہم کو اس سے قومی تہذیب اور قومی ترقی حاصل ہونے کی کیا توقع ہے۔

انسان ایک ایسی ہستی ہے کہ آیندہ کی خبر اُس کو نہیں ہو سکتی مگر گذشتہ زمانہ کے تجربہ سے آیندہ زمانہ کی اُمید کو خیال کر سکتا ہے۔ پس ہم کو اس پرچہ کی بابت آیندہ زمانہ کی پیشین گوئی کرنے کے لئے پچھلے حالات اور واقعات پر نظر کرنی چاہئے۔

جب ہم کچھ اوپر پچھلے ڈیڑھ سو برس کی دنیا پر نظر ڈالتے ہیں تو ہم پاتے ہیں کہ لنڈن میں بھی وہ زمانہ ایسا ہی تھا جیسا کہ اب ہندوستان میں ہے اور وہاں بھی اُس زمانہ میں اسی قسم کے پرچے جاری ہوئے تھے جن کے سبب تمام چیزوں میں تہذیب و شائستگی پیدا ہوئی تھی پس اوّل ہم اُن پرچوں کا کچھ حال بیان کرتے ہیں اور پھر اِس پرچہ تہذیب الاخلاق کو اُن سے مقابلہ کرینگے اور پھر آیندہ کی حالت ہندوستان کا اُس پر قیاس کر کر اپنی قومی ترقی کی نسبت پشینگوئی کرینگے۔

جبکہ یورپ میں باہمی مُلکی لڑائیوں کا زمانہ تھا تو بہت سے بڑے بڑے شہروں میں اخبار کا چھپنا اور پھیلنا شروع ہو گیا تھا اور خاص لنڈن میں بھی اخبار چھپنے لگا تھا مگر اپنی قوم کی روزمرہ کی زندگی اور اُن کے مزاج اور عادت اور خصلت پر نکتہ چینی کرنے اور اُس میں سے بُرائیوں کے نکالنے اور عمدہ اور نیک خصلتوں کو ترقی دینے کا کسی کو کسی مُلک میں خیال نہ تھا ہاں البتہ فرنچ لوگوں نے اس پر کچھ خیال کیا تھا اور سولھویں صدی میں مانٹین صاحب نے جو ایک مشہور فرنچ عالم تھے خصلت و عادت پر کچھ مضمون چھپوائے تھے۔ اُس کے بعد لابروے صاحب نے جو ایک فرنچ عالم تھے ایک کتاب چھاپی تھی جس میں چودھویں لوئی بادشاہ فرانس کے دربار کی بناوٹوں کو نہایت سلیقہ کی طعنہ زنی سے بیان کیا تھا لیکن کسی شخص کو یہ خیال نہ آیا تھا کہ کوئی ایسا پرچہ یا رسالہ نکلے جو جلد جلد ایک مناسب میعاد پر چھپا کرے اور قومی برائیوں کو جتایا کرے اور لوگوں کو قومی بھلائی کی ترقی پر رغبت دلاتا رہے مگر خدا نے یہ کام لنڈن کے پیغمبروں اور سویلزیشن کے دیوتاؤں سر رچرڈ اسٹیل اور مسٹر اڈیسن کی قسمت میں لکھا تھا۔

سر رچرڈ اسٹیل صاحب نے ۱۷۰۹ء میں ایک پرچہ نکالا جس کا نام ٹیٹلر تھا اس کے اصلی اڈیٹر تو اسٹیل صاحب تھے مگر اڈیسن صاحب بھی کبھی کبھی مدد دیتے تھے۔ یہ پرچہ ہفتہ میں

اوّل جس طرح کہ قدیم یونانی فلسفہ اور حکمت ہم مسلمانوں نے حاصل کی تھی اب فلسفہ و حکمت جدیدہ کے حاصل کرنے میں ترقی کریں کیونکہ علوم یونانیہ کی غلطی اب علانیہ ظاہر ہوگئی ہے اور علوم جدیدہ نہایت عمدہ اور مستحکم بنیاد پر قایم ہوئے ہیں ٭

دوسرے یہ کہ جس طرح علمار سابق نے معقول یونانیہ اور منقول اسلامیہ کی مطابقت میں کوشش کی تھی اسی طرح حال کے معقول جدیدہ اور منقول اسلامیہ قدیمہ کی تطبیق میں کوشش کی جاوے تاکہ جو نتایج ہم کو پہلے حاصل ہوئے تھے وہ اب بھی حاصل ہوں ٭

اِس کام کے کرنے میں بلا شبہ بہت سے نادان بُرا کہینگے اور زبان طعن دراز کرینگے مگر ہم کو اس پر کچھ خیال کرنا نہیں چاہئے کیونکہ جن اگلے لوگوں نے ایسا کیا تھا اُن کا بھی یہی حال ہوا تھا مگر آخر کو سب لوگ اُسی کی قدر کرینگے ٭

علوم جدیدہ

ہماری تحریروں میں اکثر لفظ "علوم جدیدہ" آیا ہے۔ غالباً اُس کی مراد میں لوگوں کو شبہ رہتا ہوگا اس لئے اُس کی تفسیر کرنی مناسب معلوم ہوتی ہے ٭

واضح ہو کہ علوم جدیدہ سے تین قسم علوم مراد ہیں ایک وہ جو متقدمین یونانیہ اور حکمائے اسلامیہ کے زمانہ میں مطلق نہ تھے اور اب حال میں ایجاد ہوئے ہیں۔ مثلاً جیالوجی اور الیکٹریسٹی وغیرہ دوسرے وہ علوم جن کا نام تو متقدمین یونانیہ اور حکمائے اسلامیہ میں تھا مگر جن اصول پر وہ علوم مبنی تھے وہ اصول غلط ثابت ہوکر متروک ہوگئے اور اب نئے اصول قایم ہوئے جن کو اصول قدیمہ سے کچھ مناسبت نہیں اور بجز اتحاد نام کے اور کچھ باقی نہیں رہا۔ مثلاً علم ہیئت اور کمسٹری وغیرہ۔ تیسرے وہ علوم جو متقدمین یونانیہ اور حکمائے اسلامیہ کے زمانہ میں بھی تھے اور اُن کے اصولوں میں بھی کچھ اختلاف نہیں ہوا مگر اب اُن کو کمال وسعت ہوگئی ہے کہ زمانہ حال میں بالکل نئے معلوم ہوتے ہیں مثلاً میکینکس یعنی علم آلات جو ہمارے ہاں بلفظ علم جر ثقیل مستعمل ہے اور علم حساب جبر مقابلہ علم ہندسہ وغیرہ۔ پس ہم اپنے ناظرین پرچہ ہذا سے اُمید رکھتے ہیں کہ وہ جہاں ہماری تحریر میں علوم جدیدہ کا لفظ دیکھیں اُس سے ہماری مراد ان تینوں قسموں سے کسی قسم کو یا کُل کو مجموعاً و منفرداً تصور فرماویں ٭

اِن پرچوں کے جاری ہونے سے انگریزوں کے اخلاق اور عادات اور دینداری کو نہایت فائدہ پہنچا اور ہر ایک کے دل پر اُن کا اثر ہوا جس زمانہ مین کہ پہلے پہل ٹیٹلر نکلا ہے انگلستان کے لوگوں کی جہالت اور بداخلاقی اور ناشایستگی نفرت کے قابل تھی وضعدار لوگ کیا مرد و کیا عورت تحصیل علم سے نفرت رکھتے تھے اور علم پڑھنے کو خود فروشی و باد فروشی کہتے تھے اور کمینوں کا کام سمجھتے تھے۔ علم جو اَب عام لوگوں میں پھیلا ہوا ہے شاذ و نادر کہیں کہیں پایا جاتا تھا علم کا دعوے تو درکنار جہالت کی شرم بھی کسی کو نہ تھی۔ عورت کا پڑھا لکھا ہونا اُس کی بدنامی کا باعث ہوتا تھا اشرافوں کے جلسوں میں امورات سلطنت کی باتیں ہوتی تھیں اور عورتیں آپس میں ایک دوسرے کی بدگوئی کیا کرتی تھیں۔ قسموں پر قسمیں کھانا اور خلاف تہذیب کے باتیں کرنا گویا ایک بڑی وضعداری گنی جاتی تھی۔ قمار بازی اور شراب خواری اور خانہ جنگی کی کچھ حد نہ تھی۔ چارلس دوم کے عہد میں جو خرابیاں تھیں وہ شریف اور اعلےٰ درجہ کے لوگوں کی گویا عادت ہو گئی تھی۔ بیلوں اور ریچھوں کو کتوں سے پھڑوانا۔ لوگوں کو انعام دیکر لڑوانا اور خود ایسے تماشوں کو دیکھ کر خوش ہونا گویا ہر ایک امیر کے شوق کی بات تھی ؛

اِن تمام خرابیوں کی درستی میں اسٹیل اور اڈیسن نہایت ہی سرگرم تھے اور جس سرگرمی سے وہ اُس میں مصروف ہوئے ویسی ہی کامیابی بھی اُس میں اُن کو ہوئی ؛

اسپکٹیٹر میں ایک دفعہ لکھا تھا کہ ”میں اخلاق میں خوش طبعی کی جان ڈالونگا اور خوش طبعی کو اخلاق سے ملاؤنگا تاکہ جہاں تک ممکن ہو اُس کے پڑھنے والے دونوں باتوں میں نصیحت پاویں اور تا وقتیکہ لوگ ان تمام خرابیوں سے جن میں اِس زمانہ کے لوگ پڑے ہیں سنبھل نہ جاویں ہر روز اُن کو نصیحت کی باتیں یاد دلاتا رہونگا کیونکہ جو دل ایک دن بھی بیکار پڑا رہتا ہے اُس میں بے شمار عیب جڑ پکڑ جاتے ہیں جس کے ریشے بہت ہی مشکل سے دُور ہوتے ہیں۔ سقراط کی نسبت ایسا کہا گیا ہے کہ اُس نے فلسفہ کو آسمان سے اُتارا اور انسانوں میں بسایا مگر میں اپنی نسبت صرف اتنا ہی کہلانا چاہتا ہوں کہ میں نے فلسفہ کو مدرسوں اور مکتبوں کے کتب خانوں کی کوٹھڑیوں میں سے نکالا اور جلسوں اور چاء و قہوہ پینے کی مجلسوں تک میں پھیلایا اور ہر ایک دل میں بسایا“ ؛

اسٹیل اور اڈیسن کی ایسی عمدہ تحریریں ہوتی تھیں کہ اُن کا اثر صرف مجلسوں کی تہذیب و زبان و گفتگو کی شایستگی ہی پر نہیں ہوتا تھا بلکہ اُس زمانہ کے مصنفوں پر بھی اُس کا نہایت عمدہ اثر ہوا تھا ؛

ڈاکٹر جریک صاحب کا قول ہے کہ عام لوگوں کو علم ادب کا شوق اُسی وقت سے ہوا جب سے

تین دفعہ چھپتا تھا۔ پہلا پرچہ اس کا بارھویں اپریل ۱۷۰۹ء کو نکلا تھا ✦

سر رچرڈ اسٹیل صاحب نے خود کہا ہے کہ اُن کی غرض اس پرچہ کے نکالنے سے یہ تھی کہ انسان کی زندگی جو جھوٹی بناوٹوں سے عیب دار ہوتی ہے اُسے بے عیب کریں اور مکاری اور جھوٹی شیخی کو مٹاویں اور بناوٹی پوشاک کو اُتاریں اور اپنی قوم کی پوشاک اور گفتگو اور برتاؤ میں عام سادہ پن پیدا کریں ✦

اِس پرچہ کے صرف دوسو اکہتر (۲۷۱) نمبر چھپے چنانچہ اخیر پرچہ اس کا دوسری جنوری ۱۷۱۱ء کو چھپا اور پھر بند ہوگیا ✦

اِس کے بعد سر رچرڈ اسٹیل اور مسٹر اڈیسن صاحب نے مل کر ایک اور پرچہ نکالا اور اُس کا نام "اسپکٹیٹر" رکھا تھا۔ یہ پرچہ ہر روز چھپتا تھا اور وُہی دونوں صاحب اخیر تک اُس میں مضمون لکھا کرتے تھے۔ پہلا پرچہ اس کا یکم مارچ ۱۷۱۱ء کو چھپا تھا اور صرف تین سو پینتیس نمبر اِس کے چھپے تھے ✦

یہ پرچہ اپنے زمانہ میں بے نظیر تھا اور صرف ٹیٹلر ہی کو اس نے نہیں بھلا دیا تھا بلکہ اُس زمانہ میں جس قدر کتابیں اس قسم کی تصنیف ہوئی تھیں اُن سب پر فضیلت رکھتا تھا۔ عُمدہ عُمدہ اخلاق و آداب اس میں لکھے جاتے تھے۔ خویش و اقارب کے ساتھ سلوک کرنے کے عُمدہ قاعدے اُس میں بیان ہوتے تھے اِس بات کا کہ انسان اپنی اُس قوت کو جس کا نام شوق ہے کس طرح دیکھ بھال اور سوچ بچار کر کس بات میں صرف کرے نہایت عُمدگی سے ذکر ہوتا تھا اور ہر ایک مضمون نہایت خوبی اور بردباری اور عجیب غریب مذاق سے بھرا ہوتا تھا ✦

یہ پرچہ اِس لئے بھی بے انتہا تعریف کا مستحق ہے کہ اس نے طرز تحریر لوگوں کو سکھادی اور لوگوں کی گفتگو کو جو بُرے کلمات اور بدمحاورات اور ناپاک قسموں سے خراب ہو رہی تھی درست کر دیا ✦

ہر روز صبح کو یہ پرچہ نکلا کرتا تھا اور حاضری کھانے کے وقت تک لوگوں کے پاس آجاتا تھا۔ اور حاضری ہی کی میز پر لوگ اُس کو پڑھا کرتے تھے ۱۷۱۴ء میں اس کا چھپنا موقوف ہوگیا ✦

اُس کے بعد سر رچرڈ اسٹیل نے مسٹر اڈیسن صاحب کی مدد سے ایک اور پرچہ نکالا جس کا نام گارڈین تھا۔ یہ پرچہ بھی ہر روز چھپتا تھا اور صرف ایک سو پچھتر نمبر اس کے نکلے تھے کہ بند ہوگیا ✦

اس کے بعد اٹھارھویں صدی میں بہت سے پرچے اسی مقصد سے نکلے مگر اُن میں سے راملر اور ادونچرز اور ایڈلر اور ورلڈ اور مرر اور لونجر نے کچھ شہرت پائی اور اِن کے سوا اور کسی کو کچھ فروغ نہ ہوا ✦

تھے لیاقت حاصل ہو گئی ؛

اِن پرچوں سے صرف علم ادب اور علم انشاء ہی میں ترقی نہیں ہوئی بلکہ اخلاق اور عادت اور خصلت کو بھی بہت کچھ ترقی ہوئی۔ نیکی کے برتاؤ میں جو خود انسان کی اپنی ذات سے اور اپنے خویش اور اقربا، دوست آشنا۔ یگانہ و بیگانہ سے علاقہ رکھتی ہے نہایت اعلیٰ درجہ کی تہذیب حاصل ہوئی اور خود تہذیب و شایستگی کو ایسی عمدہ صیقل ہوئی جس کی آج تک کوئی نظیر نہیں۔ مُلکی امورات کی بحث و مباحثہ میں جو تیزی و عداوت اور دشمنی پیدا ہوتی ہے وہ تھوڑے سے عرصہ میں نہایت کم ہو گئی اور جو لیاقت کہ صرف بحث و مباحثہ میں صرف ہوتی تھی وہ خوشگوار پانی کی مانند خوبصورت نہروں میں بہنے لگی جنہوں نے اخلاق اور علم و ادب کو سیراب کر کر لوگوں کے دلوں کے بُرے اور خراب جوش کو پاک و صاف کر دیا ؛

ہندوستان میں ہماری قوم کا حال اُس زمانہ سے بھی زیادہ بدتر ہے اگر ہماری قوم میں صرف جہالت ہی ہوتی تو چنداں مشکل نہ تھی مشکل تو یہ ہے کہ قوم کی قوم جہل مرکب میں مبتلا ہے علوم جن کا رواج ہماری قوم میں تھا یا ہے اور جس کے تکبر اور غرور سے ہر ایک پھولا ہوا ہے دین و دنیا دونوں میں بکار آمد نہیں۔ غلط اور بے اصل باتوں کی پیروی کرنا اور بے اصل اور اپنے آپ پیدا کئے ہوئے خیالات کو امور واقعی اور حقیقی سمجھ لینا اور پھر اُن پر فرضی بحثیں بڑھاتے جانا اور دوسری بات کو گو وہ کیسی ہی سچ اور واقعی کیوں نہ ہو نہ ماننا لفظی بحثوں پر علم و فضیلت کا دارمدار ہونا اُن کا نتیجہ ہے ؛

علم ادب و انشاء کی خوبی صرف لفظوں کے جمع کرنے اور ہموزن اور قریب التلفظ کلموں کے تک ملانے اور دُور از کار خیالات بیان کرنے اور مبالغہ آمیز باتوں کے لکھنے پر منحصر ہے یہاں تک کہ دوستانہ خط و کتابت اور چھوٹے چھوٹے روزمرہ کے رقعوں میں بھی یہ سب بُرائیاں بھری ہوئی ہیں۔ کوئی خط یا رقعہ ایسا نہ ہوگا جس میں جھوٹ اور وہ بات جو درحقیقت میں دل میں نہیں ہے مندرج نہ ہو۔ خطوط رسمیہ کے پڑھنے سے ہرگز تمیز نہیں ہو سکتی کہ حقیقت میں اِس خط کا لکھنے والا ایسا ہی ہمارا دوست ہے جیسا کہ اس میں لکھا ہے یا یہ صرف معمولی مضمون ہے جس کے لکھنے کا عموماً رواج پڑ گیا ہے۔ پس ایسی طرز تحریر نے تحریر کا اثر ہمارے دلوں سے کھو دیا ہے اور ہم کو جھوٹی اور بناوٹی تحریر کا عادی کر دیا ہے ؛

فن شاعری جیسا ہمارے زمانہ میں خراب اور ناقص ہے اُس سے زیادہ کوئی چیز بُری نہ ہوگی مضمون تو بجز عاشقانہ کے اور کچھ نہیں ہے وہ بھی نیک جذبات انسانی کو ظاہر نہیں کرتا بلکہ اُن بد جذبات کی طرف اشارہ کرتا ہے جو ضد حقیقی تہذیب و اخلاق کے ہیں ؛

کہ ٹیٹلر چھپنا شروع ہوا اور اسپکٹیٹر اور گارڈین نے اِس شوق کو اور زیادہ بھڑکا دیا۔ اِن پرچوں کی تاثیر صرف لمحہ دو لمحہ کے لئے نہ تھی بلکہ انگلستان میں ہر فرقہ کے لوگوں میں نہایت مضبوطی سے پھیل گئی تھی۔ اِن پرچوں سے علم کو فائدہ ہوا وہ ہمیشہ یاد رہیگا۔ اِن پرچوں نے اوّل اوّل نہایت خوش اسلوبی سے گذشتہ وحال کے زمانہ کے عمدہ اور لائق مصنفوں کو بتلایا اور اُن کی خوبیوں کی قدر کرنے کا شوق دلایا مشہور ہے کہ ملٹن صاحب کی پار یڈیز لاسٹ کا جو نہایت عمدہ اور بے نظیر کتاب ہے انہی پرچوں کی بدولت فروغ ہوا۔ ان پرچوں کے مذاق تحریر اور خیالات کے رنگ ڈھنگ نے بُری تحریروں کے اسباب کو بتا دیا اور جھوٹی عبارت آرائی اور لغو انشا پردازی کو جو کسبیوں کے بناؤ سنگار کی مانند تھی اور رنڈیوں کے سے طعنے مہنے یا لونڈوں کی سی گالم گلوچ کو تحریروں میں سے بالکل دور کر دیا۔ اچھی و بُری تحریروں میں تمیز کرنا اور سنجیدہ اور متین نکتہ چینی اور تحقیقات کا شوق پیدا کیا۔ ذہانت اور متانت دونوں کو ترقی دی اور تحریر میں مناسبت اور تہذیب کا خیال لوگوں کے دل میں بٹھا دیا۔ ان باتوں سے اِن پرچوں کے پڑھنے والے لئیق اور عالم مصنفوں کی تصنیفوں سے حظ اُٹھانے لگے اور تمیز کے ساتھ اُن کی قدر کرنے لگے ❖

اڈیسن صاحب کی تحریروں سے بالتخصیص طرز عبارت بہ نسبت سابق کے بہت زیادہ صاف و شستہ و سلیس نہایت دلچسپ ہوگئی اور درحقیقت اڈیسن صاحب کی تحریر سے انگریزی زبان کے علم انشاء میں ایک انقلاب عظیم واقع ہوگیا۔ باوجودیکہ زمانہ حال میں تحریروں کے عیب و ہنر کو لوگ خوب جانچتے ہیں اِس پر بھی اڈیسن صاحب کی تحریر پر بجز تعریف کے اور کچھ نہیں کہہ سکتے ❖

علاوہ اِن باتوں کے اسپکٹیٹر کے پرچوں میں انسان کے خیالات کے مخرج اور اُن خیالات سے جو خوشیاں حاصل ہوتی ہیں اُن کی تفریق نہایت خوبی اور خوش اسلوبی سے بتلائی گئی اور اِس سے نتیجہ یہ ہوا کہ شاعروں کے خیالات اور اُن کے اشعاروں کی خیال بندی نہایت عمدہ اور درست ہوگئی۔ لغو اور بیہودہ مضمون اشعار میں سے خارج ہوگئے اور اُن کی جگہ پُر تاثیر مضمونوں نے جگہ پائی۔ ہر ایک کو لئیق اور قابل مصنفوں کی تحریروں کے جانچنے اور اُن کی قدر کرنے اور اُن سے مزا اُٹھانے کی لیاقت پیدا ہوگئی اور رفتہ رفتہ تمام قوم عالم اور محقق کے لقب کی مستحق ٹھہر گئی۔ اسپکٹیٹر کے پڑھنے والوں کو علم انشاء کی وہ خوبی جو اڈیسن کے ذہن میں تھی معلوم ہوئی سب لوگ اس کی تحریر کے لطف و صفائی کی تعریف کرنے لگے اور سب لوگوں کو ایسے شخصوں کی تحریروں کے جانچنے کی جو علم انشا میں ناموری کے خواہاں ہوتے

اگر اشراف جوان دوستوں کی محفل میں جاؤ تو سُنو کہ وہ آپس میں کیسی گالم گلوچ اور فحش باتیں ایک دوسرے کی نسبت کرتے ہیں۔ ایک نہایت معزز شریف خاندانی آدمی نے جو صاحب تصانیف ہیں اور اُردو کے علم ادب میں مشہور ہیں تیس منٹ مجھ سے دوستانہ گفتگو کی اور میں نے خوب خیال کر کر گنا کہ اُن کے مُنہ سے چھتیس لفظ گالیوں کے نکلے جس میں سے کچھ اپنی نسبت تھیں اور کچھ اُس کتاب اور اُس کے مُصنف کی نسبت جس کا ذکر تھا اور کچھ اِدھر اُدھر بیٹھنے والوں اور سُننے والوں کی نسبت ٭

امیروں کا حال دیکھو تو اُن کو دن رات بٹیر لڑانے اور مرغ لڑانے اور کبوتر اوڑانے اور اور اسی طرح تمام لغویات میں اپنی زندگی بسر کرنے کے سوا اور کچھ کام و دھندا نہیں ٭

نیکی پر متوجہ ہوتے ہیں تو اُس کو اتنا گھونٹتے ہیں کہ بدمزہ ہو جاتی ہے اور جب بدی پر اُترتے ہیں پھر تو شیطان کے بھی کان کترتے ہیں ٭

غرضکہ جو کچھ اُس زمانہ میں فرنگستان میں تھا وہی کچھ بلکہ اُس سے بھی زیادہ اب ہندوستان میں موجود ہے اور بلاشبہ ایک ٹیٹلر اور اسپکٹیٹر کی یہاں ضرورت تھی سو خدا کا شکر ہے کہ یہ پرچہ اُنھی کے قایم مقام مُسلمانوں کے لئے ہندوستان میں جاری ہوا مگر افسوس کہ یہاں کوئی اسٹیل اور اڈیسن نہیں ہے ٭

اسٹیل اور اڈیسن کو اپنے زمانہ میں ایک بات کی بہت آسانی تھی کہ اُن کی تحریر اور اُن کے خیالات جہاں تک کہ تھے تہذیب و شایستگی و حسن معاشرت پر محدود تھے۔ مذہبی مسائل کی چھیڑ چھاڑ اُن میں کچھ نہیں تھی۔ ہم بھی مذہبی خیالات سے بہت بچنا چاہتے ہیں مگر ہمارے ہاں تمام رسمیں اور عادتیں مذہب سے ایسی مل گئی کہ بغیر مذہبی بحث کئے ایک قدم بھی تہذیب و شایستگی کی راہ میں نہیں چل سکتے۔ جس بات کو کہو کہ چھوڑ دو فوراً جواب ملیگا کہ مذہباً ثواب ہے۔ اور جس بات کو کہو کہ سیکھو اُسی وقت کوئی بولیگا کہ مذہباً منع ہے۔ پس ہم مجبور ہیں کہ تہذیب و شایستگی اور حسن معاشرت سکھاتے میں ہم کو مذہبی بحث کرنی پڑتی ہے ٭

مذہبی بحث کا ایک عجیب سلسلہ ہے کہ ایک چھوٹی سی بات پر بحث کرنے سے بڑے بڑے مسائل اور اصول مذہب بحث میں آجاتے ہیں اور اس لئے لاچار کبھی ہم کو فقہ سے بحث کرنی پڑتی ہے اور کبھی اصُول فقہ سے اور کبھی حدیث سے بحث کرنی ہوتی ہے اور کبھی اصول حدیث سے اور کبھی تفسیر سے بحث کرنی پڑتی ہے اور کبھی اصول تفسیر سے۔ پس ہندوستان میں صرف اسٹیل اور اڈیسن ہی کی ضرورت نہیں ہے بلکہ مقدس لوتھر کی بھی بہت بڑی حاجت ہے ٭

اسٹیل اور اڈیسن کی خوش قسمتی تھی کہ اُن کے زمانہ کے لوگ اُن کی تحریروں کو پڑھتے تھے

خیال بندی کا طریقہ اور تشبیہہ استعارہ کا قاعدہ ایسا خراب و ناقص پڑگیا ہے جس سے ایک تعجب تو طبیعت پر آتا ہے مگر اُس کا اثر مطلق دل میں یا خصلت میں یا اُس انسانی جذبہ میں جس سے وہ متعلق ہے کچھ بھی نہیں ہوتا۔ شاعروں کو یہ خیال ہی نہیں ہے کہ فطرتی جذبات اور اُن کی قدرتی تحریک اور اُن کی جبلی حالت کا کسی پیرایہ یا کنایہ و اشارہ یا تشبیہہ و استعارہ میں بیان کرنا کیا کچھ دل پر اثر کرتا ہے۔ ملٹن کی پاریدیزات لاسٹ کچھ چیز نہیں ہے۔ بجز اس کے کہ انسان کی طبیعت کی حالت کی تصویر ہے جس کا ہر ہر شعر دل میں گھر کرتا جاتا ہے شکسپیر میں کچھ نہیں ہے بجز اس کے کہ اُس نے انسان کا نیچر یعنی قدرتی بناوٹ طبیعت کو بیان کیا ہے جو نہایت موثر انسان کی طبیعت پر ہے*

علم دین تو وہ خراب ہوا ہے جیسا خراب ہونے کا حق ہے۔ اُس معصوم سیدھے سادے سچے اور نیک طبیعت والے پیغمبر نے جو خدا تعالے کے احکام بہت سدھاوٹ و صفائی و بے تکلفی سے جاہل اَن پڑھ بادیہ نشین عرب کی قوم کو پہنچائے تھے اُس میں وہ نکتہ چینیاں باریکیاں گھسیڑی گئیں اور وہ مسائل فلسفیہ اور دلائل منطقیہ ملائی گئیں کہ اُس میں اُس صفائی اور سدھاوٹ اور سادہ پن کا مطلق اثر نہیں رہا۔ بمجبوری لوگوں کو اصلی احکام کو جو قرآن و معتمد معتمد حدیثوں میں تھے چھوڑنا پڑا اور زید و عمرو کے بنائے ہوئے اصول کی پیروی کرنی پڑی*

علم مجلس اور اخلاق اور برتاؤ و دوستی کا ایک ایسے طریقہ پر پڑگیا ہے جو نفاق سے بھی بدتر ہے اخلاق صرف مُنہ پر میٹھی میٹھی باتیں بنانے اور اوپری تپاک جتانے کا نام ہے۔ آپس میں دو شخص ایسی محبت اور دلسوزی کی باتیں کرتے ہیں کہ دیکھنے سُننے والے اُن دونوں کو یک مغز و دو پوست سمجھتے ہیں مگر جب اُن کے دل کو دیکھو تو یک پوست و دو مغز سے زیادہ بے میل ہیں صرف مکاری اور ظاہرداری کا نام اخلاق رہ گیا ہے اور بے ایمانی اور دغابازی کا نام ہوشیاری*

گفتگو پر خیال کرو تو عجب ہی لُطف دکھائی دیتا ہے اگرچہ اکھڑ لفظ تو نہیں ہوتے مگر ہزاروں اکھڑ مضمون زبان سے نکلتے ہیں۔ نہایت مہذب اور معقول و ثقہ نیک و دیندار آدمی بھی اپنی گفتگو میں تہذیب و شایستگی کا مطلق خیال نہیں کرتے۔ دوست کی بات کو جھوٹ کہہ دینا۔ دوست کی نسبت جھوٹ کی نسبت کر دینا یہ تو ادنے ادنے روزمرہ کی بات ہے۔ ایک نہایت نیک آدمی اپنے بڑے مقدس دوست کے بیٹے سے عین حالت تپاک اور خوش اخلاقی اور جوش محبت کی باتوں میں کہہ رہا تھا کہ تمہارے باپ تو جھوٹوں کے بادشاہ ہیں وہ تو دن رات سینکڑوں غپیں ہانک دیتے ہیں۔ اُن کی بات پر کیا اعتبار ہے۔ پس افسوس ہے ہم کو خود اپنے پر کہ ہمارے ایسے دوست ہیں*

گفتگو تمہیدی

سید احمد خاں نے ممبروں سے یہ بات کہی کہ اِس امر سے جس کی نسبت ہم رپورٹ تحریر کرتے ہیں یہ مقصد نہیں ہے کہ ہم لوگ صرف وہی بات لکھیں جو زمانہ حال کے مناسب ہو اور جو اِس وقت انجام بھی ہو سکے بلکہ یہ مقصد ہے کہ حالات اور حیثیات موجودہ سے قطع نظر کر کے ہم کو وہ تجویز کرنی چاہیئے جو پوری پوری اور ٹھیک ٹھیک اعلےٰ درجہ پر مسلمانوں کے حق میں بہتر ہوتا کہ ہم کو معلوم ہو جاوے کہ ہم کو درحقیقت کیا کرنا ہے اور بالفعل ہم کس قدر کر سکتے ہیں *

سید احمد خاں نے ممبروں سے کہا کہ تجویز اور عمل ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ تجویز ہمیشہ ہم کو پوری اور کامل کرنی چاہیئے اور اُس تجویز پر عمل اُس قدر جتنا کہ ہم وقتاً فوقتاً کر سکتے ہوں فرض کرو کہ ہم کو ایک بہت عالی شان مکان بنانا ہے جب ہم اُس کا نقشہ تجویز کرینگے تو اُس تمام مکان کا پورا کامل نقشہ تجویز کرینگے اور جب اُس کی تعمیر شروع کرینگے تو اُسی قدر کرتے کی تعمیر شروع کرینگے جس قدر کی تعمیر کا بالفعل ہم کو مقدور ہے۔ اِس سے یہ فایدہ ہوگا کہ رفتہ رفتہ وہ مکان عالی شان مطابق نقشہ مجوزہ کے طیار ہو جاویگا اور اگر ہم بلا پورا اور کامل نقشہ سوچے تعمیر شروع کر دینگے تو ہم نے اُس مکان میں سے کچھ نہ بنایا ہوگا بلکہ اُس مکان کے بنانے کے لئے پھر کر اُسی قدر عمارت کا بھی ڈھانا پڑیگا جو بے نقشہ سوچے تعمیر کی تھی۔ میرا مقصد اِس تقریر اور تمثیل سے یہ ہے کہ اِس وقت طریقہ تعلیم مسلمانوں کا پورا اور کافی تجویز کیا جاوے اور اِس بات کا خیال نہ ہو کہ آیا اِس وقت ہم اُس کو کر بھی سکتے ہیں یا نہیں *

سید احمد خاں نے کہا کہ اس وقت دو ایک باتیں اور عرض کرنی چاہتا ہوں کہ آپ صاحب اِس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ تعلیم ہمیشہ کسی ایک خاص مقصد کے لئے نہیں ہوتی اور نہ کسی ایک گروہ کثیر کا ہمیشہ ایک ہی مقصود ہوتا ہے بلکہ ایک گروہ کثیر میں سے مختلف جماعتوں کے مختلف مقاصد ہوتے ہیں۔ ہم جس طریقہ تعلیم کے قرار دینے کی فکر میں ہیں وہ ایک بہت بڑے گروہ سے علاقہ رکھتا ہے اور یقینی مختلف جماعتوں کے مختلف مقاصد تعلیم سے ہیں پس اس وقت ہم کو ایسا طریقہ تعلیم تجویز کرنا چاہیئے جو مختلف جماعتوں کے مختلف مقاصد کے پورا کرنے کو کافی ہو *

سید احمد خاں نے اس مطلب کو دوبارہ زیادہ تر وضاحت سے بیان کیا اور یہ بات کہی کہ مثلاً ہم مسلمانوں میں ایک جماعت ایسی ہے جو گورنمنٹ کے اعلےٰ اعلےٰ عہدوں کے حاصل کرنے اور انتظام گورنمنٹ میں شامل ہو کر دنیاوی عزت حاصل کرنے اور اپنے ملک کو فایدہ پہنچانے کی

اور قدر کرتے تھے اور ہماری یہ بدنصیبی ہے کہ ہماری تحریروں کو مذہب کے برخلاف کہا جاتا ہے اور اُن کا پڑھنا باعث عذاب سمجھا جاتا ہے۔ اسٹیل اور اڈیسن اپنے ہر پرچہ کے مشتہر ہونے کے بعد واہ واہ کی آواز سُننے سے اپنی محنت و مشقت۔ فکر و خیال کی کلفت کو دُور کرتے ہونگے اور ہم اپنی تحریروں کے مشتہر ہونے کے بعد بجز لعنت و ملامت سُننے کے اور کسی بات کی توقع نہیں رکھتے ہیں۔ اسٹیل و اڈیسن جن لوگوں کی بھلائی کرتے تھے اُن سے بھلا سُنتے۔ ہم جن کی بھلائی چاہتے ہیں اُن سے بُرائی پاتے ہیں۔ جن کے حق میں بھلا کہتے ہیں اُن سے بُرا سُنتے ہیں۔ اسٹیل اور اڈیسن کو ہزاروں دل اپنی طرف کر لینے کچھ مشکل نہ تھے اور ہم کو ایک دل بھی اپنی طرف کرنا نہایت مشکل ہے۔ اسٹیل اور اڈیسن کو بنے بنائے دل اپنی طرف جھکانے تھے ہم کو یہ مشکل ہے کہ دل بھی ہم ہی کو بنانا ہے اور ہم ہی کو اُس کا جُھکانا ہے ✤

لوگ ہمارے اِن خیالات کو جنون اور مالیخولیا بتاتے ہیں مگر دیوانہ بکار خود ہوشیار ہم خوب سمجھتے ہیں کہ ہم کیا کر رہے ہیں اور اپنے قلیل زمانہ میں ہم نے کیا کچھ کیا ہے اِس لئے ہم آیندہ کی بہتری کی خدا سے توقع رکھتے ہیں اور اچھے دن آنے والوں کی پیشینگوئی کرتے ہیں گو اُن کے آنے کا زمانہ ہم نہیں جانتے مگر یقین کرتے ہیں کہ ضرور بے شک آنے والے ہیں ✤

ہم یہ نہیں کہتے کہ ہم اِس مسکین پرچہ کے ذریعہ سے ہندوستان میں وہ کچھ کرینگے جو اسٹیل اور اڈیسن نے انگلستان میں کیا بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ جہاں تک ہم سے ہو سکتا ہے ہم اپنا فرض پورا کرتے ہیں واللہ در من قال السعی منی والاتمام من اللہ تعالیٰ ✤

طریقہ تعلیم مسلمانان

کمیٹی خواستگار ترقی تعلیم مسلمانان نے جو ایک سلیکٹ کمیٹی اس لئے مقرر کی تھی کہ وہ کمیٹی بعد غور و فکر و مباحثہ باہمی کے ایک رپورٹ لکھے کہ مسلمانوں کی تعلیم کے لئے کونسا عمدہ طریقہ ہے اور کون کون سی زبان اور کون کون سے علوم اور کس طرح پر اُن کو پڑھائے جاویں چنانچہ اس مطلب پر کمیٹی مذکور نے رپورٹ لکھی ہے۔ اُس میں اُنیس ممبر تھے اور سب کی رائے اُس طریقہ تعلیم پر متفق ہوئی۔ اول سید احمد خاں سکرٹری نے ایک تمہیدی تقریر کی اور پھر طریقہ تعلیم بیان کیا اور پھر ممبروں نے اُس پر رائے دی چنانچہ اُس سب کو ہم اِس مقام پر مندرج کرتے ہیں ✤

اِسی بات پر مقصود ہوتی ہے کہ وُہی پُرانا موروثی طریقہ تعلیم کا اور وُہی ناقص سلسلہ نظامیہ درس کتب کا اختیار کیا جاتا ہے۔ چنانچہ اِس زمانہ میں اُسی پُرانے طریقہ پر مُسلمانوں نے کئی مدرسہ تعلیم کے لئے جونپور۔ علیگڈھ۔ کانپور۔ سہارنپور۔ دیوبند۔ دہلی۔ لاہور میں جاری کئے ہیں مگر مَیں نہایت سچے دل سے کہتا ہوں کہ وہ محض بیفایدہ اور محض لغو ہیں۔ اُن سے کُچھ بھی قومی فایدہ ہونے کی توقع نہیں ہے ؞

زمانہ اور زمانہ کی طبیعت اور علوم اور علوم کے نتایج سب تبدیل ہوگئے ہیں۔ ہمارے ہاں کی قدیم کتابیں اور اُن کا طرزِ بیان اور اُن کے الفاظ مستعملہ ہم کو آزادی اور راستی اور صفائی اور سادہ پن اور بے تکلفی اور بات کی اصلیت تک پُہنچنا ذرا بھی تعلیم نہیں کرتے بلکہ برخلاف اُس کے دھوکہ میں پڑنا اور پیچیدہ بات کہنا اور ہر بات کو لون مرچ لگا دینا اور ہر امر کی نسبت غلط اور خلاف واقع الفاظ شامل کر دینا اور جھوٹی تعریف کرنا اور زندگی کو غلامی کی حالت میں رکھنا اور تکبّر اور غرور کو خود پسندی کا منبع بنانا اور اپنے ابنائے جنس سے نفرت کرنا۔ ہمدردی کا نہ رکھنا۔ مبالغہ آمیز باتوں کا عادی کرنا۔ گذشتہ زمانہ کی تاریخ کو بالکل ناتحقیقی میں ڈالنا اور واقعات واقعی کو مثل قصہ و کہانیوں کے بنا دینا سکھاتے ہیں اور یہ تمام باتیں حال کے زمانہ اور حال کے زمانہ کی طبیعت کے مناسب نہیں ہیں اور اِس لئے بجائے اِس کے کہ مُسلمانوں کو اُن سے کچھ فائدہ ہو مضرت حاصل ہونے کی توقع ہے اوّل تو یہی کس قدر بڑی مضرت ہے کہ اُن کی عمر بیفایدہ چیز میں ضایع کی جاتی ہے۔ پس میں چاہتا ہوں کہ میرے معزز شریک ممبر میری اِس گُفتگو سے رنجیدہ نہ ہوں بلکہ بروقت تجویز طریقہ تعلیم کے اُن باتوں پر بھی لحاظ رکھیں خواہ اُس کو پسند کریں خواہ ناپسند کریں ؞

لارڈ میکالی صاحب نے جبکہ وہ ہندوستان کی عام تعلیم کی بورڈ کے ممبر مجلس تھے اور اُس زمانے میں گورنمنٹ کالجوں میں ایشیائی طریقہ تعلیم جاری تھا گورنمنٹ کالجوں کی نسبت ایک رپورٹ لکھی تھی اُس کا منتخب میں اِس مقام پر بیان کرتا ہوں۔ اُنہوں نے لکھا ہے کہ اگر گورنمنٹ کی رائے بندوبست موجودہ کو (یعنی ایشیائی تعلیم مروجہ اس وقت کو) غیر مبدل رکھنے پر ہو تو میری عرض یہ ہے کہ میرا میر مجلسی سے استعفا منظور ہو۔ مجھ کو معلوم ہوتا ہے کہ میں اُس میں کچھ کام نہیں آسکتا میں یہ بھی جانتا ہوں کہ اُس شے کو مجھ کو اپنی تقویت دینی ہوتی ہے جس کی نسبت مجھ کو خوب یقین ہے کہ وہ صرف ایک دھوکہ ہے۔ مجھ کو یقین ہے کہ موجودہ بندوبست سچ کی جلدی ترقی کرنے کی طرف نہیں بلکہ معدوم ہونے والی غلطیوں کی طبعی موت کے توقف کرنے پر رجوع کرتا ہے میں خیال کرتا ہوں کہ ہم کو تعلیم عام کے بورڈ کے معزز نام کا بالفعل کچھ حق نہیں ہے۔ ہم ایک بورڈ یعنی مجلس ہیں واسطے اُوڑا لنے سرکاری روپیہ کے اور واسطے چھاپنے ایسی کتابوں کے جو

آرزو رکھتی ہے۔ ایک جماعت ایسی ہے کہ اُس کو گورنمنٹ کے عہدوں کے حاصل کرنے کا کچھ خیال نہیں ہے بلکہ وہ اپنی قوت بازو سے بذریعہ تجارت یا اجرائے کارخانجات کے اپنی معاش پیدا کرنے کی خواہشمند ہے۔ ایک جماعت ایسی ہے کہ وہ صرف اپنی جائداد اور اپنے علاقجات کی درستی اور اپنے روزمرہ کی زندگی کے امورات کو بخوش اسلوبی انجام دینے کی آرزو رکھتی ہے۔ ایک جماعت ایسی ہے کہ علوم وفنون کو حاصل کرنا اور اُن میں واقفیت کامل حاصل کرنا پسند کرتی ہے ایک جماعت ایسی ہے کہ اُس کو ان تمام چیزوں سے چنداں تعلق نہیں ہے بلکہ وہ بلحاظ اپنی معاد کے علوم دین میں دستگاہ کامل حاصل کرنا اور اُسی میں اپنی زندگی بسر کرنا چاہتی ہے اور ایک جماعت عوام الناس کی ہے جن کے لئے کسی قدر عام تعلیم کا ہونا ضروری ہے۔ با ایں ہمہ ہر ایک کو اپنی اولاد کی نسبت یہ خواہش ہے کہ اُس کے عقاید مذہبی بھی درست رہیں اور وہ ادائے فرایض مذہبی سے بھی غافل نہ ہو جاوے۔ پس جبکہ ہم تمام مسلمانوں کی تعلیم کا طریقہ قرار دیتے ہیں تو ہم کو ایسی تجویز کرنی چاہیے جس سے تمام مقاصد مذکورہ اور نیز دیگر مقاصد جو تعلیم سے متعلق ہیں حاصل ہوں ٭

سید احمد خاں نے یہ بھی کہا کہ جب آپ سب صاحب ان مقاصد پر غور فرما دینگے جن میں سے امور معظم کو میں نے ابھی بیان کیا تو آپ یقین کرینگے کہ کسی قوم کو یہ سب مقاصد جب تک کہ وہ خود ان مقاصد کے حاصل کرنے پر مستعد نہ ہو حاصل نہیں ہو سکتے پس ہم کو اپنے تمام مقاصد کے انجام کو صرف گورنمنٹ ہی پر منحصر رکھنا نہ چاہیے بلکہ یقین کرنا چاہیے کہ اُن تمام مقاصد کا گورنمنٹ سے حاصل ہونا غیر ممکن اور ممتنع بالذات کے ہے۔ پس اس وقت ہم کو دو قسم کی تجویزیں کرنی چاہئیں۔ ایک کامل اور پوری ادنے سے اعلے درجہ کی تعلیم تک کی جو ہمارے تمام مقاصد کو پورا کر سکیں اور جن میں ہم کو گورنمنٹ سے اُس کی تعمیل کرانے کی کچھ خواہش نہ ہو بلکہ ہم کو خود اپنی سعی اور کوشش سے آپ اُس کا انجام کرنا مدنظر ہو ٭

دوسری تجویز ہم کو اس بات کی کرنی چاہیے کہ جب تک کہ ہم اُس اول تجویز کو انجام دیں یا اُس کے انجام دینے کے لایق ہوں اُس وقت تک اُن اصول وقواعد سے جو گورنمنٹ نے تعلیم کے لیے مقرر کیے ہیں کیونکر فایدہ اُٹھاویں اور ہمارے متعدد مقصدوں سے جون جونسا مقصد تعلیم معینۂ گورنمنٹ سے حاصل ہو سکتا ہے اُس کو ہم کیونکر حاصل کریں ٭

سید احمد خاں نے کہا کہ ایک بات میں اور کہنی چاہتا ہوں اور یقین کرتا ہوں کہ میری یہ بات میرے شریک ممبروں کو بُری معلوم ہوگی اگرچہ افسوس ہے کہ میں اپنے شریکوں کو رنجیدہ کرتا ہوں مگر جو کہ میری رائے میں وہ بات بالکل سچ ہے اس لئے میں اُس کے کہنے پر مجبور رہوں اور وہ بات یہ ہے کہ میں دیکھتا ہوں کہ جب مسلمانوں میں کچھ تعلیم کی تحریک ہوتی ہے تو اُن کی سعی ہمیشہ

جو طریقہ تعلیم میں نے خیال کیا ہے اُس کو میں بہ ترتیب بیان کر دوں۔ پھر ممبروں کو اُس کے منظور کرنے یا تبدیل کرنے کا بخوبی موقع ہوگا۔

ذکر علوم

مُسلمانوں کی تعلیم دو قسم پر منقسم ہونی چاہئے۔ ایک تعلیم عام اور دوسری خاص۔
تعلیم عام مُسلمانوں کی علوم مفصلہ ذیل میں ہونی چاہئے۔

اوّل دینیات

فقہ۔ اصول فقہ۔ حدیث۔ اصول حدیث۔ تفسیر۔ علم سیر۔ علم عقاید۔

دوم علم ادب

زبان دانی اور انشا پردازی اُردو۔ فارسی۔ عربی۔ انگریزی۔ ولیٹن۔ علم تاریخ۔ علم جغرافیہ علم اخلاق۔ مینٹل سائنس یعنی علم قوائے انسانی۔ علم منطق۔ علم فلسفہ۔ علم سیاست مدن یعنی اصول گورنمنٹ۔ علم انتظام مدن یعنی پولیٹیکل اکونمی۔

سوم علم ریاضی

علم حساب۔ علم جبر و مقابلہ۔ علم ہندسہ فروعات اعلےٰ علم ریاضی کی۔

چہارم علم طبیعات

علم سکون۔ علم حرکت۔ علم ادب۔ علم ہوا۔ علم مناظرہ۔ علم برق۔ علم ہیئت۔ علم آواز۔ علم حرارت نیچرل فلاسفی۔

تعلیم خاص مُسلمانوں کی ان علوم میں ہونی لازم ہے جن کی تفصیل ذیل میں مندرج ہے۔
انجنیئری۔ اینیمل فزی آلوجی یعنی علم حیوانات۔ اینا ٹومی یعنی علم تشریح۔ ذوالوجی حسب اینیمل فزی آلوجی۔ باٹنی یعنی علم نباتات۔ جیالوجی یعنی علم طبقات الارض۔ منرالوجی یعنی علم جمادات۔ کمسٹری یعنی علم کیمیا۔

یہ وہ علم ہیں جن میں مسلمانوں کی تعلیم ہونا چاہئے۔ اُن کی تفریق اور اُن کی مقدار کی تعین ہر ایک درجہ تعلیم کے لئے جُدا جُدا ہوگی اور جس کا اندازہ ہر ایک درجہ کی تعلیم کے لئے کیا جاویگا۔

کم قیمت ہیں۔ اُس کاغذ سے جس پر وہ چھاپی جاتی ہیں جبکہ وہ کورا تھا اور واسطے جھوٹی دلیری دینے نامعقول تواریخ اور نامعقول الٰہیات اور بیہودہ طبابت اور بیہودہ علم مذہبی کے اور واسطے تیار کرنے ایک فرقہ ایسے طالب علموں کے جو اپنی طالب علمی کو اپنے اوپر ایک بوجھ اور عیب پاتے ہیں"۔

لارڈ میکالی صاحب کے الفاظ جو نسبت مذہب کے ہیں اُن کو چھوڑ دو باقی مطلب پر غور کرو کہ بالکل سچ ہے پس اب ہم کو اپنا سلسلہ تعلیم ایسا قایم کرنا چاہیئے کہ جو تمام عیبوں سے پاک ہو اور جس سے درحقیقت مُسلمانوں کے دین دُنیا کی بہتری اور ترقی متصور ہو۔

ایک اور بات بھی قابل اطلاع کے ہے کہ میں اکثر مُصنّفین رسالوں کی بھی رائے دیکھتا ہوں اور ممبروں کی بھی رغبت پاتا ہوں اور اور لوگوں کی رائے کا بھی رجحان اِس طرف دیکھتا ہوں کہ انگریزی زبان اور علوم کی تعلیم کے ساتھ عربی زبان کی اور اُن علوم کی بھی جو عربی میں ہیں تعلیم دی جاوے مگر یہ رائے اِس سبب سے قایم ہوئی ہے کہ اُن لوگوں نے خیال نہیں کیا کہ انگریزی اور عربی کی تحصیل میں کس قدر محنت اور کس قدر وقت درکار ہوتا ہے اگر اس بات کو جاری کیا جاویگا اور کوئی حد و تمیز اس کے لئے مقرر نہ ہوگی تو دونوں میں سے کوئی حاصل نہیں ہونیکا۔ لڑکے نہ ادھر کے رہینگے نہ اُدھر کے۔ پس مَیں چاہتا ہوں کہ تمام جذباتِ انسانی کو جن میں سے پُرانی رسم کی پابندی سب سے زیادہ قوت رکھتی ہے اور انسان کو ٹھیک بات تک پُہنچنے نہیں دیتی ذرا دل کو ٹھنڈا کر کر تجویز کیا جائے کہ درحقیقت کون بات دین دُنیا کے لئے مفید ہے جو ہم کو کرنی چاہیئے۔

بیان طریقہ تعلیم

ممبران شریک نے اس تقریر کو باکراہ سُنا اور اُس ہی سے اِس بات پر متفق الرائے ہوئے کہ بلاشبہ تعلیم مُسلمانوں کا طریقہ دو قسم کا تجویز کرنا چاہیئے۔ ایک وہ جو خود مُسلمان اُس کو قایم کریں جس سے اُن کے تمام مقاصد دینی و دنیوی انجام پاویں۔ دوسرے وہ جن سے مُسلمان اُن اُصول و قواعد سے جو گورنمنٹ نے تعلیم کے لئے مقرر کئے ہیں فائدہ اُٹھاویں۔ پس امور مذکورہ حسب تفصیل ذیل پیش ہو:۔

اوّل قواعد تعلیم مسلمانان جن کا قایم کرنا اور جاری کرنا خود مُسلمانوں کو لازم ہے۔

سیّد احمد خاں نے کہا کہ میں نے اِن اُمور کے سوچنے اور سمجھنے اور غور کرنے میں شاید بہ نسبت اَور ممبروں کے زیادہ وقت صرف کیا ہے اور زیادہ فکر کی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ

بھی بندوبست کر لیا جاوے تاکہ اتفاقیہ اور دفعتاً کی بیماری کی حالت میں طبیب یا ڈاکٹر کا علاج جیسا کہ اُن لڑکوں کے مربیوں نے اجازت دی ہو ہو سکے۔ یہ بندوبست صرف اتفاقیہ اور ناگہانی بیماری کے لیئے ہے ورنہ بحالت بیماری زاید اُس کے مربی اُس کے گھر پر لے جاوینگے اور خود جس طرح چاہینگے معالجہ کرینگے *

یہ مکان عالی شان اُمراء اور اہل دول کے چندہ سے تعمیر ہونا چاہیئے اور اخراجات ماہواری کا اوسط لگا کر جو لڑکا اُس میں داخل ہو اور سکونت اختیار کرے اُس کے مربیوں سے وہ خرچ لیا جاوے *

خوب یاد رہے کہ جب تک ہمارے لڑکے گھروں سے علیحدہ ہو کر اس طرح پر تربیت نہ پاوینگے ہمیشہ خراب اور نالایق اور جاہل اور کمینہ عادتوں کے عادی رہینگے *

مدرسۃ العلوم

اُسی شہر میں جہاں یہ مکان تعمیر ہو ایک بہت بڑا عالی شان مدرسہ تعمیر کیا جاوے اور اُس کا نام انگریزی زبان میں "دی محمڈن اینگلو اورینٹل کالج" اور عربی زبان میں "مدرستہ العلوم" رکھا جاوے۔ اِس مدرسہ میں وہ لڑکے امراء اور ذی مقدور لوگوں کے جو اُن مکانات میں رہتے ہیں اور نیز اَور مسلمانوں کے جو اُن میں نہیں رہتے عموماً تعلیم پاوینگے *

یہ مدرسہ درحقیقت تین مدرسوں پر مشتمل ہوگا۔ اوّل انگریزی۔ دوم اُردو۔ سوم عربی فارسی جو مدرسہ انگریزی کا ہوگا اُس میں بالکل انگریزی پڑھائی جاویگی اور تمام علوم و فنون اور جو کچھ کہ اُس میں تعلیم ہوگا وہ سب انگریزی میں ہوگا۔ اِلّا ہر طالب علم کو سکنڈ لینگوج بھی پڑھنی ہوگی۔ لیٹن و اُردو یا لیٹن فارسی۔ یا لیٹن و عربی۔ اور اس کو بشمول اپنی تعلیم کے کچھ مختصر کتابیں فقہ و حدیث و عقاید کی اُردو زبان میں پڑھ لینی ہونگی *

اِس مدرسہ کے تجویز کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اب زمانہ ایسا آتا جاتا ہے کہ جو لوگ گورنمنٹ سے اعلےٰ عہدوں کے پانے کی تمنا رکھتے ہیں اور دنیا میں نہایت اعلےٰ درجہ کی عزت جو رعایائے گورنمنٹ کے حاصل کر سکتی ہے حاصل کرنا چاہتے ہیں جب تک کہ وہ اعلےٰ درجہ کا کمال انگریزی زبان میں حاصل نہ کرینگے اُس وقت تک یہ بات مسلمانوں کو نصیب نہیں ہونے کی اور ایسا کمال انگریزی میں بغیر اِس کے کہ اُسی کو خوب حاصل کریں حاصل ہونا غیر ممکن ہے۔ پس جو لوگ کہ اِس قسم کے عہدوں اور عزتوں کے خواہاں ہیں اُن کے لیئے یہ تجویز کی گئی ہے *

طریقہ تعلیم و تربیت

امرا اور اہل مقدور اور ذی دولت مسلمانوں کے لڑکوں کی تعلیم کے لئے نہایت ضرور ہے کہ اُن کی عمر دس برس تک نہ پہنچنے پاوے کہ وہ اپنے گھر سے جُدا رکھے جاویں اور اُن کی خاص طور پر اور خاص نگرانی میں تعلیم ہو اور اِس لئے ضرور ہے کہ کسی شہر کے قریب جس کی آب و ہوا عمدہ ہو اور شہر بھی چھوٹا ہو ایک پُر فضا میدان تجویز کر کے مکانات تعمیر کئے جاویں اور پھول باغ لگایا جاوے ❖

اُسی عمارت کے شامل ایک مسجد بنائی جاوے جس میں مؤذن و امام مقرر ہو اور ایک کتب خانہ بنایا جاوے اور ایک بڑا کمرہ کھانا کھانے کے لئے اور ایک بڑا کمرہ ایسے کھیلوں کے کھیلنے کے لئے جو مکان کے اندر کھیلے جاتے ہیں اور باقی مختصر و مناسب کمرہ اِس طرح پر کہ ہر ایک لڑکے کو ایک مناسب کمرہ بیٹھنے اور پڑھنے کو ملے ❖

کسی لڑکے کے ساتھ کوئی خاص خدمتگار نہ رہے بلکہ تمام خدمتگار اُنہیں مکانات کے متعلق نوکر ہوں اور ہر ایک خدمتگار کو کمرے تقسیم کئے جاویں۔ پس اُن کمروں کے رہنے والے لڑکوں کی خدمت اور کمروں کا جھاڑنا اور آراستہ کرنا اور پلنگوں اور بچھونوں کا درست کرنا سب وُہی لوگ کیا کرینگے ❖

اِن تمام لڑکوں کو ضرور ہوگا کہ مسجد میں ہر روز کی نمازیں جماعت سے پڑھیں اور صبح کی نماز کے بعد کسی قدر قرآن مجید بموجب اُس قاعدہ کے پڑھ لیا کریں جو تجویز کیا جاوے اور ہر ایک کو ایک قسم کا یکساں لباس پہنایا جاوے اور سب مل کر ایک وقت معیّن پر کھانا کھاویں۔ اُن کے اوقات پڑھنے اور کھیلنے کے اور جسمانی ورزش کے سب مقرر کئے جاویں اور ہر ایک لڑکے کو ہر ایک وقت پر جو کام مُقرّر ہے اُس کا کرنا واجب و لازم ہو ❖

اس مکان پر ایک نہایت لایق اور معتمد شخص بطور اتالیق یا گورنر کے مُقرّر ہو تاکہ وہ تمام نگرانی اور سب طرح کا بند و بست کرتا رہے اور لڑکوں کی صحت و تندرستی کا نگراں رہے اور اِس بات کی خبرداری اور نگرانی کرے کہ تمام لڑکے اوقات معیّنہ میں وُہی کام کرتے ہیں جو اُس وقت کے لئے معیّن ہے یا نہیں ❖

لڑکوں کو اپنے گھر جانے اور ماں باپ اور عزیز اقارب سے ملنے یا اُن کو لڑکوں سے ملنے اور اُن کا آرام و آسایش کا حال دیکھنے کو آنے کے لئے قواعد مُقرّر ہوں اور ہمیشہ اُن قواعد کی پابندی رہے ❖

اتفاقیہ بیماری یا اتفاقیہ ضرورت کے واسطے ایک طبیب ملازم رہے اور اُس مقام کے سِوِل سرجن سے

اِس کا سبب یہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ انگریزی مدرسوں میں کافی لیاقت لڑکوں کو نہیں آتی ایک مشکل اُن کو غیر زبان کا سیکھنا اور دوسری مشکل غیر زبان میں علوم کا سیکھنا ہوتا ہے۔ پس اِس تدبیر سے ہم نے اُن کی ایک مشکل کو موقوف کر دیا ہے تاکہ وہ بسبب اپنی زبان کے علوم و فنون سے نہایت جلد بخوبی واقف ہوجاویں اور بعد اُس کے دوسری زبان کے لٹریچر میں محنت کر کر جہاں تک اُن سے ہو سکے ترقی کر لیں ✤

اِس تدبیر سے ایک فائدہ یہ بھی ہوگا کہ بہت کم طالب علم علوم و فنون سے گو کہ وہ اُردو ہی زبان میں کیوں نہ ہوں ناواقف رہینگے اور بہ نسبت حال کے لٹریچر پر محنت کرنے کی زیادہ مہلت ملیگی اور اُن کو اُس زبان کی لٹریچر بر نسبت حال کے بہت زیادہ آجاویگی ✤

اِس بات پر اکثر بحث ہوئی ہے کہ سرکاری کالجوں کی تعلیم سے لیاقت کامل نہیں ہوتی اور کیوں وہ تعلیم انگلستان کے کالجوں کی تعلیم کے برابر نہیں ہے۔ پس میری رائے میں اس کا سبب یہی ہے کہ انگلستان میں تعلیم اُنہیں لوگوں کی زبان میں ہوتی ہے اور تمام علوم و فنون اُنہیں کی زبان میں ہیں اور ہر وقت اور ہر محل پر اُن کو اپنے علم کی ترقی کا موقع ہوتا ہے برخلاف ہندوستان کے کہ اُن کی تعلیم اُن کی مادری زبان میں نہیں ہے اور اُن کو دوسری زبان پر قادر ہونے میں نہایت مشکل پیش آتی ہے اور اُس پر قادر ہونے تک تمام وقت تحصیل علوم و فنون کا گذر جاتا ہے پس اِس تبدیل سے جو اِس مدرسہ کے تقرر میں کی گئی ہے اُمید ہے کہ وہ رُکاوٹ نہ رہیگی ✤

جو طالب علم کہ بذریعہ عربی زبان کے علوم تحصیل کرنے پر متوجہ تھے اُن میں بھی یہ نقصان رہتا تھا کہ وہ ان علوم و فنون سے جو نہایت ضروری ہیں ناواقف محض رہتے تھے اور اس تبدیل سے جو طریقہ تعلیم میں کی گئی ہے اُمید یہ ہے کہ وہ بھی ناواقف نہ رہینگے اور عربی زبان میں بھی کمال حاصل کرنے کا اُن کو موقع حاصل رہیگا ✤

عربی فارسی مدرسہ۔ اس میں ابتدائً کسی علم کی تعلیم نہیں ہونے کی بلکہ جو انگریزی اُردو پڑھنے والوں نے ان زبانوں میں سے جس کو بطور سکنڈ لینگوج کے اختیار کیا ہوگا اور اُردو میں علوم و فنون پڑھ لینے کے بعد عربی یا فارسی زبان کے لٹریچر و علوم میں کمال حاصل کرنے کا ارادہ کیا ہوگا تو اُن کی پڑھائی فارسی عربی میں اعلےٰ درجہ تک کی اِس مدرسہ میں ہوگی ✤

تینوں مدرسہ مل کر درحقیقت ایک مدرسہ ہوگا اور جو کہ ہر قسم یعنی انگریزی کے اور اُردو فارسی و عربی کے اس میں موجود ہونگے تو سلسلہ تعلیم ہر ایک مدرسہ کا جو قایم کیا گیا ہے وہ اُستادوں کی تقسیم اوقات سے بخوبی تکمیل پاتا رہیگا ✤

علاوہ اِس کے ضرور ہے کہ مسلمانوں میں بھی ایک جماعت اس قسم کی ہو کہ وہ نہایت اعلےٰ درجہ کا کمال انگریزی میں حاصل کرے کیونکہ اُس جماعت سے ملک کو اور ملک کے لوگوں کو اور ترقی تعلیم کو بہت فائدہ ہوگا اور وہ ذریعہ اور منبع شیوع علوم کے بن جاوینگے۔ اُن کی بدولت تمام علوم انگریزی زبان سے اُردو زبان میں آجاوینگے اور اُن کی ذات سے ملک کو منفعت عظیم پہنچیگی ✽

اُردو مدرسہ۔ اس میں تمام علوم وفنون بزبان اُردو پڑھائے جاوینگے اور جو کچھ تعلیم اس میں ہوگی وہ سب اُردو میں ہوگی۔ البتہ ہر طالب علم کو تین زبانوں میں سے کوئی زبان بطور سکنڈ لینگوج کے اختیار کرنی ہوگی۔ انگریزی۔ فارسی۔ عربی۔ میں اُمید کرتا ہوں کہ جو لڑکا دس بارہ برس کی عمر میں اس مدرسہ میں داخل ہوگا وہ ضرور اٹھارہ برس کی عمر تک تمام سئنیز یعنی علوم کو اُردو زبان میں اس قدر تحصیل کرلیگا جس قدر کہ درجہ بی۔ اے کے لئے مقرر ہیں۔ اور سکنڈ لینگوج میں اُس کو اس قدر لٹریچر آجاویگی جیسے کہ انٹرنس کلاس تک کے پڑھنے والوں کو آتی ہے ✽

پس اس عمر کے اور اِس قدر تحصیل کے بعد طالب علم اُس سکنڈ لینگوج میں سے اُس زبان کی لٹریچر کو جو اُس نے اختیار کی ہے تکمیل کرنی شروع کرے اور تین برس اُس کو اُس کی تکمیل کیلئے بہت کافی ہونگے۔ پس اگر اُس نے اِن تین برس میں انگریزی زبان کی تکمیل کی ہے تو اُس کو تین برس کی اور مہلت اِس لئے بخوبی ملیگی کہ وہ عدالت کے قوانین سیکھے اور مختلف عہدوں کے لئے جو امتحان مقرر ہیں اُن میں امتحان دے اور نوکری گورنمنٹ کی تلاش کرے اور اُس کو حاصل کرے یا اور کسی کاروبار میں جس میں وہ چاہے مشغول ہو ✽

اور اگر اُس نے ان تین برس میں فارسی زبان کی تکمیل کی ہے تو اُس نے یقینی گورنمنٹ کی نوکری سے تو قطع نظر کرلی ہے کیونکہ وہ تو بغیر انگریزی پڑھے حاصل نہ ہوگی پس اُس کو مہلت ہے کہ جہاں تک چاہے فارسی میں کمال بہم پہنچالے اور شاعر و منشی و ادیب ہوکر دنیا میں اپنا نام یادگار چھوڑ جاوے ✽

اور اگر اُس نے ان تین برس میں عربی زبان کی تکمیل کی ہے تو اُس نے بوجہ مذکور بالا سرکاری نوکری سے تو قطع نظر کرلی ہے۔ پس اُس کو بھی عربی زبان میں اور نیز اُن علوم میں جو عربی زبان میں ہیں اور نیز علوم دین مثل فقہ و حدیث و تفسیر و کلام وغیرہ میں جہاں تک کہ وہ چاہے ترقی کرنے اور کمال بہم پہنچانے کا موقع حاصل ہے ✽

یہ مدرسہ جو اِس قسم کا تجویز کیا گیا ہے جس میں اوّل تمام علوم اُردو زبان میں پڑھائے جاوینگے

حفاظی مکتب

جو لڑکے مسلمانوں کے قرآن مجید حفظ کرنا چاہیں یا اشخاص نابینا جو قرآن مجید حفظ کرنے کی زیادہ رغبت رکھتے ہیں اُن کے لئے بڑے بڑے شہروں اور مناسب مقاموں پر مکتب مقرر ہوں جن میں وہ لوگ قرآن مجید حفظ کیا کریں مگر اس مکتب کو بالکل علیحدہ رکھنا چاہئے اور کسی مدرسہ یا مکتب سے شامل کرنا نہیں چاہئے *

عمرِ تعلیم

اگرچہ ابتداءً جب مدرسے مقرر ہونگے اُن میں عمر کا چنداں لحاظ نہ ہوگا بلکہ منتظمان کی رائے پر اور لڑکوں کی حالت پر اُن کا داخلہ منحصر ہوگا مگر جبکہ انتظام بخوبی ہو جاوے اُس وقت ہر ایک قسم کے مدرسہ کے لئے عمر کی تعین ضرور ہوگی۔ پس لڑکوں کی تعلیم میں اُن کی عمر کا حسب تفصیل ذیل لحاظ رکھنا چاہئے گا جس کے لئے پانچ درجے قرار دیئے جاتے ہیں *

اوّل چھ برس سے دس برس تک۔ اس میں چاہئے کہ لڑکا قرآن مجید پڑھ لے اور کچھ اُردو کتابیں بھی اور مسائل کی چھوٹی چھوٹی کتابیں جیسی راہ نجات اور حقیقت الصلوٰۃ وغیرہ ہیں پڑھ لے اور کچھ کچا پکا لکھنا بھی سیکھ لے اور اُس کو اس قدر استعداد ہو جاوے کہ اُردو عبارت باآسانی پڑھ لکھ سکے اور انگریزی حرفوں اور ہندسوں کو پہچاننا اور نام پڑھ لینا سیکھ لے۔ یہ وہ تعلیم ہے جس کا مکتبوں میں ہونا چاہئے *

دوم گیارہ برس سے تیرہ برس تک۔ اس عمر میں اس قدر پڑھ لینا چاہئے جو روزمرہ کے کاموں اور امورات متعلقہ زندگی اور معاش کے کام میں درکار ہیں۔ سیدھے سادھے مسائل مذہبی و عقاید مذہبی سے بھی واقفیت حاصل ہو۔ یہ وہ تعلیم ہے جو مدارس مجوزہ میں تجویز کی گئی ہے *

اہل پیشہ اور غریب آدمی بھی جو اپنے لڑکوں کو اپنے پیشہ میں مصروف کرتے ہیں اس قدر عمر تک لڑکوں کو تعلیم میں رکھنے سے کچھ اپنا ہرج نہیں سمجھتے اور اگر اہل پیشہ کے لڑکے اس قدر درجہ تک کی تعلیم پاجاویں اور ہمارے ملک میں عموماً اس قدر درجہ تک علم پھیل جاوے تو ہندوستان ہندوستان نہیں رہنے کا بلکہ قطعہ جنت ہو جاوے اور ٹھیک ٹھیک ہندوستان جنت نشان کا لقب اُس پر صادق آویگا *

سوم چودہ برس سے اٹھارہ برس تک۔ اس عمر میں جملہ علوم و فنون سے جو دین و دنیا میں بکار آمد ہیں واقفیت کلی حاصل ہونی چاہئے *

مدارس

"یہ چھوٹے چھوٹے مدرسے ہونگے اور ہر شہر و قصبہ و ضلع میں جہاں ان کا قایم ہونا ممکن و مناسب ہو قایم ہونے چاہئینگے - ان میں تعلیم صرف اُن قواعد کے مطابق ہو گی جو اُردو مدرسہ کے لئے ہیں اور اُسی طرح اس مدرسہ کے طالب علموں کو ایک سکنڈ لینگوج مُقرر انگریزی یا فارسی یا عربی اختیار کرنی ہو گی *

اِس مدرسہ میں اور پہلے مدرسہ اُردو میں صرف اتنا فرق ہو گا کہ اس مدرسہ میں ایک حد معین تک علوم پڑھائے جاوینگے اور جب اُس حد تک طالب علم پہنچ جاوینگے تو اِس مدرسہ سے خارج ہو جاوینگے اور اُن کو اختیار ہو گا کہ اُس سے اعلےٰ درجہ کی تعلیم اگر چاہیں تو مدرسۃ العلوم میں داخل ہوں - یہ مدرسے اِس مراد سے ہونگے کہ مدرسۃ العلوم کے لئے لڑکے تیار کریں - ان کی مثال بعینہ ایسی ہو گی جیسے گورنمنٹ ضلع اسکول کالجوں کی بھرتی کے لئے طالب علم طیار کرتے ہیں * "

مکتب

"ہر گاؤں اور قصبہ میں جہاں جہاں ہو سکے مکتب قایم ہونے چاہئیں - ان میں قرآن شریف بھی پڑھایا جاوے اور اُردو زبان میں کچھ کتابیں اور حساب وغیرہ سکھایا جاوے اور اُردو میں لکھنا پڑھنا بھی سکھایا جاوے اور اِس مکتب میں بھی کسی قدر فارسی اور کسی قدر انگریزی سکنڈ لینگوج ہو - فارسی تو صرف اس قدر ہو جس سے اُردو کو مدد پہنچے اور انگریزی نہایت قلیل صرف اتنی کہ حرف پہچان لے - چھاپے کے حرفوں میں لکھا ہوا نام پڑھ سکے اور انگریزی ہندسے جو کلوں اور اوزاروں پر لکھے ہوئے ہوتے ہیں اُن کو پہچان سکے تاکہ اگر کسی کل سے کام لینا ہو تو کام لے سکے *

اِس مکتب میں قرآن مجید نئے قاعدہ سے پڑھایا جاوے جس میں کُل قرآن شریف چھ مہینے میں بخوبی ہو جاتا ہے - بعض لوگوں نے قرآن مجید کے کُل لفظ بحذف الفاظ مکرّر جدا چھانٹ لئے ہیں اور اُن کو بہ ترتیب دو حرفی و سہ حرفی مرتب کر لیا ہے اور الف بے کے بعد صرف اُن لفظوں کے پڑھا دینے سے کُل قرآن مجید ناظران پڑھنا بخوبی آجاتا ہے *

اِس مکتب میں نماز پڑھنا بھی بتایا جاویگا اور چھوٹی چھوٹی اُردو کتابیں مسئلوں کی بھی جیسے کہ راہ نجات - حقیقت الصلوٰۃ وغیرہ ہیں لڑکوں کو پڑھائی جاوینگی * "

اس تعلیم کے لئے بھی کتابوں کی چنداں مشکل نہیں پڑنے کی۔ کتب موجودہ میں سے ایسی اوصاف کتابیں بآسانی منتخب ہو سکتی ہیں اور بعض کتابوں پر ایک عالم نظرثانی کرکر اور اُن میں سے فضول مباحث کو حذف کرکر کتابوں کو مناسب حال کردے سکتا ہے ❊

باقی رہی تعلیم کتب مذہبی کی۔ بالفعل ہمارے ہاں یہ رواج ہے کہ کتب مذہبی میں سے ابتدا سے آخر تک کسی کتاب کے پڑھنے کا رواج نہیں ہے بلکہ مقامات معینہ ہر ایک کتاب کے پڑھ کر باقی کتاب کو چھوڑ دیتے ہیں۔ میری دانست میں اس طریقہ کو تبدیل کرنا چاہیئے ایک آدھ متن جو عمدہ اور مفید ہو وہ بتمام پڑھایا جاوے اور باقی کتابوں میں سے اُن مقامات کا جو اس زمانہ میں مفید اور بکار آمد ہیں انتخاب کرکر ایک چھوٹی سی کتاب بنائی جاوے۔ مثلاً ہدایہ اُس میں سے عمدہ اور مفید مقامات کا انتخاب کرکر تلخیص الہدایہ اُس کا نام رکھا جاوے جو چند جزو پر ہو اور وہ بتمامہ پڑھا دیا جاوے۔ اسی طرح کتب صحاح ستہ حدیث میں سے احادیث عمدہ و مستند و مفید و ضروری کا انتخاب کرکر تلخیص البخاری و تلخیص المسلم و علے ہذالقیاس چھوٹی چھوٹی کتابیں بنالی جاویں اور وہ بتمامہ پڑھائی جاویں۔ تفسیر میں جلالین شاید نہایت عمدہ ہے اور انتخاب کی بھی ضرورت نہیں رکھتی مگر وہ نہایت آسان ہے اور اُس سے زیادہ قابلیت کے لئے دوسری تفسیر ہونی چاہیئے پس وہ تفسیر بیضاوی ہے اُس کی بھی تلخیص کی جاوے اس طرح پر کہ جہاں تک کہ اُس میں مباحث عربیت سے متعلق ہیں وہ انتخاب کرلئے جاویں اور باقی امور چھوڑ دیئے جاویں غرضکہ اسی طرح کتابوں کے انتخاب اور تلخیص سے ایک سلسلہ کتب درسیہ عربیہ کا قایم کرلیا جاوے پس یہ وہ طریقے ہیں جن سے میری دانست میں تعلیم مسلمانوں کی اس طریق پر جو دین و دنیا کے لئے مفید ہو جاری ہو سکتی ہے اور نکبت اور جہل جو مسلمانوں میں پھیلتا جاتا ہے اُس کا علاج ہو سکتا ہے مگر ہر شخص یہ بات بخوبی اور بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ یہ طریقہ تعلیم کا نہ کسی طرح گورنمنٹ اختیار کرسکتی ہے اور نہ سرکاری کالجوں اور اسکولوں میں جاری ہو سکتا ہے خود مسلمان البتہ بخوبی جاری کرسکتے ہیں اور کچھ شک نہیں کہ اس کے اجرا کا مقدور بھی رکھتے ہیں صرف ہمت اور محنت اور توجہ درکار ہے ❊

دوم وہ طریقہ جس سے گورنمنٹ کالجوں اور اسکولوں کی تعلیم زیادہ تر مسلمانوں کے مناسب حال ہو جاوے اور اُس سے مسلمان فایدہ اُٹھائیں ❊

مسلمانوں کو چاہیئے کہ گورنمنٹ کالجوں اور اسکولوں کو ایسا تصور کریں [illegible]ی زبان کی تعلیم کا اس قسم کا مدرسہ ہے جیسا کہ اُن کے لئے اوپر تجویز ہوا ہے اور تمام علوم و فنون اُس میں زبان انگریزی میں تعلیم دیئے جاتے ہیں اور اُردو۔ فارسی۔ عربی۔ صرف بطور سکنڈ لینگوج کے ہے اور صرف

چہارم انیس برس سے اکیس برس تک - اِس عمر میں خاص علوم اور خاص زبان جس میں طالب علم کمال حاصل کرنا چاہے حاصل کرتے ہونگے ◆

پنجم - بائیس برس سے پچیس برس تک - یہ وہ زمانہ ہے جس میں طالب علم بعد فراغ تعلیم اُن چیزوں کو پڑھنے اور امتحان دینے میں مشغول رہیگا جن کے ذریعہ سے سرکاری نوکریاں ہاتھ آتی ہیں اور اسی قسم کے حصول معاش کے ذریعوں کو حاصل کرنے میں مشغول ہوگا ◆

یہ پچھلی تینوں قسم کی تعلیمیں وہ ہیں جو مدرسۃ العلوم سے علاقہ رکھتی ہیں ◆

سلسلہ تعلیم

انگریزی مدرسہ کے لئے ہم کو سلسلۂ تعلیم کے معین کرنے کی ضرورت نہیں ہے - کیمبرج اور آکسفورڈ کی دو یونیورسٹیاں ہماری ہدایت کے لئے موجود ہیں - پس ہمیشہ ہم کو اُن کی ہی تقلید اور پیروی سے سلسلہ کتب درسیہ کا معین کرنا اور اُسی طریق پر تعلیم دینا کافی ہوگا ◆

اُردو مدرسہ کے لئے البتہ ہم کو کتابیں تلاش کرنی اور اُن کا سلسلہ تعلیم قایم کرنا پڑیگا مگر یہ بات کچھ مشکل نہیں ہے - سلسلہ کتب درسیہ علوم و فنون معینہ وہی قایم رہے جو انگریزی میں ہو اُنہیں کتابوں کا جو انگریزی میں علوم و فنون کی پڑھائی جاویں اُردو میں ترجمہ ہو اور اُردو میں پڑھائی جاویں - پس ان دونوں مدرسوں میں پڑھائی تو ایک سی ہوگی صرف یہ فرق ہوگا کہ جو کتاب انگریزی مدرسہ میں انگریزی زبان میں پڑھائی جاتی ہے وہ اِس مدرسہ میں اُردو میں پڑھائی جاویگی ◆

عربی و فارسی مدرسہ کے لئے بھی کتابوں کے متعین کرنے میں چنداں وقت نہ ہوگی فارسی زبان کے علم انشاء کی کتابیں نہایت آسانی سے بہت عمدہ اور سادہ منتخب ہو سکتی ہیں جو سلسلہ مناسب ہے درس میں داخل ہوں - عربی زبان میں جو سلسلہ تعلیم جاری ہے بلاشبہ اُس میں تبدیل عظیم کرنی پڑیگی - سلسلہ نظامیہ جو بالفعل جاری ہے محض لغو ہے اور حال کے زمانہ کے مطابق نہیں بلاشبہ اُس کو ترک کرنا اور سلسلہ جدید قایم کرنا پڑیگا ◆

طالب علموں کو لغو مباحث میں ڈالنا اور الفاظ کی بحث پر اُن کی عمر کو ضایع کرنا محض بیفایدہ ہے بعوض اُس کے یہ بات چاہئے کہ سیدھے سادھے اور صاف مسائل صرف و نحو اُن کو پڑھائے جاویں بغیر کسی بحث کے تاکہ وہ بخوبی بموجب قواعد صرف و نحو عربی کی عبارت پڑھ سکیں ◆

چند رسالہ منطق خالص کے جو بہت صاف اور سیدھے ہوں اُن کو پڑھانے چاہئیں اور علم معانی بیان کے سیدھے مسئلہ سکھانے چاہئیں اور عربی بولنے اور عربی لکھنے کی مشق کرانی چاہیئے پس اس قدر تعلیم متعلق علم ادب کو کافی سمجھنا چاہئے ◆

بعد اصلاح و ترمیم اُس کو منظور کرے تاکہ گورنمنٹ کالج و اسکول مسلمانوں کے لئے بطور ایک مربی کے متصور ہوں نہ بطور ایک خوفناک چیز کے جیسے کہ اب تک رہے ہیں ۞

تحصیلی و حلقہ بندی مکتبوں کو بھی اپنے مفید کرنے کے لیے مسلمانوں کو چاہئے کہ ان کے اہتمام اور نگرانی میں زیادہ تر مداخلت کریں اور سب سے عمدہ یہ بات ہے کہ اپنی طرف سے اور باہمی چندہ سے ایسے ایسے چھوٹے مکتب خود قایم کریں اور گورنمنٹ سے اُس میں نصف روپیہ ملنے کی درخواست کریں ۞

غرضکہ جیسا کہ اب تک گورنمنٹ کے سررشتہ تعلیم سے مسلمان علٰحدہ علٰحدہ رہے ہیں برخلاف اُس کے جہاں تک ممکن ہو اُس میں اعانت و مدد کریں اور سررشتہ تعلیم کو ایک اپنی ضروریات سے سمجھیں تاکہ وہ اُس سے فایدہ اُٹھا سکیں اور جو جو نقصان اُس میں ہوں اُس کے رفع کرنے پر قادر ہوں ۞

یہ تمام باتیں جو اوپر بیان ہوئیں مسلمانوں کو گورنمنٹ کالجوں و اسکولوں سے فایدہ اُٹھانے کے لئے کافی ہیں۔ اس سے زیادہ اور کچھ گورنمنٹ سے درخواست کرنی یا توقع رکھنی محض بیہودہ بات ہے بلکہ اس میں سے بھی بعض باتیں ایسی ہیں کہ گورنمنٹ بمشکل اُس کو قبول کریگی ۞

رائے ممبران

اِس تجویز کی نسبت کل ممبران سلیکٹ کمیٹی سے صلاح اور مشورہ کیا گیا جو ممبر کہ بنارس میں موجود تھے اُنھوں نے بالمشافہ اپنی رائیں ظاہر کیں اور جو لوگ کہ بنارس میں موجود نہ تھے اُن کے پاس یہ تجویز بھیجی گئی اور اُنھوں نے بذریعہ تحریر کے اپنی رائیں ظاہر کیں جن کی تفصیل ذیل میں مندرج ہے ۞

سید احمد خاں۔ مولوی محمد عارف صاحب۔ مولوی سید عبداللہ صاحب۔ محمد یار خاں صاحب۔ مولوی سید زین العابدین صاحب۔ مرزا رحمت اللہ بیگ صاحب۔ مولوی اشرف حسین خاں صاحب۔ مولوی محمد سمیع اللہ خاں صاحب اور منشی محمد اکرام حسین صاحب نے بلا کسی اختلاف کے مذکورہ بالا تجویز کو پسند اور منظور کیا اور تمام مراتب مذکورہ بالا سے اتفاق رائے ظاہر کیا ۞

مولوی سید امداد علی صاحب اور مولوی قطب الدین حسن صاحب اور حمید الدین صاحب اور منشی محمد سبحان صاحب نے بھی بالکلیہ اس تجویز سے اتفاق کیا مگر ان چاروں ممبروں نے اس بات کی خواہش ظاہر کی کہ تالیف کتب بذریعہ علماء کامل اور متدین کے عمل میں آوے ۞

مولوی محمد اسمٰعیل صاحب نے بھی تمام مراتب مندرجہ بالا سے دلی اتفاق کیا اور یہ لکھا کہ سلسلہ تعلیم

ان مدرسوں کو زیادہ تر مناسب اور مفید کرنے کے لئے مفصلہ ذیل باتوں پر توجہ کریں ۞

اوّل۔ گورنمنٹ سے درخواست کریں کہ جس قدر انگریزی کی تعلیم اب دی جاتی ہے اُس میں ترقی کی جاوے اور ہر ایک درجہ کی تعلیم بالکل یونیورسٹی کیمبرج اور آکسفورڈ کی برابر کر دی جاوے ۞

دوم یورپ کے طالب علموں کو لٹریچر میں قدرتی دستگاہ ہوتی ہے کہ وہ اُن کی مادری زبان ہے اس لئے اُن کو تھوڑی تحصیل میں آ سکتی ہے مگر ہندوستان کے لئے کالجوں میں لٹریچر کی پڑھائی زیادہ ترکی جاوے تاکہ لیاقت تحریر و تقریر بخوبی آجاوے ۞

سوم ہر کالج میں بہ تحت انتظام پرنسپل کے ایک کلب مقرر ہو جس کا پریزیڈنٹ پرنسپل ہو اور ہر ہفتہ اُس میں اعلیٰ کلاسوں کے طالب علم اپنے اپنے مضامین جن میں کیا کریں اور اگر چھوٹے کلاسوں میں اُس کو وسعت دی جاوے اور ہر کلاس کے ماسٹر کے اہتمام میں اُس کے طالب علم ہر ہفتہ اس کی مشق کیا کریں تو ترقی لٹریچر کے لئے نہایت مفید ہوگا ۞

چہارم مسلمان گورنمنٹ سے درخواست کریں کہ بشمول ڈائرکٹر پبلک انسٹرکشن ایک کمیٹی مقرر کریں جو اُن کتابوں کو منتخب کریگی خواہ خود تالیف کرے یا تالیف کرائیگی جو سکنڈ لینگویج کی تعلیم کے لئے درکار ہیں اور اس میں کچھ شک نہیں کہ اگر اردو و فارسی و عربی کی تعلیم کی کتابوں میں جو بطور سکنڈ لینگویج کے پڑھائی جاتی ہیں کچھ درستی کی جاوے اور کتابیں عمدہ و مفید بصلاح کمیٹی اُس میں داخل کی جاویں تو مسلمان طالب علموں کو رغبت بھی ہوگی اور بہ نسبت حال کے اُن زبانوں کی تعلیم کی بھی ترقی ہو جاویگی اور جب عربی فارسی کی تعلیم ایک عمدہ قاعدہ پر ہوگی تو مسلمان طالب علموں کو کسی وقت پر اُس کو اعلیٰ درجہ تک ترقی دینے کا موقع حاصل رہیگا ۞

پنجم بڑے بڑے شہروں اور قصبوں کے مسلمان بمنظوری گورنمنٹ ایک کمیٹی مقرر کریں جو اس بات کی تحقیقات کیا کریگی کہ کس قدر مسلمان لڑکے شہر یا قصبہ میں ہیں اور وہ کہاں کہاں پڑھنے لکھنے میں مصروف ہیں اور کیا کرتے ہیں اس تحقیقات کی کتابیں اور نقشے مرتب ہوں اور ہمیشہ سہ ماہی پر اُن کی جانچ پڑتال ہوا کرے اور جو لڑکے پڑھتے نہیں ہیں اُس کا سبب بھی دریافت کر کر اُس کتاب میں مندرج کیا کریں ۞

اس کمیٹی میں بجز مسلمانوں کے اور کوئی شخص اور نہ کوئی یورپین حاکم شریک ہو مگر اُس کی اطلاع و کیفیت ڈائرکٹر پبلک انسٹرکشن پاس جایا کرے اور خرچ اس کمیٹی کا میونسپل فنڈ سے دیا جاوے ۞

ششم ہر کالج اور اسکول کے لئے کمیٹی ہوتی ہیں مسلمان بھی شریک ہوں اور اُن کو کچھ وقعت اور اختیار بھی دیا جاوے اور اُس کا بانی اُن خود اُنہیں سے بنوایا جاوے اور گورنمنٹ

کے رائے دی ہے اور سید احمد خاں صاحب سے اختلاف کیا ہے میں اُس میں سید احمد خاں سے بالکل متفق ہوں۔ میں خیال کرتا ہوں کہ وقتاً فوقتاً علمائے اسلام اس کے درپے رہے ہیں اور بنظر مصالح وقت اور حالت موجودہ اہل زمان بہ تبدیل عبارت یا اختصار و تلخیص مقامات کتب تالیف کرتے آئے ہیں اور مجھ کو اُمید ہے کہ ہمارے یہاں کے لایق آدمی ہمیشہ اسی عمدہ رائے پر چلتے رہینگے۔ بخاری کی تلخیص کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اُس کے بعض اجزا کو ہم اپنی سمجھ کے موافق قایم رکھیں اور بعض کو نکال دیں بلکہ تلخیص کے یہ معنی ہیں کہ اُس کے جو مقامات کہ مفید اور مناسب وقت ہیں اُس کو نکال کر کے درس میں داخل کریں اور اس میں کوئی قباحت اور نقصان نہیں ہے اور میں اس میں بھی کوئی قباحت اور نقصان نہیں سمجھتا کہ جو غلطی یا خطا کسی کتاب میں واقع ہے اُس کی گرفت کی جائے اور بلا اندیشہ وہ غلطی ظاہر کر دی جاوے۔ میں خیال کرتا ہوں کہ ہمیشہ اوّل طبقہ صحابہ سے لیکر آج تک ہمارے یہاں کے علماء یہی کام کرتے چلے آئے ہیں۔ صحابہ۔ تابعین۔ مجتہدین۔ فقہاء۔ محدثین۔ مشایخ کرام سب کی غلطی و خطاؤں کو بہت صراحت سے علماء نے لکھا ہے اور اِس بات کو بھی بہت احتیاط سے ملحوظ رکھا کہ اگر کسی پر بیجا اعتراض یا ناجائز غلطیاں لگائی گئی ہیں تو اُس کو بدلائل معقول رد کیا اور یہ بھی اسی مقام پر میں لکھنا نہایت مناسب جانتا ہوں کہ ہمارے سچے مذہب کا عمدہ اصول یہ ہے کہ کوئی عالم اور کوئی مجتہد اور کوئی صلحا سے بلکہ کوئی انسان سوائے انبیاء علیہم السلام کے ایسے درجہ میں نہیں ہیں کہ جن کے کلام میں خطا اور خلل واقع نہ ہوا ہو اگر آج ہم کسی بڑے سے بڑے عالم کے کلام کی غلطی ظاہر کریں اور اُس کو عمدہ دلائل سے سچی نیت سے بغرض ہوا خواہی اسلام ثابت کر دیں تو کچھ ہم پر اعتراض نہیں ہے ✢

منشی محمد اکبر حسین صاحب نے یہ رائے لکھی کہ مجھ کو جناب سید احمد خاں صاحب بہادر سی۔ ایس۔ آئی کی اعلےٰ اور عمدہ اور حکیمانہ تجویز سے بدل اتفاق کلی ہے۔ ہر چند مولوی فریدالدین صاحب کا خیال اُس کی تصویر خیالی ہونے کی نسبت مُسلمانان ہند کی عادت و عقاید و حالات موجودہ پر نظر کرنے سے کسی درجہ تک صادق آتا ہے اور اِس تدبیر بے نظیر کی تکمیل اجراء کی تمام حالاً اُمید دیم میں معلوم ہوتی ہے لیکن جب ہم اُس تشریح اور توضیح پر نظر کرتے ہیں جو جناب سید احمد خاں صاحب ممدوح نے تجویز اور عمل ان دونوں چیزوں کے امتیاز کے باب میں فرمائی ہے تو ہم بے تامل متفق الرائے ہو کر خدائے عزوجل سے اپنے عمدہ ارادوں کے پورا ہونے کی دعا مانگتے ہیں السعی منی والاتمام من اللہ ✢

جو رائے ممبروں کی اوپر بیان ہوئی اُس سے ظاہر ہے کہ جو طریقہ تعلیم کا تجویز ہوا اُس سے

میں جو کمی بیشی کی خواہش کی ہے نہایت عمدہ اور مناسب ہے لیکن چونکہ اس رپورٹ میں اُن کتابوں کے انتخاب کا پورا ذکر نہیں ہے جو اس طریقہ میں پڑھائی جاوینگی اس لئے میں اِس باب میں ابھی کچھ رائے نہیں دیتا جب اِس کا موقع آویگا تب میں بالتفصیل رائے دونگا*

مولوی عبدالرحمن صاحب اور مولوی حفیظ الدین احمد صاحب اور میر بادشاہ صاحب نے بھی تجویز مذکور بالا سے اتفاق کیا مگر کتب فقہ و اصول فقہ اور کتب حدیث کی تلخیص کرنے سے اختلاف رائے کیا اور کہا کہ وہ بدستور سابق تعلیم میں رہیں*

مولوی سید فریدالدین احمد صاحب نے اپنی رائے یہ لکھی ہے کہ میں اپنے لایق فایق مسیح عصر حکیم دہر روشن ضمیر عالی دماغ سید احمد خاں صاحب بہادر سی- ایس- آئی عمدہ ممبر کی رائے سے بالکل اتفاق نہیں کر سکتا- اُس سخت مرض مہلک اور مزمن مرض جہالت کا کہ جو آج کل جسم اسلامی کو لاحق ہو گیا ہے اور جس نے اُن کے سارے دین و دنیا کے امور کو نہایت فتور اور نقصان میں ڈال رکھا ہے جو علاج تجویز کیا ہے وہ محض ایک تصویر خیالی ہے جو حالت موجودہ مسلمانوں سے اس بات کی توقع وہمی بھی نہیں ہوسکتی کہ وہ اُس عمدہ علاج کے اجزائے نافع کو بہم پہنچا کر استعمال کریں- مَیں اِس بات کو نہایت سچائی سے قبول کرتا ہوں کہ وہ نسخہ مجوزہ نہایت بے نظیر و لاجواب ہے اگر اُس کے استعمال کا امکان ہوتا تو وہ بالکل اُس مرض مہلک کی بیخ و بنیاد کو توڑ ڈالتا اور جسم اسلامی کو اعلےٰ درجہ کی صحت و طاقت کو پہنچا دیتا اور یقین ہے کہ آیندہ نسلوں میں کوئی وقت ضرور ایسا آویگا کہ اہل اسلام بخوشی اُس نسخہ کو استعمال کرینگے اور خدا کرے کہ جلد وقت آوے- میرے خیال میں اُس حکیم حاذق کو ضروری تھا کہ وہ دولت اور ہمت اور توفیق موجودہ مسلمانوں پر لحاظ فرما کر مطابق اُس کے کوئی نسخہ تجویز کرتے کہ جس سے زیادتی اُس مرض کی تو رُک جاتی اور کسی قدر آثار صحت کے نمایاں ہوتے اور اِسی طرح وقتاً فوقتاً بلحاظ حالت موجودہ کے اُس نسخہ میں تبدیل عمل میں لاتے کہ یہی طریقہ بالکل قانون قدرت کے مطابق ہے اگر حکیم ممدوح بنظر مہربانی پھر دوبارہ توجہ فرما کر کوئی ایسی تدابیر تجویز فرما دیں کہ جس کا خارج میں موجود ہونا گو بدقت ہو مگر ممکن ہو تو نہایت مناسب و بہتر ہے اور جب میری رائے یہ قایم ہوئی کہ فے الحال وہ تدبیرات محض خیالی ہیں اور کسی طرح وہ وجود پذیر نہ ہونگی تو اُن تدبیر کی نسبت مفصل رائے لکھنا محض فضول و بیفایدہ ہے تاہم اِس قدر کہنا میں ضروری جانتا ہوں کہ مسلمانوں کے امور معاد کے لحاظ سے اُن کی اعلےٰ اور عمدہ تعلیم میں زبان عربی کو دوم درجہ قرار دینا نامناسب ہی نہیں بلکہ مضر ہے جب ہم ایک ایسا خیالی منصوبہ قرار دیں کہ جو عمدہ حالت ترقی تعلیم مسلمانوں کی ہو تو اُس میں حیف ہے کہ زبان عربی درجہ دوم میں قرار پاوے اور چند ممبروں نے جو درباب تلخیص کتب دینیہ اہل اسلام

اور بالخصوص اپنی قوم کے ہاتھ سے کیا ملا ۔ کوئی سولی دیا گیا ۔ کوئی آرہ سے چیرا گیا ۔ کوئی جلا وطن کیا گیا ۔ پس ہم کو جو اپنی قوم کے ہاتھ سے ہونا چاہیئے تھا اُس کا کروڑواں حصہ بھی ابھی نہیں ہوا ۔

ہم کو دیکھنا چاہیئے کہ ہماری قوم نے ہم سے کیا کیا ؟ کچھ نہیں کیا ۔ بہت کیا تو یہ کیا کہ دو چار خط گمنام سب و دشنام کے لکھ بھیجے ۔ ہم نے شکر کیا کہ ہمارا تو کچھ نہیں بگڑا اور اُن کا دل ٹھنڈا ہو گیا ۔

اس سے زیادہ کسی کو غصہ آیا اور کوئی اخبار نویس بھی اتفاق سے اُن کا دوست ہو ایا دو پتھر اور ایک کاٹ کی کل اُن کے ہاتھ میں ہوئی تو اُنھوں نے اپنے دل کے غصہ کو جھوٹ سچ باتیں چھاپ کر یا چھپوا کر ٹھنڈا کیا ۔ ہم تو اس پر بھی راضی ہیں مگر اس دن کا ہم کو افسوس ہے جبکہ وہ لوگ خود اپنی باتوں پر افسوس کرینگے اور سمجھینگے جو سمجھینگے ۔

ہم کو ملحد اور زندیق اور لامذہب کہنا کچھ تعجب نہیں ہے کیونکہ ہماری قوم نے خدائے واحد ذوالجلال کے سوا باپ دادا کی رسم رواج کو اور اپنے قدیمی چال چلن کو دوسرا خدا مانا ہے اور پیغمبر آخر الزمان محمد رسول اللہ کے سوا اور بہت سے پیغمبر پیدا کئے ہیں کتاب اللہ کے سوا انسانوں کی بنائی ہوئی بہت سی کتابوں کو قرآن بنایا ہے اور ہم اُس جھوٹے خدا اور فرضی پیغمبروں اور جعلی قرآنوں کو ایسے ہی برباد کرنے والے ہیں جیسے ہمارے جد امجد ابراہیم اپنے باپ آذر کے بتوں کے توڑنے والے تھے ہم سچے خدائے واحد ذوالجلال کا جلال اور سچے پیغمبر محمد رسول اللہ کی نبوت اور سچی کتاب اللہ کی اطاعت دنیا میں قائم کرنی چاہتے ہیں پھر وہ لوگ ہم کو ملحد و زندیق و لامذہب نہ کہیں اور نہ سمجھیں تو کیا کہیں اور کیا سمجھیں کیونکہ ہم اُن کے خداؤں اور پیغمبروں اور قرآنوں کو نہیں مانتے ۔

اگر فریہ ہے کہ ہم کو کرسٹان بھی کہتے ہیں اور ہماری قوم کے ایک اخبار نویس نے چھاپا کہ ہم عیسائی ہو گئے اور ایک گرجا میں جا کر بپتسما یعنی اصطباغ لیا ۔ ہم کو اپنی قوم کے حال پر نہایت افسوس آیا کہ اب ہماری قوم کا یہ حال ہو گیا ہے کہ علانیہ جھوٹ بولنے اور جھوٹ چھاپنے میں کچھ شرم و غیرت و حیا نہیں آتی ۔ قومی ہمدردی جو خدا کی ایک بڑی نعمت ہے خدا نے ہماری قوم کے دل سے کیسی بھلا دی ہے کہ اس شخص کو یہ بھی غیرت نہیں ہوئی کہ میں ایک مسلمان شخص کی نسبت کس دل اور غیرت سے ایسی جھوٹ بات چھاپ دوں ۔ ان باتوں سے ہم کو بلحاظ اپنی ذات کے کچھ بھی رنج نہیں ہوتا مگر جو رنج اور [illegible] وہ یہی ہوتا ہے کہ افسوس ہماری قوم پر خدا کی کیسی خفگی ہے جو ایسی حالت [illegible] ہمیشہ ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفر لنا وترحمنا لنکونن من الخسرین ۔

تمام ممبروں نے اتفاق رائے کیا ہے پس اب میں نہایت خوشی سے اس رپورٹ کو ختم کرتا ہوں اور بموجب ہدایت ممبران جلسۂ کمیٹی کے تمام ممبران کمیٹی خواستگار ترقی تعلیم مسلمانان کے سامنے اس اُمید سے پیش کرتا ہوں کہ ممبران کمیٹی ممدوح درباب تعمیل اور اجرا اس طریقہ تعلیم کے بتدابیر مناسبہ اور کوشش وافی شروع کریں*

اختتام سال ۱۲۸۹ ہجری و شروع سال ۱۲۹۰ ہجری

شکر خدا کا کہ نواں سن تمام ہو گیا۔ ہمارے اس پرچہ کو جاری ہوئے سوا دو برس ہو گئے ہم کو خیال کرنا چاہئے کہ پچھلے سال میں مسلمانوں کی ترقی تعلیم و تہذیب میں کیا کچھ ہوا اور ہمارے اس پرچہ نے کیا کیا اور لوگوں نے اس کو کیا کہا اور ہم نے اپنی قوم سے کیا سہا*

حال خود و یاران خود

ہمارے اور ہماری قوم کے حال پر حافظ کا یہ شعر بالکل ٹھیک ہے ؎

بدم گفتی و خرسندم عفاک اللہ نکو گفتی
جواب تلخ می زیبد لب لعل شکر خارا

پُرانے دل بعضے تو ہم کو بُرا کہتے کہتے تھک سے ہو گئے اور بعضے مہربان اب اور نئے دل جوش پر ہیں اور ہم کو بُرا کہنے پر نہایت تیز زبان مگر ہمارا دل اپنے کام سے ٹھنڈا نہیں ہے ہم کو کیا جوش محبت و ہمدردی اپنی قوم کے ساتھ ہے اُن کی دین و دُنیا کی بھلائی اور تہذیب و شایستگی کی دن رات فکر ہے اُن کے غصہ سے ہم کو رنج نہیں۔ اُن کی سخت کلامی کا ہم کو غم نہیں کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ وہ نہیں جانتے اور ہم سمجھتے ہیں کہ وہ نہیں سمجھتے۔ جو کچھ کہ وہ کرتے ہیں ہم جب ہی سے جانتے ہیں جب کہ وہ نہ کرتے تھے ؎

من عہد تو سخت سست میدانستم | بشکستن آن درست میدانستم
ہر دشمنی اے دوست کہ با من کردی | آخر کردی نخست میدانستم

ہم کو پچھلوں کے حالات سے اور خود اپنے ہادی و مقتدا رسول اللہ صلعم کے حالات سے بالکل تسلی ہے ہم دیکھتے ہیں کہ جن لوگوں نے عام بھلائی پر کمر باندھی اور عالم کی برائی کا دور کرنا چاہا اور اپنی قوم کی بہتری اور بہبودی میں کوشش کی تو اُن کو دُنیا کے ہاتھ سے

اولاد نبی کے کفر اور قتل کا فتوےٰ دیکر عشرہ محرم میں اُن کا سر ہنومان گڑھی سے نیزہ پر چڑھا کر لکھنؤ میں لانا چاہا تھا تو ہمارا دل ٹھنڈا ہو گیا اور سمجھے کہ آل رسولؐ کے قتل و کفر پر فتوے دینا اُن کا قدیمی پیشہ ہے *

مگر جو صاحب ہماری تکفیر کے فتوے لینے کو مکہ معظمہ تشریف لے گئے تھے اور ہمارے کفر کی بدولت اُن کو حج اکبر نصیب ہوا اُن کے لائے ہوئے فتووں کے دیکھنے کے ہم مشتاق ہیں ؎

بہ بیں کرامت بتخانۂ مرا اے شیخ
کہ چوں خراب شود خانۂ خدا گردد

سُبحان اللہ ہمارا کفر بھی کیا کفر ہے کہ کسی کو حاجی اور کسی کو ہاجی اور کسی کو کافر اور کسی کو مسلمان بناتا ہے وللہ در من قال ؎

باراں کہ در لطافتِ طبعش خلاف نیست
در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس
توانم آنکہ نیازارم اندرون کسے
حسود را چکنم کوز خود برنج درست

اب ہمارے محبوب مہدی علی اور ہمارے عزیز مشتاق حسین کا حال سُنو۔ یہ ہمارے دونوں دوست ایسے ہیں جن کا حال کچھ چھپا نہیں ہے۔ مولوی مہدی علی کا علم اُس کی ذاتی خوبیاں۔ اُس کی پیاری پیاری باتیں۔ اُس کی سچی ایمانداری۔ اُس کی فصیح تقریر اُس قابل ہیں کہ اگر ہماری قوم کے دِل کی آنکھیں اندھی نہ ہوتیں تو اُس کے نام سے فخر کیا کرتے *

منشی مشتاق حسین کی ذاتی نیکی اور نہایت سخت دینداری۔ بے ریا عبادت۔ سچی خدا پرستی غایت تشدد سے نماز روزہ اور احکام شریعت کی پابندی جو درحقیقت بے مثل ہے اس لایق تھی کہ اگر ہماری قوم پر خدا کی خفگی نہ ہوتی تو اُس سے مسلمانی کو فخر سمجھتے *

مگر خدا نے ایسا اپنا غضب ہماری قوم پر نازل کیا ہے کہ ایک رائے یا ایک مسئلہ یا ایک آبائی رسم و رواج کے اختلاف کے سبب ایک کو نہایت حقارت سے حواری جس سے اشارہ عیسائی کا رکھا ہے اور دوسرے کو ملحد کا خطاب دیا ہے کبرت کلمۃ تخرج من افواھھم ان یقولون الا کذبا۔ مگر ہمارے ان دونوں دوستوں کو خدا کا شکر کرنا چاہیئے کہ اُن کو بعوض سچائی اور دینداری کے یہ خطاب اُنہی کی قوم سے ملے ہیں جن کی وہ بہتری چاہتے ہیں ؎

نیک باشی و بدت گوید خلق
بہ کہ بد باشی و نیکت گویند

کانپور سے ہم کو مختلف صورتوں میں عجیب عجیب آوازیں آتی ہیں جناب حاجی مولوی سید امداد العلی صاحب ڈپٹی کلکٹر بہادر نے جو رسالہ مطبوعہ ہمارے پاس بھیجا ہے اس میں یہ مضمون بطور نصیحت لکھا ہوا ہے :-

"بعض اہالیان ہند نے واسطے دھوکہ دینے حکام وقت کے اپنا طریقہ مذہبی اور لباس ملکی اور وضع قومی چھوڑ کر برخلاف اپنے ہم مذہبوں اور ہم وطنوں اور ہم قوموں اور ہم پیشوں کے جاکٹ اور پتلون پہننا اور میز و کرسی پر بیٹھ کر چھری کانٹے سے کھانا اور وہ ہیئت جو نصرانیوں کی ہے بنانا اس مراد سے اختیار کیا ہے کہ ہم کو حکام وقت جن کے لباس و طعام کی یہ وضع ہے اپنا مخلص اور مطیع اور پیرو جانیں اور ان کے محکوموں میں ہم کو حکام کا ہمسر مانند صاحب لوگوں کے سمجھیں سو نتیجہ اُن کی خبث طینت کا کہ مکر و دغا ہے یوں ظاہر ہے کہ اکثر حکام سوا فریبی دغاباز سمجھنے کے اُن کو کچھ اچھا نہیں جانتے ہیں اور اُن کی وضع اور چلن کو بالکل پسند نہیں کرتے ہیں اگرچہ بعض حکام ظاہر میں پادری منش اُن کی دل شکنی اس وجہ سے نہیں کرتے ہیں کہ خیال اُن کا یہ ہے کہ شاید اُن کے ذریعہ سے اہل اسلام کے عقاید میں کچھ فتور آ سکتا ہے اور اُن کے دلوں میں ہمارے مذہب کی طرف کچھ رغبت پیدا ہو سکتی ہے حالانکہ اس خیال کا وقوع میں آنا ہرگز ممکن نہیں ہے اس لئے کہ ان صاحبوں کی بے اعتباری نے اہل اسلام کی طبیعتوں میں اس طرح رسوخ نہیں پایا ہے کہ کوئی مسلمان کسی سچی رائے کو بھی اُن کے ذریعہ سے صحیح اور درست نہیں سمجھ سکتا ہے۔ بہرحال یہ اہالیان ہند کسی طرح اپنی مراد اس طریقے سے نہیں پا سکتے ہیں بلکہ اپنی بدنیتی سے خسر الدنیا والآخرۃ ہو سکتے ہیں انا للہ وانا الیہ راجعون"

اگرچہ اس تحریر کی وجہ لوگ اور ہی کچھ خیال کرتے ہیں مگر ہم اُن کی اسی بات کا کہ اُنہوں نے ہم کو اپنے ہم مذہبوں اور ہم وطنوں اور ہم قوموں میں شمار کیا شکر ادا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ع

عمرت دراز باد کہ ایں ہم غنیمت است

مگر جب ہم تھوڑی دور اور اس رسالہ کو پڑھتے جاتے ہیں تو پھر یہ فقرہ اپنی نسبت پاتے ہیں :-

"مفتی سعد اللہ صاحب کا فتوائے تکفیر میں جناب سید احمد خاں صاحب کے جو ترجمہ تاریخ پر مرتب ہوا ہے راقم کے پاس موجود ہے معلوم نہیں کہ سید احمد خاں صاحب کے حواریین اُس فتوے پر بھی ایمان رکھتے ہیں یا نہیں"

پہلے تو ہم گھبرائے کہ مفتی سعد اللہ صاحب کون مفتی ہیں جن کو ہم نے دلی میں دیکھا ہے اور یہ وہی مفتی سعد اللہ صاحب ہیں جنہوں نے لکھنؤ میں ایک بے کس مسلمان آل رسول ابن علی

ادا کرنے کی کیا کچھ طاقت ہے اور اگر ہماری قوم اس پر متوجہ ہو تو کس قدر اور زیادہ خوبی اور صفائی اور سادگی اس میں پیدا کر سکتی ہے ؛

یہ تو ہم نے سنا کہ بعض لوگوں نے ہمارے پرچہ کا نام تخریب الاخلاق اور تخریب الآفاق رکھا ہے جس طرح کہ ایک پرانی قوم نے قولوا حطة یغفر لکم خطایاکم و سنزید المحسنین کی جگہ حنطة پڑھا تھا مگر ہم نے کوئی تحریر بطور ریویو کے اس پر نہیں دیکھی جس میں بطور ایک عادل حاکم کے اس کی بھلائی برائی پر مفصل رائے دی ہو ؛

بعض دوستوں نے ہمارے پاس خط بھیجے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہماری تحریر کو اور سادگی عبارت کو پسند کرتے ہیں اور ہمارے مضمونوں کو بھی عمدہ سمجھتے ہیں۔ ہمارے ایک انگریز دوست نے ہم کو لکھا کہ تہذیب الاخلاق نے یہ ثابت کر دیا کہ اردو زبان میں بھی ہر قسم کے مضامین اور خیالات عمدگی اور سادگی سے ادا ہو سکتے ہیں اور یہ بھی ثابت کیا کہ مذہب اسلام ایسا تنگ و تاریک رستہ نہیں ہے جیسا کہ اب تک سمجھا جاتا تھا ؛

ہم کو اس بات کے معلوم ہونے سے بھی بڑی خوشی ہے کہ ہمارے مخالف ہمارے دوستوں سے بھی زیادہ اس پرچہ کے مشتاق رہتے ہیں اور اس سے بھی زیادہ خوشی یہ ہے کہ لوگ اس کے مضامین پر بحث کرتے ہیں اور ردّ و قدح پر متوجہ ہیں۔ بعض اخبار نویسوں نے ہمارے مضامین کے ردّ کرنے کا پیشہ اختیار کیا ہے اور بعض جگہ ہمارے مضامین پر بنظر تردید بحث کرنے کو مجلسیں مقرر ہوئی ہیں بعض صاحب اس بات پر متوجہ ہیں کہ اپنی پرانی ہی کملی کو ہر مجلس کے لایق ثابت کریں۔ کانپور و گورکھپور و مراد آباد سے ان مضامین کی تردید میں رسالے نکلے ہیں اور نکلنے والے ہیں۔ یہ تمام واقعات ہمارے لئے نہایت مبارک آثار ہیں کیونکہ اگر یہ سب باتیں معرض بحث میں نہ آتیں تو ہم کو اپنی تحریروں کے موثر ہونے کا کچھ بھی یقین نہ ہوتا جو عمارت بغیر گہرا کھودے بنتی ہے وہ جلد ڈھے جاتی ہے۔ وہی مسائل انجام کو ہر دلعزیز ہوتے ہیں جو بعد مباحثہ قایم رہتے ہیں۔ سونا اگر آگ میں نہ تایا جاوے تو کبھی نگر خوں کے گلے کا ہار نہ ہو۔ ہمارا قول ہے کہ "سچ میں بھی کوئی ایسی کرامات نہیں ہے کہ وہ از خود لوگوں کے دلوں میں بیٹھ جاوے۔ اس میں جو کچھ کرامات ہے وہ یہی ہے کہ مباحثہ کا اسے خوف نہیں "؛

ہم کو اس بات سے بھی خوشی ہوئی ہے کہ ہمارے پرچہ کا ایک مضمون ہمارے ملک کے نامی عربی اخبار النفع العظیم لاھل ھذا الاقلیم مطبوعہ ۱۴ ذیقعدہ میں بزبان عربی ترجمہ ہو کر چھپا ہے۔ اور مسٹر اڈیسن کا ایک مضمون امید پر جو ہم نے اپنی زبان اور اپنی طرز پر

باایں ہمہ ہم خود اپنے مخالفوں کے نہایت مداح و ثناخواں ہیں اور دل سے اُن کی تعریف کرتے ہیں کیونکہ ہم یقین کرتے ہیں کہ اُن میں سے اکثر صرف حمیت اسلامی کے سبب اور بعض اپنی جہالت اور اپنی خلقی سخت مزاجی اور کجرائی کے سبب ہماری مخالفت کرتے ہیں پس ہمارا اور ہمارے اکثر مخالفوں کا مطلب واحد ہے۔ ہم دونوں اسلام کے خیر خواہ اور اپنی قوم کی ترقی چاہنے والے ہیں صرف ہم میں اور ہمارے اُن مخالفوں میں اتنا فرق ہے کہ جو کچھ ہم نے سمجھا اور سوچا اور دیکھا ہے وہ اُنھوں نے سوچا سمجھا دیکھا نہیں۔ جب اُن کے دل کو بھی خدا وہ باتیں سوجھا دیگا جو ہم کو سوجھائی ہیں تو وہ بھی ہمارے ساتھ متفق ہو جاوینگے۔ زید ابن ثابت۔ ابو بکر صدیقؓ اور عمرؓ ابن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے جمع قرآن پر مخالفت ہی کرتے رہے جب تک کہ خدا نے زید ابن ثابت کے دل کو وہ باتیں نہیں سوجھائی جو ابو بکرؓ و عمرؓ کو سوجھائیں تھیں لیکن جب سوجھائیں تو اُنھوں نے بھی تسلیم کیا کہ واللہ خیر۔ پس ہم اپنے مخالفین کے لیئے یہی دُعا خدا سے مانگتے ہیں کہ اللھم اشرح صدورھم للذی شرحت لصدری۔ آمین ٭

ذکر پرچہ تہذیب الاخلاق

گذشتہ سال میں بسبب خاص ضرورتوں کے حالات مدرسۃ العلوم مسلمانان زیادہ تر اس پرچہ میں چھاپے گئے اس پر بھی بہت سے وہ مضامین بھی جن کے لیئے یہ پرچہ موضوع ہے مندرج ہوئے ٭

ہم نے اپنی قوم کی موجودہ بُرائی اور اُن کی آیندہ کی بھلائی جہاں تک کہ ہو سکی اُن کو دکھائی مذہبی نقائص جو اُنھوں نے یہود و نصاریٰ کی روایتوں سے اور ہندوؤں کے میل جول سے اختیار کیئے ہیں۔ بدرسم و رواج جو اُن میں شامت اعمال سے پڑ گئے ہیں۔ اخلاق کی بُرائیاں جو اُن میں خرابی تربیت سے آگئی ہیں۔ اُن کی کتب مروجہ تعلیم کی خرابیاں جس سے وہ کتابیں بے سُود ہو گئی ہیں سب کچھ اُن کو بتلایا ہے ٭

علم ادب اور علم انشاء سے بھی ہم نے غفلت نہیں کی کیونکہ ہم نے اپنے آرٹیکلوں کو اُس طرز جدید صاف و سادہ پر لکھا ہے جو دل میں سے نکلنے والی اور دل میں بیٹھنے والی ہے۔ اُس طرز پر لکھنے سے اپنی قوم کو موجودہ علم انشاء کی بُرائی کا بتلانا اور اُس میں تبدیل کی ضرورت کا ہونا سمجھایا ہے۔ اور اگر ہمارا خیال غلط نہ ہو تو ہم نے اپنی قوم میں اس کا کچھ اثر بھی پایا ہے ٭

ہم نے نامی یورپ کے عالموں اڈیسن اور اسٹیل کے مضامین کو بھی اپنی طرز اور اپنی زبان میں لکھا ہے جہاں کہ ہم نے اپنے نام کے ساتھ اے۔ ڈی اور ایس۔ ڈی کا اشارہ کیا ہے اور اپنی قوم کو دکھایا ہے کہ مضمون لکھنے کا کیا طرز ہے اور ہماری اُردو زبان میں اُن خیالات کے

اِس کا اثر تعلیم و تربیت پر

اِس میں کچھ شک نہیں کہ ہماری کوششوں نے مسلمانوں کی تعلیم پر اثر نمایاں کیا ہے
اب جس مسلمانی مدرسہ میں جاتے ہیں اور جن طالب علموں سے ملتے ہیں اتنی بات تو ضرور سُنتے
ہیں کہ جو طریقہ تعلیم بالفعل مقرر ہے وہ بلا شبہ تبدیل کے لایق ہے۔ بہت سی کتابیں ایسی درس
میں داخل ہیں جن سے عمر ضایع ہوتی ہے۔ بعض علوم ایسے پڑھائے جاتے جو نہ دین کے کام
کے ہیں نہ دُنیا کے۔ جو شخص کہ فارغ التحصیل ہو گیا ہو اگر اُس کے حال پر غور کرو تو صاف معلوم
ہوگا کہ دین کے کام کا ہونا تو معلوم دنیا کے بھی کسی کام کا نہیں ہوا ؁

بہت سے لوگوں کی خواہش معلوم ہوتی ہے کہ کسی طرح علوم و فنون جدید چُپکے سے
اُن کے ہاتھ آجاویں مگر شرماتے ہیں اور علانیہ اُن کی خواہش کرنے میں اپنی مولویت اور
قدوسیت کی کسادبازاری سمجھتے ہیں ؁

جابجا مُسلمانوں کے مدرسے قایم ہوتے جاتے ہیں اور ہر جگہ اُن کے قایم کرنے کا چرچا
ہے۔ مولوی محمد سخاوت علی صاحب نے جن کی برکت سے قصبہ انبہٹہ ضلع سہارن پور میں
ایک مُسلمانی مدرسہ قایم ہوا ہے ہمارے ایک دوست سے فرمایا کہ "اگر چہ پہلے بھی ہم کو اپنی
قوم کی بھلائی کی فکر تھی مگر کوئی تقاضا کرنے والا اور بار بار جگانے والا نہ تھا۔ اَب پرچہ تہذیب
الاخلاق نے یہاں تک چونکنا اور آگاہ کیا جس کے سبب اِس قصبہ میں بھی ایک مدرسہ قایم ہوگیا
خدا اِس پرچہ تہذیب الاخلاق کو ہمارے لئے ہمیشہ مبارک رکھے اور شیخ نظام الدین صاحب
مہتمم مدرسہ کی نیت میں بھی ترقی ہو جو میرے ساتھ بدل متفق ہیں ؁

یہ بھی اُنہوں نے فرمایا کہ ہمارے مدرسہ انبہٹہ کو اور ہمارے ضلع کے کُل مدارس دیوبند
سہارنپور۔ گنگوہ کو بڑی تسلی ہے کہ یہ سب مدرسے اُس مدرستہ العلوم مسلمانان سے جس کے
قایم کرنے کی کوشش ہو رہی ہے مستفیض ہونگے گویا علیگڈھ ہمارے مدرسوں کے طلباء کا
قصر اُمید ہے۔ اگر در حقیقت ہم اپنی ترقی کرینگے تو وہ قصر ہمارے ہی لئے ہے۔ پس کس قدر
ہم کو اِس کے بانیوں کا شکر گذار ہونا چاہیئے"۔ سب سے اخیر مدرسہ جو ہماری تحریروں کے
اثر سے قایم ہوا وہ مدرسہ ایمانیہ لکھنؤ ہے جس میں بشمول دیگر علوم معینہ کے مذہب شیعہ اثناعشریہ
کی بھی تعلیم ہوتی ہے اور اِس سے خیال ہوتا ہے کہ ہماری کوششوں نے شیعہ اور سُنّی دونوں
کے دل کو جگا دیا ہے ؁

اگر چہ ہم اپنی رائے میں اِن مدرسوں سے اِن فواید کے حاصل ہونیکی توقع نہیں رکھتے جن کی

چھپا یا تھا وہ دوسری طرح پر بطور ترجمہ پٹیالہ اخبار مطبوعہ ۲۰ جنوری ۱۸۷۲ء میں چھپا ہے اور
اس سے ہم کو اُمید ہوتی ہے کہ جو راہ ہم اپنے بھائیوں کو دکھانے چاہتے ہیں وہ اُس کو
پسند بھی کرتے ہیں ؎

در دلش تسلیم و برلب حرف انکار وصال
گوش گو بد بشنود چوں دل ز انداز ش خوش است

اثر تہذیب الاخلاق کا دلوں پر

اگرچہ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس پرچہ نے لوگوں کے دلوں پر بہت کچھ اثر کیا مگر اتنا تو ضرور
کہتے ہیں کہ کچھ تو اثر کیا ہے۔ ہماری قوم کے دِل جو مردہ ہو گئے تھے اُن میں ایک تحریک تو ضرور
آگئی ہے۔ ہر ایک دل میں کسی نہ کسی بات کا جوش ہے۔ کوئی اُس کے مضامین ہی کی تردید کی
فکر میں ہے۔ کوئی ہماری تکفیر کی دُھن میں ہے۔ کوئی ہماری تحریروں کو سراہتا ہے۔ کوئی اُن
سراہنے والوں کو لعنت و ملامت کرتا ہے۔ مگر ایک نہایت خوشی کی بات یہ ہے کہ بہت
لوگوں کو یہ خیال ہو گیا ہے کہ بلاشبہ ہماری قوم خراب ہوتی جاتی ہے اُس کے لئے کچھ
کرنا چاہیئے۔ اگر درحقیقت ہماری تحریروں نے ایسا اثر کیا ہو تو ہم کو یقین کرنا چاہیئے کہ
ہماری مراد حاصل ہو گئی ٭

ہمارے ایک دوست نے ہم سے نقل کی کہ ضلع سہارنپور میں ہمارے حال پر بحث ہو رہی
تھی ایک شخص نے کہا کہ اُس کے مسلمانوں کے دوست ہونے میں تو کچھ شک نہیں مگر نادان
دوست ہے۔ ایک صاحب نے کہا کہ ہے تو وہ کرستان مگر ہماری قوم کی بھلائی اور ترقی اگر
ہو گی تو اُسی کرستان سے ہو گی۔ یہ نقل سُن کر میں نہایت خوش ہوا اور میں نے کہا کہ اگر درحقیقت
مجھ سے ایسا ہو تو اس کرستانی کے خطاب پر ہزار مسلمانی نثار ہے ؎

قسمت نگر کہ کشتۂ شمشیر عشق یافت
مرگے کہ زندگاں بدعا آرزو کنند

صائب نے خود ایک ناواقف شاعر سے پوچھا کہ صائب کیسا شعر کہتا ہے۔ اُس نے
نہایت دلی جوش سے کہا کہ آں قرمساق ہمہ خوش میگوید۔ صائب کہتا ہے کہ جیسی عزت مجھ کو
قرمساق کے لفظ سے حاصل ہوئی اعلےٰ سے اعلےٰ خطاب سے بھی ممکن نہیں۔ اسی طرح
خدا کرے کہ یہ لفظ کرستان میرے لئے عزت قومی کا باعث ہو ٭

اندرونی نیکیوں کی جانب کسی قدر متوجہ ہیں الا رسوم آبائی کے اس قدر پابند ہیں اور بدعات محدثہ کے اِس قدر پیرو ہیں کہ رومن کیتھلک کے قدم بقدم ہو گئے ہیں بلکہ اُن کو بھی مات کر دیا ہے پس یہ دونوں باتیں ہمارے مقصود کی بارج ہیں اور ہم ان دونوں باتوں کو اپنے سچے دل سے مذہب اسلام کے بھی برخلاف سمجھتے ہیں اور ترقی تہذیب مسلمانوں کا بھی مانع قوی جانتے ہیں اور اِس لئے مُسلمانوں میں جہاں تک کہ یہودیت اور رومن کیتھلکیت آگئی ہے اُس کو مٹانا اور دُور کرنا چاہتے ہیں اور یقین کرتے ہیں کہ بغیر سچا اسلام بے میل اختیار کئے کسی چیز کی بھلائی ممکن نہیں ٭

رسومات کو اور خصوصاً مذہبی رسومات کو مٹانا کچھ آسان کام نہیں ہے اور نہ ہم کو کچھ توقع ہے کہ ہم اس میں کچھ کر سکتے ہیں مگر تاہم لوگوں کو اُس سے متنبہ کرتے جاتے ہیں اور کیا عجب ہے کہ کوئی دل نرم بھی ہوا ہو یا آیندہ ہو ٭

ہم کو ہمارے شفیق نیچرل اسٹ یا دہریہ کہتے ہیں اس سبب سے کہ ہم نے اپنی تصنیفات میں یہ دعوےٰ کیا ہے کہ جو مذہب نیچر کے برخلاف ہے وہ صحیح نہیں ہے اور اُسی کے ساتھ اپنا یہ یقین بھی ظاہر کیا ہے کہ ٹھیٹ مذہب اسلام جبکہ وہ بدعات محدثہ سے پاک ہو بالکل نیچر کے مطابق ہے اسی لئے کہ وہ سچا ہے اور اِس لئے وہ سچا ہے۔ اگر یہی وجہ ہمارے دہریہ ہونے کی ہو تو ہم پکے دہریہ سہی۔ بلاشبہ ہمارا یہ دلی عقیدہ ہے کہ نیچر خدا کا فعل ہے اور مذہب اُس کا قول اور سچے خدا کا قول و فعل کبھی مخالف نہیں ہو سکتا اس لئے ضرور ہے کہ مذہب اور نیچر متحد ہو اور بلاشبہ یہ بھی ہمارا اعتقاد ہے کہ انسان بہ سبب ذی عقل ہونے کے احکام مذہبی کا مکلف ہوا ہے پس اگر وہ احکام عقل انسانی سے خارج ہوں تو معلول خود اپنی علت کا معلول نہ ہو گا ہاں یہ بات ممکن ہے کہ وہ احکام ہماری تمہاری عقل سے خارج ہوں الا عقل انسانی سے خارج نہیں ہو سکتے اور زمانہ جوں جوں انسان کی عقل و علوم کو ترقی دیتا جاوے گا ووں ووں اُن کی خوبی زیادہ منکشف ہوتی جائیگی مگر یہ اُسی وقت ہو گا جبکہ تقلید کی پٹی آنکھوں سے کھلی ہوگی ورنہ کولھو کے بیل کی طرح بجز دن رات پھرنے اور کچھ نہ جاننے کے اور کچھ نہ ہو گا ٭

کوئی مذہب ایسا دُنیا میں نہیں ہے جو دوسرے مذہب پر گو وہ کیسا ہی باطل کیوں نہ ہو اپنی ترجیح بھمہ وجوہ ثابت کر دے مگر یہ رتبہ صرف اُسی مذہب کو حاصل ہے جو نیچر کے مطابق ہے اور میں یقین کرتا ہوں کہ وہ صرف ایک مذہب ہے جس کو میں ٹھیٹ اسلام کہتا ہوں اور جو بدعات محدثات سے اور غلط خیال اجماع سے اور خطاء اجتہادات سے اور ڈھکوسلہ قیاسات سے اور شکنجہ اصول فقہ مخترعہ سے مبرا و پاک ہے۔ پس میں تو اپنے تئیں بڑا حامی اسلام سمجھتا ہوں گو سارا زمانہ مجھ کو دہریہ کیوں نہ سمجھے ٭

ہم خواہش رکھتے ہیں۔ اس لئے ہم کو اُن کے قایم ہونے سے چنداں خوشی نہیں ہے مگر تاہم اس بات سے نہایت خوشی ہے کہ لوگوں کو اس طرف توجہ تو ہوئی وہ کچھ کرنے تو لگے کیا عجب ہے کہ رفتہ رفتہ اُس راہ پر بھی جا پڑیں جو فی الحقیقت سیدھی اور ٹھیک ہے اور جس راہ سے منزل مقصود پر پہنچنا ممکن ہے ناہ سے ہاں تو شروع ہوئی ⁂

یہ بھی ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ ان مدرسوں کے اخراجات میں بھی نہایت دل سے مدد کرتے ہیں اور اُن کا قایم رہنا دل سے چاہتے ہیں گو ہم اُن کے اس شوق اور اس فیاضی کو نقش بر آب اور ایک نہایت حقیر خصلت انسانی سمجھتے ہیں جس کو ہم خودغرضی کہتے ہیں کیونکہ وہ لوگ بسبب اُن مقدس مولویوں کے جو اُن مدرسوں میں مصروف ہیں اور اُن کی قدوسیت کا خیال لوگوں کے دلوں میں جما ہوا ہے اور نیز اس خیال سے کہ مذہبی کتابوں اور قرآن و حدیث اور عربی پڑھانے میں روپیہ روٹی اناج بھس دینے میں بڑا ثواب ہوگا اُن مدرسوں میں روپیہ دیتے ہیں اور مدد کرتے ہیں یہ کرنا کچھ کرنے میں داخل نہیں ہے اور اس سے قومی عزت حاصل نہیں ہوتی ہے اور اسی سبب سے ہم اس کی نہ کچھ زیادہ قدر سمجھتے ہیں اور نہ خوش ہوتے ہیں ہاں اُس دن خوش ہونگے جبکہ ہماری قوم نہ خدا کے واسطے اور نہ اپنے ثواب کے لئے بلکہ صرف اپنی قوم کے لئے کوشش کریگی اور کہیگی کہ میں اپنے ہاتھ۔ اپنے پاؤں۔ اپنی جان۔ اپنی محنت۔ اپنے روپیہ کے بدلے نہ خدا کو خریدنا چاہتا ہوں نہ بہشت کو بلکہ اپنی قوم کو۔ جبکہ اس طرح بلا خیال اپنے ذاتی نفع دینی و دنیوی کے لوگ اپنی قوم کی بھلائی پر متوجہ ہونگے اُس وقت البتہ ہم کو خوشی ہوگی۔ لیکن یہ بھی غنیمت ہے جو ہو رہا ہے اور اُمید ہے کہ آیندہ اور بھی اچھا ہو ⁂

اثر مذہبی خیالات پر

اس پرچہ میں ہم کو عقاید و مسائل مذہبی سے بحث کرنا مقصود اصلی نہیں ہے مگر چونکہ مسلمانوں نے مثل ہندوؤں کے مذہب اور تمدن و معاشرت کو متحد سمجھ رکھا ہے اس لئے یہ مجبوری اُن مسائل مذہبی سے بحث آجاتی ہے جو ہمارے مقصود سے علاقہ رکھتے ہیں ⁂

مگر ہماری قوم عجیب حالت مذہبی میں گرفتار ہے۔ ہم اہل سنت و جماعت کا ذکر کرتے ہیں جن کے دو فرقے القاب وہابی و بدعتی سے ملقب ہیں۔ پہلے حضرت بلاشبہ عقاید میں نہایت درست اور قریب حق کے ہیں الا ظاہری افعال اور سختی اور سنگدلی اور قساوت قلبی اور تعصب پر اس قدر سرگرم ہیں کہ اندرونی نیکی ایک بھی اُن میں نہیں رہی اور ٹھیک ٹھیک وہی حال ہے جو علماء یہود کا تھا جو دن رات ظاہری رسومات مذہبی میں مبتلا تھے اور دوسرے حضرت اگرچہ

معدوم کرسکتے ہیں۔ اگر وہ اس کام کے انجام کے لایق ہیں تو مجھ کو اُس سے علیحدہ کرکر خود آپ تمام کام اپنے اختیار میں لے سکتے ہیں اور میں بخوشی و منّت و احسان مندی اِس بوجھ سے سبکدوش ہوسکتا ہوں بشرطیکہ اور کوئی اُس کو انجام دے پھر مخالفت معنی چہ حقیقت میں یہ نشان بداقبالی اور ہماری قوم سے خدا کی ناراضی کا ہے کہ نہ خود آپ اپنی قوم کے لئے کچھ کرتے ہیں اور نہ کرسکتے ہیں اور نہ اُس کی سمجھ رکھتے ہیں اور جو دوسرا کوئی کرتا ہے تو اُس میں وسوسے ڈالتے ہیں ؂

اُن مخالفت کرنے والوں کو اگر ہم یہ دیکھتے کہ اپنے ذاتی امور اور روزمرّہ کے برتاؤ میں نہایت پابند شریعت اور متبع سنّت ہیں تو جو کچھ وہ کہتے ہم سر جھکا کر سُنتے مگر جب ہم دیکھتے ہیں کہ اپنے ذاتی معاملات میں تو سب کچھ روا ہے تو پھر ہم ایسے مہمل اور بے مغز گندم نما جو فروش باتوں کو پسند نہیں کرتے ؂

اگر ہم دیکھتے کہ ہمارے مخالف قومی ہمدردی اور قومی عزّت کے جوش میں سرگرم ہیں اور مدرسۃ العلوم مسلمانان کے قایم ہونے میں عرق ریزی کر رہے ہیں مگر مدرسہ میں لال ترکی ٹوپی اور انگریزی جوتہ پہنانے سے ناراض ہیں ہم خود شرمندہ ہوتے اور کہتے کہ گو وہ غلطی پر ہیں مگر اُن کی کوشش اور ہمدردی قومی اُس کی مقتضی ہے کہ اُن کی خاطر سے طالب علموں کو تہبند باندھنے اور نعلین پہننے کا مدرسہ میں حکم دیا جاوے مگر جب ہم دیکھتے ہیں کہ ہمدردی کا ان میں نشان نہیں۔ قومی عزّت کا اُن کو خیال ہی نہیں بجز مخالفت کے (جو ہم نہ کسی کینہ و عداوت سے بلکہ بمقتضائے طبیعت کے) اور کچھ نہیں تو ہم یقین کرتے ہیں کہ وہ بولیاں ہمارے مخالف نہیں بولتے بلکہ مسلمانوں کی بداقبالی اور اُن کا ادبار چہچہا رہا ہے ؂

ہم ان تمام مخالفتوں سے کچھ اندیشہ نہیں کرتے اور خدا سے اپنی استقامت چاہتے ہیں اور یقین کرتے ہیں کہ اگر خدا نے ہم کو استقامت بخشی تو ہم ضرور انشاءاللہ العزیز اس کام کو پورا کرینگے ؂

اے ناخداترس مسلمانو تم اتنی ہی سی بات پر غور کرو کہ اگر ہماری قومی سعی سے ہمارا یہ قومی دارالعلوم قایم ہوجاوے تو بمجرد اُس کے قایم ہونے کے بلا انتظار اُس کے فوایدِ عظیمہ کے تمام دنیا میں اور تمام دنیا کی قوموں میں اور خصوصاً سولیزڈ قوموں اور سولیزڈ ملک میں ہماری قوم کی کس قدر عزّت قایم ہوگی اور ہماری قوم کو اِس کام کے انجام پر کیسا کچھ فخر ہوگا ورنہ وہی انڈین آبزرور میں آرٹیکل لکھنے والے کا قول صادق آویگا کہ سؤر کے بالوں سے کوئی ریشم نہیں بنا سکتا۔ اے خدا تو ہماری مدد کر۔ آمین ؂

اے بھائیو! ابھی پچھلے پرچہ میں طریقہ انتظام و سلسلہ تعلیم مسلمانان مشتہر ہوا ہے تم اُس کو

نمیگریم دریں گلشن گل و باغ و بہار از من
بہار از یار و باغ از یار و گل از یار و یار از من
نمیدانم نمیع گریہ مطلب چیست ناصح را
دل از من دیدہ از من آستیں از من کنار از من

ذکر مدرستہ العلوم مسلمانان

اِس سے زیادہ عجیب بات کونسی ہوگی کہ ہم نے جو مسلمانوں کی ترقی تعلیم و تربیت کے لئے مدرستہ العلوم کی بنا ڈالی ہے اُس میں بھی ہمارے چند ہموطنوں نے ہم سے مخالفت کی ہے۔ ہمارے مخدوم مولوی حاجی سید امداد العلی صاحب بہادر ڈپٹی کالکٹر کے مرسلہ رسالہ میں لکھا ہے کہ "میرا گمان یہ ہے کہ کوئی مسلمان کسی سچی رائے کو بھی اُن کے (یعنی مجھ گنہگار کے) ذریعہ سے صحیح اور درست نہیں سمجھ سکتا" اگر درحقیقت مسلمانوں کا یہی حال ہو تو وائے بر مسلمانی و وائے بر مسلماناں۔ نیک طینت آدمیوں کا یہ کام نہیں ہے وہ تو بدوں میں بھی جو نیک بات ہوتی ہے اُس کو پسند کرتے ہیں بلکہ در و دیوار سے نصیحت لیتے ہیں۔ کما قال ؎

مرد باید کہ گیرد اندر گوش
در نوشت است پند بر دیوار

ہمارے مکرم معظم جناب مولوی علی بخش خاں بہادر سب آرڈینیٹ جج گورکھپور نے اپنے رسالہ شہاب ثاقب کے صفحہ ۳۴ میں لکھا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ شیطان کے شاگرد ہوئے اور عمل آیۃ الکرسی کا اُس سے سیکھا (نعوذ باللہ منہا) پس اے میرے بھائیو میں ملحد۔ مرتد۔ زندیق۔ کافر۔ کرسٹان۔ شیطان سہی مگر جو اچھی بات بتاؤں اور تمہارے فائدہ کی بات کہوں۔ دل سوزی سے تمہاری ہمدردی کروں میری وہ بات تم کیوں نہ مانو۔ حضرت ابوہریرہ نے تو نعوذ باللہ منہا شیطان سے بھی نیک کام سیکھنے میں عار نہیں کی سبحان اللہ کیا شان اسلام رہ گئی ہے کہ جو شخص اِن باتوں پر یقین کرے وہ تو پکا مسلمان اور جو یہ کہے کہ میاں وہ حدیث ثابت نہیں ہے یا وہ کوئی چور شیاطین الانس میں سے ہوگا تو نیچرل است کافر کرسٹان ؎

گر مسلمانی ہمیں است کہ واعظ دارد
وائے گر در پس امروز بود فردائے

کیا اِس سے زیادہ بدقسمتی اور بداقبالی۔ کم نصیبی مسلمانوں کی ہوسکتی ہے جو ایسے عمدہ کام یعنی مدرستہ العلوم کے قایم ہونے میں مخالفت کرتے ہیں۔ اگر اُن کی مخالفت میری ذات کے سبب سے ہے تو کیسی نادانی ہے کہ ایک شخص کے سبب جو یقینی ایک دن نابود ہونے والا ہے ہمیشہ کے لئے اپنی تمام قوم کے ساتھ دشمنی کرتے ہیں۔ اگر انتظامی امور اور فروعی باتوں میں مجھ سے مختلف الرائے ہیں تو اپنی رائے کی خوبی اور عمدگی ثابت کر کر بغلبہ رائے ممبران کمیٹی میری رائے کو

میں وہ سب حال چھاپینگے۔ علاوہ اس کے جو عام نتیجہ کمیٹی مسلمانان کے مباحثہ سے ہندوستان کو
ہوا وہ یہ ہے کہ گورنمنٹ نے تسلیم کر لیا کہ جو تعلیم ہندوستان کی یونیورسٹیوں کی تھی وہ کافی نہ تھی اہل ہند
کو اور زیادہ تعلیم دینی چاہیئے چنانچہ اس کے لئے خاص کمیٹی بیٹھی ہے جو اُس کا تصفیہ کریگی پس
ہمارے ہموطن بھائی ہندو بھی ہماری کمیٹی کے ممنون احسان ہیں۔ علاوہ اس کے سب سے بڑا
فائدہ ہماری کوششوں کا یہ ہوا ہے کہ گورنمنٹ نے تمام علوم و فنون کی کتابوں کا جن کی
فہرست ہم نے مشتہر کی تھی دیسی زبان میں ترجمہ کرنے کا حکم دیا ہے اور اُمید ہے کہ ہمارا مُلک
آیندہ نسلوں تک اِن کوششوں کے فائدوں کو یاد رکھیگا ❊

مُہذّب قوموں کی پیروی

چھوٹا بچہّ اپنے سے بڑے لڑکے کی باتوں کی پیروی کرتا ہے اور کم سمجھ والا اُس کی جس کو وہ
اپنے سے زیادہ سمجھ دار سمجھتا ہے اور ناواقف اُس کی جس کو وہ اپنے سے زیادہ واقف کار جانتا
ہے اسی طرح نا مہذّب قوم کو تہذیب یافتہ قوم کی پیروی کرنی ضرور پڑتی ہے۔ مگر بعضی دفعہ یہ پیروی
ایسی اندھا دھندی سے ہوتی ہے جس سے بجائے اِس کے کہ اُس پیروی سے فائدہ
اُٹھاویں اُلٹا نقصان حاصل ہوتا ہے اور جس قدر ہم نا مہذّب ہوتے ہیں اُس سے اور زیادہ
ناشایستہ ہو جاتے ہیں ❊

نا مہذّب آدمی جب تربیت یافتہ قوم کی صحبت میں جاتا ہے تو اُن لوگوں کو بہت عُمدہ
پاتا ہے اور ہر بات میں اُن کو کامل سمجھتا ہے۔ ہر جگہ اُن کی تعریف سُنتا ہے مگر اُن میں جو خراب
عادتیں ہیں اُن کو بھی دیکھتا ہے مثلاً شراب پینا جُوا کھیلنا وغیرہ۔ پس یہ شخص ان باتوں کو بھی
اُن کے کمالوں ہی میں تصوّر کر لیتا ہے۔ اُن میں جو خوبیاں اور کمالات درحقیقت ہیں اُن کو
تو وہ حاصل نہیں کرتا اور نہ حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے مگر جو بُری باتیں اُن میں ہیں اُن کو
بہت جلد سیکھ لیتا ہے ❊

ایسا کرنا درحقیقت اس آدمی کی غلطی ہے کہ اُس نے اُن کے نقصوں کو اُن کا کمال سمجھا
ہے۔ وہ لوگ بسبب کسی دوسرے کمال ولیاقت اور خوبی کے جو اُن میں ہے اور بسبب دوسری
عُمدہ خصلتوں کے جو اُنھوں نے حاصل کی ہیں مہذّب و شایستہ کہلاتے ہیں نہ بسبب اُن
باتوں کے جن کو اُس نے سیکھا ہے۔ بلاشبہ مہذّب آدمیوں کی بُرائیاں اُن کی بہت سی

بخوبی غور کرو اور سمجھو کہ کیا بغیر اُس طریقہ کے ہماری قوم میں اعلےٰ درجہ کی تعلیم پھیل سکتی ہے اور کیا بغیر اُس طریقہ کی تعلیم کے قومی عزت حاصل ہو سکتی ہے اور کیا ان ٹٹپونجیوں عربی مدرسوں سے جو جابجا قایم ہوئے ہیں جن کے طالب علم مسجدوں میں پڑے ہوئے مانگ کر ٹکڑے کھاتے ہیں ہماری قوم کو کچھ فائدہ اور ہماری قومی عزت ہونے والی ہے۔ حاشا و کلا۔ میری غرض اس تقریر سے اُن مدرسوں کی ہجو کرنا نہیں جن کو نیک آدمیوں نے اپنی نیک دلی اور سچی نیت سے قایم کیا ہے اور نہ میری یہ خواہش ہے کہ اُن میں کچھ فتور آوے بلکہ اس تقریر سے میرا مطلب اپنی قوم کو اس بات سے آگاہ کرنا ہے کہ جو کچھ تم نے کیا ہے اور کرتے ہو اُس سے بہت کچھ زیادہ تم کو کرنا ہے خدا ہم سب کو اُس کے انجام کی توفیق دے اور پھر خود اُس کو انجام دے۔ آمین *

یہ بات بھی کچھ کم تعجب کی نہیں ہے کہ ہمارے مُلک کے بعض اخباروں نے بھی (خصوصاً جن کے ایڈیٹر مُسلمان تھے اور جن کا فرض اپنی قومی ترقی میں کوشش کرنا تھا) اس مدرستہ العلوم سے کافی مخالفت کی ہے گو اُس کا کچھ اثر ہوا ہو یا نہ ہوا ہو مگر انہوں نے اپنے مُلک اور اپنی قوم کے لئے ایک تدبیر ہونے میں بلاشبہ بلند نامی حاصل کی ہے۔ بااین ہم ہمارے مُلک کے بہت سے نامی اخباروں نے ہمارے ساتھ صرف اپنی قومی خیر خواہی اور پیٹریاٹزم کے جوش سے ہمدردی بھی کی ہے پس ہم اُن اخباروں کا اور اُن کے ایڈیٹروں کا جن میں سے ہم کو پنجابی اخبار لاہور اور کلکتہ اُردو گائیڈ اور پٹیالہ اخبار اور علیگڈھ سین ٹیفک سوسیٹی اخبار اور اودھ اخبار کا نام لینا چاہیئے دلی شکریہ ادا کرتے ہیں *

درحقیقت ہم اودھ اخبار کے اُس آرٹکل کے جو اُس کے ایڈیٹر عالی قدر نے نہایت نیکی اور صاف دلی محبت قومی سے اپنے اخبار مطبوعہ ۲۱- جنوری ۱۸۷۳ع میں چھاپا ہے بہت کچھ ممنون ہیں *

ہم اپنے مُلک کے اسٹیٹ پیپر پایونیر الہ آباد کی مہربانیوں کو کبھی بھول نہیں سکتے جس نے ہمیشہ وقتاً فوقتاً ہمارے مدرستہ العلوم کے حالات مشتہر کرنے سے ہماری بڑی مدد کی ہے *

ذکر ترقیات دیگر

جو کچھ کہ پچھلے برسوں میں کمیٹی مسلمانان نے کوشش کی اُس کا بڑا نتیجہ خاص مُسلمانوں کے حق میں یہ ہوا ہے کہ گورنمنٹ مدراس و بنگال و بمبئی نے نسبت ترقی تعلیم مُسلمانان خاص خاص احکام جاری کئے ہیں جس کے لئے تمام مسلمانوں کو شکر ادا کرنا چاہیئے چنانچہ تینوں گورنمنٹوں نے اپنی مہربانی سے تمام کاغذ جو اُس سے متعلق ہیں ہم کو مرحمت فرمائے ہیں چنانچہ ہم آیندہ کسی پرچہ

۲- لیس الاسترقاق فی الاسلام *

۳- لا وجود للسمٰوات جسمانیًا *

۴- ما کان الطوفان عاما *

۵- الاجماع لیس بحجة *

۶- التقلید لیس بواجب *

۷- کل الناس مجتہدون لانفسہم فیما لم ینصص فی الکتاب والسنة *

۸- کل ما نزل من القرآن فہو ما بین الدفتین *

۹- ما نسخت تلاوة آیة من آیات القرآن *

۱۰- لیس النسخ فی القرآن *

۱۱- لیس خلافة النبوة بعد النبی صلعم *

اختتام سال ۱۲۹۰ ہجری و شروع سال ۱۲۹۱ ہجری

از بندہ خضوع و التجا می زیبد — بخشایش بندہ از خدا می زیبد
گر من کنم آنکہ آں مرا نازیباست — تو کن ہمہ آنکہ آں ترا می زیبد

الحمد للہ کہ سنہ نوّے پورا ہوا اور سنہ اکیانوے شروع ہو گیا۔ ہمارے اِس پرچہ کو جاری ہوئے سوا تین برس ہو گئے *

پچھلا سال بھی خندہ گُل و نالہ بلبل سے خالی نہیں گیا۔ ہمارے آہ و نالہ نے بدستور غلغلہ رکھا اور ہمارے ناصحانِ شفیق کا بھی شور و ضعف کم نہ ہوا ؎

حُسن شہرت عشق رسوائی تقاضا میکند
جرم معشوق و گناہِ عاشق بیچارہ نیست

ناصحانِ شفیق نے ہم کو کبھی کچھ کہا اور کبھی کچھ۔ آخر کار ہم کو کافر و ملحد ٹھہرا ہی دیا۔ دُور و نزدیک کے مولوی صاحبوں سے کُفر کے فتووں پر مُہریں چھپوا ہی منگوائیں اور ہمارے کُفر پر ہمارے ناصح شفیق جناب مولوی حاجی امداد العلی صاحب نے ایک رسالہ چھاپ ہی دیا اور امداد الآفاق اُس کا نام رکھا۔ بھلا اور کچھ ہوا یا نہ ہوا بچارے غریب چھاپے والے کو تو فائدہ ہو گیا *

اسی سال میں ہماری تحریرات کی تردید میں مولانا علی بخش خان بہادر نے (جو اُمید ہے کہ

خوبیوں اور کمالوں کے سبب چھپ جاتی ہیں اور لوگ اُن پر بہت کم خیال کرتے ہیں تاہم وہ برائیاں کچھ ہنر نہیں ہو جاتیں بلکہ جو بُرائی ہے وہ بُرائی ہی رہتی ہے گو کہ ایک مہذب قوم ہی میں کیوں نہ ہو *

ہم کو یاد رکھنا چاہئے کہ کوئی قوم وہ کیسی ہی عمدہ اور مہذب ہو مگر جو بُرائیاں اُس میں ہیں وہ اُس کے وصف نہیں ہیں بلکہ اُن کے کمال کی کمی ہے جس کی پیروی ہم کو کرنی نہیں چاہئے اگر ایک خوبصورت آدمی کے مُنہ پر ایک مسّہ ہو تو ہم کو خوبصورت بننے کے لئے ویسا ہی مسّہ اپنے مُنہ پر نہ بنانا چاہئے کیونکہ وہ مسّہ اُس کی خوبصورتی نہیں ہے بلکہ اُس کی خوبصورتی کا نقصان ہے۔ ایسی حالت میں ہم کو یہ خیال کرنا مناسب ہے کہ اگر یہ مسّہ بھی اُس کے مُنہ پر نہ ہوتا تو کتنا اور خوبصورت ہو جاتا *

ہم بلاشبہ اپنی قوم کو اپنے ہم وطنوں کو سولیزڈ قوم کی پیروی کی ترغیب کرتے ہیں مگر اُن سے یہ خواہش رکھتے ہیں کہ اُن میں جو خوبیاں ہیں اور جن کے سبب وہ معزز اور قابل ادب سمجھی جاتی ہیں اور سولیزڈ شمار ہوتی ہیں ان کی پیروی کریں نہ اُن کی باتوں کی جو اُن کے کمال میں نقص کا باعث ہیں *

اسی سبب سے جبکہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ہماری قوم نے کسی سولیزڈ قوم کی عمدہ خصلتوں اور عادتوں میں پیروی کی تو ہم کو بہت خوشی ہوتی ہے اور جب یہ سُنتے ہیں کہ اُس نے اُن کی بُرائیوں کی پیروی کی اور شراب پینی شروع کی اور پکا متوالا ہو گیا اور جُوا کھیلنا سیکھا اور بے قید ہو گیا تو ہم کو نہایت افسوس ہوتا ہے۔ ہم اُمید کرتے ہیں کہ ہماری قوم عمدہ باتوں کو سیکھیگی اور بُری باتوں کو ہمیشہ بُرا سمجھیگی *

مسائل متفقہ

باوجود اتحاد قلبی کے پیارے مہدی کو ہم سے متعدد مسائل میں اختلاف ہے جیسا کہ ہمارے پرچہ تہذیب الاخلاق کے ناظرین کو اُن کی تحریروں سے ظاہر ہوا ہوگا مگر مفصلہ ذیل وہ مسائل ہیں جن میں ہمارے مخدوم مولوی مہدی علی صاحب کو بھی ہم سے اتفاق ہے۔ شیطان کا مُنہ کالا انشاء اللہ تعالےٰ آیندہ اور مسائل میں بھی بعد تحقیق و تدقیق وہ مُتفق ہونگے *

۱۔ لا تحریف فی الکتب المقدسة الا معنویا *

اوّل۔ خدائے واحد ذوالجلال ازلی وابدی خالق وصانع تمام کائنات کا ہے ❖

دوم۔ اُس کا کلام اور جس کو اُس نے رسالت پر مبعوث کیا اُس کا کلام ہرگز خلاف حقیقت اور خلاف واقع نہیں ہو سکتا ❖

سوم۔ قرآن مجید بلاشُبہ کلام الٰہی ہے۔ کوئی حرف اُس کا نہ خلاف حقیقت ہے اور نہ خلاف واقع ❖

چہارم۔ قرآن مجید کی اگر کوئی آیت ہم کو بظاہر خلاف واقع یا خلاف حقیقت معلوم ہو تو دو حال سے خالی نہیں یا تو اُس آیت کا مطلب سمجھنے میں ہم سے غلطی ہوئی ہے یا جس کو ہم نے حقیقت اور واقع سمجھا ہے اُس میں غلطی کی ہے۔ اِس کے برخلاف کسی مفسر یا محدث کا قول ہمارے نزدیک قابل تسلیم نہیں ہے ❖

پنجم۔ جس قدر کلام الٰہی جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلّم پر نازل ہوا وہ سب بین الدفتین موجود ہے ایک حرف بھی اُس سے خارج نہیں ہے۔ اس لئے کہ اگر ایسا مانا جاوے تو کوئی ایک آیت بھی قرآن مجید کی بطور یقین قابل عمل نہ ہو گی کیونکہ ممکن ہے کہ کوئی ایسی آیت خارج رہ گئی ہو جو آیات موجودہ بین الدفتین کے برخلاف ہو ❖

نہ ملنا کسی ایسی آیت کا اُس کے عدم وجود کی دلیل نہ ہو سکیگا ❖

ششم۔ کوئی انسان سوائے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلّم کے ایسا نہیں ہے جس کا قول وفعل بلا سند صحیح قول وفعل رسوؐل کے دینیات میں قابل تسلیم ہو یا جس کی عدم تسلیم سے کفر لازم آتا ہو۔ اس کے برخلاف اعتقاد رکھنا شرک فی النبوّت ہے ❖

مقصود یہ ہے کہ جس طرح اُمّت وپیغمبر میں تفاوت درجہ ہے اسی طرح اُن کے قول وفعل میں بھی دینیات سے متعلق ہیں درجہ ورُتبہ کا تفاوت ہے ❖

ہفتم۔ دینیات میں سُنّت نبوی علی صاحبہا الصلوٰة والسّلام کی اطاعت میں ہم مجبور ہیں اور دُنیاوی امور میں مجاز ❖

اِس مقام پر سُنّت کے لفظ سے میری مراد احکام دین ہے ❖

ہشتم۔ احکام منصوصہ احکام دین بالیقین ہیں اور باقی مسائل اجتہادی اور قیاسی اور وہ جن کی بنا امر ظنّی پر ہے سب ظنّی ہیں ❖

نہم۔ انسان خارج از طاقت انسانی مکلف نہیں ہو سکتا۔ پس اگر وہ ایمان پر مکلف ہے تو ضرور ہے کہ ایمان اور اُس کے وہ احکام جن پر نجات منحصر ہے عقل انسانی سے خارج نہ ہوں ❖

اَب تک حاجی بھی ہو گئے ہونگے اور انشاء اللہ تعالےٰ آیندہ سے اُن کو بھی حاجی لکھا کرینگے) دو رسالے تحریر فرمائے ہیں جن میں سے ایک کا نام شہاب ثاقب ہے اور دوسرے کا نام تائید الاسلام ٭

اخباروں میں نور الانوار تو اپنا نور عالم میں برساتا ہی تھا مگر اُس سے ایک اور پرچہ اُن کے گھر کا اُجالا مسمّی بہ نور الآفاق لدفع ظلمتہ اہل النفاق پیدا ہوا ہے جو نہایت ہی دلچسپ ہے اور ہمارے اِس پرچہ تہذیب الاخلاق کے جواب میں نکلا ہے اُس کے مضامین ظاہرا تو جناب حاجی مولوی سید امداد العلی صاحب بہادر کے طبعزاد معلوم ہوتے ہیں مگر بعضے لوگ اُن مضامین کو لے پالک بتاتے ہیں۔ بہرحال ہم کو اس سے کیا کہ وہ میاں نذیر کے ہیں یا میاں بشیر کے۔ کسی کے ہوں مگر دلچسپ ہیں۔ خُدا اُس کی بھی عمر دراز کرے ٭

ہم نے بھی اپنے مضامین لکھنے اور قومی بھلائی کی کوشش میں کمی نہیں کی اگرچہ پچھلے سال میں کارروائی مدرستہ العلوم مُسلمانان کی اکثر چھپتی رہی الا مضامین دل نشین سے بھی یہ پرچہ خالی نہیں رہا۔ ہمارے غمزدہ و دل شکستہ دوست مولوی سید مہدی علی کا لکچر مُسلمانوں کی تہذیب پر جو اِس سال کے پرچوں میں چھپا درحقیقت ایک ایسا کارنامہ ہے جس کی قدر وُہی لوگ جانتے ہیں جو اُس کی قدر جانتے ہیں۔ ہمارے ہمعصر اڈیٹر او دھ اخبار نے اُس کی ویسی ہی قدر دانی کی ہے جس کا وہ مستحق ہے۔ ہم کو نہایت فخر ہے کہ ایسا عالی مضمون ہمارے اِس ناچیز پرچہ کے ذریعے مشتہر ہوا ہو جو ہماری قوم کی اگلی حالت کو یاد دلاتا ہے اور پچھلی حالت بتا کر شرمندہ کرتا ہے اور پھر آیندہ کی بہتری کی توقع سے دل و جان کو تقویت دیتا ہے ٭

بڑی مبارکی اِس سال میں ہمارے پرچہ کو یہ ہوئی ہے کہ جناب مولوی چراغ علی صاحب نے بھی اِس میں مضمون لکھنے شروع کئے ہیں۔ ایک آدھ مضمون اُن کا پچھلے سال میں چھپا ہے اور آیندہ اور بہت سے عمدہ مضامین کے چھپنے کی توقع ہے ٭

ہم دیکھتے ہیں کہ ہماری تحریروں کے سمجھنے میں جو کبھی کبھی نسبت مسائل مذہبی لکھی جاتی ہیں اکثر لوگ غلطی کرتے ہیں۔ وہ نہیں سمجھتے کہ ہمارے اُصول کیا ہیں اور کن اُصولوں پر ہماری تحریریں مبنی ہیں اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اِس سال کے شروع میں ہم اپنے اُن اُصول کو لکھ دیں تاکہ لوگ اُن اُصول کی صحت و سقم پر غور کریں اگر وہ اُصول صحیح ہیں تو اُمید ہے کہ جو تحریریں اُن پر متفرع ہیں اُن میں بھی کچھ غلطی نہ ہوگی۔ با ایں ہمہ یہ مقولہ نہایت صحیح ہے ع

کہ ہیچ نفس بشر خالی از خطا نبود

اور وہ اصول یہ ہیں :-

تہذیب قومی

اصلی مقصود تو ہمارے اِس پرچہ کا تہذیب قومی ہے ۔ مسائل مذہبی کی بحث بہ مجبوری آجاتی ہے۔ اس سال میں بھی جہاں تک ہوسکا ایسے مضامین جو قومی تہذیب سے علاقہ رکھتے ہیں اِس پرچہ میں لکھے گئے ہیں اور کچھ عجب نہیں کہ اُن مضمونوں نے کسی کے دل پر اثر بھی کیا ہو مگر ہم کو بہ نسبت اس کے کہ ہمارے مضمونوں نے کسی دل کو نرم کیا ہے اِس بات سے زیادہ خوشی ہے کہ ہم اپنے فرض کو ادا کرتے ہیں اور یہی ہمارا مقصد ہونا چاہیئے کیونکہ بندہ کا کام صرف سعی کرنا ہے اور اُس کو پورا کرنا اور اثر دینا خدا کا کام ہے السّعی منی والاتمام من اللہ تعالیٰ ایک مشہور مقولہ ہے پس شکر ہے کہ جہاں تک ممکن ہے ہم اپنا فرض ادا کرتے ہیں ٭

مگر نہایت افسوس ہے کہ ہماری قوم ایسے جہل مرکب میں گرفتار ہے کہ اُس کو اپنا بھلا یا بُرا مطلق نہیں سوجھتا۔ جو بات قومی بھلائی کی کہو اُس کو اُلٹا سمجھتے ہیں۔ قومی بھلائی پر کوشش کرنے والے خیال کرتے ہیں کہ تقدیر پلٹ گئی ہے ادبار چھا رہا ہے بھلائی کی بات کیونکر خیال میں آسکتی ہے مگر توقع نہیں توڑتے۔ خدا کی رحمت سے نا اُمید نہیں ہوتے۔ لاتقنطوا من رحمۃ اللہ پر بھروسا کر کر کوشش کیے جاتے ہیں ٭

ابھی دو تین ہفتوں میں پایونیر نے ایک نہایت عمدہ آرٹیکل میں ایک مضمون قریب قریب اِس مضمون کے لکھا تھا کہ قومی باتیں جب ہی ترقی پر ہوسکتی ہیں جبکہ قوم میں قومیت کی شرطیں بھی موجود ہوں۔ یعنی

۱۔ عام لوگوں میں وہ قوت موجود ہو جس سے کسی عمدہ بات کی قدر کی جاتی ہے ٭

۲۔ آپس کے میل جول میں آزادی اور ہمسری ہو ٭

۳۔ خیال سب کے آزاد ہوں ٭

۴۔ اور سب سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ بہت سے ایسے دل موجود ہوں جن سے اُس ترقی اور ایجاد کرنے والی قوت کے جواب میں جو زمانہ کی تاثیر سے پیدا ہوتی ہے صدا نکلے ٭

اِن باتوں میں سے کوئی بات بھی ہماری قوم میں نہیں ہے پس ترقی ہو تو کیونکر ہو مگر خدا سے اُمید ہے کہ کوئی زمانہ ایسا آویگا جو لوگ ان باتوں کو سمجھینگے اور اپنی قوم کو قوم بنا دینگے اور اُس کی بہتری و ترقی میں کوشش کرینگے ٭

مثلاً ہم خدا کے ہونے پر ایمان لانے کے مکلف ہیں مگر اُس کی ماہیت ذات کے
جاننے پر مکلف نہیں ٭

دہم ۔ افعال مامورہ فی نفسہ حسن ہیں اور افعال ممنوعہ فی نفسہ قبیح ہیں اور پیغمبر صرف
اُن کی خواص حسن یا قبح کے بتانے والے ہیں جیسے کہ طبیب جو ادویہ کے ضرر اور نفع سے مطلع کردے ٭

اِس مقام پر لفظ افعال کو ایسا عام تصور کرنا چاہیئے جو افعال جوارح اور افعال قلب
وغیرہ سب پر شامل ہو ٭

یازدہم ۔ تمام احکام مذہب اسلام کے فطرت کے مطابق ہیں اگر یہ نہ ہو تو اندھے
کے حق میں نہ دیکھنا اور سوجاکھے کے حق میں دیکھنا گناہ ٹھہر سکیگا ٭

دوازدہم ۔ وہ قوے جو خدا تعالےٰ نے انسان میں پیدا کیئے ہیں اُن میں وہ قوے
بھی جو انسان کو کسی فعل کے ارتکاب کے محرک ہوتے ہیں اور وہ قوت بھی ہے جو اُس فعل کے
ارتکاب سے روکتی ہے ان تمام قوے کے استعمال پر انسان مختار ہے ۔ مگر ازل سے خدا کے علم
میں ہے کہ فلاں انسان کن کن قوے کو اور کس کس طور پر کام میں لاویگا ۔ اُس کے علم کے برخلاف
ہرگز نہ ہوگا مگر اِس سے انسان اُن قوے کے استعمال یا ترک استعمال پر جب تک کہ وہ قوے قابل
استعمال کے اُس میں ہیں مجبور نہیں متصور ہو سکتا ٭

سیزدہم ۔ دین اسلام اُن مجموع احکام کا نام ہے جو یقینی من اللہ ہیں ٭

چہاردہم ۔ احکام دین اسلام دو قسم کے ہیں ۔ ایک وہ جو اصلی احکام دین کے ہیں اور
وہ بالکل فطرت کے مطابق ہیں ۔ دوسرے وہ جن سے اُن اصلی احکام کی حفاظت مقصود ہے مگر
اطاعت اور عمل میں اُن دونوں کا رتبہ برابر ہے ٭

پانزدہم ۔ تمام افعال اور اقوال رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے بالکل سچائی تھے مصلحت
وقت کی نسبت رسول کی طرف کرنی سخت بے ادبی ہے جس میں خوف کفر ہے ٭

مصلحت وقت سے میری مراد وہ ہے جو عام لوگوں نے مصلحت کے معنی سمجھے ہیں کہ
دل میں کچھ اور کہنا یا کرنا کچھ یعنی ایسے قول یا فعل کو کام میں لانا جو درحقیقت بیجا تھا مگر بندۂ وقت
بن کر اُس کو کہہ دیا یا کر لیا ٭

ہمارا خیال یہ ہے کہ یہ اصول پانزدہ گانہ ایسے ہیں کہ جن سے کوئی مسلمان انکار اور اختلاف
نہیں کرسکتا اور جب وہ لوگ جو ہم سے اختلاف رائے رکھتے ہیں ان اصولوں پر غور کرینگے اور یہ
بھی سمجھینگے کہ ہماری تحریریں ایسے سچے اصولوں پر مبنی ہیں تو کیا عجب ہے کہ وہ بھی ہم سے
متفق ہوجاویں ٭

اے برادران دینی۔ اَب یہ وقت نہیں ہے کہ ہم آپس کی تکرار و فساد میں پڑیں۔ تُو تُو مَیں مَیں کر کر کسی کو کافر اور کسی کو ملحد بناویں اور کم و بیش جو کوشش و سعی کہ ہم سے ہو سکتی ہے اُس کو بھی آپس کے اختلافوں سے بیکار کر دیں۔ پس اُمید ہے کہ ہماری قوم میری اِس صداء کو تُوجّہ سے سُنیگی اور مدرستہ العلوم کی امداد میں دِل و جاں سے سعی و کوشش کریگی۔ واللہ المستعان ❊

مُسلمانانِ یارقند

مسٹر رابرٹ شا صاحب یارقند اور اُس کے گرد نواح کے مُلکوں کا حال دریافت کرنے کو ۱۸۶۸ء میں اُس طرف گئے تھے اور اُنھوں نے اپنے سفر کا حال ایک کتاب میں لکھا ہے جو ۱۸۷۱ء میں لنڈن میں چھپی ہے۔ ہم اُس کتاب سے اُس نواح کے مُسلمانوں کا حال انتخاب کر کر ذیل میں لکھتے ہیں اور اس انتخاب کے لکھنے سے ہمارا مقصد اپنی قوم کو دو باتوں سے متنبہ کرنا ہے۔ ایک یہ کہ ہماری قوم جو ہندوستان میں رہتی ہے وہ سمجھے کہ اُس نے کس قدر عادتیں ہندوؤں کی سیکھہ لی ہیں اور کھانے اور پینے اور غیر قوموں سے ملنے میں ایک خیالی وہم اور جھوٹ جس کی اصل نہ شرع میں ہے اور نہ اور مُلکوں کے رہنے والے مُسلمانوں میں اختیار کی ہے۔ دوسرے اِس بات پر افسوس دلانا ہے کہ ہماری قوم کے لوگ کیا ہندوستان کے رہنے والے اور کیا اور مُلکوں کے رہنے والے کیسے بے علم اور واقعات تاریخی سے جو دُنیا میں گذرے ہیں کس قدر بیخبر اور واہیات ژٹل اور بیہودہ کہانیوں پر یقین اور اعتبار کرنے والے ہیں جس سے اُن کی نادانی۔ بے علمی بخوبی ثابت ہوتی ہے ❊

انتخاب سفرنامہ رابرٹ شا صاحب

صاحب موصوف نے کانگڑہ سے اپنا سفر شروع کیا اور جب وہ شہر لیہہ میں پُہنچے جو لداخ سے آگے جانب شمال میں واقع ہے تو وہاں کے لوگوں کا حال اُنھوں نے اس طرح پر لکھا ہے ❊

وہ لکھتے ہیں کہ جب مَیں لیہہ میں پُہنچا تو میں نے تبت کے باشندوں کے چال چلن اور رسم رواج کو فوراً تحقیق کرنے کا ارادہ کیا لیکن جب کہ میں پہلے پہل شہر کی سیر کو نکلا تو وہاں کے لوگوں کے حالات دریافت کرنے کا جو جوش تھا وہ سب جاتا رہا اور اُس کے عوض میں ایک دوسری بات کا شوق دل میں اُٹھا کیونکہ جو لوگ اُس مُلک میں تھے یعنی تبتی اُن سے بالکل مختلف

مدرستہ العلوم

اِن سب باتوں کو قوم میں پیدا کرنے والا ہماری دانست میں مدرستہ العلوم ہوگا جس کے قایم کرنے پر نہایت دل سے کوشش ہو رہی ہے ✤

ہم کو اِس بات کے کہنے سے نہایت خوشی ہے کہ بہت سے دل رفتہ رفتہ مدرستہ العلوم مسلمانان کی طرف مائل ہوتے جاتے ہیں اور ہر ایک کے دل میں یہ خیال کہ ایسے مدرستہ العلوم کی بلا شُبہ نہایت ضرورت ہے پیدا ہوتا جاتا ہے۔ جن بزرگوں کو ہمارے ذاتی افعال و اقوال کے سبب مدرستہ العلوم سے نفرت تھی وہ بھی بر سرِ انصاف آتے جاتے ہیں اور اِس بات کو تسلیم کرنے لگے ہیں کہ ہمارے ذاتی افعال و اقوال کو مدرستہ العلوم سے کچھ تعلق نہیں ہے۔ کیا عجب ہے کہ کسی دن ہماری قسمت ایسی بھی یاور ہو جاوے کہ جناب مولوی حاجی سیّد امداد العلی صاحب بھی ہماری شامتِ اعمال سے قطع نظر فرما کر مدرستہ العلوم مسلمانان کے حامی اور سرپرست بن جاویں۔ آمین ✤

ہماری اِن کوششوں نے ہمارے ہموطن بھائی اہل ہنود کے دل میں بھی بہت بڑا اثر کیا ہے باوجودیکہ سرکاری مدارس اُن کی تعلیم کے لئے نامناسب نہیں ہیں اِس پر بھی اُن کو اپنی پاک زبان اور مقدس کتابوں کے چرچے کا دل میں شوق اُٹھا ہے اور وہ بھی مثل ہمارے مدرستہ العلوم کے ایک قومی مدرسہ جاری کرنے پر آمادہ و مستعد ہوئے ہیں۔ جابجا نہایت سرگرمی اور بڑی کامیابی سے چندہ جاری ہے۔ ہم سُنتے ہیں کہ جس قدر چندہ ہم نے ایک سال میں ہزاروں محنتوں سے جمع کیا ہے اُنہوں نے اُس سے زیادہ ایک مہینے میں اکٹھا کر لیا ہے۔ ہماری نہایت خوشی ہے کہ ہندوستان کی دونوں قومیں ساتھ ساتھ ترقی کرتی جاویں۔ ہمارے ہموطن ہندو صاحبوں کی کامیابی میں ہم کو شُبہ نہیں ہے۔ وہ ہم سے تعداد میں زیادہ ہیں۔ ہم سے دُور اندیش زیادہ ہیں۔ ہم سے دولتمند زیادہ ہیں۔ ہماری مانند پُر فساد نہیں ہیں۔ مثل ہمارے حسد و بغض و تعصب نہیں رکھتے۔ اتفاق قومی اُن میں ہے۔ ہندوستان میں اُن کی قوم کے بڑے سردار و والیان مُلک موجود ہیں۔ ہماری قوم کے اوّل تو سردار ہی کم ہیں اور جو ہیں وہ کچھ پرواہ تک نہیں کرتے۔ گویا ہندوؤں کے مربّی و سرپرست زندہ و سلامت ہیں۔ اور ہمارے مربی و سرپرست دُنیا سے تشریف لے گئے ہیں۔ وہ باسر ہیں اور ہم بے سر۔ پس اُن کی کامیابی میں کچھ شُبہ نہیں۔ مگر افسوس یہ ہے کہ ہم کو اپنی کامیابی میں شُبہ ہے۔ ہاں اگر ہماری قوم کو بھی غیرت آوے اور خدا اُن کے دل کو سیدھا کرے اور پُر فساد خیالات کو اُن کے دماغ سے نکالے اور قومی ہمدردی اُن کے دل میں ڈالے تو ہم کو بھی اپنی کامیابی میں کچھ شُبہ نہیں ہے ✤

کے مُلک میں جس قدر چانول ایک بکرے پر لد سکتے ہیں اُن کی قیمت میں آٹھ تولہ سونا یعنی بارہ پونڈ
کے برابر ملتا ہے جس کے ایک سو بیس روپیہ چہرہ شاہی ہوتے ہیں۔ اسی طرح سفر کرتے ہوئے
مقام شہید اللہ پر پہنچے جہاں ایک چھوٹا سا قلعہ ہے اور شا صاحب کے آنے کی خبر سُن کر شاہ یارقند
نے چند سپاہی اور افسر ایک مہینہ پہلے سے وہاں متعین کر رکھے تھے وہ لوگ مسٹر شا صاحب
سے نہایت دوستانہ طور پر ملے۔ اُن کے ساتھ چاء پی کھانا کھایا۔ شا صاحب نے بھی
ایک روز اُن کی دعوت کی۔ اُن لوگوں نے شا صاحب کے آنے کی خبر یارقند کو بھیجی اور جب تک
یارقند سے روانگی کی اجازت نہ آئی وہیں ٹھہرے رہے مگر اُس قیام کے عرصہ میں اکثر آدمی
یارقند سے شا صاحب کی مدارات کے لئے آتے جاتے رہے اور نہایت خاطرداری کے
ساتھ اُن کو وہاں رکھا۔ آخرکار جب اجازت روانگی کی آئی تو سب لوگ روانہ ہوئے۔ راستہ
میں اہلکار شا صاحب کے استقبال کے واسطے آتے تھے۔ جبکہ یارقند کے قریب پہنچے تو ایک
اہلکار جس کو مہماندار کہتے ہیں پیشوائی کو آیا اور تعظیم و تواضع کے ساتھ ملا۔ مہماندار نے اپنے
ہمراہیوں کو سواری پر سے اُتار کر شا صاحب کے ملازموں کو جو پیادہ تھے سوار کرایا اور نہایت
تپاک سے شا صاحب کی مزاج کی خیروعافیت پوچھی اور مصافحہ کیا اور اُن کے گھوڑے کے
برابر اپنا گھوڑا کر کے ساتھ آگے کو چلا۔ ایک سوار سب سے آگے گھوڑا دوڑاتا اور بندوق
چھوڑتا جاتا تھا۔ یہ گویا شا صاحب کی تعظیم کے لئے سلامی کی شلک ہوتی جاتی تھی۔ کچھ تھوڑے
سے آگے بڑھنے پر ایک اور جماعت ملی جو شا صاحب کے استقبال کے لئے ٹھہری ہوئی تھی
اُن سے مل کر اور اُن کے ساتھ چاء پانی پی کر آگے بڑھے تب یوزباشی وزیر یارقند کا بھائی آکر ملا
اور شا صاحب سے راستہ کی خیروعافیت پوچھی۔ مقام شہید اللہ میں جو اُن کو بہت دنوں تک
ٹھہرنا پڑا تھا اُس کی معذرت کی۔ آخرکار اُسی روز سہ پہر کو شا صاحب یوزباشی کے خیمہ میں اُس
سے ملنے کو گئے اُس نے بہت اعزاز کے ساتھ قالین پر بٹھایا۔ چاء منگوائی۔ دسترخوان بچھوایا۔
جب شا صاحب اُس سے رخصت ہو کر اپنے خیمہ میں آئے تو تھوڑی سی دیر بعد یوزباشی اُن
سے ملنے کو آیا۔ انھوں نے زرد رنگ کی ریشمین کشمیری پگڑی یوزباشی کی نذر کی ؁

اثنائے راہ میں ایک روز وزیر نے یوزباشی کے پاس ایک خط بھیجا اور اُس میں مہمان یعنی
شا صاحب کی خیروعافیت دریافت کی اور لکھا کہ اُن کے لئے کسی بات کی دقت یا کوتاہی نہ ہو
اسی طرح ہر روز قاصد آتے جاتے رہے جو ہر مرتبہ عمدہ اور نیا خلعت پہن کر آتے تھے۔ شا صاحب
اپنی ایسی عزت اور توقیر دیکھ کر نہایت خوش ہوئے۔ حقیقت یہ تھی کہ والئے ملک اپنے مہمان کے
قریب پہنچنے کی خبر سُن سُن کر اس قدر خوش ہوتا تھا کہ قاصدوں کو انعام اور خلعت دیتا تھا جب

قسم کے لوگ ترکی بازار میں چلتے پھرتے باخاموش قطاروں میں بیٹھے ہوئے نظر آئے۔ اُن کے
سروں پر بڑے بڑے سفید عمامے تھے۔ لمبی ڈاڑھی اور پر چغہ زمین تک لمبا سامنے سے کھلا ہوا نیچے
صدری پہنے تھے اور پاؤں میں کالے چمڑے کے موٹے موٹے بوٹ تھے۔ ان سب باتوں سے اُن
کا ایک رعب داب معلوم ہوتا تھا اور اُن کا برتاؤ نہایت شگفتہ تھا جس سے لوگوں کے دل میں
اُن کا ادب پیدا ہوا اُن میں ہندوستانیوں کی سی خوشامد نہ تھی اور نہ تبتیوں کی سی نقالی تھی۔ اِس
سے معلوم ہوتا تھا کہ گویا بندروں کے بیچ میں آدمی ہیں۔ جب میں اُن سے ملا تو اُن کا مزاج
بالکل خوفناک نہ پایا جیسا کہ اُن کے ہم وطنوں کا سُنتا تھا۔ وہ لوگ ہمارے خیمہ میں آکر بیٹھتے اور
بذریعہ مترجم کے دوستانہ بات چیت کرتے تھے اور نہایت مزے سے ہماری چاء پھونک پھونک کر
چڑھ چڑھ کر پیتے تھے برخلاف ہمارے ہندوستان کے ڈرپوک مسلمانوں کے جو اس قدر ہندو ہو گئے
ہیں کہ ایسا کرنے سے اُن کی ذات جاتی رہتی ہے۔ ہمارے مہمان دراصل بہت اچھے لوگ تھے۔
ہنسی مذاق سے خوش ہوتے اور جواب میں مذاق کے ساتھ دیتے تھے۔ آزادی کے ساتھ گفتگو
کرتے مگر کبھی حد مناسب سے تجاوز نہیں کرتے تھے۔ اِن باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی
بھی عزت کرتے ہیں اور جس سے گفتگو کرتے ہیں اُس کی بھی قدر و منزلت کرتے ہیں۔ جب
رخصت ہوتے تو مؤدب طور پر سلام کر کے رخصت ہوتے۔ رنگ میں اہل یورپ سے کچھ کم نہیں ہیں
لال ہونٹ اور گلاب کے رنگ کا سا چہرہ ہوتا ہے جب ہم پہلے پہل وہاں پہنچے تھے تو ایک
شخص عمدہ پوشاک اور اونچی ایڑی کا جوتہ پہنے ہوئے ہمارے پاس آیا۔ اُس کی ڈاڑھی اور
مونچھوں کے بال بھورے تھے اور چہرہ بہت گورا اور صاف تھا۔ اُس نے مجھ کو اِس طرح سے
دیکھا جیسے انگریز دیکھتے ہیں۔ میں نے اُس کو انگریز سمجھ کر اُس سے بات کرنا چاہا تھا کہ اتنے میں
وہ مڑ کر میرے مسلمان نوکروں کے پاس جا بیٹھا۔ معلوم ہوا کہ یارقند کا رہنے والا ایک حاجی تھا۔
جب ہم روکشین میں پہنچے تو وہاں کے مسلمانوں سے قرآن و مذہب کی نسبت بہت سی
گفتگو ہوئی۔ عیسائیوں کو وہ نصاریٰ کہتے ہیں اور مسلمانوں کی بہ نسبت کچھ کم سمجھتے ہیں کیونکہ
عیسائی اہل کتاب ہیں اور اُن کے لئے توریت موسیٰؑ اور زبور داؤدؑ اور انجیل عیسیٰؑ بھیجی گئی
ہے اور اُن کے خاص پیغمبر یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام درجہ میں محمد صلے اللہ علیہ وسلم سے دوسرے
ہیں ہندو اور بت پرستوں کو ایسا نہیں سمجھتے۔ اسی مقام پر محمد نذیر سے جو یارقند کا ایلچی
ہندوستان میں آیا تھا ملاقات ہوئی۔ اُس نے اور اُس کے ہمراہیوں نے میرے ساتھ
چاء پی اور رخصت ہو گئے ؛
جب مسٹر شا صاحب چنگ چیموں میں پہنچے تو وہاں یہ بات دریافت ہوئی کہ گردو نواح

تمام مکان وغیرہ اُس میں غرق ہوگئے۔ یہاں کے خزانوں کی بہت جستجو کی گئی۔ مگر کوئی ایسا جادو ہے کہ جو کوئی اس ریگستان میں پھرتا ہے وہ ہلاک ہوجاتا ہے۔

شاصاحب کہتے ہیں کہ اگر میں ایلچی ہوتا تو اُس سے کچھ زیادہ میری خاطرداری نہ ہوتی بلکہ میں اُن لوگوں کا دوست اور ہم وطن بھی ہوتا تب بھی اس سے زیادہ مجھ پر مہربانی نہیں ہوسکتی تھی۔ ایک روز یوزباشی نے مجھ سے کہا کہ اے شاصاحب اگر آپ فرنگی نہ ہوتے تو ہم اور آپ بھائی ہوتے اور ایک ساتھ رہتے۔ یارقند سے تین میل ورے دوسرا یوزباشی نہایت زرق برق پوشاک پہنے ہوئے تیس سواروں کے ساتھ مجھ سے ملنے کو آیا۔ میں اور وہ دونوں گھوڑوں پر سے اُترے اور مشرقی مُلکوں کی رسم کے موافق گلے ملے۔ یوزباشی صاحب نے اس زور سے میرا گلا دبایا کہ میرا دم گھٹنے لگا اور خیر و عافیت مزاج کی پوچھی۔ پھر گھوڑوں پر سوار ہوکر شہر میں داخل ہوئے۔ دونوں یوزباشی میرے دونوں پہلوؤں میں چلتے تھے۔ جب شہر کے اندر پہنچے تو ایک ایسے مکان میں جس کو قالین اور فرش بچھا کر خوب آراستہ کر رکھا تھا اور آگ روشن کر رکھی تھی مجھ کو اُتارا اور یوزباشی نے کہا کہ یہ مکان آپ کا ہے۔ آپ آرام فرمائیے۔ اُس کے بعد دسترخوان بچھا۔ کھانے کے بعد شاغوال یعنی وزیر کا بھائی مجھ سے ملنے آیا۔ میں نے اپنی خاطرداری کی نسبت ممنونی ظاہر کی۔ اُس نے جواب دیا کہ بادشاہ کے مہمان کی ہم کتنی ہی تعظیم اور تواضع کیوں نہ کریں کسی طرح کافی نہیں ہوسکتی۔ اُس کے واپس جانے پر تھوڑی دیر بعد میں شاغوال یعنی وزیر سے ملنے کو گیا۔ جب اُس کے مکان پر پہنچا اور وزیر سے آنکھیں چار ہوئیں۔ میں نے جھک کر سلام کیا۔ وزیر وہاں سے اُٹھ کر دروازہ تک آیا اور مجھ سے ملا اور میرا ہاتھ پکڑ کر اندر لے گیا اور آتش خانہ کے قریب اپنے مقابلہ میں مسند پر بٹھایا۔ نہایت خاطر کی۔ اور بہت سی باتیں پوچھیں۔ میرے آنے کی خوشی ظاہر کی۔ اور کہا کہ سلطان روم اور انگریزوں کے باہم جو محبّت اور دوستی ہے اُس کو میں جانتا ہوں اور انگریزوں کو اپنا دوست سمجھتا ہوں۔ آپ نے جو اس قدر دُور و دراز سفر اختیار کیا اور ہمارے بادشاہ سے ملنے کے واسطے ایسی تکلیف گوارا کی یہ ایک عمدہ ثبوت اُس دوستی کا ہے۔ دوستی سے ہر ایک چیز ترقی پاتی ہے اور دشمنی سے مُلک ویران ہوجاتے ہیں۔ میں نے ان سب باتوں کا مناسب جواب دیا اور کہا کہ مجھ کو اُمید ہے کہ میرا یہاں آنا دونوں ملکوں کے باہم دوستانہ برتاؤ اور آمد و رفت کا باعث ہوگا کیونکہ انگریزوں کا ترکوں کی نسبت نیک خیال ہے اور جبکہ اس تمام خاطرداری اور مہمان نوازی کا حال جو میری نسبت ترکستان میں ہوئی ہے ہماری ملکہ سُنینگی تو نہایت خوش ہونگی۔ اِسی گفتگو میں دسترخوان بچھا اور چار میرے روبرو پیش کی گئی۔ اُس کے بعد مَیں نے اُٹھنا چاہا مگر شاغوال نے میرے شانہ پر ہاتھ رکھ کر

کسی قدر اور یارقند کے قریب پہنچے تو ایک جماعت سواروں کی ملی جن کا سردار سیاہ پوشاک پہنے ایک مشکی گھوڑے پر سوار تھا۔ یوزباشی نے شا صاحب سے کہا کہ یہ بیگ یعنی حاکم سنجر آپ کے استقبال کے واسطے آیا ہے۔ جب نزدیک پہنچے تو یوزباشی نے شا صاحب اور بیگ سے ملاقات کرائی۔ دونوں باہم گلے ملے اور نہایت تعظیم اور تواضع کے ساتھ بات چیت ہوئی۔ بیگ کی سیاہ پوشی کی وجہ یہ تھی کہ ان کی بی بی نے وفات پائی تھی۔ ان کے ماتم میں وہ سیاہ پوش تھے۔

یارقند کے قریب سڑکوں اور پرانے پلوں کی مرمت کرائی گئی تھی اور نہروں اور چھوٹی چھوٹی ندیوں پر نئے پل بنائے گئے تھے۔ شا صاحب لکھتے ہیں کہ مجھ کو اس قدر اپنے قدر و منزلت کی ہرگز امید نہ تھی۔ یارقند والوں نے میرے منشی دیوان بخش سے پوچھا کہ جب کوئی معزز مسافر آتا ہے تو اس کی آمد میں کیا اہتمام ہوا کرتا ہے۔ منشی نے معمولی تیاریاں سڑکوں کی مرمت وغیرہ جو یہاں ہوا کرتی ہیں بیان کی تھیں۔ اس پر انہوں نے ایسی تیاریاں کیں کہ پلوں کے پرانے شہتیر بھی بدلوا دئے تاکہ شا صاحب کے ساتھ جو سوار آویں تو ان کے گھوڑوں کے ٹاپوں کے صدمہ سے وہ پرانے شہتیر ٹوٹ نہ جاویں۔ شا صاحب اس بات کا اقبال کرتے ہیں کہ سب تیاریاں جو ان کے لئے ہوئیں اور اس قدر ان کی قدر و منزلت جو ہوتی تھی اس کا ان پر بار گذرتا تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہر بستی میں اس ضلع کا حاکم میرے استقبال کے واسطے آتا تھا۔ جب مقام کارغلی تین میل کے فاصلہ پر رہا تو وہاں کا بیگ مجھ سے ملنے آیا اور نہایت خاطرداری سے ملا۔ چند درختوں کے سایہ میں فرش بچھوا کر دسترخوان بچھایا گیا اور اس پر شوربا اور پلاؤ اور بڑی بڑی روٹیاں اور میوے چنے گئے۔ سب نے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا۔ بعد کھانا کھانے کے لوگوں نے ظہر کی نماز پڑھی۔ اسی جگہ ایک بخارا کے حاجی سے ملاقات ہوئی۔ اس نے ہندوستان عرب اور روم تک کا سفر کیا تھا۔ اس سے فارسی میں بہت گفتگو ہوئی۔ دو گھنٹہ تک میرے پاس بیٹھا رہا۔ چار پینیا جاتا تھا اور سفر کا حال کہتا جاتا تھا۔

شا صاحب لکھتے ہیں کہ جب ہم لوگ مقام نکلا کے ریگستان میں پہنچے تو یوزباشی نے وہاں کی ایک روایت اس طرح پر بیان کی کہ یہاں کافر آباد تھے۔ ایک بزرگ مسمی شاہ جلال الدین صاحب نے ان کے روبرو اسلام کا وعظ کیا۔ انہوں نے اس شرط پر مسلمان ہونا قبول کیا کہ ان کے مکان سونے کے ہو جاویں۔ شاہ جلال الدین نے کچھ دعا پڑھی۔ ان کے سب مکان سونے کے ہو گئے مگر وہ سب کافر اپنے اقرار سے پھر گئے اور کہا کہ جو کچھ ہم چاہتے تھے وہ ہمیں مل گیا۔ اب ہم کیوں مسلمان ہوں وہ بزرگ یہ سن کر چلے گئے۔ زمین سے ریت ابلا اور کافروں کے

بڑی تشویش تھی کہ کونسی چیز کھائیں اور کونسی نہ کھائیں کیونکہ کمبخت کشمیری اور ہندوستانیوں نے جو شاہ یارقند کے ملازم تھے ترکوں سے ہماری شکایت کی تھی اور یہ کہہ دیا تھا کہ سوائے سُور کے گوشت کے یہ اور کچھ نہیں کھاتے ہیں۔ کسی مسلمان کو اُن کے ساتھ کھانا کھانا نہ چاہیئے اِس لئے یوز باشی نے میرے اور مہمانوں سے کہہ رکھا تھا کہ منشی پر نظر رکھیو۔ جس چیز کو وہ ہنلے اُس کو ہاتھ نہ لگائیو۔ مجھ کو اس بات کی کچھ خبر نہ تھی بعد کو خبر ہوئی۔ پھر میرے منشی نے اُن کو سمجھا دیا کہ رزیل انگریز کبھی کبھی سُور کا گوشت کھاتے ہیں شاصاحب کو میں نے کبھی کھاتے نہیں دیکھا اِس بات سے سب خوش ہو گئے ؁

شاہ یارقند کاشغر میں تھے وہاں میرے آنے کی خبر بھیجی گئی اور جب تک مجھے وہاں آنے کی اجازت نہ ملی مَیں یارقند میں رہا۔ جس وقت اجازت آئی وزیر صاحب نے مجھ سے دریافت کرایا کہ بادشاہ کی نذر کے واسطے اگر کچھ چیزیں درکار ہوں تو ہم پہنچادی جاویں۔ میں نے کہلا بھیجا کہ سب آپ کی نوازش ہے میں بادشاہ کے حضور میں وُہی چیزیں نذر گذراننا چاہتا ہوں جو خاص میری اور میرے مُلک کی ہیں اس پر بھی وزیر نے یوز باشی کی معرفت کچھ روپیہ اور چند خلعت میرے پاس بھیجے اور کہلا بھیجا کہ بادشاہ کے اہلکاروں کو دینے کے لئے لیتے جائیے۔ اتفاق سے میری گھڑی کا شیشہ ٹوٹ گیا تھا تو میں نے ایک شیشہ منگوایا تھا مگر وزیر صاحب نے بجائے شیشہ کے اپنی گھڑی میرے پاس بھیجدی تھی۔ اَب جو مَیں کاشغر کو جانے لگا تو وہ گھڑی میں نے اُن کے پاس واپس بھیجی۔ وزیر صاحب نے فرمایا کہ اگر یہ گھڑی مجھے پھر دیکھائی گئی تو میں سخت ناراض ہونگا۔ جو چیز میرے پاس سے جاتی ہے وہ پھر کر نہیں آیا کرتی اگر شاصاحب اس کو اپنے لایق نہ سمجھیں تو اَور کسی کو دیدیں۔ آخرکار یارقند سے کاشغر کی طرف روانہ ہونے کا سامان درست ہو گیا اور صبح کے وقت نہایت عُمدہ خوبصورت گھوڑا دادخواہ یعنی وزیر کے اصطبل سے میری سواری کے لئے آیا اور میرے سب نوکروں اور اسباب کے واسطے بھی گھوڑے ملے اور وہاں سے روانہ ہوئے۔ محمد اسحاق جان برادر دادخواہ شہر کے دروازہ تک مجھے رخصت کرنے کو میرے ساتھ آیا کاشغر میں پہنچنے کے بعد میں نے اُن سب چیزوں کی درستی کی جو بادشاہ کی نذر کے لئے میں لے گیا تھا اور اُن کو کشتیوں پر رکھا۔ قریب ۹ بجے صبح کے بہت سے اہلکار مجھے بُلانے آئے اور میں اُن کے ساتھ بادشاہ کی ملازمت کے لئے چلا۔ میرے ہمراہ دو یوز باشی اور محرم باشی وغیرہ تھے اور تیس یا چالیس آدمی نذر کی چیزیں لئے ہوئے تھے۔ میں جس مکان میں فروکش تھا اُس کے دروازہ سے بادشاہی محل کے دروازہ تک ایک چوتھائی میل کا فاصلہ سڑک کے دونوں طرف لوگوں کا ہجوم تھا جو اپنے مختلف رنگوں کی پوشاک

پھر مجھے بٹھالیا اور اُن کے ایک ملازم نے ایک عمدہ ریشمین چُغہ میرے شانوں پر ڈال دیا تب
مَیں رُخصت ہوا۔ شاغوال بھی میرے ساتھ اُٹھا اور مجھ کو دروازہ تک پُہنچا گیا ❖

میرے یارقند میں پہنچنے سے پہلے میرے واسطے میز اور کُرسی طیار کرالی گئی تھی۔ کئی دن کے
بعد میں پھر شاغوال کی مُلاقات کے لئے گیا اور وہ اُسی طرح عزت اور خاطر سے پیش آیا۔ ایک ریشمین
چُغہ عنایت کیا۔ اُس کے بعد پھر کئی مرتبہ چُغہ اور ٹوپیاں وغیرہ مجھ کو بھیجیں ❖

یارقند میں کافروں کے لئے حکم ہے کہ پگڑی نہ باندھیں اور کمر میں ایک سیاہ ڈوری باندھے
رہا کریں مگر میرے ہندو نوکروں کو مُسلمانی پوشاک پہننے کی اجازت تھی۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ بات
میرے حال پر نہایت بڑی مہربانی ہونے کے سبب سے تھی ❖

ایک روز میرا منشی شاغوال کا ایک رقعہ لے کر آیا جس میں اِس بات کی شکایت تھی کہ تمہارے
نوکروں نے روپیہ کے لئے کچھ جنس بازار میں فروخت کی ہم سے روپیہ کیوں نہ طلب کیا اسی کے
ساتھ یہ بھی لکھا تھا کہ بدخواہ لوگ کہینگے کہ ایک مہمان انگریز کی مہمانداری کی نسبت مناسب
توجہ نہیں ہوتی تب میں نے اپنے منشی کو اُن کے پاس بھیجا اور کہلا بھیجا کہ کچھ کپڑا میں نے
نوکروں کے لئے خریدا تھا۔ اِس پر وزیر نے کہا اگر یہ بات بادشاہ کے کان تک پُہنچ جاوے تو
مجھ پر حد سے زیادہ عتاب ہو ❖

ایک روز رمضان کے دنوں میں مَیں وزیر کی ملاقات کو گیا اُس روز وزیر صاحب نے اپنے
ہاتھ سے میرے لئے چار طیار کی ایک دن یوزباشی نے مجھ سے کہا کہ آپ یہاں کوئی چیز ہرگز نہ
خریدیئے میں نے کہا کہ تھوڑی تھوڑی سی چیزوں کے مانگنے میں مجھ کو شرم آتی ہے۔ یوزباشی نے
کہا کہ جو چیز آپ کو درکار ہو خواہ وہ ہزار طلار کی ہو خواہ ایک پھول کی اُس کے مانگنے میں ہرگز شرم
نہ کیجئے۔ شاغوال کو میں نے ایک مُلاقات میں ایک بندوق رائیفل اور ایک ریوالور اور ایک
ریشمین پگڑی اور کچھ کپڑا اور ایک سو بیس پونڈ چار نذر دی جس کو اُنہوں نے نہایت خوشی سے
قبول کیا۔ جب ہمارا بڑا دن قریب آیا تو میں نے اپنے نوکروں کو گوشت خریدنے کا حکم دیا مگر شاغوال
کے ہاں سے پیغام آیا کہ آپ بازار سے کچھ نہ خریدیں۔ سب چیزیں مہیا ہو جاوینگی۔ بڑے دن کو
شاغوال نے ایک بڑا بھاری دسترخوان اور دو ریشمین چُغہ اور ایک ٹوپی بھی بھیجی۔ وزیر نے میری
تفریح کے لئے گانے بجانے والے بھی متعین کئے تھے ❖

ایک روز میں نے اپنے دوستوں کی دعوت کی جس میں میرا منشی دیوان بخش اور یوزباشی اور
مہماندار اور چار پنجاباشی شریک ہوئے۔ اُن لوگوں نے پہلی روٹی کا ٹکڑا نمک کے ساتھ کھا کر روزہ
کھولا پھر کھانا کھایا۔ کھانے میں کچھ انگریزی اور کچھ اُن کا کھانا تھا۔ یوزباشی کو اِس بات کی

بطور نمونہ حضور کی نذر کے واسطے لایا ہوں اُمید ہے کہ وہ قبول فرمائی جاویں۔ بادشاہ ہنسے اور فرمایا کہ ہم تم تو دوست ہیں ہمارے تمہارے بیچ میں نذر نذرانہ کی کیا ضرورت تھی۔ تمہارا خیریت سے پُہنچنا ہی بڑی خوشی کی بات ہے اسی کے ساتھ بادشاہ نے اپنے دونوں ہاتھ کی انگشت شہادت کو جوڑ کر ٹیڑھی کر کے اظہار دوستی کیا اور میرے رخصت ہونے کے وقت بادشاہ نے فرمایا کہ چند روز آرام کر کے سب مقاموں کو دیکھو اس جگہ کو اور جو کچھ اس میں ہے سب کو اپنا سمجھو۔ اب تیسرے روز پھر ہم سے اور آپ سے ملاقات اور بات چیت ہوگی۔ پھر خدمتگار کو اشارہ کیا اُس نے ایک ساٹن کا چغہ میرے شانہ پر ڈالا اس کے بعد نہایت مہربانی سے بادشاہ نے مجھ کو رخصت کیا ۰

پچیسویں جنوری کی شام کو مجھ سے یوزباشی سے ملاقات ہوئی۔ یہیں کاشغر میں محرم بھی ہوا یہاں کے لوگوں نے حضرت سکندر یعنی سکندر اعظم کی نسبت عجیب واقعات بیان کئے یعنی اُن کی دارالسلطنت سمرقند میں تھی اور اُنہوں نے ملک چین پر اس غرض سے کہ وہاں کے لوگوں کو دین اسلام کی طرف پھیریں فوج کشی کی۔ راہ میں ایک مقام پر اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ ہر شخص اِس جگہ ایک ایک پتھر رکھ دے۔ وہاں ایک بڑا ڈھیر پتھروں کا ہوگیا۔ جب چین میں پُہنچے تو شاہ چین نے اُن کی اطاعت قبول کی اور بغیر مقابلہ خراج گذار ہوگیا۔ سکندر کے سپاہیوں نے اُس ملک کی عورتوں سے شادی کی اور حضرت سکندر نے اِس مہم کے مطلب کو پورا کر کے اللہ اکبر کہا اور وہاں سے کوچ کیا۔ جب پتھروں کے اُس انبار کے پاس آئے جو سپاہیوں سے جاتے وقت جمع کرایا تھا تب حکم دیا کہ ہر شخص ایک ایک پتھر اُٹھا لے۔ سب نے ایک ایک پتھر اُٹھالیا لیکن ہزارہا پتھر وہاں پر باقی رہ گئے اُن پتھروں کے شمار کرنے سے تعداد اُن سپاہیوں کی معلوم ہوئی جو چین میں اپنی چینی بیبیوں کے ساتھ رہ گئے۔ اُن لوگوں سے دو قومیں پیدا ہوئیں۔ ایک ٹُنگانی جو مُسلمان ہیں (ٹُنگانی تُرکی لفظ ہے اس کے معنی ہیں رہ جانا) دوسری کالمک جو اَب بھی چین کے راستے کے قریب مُلکوں میں بستی ہیں۔ میں خیال کرتا ہوں کہ حقیقت میں یہ داستان تاتار کے فتحیابوں میں سے کسی کی ہے لیکن عام غلطی سے سکندر کے ساتھ منسوب کی گئی ہے۔ شمالی تاتار میں ایک میدان ہے جو سنتاش کے نام سے مشہور ہے اور اُس میں اب بھی ایک بہت بڑا انبار پتھروں کا موجود ہے اور اُس کی نسبت بھی یا اسی قسم کی کہانی مشہور ہے۔ ٹُنگانیوں کی روایت سے بھی بیان مذکورہ کی تصدیق ہوتی ہے وہ لوگ کہتے ہیں کہ تیمور لنگ کے کچھ سپاہی اُس مُلک میں رہ گئے اور ہم اُنہیں کی اولاد ہیں (لیکن تیمور لنگ کبھی اُس مُلک میں نہیں گیا) جب مشرقی ترکستان کا تذکرہ چلا تو لوگوں نے بیان کیا کہ چار ہزار اسّی برس اَب سے پیشتر اِس مُلک کے باشندے کافر یعنی بُت پرست تھے۔ حضرت سُلطان نامی ایک بادشاہ پیدا ہوا اور اُس نے سب کو مُسلمان کیا۔

کے باعث سے زندہ تصویروں کی مانند معلوم ہوتے تھے دروازہ کے اندر پہنچ کر کئی بڑی بڑی ڈیوڑھیوں میں سے گذرا۔ ہر ایک ڈیوڑھی پر عمدہ عمدہ کپڑے پہنے ہوئے پہرہ کے سپاہی خاموش بیٹھے ہوئے تھے اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ بھی اُس عمارت کے جزو ہیں اُن کے سوا اور لوگ قطار کی قطار پشمین لباس پہنے بیٹھے تھے۔ اُن میں جو لوگ کچھ اعلےٰ درجہ کے تھے اُن کی پوشاک اوروں سے زیادہ عمدہ تھی۔ پہلے پہل میں نے کالمک قوم کے سپاہی دیکھے جن کے پاس تیر و کمان و ترکش تھا۔ اندر کے صحن میں چند چیدہ مصاحب نظر آئے۔ یہاں سوائے ایک یوزباشی کے جو کل میرے پاس گیا تھا اور کوئی میرے ہمراہ نہ رہا میں ایک دالان میں سے گذر کر ایک دروازہ میں گیا پھر ایک کوٹھڑی میں سے ہو کر دربار کے کمرہ میں پہنچا۔ اس کمرہ میں دریچہ کے قریب ایک شخص کو تنہا بیٹھا پایا۔ میں نے قیاس سے جانا کہ یہی بادشاہ ہے۔ تب میں اکیلا آگے بڑھا اور جب قریب پہنچا تو بادشاہ اپنی مسند سے گھٹنوں تک اُٹھے اور دونوں ہاتھ مصافحہ کے لئے بڑھائے۔ میں نے ترکوں کے دستور کے موافق مصافحہ کیا اور اُن کی اجازت سے اُن کے روبرو بیٹھ گیا۔ پھر حسب قاعدہ مزاج پُرسی کے لئے اُٹھا مگر بادشاہ نے اُٹھنے نہ دیا اور بیٹھنے کا اشارہ کیا اور زیادہ تر اپنے قریب کر لیا۔ پھر میری مزاج پُرسی کی اور فرمایا کہ اُمید ہے کہ سفر بآرام ہوا ہوگا اِس کے جواب میں میں نے عذر کیا کہ میں فارسی زبان بخوبی نہیں جانتا۔ بادشاہ نے ہنس کر فرمایا کہ بخوبی سمجھ میں آتی ہے۔ اس کے بعد ایک لمحہ خاموشی رہی۔ میں منتظر تھا کہ بادشاہ کچھ فرماویں اور بادشاہ منتظر تھے کہ یہ کچھ کہے۔ آخر کار بادشاہ نے انگریزوں کی طرح موسم کی گفتگو شروع کی۔ میں نے اُس کا مناسب جواب دیا اور یہ کہا کہ میرے ہموطنوں کو اس بات کے سُننے سے بڑی خوشی حاصل ہوئی ہے کہ ہمارے دوست سُلطان روم اور اُن کی رعایا کے بھائیوں نے اہل چین کو نکال کر جن کے ساتھ ہماری تین لڑائیاں ہو چکی ہیں ترکستان میں ایک نئی سلطنت قائم کی ہے اور اپنی نسبت میں نے یہ کہا کہ مجھے لاٹ صاحب نے نہیں بھیجا ہے اور نہ کوئی خط دیا ہے۔ میں صرف آپ کے نام کی شہرت سُن کر اپنی خوشی سے آیا ہوں۔ بادشاہ میری باتیں سُن کر سر ہلاتے جاتے تھے۔ پھر فرمانے لگے کہ جب میں نے یہ خبر سُنی کہ شا صاحب دوستی کی نظر سے میری سلطنت میں آتے ہیں مجھ کو بڑی خوشی ہوئی۔ لاٹ صاحب تو بہت بڑے شخص ہیں۔ میں اُن کے مقابلہ میں حقیر اور ناچیز ہوں۔ میں نے جواب دیا کہ لاٹ صاحب تو بڑے ہیں مگر ہماری ملکہ جو اُن کی آقا ہیں اُن سے بھی بہت بڑی ہیں۔ اِس پر بادشاہ میری طرف دیکھنے لگے تب میں نے کہا کہ مجھ کو اُمید ہے کہ ان دونوں قوموں کے باہم دوستی اور محبت مستحکم ہو جاویگی۔ اور دوستوں کے درمیان بڑائی چھٹائی کی کچھ بحث نہیں ہوتی پھر میں نے عرض کیا کہ میں اپنے ساتھ انگلستان کی چند بندوقیں

سُلطان بادشاہ ہوا۔ لوگ کہتے ہیں کہ مقام ارٹاش میں یہ جگہ اب بھی نمک کے غار کی مانند نظر آتی ہے۔ ارٹاش کاشغر سے بیس میل شمال کی طرف واقع ہے اس مُلک کا وُہی پیشتر دار الخلافت تھا۔

پہلی فروری کو یوزباشی اور محرم باشی نے دوپہر کے وقت میرے ساتھ پُلاؤ کھایا اُس کے بعد میرے ملازم مسمی کبیر نے نماز نہ پڑھی اِس لئے لوگوں نے اُس کو ملامت کی اور محرم باشی نے کہا کہ جو کوئی شخص کسی وقت کی نماز قضا نہ کرے تو چوری اور جھوٹ اور قتل سے اس کا کچھ ہرج نہیں ہوتا کبیر نے نماز قضا کرنے پر عدم فرصتی کا عذر کیا لیکن محرم باشی کے اس مسئلہ پر کہ نماز سے ہر قسم کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں بحث کی۔ دونوں میرے منشی کے پاس گئے۔ منشی نے محرم باشی کے دعوے کے برخلاف تصفیہ کیا اور وہ مسئلہ اسلام کا بیان کیا جس کا یہ مطلب ہے کہ خدا تعالےٰ کے تمام گناہ مثل شراب خواری۔ قماربازی وغیرہ اُس شخص کے معاف ہونگے جو برابر بلاناغہ نماز پڑھتا رہیگا اور مکّہ شریف کے حج کو جاویگا لیکن انسان کے مقابلہ کے گناہ مثلاً چوری۔ زبردستی۔ بیرحمی وغیرہ حج کرنے سے بھی معاف نہ ہونگے جب تک گنہگار حتی آلوسع اُس کا معاوضہ دیکر مظلوم سے معافی نہ حاصل کرے۔ پس صرف نماز سے ایسے گناہ معاف نہیں ہو سکتے۔ اُسی دن منشی نے متعجب ہوکر مجھ سے کہا کہ تُرک لوگ غیر مذہب والوں سے نہایت آزادی کے ساتھ ملتے جلتے ہیں میں نے کہا ہاں یہ لوگ دُنیا کے اور سب لوگوں کی مانند ہیں۔ منشی ہنسا اور مجھ سے پوچھا کہ اس کا کیا مطلب ہے میں نے جواب دیا کہ تم ہندوستان کے لوگ اپنے مُلک کے پہاڑوں کے اندر بند رہتے ہو اور باقی دُنیا کے انسانوں کی بہ نسبت تمہارے خیالات بالکل مختلف ہو رہے ہیں صرف تمہی لوگ خواہ ہندو خواہ مسلمان اور لوگوں کے ساتھ کھانے پینے میں تعصب رکھتے ہو۔ سوائے ہندوستان کے اور کہیں یہ بات پائی نہیں جاتی اور ہندوستان میں جب انگریز تم سے یہ بات کہتے ہیں تو تم اعتبار نہیں کرتے۔ مگر دیکھو ہندوستان سے نکل کر پہلے ہی قدم پر ایک سخت مُسلمانی مُلک میں خود تمہیں کو ایسے تعصبات کے نہ ہونے پر تعجب ہوتا ہے۔ یہی حال تمام دُنیا کا ہے منشی نے اس بات کو قبول کیا اور کہا کہ میں بھی ہندوستان میں جاکر اپنی رائے تبدیل کرونگا۔

کاشغر میں پانچویں اپریل کو بادشاہ سے دوسری مُلاقات ہوئی جس کا مَیں مدت سے منتظر تھا یعنی سہ پہر کے وقت سرکار نے آکر کہا کہ یاتو کوئی بڑا سردار تم سے باتیں کرنے کے لئے آویگا یا تم ہی بادشاہ کی مُلاقات کے لئے بلائے جاؤ گے۔ میں نے جواب دیا کہ جو کچھ اتالیق غازی کا حکم ہو اُس میں راضی ہوں۔ بعد چند منٹ کے پھر سرکار نے آکر کہا کہ طیار اور آمادہ رہو شام کو بُلائے جاؤ گے اُس کے جانے کے بعد دو بندوقیں میں نے صاف اور درست کیں آٹھ بجے شام کو میری طلبی ہوئی چنانچہ مجھ کو لوگ محل کے سامنے سے بڑے پھاٹک میں لے گئے وہاں توپیں رکھی ہوئی تھیں

میرے منشی نے اُن لوگوں سے پوچھا کہ اُس کو کِس نے مُسلمان کیا تھا۔ اُنہوں نے کہا کہ وہ خود مُسلمان ہوا۔ منشی نے کہا نہیں نہیں کوئی اُستاد اُس کا ہوگا۔ میں نے منشی سے کہا چُپ رہو یہ لوگ جس طرح پر کہتے ہیں کہنے دو۔ جب تم نے ان لوگوں سے یہ سُنا کہ تین ہزار برس تمہارے پیغمبر صاحب سے پیشتر مسلمان بادشاہ حکومت کرتے تھے تو اِن سے تاریخی واقعات کی صحت کی کیا اُمید ہے۔ اِس پر یوز باشی اور اُس کے محرم نے اپنی یادداشت کا مقابلہ کیا اور دیکھا تو منشی کی بات صحیح تھی۔ اور پھر بیان کیا کہ حضرت سُلطان کا فرباد شاہ تھا اُس کو عبدالنصر سامانی بغداد کے ایک مولوی صاحب نے مسلمان کیا ہے۔ جب سلطان بچّہ تھا اُس وقت میں اُس کے باپ نے خواب میں دیکھا کہ وہ مسلمان ہوگا۔ اس پر اُس کا ارادہ اپنے بیٹے کے قتل کرنے کا ہوا لیکن جب اپنی بی بی سے مشورہ کیا تو اُس نے کہا کہ ابھی قتل مت کرو پہلے اس کا امتحان کر لو یعنی بُتکدہ میں لے جاؤ۔ اگر وہ ہمارے طریقہ پرستش کو قبول کرے تو زندہ رہنے دو ورنہ قتل کر ڈالو۔ آخر لڑکے یعنی سُلطان کو بُت کے سامنے لے گئے وہ اُس کی پرستش میں شریک ہوا اس لئے اُس کو قتل نہیں کیا گیا۔ لیکن جب مُسلمان اُستاد کی تعلیم اُس کو خفیہ ہوئی تو وہ اپنے دل میں بہت متردّد ہوا اور جب اُس کے باپ نے ایک مندر بنانے کا اُس کو حکم دیا تو وہ اور بھی زیادہ تر متردّد ہوا۔ اُس نے اپنے اُستاد سے مشورہ کیا۔ درویش نے کہا کہ اپنے باپ کی اطاعت کرو مگر دل میں یہ سمجھو کہ مسجد بنوار ہے ہیں۔ جبکہ تمہارا مقصد نیک ہوگا تو صرف بُت خانہ کے نام سے کچھ نقصان نہ ہوگا۔ جب وہ مندر بنوا چکا تو ایک اور بھی بڑی مشکل پیش آئی یعنی اُس کے باپ نے اُسی مندر میں ایک بُت نصب کیا اور اُس کی پرستش کا اُس کو حکم دیا۔ اُس درویش نے مثل پیشتر کے پھر اُس نوجوان مُسلمان کو سمجھا دیا کہ کاغذ کے دو پرچوں پر اللہ کا نام لکھ کر اپنے ہاتھوں کی گھاٹیوں میں رکھو جب بُت کے سامنے ہاتھوں پر سر رکھ کر سجدہ کرو گے تو وہ خدا کی عبادت ہوگی نہ اُس بُت کی چنانچہ اُس نے ایسا ہی کیا ہے اور اِن تدبیروں سے اُس کا نیا عقیدہ بھی درست رہا اور اُس کے والدین کے دل میں بھی کسی طرح شک نہ آیا اسی عرصہ میں چالیس لڑکے امیروں اور سرداروں کے اُس نے اپنے ساتھی کر لئے اور اُن کے ساتھ تیراندازی اور فنون سپہ گری کی مشق کی۔ جب یہ سب سیکھے سکھائے آدمی اُس کے قابو اور اختیار میں ہوگئے تو وہ دفعتاً اپنے باپ کے روبرو آیا اور اُس کو حکم دیا کہ مُسلمان ہو۔ بادشاہ نے انکار کیا تب اُس کے ساتھیوں نے بادشاہ کو گرفتار کر لیا اور اُس کا مُنہ آسمان کی طرف کئے ہوئے پکڑے رہے اِس پر بھی وہ انکار کرتا رہا۔ پھر اُس کو زمین پر کھڑا کیا۔ اُس کے پاؤں تلے زمین پھٹنے لگی اور وہ رفتہ رفتہ دھسنے لگا تب بھی اُس کے بیٹے نے دین اسلام قبول کرنے کی ہدایت کی مگر اُس نے انکار ہی کیا یہاں تک کہ وہ بالکل زمین میں غایب ہوگیا اور اُس کا بیٹا یعنی

باتیں اُس کو بتادیجیو اور کل شام کو اور پھر یانگ حصار میں ہم سے تم سے گفتگو ہوگی اور کہا کہ ملکہ انگلستان مثل آفتاب کے ہیں جس پر اُن کی شعاع پڑتی ہے اُس کو گرمی پہنچتی ہے میں سردی میں ہوں اور چاہتا ہوں کہ اُن کی کچھ شعاعیں مجھ پر بھی پڑیں میں ایک چھوٹا سا آدمی ہوں چند برسوں میں خداوند کریم نے اتنا بڑا ملک عطا کر دیا ہے تم آئے میری بڑی عزت ہوئی مجھ کو اُمید ہے کہ تم اپنے ملک میں میری اعانت کروگے جو کچھ مجھ سے تمہاری خدمت ہونی ممکن ہو اُس کے لئے ارشاد کرو اور اسی طرح میرے ساتھ بھی پیش آنا اب کہو واپس جاکر میرا کیا حال بیان کروگے۔ میں نے کہا میں کہونگا کہ جو کچھ آپ کی شہرت ہندوستان تک پہنچی ہے وہ اصل حقیقت سے نصف ہے۔ یہ سُن کر بادشاہ ہنسے اور مصافحہ کرنے کو ہاتھ بڑھایا۔ پھر فرمایا کہ تم اپنے آدمی ترکستان میں تجارت کے لئے بھیجا کرو ملکہ اپنا ایلچی یہاں بھیجیں یا نہ بھیجیں مگر خاص تمہارے آدمی آیا جایا کریں۔ پھر پوچھا کہ سال بھر میں ایک آدمی بھیجوگے۔ میں نے عرض کیا کہ اگر حضور کی اجازت ہے تو ضرور بھیجونگا بادشاہ نے فرمایا سب قسم کی سوداگری کی چیزیں بھیجنا اور ہمارے نام خط لکھنا اور جو کچھ تمہیں درکار ہو ہم سے طلب کرنا۔ تمہارے بخیریت پہنچنے کا خط ہمارے واسطے ایک نعمت ہوگا۔ میں نے جواب دیا کہ بے شک اِس ذریعہ سے آپ کی خیروعافیت کا حال مجھے معلوم ہوتا رہیگا جس سے مجھ کو بڑی خوشی ہوگی میں دُعا کرتا ہوں کہ آپ کی سلطنت صدہا برس قائم رہے۔ الحاصل اسی قسم کی گفتگو کے بعد میں نے چاء پی اور مجھ کو خلعت مرحمت ہوا جس کے بعد کچھ تھوڑی سی دیر بیٹھ کر میں رخصت ہوا۔ ایک شہزادہ مجھ کو صدر دروازہ تک پہنچا گیا سب لوگوں نے مجھ کو مُبارکباد دی ٭

چھٹی اپریل کو بادشاہ کے ہاں سے روپیہ اشرفیاں اور کچھ سونے کے ریزے کاغذ میں لپیٹے ہوئے سرکار لایا اور کہا کہ یہ آپ کے ذاتی اخراجات کے لئے ہیں۔ وہ سب مالیت تخمیناً چھ سو نوے پونڈ یعنی چھ ہزار نو سو روپیہ کی تھی۔ تھوڑی دیر بعد وہی شخص پھر آیا اور پینتالیس پونڈ یعنی چار سو پچاس روپیہ منشی کے لئے لایا۔ اور پھر ایک زردوزی سُرخ ساٹن کا چُغہ اور ایک اونچی مخمل کی ٹوپی میرے لئے اور کچھ کپڑے منشی اور میرے ملازموں کے لئے آئے۔ تھوڑے عرصہ بعد ایک گھوڑا نہایت عمدہ اسباب سے سجا ہوا آیا اور اُس کی باگ میرے ہاتھ میں دی گئی اور دعائیں پڑھی گئیں۔ شام کو میں پھر بادشاہ کی ملازمت کے لئے گیا۔ معمولی گفتگو کے بعد بادشاہ نے پھر یہی کہا کہ بمقابلہ ملکہ کے جو ہفت اقلیم کی حکمراں ہیں میری کچھ حقیقت نہیں۔ اِس کے بعد انگلستان کے ساتھ دوستی کا تذکرہ آیا خصوصًا میری دوستی کا بادشاہ نے فرمایا کہ جب میں تمہارا مُنہ دیکھتا ہوں میرے دل میں ایک نیک شگون کا خیال پیدا ہوتا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ آپ کی بے انتہا نوازش ہے میں اِس کا مستحق نہیں ہوں اور مجھ پر کیا منحصر ہے آپ میری تمام قوم اور ملکہ پر بھی ایسی ہی مہربانی فرماتے ہیں۔

پھاٹک کھول کر ہم لوگ چوک میں پہنچے جہاں چینی کی لالٹینیں روشن تھیں اُس کے مقابلہ میں دیوان خانہ تھا جس میں نہایت عُمدہ روشنی ہو رہی تھی۔ میرا رہنما مجھ کو دیوان خانہ کی سیڑھیوں پر چھوڑ کر چلا گیا میں اکیلا کمرہ سے اندر گیا۔ اتالیق غازی ایک گوشہ میں بیٹھے تھے۔ مجھ کو دیکھ کر ہاتھ بڑھایا اور یہ کہہ کر آرام سے بیٹھو اپنے روبرو بٹھایا۔ بعد مزاج پُرسی کے ایک ہندوستانی جمعدار ترجمان بنایا گیا تمام گفتگو لفظ بلفظ تو میں نہیں بیان کر سکتا کیونکہ گھنٹہ بھر سے زیادہ میں بیٹھا رہا اور گفتگو ہوتی رہی تھی۔ خلاصہ تمام گفتگو کا یہ ہے :۔

بادشاہ نے فرمایا کہ اِس مُلک میں آپ کے آنے سے میں اپنی بڑی عزت سمجھتا ہوں اور میں انگریزوں کے مقابلہ میں طاقت اور مرتبہ میں بہت کم ہوں۔ میں نے جواب دیا کہ آپ کے اور انگریزوں کے باہم ایسی ہی دوستی ہو جانے کی مجھے اُمید ہے جیسی کہ سُلطان روم اور انگریزوں کے درمیان میں ہے اور دوستوں کے درمیان میں کمی بیشی کا کوئی خیال نہیں کیا کرتا۔ بادشاہ نے کہا خدا ایسا ہی کرے اور مجھ کو بھائی کہہ کر فرمایا کہ میری رعایا سب تمہاری غلام ہے جب قرب و جوار کی قومیں تمہارے یہاں آنے کا حال سُنینگی تو میری اور بھی عزت بڑھ جاویگی۔ میں نے جواب میں عرض کیا کہ نہ مجھ کو ملکہ نے بھیجا ہے نہ لاٹ صاحب نے۔ میں آپ کی ناموری سُن کر خود آیا ہوں۔ مجھ سے آپ کو صرف اسی قدر فائدہ ہو سکتا ہے کہ میں اپنے مُلک اور اپنے بادشاہ کا حال بتا دوں۔ بادشاہ نے کہا کہ تم ہمارے بھائی ہو اور بہت سے اور بھی تعظیمی کلمے کہے اور فرمایا کہ میں نے اِس سے پیشتر کبھی کسی انگریز کو نہیں دیکھا تھا گو اُن کی طاقت اور سچائی کا حال سُنتا رہا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ انگریزوں سے سوائے بھلائی کے کوئی مضرات ظہور میں نہ آویگی۔ میں تم کو اپنا بھائی سمجھتا ہوں جو کچھ تم صلاح دو۔ وہ میں کروں۔ میرا ارادہ نہایت عمدہ ہے اور ایلچی بھیجنا بہت مناسب ہے۔ پھر بادشاہ نے کہا کہ میں ایلچی بھیجونگا اور اُس کے ہاتھ ایک خط اِس درخواست سے بھیجونگا کہ وہ اُس کو ملکہ کی خدمت میں روانہ کر دیں۔ میں نے عرض کیا کہ یہ بہت بہتر تدبیر ہے بادشاہ نے پوچھا کہ کب بھیجنا چاہیئے۔ میں نے کہا جب آپ کی مرضی ہو۔ میرے ساتھ خواہ مجھ سے پہلے یا میرے بعد روانہ فرمایئے مگر میری رائے یہ ہے کہ جو کچھ کرنا ہو جلد کیجیئے۔ تب بادشاہ نے فرمایا کہ میرا ایلچی بے شک تمہارے ساتھ جاویگا اب میں یہاں پر تم کو تین دن اور ٹھہراؤنگا پھر یارقند کو چلنا پڑیگا اور ایلچی کو میں یا تو یارقند میں یا یانگ حصار میں تمہارے سپرد کرونگا۔ میں نے کہا بہت اچھا اگر ارشاد ہو تو جو کچھ باتیں اُس سے پوچھی جاویگی وہ سب میں اُس کو بتا دونگا اور پھر وہ ایلچی اُن سب امور کی نسبت حضور کی اجازت حاصل کر لیگا ورنہ جب وہ ہمارے حاکموں کے روبرو جاوے تو گفتگو کرنے میں شاید اُس کو دقت پیش آوے۔ بادشاہ نے فرمایا کہ ہاں سب

اور سکندر کے اپنی قوت بازو سے بڑی بڑی سلطنتیں حاصل کرتے ہیں وہی قابل تعریف ہوتے ہیں
بادشاہ نے فرمایا خدا تمہارا قول سچا کرے اور یہ بھی کہا کہ ایک اور انگریز یارقند میں آیا تھا تم اُس کو
جانتے ہو۔ میں نے کہا کہ ایک انگریز مجھ کو تبت میں ملا تھا اور اُس نے مجھ سے درخواست کی تھی
کہ مجھ کو اپنے ساتھ لے چلو مگر میں نے انکار کیا کیونکہ میں نے صرف اپنے ہی لئے حضور کے درخواست
کی تھی۔ بادشاہ نے کہا خیر لیکن جو کوئی انگریز یہاں آوے میں اُس سے خوش ہوں اس کے بعد میں
رخصت ہوا نیچے اوپر تین بھاری بھاری چغہ جو بادشاہ نے عطا فرمائے تھے پہنے ہوئے تھا
اس لئے گرمی کے مارے میں گھبرا گیا تھا ٭

میں نے چاہا کہ اُس سرکار کو جو بادشاہ کے حضور میں سے میرے لئے نقد و جنس لایا تھا کچھ
دوں مگر اُس نے انکار کیا اور کہا کہ اگر میں مہمان سے ذرا سی بھی کوئی چیز لے لوں تو بادشاہ میری
گردن ماریگا۔ اپریل کی بارھویں تاریخ صبح کو بادشاہ سے رخصت ہونے کو گیا۔ ملازمان شاہی
مجھ کو قلعہ میں لے گئے جس کے اندر جا کر ایک صحن کی حد پر بادشاہ کو بیٹھے پایا حسب معمول میں
روبرو بٹھایا گیا اور ترجمان طلب ہوا۔ باہم مزاج پُرسی کے بعد لمبی گفتگو ہوئی جس کا پورا پورا لکھنا
ممکن نہیں۔ مختصر یہ ہے کہ بادشاہ نے فرمایا ایک معزز سید کو میں بطور ایلچی تمہارے ساتھ روانہ
کرنا چاہتا ہوں جب اپری کاٹ میوہ کی فصل آوے تب تم روانہ ہو کیونکہ اُسی وقت راہ کھلی رہتی ہے
اور یارقند اور شہید اللہ و کشمیر اور تبت سے اپنی خبر بھیجو پھر فرمایا کہ مہاراجہ کشمیر کے نام بھی کوئی خط
لکھوں یا نہیں اس میں تمہاری کیا صلاح ہے۔ یہ کہہ کر میرے مُنہ کی طرف دیکھنے لگے میں نے چاہا
کہ اِس کا کچھ جواب نہ دوں لیکن جب بادشاہ نے مکرّر پوچھا تو میں نے کہا کہ بڑے بڑے بادشاہوں
کو باجگذار رئیسوں سے خط کتابت کرنا مناسب نہیں۔ بادشاہ نے کہا میں بھی جاننا چاہتا تھا
میں تمہارے ساتھ ایک شخص ایسا بھیجونگا جو بالکل تمہارے حکم کے تابع رہے اُس کو تم کشمیر سے
جب جی چاہے واپس کر دیجیو۔ پھر پوچھا کہ کشمیر میں کوئی ایسا تاجر مقرر کروں جو وہاں کے حالات
لکھتا رہے۔ میں نے کہا بیشک رکھنا چاہئے اور اُمید ہے کہ آپ لاہور میں اپنا ایک وکیل رکھنے کا
بہت جلد اہتمام فرما دینگے۔ یہ سب باتیں میں نے بہت رُک رُک کر کہیں اور یہ بھی کہہ دیا کہ ایسے
امور میں صلاح دینا میرا کام نہیں ہے آپ اپنی تجویز سے کام کیجئے مگر بادشاہ سب باتوں میں دوستی
کا حوالہ کر کے کہتے تھے کہ تم ہندوستان کے حال سے واقف ہو اور جبکہ تم سا دوست ایسی باتوں
میں بھی صلاح نہ دے جن سے وہ واقف ہے تو اُس سے اور کیا ہوتا ہے۔ پھر ملکہ کی عظمت اور بزرگی
کا تذکرہ ہوا اور بادشاہ نے کہا کہ ملکہ مثل آفتاب کے ہیں جس کی کرنوں سے ہر چیز کو گرمی پہنچتی ہے ایسے
بڑے بادشاہ کی دوستی کے لائق تو میں نہیں ہوں مگر یہ اُمید رکھتا ہوں کہ مجھ کو بھی اُن کی شعاعوں

یہ سُن کر بادشاہ نے سمجھا کہ جو چیزیں صبح کے وقت مجھے عطا فرمائی تھیں اُن کی نسبت گویا میں نے
یہ کہا کہ وہ میری قوم اور ملکہ کے واسطے ہیں چنانچہ فرمانے لگے کہ نہیں نہیں وہ سب چیزیں خاص
تمہارے لئے ہیں تمہاری ملکہ کے لئے مناسب تحفہ میں مہیا کرونگا میں تمہارے ملک کے دستوروں
سے ناواقف ہوں مگر تم ہمارے دوست ہو ہم کو بتاؤ گے کہ ملکہ کے لئے کیا کیا چیزیں بھیجنی مناسب
ہونگی۔ ملکہ کا مرتبہ بہت اعلےٰ ہے۔ میں بے حقیقت ہوں۔ میں تم سے کوئی بات نہیں چھپاتا
تم میرے ملک کے حال سے واقف ہو یہاں اُونی کپڑا اور اسی قسم کی اور چیزوں کے سوا کچھ نہیں
ہوتا پس تم کو چاہئے کہ تم مجھ کو صلاح دو۔ میں نے جواب دیا کہ بادشاہوں کے لئے دوستی اور اتحاد
ایک بہت بیش بہا تحفہ ہے جو وہ آپس میں ایک دوسرے کو دے سکتے ہیں لیکن اگر میری مصلحت
کی ضرورت ہے تو میں حاضر ہوں۔ بادشاہ نے فرمایا کہ یہ امر میں تمہیں پر چھوڑتا ہوں جب
یانگ حصار میں مُلاقات ہوگی تب اس کا انتظام کرینگے۔ یہاں کام کی کثرت ہے روس اور
قوقان اور بخارا وغیرہ سب طرف سے لوگ یہاں آئے ہوئے ہیں لیکن یانگ حصار میں سب
کام چھوڑ کر تم سے مشورہ کرونگا۔ جو کچھ تم صلاح بتلاؤ گے وہ کرونگا خواہ خط لکھینگے یا ایلچی
بھیجینگے یا اور جو کچھ تم کہو گے سو کرینگے۔ میں نے کہا کہ ایلچی بھیجنے کی رائے بہت عمدہ ہے اس کی
تعمیل میں جو کچھ تائید مجھ سے ممکن ہے اُس کے لئے میں حاضر ہوں۔ پھر بادشاہ نے انگلیوں پر
شمار کرکے فرمایا کہ کل چہارشنبہ ہے پرسوں پنجشنبہ اور اترسوں جمعہ کو میں اپنے لڑکے کو یہاں چھوڑ کر
یانگ حصار کو روانہ ہونگا دو دن تم یہاں اور رہو میرا مُلک اور میری سب رعایا تمہاری ہے اور
جمعہ کے روز یانگ حصار میں مجھ سے ملو۔ مجھ کو اُس جگہ سے نہایت اُنس ہے کیونکہ اُس مُلک میں
میں نے پہلے پہل اسی شہر کو فتح کیا تھا میرا ارادہ ہے کہ جمعہ کی نماز وہیں جا کر ادا کروں۔ اُس
کے بعد سب بندوبست ہوگا اور میں دو یا تین عقلمند رئیس بھی تمہارے ساتھ کردونگا وہ لوگ
تم کو ہاتھوں ہاتھ آرام سے میرے مُلک میں سے لے جاوینگے اور تمہارے مُلک میں تمہارے ہمراہ
جاوینگے۔ اس کے بعد بادشاہ نے فرمایا کہ میں نہایت محجوب اور شرمندہ ہوں کہ اس سے پیشتر اِس
مُلک میں ایک انگریز آیا تھا اُس کو ولی خاں ڈاکو نے مار ڈالا۔ میں نے جواب دیا کہ ہم لوگ خوب جانتے
ہیں کہ آپ کا اُس میں ایما نہ تھا اور نہ ہم آپ پر اُس کا الزام لگاتے ہیں وہ مسافر انگریز نہ تھا جرمنی تھا
مگر پھر بھی ہم لوگوں کا اُس کے مارے جانے کا بڑا رنج ہے کیونکہ وہ ہندوستان میں ہمارا مہمان تھا
اور وہیں سے ترکستان میں آیا تھا۔ پھر بادشاہ نے چھ اُنگلیاں اُٹھا کر فرمایا کہ اتنے برس سے میرا
اختیار اِس مُلک پر ہے اِس سے پیشتر میں کچھ بھی نہ تھا۔ میں نے عرض کیا کہ جو بادشاہ باستحقاق
موروثی بادشاہت حاصل کرتے ہیں اُس میں اُن کی کچھ لیاقت نہیں سمجھی جاتی بلکہ جو لوگ مثل تیمور

شام کے وقت مجھ سے اور پنجا باشی دادا خان سے ایک پرانی عمارت کا تذکرہ ہوا۔ یہ عمارت کاشغر اور قوقان کی راہ پر مقام اراون میں جو اُس سے پندرہ میل کے فاصلہ پر ہے واقع ہے اور اُس میں سے ایک پہاڑ میں پرانی سیڑھیاں ہیں جن پر سے ایک ایسے درہ کی راہ ہے جس کا دروازہ نہایت تنگ اور چھوٹا ہے اور درہ بہت وسیع ہے۔ یہ سیڑھیاں اور عمارت چہل ستون کہلاتی ہے یہاں کے لوگ اِس عمارت کی نسبت بجز اِس بات کے کہ یہ عمارت قدیم ہے اور کوئی روایت نہیں رکھتے ؛

شہر یارقند کی کُل آبادی میرے اندازہ سے پچھتّر ہزار آدمیوں سے کم نہیں ہے نیا شہر یعنی قلعہ بہت چھوٹا قریب ہزار گز مربع کے ہے۔ اُس کی آبادی پانچ ہزار سے کم نہ ہوگی پس کل آبادی شہر اور قلعہ کی اسی ہزار آدمیوں کی ہوگی گو تعلیم ادنےٰ درجہ کی ہوتی ہے مگر انتظام تعلیم بہت اچھا ہے۔ جہاں مسجد ہے وہاں اُس کے ساتھ ایک ابتدائی مدرسہ بھی ہے۔ زیادہ عمر کے طالب علموں کے لئے یعنی پندرہ برس سے بیس برس کی عمر کے طالب علموں کے لئے پچاس یا ساٹھ مدرسہ ایسے ہیں جن میں بحساب اوسط سو طالب علم تعلیم پا سکتے ہیں اور اُن مدرسوں کے لئے زمین عطا ہوئی ہے ہر ایک طالب علم بھی تھوڑی سی فیس دیتا ہے مگر تعلیم وہاں صرف اسی قدر ہوتی ہے کہ کچھ لکھنا پڑھنا آجاوے اور قرآن شریف پڑھ سکیں۔ بعض اوقات قرآن شریف بامعنی بھی پڑھایا جاتا ہے اسی تعلیم کی بنا پر لوگ اپنے آپ کو ملا لکھتے ہیں۔ اہل چین کے زمانہ کی نسبت اب مدرسوں کی تعداد زیادہ ہوگئی ہے۔ بالفعل اتالیق غازی نے بھی دو مدرسے جدید یارقند میں تعمیر اور قایم کئے ہیں جن کے ساتھ بڑے بڑے تالاب بھی سایہ دار بنائے ہیں۔ اندجان والوں اور اتالیق غازی کے عہد سے اسلام کا ویسے ہی سختی اور تشدد کے ساتھ برتاؤ ہے جیسا کہ بخارا میں تھا محتسب گلی کوچوں میں پھرتا ہے اور جس مرد کو بلا دستار اور جس عورت کو بغیر برقع کے دیکھتا ہے سزا دیتا ہے۔ جہاں کہیں وہ گذرتا ہے ہر شخص رستہ چھوڑ کر اِس خوف سے کھڑا ہو جاتا ہے کہ کہیں میری کوئی خطا نہ نکل آوے۔ میں نے سنا ہے کہ اتالیق غازی سوائے ایسے شخص کے جو ملک میں فساد برپا کرے لڑائی کے قیدیوں کو کبھی قتل نہیں کرتا۔ چوروں کی عام سزا پھانسی ہے اور بدکاروں کی گردن ماری جاتی ہے ؛

گیارھویں مئی کو داد خواہ نے میرے لئے یوز باشی کی معرفت ایک گھوڑا بھیجا اور کہلا بھیجا کہ میں نے سنا ہے آپ کوئی گھوڑا خریدنا چاہتے ہیں۔ اگر آپ خریدینگے تو میری میزبانی میں بٹہ لگ جاویگا یہ وہی عمدہ گھوڑا تھا جس کی میں نے ایک مرتبہ تعریف کی تھی۔ پھر یوز باشی نے مجھ سے پوچھا کہ داد خواہ دریافت کرتے ہیں کہ آپ کو اور بھی گھوڑے کی ضرورت ہے۔ میں نے کہا کہ میری تو زبان بند ہے کیونکہ جب میں گھوڑا خریدنے کی اجازت چاہتا ہوں داد خواہ اپنے پاس سے عنایت

کی دُھوپ کھانے کی اجازت ملے اور یہ بات میں اِس لئے چاہتا ہوں کہ میرے چاروں طرف دشمن ہیں۔ اِس کے بعد پھر میری دوستی کا ذکر ہوا اُس پر میں نے عرض کیا کہ میرا دِل آپ کے دِل کے ساتھ وابستہ ہے۔ آپ نے جو کچھ الطاف اور نوازش میرے حال پر فرمائی ہے اس کا حال میں اپنے مُلک کے لوگوں سے کہونگا۔ بادشاہ نے فرمایا کہ کسی منشی کو یا کسی اور ملازم کو میرے پاس بھیجا کیجیئو اور اپنی خیر و عافیت کا حال لکھتے رہیو۔ میں بھی اپنا حال تم کو لکھونگا اور اِس مُلک کی جو چیز مطلوب ہو وہ طلب کیجیو یہ سب تمہارا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ ضرور ایسا ہی کرونگا۔ اِس گفتگو میں بہ نسبت پیشتر کے بادشاہ کی طرف سے مہربانی کا زیادہ اظہار ہوتا تھا بات چیت ہنس ہنس کر نہایت آسان فارسی میں کرتے تھے اور ہر جُملہ پر جھک کر یہ کہتے۔ شا صاحب سمجھے۔ آخر کار چار کے بعد مجھ کو خلعت مرحمت ہوا اور میں رخصت ہوا۔ بادشاہ نے میرا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں سے تھام کر کہا خدا حافظ اور پھر ہاتھ اُٹھا کر عربی میں میری خیر و عافیت کے لئے دعا پڑھی اور چہرہ پر سے ڈاڑھی تک ہاتھ پھیر کر کہا اَللّٰہُ اَکبَرُ ٭

یارقند کو واپس آتے ہوئے پندرھویں اپریل کو ہم ایک گانوں میں ناشتہ کے لئے اُترے وہاں ایک عجیب واقعہ پیش آیا یعنی میں یوزباشی اور پنجاباشی کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا اور چوہارو نام میرا ملازم میرے لئے کوئی چیز لایا۔ یوزباشی میرے آدمیوں پر بہت مہربان رہتا تھا۔ اُس نے پنجاباشی سے ہنس کر کہا کہ دیکھو یہ ایک ہندو ہے ہندو کسی دوسری قوم کے ساتھ کھانا نہیں کھاتے۔ پنجاباشی کی طبیعت ذرا آزاد کم تھی۔ اُس نے حقارت کے ساتھ چوہارو کی طرف دیکھ کر ترشی سے کہا کہ تو ہندو ہے۔ چوہارو نے یا تو جلدی میں یا یوزباشی کی مہربانی کے خیال سے ہنس کر جواب دیا۔ نہیں میں مُسلمان ہوں۔ اُس پر دونوں شخص اُچھل پڑے اور بولے کہ دیکھو اُس نے اپنے مُنہ سے کہا کہ میں مُسلمان ہوں۔ پھر مجھ سے مخاطب ہو کر بولے کہ ہم دونوں آدمی اِس بات کے گواہ ہیں۔ میں چُپ رہا۔ پھر ہنس کر جواب دیا کہ ہاں میں نے بھی سُنا لیکن خیر اَب اِس بات کو جانے دیجئے آیئے کھانا کھایئے کھانا ٹھنڈا ہوتا ہے۔ وہ لوگ متعجب ہو کر بیٹھ گئے مگر وہی تذکرہ کرتے رہے میں نے دو ایک باتیں ہنسی کی کہہ کر اُس بات کو ٹالا لیکن دیر تک میں بھی مشوش رہا کیونکہ وسط ایشیا کے متعصب مسلمانوں کی سختی کے حال سے میں واقف تھا یہ مُسلمان کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اتفاق سے بھی ایک مرتبہ یہ کہہ دے کہ میں مُسلمان ہوں یا صرف یا اللہ کہے تو ہم اُس کو پھر بُت پرستی نہیں کرنے دیتے یا دم اسلام اختیار کرے یا موت یوزباشی نے پھر مجھ سے کہا کہ چوہارو خوب بچا کہ اس موقع پر میرے اور پنجاباشی کے سوا اور کوئی نہ تھا ہم آپ کے سبب سے اِس بات کو دبائے دیتے ہیں تاکہ قاضی کے کان تک نہ جائے ٭

پانچ حصہ ہیں۔ پس میں نہیں کہہ سکتا کہ ہمارا ملک کس اقلیم میں ہے لیکن سب سے بڑے دنوں میں دن رات کے چوبیس گھنٹہ میں سے اٹھارہ یا انیس گھنٹے کا دن ہوتا ہے۔ وادخواہ نے ہاتھ اُٹھا کر کہا کہ تم تو اقلیم پنجم کے کنارہ پر ہو۔ میں نے کہا کہ اُس سے بھی اور شمال کی طرف جہاں ہمارے جہاز بڑی بڑی مچھلیاں پکڑنے جاتے ہیں وہاں گرمی کے موسم میں آفتاب شب و روز اُفق سے نیچے نہیں اُترتا وادخواہ نے پوچھا کہ وہاں کس قسم کے لوگ آباد ہیں اور کہا کہ ہمارے قاعدہ کے موافق ایسی آب وہوا سے جسم میں بڑی طاقت پیدا ہوتی ہے۔ میں نے وہاں کے باشندوں کا حال بیان کیا اور کہا کہ اُن کے قد ہمارے سینہ سے اونچے نہیں ہوتے اُس پر وادخواہ نے کہا کہ وہ سردی سے ٹھٹھر گئے ہونگے۔ میں نے پھر کہا کہ ہمارے ملک سے اکثر جہاز اور ذی علم لوگ مُلکوں کی تحقیقات کے لئے جایا کرتے ہیں۔ وادخواہ نے کہا کہ عقلمند گورنمنٹ کا یہی طریقہ ہے کہ سب باتوں سے مطلع رہے ۔

شا صاحب لکھتے ہیں کہ میں نے مُلک اور آب وہوا کا تذکرہ اِس بات کے ظاہر کرنے کے لئے لکھا ہے کہ وادخواہ ذہین اور عالم شخص ہے کیونکہ ایشیا کے رہنے والوں کو جو یورپ کے علوم سے ناواقف ہیں اِس بات کی واقفیت نہیں ہوتی کہ جس قدر شمال کی طرف جائیں اُسی قدر دن اور رات میں فرق ہوتا جاتا ہے گو میں نے صرف اتنی ہی بات کہی تھی کہ قطب کے قریب کے مُلکوں میں گرمی کے موسم میں ہر وقت آفتاب موجود رہتا ہے اور اِس بات کو میں کہنے بھی نہیں پایا تھا کہ سردی میں آفتاب مطلق طلوع نہیں ہوتا تاہم وادخواہ نے فوراً سمجھ لیا کہ وہ مُلک سرد ہوگا ۔

اٹھائیسویں مئی کو یوزباشی نے آکر یہ خبر دی کہ پرسوں کی تاریخ آپ کی روانگی کی قرار پائی۔ ظہر کی نماز کے بعد میں وادخواہ سے ملنے کو گیا اور اُن سے پوچھا کہ ہندوستان سے میں آپ کے لئے کیا چیز بھیجوں۔ اُنہوں نے جواب دیا کہ میں سپاہی ہوں سوائے بندوق کے اور کس چیز کی مجھے خواہش ہے مگر میں تمہاری خیر و عافیت چاہتا ہوں اور پھر بندوق کے لئے درخواست کرتا ہوں۔ جو ایلچی میرے ساتھ روانہ ہونے والا تھا میں نے اُس کا حال دریافت کرنا چاہا مگر وادخواہ نے بالکل لاعلمی ظاہر کی اور کہا کہ اب آپ نے دروازہ آمد و شد کا کھولا ہے آپ کی دوستی اور آپ کا نام میرے دل پر نقش کالحجر ہے جو بجز موت کے مٹ نہیں سکتا۔ اِس کے بعد میں سب سے رخصت ہوا ۔
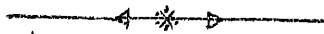
کر دیتے ہیں۔ بہت سی چیزیں مثل نچر اور ریشم وغیرہ کے میں خریدنا چاہتا ہوں لیکن اگر بلا اجازت خریدوں
تو داد خواہ ناراض ہو جاوینگے اور جو اجازت چاہتا ہوں تو وہ خود ہی عنایت کر دینگے۔ پس شرم
کے سبب سے میں تو کچھ کہہ نہیں سکتا چپ ہوں ✿

بارھویں مئی کی صبح کو داد خواہ کا ایک رقعہ منشی نے کر آیا اور مجھ سے کہا کہ آپ اپنے لئے چیزیں
خرید کرتے ہیں اس سے داد خواہ بہت ناراض ہیں اور کہتے ہیں کہ مجھ کو کیوں نہیں اطلاع دیتے
جو میں سب چیزیں مہیا کر دوں یہ بات دوستی کے برخلاف ہے۔ تب میں نے منشی سے اُس رقعہ
کے جواب میں لکھوایا کہ داد خواہ کی نوازش میرے حال پر اس قدر ہے کہ وہ مجھ کو صرف وہی چیزیں
نہیں عنایت کرتے جن کی میں درخواست کرتا ہوں بلکہ وہ چیزیں بھی مرحمت فرماتے ہیں جن کی
میں دل میں خواہش کرتا ہوں۔ پس میں نے اب اپنے دل میں بھی کسی چیز کی خواہش کرنا ترک کر دیا
ہے۔ میں اُن کے بارِ احسان سے دبا جاتا ہوں اور مجھ کو بڑی شرم آتی ہے ✿

بیسویں مئی کی صبح کو یوزباشی داد خواہ کے پاس سے یہ خبر لایا کہ اب وقت روانگی کا قریب
آگیا سامان سفر گھوڑے وغیرہ تیار کرنا چاہئے اور جو چیزیں درکار ہوں وہ خرید لینی چاہئیں اور
مجھ سے پوچھا کہ داد خواہ آپ کے دوست ہیں آپ اُن سے کیا تحفہ لیجئیگا۔ میں نے جواب دیا کہ
ہمارے مُلک میں دوست سے تحفہ لینے کا رواج نہیں ہے۔ اُس نے کہا آپ اپنے مُلک میں نہیں
ہیں جہاں ہیں وہاں کا دستور برتنا چاہئے اور اگر آپ کسی تحفہ کے لئے اپنی خواہش ظاہر نہ کرینگے
تو داد خواہ ناراض ہو جاوینگے ✿

بائیسویں مئی کی صبح کو میں یوزباشی کے ساتھ داد خواہ سے ملنے گیا وہاں موسم کی گرمی کا تذکرہ
ہوا۔ داد خواہ نے کہا پانی نہیں برستا جو ہوا ٹھنڈی ہو۔ اندجان میں گرمی بہت ہوتی ہے لیکن
وہاں اکثر پانی برستا ہے اس لئے وہاں کی گرمی برداشت ہو سکتی ہے۔ میں نے کہا شاید اندجان
کی آب و ہوا ہمارے مُلک انگلستان کی آب و ہوا کے موافق ہے۔ میں نے سُنا ہے کہ اندجان
میں جاڑے کے موسم میں برف کثرت سے پڑتی ہے اور گرمی میں پانی افراط سے برستا ہے یہی حال
ہمارے مُلک کا ہے۔ داد خواہ نے کہا ہاں یہی حال ہے شاید اندجان کے ٹھیک مغرب اور مقابل
میں انگلستان ہے جس کے سبب سے دونوں کی آب و ہوا یکساں ہے۔ تب میں نے سمجھایا کہ
انگلستان اندجان سے شمال کی طرف واقع ہے اور قطب کے قریب ہے بہ نسبت یہاں کے
انگلستان سے وہ ستارہ آسمان پر زیادہ بلند نظر آتا ہے۔ داد خواہ نے کہا کہ میں یہ نہیں جانتا کہ
ہفت اقلیم میں سے کس اقلیم آپ کا مُلک ہے اور وہاں دن کتنے گھنٹہ کا ہوتا ہے کیا سولہ۱۶ گھنٹہ
کا ہوتا ہے۔ میں نے جواب دیا کہ ہم دنیا کو ہفت اقلیم پر تقسیم نہیں کرتے۔ ہمارے ہاں دنیا کے

موسوم بہ نجوم العلامات، تحریر فرمایا جو در حقیقت اپنی خوبی اور حسن بیان میں بے نظیر ہے۔ اِس رسالہ میں جناب موصوف نے ہر قسم کی علامتیں مقرر کی ہیں جو علامات قرأت قرآن مجید سے اخذ کی گئی ہیں۔ اور اکثر حروف مفردہ تہجی باضافہ ایک لکیر مثل زیر کے اُن علامتوں کے لئے مقرر کئے ہیں، اور ہر ایک علامت کا بیان نہایت خوبی اور خوش بیانی اور وضاحت سے کیا ہے ؛

ہم کو جناب ممدوح کی تمام تجویزوں سے دل سے اتفاق ہے، مگر جو علامتیں اُنہوں نے مقرر کی ہیں اُن سے بوجوہات مفصلۂ ذیل ہم کو اختلاف ہے :۔

اوّل۔ ہم نہیں پسند کرتے کہ جو علامتیں مدت سے قرآن مجید کی تحریر میں مخصوص ہو گئی ہیں وہ اور تحریروں میں مروّج کی جاویں، اور آیت اور مطلق جو خاص قرآن مجید کی اصطلاحات ہیں، اور تحریروں پر بولی جاویں، گو شرعاً و عقلاً اِس میں کچھ قباحت نہ ہو، الّا تعظیماً للقرآن المجید ایسا کرنا ہم پسند نہیں کرتے ؛

دوم۔ علامتیں جو حروف مفردہ تہجی سے مقرر کی گئی ہیں وہ اُردو زبان کی تحریر میں حروف عبارت سے مشتبہ ہو جاتی ہیں، اور پڑھنے میں شبہ پڑتا ہے کہ وہ حرف بھی منجملہ حروف عبارت ہے، اِس لئے ضرور ہے کہ علامات مذکورہ صرف نقوش ہوں حروف نہ ہوں ؛

سوم۔ علامات مذکورہ ایسی ہونی چاہئیں کہ جو پتھر اور ٹیپ دونوں قسم کے چھاپہ میں مستعمل ہو سکیں۔ پس اگر ہم ایسی علامتیں مقرر کریں جو ٹیپ میں بنی ہوئی مروّج نہ ہوں تو بالفعل ہم کو نہایت مشکل پڑیگی۔ اور کسی طرح ہم کو نہ اُن علامتوں کا ہاتھ آنا میسّر ہوگا نہ اُن کو بنا سکینگے، اِس لئے نہایت مناسب ہے کہ جو علامتیں انگریزی میں مروّج ہیں۔ وُہی ہم اُردو تحریر میں بھی اختیار کریں۔ اُن علامتوں کا ٹیپ ہر قسم کا بنا ہوا دستیاب ہوتا ہے۔ پتھر کے چھاپہ میں نہایت آسانی سے تحریر میں آسکتی ہیں، اور اُن کی شکل ایسی ہے کہ کسی حرف کے ساتھ مشابہ نہیں ہے، صرف ایک علامت ہے جو حرف واؤ کے مشابہ ہے، لیکن اُس کو اُلٹ دینے سے وہ التباس بالکل زایل ہو جاتا ہے۔ ہمارا ارادہ ہے کہ ہم تہذیب الاخلاق میں اُن علامتوں کا رواج دیں۔ اگر اور لوگ بھی اُس کو پسند کرینگے تو اُمید ہے کہ اُردو زبان میں بھی اُس کا رواج ہو جاویگا۔ اب ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ جناب منشی غلام محمد صاحب کے رسالہ کی خوشہ چینی سے اُن علامتوں کا اِس مقام پر کچھ بیان کریں ؛

علاماتِ قراءت

اِس مقام پر لفظ قرارت سے ہماری مراد قرارت مصطلحہ قرآن مجید نہیں ہے بلکہ اُس کے لغوی معنی مراد ہیں یعنی پڑھنے کے نشان؛ انگریزی میں چند علامتیں مقرر ہیں جن کو پنکچوئیشن کہتے ہیں انگریزی عبارت میں وہ نشان ہمیشہ لگائے جاتے ہیں؛ اُن سے فایدہ یہ ہے کہ عبارت کو فصیح طور پر پڑھنے میں آسانی ہوتی ہے۔ اُن نشانوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جُملہ کہاں ختم ہوا کہاں سے دوسرا مطلب شروع ہوا، کون سے لفظ ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں، کون سے علیحٰدہ ہیں، عبارت پڑھنے میں کس جگہ ٹھہرنا چاہیئے، کس جگہ ملا کر پڑھنا چاہیئے۔ تاکہ مطلب پڑھنے والے اور سُننے والے کی سمجھ میں بخوبی آتا جاوے۔ اِس کے سوا اُن نشانوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اِس عبارت میں کونسا جُملہ معترضہ ہے، اور کونسا استفہامیہ، کونسا اقتباسیہ، اور کونسا ندائیہ، کس مقام پر مصنّف نے کوئی بات تعجب انگیز لکھی ہے، اور کس مطلب پر مصنّف نے پڑھنے والے کی زیادہ توجّہ چاہی ہے، علیٰ ہٰذا القیاس۔ اِس میں کچھ شک نہیں کہ علامات قراءت نہایت عُمدہ چیز ہیں، اور علم ادب کی ترقی کے لئے نہایت مفید ہیں۔ تمام مُلکوں میں جہاں علوم و فنون علم ادب و انشاء، تہذیب و شایستگی کی ترقی ہے ان علامات کا استعمال ہوتا ہے۔ ہم مُسلمانوں نے اپنی تحریروں میں کوئی علامتیں اِس قسم کی معین نہیں کیں، با صرف قرآن مجید میں جس کو ہم نہایت عزیز و قابل ادب سمجھتے ہیں، اور جس کی تلاوت میں ہم کو بڑا اہتمام ہے، بعض ایسی علامتیں، جو قرارت قرآن مجید سے مخصوص ہیں، مقرر کی تھیں *

سنسکرت زبان کی تحریر میں بھی کچھ علامتیں اِس قسم کی مقرر نہ تھیں، لیکن اِس زمانہ میں جن لوگوں نے اپنی زبان کی ترقی اور درستی کی فکر کی ہے اُنھوں نے اپنی اپنی تحریروں میں ان علامتوں کا رواج شروع کیا ہے۔ بنگالی زبان کی تحریر میں تو یہ علامتیں نہایت خوبی سے مروج ہوگئی ہیں، اور اُوریا اور گجراتی اور ناگری میں بھی مروج ہوتی جاتی ہیں، مگر اُردو زبان کی تحریر میں اِس کا بہت کم رواج ہے۔ کبھی کبھی ہم اپنے تہذیب الاخلاق میں کوئی کوئی علامت اِس قسم کی لگا دیتے ہیں، یا آگرہ اخبار کے ایک صاحب معاون اپنے آرٹکلوں میں نہایت خوبی اور اسلوبی سے ان علامتوں کا استعمال کرتے ہیں *

کچھ کم دو برس کا عرصہ ہوا ہوگا کہ جناب منشی غلام محمدؐ صاحب متوطن بمبئی نے اِس پر بہت توجہ کی اور اُردو زبان کی تحریر میں بھی ان علامتوں کا مروّج ہونا ضرور سمجھا، اور اِس باب میں ایک رسالہ

کا نشان ہے کہ اِس مقام پر سے کچھ لفظ یا عبارت جو مطلب سے متعلق نہ تھا یا اُس کی نقل ضروری نہ تھی چھوڑ دی گئی ہے، اور ایک نجم علامت حاشیہ کی ہے ٭
(* † ‡ ||) اِن میں سے ہر ایک حاشیہ کی علامت ہے ٭

علامت سکتہ

اِس علامت سے جملہ کے ایسے حصّے علیحدہ علیحدہ معلوم ہوتے ہیں جو مطلب میں تو ملے ہوئے ہیں مگر پڑھنے میں اُن مقاموں پر ذرا سکتہ کر کر پڑھنا چاہیئے ٭
۱- جب کسی مفرد جملہ میں مبتدا اور خبر مرکب ہوں، تو اُن کے بیچ میں علامت سکتہ لگانی چاہیئے ٭
مثال- کسی چیز کی طرف مستقل اور پوری توجّہ۔ اعلےٰ طبیعت کی نشانی ہے ٭
۲- جملہ مرکبّہ کے اجزاء مفردہ بذریعہ علامت سکتہ علیحدہ کرنے چاہئیں تاکہ پڑھنے میں الگ الگ پڑھے جاویں ٭
مثال- جب اچھائی نہیں رہتی، تو لوگوں کی توجّہ بھی نہیں رہتی ٭
بہادروں نے جب دشمنوں کا حال سُنا، تو اُن پر نہایت دلیری سے حملہ کیا ٭
مگر جب جُملہ کے اجزاء ایسے ہوں کہ خود اُنہی سے اُن میں ترکیب پائی جاتی ہو، تو وہاں علامت سکتہ کا لگانا کچھ ضرور نہیں ہے ٭
مثال- خود ہمارا دل ہم کو بتاتا ہے کہ اصلی نیکی کیا ہے ٭
۳- معطوف و معطوف علیہ میں جب حرف عطف موجود ہو، تو وہاں بھی علامت سکتہ لگانی ضرور نہیں ٭
مثال- زمین اور چاند دونوں سیارے ہیں ٭
عقلمند آدمی وقت کی قدر کرتا ہے اور اُس کو ضائع نہیں کرتا ٭
کامیابی اکثر ہوشیاری اور ہمت سے کام کرنے پر منحصر ہوتی ہے ٭
مگر جب معطوف و معطوف علیہ میں حرف عطف موجود نہ ہو، تو وہاں علامت سکتہ لگانی ضرور ہے ٭
مثال- عقل، ہوش، علم، ہنر، سب وقت پر کام آتے ہیں ٭
وہ تو سیدھا، سادھا، ایمان دار، آدمی ہے ٭
مستثنےٰ او مستثنےٰ منہ کے درمیان میں بھی علامت سکتہ کا لگانا ضرور ہے ٭

مفصلہ ذیل علامتیں ہیں جو اُردو زبان کی تحریر میں مستعمل ہو سکتی ہیں

(،) کاما یعنی علامت سکتہ۔ انگریزی میں اِس کی یہ شکل ہے (,) مگر یہ حرف واؤ کے مشابہ تھا اس لئے اُس کو اُلٹ دیا تاکہ حرف مفرد تہجی سے مشابہت نہ رہے ٭

(؛) سیمیکولن یعنی علامت سکون۔ انگریزی میں اس کی صورت یوں (;) ہے۔ اس کو بھی اُلٹ دیا ہے ٭

(:) کولن یعنی علامت وقفہ ٭

جہاں علامت سکتہ ہو اُس لفظ پر پڑھنے میں ذرا ٹھہرنا چاہیئے، اور جہاں علامت سکون ہو وہاں ذرا اُس سے زیادہ، اور جہاں علامت وقفہ ہو وہاں ذرا اُس سے بھی زیادہ ٭

(۔) فلسٹاپ یعنی علامت وقفہ کامل۔ یہ علامت اس بات کی ہے کہ یہاں فقرہ پُورا ہو گیا ٭

(؟) نوٹ آف انٹروگیشن یعنی علامت استفہام یا علامت سوال ٭

(!) نوٹ آف اکسکلامیشن یعنی علامت تعجب و حیرت و فرحت۔ اگر یہی نشان برابر دو (!!) کردیئے جاویں یا تین (!!!) کردیئے جاویں تو زیادہ تعجب و حیرت یا مسرت پر دلالت کرتے ہیں ٭

(-) ہائی فن یعنی علامت ترکیب ٭

(–) ڈیش یعنی خط یا لکیر ٭

( ) پرنتھسز یعنی علامت جملہ معترضہ ٭

(" ") کوٹیشن یعنی علامت اقتباس۔ انگریزی تحریر میں یہ علامت اس طرح پر لکھی جاتی ہے، (" ") مگر ہم نے دونوں کو اُلٹا رہنے دیا ہے ٭

لفظوں کے اوپر لکیر کردینا، یہ قدیم علامت نقل یا اقتباس کی ہے، جیسے کہ شرح میں متن کی عبارت پر لکیر کردی جاتی ہے ٭

—— انڈر لین یعنی علامت توجہ۔ جن لفظوں کے نیچے لکیر کردی جاتی ہے وہ اِس بات کا نشان ہے کہ پڑھنے والا اُس پر زیادہ توجہ کرے ٭

(*) اسٹار یعنی نجم کسی جملہ یا عبارت منقولہ کے بیچ میں دو یا تین نجم لگادینا اس بات

۶- جملہ بیانیہ فقرہ مفرد کے شروع میں ہو، خواہ بیچ میں، خواہ اخیر میں، اس کے ساتھ بھی علامت سکتہ ہونی چاہیئے *

مثال۔ اُن کی نیکی، احسانمندی سے، مجھے یاد ہے *

اُن کی نیکی مجھے یاد ہے، نہایت احسانمندی سے *

احسانمندی سے، اُن کی نیکی مجھے یاد ہے *

۷۔ جبکہ کسی جملہ میں دو اسم آویں، اور پچھلا اسم، مع اپنے متعلقات کے اُسی شخص یا چیز پر دلالت کرے جس پر پہلا اسم دلالت کرتا ہے، تو اُن کے درمیان میں بھی علامت سکتہ لگانی چاہیئے *

مثال۔ احمد، خیرخواہ معاندان *

مگر جب کئی لفظ مل کر ایک مرکب اسم بنے، تو اُن لفظوں کے درمیان میں علامت سکتہ نہ ہونی چاہیئے *

مثال۔ شاہجہان آباد۔ اکبر آباد۔ الہ آباد۔ چتور گڈھ۔ مشکل کشا۔ نبی آخرالزمان مشکل کشا علی *

۸۔ اگر اسمار موصول کے بعد بھی جملہ بیانیہ ہو، تو اُس کے پہلے علامت سکتہ لگانی چاہیئے *

مثال۔ وہ، جو خم ہو کر پھر سیدھی ہو جاوے، اصل تلوار ہے *

مگر جبکہ اسماء موصولہ اسم کے ساتھ ملے ہوئے ہوں، تو اُس وقت اُن کے پہلے علامت سکتہ کا لگانا ضرور نہیں *

مثال۔ جو تلوار خم ہو کر سیدھی ہو جاوے، اصیل ہے *

۹۔ جب کسی جملہ کی ترکیب اُلٹ دی جاوے تو اُس کے بیچ میں علامت سکتہ لگانی چاہیئے *

مثال۔ خدا کے نزدیک کوئی چیز مشکل نہیں ہے *

اِس مثال میں علامت سکتہ کی ضرورت نہیں ہے مگر جب اس کی ترکیب اُلٹ دو تو علامت سکتہ کی ضرورت ہوگی *

مثلاً۔ کوئی چیز مشکل نہیں ہے، خدا کے نزدیک *

۱۰۔ جب کوئی فعل محذوف ہو، تو وہاں علامت سکتہ لگانی چاہیئے *

مثال۔ پڑھنے سے آدمی پورا انسان ہوتا ہے؛ اور اچھی گفتگو سے، لایق؛ اور لکھنے سے، قابل *

۱۱۔ کاف بیانیہ یا تردیدیہ کے پہلے علامت سکتہ لگانی چاہیئے *

مثال۔ وہ شخص ایمان دار ہے، مگر سُست ✦
بہت بڑا عالم ہے، مگر بے عمل ✦
پرہیزگار ہے، مگر ظاہری باتوں میں ✦
جب متعدد صفتیں کسی اسم کی بغیر حرف عطف کے بیان کی جاویں تو وہاں علامت سکتہ لگانی ضرور ہے ✦
مثال۔ زید نہایت دانا، ہوشیار، عالم، فاضل ہے ✦
مگر جب دو یا دو سے زیادہ ایسی بیان کی جاویں کہ ایک صفت دوسری صفت کی تشریح کرتی ہو، تو اُن میں علامت سکتہ لگانی نہیں چاہیئے ✦
مثال۔ بھورا سیاہی مائل کپڑا ✦
ہلکا زردی مائل سبز رنگ ✦
اگر حرف عطف موجود ہو، مگر جملہ کے اجزا لنبے لنبے ہوں، تو بھی اُن میں علامت سکتہ لگانی چاہیئے ✦
مثال۔ بے اعتدالی ہمارے جسم کی قوت کو ضایع کرتی ہے، اور ہمارے دل کی جرأت کو ✦
۴۔ جبکہ تین یا تین سے زیادہ الفاظ ایک ہی جزو کلام میں ہوں، اور اُس میں حرف عطف ہو خواہ نہ ہو، اُن لفظوں کے اخیر میں بھی، سوائے اُس لفظ کے جو سب سے اخیر ہو، علامت سکتہ لگانی چاہیئے، لیکن اگر وہ اخیر کا لفظ اسم ہو تو اُس کے بعد بھی علامت سکتہ ہونی چاہیئے ✦
مثال۔ نظم، موسیقی، مصوری، عمدہ ہُنر ہیں ✦
خورم ایک دلیر، دانا، اور دُور اندیش شہزادہ تھا ✦
جبکہ جُملہ میں دو دو لفظ ساتھ ساتھ ہوں، تو ہر دو کے بعد علامت سکتہ ہونی چاہیئے ✦
مثال۔ بے بندوبستی اور بدانتظامی، مفلسی اور محتاجی، تکلیف اور مصیبت، ویرانی و بربادی، آپس کی نااتفاقیوں کا نتیجہ ہے ✦
۵۔ جُملہ ندائیہ کے بعد بھی علامت سکتہ ہونی چاہیئے ✦
مثال۔ میرے پیارے، میری بات سُن ✦
او جانے والے، اِدھر ہوتا جا ✦
جاگنے والو، جاگتے رہیو ✦

مثال۔ نیکی سے خدا خوش ہوتا ہے؛ بُرے کاموں سے خدا ناراض ہوتا ہے؛ نیکوں کو عاقبت میں جزا دیگا؛ بدکاروں کو قیامت کے دن سزا دیگا؛ یہ ایسے خیالات ہیں کہ دُنیا کو خوف و رجا میں رکھتے ہیں، نیکی پر رغبت دلاتے ہیں، گناہوں سے باز رکھتے ہیں *

علامت وقفہ کامل

۱۔ جب کوئی مفرد جُملہ چھوٹا ہو، تو اُس کے اخیر میں علامت وقفہ کامل لگانی چاہیئے *

مثال۔ زندگی کی کوئی حالت تکلیف سے خالی نہیں *

۲۔ جب کوئی فقرہ ترتیب معانی میں پورا ہو جاوے، تو وہاں بھی علامت وقفہ کامل لگانی چاہیئے *

مثال۔ نااُمیدی سے، اور آزمایش میں پڑنے سے ہمارے دلوں کا جوش کم ہو جاتا ہے *

۳۔ جب کسی لفظ کو اختصار کر کر لکھیں، تو اُس کے بعد بھی علامت وقفہ کامل لگانی چاہیئے *

مثال۔ اَلخ۔ جو اختصار ہے الیٰ آخرہٖ کا، ہف۔ جو اختصار ہے ہذا خلف کا۔ بی۔ اے۔ جو اختصار ہے بیچرل آف ارٹ کا۔ ایم۔ اے۔ جو اختصار ہے ماسٹر آف ارٹ کا۔ سی۔ ایس۔ آئی۔ جو اختصار ہے کمپینین آف دی آرڈر آف ڈی سٹار آف انڈیا کا *

علامت استفہام یا سوال

یہ علامت ایسے فقرہ کے اخیر میں لگائی جاتی ہے جس میں کوئی بات پوچھی گئی ہو *

مثال۔ تم اپنے کام سے کیوں غفلت کرتے ہو؟

آپ کا مزاج کس طرح ہے؟

کیا ہم نے تم سے نہیں کہا تھا؟

علامت تعجب

جبکہ فقرہ میں کوئی ایسا کلمہ جس سے دفعتاً جوش، یا مسرت، یا خوف، یا تعجب وغیرہ سے پیدا ہوتا ہو تو، اُس کے اخیر میں یہ علامت لگائی جاتی ہے *

مثال۔ او ازلی و ابدی خدا!

مثال۔ ذوالفقار خاں آوینگے، کہ نہیں ٭
نیک ہو، تاکہ خوش رہو ٭

علامت سکون

یہ علامت فقرہ کے ایسے اجزاء علٰحدہ کرنے کو لگائی جاتی ہے جو، بہ نسبت اُن اجزاء کے جن میں علامت سکتہ لگاتے ہیں آپس میں کم مناسبت رکھتے ہیں ٭

۱۔ جبکہ پہلا حصّہ فقرہ کا پورا کلام ہو، مگر اُس کے بعد کا حصّہ ایسا ہو کہ اُس سے کوئی نتیجہ پایا جاوے، یا پہلے حصّہ کا مطلب بتاوے، تو اُن میں علامت سکون لگانی چاہیئے ٭

مثال۔ ایمانداری سے اپنا کام کرو؛ کیونکہ اِس سے تمہاری عاقبت سنوریگی ٭

۲۔ جب کئی چھوٹے چھوٹے جملے ایک دوسرے کے بعد آویں، اور باہم اُن کے کچھ ضروری مناسبت نہ ہو، تو اُن میں بھی علامت سکون لگانی چاہیئے ٭

مثال۔ ہر چیز پُرانی ہوتی ہے؛ وقت گذر جاتا ہے؛ ہر چیز فنا ہونے والی ہے ٭

۳۔ جب کسی فقرہ میں کچھ تفصیل ہو، تو اُس کے اجزاء علامت سکون سے الگ کرنے چاہئیں ٭

مثال۔ حکیموں کا قول ہے کہ نیچر کے بے انتہا کام ہیں؛ اُس کا خزانہ معمور ہے؛ علم ہمیشہ ترقی پر ہے؛ اور آیندہ نسل کے لوگ ایسی باتیں دریافت کرینگے، جو ہمارے وہم و گمان میں بھی نہیں ٭

علامت وقفہ

اِس علامت سے فقرہ کو دو یا زیادہ حصّوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ جو حصّے علامت سکون سے علٰحدہ کئے جاتے ہیں، بہ نسبت اُن کے ان حصّوں میں جو علامت وقفہ سے علٰحدہ ہوتے ہیں، اور بھی کم مناسبت ہوتی ہے، مگر ایسی بھی نہیں ہوتی کہ اُن پر مطلب ختم ہو گیا ہو ٭

۱۔ جب کوئی جزو فقرہ کا اپنی ترکیب اور معنی بتانے میں پورا ہو، مگر اُس کے بعد کا جُملہ بیانیہ ہو، تو ایسی جگہ علامت وقفہ لگانی چاہیئے ٭

مثال۔ غور کرنے کی عادت ڈالو: کہ اِس سے زیادہ عُمدہ کوئی تعلیم نہیں ٭

۲۔ جب کہ ایک فقرہ کے کئی جُملے علامت سکون سے علٰحدہ کئے جاویں، اور اُن کا نتیجہ اخیر فقرہ یا فقروں پر منحصر ہو، تو اخیر فقرہ سے پہلے علامت وقفہ لگانی چاہیئے ٭

اچھے پیشہ اور مباح وسیلوں سے دُنیا کمائیں؛ اور پھر جس طرح خدا کی مرضی ہے نیک کاموں میں اُس کو صرف کریں؛ کہ یہی مرضی خدا کی اور یہی حکم شریعت مصطفےٰ کا ہے ✻

مگر نہایت افسوس ہے کہ مُسلمانوں کا حال روز بروز بدتر ہوتا جاتا ہے؛ مفلسی اُن کو گھیرتی جاتی ہے؛ جرایم میں وہ مبتلا ہوتے ہیں یا جیلخانے اُن سے بھرے جاتے ہیں؛ بیدین اُن کے چوتڑوں پر لگتی ہیں؛ ڈگریوں میں وہ پکڑے جاتے ہیں؛ جائدادیں اُن کی فروخت ہوتی جاتی ہیں؛ مگر وہ بے رحم اُن کے حال پر رحم نہیں کرتے، اور اُن کو بہکانے سے باز نہیں آتے۔ وہ اپنے اِس قول پر "فبعزّتک لاغوینھم الی یوم الدین" جمے ہوئے اور ثابت قدم ہیں۔ حال کے ایک انگریزی اخبار انڈین پبلک اپنین لاہور میں، مسلمانوں کا حال چھپا ہے۔ اُس کا ماحصل اس مقام پر لکھتے ہیں، شاید مسلمان متنبہ ہوں ✻

اخبار مذکور نے مسلمانوں کے حالات پر غور کرکر یہ اصول قایم کیا ہے "کہ اِس زمانہ میں مسلمانوں کو ضرور مفلس ہونا چاہیئے۔ مُسلمان کسانوں کا بتدریج مفلس ہونا، جس کو ہم اِس ضلع میں زیادتی مقدمات کا ایک سبب قرار دے چکے ہیں، قابل لحاظ وغور کے ہے۔ جو رپورٹیں اور حالات کہ اخبار میں چھپے ہیں، اُن سب سے پایا جاتا ہے کہ عام ہندوستان میں یہ افلاس ترقی پر ہے۔ اس ضلع میں ۱۸۷۳ء میں جتنی نالشیں نقدی کی مہاجنان ودوکانداران نے کیں اُن میں سے نصف نالشیں مسلمان کسانوں پر ہوئیں اور بمقابلہ کل مقدمات قسم مذکورہ کے بحساب اوسط فی صدی چونتیس مقدمے ہوتے ہیں۔ جب ہم یہ بات دیکھتے ہیں کہ منجملہ آٹھ شخصوں کے ایک شخص بحساب اوسط عدالت کی لڑائی میں مشغول رہتا ہے، تو تعداد اُن کسانوں کی خیال کرنی چاہیئے کہ کتنے لوگ روپیہ پیسہ کے معاملات میں مبتلا ہوکر عدالت کی لڑائی میں حیران پریشان رہتے ہیں۔ رجسٹرار جنرل پنجاب کی اخیر رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ تیرہ لاکھ اسّی ہزار پونڈ، یعنی ایک کروڑ اڑتیس لاکھ روپیہ کی جائداد غیر منقولہ مُسلمانوں کی ۱۸۷۳ء میں بیع و رہن ہوئی مُسلمانوں کا مذہب صرف لڑائی اور لوٹ مار کے مناسب ہے؛ تقدیر پر اندھا دھندی سے اعتبار و تکیہ کرنا جیسا یہ مذہب سکھلاتا ہے، اور اُس کے معتقدوں کو خوش خوش ایسے موقع کی طرف لے جاتا ہے جس میں یقینی بربادی کا سامان ہوتا ہے، اور کوئی مذہب نہیں سکھلاتا مگر یہی خیال کہ تقدیر کبھی نہیں ٹلتی تمام جرأت اور ہمّت کو کھو دیتا ہے، اور ترقی و بہبودی کو پژمردہ کر ڈالتا ہے" ✻

تقدیر کے مسئلہ کی نسبت جو کچھ صاحب اخبار نے لکھا ہے، اِس میں کچھ شک نہیں کہ موجودہ حالت مُسلمانوں کی ایسی ہی ہے، اور خود غرض لالچی مولویوں نے درحقیقت ایسا ہی اُن کو سکھلایا ہے، الّا مذہب اسلام کا یہ مسئلہ نہیں ہے، خود قرآن میں خدا فرماتا ہے "لیس للانسان الّا ما سعیٰ" ✻

خوردہ بُودند ۱۱ ؟ فقیہ جواب داد، کہ بابا تو تمامتر غلط گفتی، من کدام کدام غلط ترا صحیح کنم از پیش من برو ؛

مُسلمانوں کا افلاس

"الشیطان یعدکم الفقر و یامرکم بالفحشاء واللہ یعدکم مغفرۃ منہ وفضلاً"

خدا تعالےٰ فرماتا ہے کہ تم کو محتاج اور فقیر کر دینے کا تو شیطان وعدہ کرتا ہے اور بُچپنے کے کام کرنے کو حُکم دیتا ہے، اور خدا اپنی بخشش کا اور نعمت دینے کا وعدہ کرتا ہے۔ اِس زمانہ میں یہ ٹھیک مثل اُن لوگوں کی ہے جن کا پیشہ یقولون ما لا یفعلون ہے۔ یعنی خود تو دنیا کے بندے ہیں اور کسی مرید و معتقد کی نذر تک نہیں چھوڑتے، مگر زبان سے دنیا کی بے ثباتی اور دنیا کا ہیچ ہونا کہتے ہیں ؛ اپنی جیب میں دنیا بھرتے ہیں اور لوگوں کو اُس کے چھوڑنے کی نصیحت کرتے ہیں۔ جو کام مُسلمانوں کی بھلائی و بہتری اور ترقی کا سوچا جاتا ہے، یا کیا جاتا ہے، یہ عقل کے دشمن، خدا کے دشمن، رسول کے دُشمن، مسلمانوں کے دشمن، ایک نہایت مسکینی سے ٹھنڈے سانس بھر کر کہتے ہیں، ہاں دنیا چند روزہ ہے ؛ دولتمند ہوئے تو کیا غریب ہوئے تو کیا ؛ محل میں بھی گذر جاتی ہے درخت کے سایہ میں بھی گذر جاتی ہے ؛ موٹے کپڑے سے بھی بدن ڈھک جاتا ہے مہین بھی پھٹ جاتا ہے ؛ اچھا کھانے سے بھی پیٹ بھرتا ہے جَو کی روٹی سے بھی بھرتا ہے ؛ ایسی بات کرو جو وہاں کام آئے ؛ دُنیا تو گذر ہی جاتی ہے۔ ہاں جتنی دُنیا ہوگی اُتنا ہی زیادہ حساب دینا پڑیگا ؛ تقدیر پر شاکر رہو ؛ انسان کو خدا بھوکا اُٹھاتا ہے پر بھوکا سلاتا نہیں۔ یہ لوگ حقیقت میں اُس آیت کے مصداق ہیں، اور وہ ٹھیک ٹھیک وُہی وعدہ کرتے ہیں جس کا اُس آیت میں ذکر ہے ؛

مگر ہم تمام مُسلمانوں کی دین و دنیا کی بھلائی چاہتے ہیں ؛ یہ خواہش کرتے ہیں کہ احکام شریعت حقہ کے بجالاویں، ممنوعات و محرمات سے بچیں ؛ مباح کے مزے اُڑاویں ؛ نیک طریقہ اور

۱۱ گرگاں نخوردہ بودند بلکہ برادرانش غلط گفتہ بودند ؛

سراب حیات

صبح ہوتی ہے شام ہوتی ہے　　　عمر یونہی تمام ہوتی ہے

کیوں کس خیال میں ہو آج آپ کی طبیعت کچھ متفکر معلوم ہوتی ہے ؀

نہیں کوئی بات نہیں ہے یونہی سُست ہے۔ آدمی کو کبھی کچھ خیال ہوتے ہیں کبھی کچھ اُنھی خیالات سے کبھی آپ ہی آپ خوش ہوتا ہے۔ کبھی آپ ہی آپ متفکر ہوتا ہے ؀

بھلا کہیئے تو سہی کہ کن خیالات نے آپ کو متفکر کیا ہے ہم بھی تو سُنیں ؀

چند روز ہوئے کہ میں نے ایک گھنٹہ اپنے کمرہ میں لگایا ہے اُس کا لنگر ٹوٹ گیا تھا وہ بند تھا نہ چلتا تھا نہ آواز دیتا تھا۔ ایک دوست نے مہربانی سے اُس کو بنا دیا وہ چلنے لگا اور آواز دینے لگا۔ میں دیکھتا ہوں کہ وہ دن رات چلتا ہے۔ ایک سے اپنا دورہ شروع کرتا ہے اور بارہ پر ختم کر دیتا ہے۔ اُس کی ایک اُلٹ پھیر میں دن رات ختم ہو جاتا ہے۔ جب ہم خیال کرتے ہیں کہ ہم نے کیا کیا۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ کچھ نہیں۔ یہی دھن کئی دن سے مجھے لگی ہوئی تھی۔ اور اسی ادھیڑ بن میں غلطاں پیچاں تھا کہ یکایک ہمارے دوست پادری رجب علی صاحب نے ایک کتاب بھیجی جس کے سرے پر لکھا تھا "سراب حیات" میں بہت خوش ہوا اور سمجھا کہ شاید اس سے کچھ عقدہ حل ہو گا ؀

یہ کتاب در اصل انگریزی میں ہے اور جانسن نے بڑی فصاحت و بلاغت سے لکھی ہے اُس کا ترجمہ پنڈت بشمبر ناتھ صاحب نے کچھ کمی بیشی کے ساتھ نہایت قابلیت سے اُردو زبان میں کیا ہے ؀

اس کتاب میں مصنف نے نہایت لایق اور مشہور اور عقلمند اور دولتمند اور فصیح و ظریف و شاعر۔ فیاض و بخیل آدمیوں کا جو ہمارے زمانہ سے تھوڑے ہی دن پہلے اسی دنیا میں موجود تھے ذکر کیا ہے اور پھر دکھایا ہے کہ کس طرح حسرت و افسوس سے اس دُنیا سے گئے تمام مال و دولت چھوڑ گئے۔ نہ وہ عقلمندی کام آئی اور نہ وہ متاع دُنیا۔ زبانِ حال سے یوں کہتے کہتے مر گئے ؎

کس لئے آئے تھے کیا ہم کر چلے
تہمتیں چند اپنے ذمہ دھر چلے

اس کتاب نے بعوض سلجھانے کے میرے خیالات کو اور اُلجھا دیا اور یہ سوال دل میں پیدا ہوا کہ "کس لئے آئے تھے؟" اسی سوچ میں تھا کہ میں نے اپنے کمرہ کا دروازہ کھولا ایک شخص نادی

ایک دوسرے اخبار مدراس ٹائیمز نے مسلمانوں کی موجودہ حالت کی نسبت نہایت عمدہ مضمون لکھا ہے، اُس کو بھی ہم لکھتے ہیں وہ لکھتا ہے کہ "مسلمان یورپوں کے بادشاہوں کے مشابہ ہیں، جو نہ گذشتہ بات کو بھولتے ہیں اور نہ کسی بات کو جو آیندہ اُن کے لئے مفید ہو سیکھتے ہیں۔ یہ لوگ ہر بات میں ساکن رہتے ہیں، حرکت کرنے کی کبھی اُن کو خواہش نہیں ہوتی، یہ لوگ دَوڑ میں پیچھے پڑگئے، اور گو ممکن ہے کہ بڑی کوشش سے اوروں کے برابر جاویں، مگر وہ کوشش کرنے کی خواہش اُن کو معلوم نہیں ہوتی، اور نتیجہ اس کا یہ ہوگا کہ بلحاظ قومیت اور مرتبہ و اختیار کے مُسلمان بالکل گم ہو جائینگے۔ اب یہ لوگ گویا اپنے امتحان پر ہیں، اور اگر چُوکے تو ممکن نہیں کہ دوسرا موقع اُن کو مل سکے۔ یہ تسلیم کرنا چاہیئے کہ ان لوگوں کی حالت عجیب ہے۔ یہ لوگ سابق میں اِس مُلک کے فتح کرنے والے تھے، اور اب اُن کو مفتوحوں میں اپنا شمار ہونے کا بالطبع رنج ہوتا ہے۔ مذہبی تعصب اور غرور، اور تعلیم کا جھوٹا خیال مسلمانوں کو اپنی ترقی کے اُس میدان میں پیر رکھنے سے باز رکھتا ہے جس میدان کو اُنھیں طے کرنا ضرور ہے۔ پیشتر اِس کے کہ بمقابلہ اپنے ہوشیار ہمسایہ ہندؤں کے نوکری یا اپنی روٹی پیدا کرنے کی اُمید کریں۔ جو قوم کہ تھوڑا عرصہ گذرا اُن کے تابع تھی اُس کے ساتھ مقابلہ کرنے میں اُن کے فخر کو سخت ضرر پہنچتا ہو، مگر اُن کو چاہیئے کہ اپنی حالت کو قبول کرنے کے لئے کافی ہمت اور اس مقابلہ میں سخت کوشش کرنے کے لئے کافی جرأت اور اپنی ذات کی عزت کا خیال رکھنے کے لئے پوری ہمت کریں اگر تجربہ کی نصیحتوں کو صحیح صحیح نہیں پڑھ سکتے، یا نہ پڑھینگے، تو ضرور تکلیف میں رہینگے۔ منجملہ اُن بڑے بڑے اسباب کے جن سے مُسلمانوں کی خرابی ہوئی ہے، روزینہ داری اور لاخراج داری بھی، جس کے وہ بہت گرویدہ ہیں، ایک بڑا سبب ہے۔ یہ طریقہ کاہلی پیدا کرتا ہے، اور کاہلی سے افلاس ہوتا ہے، اور افلاس موجب ہے ناخوشی کا"۔

بلاشبہ ملکی ہونا اور روزینہ دار ہونا انسان کے لئے بہت بڑی آفت ہے۔ اس زمانہ میں ملکی معافی دار و روزینہ دار سب سے زیادہ خراب و بُری حالت میں ہیں، مگر میری دانست میں ایک اور فرقہ بھی ایسا ہی ہے، یعنی وہ لوگ جو پیر بن کر شہر بشہر اپنے مریدوں سے ٹیکس وصول کرتے پھرتے ہیں، یا منبر پر بیٹھ کر جھوٹے سچے قصہ سُنا کر اور واعظ بن کر لوگوں سے روپیہ لیتے پھرتے ہیں، اور بہت سے وہ لوگ ہیں جو اپنے تئیں کسی پیر فقیر کے خاندان کا بیان کر کر، کسی درگاہ کا خادم کہہ کر، یا مکہ معظمہ کا مطوف اور مدینہ منورہ کا زیارت کرنے والا بتا کر روپیہ مانگتے پھرتے ہیں۔ جو مُسلمان کہ ان لوگوں کے ساتھ سلوک کرتے ہیں، درحقیقت اپنی قوم کے یعنی مُسلمانوں کے دشمن ہیں۔ نامہذب خیرات نہایت بری چیز ہے، اس سے قوم میں مفلسی اور ناشایستگی، بے حیائی اور بے غیرتی پھیلتی ہے۔

اور نہیں کہیں۔ چند روز تک سینہ کا ڈھانچا پڑا ہے۔ پھر وہ بھی نہیں ؂

میں نے اپنے خیال کو انسان کی طرف پلٹا کر یکایک میرے سامنے سُلطان عبد العزیز خاں کا ماجرا آموجود ہوا جو نہایت مشہور اور بہادر شخص تھا۔ لڑائیوں میں نہایت دلیری و دانائی سے لڑا تھا۔ پندرہ برس سے قسطنطنیہ کے تخت شاہی پر جلوس کرتا تھا۔ لوگ کہتے ہیں کہ نہایت فضول خرچ تھا۔ عورتوں پر بہت فریفتہ تھا۔ تریپن کشتیاں عورتوں کی بھری ہوئی اُس کی حرم سرا میں تھیں۔ مُلک میں روپیہ کی کمی تھی۔ شاہی خزانہ خالی تھا۔ باغیوں سے سلطنت میں آفت برپا تھی۔ مگر اُس نے کئی کروڑ روپیہ اپنے خزانہ میں عیاشی کے لئے چھپا رکھا تھا۔ اپنی پیاری جورو کی خوشی کے لئے تُرکوں کی ولی عہدی کی پُرانی رسم کو توڑنا چاہتا تھا۔ اُس جورو سے جو بیٹا تھا اُس کو ولی عہد بناتا تھا۔ اور مُلک کی بربادی کا کچھ خیال نہ کر کر اِس کام کے پورا ہونے کو مُلک کے دشمن آدمیوں کو اپنا دوست بناتا تھا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ اپنے حرموں میں اُسی کی سلطنت کے لوگوں نے اُس پر یورش کی۔ تخت سے اُتار دیا اور محل سے نکال ایک چھوٹے سے مکان میں قید کر دیا۔ سلطنت جانے کی حسرت نے اُس کے دل کو بیتاب کر دیا اور اپنے تئیں آپ مار مرا۔ میرے خیال نے جھٹ ہاتھ دوڑایا۔ پہلے تو ماتھے پر رکھا پھر نتھنوں کے سامنے لے گیا کہ شاید کچھ سانس چلتی ہو۔ سینہ کو ٹٹولا۔ ہاتھ کو دیکھا۔ پاؤں کو دیکھا۔ چاروں طرف غور کی۔ بجز ایک لاش کے کچھ نہ پایا۔ سینہ پر کان لگایا کہ شاید وہ ہڈیاں اُچھل رہی ہوں مگر کچھ پتا نہ لگا۔ میں سمجھا کہ اب اس میں کچھ نہیں۔ چند روز میں یہ گوشت و پوست بھی نہ ہوگا صرف ہڈیوں کا ڈھانچا رہ جاویگا اور چند روز بعد وہ بھی نہ ہوگا۔ مجھے جالنس کی سراب حیات یاد آئی اور سمجھا کہ دنیا کی حسرت میں مرا اِس لئے اس کا یہ حال ہوا ؂

مجھ کو اشتیاق ہوا کہ کسی بڑے خدا رسیدہ دنیا کی طرف سے پژمردہ مرے ہوئے کا حال دیکھوں۔ پنجاب کا ایک نہایت متبرک شخص میری آنکھوں میں پھر گیا۔ اُس کے دیکھنے سے میں بہت خوش ہوا۔ خدا کے سوا اور کچھ کلام نہ تھا۔ عبادت کے سوا اَور کچھ کام نہ تھا۔ دنیا اور اُس کا عیش محض بے حقیقت تھا۔ جو لو تھی وہ خدا سے و عقبےٰ سے لگی ہوئی تھی۔ اتفاقات سے اُن کا بھی آخری وقت آپہنچا۔ اپنی اوّل منزل کی اُنھوں نے وصیّت کی اور اپنے دوستوں کو نصیحت نہایت شاداں و فرحاں سفر کی تیاری کی اور بغیر کسی ارمان و حسرت کے جان دی۔ میرے خیال نے جھٹ ہاتھ بڑھایا۔ ماتھے پر رکھا۔ نتھنوں کے سامنے کیا۔ دل ٹٹولا سینہ ٹٹولا۔ ہاتھ دیکھا۔ پاؤں دیکھا۔ کچھ نہ تھا۔ سینہ پر ٹکٹکی باندھی کہ اُس کے اندر سے ضرور کچھ روشنی جھلکتی ہوگی پر کچھ نہ تھی۔ میں گھبرایا اور بے اختیار بول اُٹھا کہ اجی حضرت کچھ بولو تو سہی۔

اور سرسبز درخت اور شاداب کھیتی پر میری نظر پڑی۔ میں نے دیکھا کہ ندی کا پانی بہا چلا جاتا ہے پچھلا آتا ہے اور اگلا چلا جاتا ہے۔ درختوں کو میں نے دیکھا کہ پُرانے جاتے ہیں اور نئے آتے ہیں۔ پکی کھیتی کاٹی جاتی ہے اور نئی بوئی جاتی ہے۔ یہی آواگون لگ رہا ہے۔ یہ کس لئے آئے تھے اور کس لئے گئے کیا یہ بھی کچھ حسرتیں لے گئے ؛

کچھ سمجھ میں نہیں آیا مگر میں نے غور کیا کہ شاید یہ مسئلہ کہ "کس لئے آئے تھے اور کیا کر چلے" متحرک جانداروں سے متعلق ہوگا۔ میں نے سب کی حالت پر اپنا خیال دوڑایا۔ میں نے شیر کا خیال کیا جو سب سے زیادہ خوبصورت۔ سب سے زیادہ شان دار۔ سب سے زیادہ شجاع۔ سب سے زیادہ غیور ہے۔ مگر سب میں موذی اور زندبار آزار مشہور ہے۔ جب اُس کی مُردہ لاش کا میں نے دھیان کیا تو دیکھا ایک بے حرکت لاشہ پھُول کر پیٹ پھٹا ہوا انتڑیاں گیدڑوں کی کھائی ہوئی سُنہری کھال خاک میں ملی ہوئی گوشت گل کر زمین پر پڑا ہوا ہڈیوں کا ڈھانچا ہی ڈھانچا تھا اور غالباً وہ بھی چند روز کو ؛

میں سمجھا۔ کہ یہ تو اُسی قسم کا جانور تھا جس قسم کے آدمیوں کا سراب حیات میں جالنسن نے ذکر کیا ہے۔ کسی اِس سے عُمدہ جانور کو دیکھو ؛

اتنے میں کُتّے کا مجھے خیال آیا۔ میں سمجھا کہ سب جانوروں میں یہی خدا رسیدہ ہے۔ قناعت۔ محبت۔ رفاقت۔ دوستی۔ وفاداری۔ اپنے مالک کی اطاعت اور سب سے زیادہ کسر نفسی اِسی پر ختم ہے۔ سب دُور دُور کرتے ہیں۔ مثلاً مولوی تو نجس العین بتاتے ہیں مگر یہ غریب سب کے سامنے عاجزی اور کسر نفسی سے دُم ہلاتا اور سر جُھکاتا ہے۔ مگر جب وہ بھی مرا تو ایک لاشہ بے حرکت تھا نہ وہ دُم کا ہلانا تھا نہ سر کا جُھکانا۔ نہ وہ رفاقت تھی نہ وہ اطاعت۔ چند روز میں اُسی طرح ہڈیوں کا ڈھانچہ تھا۔ مُنہ کھلا۔ جبڑا ننگا۔ دانت اور کچلیاں کُھلی ہوئیں۔ اور ہزاروں چیونٹیاں اُس میں گھسی ہوئی۔ میں نہایت متعجب ہوا اور کہا کہ میاں انجام تو دونوں کا ایک سا ہی ہوا ؛

میں نے کہا نہیں کسی مقدس جانور کو لو۔ میں نے کبوتر کا خیال کیا جو دنیا میں سب سے مقدس شمار ہوتا ہے۔ بھولی بھولی صورت۔ پیاری پیاری باتیں۔ جورو خصم میں نہایت محبت۔ دونوں کا سوشیل برتاؤ نہایت میٹھا تقدس میں بھی سب سے بڑھا ہوا۔ نوحؑ کے لئے زیتون کی مُبارک ٹہنی لانے والا مسیحؑ کے لئے روح القدس بن کر اُترنے والا۔ مکہ معظمہ میں کعبہ کا طواف کرنے والا۔ تمام خانقاہوں کا مجاور ہو کر رہنے والا۔ اپنے پروں کی ہوا سے بیماروں کو شفا بخشنے والا۔ تمام ہندوؤں اور بودھسٹ لوگوں کو جی کے بچاؤ کی ہدایت کرنے والا۔ مگر جب اُس کا بھی انجام دیکھا تو اس سے زیادہ کچھ نہ پایا کہ پر نچے ہوئے کہیں پڑے ہیں۔ چونچ کہیں

پھر میں اُس کو اُلٹ پُلٹ کر دیکھنے لگا کہ شاید کچھ نشان بھلائی بُرائی کا ملے۔ کچھ نہ ملا۔ ایک بُڈھا باغبان میری اِن سب باتوں کو دیکھ رہا تھا کہ میاں کیا دیکھتے ہو۔ اچھے بُروں کا۔ گیدڑ بھیڑیے کا۔ مرے پر سب کا ایک سا حال ہو جاتا ہے۔ میں سخت متعجب ہوا۔ اور جانسن کی سراب حیات کو یاد کیا کہ پھر اُس نے کیا کہا؟

میرے دوست نے کہا کہ تمہارے خیال بھی نہایت خام ہیں اور تمہارے متفکر ہونے پر بھی نہایت افسوس ہے۔ تم اس مٹی کے ڈھیر اور سڑنے والے گوشت اور گلنے والی ہڈیوں میں کیا ڈھونڈتے تھے۔ جو چیز دیکھنے کی تھی وہ تو اُس میں تھی ہی نہیں ٭

میں نے پوچھا کہ پھر وہ کہاں تھی۔ اُس نے کہا کہ معلوم نہیں۔ پھر پوچھا کہ کیسی تھی۔ بولا کہ معلوم نہیں۔ پھر پوچھا کہ دکھائی دیتی تھی۔ کہا نہیں۔ پھر پوچھا کہ کہاں گئی۔ کہا معلوم نہیں ٭

اِس جواب سوال سے میں اور بھی متحیّر ہوا کہ جس چیز کا کسی طرح پر علم نہیں اُس کی نسبت کہتا ہے کہ تھی۔ بولا کہ خدا نے کہا ہے۔ میں نے کہا سچ "ولکن لیطمئن قلبی" یہ سُنا اور سُن کر خاموش ہو رہا۔ میں نے کہا کہ یہ سب تمہارے خیالات ہیں کہ وہ شخص دنیا کی حسرت میں مرا اور وہ شخص خدا کی عبادت میں مرے۔ پر سب برابر ہیں۔ جو بات سچ ہے وہ آپس کی ہمدردی۔ قومی اعانت۔ قومی بھلائی ہے۔ جبکہ ہماری قوم کا دنیا میں یہ حال ہے کہ ذلّت و خواری۔ نکبت و جہالت میں مبتلا ہے تو اگر کوئی دنیا کی حسرت میں مر کر جہنم میں گیا تو ہماری جوتی سے۔ اور عبادت کر کر بہشت میں گیا تو ہماری بلا سے۔ اُن کا کیا رونا ہے۔ جیتوں کو رُو و جو مردوں سے بھی بدتر ہیں ٭

خود غرضی اور قومی ہمدردی

پہلا لفظ تو بہت پُرانا ہے مدّت سے ہم سنتے چلے آئے ہیں مگر یہ پچھلا لفظ شاید چند روز سے پیدا ہوا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یکم شوال ۱۲۸۷ھ ہجری نبوی کے بعد اِس کی پیدائش ہوئی ہے مگر مگر ضرور ہے کہ پچھلے زمانہ میں بھی اِس کی جگہ کوئی اور لفظ بولا جاتا ہوگا ٭

پچھلے زمانہ پر جب ہم نگاہ کرتے ہیں تو قومی ہمدردی کی بہت سی نشانیاں پاتے ہیں۔ جدھر

وہاں گیا تھا۔ سانس بھی نہ تھی۔ میں نے کہا کہ یہ تو ویسا ہی معاملہ ہوگیا جیسا کہ ان سے پہلوں کے ساتھ ہوا تھا۔ دنیا کی حسرت لے جانے اور عبادت کے شوق میں مر جانے میں تو اب تک کچھ فرق نہیں دکھائی دیا ٭

اتنے میں لوگ اُن کی تجہیز و تکفین کرنے لگے۔ قدیم خانقاہ میں اگلے سجادہ نشینوں کی قبروں کے برابر قبر کھودنے لگے۔ میں نے گھبرا کر کہا کہ دو چار دن رہنے تو دو۔ مجھے سمجھ تو لینے دو کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ لوگوں نے کہا آبا ولا ہوا ہے۔ کوئی مُردوں کو رکھتا بھی ہے تمام کھال پکس جاویگی۔ گوشت گل پڑیگا۔ ہڈیوں کا ڈھانچہ نکل آویگا۔ کوّے اور چیلیں منڈلانے لگینگی۔ ہڈیوں کے ڈھانچہ سے لوگ ڈر کر بھاگنے لگینگے۔ یہ سُن کر تو میں ششدر رہ گیا۔ تمام اگلے لاشے میری آنکھوں میں پھر گئے۔ میں نے کہا کہ میاں اُور سب کا بھی تو یہی حال ہوا تھا۔ کیا یہی بات سچ ہے ؎

چو آہنگِ رفتن کند جان پاک
چہ بر تخت مُردن چہ بر رُوئے خاک

میں نہایت متردّد و متفکر۔ حیران و ششدر وہاں سے اُٹھا اور دل بہلانے کے لئے اپنے باغ میں گیا جو ایک بہت بڑا باغ تھا اور جوانی اور ولولہ کے زمانے میں میں نے اُس کو از سرِ نو نہایت خوبصورت و خوش نما آراستہ کیا تھا اور وہاں اکثر دوستوں کا اور بڑے بڑے نامی اور باکمال لوگوں کا مجمع ہوتا تھا۔ غالب کی دلکش و محبّت آمیز بزرگانہ باتوں سے۔ آزردہ کی دلچسپ و دلربا فصاحت سے۔ شیفتہ کی متبسم و نیم خندہ زن وضع سے۔ صہبائی جانواز کے میخانہ محبّت سے دل شاد و شاد رہتا تھا۔ اِدھر اُدھر پھر رہا تھا۔ ایک چمن میں پہنچا جس کی نئی کھدائی ہوئی تھی مٹی میں ایک ہڈی دکھائی دی جس کو میں بکرے کی سری سمجھا۔ میں نے ٹھوکر مار کر پرے پھینک دیا۔ جب وہ نکلی تو بکرے کی سری نہ تھی بلکہ آدمی کی کھوپری تھی۔ میں نے اپنے دل سے کہا کہ ایک دن اسی طرح کوئی شخص میری کھوپری کو بھی ٹھوکر ماریگا۔ میں نے دوڑ کر اُسے اُٹھالیا اور دیکھا کہ صرف ہڈیاں جوڑی رہ گئی ہیں۔ پیشانی کی ہڈی پر خط خط میں شاید وُہی نوشتہ تقدیر ہو پر پڑھی نہیں گئی۔ آنکھوں کی جگہ ایک گڑھا اور حلقہ تھا۔ اُنگلی ڈالو تو کچھ نہیں۔ ناک کی خوبصورتی بالکل نہ تھی ایک شکستہ تھوڑی سی اُونچی نہایت بدنما ہڈی کا نشان تھا اور اُس کا سوراخ نہایت ہی بُرا معلوم ہوتا تھا۔ دانت جن کو موتی اور اولوں کی باڑ کہتے تھے ایسے ہیبت ناک دکھائی دیتے تھے کہ دل کانپتا تھا ٭

میں نے اپنی بے ادبی کی جو نادانستہ ہوئی۔ معافی چاہی اور پوچھا کہ تم کون ہو۔ کیا مذہب تھا۔ عالم تھے۔ فقیر تھے۔ دنیا کی حسرت میں مرے یا خدا کی عبادت میں۔ ہر چند پوچھا۔ کچھ جواب نہیں ملا۔

ہوتے جاتے ہیں۔ دیکھو پنجاب میں کتنے مدارس اسلامیہ جاری ہوئے۔ دہلی میں اسلامی مدرسہ جاری ہوا۔ لکھنؤ میں مدرسہ ایمانیہ قایم ہوا۔ دیوبند کے مدرسہ کا تو کچھ پوچھنا ہی نہیں افتخار العلماً و فخر الکملاً امام اعظم عہد شیخ زمان و صاحبین دوران مدرّس و مہتمم ہیں۔ پھر سہارنپور میں انبیٹہ میں مدارس اسلامی موجود ہیں۔ غرضکہ بہت سی جگہ مدارس جاری ہیں۔ پھر قومی ہمدردی کے لفظ کو نیا لفظ کہنا صحیح نہیں ہاں شاید یہ ترکیب لفظی نئی ہو مگر اسی مضمون کا پہلے بھی ضرور کوئی لفظ ہوگا جو ہماری یاد سے جاتا رہا ہے۔ جبکہ ہم یہ باتیں سُنتے اور خیال کرتے ہیں تو دل میں خیال پیدا ہوتا ہے کہ بے شک ہم لوگوں میں قومی ہمدردی قدیم سے چلی آتی ہے اور اب بھی بہت پائی جاتی ہے۔ مگر جب زیادہ غور کرکے دیکھتے ہیں تو وہ سب دھوکہ ہی دھوکہ پایا جاتا ہے (قطع نظر اس بحث کے کہ یہ کام قوم کو مفید ہیں اور قوم کو اُس کی ضرورت ہے یا اس سے زیادہ اور چیزوں کی ضرورت ہے) جب اُن لوگوں سے جنہوں نے یہ کام کئے اور کر رہے ہیں دل سے پوچھو تو معلوم ہوگا کہ وہ یہ تمام کام اس خیالی جوش میں کر رہے ہیں کہ ہم بڑے ثواب کے کام میں مصروف ہیں اور ثواب کی گٹھریاں باندھ رہے ہیں۔ مرتے ہی یہ سب کام ہم کو بہشت میں لے جاوینگے اور بہشت میں بڑے بڑے درجے پاوینگے۔ تاج ہمارے سر پر ہوگا اور ایک موتی کا محل جنّت میں ملیگا۔ حوریں تصرف کو ہونگی جن کو ہمارے سوا کسی نے چھوا بھی نہ ہوگا۔ پھر اُن کی تعداد چار پر بھی محدود نہ ہوگی۔ بے انتہا جتنی چاہو۔ غلمان بھی نہایت خوبصورت معلوم نہیں تصرف یا خدمت کو ملینگے۔ باغ ہوگا۔ میوہ ہوگا۔ نہریں ہونگی۔ شراب ہوگی۔ پیئینگے اور چین کرینگے کہ حافظ نے کیسا غلط یہ شعر کہا تھا ؎

بدہ ساقی مئے باقی کہ در جنّت نخواہی یافت
کنار آب رُکنا باد و گل گشتِ مُصلّے را

ہم بھی نہایت ادب اور صدق دل سے کہتے ہیں کہ یہ سب کچھ ہوگا۔ خُدا ہم کو بھی نصیب کرے مگر یہ تو فرمائیے کہ یہ سب کام خود غرضی کے ہیں یا قومی ہمدردی کے۔ کوئی کہے۔ میں تو نہ مانوں کہ یہ کام قومی ہمدردی کے ہیں۔ یہ تو بالکل ایسے ہی کام ہیں جیسے کہ ایک رند مشرب دنیا میں انھی عیشوں کے حاصل کرنے کو کرتا ہے۔ اُس میں اور اُن میں اتنا فرق ہے کہ اُنھوں نے نقد کو نسیہ پر چھوڑا ہے اور دوسرے جہان میں ان عیشوں کے حاصل کرنے کی لالچ سے یہ کام کئے ہیں غور کرنے کی بات ہے کہ باغبانوں سے اپنے چین کے لئے مزدوری دے کر باغ لگوانا۔ مزدوروں کو مزدوری دے کر اپنے آرام کے لئے محل چنوانا۔ کلال کو دام دیکر اپنی عیاشی کے لئے شراب کھچوانا۔ اور علاوہ اس کے روپیہ خرچ کرکر سامان عیش اور لذایذ نفسانی کا جمع کرنا کیا قومی ہمدردی گنی جاویگی۔

جاؤ اُدھر ہزاروں کھنڈرات مسجدوں اور پلوں اور کنوؤں اور مہماں سراؤں کے پاؤگے۔ ہزاروں لاکھوں روپیہ لگا کر لوگوں نے قوم کے آرام کے لئے مہماں سرائیں بنوائی تھیں۔ مسجدیں بنوائی تھیں۔ کنوئیں کھدوائے تھے۔ پُل بنوائے تھے جن کے نشانات اب بھی پائے جاتے ہیں۔ سُنہری مسجدیں بنوائیں جن کے بڑے بڑے بُرج سونے کے کام سے مغرق تھے۔ نرے سنگ مرمر کی مسجدیں بنوائیں جو موتی مسجدوں کے نام سے مشہور ہوئی ہیں۔ چینی کی کامدار سراؤں کے دروازے مسجدوں کے گنبد تیار کرائے جو آج تک اُسی آب و تاب سے موجود ہیں۔ اس سے بھی زیادہ کیسی بڑی بڑی عالی شان خانقاہیں تعمیر کیں۔ اُن کے بنانے میں لاکھوں روپیہ خرچ کئے۔ دیہات معافی کے جاگیر میں دیئے جن کی لاکھوں روپیہ کی آمدنی قومی ہمدردی میں صرف ہوتی تھی۔ ہاں مدرسہ وغیرہ بنانے کا اُس قدر خیال نہ تھا مگر پھر بھی مدرسے جاری کئے تھے۔ جب تاریخ کی کتابوں کی بہت تلاش کرو تو معلوم ہوگا کہ فیروز شاہ کے وقت میں کوئی مدرسہ تھا اور کچھ زیادہ نشان نہیں ملتا۔ دلّی کے پُرانے کھنڈرات میں تلاش کرو تو اکبر کے عہد میں ماہم آنکہ کی بنائی ہوئی مسجد اور اُس کے گرد کوٹھریاں پائی جاتی ہیں جس کو لوگ ماہم آنکہ کا مدرسہ مشہور کرتے ہیں۔ غالباً اُس میں چند اندھے قرآن حفظ کرتے ہونگے۔ نہایت مشہور اور پُر رونق شاہجہان کے عہد میں بھی چند لداؤ کی کوٹھڑیاں شاید پچیس تیس ہوں جامع مسجد کے نیچے بنی ہوئی تھیں جو دار البقا کے نام سے مشہور تھیں اور لوگ کہتے ہیں کہ شاہجہانی مدرسہ تھا اور غالباً جس قدر ختم ادعیہ مثل ختم خواجگان و ختم بخاری اور ختم ولایل الخیرات واسطے سلامتی شاہجہان کے ہوتے تھے وہ سب اسی میں ہوتے تھے۔ اس سے زیادہ مدرسوں کے بنانے کی ضرورت نہ تھی کیونکہ بہت سے طالب علم متفرق مسجدوں میں رہتے تھے۔ تیل بتی اُن کو مطالعہ کے لئے ملتی تھی۔ نذر نیاز مُردوں کی فاتحہ سویم چہلم کے بیاروں کے صدقوں کی بہت روٹیاں مسجدوں کے طالب علموں کو مل جاتی تھیں۔ اس کا نمونہ ہمارے زمانہ تک بھی موجود تھا۔ فتحپوری اور پنجابی کٹرہ اور کشمیری کٹرہ کی مسجدوں اور شاہ عبدالعزیز صاحب کے مدرسہ اور حضرت شاہ غلام علی صاحب کی خانقاہ میں سے بہت سے طالب علم مُردوں کی روٹیاں کھانے اور فاتحہ درود پڑھنے کو ملتے تھے۔ اب بھی قومی ہمدردی میں کچھ کسر نہیں ہے۔ دیکھو اس گئے گذرے زمانہ میں بھی مسلمانوں نے کیسی ہمّت کی ہے۔ کس قدر روپیہ خرچ کر کر جامع مسجد دہلی کی مرمّت کی ہے۔ دلّی کی پُرانی عیدگاہ کا چبوترہ بڑھایا جاتا ہے اُس کا فرش درست کیا جاتا ہے تاکہ قوم کو نماز پڑھنے میں زمین کی اُچان نیچان تکلیف نہ دے۔ سہارنپور میں دیکھو کئی لاکھ روپیہ خرچ کر کر جامع مسجد نئی بنائی ہے اور پُرانی جامع مسجد کو چھوڑ دیا ہے۔ دیو بند میں دیکھو کیسی عالی شان مسجد بنائی جاتی ہے۔ اِس زمانہ میں اگلے زمانوں سے بھی زیادہ مدرسے جاری

تشریف لانے اور سکونت اختیار کرنے سے بڑھ کر کوئی واقعہ نہ تھا اس لئے عرب کی عادت کے موافق ہجرت سے سنہ کا شمار ہونے لگا۔ درحقیقت یہ سنہ بہ نسبت عام اُمت محمدیہ کے خاص مہاجرین اور انصار سے اور ساکنین مدینہ منورہ سے زیادہ تر تعلق رکھتا تھا۔ مگر جوں جوں اسلام کو اور حکومت اسلامیہ کو وسعت ہوتی گئی اور دُور دُور مُلکوں میں پھیلتا گیا اسی سنہ کا رواج ہوتا گیا یہاں تک کہ اب یہی سنہ مُسلمانی سنہ تصور کیا جاتا ہے ؀

ایک زمانہ کے بعد مُلکی انتظام کے لئے یہ سنہ مناسب نہ معلوم ہوا اور جب مسلمانوں کی حکومت ہندوستان میں آئی تو کسی طرح مُلکی انتظام ان سنوں سے نہ ہو سکا، اکبر کے عہد سے پہلے جس قدر مُسلمان گذرے اُنھوں نے سنہ تو یہی قایم رکھا مگر مُلکی سنہ کو دو ہجری سنوں سے ترکیب دیکر بنایا اور نصف مہینہ ایک سنہ کے اور نصف مہینہ دوسرے سنہ کے لیکر ایک برس قایم کیا اور کاغذات مُلکی میں اِس طرح پر تحریر ہونے لگا۔ مثلاً خریف سنہ ۱۲۹۲ ہجری و ربیع سنہ ۱۲۹۳ ہجری ؀

یہ کارروائی بھی مُلکی انتظام کے لئے کافی نہ تھی اس لئے کہ ہجری سنہ کے مہینہ قمری تھے اور مُلکی پیداوار شمسی مہینوں پر موقوف تھی۔ قمری سال میں دن کم تھے اور شمسی سال میں دن زیادہ تھے اور ماہ محرم جو ہجری سال کا پہلا مہینہ تھا کبھی ربیع میں آجاتا اور کبھی خریف میں اس لئے اکبر کے عہد میں یہ کارروائی ہوئی کہ سنہ تو وہی ہجری قایم رکھا مگر اُس کے مہینہ بجائے عربی کے جو قمری تھے ہندی قمری کر دئے جو تیسرے سال کبیسہ یعنی لوند کا مہینہ بڑھنے سے شمسی ہو جاتے تھے اور اُس کا فصلی سنہ نام رکھ دیا۔ اور مُلکوں میں بھی اسی طرح کچھ کچھ تبدیل ہوئی مگر مذہبی اُمور میں بجنسہ وُہی سنہ اور وُہی مہینے قایم رہے ؀

ادنےٰ غور سے ہر شخص جان سکتا ہے کہ سنوں کے حساب پر کوئی مذہبی امر متعلق نہیں ہے، صرف مہینوں کے حساب سے امور مذہبی متعلق ہیں۔ مثلاً رمضان میں روزے رکھنے ہونگے اور ذوالحجہ میں حج کرنا ہوگا۔ اِس سے کچھ بحث نہیں ہے کہ کون سے سنہ کا رمضان یا ذوالحجہ ہے ؀

پس ہجری سنوں سے بجز اس کے کہ زمانہ کا شمار قایم کیا جاوے اور کچھ مطلب نہیں ہے جبکہ یہ ثابت ہوا کہ ہماری مذہبی کارروائی صرف قمری عربی مہینوں پر منحصر ہے تو ہم کو نہایت اچھا معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ کا شمار بھی ہم اپنی خاص مذہبی کارروائی سے کریں یعنی اُس وقت سے جبکہ آنحضرت صلعم نے اپنی نبوت کا اظہار فرمایا۔ اور جبریل امین نے خدا کی طرف سے کہا اقرأ بسم ربك الذی خلق خلق الانسان من علق اقرأ وربك الاکرم الذی علم بالقلم علم الانسان مالم یعلم ؀

اگر اس خیال پر ہم زمانہ کا شمار قایم کرنا چاہیں تو اوّل ہم کو یہ تحقیق کرنا پڑتا ہے کہ یہ نعمت عظمےٰ

نعوذ باللہ ہرگز نہیں - یہ تو عین خودغرضی ہے - پھر وہ باتیں جو ثواب کے لالچ سے کی جاتی ہیں کیوں قومی ہمدردی گنی جاویگی - اور اگر ہم سے پوچھو ثواب بھی نہیں - گدھے کا کھایا کھیت جس کا پاپ نہ پُن ؛

اسلام کا صحیح مسئلہ یہی ہے کہ اُسی کام کے کرنے میں ثواب ہے جس کی ضرورت ہے - دیکھو کوئی اجر ہجرت سے زیادہ نہ تھا جس کی اُس وقت بڑی ضرورت تھی - فتح مکّہ کے بعد کچھ بھی نہ تھا - جیش اسامہ کی تجہیز کے لئے جو چار ٹکے کا اسباب ابو بکر صدّیقؓ نے حاضر کیا جس کی ضرورت تھی مگر اَب اُس کی برابری کوہ احد کے برابر سونا بھی نہیں کر سکتا - یہ سچّا اصول مذہب اسلام کا ہے مگر کوئی بھی اس کی پروا نہیں کرتا ؛

قوم کی حالت اور اسلام کی حرمت کیسی ہی خراب ہوتی جاوے اُس کے اسباب پر غور کرنے اور اُس کے رفع کرنے کا کسی کو خیال نہیں ہے - اپنے خیالات کے موافق جو اپنے ثواب اور دوسرے جہان میں اپنے چین کرنے کے کام سمجھتے ہیں وہ کرتے ہیں - پھر کس طرح خیال ہو سکتا ہے کہ وہ قومی ہمدردی کے کام ہیں بلکہ ٹھیٹ خودغرضی ہے اور اُمید ہے کہ وہ بھی حاصل نہ ہوگی ؛

شروع سال

۱۳۰۷ سنہ نبوی مطابق یکم شوال ۱۲۹۳ سنہ ہجری

عرب میں بزمانہ جاہلیت بہت سے سنہ مروّج تھے - اوّلاً سنہ بنائے کعبہ رائج تھا - پھر عمر بن ربیعہ کی ریاست سے سنہ شروع ہُوا - اصحاب الفیل کے واقعہ تک وُہی سنہ جاری رہا - پھر عام الفیل سے نیا سنہ شمار ہونے لگا - عرب کے قبیلوں میں بھی متعدد سنہ رائج تھے - جس قبیلہ میں کوئی بڑا واقعہ پیش آتا تھا اُسی واقعہ سے نیا سنہ شمار ہونے لگتے تھے - آنحضرت صلعم کے وقت میں کسی سنہ کے مقرّر کرنے کا خیال نہیں ہوا کیونکہ یہ ایک امر تمدّن سے متعلق تھا - کوئی مذہبی بات نہ تھی حضرت عمرؓ کے وقت میں اس کی ضرورت پیش آئی - ابو موسیٰ اشعری حاکم یمن نے لکھا کہ فرمان مورّخہ شعبان جو آیا ہے اُس سے نہیں معلوم ہوتا کہ کونسی شعبان کا لکھا ہوا ہے - اس پر خیال ہوا کہ کوئی سنہ مقرر کرنا چاہیئے جو کہ تمام مہاجرین و انصار مدینہ منوّرہ کے باشندے ہو گئے تھے اور مہاجرین پر ہجرت سے بڑا کوئی واقعہ نہیں گذرا تھا اور مدینہ منوّرہ میں آنحضرت صلعم کے

مگر تاریخ ہجری دو مہینے قبل سے شروع ہوتی ہے۔ پس یکم محرم سنہ ایک ہجری مطابق تھا یکم محرم سنہ ۱۳ نبوی کے۔ اور یکم شوال سنہ ۱۴ نبوی مطابق تھا یکم شوال سنہ ایک ہجری کے اور یکم شوال سنہ ۱۳۰۱ نبوی مطابق تھا یکم شوال سنہ ۱۲۸۷ ہجری کے جس روز ہم نے تہذیب الاخلاق جاری کیا ؛

ابتدا ہی سے ہمارا ارادہ تھا کہ ہمارا تہذیب الاخلاق سال نبوی کے حساب سے جاری رہے اور شوال ہی سے اُس کا شروع سال ہو مگر ہم اُس زمانہ میں نسبتِ اجرائے پرچہ تہذیب الاخلاق کے اپنے ایک مقدّس سر گھٹے ٹخنے کھلے ماتھے پر گٹھے پڑے دوست کے دست بیع ہو چکے تھے۔ اُنھوں نے نہ مانا اور کہا اجی حضرت یہ بھی کوئی بات ہے جو سنہ صحابہ کے وقت سے متفق علیہ چلا آتا ہے اور جس پر اجماع اُمّت ہو چکا ہے اُسی کو رکھنا چاہیئے نئے سال کی کیا ضرورت ہے۔ لاچار ہمارا کچھ بس نہ چلا اور اُنھوں نے تہذیب الاخلاق کی جلدوں کے ٹکڑے کردیئے۔ پہلی جلد صرف تین مہینے کی رہ گئی ہم بھی وقت تک رہے تھے۔ اب کہ تمام اُمور پرچہ تہذیب الاخلاق کے ہمارے ہاتھ میں ہیں اس لئے ہم اپنا قدیم ارادہ پورا کرتے ہیں اور یکم شوال روز عید سعید سے نئی جلد شروع کرتے ہیں ؛

یکم شوال سنہ ۱۳۰۱ نبوی مطابق یکم شوال سنہ ۱۲۸۷ ہجری سے لغایت ۱۵ رمضان سنہ ۱۳۰۱ نبوی مطابق ۱۵ رمضان سنہ ۱۲۸۸ ہجری ایک جلد پوری ہوئی ؛

یکم شوال سنہ ۱۳۰۲ نبوی مطابق یکم شوال سنہ ۱۲۸۸ ہجری سے لغایت ۱۵۔ رمضان سنہ ۱۳۰۲ نبوی مطابق ۱۵۔ رمضان سنہ ۱۲۸۹ ہجری دوسری جلد پوری ہوئی ؛

یکم شوال سنہ ۱۳۰۳ نبوی مطابق یکم شوال سنہ ۱۲۸۹ ہجری سے لغایت یکم رمضان سنہ ۱۳۰۳ نبوی مطابق یکم رمضان سنہ ۱۲۹۰ ہجری تیسری جلد پوری ہوئی ؛

یکم شوال سنہ ۱۳۰۴ نبوی مطابق یکم شوال سنہ ۱۲۹۰ ہجری سے لغایت یکم رمضان سنہ ۱۳۰۴ نبوی مطابق یکم رمضان سنہ ۱۲۹۱ ہجری چوتھی جلد پوری ہوئی ؛

یکم شوال سنہ ۱۳۰۵ نبوی مطابق یکم شوال سنہ ۱۲۹۱ ہجری سے لغایت یکم رمضان سنہ ۱۳۰۵ نبوی مطابق یکم رمضان سنہ ۱۲۹۲ ہجری پانچویں جلد پوری ہوئی ؛

یکم شوال سنہ ۱۳۰۶ نبوی مطابق یکم شوال سنہ ۱۲۹۲ ہجری سے لغایت یکم رمضان سنہ ۱۳۰۶ نبوی مطابق یکم رمضان سنہ ۱۲۹۳ ہجری چھٹی جلد پوری ہوئی ؛

یکم شوال سنہ ۱۳۰۷ نبوی مطابق یکم شوال سنہ ۱۲۹۳ ہجری سے یہ ساتویں جلد شروع ہے اور خدا سے اُمید ہے کہ بخیر و خوبی انجام پاوے اور اُس کے ذریعہ سے حقیقت دین محمدی و اسرار دین احمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام لوگوں کے دلوں پر نقش ہوں اور مسلمانوں کی تہذیب و معاشرت میں ترقی ہو ؛ آمین ؛

کب سے شروع ہوئی اور کس مہینہ سے اُس کے سال مبارک کا آغاز ہوتا ہے تو ہم کو قرآن مجید سے اس کا صاف پتہ ملتا ہے۔ خدا نے فرمایا ہے "شھر رمضان الذی انزل فیھا القرآن" یعنی رمضان وہ مہینہ ہے جس میں ہم نے قرآن نازل کیا۔ اور دوسری جگہ فرمایا ہے "انا انزلناہ فی لیلۃ القدر" یعنی ہم نے قرآن کو نازل کیا شب قدر میں *

اِن دونوں آیتوں سے دو باتیں معین ہوگئیں۔ ایک یہ کہ قرآن رمضان میں نازل ہوا۔ دوسرے یہ کہ جس رات قرآن نازل ہوا اور اسی کے سبب شب قدر اُس کا نام پڑا وہ شب رمضان میں تھی۔ پس اگر تحقیق ہوجاوے کہ شب قدر کب تھی یعنی شب نزول قرآن کب تھی تو شروع سال نبوی بھی تحقیق ہوجاویگا *

شب قدر کی نسبت جو روایتیں کُتب احادیث میں مندرج ہیں وہ نہایت مختلف ہیں۔ اول اس بات میں بحث ہے کہ شب قدر ایک دفعہ ہوچکی یا ہر رمضان میں پھر پھر کر آتی ہے۔ اہل سُنت و جماعت و شیعہ امامیہ کا یہی عقیدہ ہے کہ ہر سال پھر پھر کر آتی ہے اور سُنّی و شیعہ امامیہ دونوں اُس کی تلاش میں راتوں کو جاگتے اور اوراد و وظایف پڑھتے پڑھاتے ہیں۔ ہم بھی بہت راتوں جاگے ہیں مگر ہماری بدبختی سے ہم کو تو نہیں ملی *

قسطلانی شرح صحیح بخاری میں امام فاکہانی کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ شب قدر صرف ایک ہی برس جناب رسول خدا صلعم کے زمانہ میں ہوئی تھی۔ ہم اتنا اور اِس پر زیادہ کرتے ہیں کہ جب قرآن مجید نازل ہوا تھا اور ہم بھی امام فاکہانی کی تحقیق کو صحیح و درست سمجھتے ہیں *

وحکی الفاکہانی انہا خاصۃ بسنۃ واحدۃ وقعت فی زمنہ علیہ السلام (قسطلانی جلد ۳ صفحہ ۲۴۴)

خیر اس بحث کو چھوڑ دینا چاہیئے۔ اس باب میں کہ وہ رمضان میں کب ہوئی تھی توجہ کرنی چاہیئے تمام روایتوں کے ملانے سے یہ نتیجہ تو بخوبی نکل آتا ہے کہ رمضان کے عشرہ اخیر کی طاق راتوں میں ہوئی تھی اور بعضی روایتوں میں آیا ہے کہ شب اخیر رمضان میں ہوئی تھی اور اگر وہ مہینہ اُنتیس کا سمجھا جاوے تو ان دونوں روایتوں میں تطبیق پیدا ہوجاتی ہے۔ اگرچہ اس اختلاف سے ہمارے مقصد میں کچھ حرج نہیں پڑتا کیونکہ جب مذہبی امور کا انجام قمری مہینہ پر ہے جو چاند دکھائی دینے سے شروع ہوتا ہے تو بعد رمضان جو پہلا چاند دکھائی دیگا وُہی شروع سال ہوگا مگر ہم شب اخیر رمضان کو شب قدر سمجھتے ہیں جس میں قرآن مجید نازل ہوا اور یکم شوال روز عید المومنین کو شروع سال نبوی *

ہجرت۔ واقع ہوئی تھی ربیع الاول ۱۳ نبوی میں یعنی نبوت سے بارہ برس پانچ مہینے بعد۔

مکہ معظمہ میں بھی کوٹ پتلون اور پھندنے دار لال ٹوپی پہننے والوں کا خطبہ پڑھایا جاتا ہے۔ نہدا ہمچنیں کنند، چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی۔ فاعتبروا یا اولی الابصار!!! ٭

مُبارک باد عید

السلام علیکم وعلیکم السلام حضرت مبارک باشد، ہل تو لیجیئے۔ معانقہ تو فرمائیے، آئیے آئیے تشریف رکھئے۔ دل ملے ہوئے ہیں۔ معانقہ کیا ہے، کیا آپ معانقہ عید کو جائز نہیں سمجھتے؟ جناب میں کوئی مولوی مُلّاں، مفتی تو ہوں نہیں کہ جائز ناجائز سے بحث کروں۔ اِس جھگڑے کو جانے دیجئے۔ بیٹھئے مزے مزے کی دل خوش کُن باتیں کیجئے، نہیں صاحب پہلے اسی بات کا تصفیہ کر لیجئے کہ عید کا معانقہ جائز و مستحب ہے یا نہیں، حضرت میری رائے جب آپ سُنینگے تو چونکینگے اور متعجب ہونگے اور فرماوینگے کہ یہ تو سب سے انوکھی بات ہے، خیال کیجئے کہ جائز ناجائز مستحب وغیرہ مستحب یہ سب قسمیں افعال مذہبی کی ہیں۔ عید کا معانقہ کوئی مذہبی افعال میں سے نہیں ہے جس پر جائز یا ناجائز کا اطلاق ہو سکے، یہ بات صرف باہم معاشرت کی ہے۔ اگر اس پر بحث ہو سکتی ہے تو یہ ہو سکتی ہے کہ آیا یہ طرز معاشرت قابل پسند اور مہذّب ہے یا نہیں، اُس کا حال یہ ہے کہ جب تک قوم کے خیالات نہیں بدلتے اور تعصب دُور نہیں ہوتا اُس وقت تک جو رسمیں اُس قوم کی ہیں گو وہ کیسی ہی نامہذّب ہوں مہذّب ہی معلوم ہوتے ہیں، اُس کا فیصلہ کرنے کے لئے کوئی پیمانہ نہیں ہے جس سے اُس رسم کا مہذّب یا نامہذّب ہونا ناپ لیا جاوے۔ اگر کوئی پیمانہ اِس کے لیے ہو سکتا ہے تو صرف ترقی علوم و فنون سے ہو سکتا ہے، گو یہ مثل مشہور ہے کہ "لیلے را بچشم مجنوں باید دید" ہر ایک شخص اپنے معشوق کو سب سے زیادہ خوبصورت سمجھتا ہے مگر خوبصورتی بھی درحقیقت کوئی شئے ہے جو فی الواقع حسن ہے۔ اُس کے تصفیہ کا پیمانہ اگر ہو سکتا ہے تو یہی ہو سکتا ہے کہ جن لوگوں نے علم مصوّری میں کمال بہم پہنچایا ہے اور انسان کے اعضا اور چہرہ کی مناسبتوں پر کامل غور کی ہے اُس کے لئے اصول اور مقداریں قایم کی ہیں اور اُس کی ساخت و خط و خال کے قواعد مقرر کیئے ہیں وہ جس نقشہ کو خوبصورت بتاویں وہ خوبصورت ہے جس کو بدصورت بتائیں وہ بدصورت ہے گو کہ حبشی اپنے کالے چکول رنگ اور ناند کے کناروں سے موٹے ہونٹ اور پستہ کی سی چھوٹی زرد آنکھوں کو خوبصورت سمجھا کریں، اسی طرح حسن معاشرت نتیجہ ہے تمام دنیا کے علوم و فنون کے نتائج کے مجموعہ کا، پس اگر حسن معاشرت کے اچھے یا بُرے ہونے کا کوئی اندازہ

جدید سلطان روم

بھی ہندوستان کے مقدسوںؒ کے نزدیک

بحکم حدیث

من تشبّہ بقوم فھو منھم

کافر نکلے

اب تو مسلمانوں کا کہیں ٹھکانا نہیں رہا۔ نئے سلطان عبدالحمید خاں خلد اللہ ملکھم بھی من تشبّہ کی لپیٹ میں آہی گئے۔ بچارے مسلمانوں پر کیسی مشکل آن بنی ہے۔ آج عید کا دن ہے مکّہ معظمہ اور مدینہ منوّرہ کے مقدّس منبروں پر کس کا خطبہ پڑھیں۔ کیا سلطان عبدالحمید خاں کا (جس کو خدا بہت ہی عیدیں نصیب کرے) وہ تو من تشبّہ بقوم کی جھپیٹ میں آگیا اور نعوذ باللہ کافر ہوگیا*

مدراس کا شمس الاخبار مطبوعہ ۲۹۔ شعبان ۱۲۹۳ ہجری لکھتا ہے کہ سلطان عبدالحمید خاں کو ۱۸۶۷ء میں اُن کے باپ (چچا) پیرس (دار الخلافہ فرانس) میں واسطے دکھلانے نمائشگاہ کے لائے معلوم ہوتا ہے کہ اُس نمائشگاہ نے عبدالحمید خاں کی آنکھیں کھول دیں۔ اُن کا کمال شوق فرانس کی زبان سے پیدا ہوا اور اُنھوں نے وہ زبان سیکھی اور اُن کو یورپین قواعد اور لباس بھی نہایت پسند ہوا۔ لہذا اُس زمانہ سے اور اب تک اُن کا ویسا ہی برتاؤ ہے یعنی یورپین پوشاک پہنتے ہیں اور یورپین قاعدوں کا برتاؤ کرتے ہیں * * اور اشیاء منشّی سے اُن کو کچھ شوق نہیں (جو ہمارے نزدیک ایک معزز تمغہ مسلمانوں کا ہے) * * اُن کی بی بی بھی ایک ہی ہے جس کے ساتھ یہ ایک عمدگی سے اپنی زندگی بسر کرتے ہیں (جو ہمارے نزدیک ٹھیک ٹھیک سچا مسئلہ ٹھیٹ اسلام کا ہے) کیا دار الاسلام کے شیخ الاسلام بھی کافر ہوگئے ہیں جو کالا بوٹ اور بٹن لگی پتلون اور انگریزی یا فرانسیسی کوٹ اور لال پھندنے دار ٹوپی پہننے والے میز کرسی پر بیٹھنے والے چھُری کانٹے سے کھانے والے کو امیر المؤمنین اور سلطان حرمین شریفین بنایا ہے یا اب

کچھ التزام نہ تھا۔ کبھی عیدگاہ اور کبھی جناب مولانا مولوی محمد مخصوص اللہ مرحوم کے سبب سے قاضی واڑہ کی مسجد میں چلا جاتا تھا۔ عذر کے بعد سے بلکہ برس دو برس پہلے سے مجھے یاد نہیں آتا کہ عید کی نماز کو کہیں گیا ہوں ❖

آپ کہاں تشریف لے گئے تھے؟ جناب میں تو عیدگاہ میں گیا تھا۔ جب تک میں نہ جاتا نماز کیسے ہوتی۔ امام کو گیارہ روپیہ اور دو شالہ۔ متولی کو سات روپیہ اور پگڑی۔ مؤذن کو پانچ روپیہ اور دوپٹہ کون دیتا۔ میں تو گیارہ ہی بجے چلا گیا تھا۔ اگر میں شام تک نہ جاتا تو نماز نہ ہوتی۔ آپ کو نہیں معلوم کہ اِس قصبہ کا میں ہی رئیس گِنا جاتا ہوں۔ جب میں امام کو پگڑی باندھ لیتا ہوں تب اور ہمہ شمہ پگڑیاں باندھتے ہیں اور نذریں دیتے ہیں۔ امام کو متولی کو مؤذن کو خدا کے فضل سے بہت کچھ مل جاتا ہے ❖

افسوس اگر ہم بھی امام ہوتے تو آج خوب کماتے!

بھلا صاحب۔ وہاں اور کیا کیا ہوا۔ حضرت بڑا اژدھام خلایق کا تھا۔ تِل رکھنے کو جگہ نہ تھی۔ مجھ کو جانے میں ذرا دیر ہوگئی تھی۔ دھوپ میں ذرا تیزی آگئی تھی۔ عیدگاہ میں پورا فرش تھے نہیں۔ لوگوں کو اتنا مقدور نہیں کہ مصلّے خریدیں۔ ہزاروں آدمی زمین پر دھوپ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ دھوپ میں بھی بلا کی تیزی تھی۔ گرد بھی اُڑنی شروع ہوگئی تھی۔ اُس وقت میرا پہنچنا لوگوں کو غنیمت ہوگیا۔ معلوم نہیں کتنے آدمی کہاں سے اُمنڈ آئے تھے ❖

حضرت اُن میں ہندو بھی تو بہت ہونگے۔ واہ کیا آپ کا بھی ذہن رسا ہے۔ ماشاءاللہ عید کی نماز میں اور کہتے ہیں کہ ہندو بھی ہونگے۔ اے جناب سب مُسلمان تھے اور مسلمانوں ہی کی یہ کثرت تھی ہاں دو چار نوجوان ہندو بھی نہایت عمدہ گھوڑوں پر سُنہری روپہلی ساز لگائے ہوئے کارچوبی غاشیہ گھوڑوں پر ڈالے ہوئے نہایت عمدہ و نفیس کپڑے پہنے زمرد و یاقوت اور موتیوں کی مالائیں اور کنٹھے گلے میں ڈالے ہوئے نہایت نفیس سُرخ رنگ اور طلائی تِلّہ کا چیرہ باندھے ہوئے سیر کرتے پھرتے تھے۔ دو چار رنگ بنگالی بھی نظر پڑتے تھے۔ سیاہ نفیس وُو اشرفی کا ولایت کا بنا ہوا بوٹ۔ سفید پتلون اور کالا کوٹ اور دفلیا ٹوپی۔ ہاتھ میں خوبصورت پتلی سی پھوندنا پڑی چھڑی لئے انگریزی میں غٹ پٹ کرتے لوگوں کو دیکھ کر مُسکراتے پڑے پھرتے تھے ❖

جناب حقیقت میں بڑا بھاری میلہ تھا۔ آپ نے خوب سیر کی۔ ثواب کا ثواب کمایا اور تماشے کا تماشا دیکھا۔ آپ کا دل بہت خوش ہوا ہوگا۔ آہ۔ ایک ٹھنڈی لمبی سانس بھری۔ اور کہا کہ ہاں صاحب ثواب تو ہوا خدا انتیسوں روزے اور دونوں دوگانیں اور فطرہ کے گیہوں اور آنے جانے کی ڈگیں سب قبول کرے مگر دِل تو خوش نہیں ہوا ❖

ہوسکتا ہے تو اُسی قوم کی معاشرت سے ہوسکتا ہے جن میں ہر قسم کے علوم وفنون اعلےٰ درجہ کی ترقی پر ہوں ⁂

یہ پیمانہ کچھ آج کا بنایا ہوا نہیں ہے۔ ہمیشہ سے حسن معاشرت کا یہی پیمانہ رہا ہے۔ ایک زمانہ میں یہ پیمانہ مصریوں کے گھر میں تھا پھر یونانیوں اور ہندوؤں کے گھر میں آیا۔ چند روز مسلمانوں کے گھر میں رہا اب اُن لوگوں کے گھر میں ہے جو ہر قسم کے علوم وفنون میں ترقی کئے ہوئے ہیں۔ اگر آپ میرے اس اصول کو صحیح تصور فرماتے ہوں تو خود ہی اس طرز معاشرت کے حسن وقبح کا فیصلہ فرمالیویں۔ کسی طرز معاشرت پر عیب نکالنا (مثلاً معانقہ ہی کی نسبت یہ کہنا کہ یہ تو دو سانپوں کا ساگتھنا یا دو کھڑے نیولوں کا آپس میں لڑنا سا ہے) میں پسند نہیں کرتا کیونکہ ہر ایک طرز کی حسن معاشرت پر نکتہ چینی ہوسکتی ہے مگر جب ہمارے پاس بجز اُس پیمانہ کے جو مذکور ہوا اور کوئی پیمانہ ہی نہیں ہے تو ہم کو اُسی طرز معاشرت کے اچھا کہنے میں مجبوری ہے جو اُس پیمانہ کے مطابق ہے ⁂

یہ بات کہ ہر ایک مُلک کے لئے حسن معاشرت جُداگانہ ہے میری سمجھ میں ایک محض غلط خیال ہے۔ معاشرت بشرطیکہ اُس کے معنی سمجھنے میں غلطی نہ کرو تو ایک امر حقیقی ہے امر نسبتی نہیں ہے پس وہ کسی مُلک میں مختلف نہیں ہوسکتا گو کہ اُس کے حصول کے ذریعے مختلف ہوں اُسی غلط فہمی کے سبب لوگوں کے خیال میں ہے کہ یہ رسم فلاں مُلک کی ہے ہمارے مُلک کی نہیں۔ اگر یہ اصول تسلیم نہ کیا جاوے تو ایک ہی شئے کا ایک ہی حیثیت سے ایک جگہ اچھا اور ایک جگہ بُرا ہونا لازم آتا ہے۔ دیکھیئے دیکھیئے معاشرت کے معنی سمجھنے میں کچھ غلطی نہ کیجئیگا۔ پہلے اُس کے معنی خوب سمجھ لیجئے پھر اگر کچھ کہنا ہو تو کہیئے ⁂

بہت اچھا آپ معانقہ نہ کیجئیے مصافحہ تو کیجئیے یہ تو سُنّت ہے۔ دیکھیئے پھر آپ نے دوسی بات کہی۔ اگر لفظ سُنّت سے آپ کی مراد یہ ہے کہ جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے اصحاب اور احباب سے مصافحہ فرمایا ہے۔ اور اِس لئے یہ سنّت عادی یا رسم ملک عرب کی ہے تو تو میں اُس کو تسلیم کرتا ہوں اور اگر آپ نے اُس کو کسی مذہبی خیال سے سُنّت فرمایا ہے تو میں مصافحہ کو داخل مذہب نہیں سمجھتا بلکہ اُس کو حسن معاشرت میں داخل سمجھتا ہوں مگر آپ مذہبی خیال سے عید کا مصافحہ کرنا چاہتے ہیں اس لئے میں ہاتھ نہیں بڑھاتا آپ مہربانی سے معاف فرمادیں ⁂

خیر صاحب اِس کو جانے دیجئیے۔ آپ تو جھاڑ ہو کر او چھے گئے۔ یہ تو فرمائیے کہ آپ نے عید کی نماز کہاں پڑھی؟ مسکرائے! اور کہا کہ حضرت میں تو کہیں نہیں گیا۔ دِلّی میں جب تھا جب بھی

لنگا اور گزی کا پاجامہ ہر ایک پر ایسے مبارک اور خوشی کے دن میں بھی نہایت افلاس اور مصیبت برستی تھی۔ کسی کا دل اندر سے خوش نہ تھا۔ ہر ایک غمگین۔ رونی صورت۔ بسورتی شکل۔ تیوری چڑھی ہوئی۔ ڈاڑھی پر گرد پڑی ہوئی۔ پیادہ پا چلنے سے پسینہ میں شور بور۔ نہایت پریشان و متفکر نظر آتے تھے۔ چند قصائی جو چمڑا چربی بیچتے ہیں اور چند مُلا نے جو وعظ کہہ کہہ کر لوگوں کا مال مارتے ہیں اور دو ایک ڈپٹی کلکٹر اور صدر الصدور اور وکیل جو انگریزوں کے صدقہ سے روٹی کماتے ہیں آسودہ حال دکھائی دیتے تھے۔ ہاں تین چار مُسلمان جو گھوڑوں کے آگے دوڑتے جاتے تھے وہ بھی آسودہ حال معلوم ہوتے تھے۔ جب میں نے پوچھا کہ یہ کون ہیں تو معلوم ہوا کہ لالہ چھنامل کے بیٹے سیر کو آئے ہیں اُن کے سائیس ہیں۔ اُنہوں نے عید سے پہلے کہا تھا کہ مہاراج ہمارا تہوار ہے اگر تنخواہ پیشگی مِل جاوے تو بڑی پرورش ہوگی۔ مہاراج نے رو کڑیئے کو کہا تھا کہ یہ مُسلا تہوار تہوار پُکار رہا ہے آنہ روپیہ بیاج کا کاٹ کر اِس مُسلے کو پیشگی تنخواہ دیدو۔ سُن بے اگر تو دوسرے ظلمی تہوار کو کچھ مانگنے آیا تو ناک کاٹ لونگا۔ میں نے سُنا ہے کہ دلّی کے ہندوؤں نے بھی مُسلمانوں کی خستہ حالی پر بڑی مہربانی کی ہے اور یہ ٹھہرایا ہے کہ گھوڑوں پر تمام مُسلمان سائیس رکھے جاویں ؂

عیدگاہ کے باہر جو میں نکلا تو ایک غول بھیک منگوں کا نظر پڑا جو دو دو کوڑی مانگتے تھے اور پیچھا نہیں چھوڑتے تھے۔ بیسیوں مُسلمان سڑک پر کپڑا بچھائے بیٹھے تھے اور پکار رہے تھے کچھ خیرات دیتے جاؤ تیسوں روزے قبول۔ ایک طرف سینکڑوں عورتوں کا غول تھا اور اُن میں بیسیوں بُرقعہ اوڑھے ہوئے چلا رہی تھیں کہ لے بیٹا ہم سیدانی ہیں فاطمہ بی بی کا دانہ کھانے والی ہیں۔ اشراف گھرانے کی ہیں۔ ہم پر مصیبت پڑی ہے۔ اپنے بال بچوں کا صدقہ خاتونِ جنّت کا صدقہ کچھ دیتا جا۔ جب تمام قوم کا یہ حال تھا تو مجھ کو عید اور عید میں جانے کی کیا خوشی ہوتی ؂

بھائی اُس وقت تو میری آنکھوں میں آنسوں بھر آئے اور اُس کافر مُرتد سیّد احمد کی جو علیگڈھ میں آن کر بیٹھا ہے بات یاد آگئی۔ بھائی خدا مارے یا چھوڑے۔ وہ مُسلمان ہو یا کرسٹان مگر کہتا سب سچ ہے۔ میرے دل میں تو اُس کی سب باتیں بیٹھتی جاتی ہیں۔ میرا تو کئی دفعہ دل چاہا کہ اُس کے پاس جاؤں اور اُس کے کاموں کی جو مُسلمانوں کی قومی ترقی کے لئے کر رہا ہے مدد کروں۔ مگر جناب مولوی محمد یعقوب آٹھویں خاتم النبیین پاس حضرت جبرائیل خدا کے پاس سے وحی لائے ہیں کہ وہ تو دجّال ہے۔ میرے دل سے پوچھو تو ایسے نبیوں سے تو دجّال ہی بہتر ہے ؂

کیوں خیر باشد۔ کیا امام نے نماز اچھی طرح نہیں پڑھائی۔ خطبہ اچھا نہیں پڑھا۔ نہیں صاحب یہ تو کچھ بات نہیں۔ امام کمبخت تو ہمیشہ کا بدآواز ہے۔ جاہل الحمد بھی تو صحیح نہیں پڑھتا نماز پڑھانے میں اِدھر اُدھر کن انکھوں سے دیکھتا جاتا ہے کہ کتنے آدمی پگڑیاں لائے ہیں میرے خدمتگار کو تکتا جاتا ہے کہ دوشالہ بھی آگیا یا نہیں۔ خطبہ وہ نہیں پڑھتا متولی صاحب پڑھتے ہیں۔ وہ تو عالم آدمی ہیں اور نہایت خوش آواز ہیں۔ دُور تک آواز جاتی ہے مگر سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کہتے ہیں۔ کبھی اونچی کبھی نیچی۔ کبھی موٹی اور کبھی پتلی آواز تو آتی تھی مگر کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ توبہ توبہ خدا معاف کرے کبھی راگ رس خان آلاپتے تھے جس میں صرف آواز ہی آواز ہوتی تھی ویسا ہی سما معلوم ہوتا تھا ؎

ارے میاں توبہ کرو توبہ کرو۔ خطبہ میں تو خدا کے اوصاف نماز روزہ کے احکام علم و اخلاق کی باتیں لوگوں کو سمجھائی جاتی ہیں۔ یہ تم نے کیا کہا۔ جناب خدا قسم کچھ جو سمجھ میں آتا ہو لوگ کہتے تھے خطبہ پڑھا جاتا ہے خطبہ پڑھا جاتا ہے۔ عربی زبان میں پڑھا جاتا ہے۔ عربی میں پڑھنا ثواب بتاتے تھے۔ میں نے کہا کہ ثواب کیا خاک پتھر ہے سمجھ میں تو ایک حرف بھی نہیں آتا لوگوں نے کہا چُپ چُپ گناہ ہوتا ہے۔ میں چُپ ہو رہا اور متعجب ہوا کہ کھوں سچی بات اور ہو وے گناہ۔ ایسے گناہ سے بھی خدا کی پناہ۔ مگر جناب مسئلہ کی بات میں کون دم مارے۔ جو بولے وُہی کافر ہو ؎

پھر آپ کا دل کیوں خوش نہیں ہوا؟ ارے میاں وُہاں ہزاروں مُسلمان تھے مگر ایک سے ایک بدتر حالت میں۔ آپ جانتے ہیں کہ مسلمانوں میں عید کا دن بڑی خوشی کا ہے۔ ہر ایک مُسلمان اپنے مقدور بھر اچھے اچھے کپڑے پہنتا ہے۔ پسنہاری بھی دو دو کوڑی جمع کر کر عید کے لئے اپنے بچّے کو نیا جوڑا بنا دیتی ہے لیکن اگر تم جاتے اور مُسلمانوں کے غول کو دیکھتے تو اُن کی تباہی کا حال جانتے۔ میاں میں نے ہزاروں پر نظر ڈالی کسی کے گلے میں بجز گزی اور دھوتر کے اور کچھ نہیں دیکھا۔ کپڑے تو سب کے دھوئے اور اُجلے تھے مگر ہزاروں آدمیوں کے انگرکھے میں پیوند لگے ہوتے تھے اگر کسی کے گلے میں گزی کا نیا انگا تھا تو یقین جانئے کہ پُرانا پاجامہ تھا جس میں چھلنی کے سے چھید تھے۔ جوتے تو کسی کے پاؤں میں ثابوت نہ تھے۔ بہتوں نے رسّی یا چیتھڑے سے باندھ لئے تھے کیونکہ پاؤں سے نکل نکل جاتے تھے۔ بھلا بڑے بوڑھوں کا کچھ ذکر نہیں بچّوں کو عید کے دن اچھے اچھے کپڑے پہننے کا کھلونوں کے لینے کا بڑا شوق ہوتا ہے کسی بچّے کا یکساں لباس نہ تھا۔ اگر سر پر جھوٹے گوٹے کی ٹوپی ہے تو پاؤں میں جوتہ نہیں۔ پاجامہ نیا ہے تو انگا پُرانا ہے۔ لنگ لاٹ کا پاجامہ اور دھوتر کا انگرکھا نینوں کا

پیروں کو۔ مولویوں کو۔ واعظوں کو نذریں دی جاتی ہیں۔ یہ تو آپ کی عید ہے۔ ایام جاہلیت میں بھی رمضان آتا تھا۔ اسی مہینہ میں تیس روزے رکھے جاتے تھے۔ اسی طرح چاند دیکھ کر روزوں کے ختم ہونے کی خوشی ہوتی تھی۔ پس آپ کی عید میں اور زمانہ جاہلیت کی عید میں تقصیر معاف ہو کچھ فرق نہیں معلوم ہوتا ؛

بھلا صاحب آپ کی عید کس طرح کی ہوتی ہے؟ طرح کیا میاں سورج نکلا یکم شوال آئی عید ہوئی۔ بھلا اپنا خیال تو بتلایئے کہ عید کیا ہے؟ میاں یکم شوال کا نام عید ہے۔ اجی حضرت آپنے کہا تھا کہ عید خوشی کا دن ہے وہ کیسی خوشی ہے؟ ہاں آپ یہ پوچھتے ہیں۔ جناب رمضان کے روزوں کا حکم ہے جس نے روزے رکھے اُس نے خُدا کے حکم کی اطاعت کی۔ رمضان کے بعد دوسرا مہینہ شروع ہوا اِس خیال سے تو عید کے دن کو خوشی کا دن قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں۔ ہاں اگر ہم کو یہ خیال ہو کہ برس میں کا یہ وہ پہلا دن ہے جس میں رسول خدا صلعم نے فرمایا کہ میں خدا کا پیغمبر ہوں۔ تمام دنیا کے لئے خدا نے میرے پاس رحمت بھیجی ہے۔ مجھ پر وحی نازل کی ہے اور قرآن اُتارا ہے۔ ایک خدا کو مانو اور اُسی پر ایمان لائو۔ خدا کے سوا کسی کو مت پوجو تو بلاشبہ یہ اُس اصلی دن کی یادگاری کا جو سنہ ایک نبوی میں آیا تھا دن ہے۔ اُس کی یادگاری میں ہم کو خدا کا شکر کرنا اور اپنا نیاز بذریعہ دوگانہ نماز کے اُس کی جناب میں ادا کرنا لازم ہے۔ مگر ابھی تک خوشی کی کوئی بات نہیں ہوئی کیونکہ یہاں تک جو خیال میں نے بتایا وہ تو صرف شکر کا تھا نہ خوشی کا۔ اب ہم کو یہ خیال کرنا چاہیئے کہ اس پچھلے برس میں اُس گروہ کا جس نے اُس پیغمبر رحمۃ للعالمین کی بات کو مانا تھا کیا حال رہا۔ اُس کی امانت کو اُنہوں نے کس طرح برتا۔ اُس کے مقاصد کو کس طرح پورا کیا۔ رحمت اور شفقت اور محبت۔ سچائی۔ نیکی۔ خداترسی۔ ہمدردی۔ قومی ہمدردی۔ رحم۔ کرم۔ صبر۔ تحمل نے کس طرح اُن کے دلوں میں ترقی کی۔ تہذیب و شایستگی میں کس طرح اُنہوں نے قدم بڑھایا۔ علوم و فنون میں جو سب سے اعلےٰ ذریعہ قدرت کاملہ صانع حقیقی پر یقین کرنے کا ہے کیا ترقی کی۔ اُنہوں نے اپنی حالت۔ اپنی عادت اپنی عبادت سے کس طرح دنیا میں اسلام کی صورت کی تصویر بنا کر دکھائی۔ اگر اس طرح پر گذشتہ سال کا ریویو کرنے سے قوم کی حالت اچھی معلوم ہو تو عید کا دن خوشی کا ہے ورنہ محرم سے بدتر ہے ؛

ظاہری حالت قوم کی جو تھی وہ تو خود آپ نے ہی بتا دی۔ اگر باطنی حالت قوم کی پوچھو گے تو شیطان بھی پناہ مانگیگا۔ کینہ و نخوت اپنے تقدس و بزرگی و خداپرست ہونے کا گھمنڈ مقدس لوگوں میں کوٹ کوٹ کر بھرا پائیگا۔ اگر دنیا میں شیطان کو ڈھونڈنے پھرو تو بجز مقدسین کے جُبّہ و دستار مُبارک کے اور کہیں پتہ نہیں ملیگا۔ اُن سے اُتر کر جو لوگ ہیں اگرچہ اُن کے

اجی یہ آٹھویں خاتم النبیین کیسے ؟ آپ نے نہیں سُنا کہ مولوی یعقوب صاحب اور اُن کے ساتھی سات خاتم النبیین تو زمین کے اوپر اور اندر بتلاتے ہیں اور اب اُن پر وحی آنی شروع ہوئی ہے پھر آٹھویں ہوئے کہ نہیں ❊

حضرت آپ اتنے کیوں رنجیدہ ہوئے۔ آپ نے اپنے مُسلمان بزرگوں کی اور واعظ مولویوں کی نصیحتیں نہیں سُنیں وہ کہتے ہیں کہ مُسلمان اسی لئے دنیا میں پیدا ہوئے ہیں کہ تکلیفیں اور مصیبتیں بھگتیں۔ آپ نے سُنا ہے کہ دنیا مُسلمانوں کے لئے دوزخ ہے اور کافروں کے لئے بہشت۔ پس جس قدر مُسلمان مفلس محتاج تباہ ہوتے جاویں اُتنی ہی خوشی کی بات ہے کہ اَب پورے مُسلمان ہوئے ❊

یہ سُن کر بہت خفا ہوئے اور درشتی سے بولے کہ میاں یہ کون کہتا ہے ؟ حضرت مولوی۔ خفا ہو کر بولے کہ جھوٹے ہیں۔ تمام دھنئے جولاہوں قصابوں سے نذریں لے لے کر مال مارتے ہیں روپیہ جمع کرتے ہیں۔ چار چار جوروئیں کرتے ہیں۔ اُن کے لئے گہنے پر گہنا بناتے ہیں مکانات تعمیر کرتے ہیں۔ دن رات پلاؤ قورمہ خیرات کی روٹیاں کھاتے ہیں اور لوگوں کو سمجھاتے ہیں کہ مُسلمانوں کے لئے دنیا دوزخ ہے۔ جھوٹے مکّار یقولون ما لا تفعلون۔ مگر یہ تو بتلائیے کہ آپ نماز کو تو گئے نہیں مگر عید کے دن آپ نے اپنا مکان تو خوب سجایا ہے۔ جناب یہ تو خدا کی عنایت سے ہمیشہ یونہی رہتا ہے۔ یہاں تو دن عید و رات شب برات رہتی ہے ❊

کیا آپ کے نزدیک عید کے دن کو کچھ فوقیت نہیں ہے اور مُسلمانوں کے لئے خوشی کا دن نہیں ہے ؟ جناب کیوں نہیں مگر جس طرح آپ سمجھتے ہیں اُسی طرح نہیں ❊

یہ اور ہوئی ہے۔ ہم کس طرح سمجھتے ہیں ؟ حضرت آپ تو عید کو یہی سمجھتے ہیں کہ ماہ مُبارک رمضان تشریف لے گئے۔ خدا خدا کر کر تیسوں روزے پُورے ہوئے۔ دن کو نہ حُقّہ پی سکتے تھے نہ پان کھا سکتے تھے سُستی سے جان تنگ تھی۔ کچھ کام نہیں ہو سکتا تھا۔ جمائیوں پر جمائیاں آتی تھیں۔ ہاتھ پاؤں میں غوث و ابدال کا مرتبہ تھا۔ خدا خدا کر کر وہ دن کٹے لو اب عید کرو ❊

جو حضرات مقدس و خدا پرست ہیں اُنھوں نے ماہ مُبارک کو غنیمت سمجھا تھا۔ دن کو روزہ رکھتے تھے رات کو تراویح پڑھتے تھے۔ شب قدر کی تلاش میں راتوں جاگتے تھے ملے یا نہ ملے دوگانہ پر دوگانہ پڑھ کر ایک ایک کے ستر ستر گنتے تھے۔ ثواب کی گٹھڑیاں باندھ باندھ کر رکھتے جاتے تھے جیسے کہ تجارت کے موسم میں سوداگر اپنا مال بیچ کر دوگنے چوگنے کما لیتا ہے۔ جب خوب مال یا ثواب جمع ہو لیا تو اب برس بھر کو نچنت ہوئے اور عید منائی۔ سارے دن کہیں فطرہ کے گیہوں بٹ رہے ہیں کہیں اُس کے عوض نقد بھیجا جاتا ہے کہیں سویاں بٹ رہی ہیں

منقطع ہوجاتے ہیں اور تمام عمر کے لئے اُس خوشی سے جو اپنی قوم میں شامل رہنے سے ہوتی ہے
مجبوراً بلا اپنی مرضی کے محروم ہوجاتے ہیں نہایت افسوس اور نہایت نفرت کے لائق بات ہے
اور رحم اور انسانیت اور نیکی اور نیک دلی سے نہایت بعید ہے اور جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ
ہرگز یتیم بچوں پر رحم نہیں کرتے بلکہ خود غرض منصور ہوتے ہیں اور درحقیقت اُن یتیم بچوں پر
اُن کی بے کسی کی حالت میں ظلم کرتے ہیں جو بغیر اُن کی مرضی جایز کے اُن کو ہمیشہ کے لئے اُن کی
قوم سے منقطع کردیتا ہے ٭

جو شخص رحمدل ہوگا اور یتیم بچوں پر بغیر کسی نفسانی خواہش کے صرف اِس وجہ سے رحم کرتا
ہوگا کہ بمقتضائے انسانیت اُن پر رحم واجب ہے وہ ایسے فعل کو جیسا کہ اب ہورہا ہے اور
جس پر پادری صاحبوں کا عملدرآمد ہے اور جس کا ظہور ایک نہایت سختی اور بے رحمی کے ساتھ
مدراس کے قحط میں پادری صاحبوں کی جانب سے ہوا ہے جو اخباروں میں مندرج ہے نہایت
بیرحمی تصور کرتا ہوگا اور جو لوگ ہر ایک کام کو بہ نظر ثواب عقبیٰ کیا کرتے ہیں وہ بھی اس بات کو
نہایت ناپسند کرتے ہونگے کیونکہ کوئی مسلمان یا ہندو اِس بات سے خوش نہ ہوگا کہ یتیم لاوارث
بچے ہندو یا مسلمان کے ایسی بے رحمی سے عیسائی بنائے جاویں۔ پس میں نہایت عجز و انکسار
اور دلی جوش حب وطنی سے مسلمانوں اور ہندوؤں کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ خدا کے
واسطے رام جی کے واسطے اپنی قوم کے یتیم اور لاوارث بچوں پر رحم کرو اور اُن کی پرورش کے لئے
اُن تدبیروں میں میرے ساتھ شریک ہو جو مدت ہائے دراز سے میں نے سوچی ہیں اور جن کے
پورا کرنے کی میری کمال آرزو ہے اور وہ تدبیریں حسب مندرجہ ذیل ہیں ٭

۱۔ ضلع علیگڈھ میں جس کی آب و ہوا نہایت عمدہ ہے کسی مقام پر جو شہر سے فاصلہ پر ہو اور
کسی قصبہ یا گاؤں کے قریب ہو زمین لی جاوے اور وہاں مکانات مناسب یتیم بچوں کے رکھنے
اور پرورش پانے کے لئے بنائے جاویں ٭

۲۔ ہندو اور مسلمان دونوں اِس کام میں شریک ہوں اور ہر قوم کے یتیم و لاوارث بچوں کے
پرورش کے لئے وہ مکان متصور ہو ٭

۳۔ یتیم بچے جو اس میں پرورش پاویں وہ ایسی تدبیر سے پرورش پاویں کہ کسی بچے کی ذات
میں اور کسی بچے کے مذہب میں جو اُس کے ماں باپ کا ہو ذرا فرق نہ آنے پاوے۔ مسلمان بچوں
کی پرورش کے لئے مسلمان مرد و عورتیں مقرر ہوں اور ہندو مذہب کے بچوں کی پرورش کیلئے
بلحاظ اُن کی ذات و مذہب کے برہمن وغیرہ مقرر ہوں ٭

۴۔ اُسی مقام پر جہاں وہ بچے پرورش پاویں ایک مکتب ہو جس میں اُردو و ہندی کی ضرورت

پاس شیطان کے آنے کی ضرورت نہیں ہے مگر سب کو کذب و افترا۔ دغا و نفاق میں بھرا پائیگا۔ ہم بچارے دنیا کے کتوں۔ کافر۔ مرتد۔ دجالوں کا تو کچھ ذکر ہی نہیں۔ پس جبکہ یہ حالت ہے تو عید کے دن کو خوشی کیسی۔ ہر ایک کو جو خدا اور اُس کے رسول کو اور اُس کی اُمت کو دوست رکھتا ہے اپنے اپنے گھر میں بیٹھ کر رونا چاہیئے۔ خوشی منانا کیسی ؎

یہ سُن کر میرے خیالی دوست آنسو بھر لائے اور کہا کہ میاں تم کہتے تو سچ ہو پھر چاہے کوئی مانے یا نہ مانے۔ والسلام ؎

ایک تدبیر

یتیم اور لاوارث بچوں کی پرورش کی

ہندوستان میں قحط کی بلا اکثر آتی ہے اور خصوصاً اس بلا میں اور نیز دیگر واقعات میں ہندو اور مسلمانوں کے صغیر السن بچے یتیم اور لاوارث رہ جاتے ہیں جن کی پرورش کا کچھ ٹھکانا نہیں ہوتا گورنمنٹ کوئی ایسی تدبیر نہیں کر سکتی نہ ایسا خرچ اختیار کر سکتی ہے جس کے ذریعہ سے اُن کی پرورش اور نیز اُن کی تعلیم ہو اور اس لئے گورنمنٹ ایسے یتیم لاوارث بچوں کو ان لوگوں کے سپرد کر دیتی ہے جو اُن دونوں یعنی اُن کی پرورش اور ان کی تعلیم ضروری کے ذمہ وار ہوں ؎

پادری صاحبان جو ہمارے مُلک میں ہر جگہ موجود ہیں اور عیسائی قومیں اپنے مذہب کی ترقی کے لئے لاکھا روپیہ چندہ کر کر اُن کو دیتی ہیں۔ اُن کو ایسے یتیم و لاوارث بچوں کے عیسائی بنا لینے کا خوب موقع ملتا ہے اور وہ اُن کی پرورش اور تعلیم کے ذمہ دار ہوتے ہیں اور لے جاتے ہیں۔ اور فی الفور اُس معصوم بچے کو اصطباغ دیکر عیسائی بنا لیتے ہیں اور اب بہ سبب حادثات پے در پے کے اس امر ناواجب اور نامناسب کی ایسی کثرت ہو گئی ہے کہ قحط کے یتیم اور لاوارث عیسائی کئے ہوئے بچوں سے گاؤں کے گاؤں آباد ہو گئے ہیں ؎

اگر جوان عاقل و بالغ آدمی کسی مذہب کا عیسائی ہو جاوے یا مسلمان ہو جاوے تو کوئی الزام یا افسوس کی بات نہیں ہے مگر صغیر السن یتیم لاوارث بچوں کو ایسی مصیبت و رحم کی حالت میں عیسائی کر لینا جس کے سبب سے وہ اپنی تمام قوم و برادری اور رشتہ مندوں سے مثل مُردہ کے

نہیں ہے اور یہ بھی اقرار کرتا ہوں کہ اس امر کی پیروی میں جہاں تک ذاتی پیروی درکار ہے
میں کرونگا۔ میں یہاں تک اقرار کرتا ہوں کہ اِس درخواست کو ملکہ معظمہ انگلستان و قیصر ہندوستان
کے پایۂ تخت پر رکھنے کی ضرورت ہو تو میں خود لنڈن جاکر حضور ممدوح کے پایۂ تخت پر رکھونگا
مگر کبھی خیال کرنا نہیں چاہیئے کہ ایسی ضرورت پڑیگی ۔

۱۱۔ پس میں اِس کمیٹی کا قایم ہونا چاہتا ہوں اور ضلع علیگڈھ کے تمام ہندو مسلمان
رئیسوں سے درخواست کرتا ہوں کہ جو صاحب اس تجویز کو پسند کرتے ہیں وہ علیگڈھ میں بتاریخ
بیسویں مئی ۱۸۷۷ء وقت سات بجے صبح کے سین ٹیفک سوسائیٹی ہال میں تشریف
لاویں اور اِس تجویز کو کامل و جاری کرنے کے مقصد سے جو جو قواعد و تجویزیں اور ابتدائی
تدبیریں کرنی مناسب ہوں اُن کو تجویز کریں اور کمیٹی قرار دیدیں اور اُس کے ممبر مقرر ہوجاویں
تاکہ آیندہ کارروائی شروع ہو۔ اور جو صاحب شہرہائے دُور دراز کے رہنے والے ہیں وہ اپنی
تحریریں اس باب میں تاریخ مذکورہ سے پہلے راقم آثم کے پاس بھیج دیں تاکہ وہ سب تحریریں اُس
مجلس میں پڑھی جاویں ۔

نور الآفاق

ہم کو نہایت رنج و افسوس ہے کہ ہمارا ناصح مشفق جس سے ہمارے خیالات کو زیادہ عمدہ
ہونے کا موقع ملتا تھا اور ہمارے نفس امارہ کی اُس سے سرکوبی ہوتی رہتی تھی اور ہمارے دلی
اخلاق اُس سے وسعت پاتے تھے دنیا سے جاتا رہا یعنی نور الآفاق جو بجواب مضامین
تہذیب الاخلاق کانپور میں چھپتا تھا اُس کے مہتمم نے اپنے پرچہ مطبوعہ ۲۔ رجب ۱۲۹۴ہجری
مطابق ۱۴۔ جولائی ۱۸۷۷ء کے مشتہر کردیا کہ آیندہ سے نور الآفاق کا چھپنا موقوف ہوا۔ وجہ
موقوفی یہ لکھی ہے کہ نور الآفاق کے جواب دینے پر کوئی متوجہ نہیں ہوا اور یہ کہ دربار دہلی
میں سی۔ ایس۔ آئی سید احمد خاں صاحب بہادر نے سید امداد العلی خاں بہادر ڈپٹی کلکٹر مراداباد
سے بصدق دل سے یہ اقرار فرمایا کہ اب ہم کبھی کوئی مباحثہ مذہبی تہذیب الاخلاق میں نہ چھاپینگے۔
جب بفضل اللہ تعالیٰ سید صاحب موصوف کو یہ خیال آیا اور اُن کا دل جانب حق میلان پایا
پس اب ہم بھی اس اخبار نور الآفاق کو موقوف کرتے ہیں کہ مقصود اصلی ہمارا یہی تھا کہ حق ظاہر
ہوجاوے اور حق تعالیٰ اہل اسلام کو اغوائی فرقہ نیچریہ سے بچادے“ نیز سبب موقوفی کچھ ہی ہو

تعلیم لڑکوں کو دی جاوے اور اُسی مقام پر کچھ کام سکھلانے کا مثل دری بافی۔ قالین بافی یا نجاری لوہاری وغیرہ پیشوں کا کارخانہ ہو اور وہ لڑکے اُس کارخانہ میں کوئی پیشہ سیکھ لیں اور جب وہ جوان ایک حد معین تک پہنچ جاویں اور خود اپنے لئے آپ کمانے کے لائق ہو جاویں تب وہاں سے خارج کئے جاویں۔

۵۔ اسی طرح اور اسی فائدہ پر یتیم لڑکیوں کی بھی پرورش و تعلیم و تربیت ایک جدا مکان میں جو اُسی جگہ ہو کی جاوے۔ لڑکیاں جب جوان ہو جاویں تو وہ دفعتاً خارج نہ کر دی جاویں بلکہ اُن کے نکاح بیاہ شادی کی کوئی تدبیر کر دی جاوے تاکہ نیکی اور نیک بختی سے وہ اپنی زندگی بسر کریں۔

۶۔ اس کام کے لئے ایک کمیٹی مقرر ہو جس میں ہندو و مسلمان سب شریک ہوں اور اسی کمیٹی کے ذریعہ سے اُن سب چیزوں کا انتظام اور عملدرآمد کیا جاوے۔

۷۔ تمام لوگ ہندو و مسلمان اِس کام کے لئے چندہ دیں اور جو ذی مقدور ہیں وہ کچھ مہینہ مقرر کر دیں۔ جو زمیندار و تعلقہ دار ہیں وہ غلہ سے۔ لکڑی سے۔ برتنوں سے ہمیشہ اِس یتیم خانہ کی مدد کیا کریں اور یہ یتیم خانہ ایسا مستحکم اور مستقل ہو جاوے جس کے قیام پر بخوبی بھروسا ہو اور ہم گورنمنٹ کو بتلا سکیں اور کہہ سکیں کہ اس کے قیام کی تدبیریں ایسی مستحکم ہو گئی ہیں جن کے قایم رہنے اور بخوبی چلنے میں کچھ شبہ نہیں ہے۔

۸۔ اگر یہ تدبیر جیسا کہ میں نے کہا کامل ہو جاوے تو اُس وقت گورنمنٹ کے سامنے نہایت ادب اور عاجزی سے درخواست پیش کی جاویگی کہ ہماری کمیٹی یتیم و لاوارث بچوں کی پرورش کو موافق اُن کی ذات و مذہب کے موجود ہے آیندہ سے جو یتیم لاوارث بچے ہندو یا مسلمان کے ہوں وہ اس کمیٹی کے سپرد کئے جاویں اور پادری صاحبوں کو اُن کی سپردگی جو صرف بغرض اُن کے عیسائی بنانے کے لیتے ہیں نہ حقیقتاً یتیموں پر رحم کرنے کو بند ہو جاوے۔

۹۔ میں نہایت اعتماد اور نہایت بھروسہ اور اپنے یقین کامل سے جو مجھ کو گورنمنٹ کے عدل و انصاف پر ہے اور اس یقین کامل سے کہ گورنمنٹ کی مرضی کسی قسم کی مداخلت مذہبی کی نہیں ہے اور اس امر کے یقین سے کہ بہ مجبوری یتیم بچے پادریوں کے سپرد ہوتے ہیں گورنمنٹ کا ہرگز یہ منشا نہیں ہے کہ وہ یتیم بچے عیسائی بنائے جاویں۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ فی الفور گورنمنٹ اِس درخواست کو منظور کریگی اور پادریوں کو یتیم بچوں کا سپرد ہونا قطعاً بند کر دیگی بشرطیکہ ہم درستی سے اُن کی پرورش کا سامان مہیا کر لیں۔

۱۰۔ میں دوبارہ اپنے ہم وطنوں کو یقین دلاتا ہوں کہ درخواست کے منظور ہونے میں کچھ شبہ

پس جب تک دل پر یقین نہ ہو زبانی توبہ کے لفظ بے سود ہیں ہاں پہلی بات میرے اختیار میں ہے اگر آپ مدرسۃ العلوم کی تائید میں دل سے شریک ہوں میں آج ہی تہذیب الاخلاق کو بند کردونگا کیونکہ میری رائے میں جناب سید امداد العلی خاں بہادر سی۔ ایس۔ آئی کا دل سے مدرسۃ العلوم کی تائید کرنا بہ نسبت جاری رہنے تہذیب الاخلاق کے قوم کے لئے بہت زیادہ مفید ہے پس ہم اُسی اپنے اقرار کو تحریراً موکد کرتے ہیں اور خدا سے دُعا مانگتے ہیں کہ ہمارے پُرانے دوست مولوی سید امداد العلی خاں بہادر کا دل خدا مدرسۃ العلوم کی طرف مہربان کردے وہ ہمارے ساتھ شریک ہوں اور مدرسۃ العلوم کی تکمیل کے لئے چندہ جمع کریں جس طرح کہ ٹرکی کے چندہ میں اُنہوں نے ثواب کمایا اسی طرح اس میں بھی کماویں ہم آج تہذیب الاخلاق کا چھاپنا بند کردینگے وما ابرء نفسی ان النفس لامارۃ بالسوء الا ما رحم ربی ہم کو کچھ نفسانیت نہیں ہے۔ ہماری سمجھ میں قوم کی بھلائی کے لئے جو بات آتی ہے وہ کرتے ہیں شاید اُس میں غلطی ہو مگر جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک بات کے ترک ہونے سے دوسری بات زیادہ مفید قوم کو میسر ہوتی ہے تو ہم کو اُس کے ترک میں کیا عذر ہے۔ تامل ہے تو یہی ہے کہ ایسا نہ ہو کہ وہ ہاتھ نہ آوے اور یہ بھی جاتی رہے اور وُہی چوبے کی نقل ہو جاوے کہ چھبے ہونے گئے تھے دوبے رہ گئے ۞

اختتام سال ۱۲۹۱ ہجری و شروع سال ۱۲۹۲ ہجری

سوا چار برس بخیریت گذر گئے۔ اب پھر نیا سال شروع ہوا۔ گذشتہ برسوں میں جو کچھ ہنگامے ہونے تھے ہو لئے۔ اب دُم باقی رہ گئی ہے۔ چاند کی بڑھیا کی کہانی ہے کہ ہاتھی نکل گیا پر دُم باقی ہے۔ آج اگر ہم اپنی قسمت پر فخر کریں تو بھی بجا ہے اور اگر اپنی قوم کے اقبال کی فصل بہار کی آمد آمد کی خوشیاں منائیں تو بھی زیبا ہے۔ جو کچھ کہ اس سوا چار برس میں ہوا۔ کیا ایسے قلیل زمانہ میں اُس کے ہونے کی ہم کو توقع تھی۔ توبہ۔ توبہ۔ کیا ہم کو ایسا جلد ان ناچیز پرچوں سے اپنی قوم کے جگانے اور اُٹھانے کی جو مدت دراز سے غفلت کے تاریک گڑھے میں پڑی ہوئی بے خبر سو رہی تھی توقع تھی۔ استغفر اللہ ۞

وہ عید کا مبارک دن۔ یعنی یکم شوال ۱۲۸۷ نبوی اور ۱۲۸۷ ہجری جبکہ ہمارا پہلا پرچہ نکلا۔ اُمید ہے کہ ہماری قوم کی تاریخ میں کبھی بھولا نہ جاویگا۔ ہماری قوم کی جو کچھ بد اقبالی تھی وہ یہی تھی کہ کچھ

مگر ہم کو اپنے ناصح مشفق کے نہ رہنے کا افسوس ہے ؛

مولوی سید امداد العلی خاں بہادر سی - ایس - آئی - ہمارے قدیم دلی دوست ہیں گو اُن کے مزاج میں ذرا غصہ ہے مگر ہم نہایت صدق دل سے بیان کرتے ہیں کہ ایسے یک رنگ دوست، ظاہر و باطن - حاضر و غایب یکساں جیسے کہ ہمارے مولوی سید امداد العلی خاں بہادر سی - ایس آئی ہیں ویسے بہت کم دُنیا میں ہیں گو اُنھوں نے ہمارے عقاید کو یا ہمارے مسائل کو یا ہمارے اجتہاد کو یا ہمارے خیالات کو ناپسند کیا ہو اور کیسا ہی غصہ اُن کو ہم پر آیا ہو مگر کبھی ہمارے خیال میں بھی یہ بات نہیں گذری کہ ہماری اور اُن کی دوستی میں کچھ بھی فرق ہوا ہو اور جو دوستانہ محبت اُن کو ہمارے ساتھ ہے اُس میں کچھ کمی ہوئی ہو - اور ہم نے کبھی کسی مجلس و موقع میں حاضر و غائب، بجز اُن کے ادب و تعظیم کے اور کوئی کام نہیں کیا ہم نے ہزاروں آدمیوں کے سامنے کہا اور شاید لکھا بھی کہ اگر مولوی سید امداد العلی خاں بہادر سی - ایس - آئی ہم پر اس لئے غصہ ہیں کہ ہم اُن کی دانست میں کوئی بات خلاف مذہب اسلام کرتے یا کہتے ہیں تو اُن کا غصہ ہونا نہایت قابل تعریف و توصیف ہے اور ہم کو اُس سے خوشی ہونی چاہئے اور اُن کا احسان ماننا چاہیئے نہ رنجیدہ ہونا لیکن اُسی کے ساتھ ہم کو خدا کا شکر بھی کرنا چاہیئے کہ ہم اپنی دانست میں وہ نہیں کرتے جو ہمارے شفیق دوست نے تصور کیا ہے ؛

ہم کو نہایت آرزو ہے کہ تمام مُسلمان قومی بھلائی کے کاموں میں ہر قسم تفرقہ کو اُٹھا ڈالیں اور قومی کام میں مدد کریں کیونکہ جب تک قوم قوم نہ ہوگی اُس وقت تک کوئی بھلائی کی صورت نظر نہیں آنے کی - ہم نے اپنی دانست میں مدرستہ العلوم قومی بھلائی کے لئے قایم کیا ہے اور اگر ہماری قوم اُس پر متوجہ ہوگی اور اُس کی پوری تکمیل کریگی تو ضرور فوایدِ عظیمہ ہماری قوم کو اُس سے حاصل ہونگے پس ہماری آرزو یہ ہے کہ تمام قوم کے اعلےٰ و ادنےٰ درجہ کے لوگ اُس میں مدد کریں ؛

مولوی سید امداد العلی خاں بہادر جو فضل الٰہی سے ہماری قوم میں ایک بہت بڑے اعلےٰ افسر و رئیس ہیں اور ہمارے بہت بڑے شفیق دوست ہیں مدرستہ العلوم میں اُن کے شریک نہ ہونے سے ہم کو نہایت رنج ہے اور نیز قوم کی بھلائی میں نقصان ہے اور ہم جب اُن سے ملتے ہیں مدرستہ العلوم میں شریک ہونے کی التجا کرتے ہیں - دربار دہلی میں بھی ہم نے اُن سے التجا کی اُنھوں نے فرمایا کہ دو شرط سے ہم شریک ہونگے - اوّل یہ کہ تہذیب الاخلاق کا چھاپنا بند کردیا جائے اُس میں کوئی مضمون متعلق مذہب مت لکھو ؛ دوسرے یہ کہ اپنے عقاید و اقوال سے جو برخلاف علمائے متقدمین ہیں توبہ کرو - پچھلی بات تو میرے اختیار سے باہر تھی کیونکہ جس بات پر میں یقین رکھتا ہوں جب تک وہ یقین زایل نہ ہو کیونکر اُس کو دل سے کھو سکتا ہوں -

دُعا گوؤں کو مت بھولو ہے

قطع کیجئے نہ تعلق ہم سے　　کچھ نہیں ہے تو عداوت ہی سہی

یہ ولولہ اور غلغلہ اور ہر ایک بات کا چرچا در اصل ہماری قوم کی بھلائی کی نشانی ہے۔ اس کی ہم کو ذرا بھی خیال نہیں ہے کہ کسی کی کیا رائے ہے اور کسی کی کیا۔ کیونکہ جو بات ٹھیک نہیں ہے وہ آج نہیں کل۔ کل نہیں پرسوں سب کو معلوم ہو جاویگی۔ اور سب اُسی پر یقین کرینگے۔ اور اُسی پر متفق ہونگے۔ ضرور ایک دن وہ آویگا جو قوم کہیگی کہ ہاں سید بھی کوئی دیوانہ تھا۔ پر بات ٹھکانے کی کہتا تھا۔ اگر ہمارا یہ خیال صحیح ہو اور درحقیقت ہماری قوم میں ایسی تحریک آگئی ہو۔ تو ہمارے اِس ناچیز پرچہ نے اپنا کام پورا کر لیا اور اُس کی مراد پوری ہو گئی۔ والحمدُ للہ علےٰ ذٰالک *

مگر ہمارے بعض محبّ وطن جو دل سے اپنی قوم کی بھلائی اور قومی ترقی چاہتے ہیں کبھی غلطی میں پڑ جاتے ہیں۔ جب کبھی اُن کو کسی سولیزڈ یعنی مہذب و تربیت یافتہ شائستہ قوم میں سے کسی کی کوئی وحشیانہ حرکت معلوم ہوتی ہے تو اُس کو بہت طمطراق سے بیان کرتے اور لکھتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ جب اُس قوم میں بھی ایسی وحشیانہ حرکتیں ہوتی ہیں تو ہماری قوم کو کیوں بُرا کہا جاتا ہے۔ مگر اُن کو سمجھنا چاہیئے کہ اگر ہم کسی دوسرے کی آنکھ کی پھُلی کو لوگیں تو اُس سے ہماری آنکھ کا ٹینٹ نہیں چھپتا۔ ہم کو اپنی آنکھ کے ٹینٹ کا علاج کرنا چاہیئے۔ دوسرے کی آنکھ میں پھُلی ہو یا نہ ہو۔ با ایں ہمہ وہ لوگ اِس بات میں ذرا انصافانہ بھی نظر نہیں کرتے۔ قوم کی محبّت انصاف کو چھپا دیتی ہے۔ جس قوم کے کسی شخص کی وحشیانہ حرکت کی ہم گرفت کرتے ہیں اُس وقت اِس بات کو بھول جاتے ہیں کہ اُس قوم میں خوبیاں کتنی ہیں۔ ہماری قوم میں وہ عیب تو ہیں اور وہ خوبیاں کسی میں نہیں۔ اصلی محبّت اور سچّی خیر خواہی قوم کی یہی ہے کہ اُس کے نقصانوں کو دیکھے اور اُن کے مٹانے کی فکر کرے۔ جو لوگ نہایت ہمدردی اور قومی محبّت سے اپنی قوم کے عیبوں اور نقصانوں سے مطلع کرتے ہیں اُن کا دل اپنی قوم کی حالت پر بہ نسبت اُن کے جو قوم کی طرفداری کرتے ہیں اور اُس کے عیبوں کو چھپاتے ہیں بہت زیادہ جلتا ہے اور حقیقت میں وُہی لوگ محبّ وطن و محبّ قوم ہیں۔ وذٰالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء *

ترقی علم انشاء

جہاں تک ہم سے ہو سکا ہم نے اُردو زبان کے علم ادب کی ترقی میں اپنے ان ناچیز پرچوں کے

نہ تھے۔ اور جانتے تھے کہ ہم سب کچھ ہیں۔ اِس غفلت کے داروئے بیہوشی نے اُن کے کانوں کو بہرا کردیا تھا۔ ان کی آنکھوں کو پتھرا دیا تھا۔ دل پتھر ہو گئے تھے۔ دماغ قابو میں نہیں رہا تھا ہاتھ پاؤں سُست ہو گئے تھے۔ زندہ تھے پر مُردوں سے بدتر تھے۔ اُٹھتے۔ بیٹھتے۔ چلتے۔ پھرتے تھے۔ پر کچھ نہ کرتے تھے۔ اسی تھوڑے عرصہ میں وہ حالت بہت کچھ بدل گئی۔ کچھ لوگ بخوبی ہوشیار ہو گئے۔ وہ سمجھے کہ ہماری کیا حالت ہے۔ اور ہم پر کیا مصیبت ہے۔ لبوں پر جان ہے پھر اگر جان نہیں تو جہاں نہیں۔ کچھ لوگ ہوشیار ہوئے۔ پر ابھی آنکھیں ملتے ہیں۔ بہت سونے اور اندھیرے میں پڑے رہنے سے آنکھوں میں چیپڑ جما ہوا ہے۔ کچھ کھلتی ہیں مگر روشنی سے چوندھیا جاتی ہیں۔ کچھ لوگ ابھی تک نیند کے خمار میں ہیں۔ کچھ حرکت تو اُن میں آئی ہے مگر ابھی انگڑائی لے کر اور کروٹ بدل کر پھر غافل ہو جاتے ہیں۔ چُپ پھر جھنجوڑو تو ہاں۔ اچھا کہہ کر دوسری کروٹ لیتے ہیں اور پھر غافل ہو جاتے ہیں۔ کچھ لوگ ایسے ہیں کہ ابھی بدستور غافل پڑے سُوتے ہیں۔ اور کچھ ایسے ہیں کہ ہوشیار ہوئے ہیں مگر بدمزاجی اور تندخوئی سے ضد میں آکر کمل تانے پڑے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ہاں ہم نہیں اُٹھنے کے۔ تمہارا کیا چارہ ہے۔ ہم یونہی پڑے رہینگے۔ بعضے اُن میں سے اپنے پاس والوں کو کہتے ہیں کہ تم بھی پڑے رہو مت اُٹھو۔ سیداحمد کون ہے جو جگاتا پھرتا ہے۔ ہم اِسی بات کو سُن کر خوش ہوتے ہیں۔ اور دُور ہی سے کھڑے کہتے ہیں کہ وہ اُٹھے۔ وہ کلبلائے۔ خدا نے چاہا تو اب سمجھ دار بھی ہو جاوینگے یہی رُست وخیز ہماری قوم کے اقبال کی نشانی ہے۔ پتھر پسیجا تو سہی۔ اب کسی نہ کسی طرف بہ نکلیگا۔ لوہا پگلا تو سہی۔ اب کچھ نہ کچھ ڈھل رہیگا۔ بند پانی سے بجز سڑ جانے کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ پانی کو بہنا چاہیئے۔ پھر کوئی نہ کوئی اپنا رستہ بنا لیگا۔ اس وقت ہماری ساری قوم میں اس بات کا غلغلہ ہے کہ ہماری حالت اچھی نہیں۔ قوم کے لئے کچھ کرنا چاہیئے۔ کیا یہ صدا اُن لوگوں کے دلوں میں جو قومی بھلائی چاہنے والے ہیں جان نہیں ڈال دیتی ہے؟ سولزیشن جس کے نام سے لوگوں کو نفرت تھی کیا اب اُس کا چرچا ہر گلی کوچہ میں نہیں ہے۔ کیا نیچر کا قافیہ کیچڑ کہتے ہوئے اب لوگوں کو شرم نہیں آتی ہے (معاف کیجئے اُن ضدی سُونے والوں کا ذکر نہیں ہے) کیا قومی ہمدردی کی کسی نہ کسی قدر تحریک اب ہر ایک کے دل میں نہیں ہے۔ کیا چار دانگ ہندوستان کے اخباروں میں تہذیب۔ تہذیب۔ سولزیشن سولزیشن۔ قومی ہمدردی قومی ہمدردی پیٹریاٹزم پیٹریاٹزم کا غلغلہ نہیں ہے۔ کوئی اخبار اُٹھاؤ اُس میں۔ اُن میں سے کسی نہ کسی پر کوئی نہ کوئی چھوٹا موٹا آرٹیکل دیکھ لو۔ جس گلی کوچہ میں جاؤ سید احمد کے تہذیب الاخلاق کا جھگڑا سُن لو۔ مکہ میں جاؤ تو سید احمد کو پاؤ۔ مدینہ میں جاؤ تو سید احمد کو پاؤ۔ بُرا کہو خواہ بھلا کہو۔ مگر ہم

قوم اس پر متوجہ رہیگی اور ایشیائی خیالات کو نہ ملائیگی۔ جو اب حد سے زیادہ اجیرن ہو گئے ہیں
تو چند روز میں ہماری ملکی تحریریں بھی میکالی و اڈیسن کی سی ہو جاوینگی ٭

بعض لوگوں کو شکایت ہے کہ جو لوگ اس زمانہ میں اردو لکھتے ہیں وہ انگریزی لفظ اپنی
تحریروں میں ملاتے ہیں مگر اُن کو غور کرنا چاہیئے کہ زندہ زبان میں ہمیشہ نئے نئے لفظ ملتے اور بنتے
ہیں۔ اور جب کوئی زبان محدود ہوجاتی ہے مردہ کہلاتی ہے۔ غیر زبان کے الفاظ کو اپنا کر لینا
اہل زبان کا کام ہے مگر اُن کا ملالینا آسان کام نہیں۔ اہل زبان غیر زبان کے لفظ کو ایسی عمدگی
سے ملا لیتے ہیں جیسے تاج گنج کے روضہ میں سنگ مرمر پر عقیق و یاقوت و زمرد کی پچکاری ہے۔
بے شک وہ دوسرا پتھر ہے۔ مگر ایسا وصل ہوا ہے کہ غور سے دیکھنے پر بھی اوپر سے جڑا ہوا
نہیں معلوم ہوتا۔ اُسی میں سے پیدا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ یہ بات اہل زبان کے سوا دوسرے
سے نہیں ہو سکتی اور نہ سب اہل زبان سے۔ بلکہ صرف اُس سے جسے خدا نے ایسا ملکہ دیا ہو ٭

یہ بات بھی غور کرنی چاہیئے کہ اہل زبان کو دوسری زبان کے لفظوں کے لے لینے کی کیوں
ضرورت پڑتی ہے۔ اِس کے متعدد اسباب ہوتے ہیں۔ ایک مورخ جو کسی ملک کی تاریخ لکھتا ہے
اُس کو ضرور ہوتا ہے کہ اُس ملک کے تاریخی الفاظ یعنی جو تاریخ سے متعلق ہیں اور ملکوں کی تقسیم
اور مناصب اُسی ملک کی زبان میں قایم رکھے کیونکہ اگر اُن کے لئے اپنی زبان کے الفاظ اور
اصطلاح بدل دے تو وہ تاریخ نہایت نکمی اور غیر مفید ہوجاویگی۔ ٹونس میں جو تاریخیں غیر ملکوں
کی عربی زبان میں ترجمہ تھیں تصنیف ہوئی ہیں۔ اُن کو دیکھو کہ کس قدر غیر زبان کے الفاظ
معرب وغیر معرب اُن میں شامل ہیں۔ عربی اخبار الجوائب کو دیکھو اُس کا کیا حال ہے۔ قرآن مجید
کو پڑھو اور دیکھو اُس میں کس قدر الفاظ دوسری زبانوں کے داخل ہیں۔ اگر عربی زبان کے
علم ادب اور علوم و فنون میں الفاظ جدیدہ شامل ہونے بند ہوجاتے تو وہ زبان بھی مثل عربی
و سنسکرت و ژند کے مردہ زبان ہوجاتی ٭

علوم و فنون پر کتابیں لکھنے والا بعضی دفعہ مجبور ہوتا ہے کہ جس زبان سے اُس علم کو لیا ہے
اُسی زبان کے بعض الفاظ اور مصطلحات بدستور قایم رکھے۔ دیکھو یونانی زبان سے جو علم طب
عربی میں ترجمہ ہوا کس قدر یونانی الفاظ اُس میں شامل ہیں۔ اگر کسی کو لیٹرغس نہ ہو تو ضرور اس کو
تسلیم کریگا۔ عربی زبان سے کمسٹری انگریزی میں گئی۔ آج تک بہت سے عربی لفظ انگریزی
زبان کی کمسٹری میں شامل ہیں ٭

پوچھو کہ اس مقام پر میں نے کیوں لفظ کمسٹری بولا۔ اور کیمیا کا لفظ جس سے خود انگریزوں
نے لفظ کمسٹری بنایا ہے کیوں نہ بولا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ہم لوگوں میں کیمیا کے لفظ کے ساتھ

ذریعہ سے کوشش کی مضمون کے ادا کا ایک سیدھا اور صاف طریقہ اختیار کیا۔ جہاں تک ہماری کج مج زبان نے یاری دی الفاظ کی درستی۔ بول چال کی صفائی پر کوشش کی۔ رنگینی عبارت سے جو تشبیہات اور استعارات خیالی سے بھری ہوتی ہے اور جس کی شوکت صرف لفظوں ہی لفظوں میں رہتی ہے اور دل پر اُس کا کچھ اثر نہیں ہوتا۔ پرہیز کیا۔ تک بندی سے جو اس زمانہ میں مقفّے عبارت کہلاتی تھی ہاتھ اُٹھایا۔ جہاں تک ہو سکا سادگی عبارت پر توجہ کی۔ اس میں کوشش کی کہ جو کچھ لطف ہو وہ صرف مضمون کے ادا میں ہو۔ جو اپنے دل میں ہو وہی دوسرے کے دل میں پڑے تاکہ دل سے نکلے اور دل میں بیٹھے۔ ہم کچھ نہیں کہہ سکتے کہ ہماری یہ کوشش کہاں تک کارگر ہوئی۔ اور ہمارے ہموطنوں نے اُس کو کس قدر پسند کیا۔ مگر اتنی بات ضرور دیکھتے ہیں کہ لوگوں کے خیالات میں ضرور تبدیلی آگئی ہے اور اُس کی طرف لوگ متوجہ بھی معلوم ہوتے ہیں۔ اخباروں کی عبارتیں نہایت عمدہ اور صاف ہوتی جاتی ہیں۔ وہ پہلا ناپسند طریقہ ادائے مضمون کا بالکل چھوٹتا جاتا ہے۔ بھاری بھاری لفظوں اور موٹے موٹے لغتوں سے اُردو زبان کا خون نہیں کیا جاتا۔ صفائی اور سادگی روز بروز عبارتوں میں بڑھتی جاتی ہے۔ خیالات بھی بالکل بدلے ہوئے ہیں۔ بہت کم اخبار ایسے ہونگے جن میں ہر ہفتہ کوئی نہ کوئی آرٹیکل عمدہ وسلیس عبارت میں کسی نہ کسی مضمون پر نہ لکھا جاتا ہو۔ صرف اِس بات کی کمی ہے کہ وہ سامان ہمارے پاس موجود نہیں ہے جس سے ہمارے معلومات زیادہ ہوں اور ہمارے خیالات کو وسعت ہو۔ جو مضمون ہم لکھنا چاہیں اُن کے ماخذ اور اُن کے حالات اور جو بحثیں کہ اُن پر ہو چکی ہیں اور جو امور اُن کی نسبت متحقق ہو چکے ہیں اُن سے آگاہی ہو۔ اور یہی سبب ہے کہ بعض دفعہ ہماری قوم کے آرٹیکلوں میں غلطی ہو جاتی ہے۔ اور جن اُمور کا تصفیہ ہو چکا ہے اُنہی کو پھر چھیڑے جاتے ہیں۔ یہ نقص اُسی وقت رفع ہوگا جبکہ انواع اقسام علوم و فنون کی کتابیں ہماری زبان میں موجود ہو جاوینگی۔ اور ہماری قوم کو عموماً اُن پر دسترس ہوگی۔ سینٹیفک سوسائٹی علیگڈھ نے اِس کام کے پورا کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ مگر افسوس ہے کہ قوم کو اس طرف توجہ نہیں ہے اور اسی سبب سے اُس کا کام اُدھورا پڑا ہے۔

نئی اُردو نے درحقیقت ہماری ملکی زبان میں جان ڈال دی ہے۔ میرو دردو ظفر نے اردو اشعار میں جو کچھ سحر بیانی کی ہوگی ہو۔ میر مومن دہلوی نے کوئی کہانی شستہ بول چال میں کبھی ہو کہدی ہو۔ جو اُس سے زیادہ فصیح و دلچسپ و بامحاورہ نہ ہوگی جو ایک پوپلی بڑھیا بچوں کے سلاتے وقت اُن کو کہانی سُناتی ہے۔ مضمون نگاری دوسری چیز ہے جو آج تک اُردو زبان میں نہ تھی۔ یہ اسی زمانہ میں پیدا ہوئی اور ابھی نہایت بچپن کی حالت میں ہے اگر ہماری

اور ارادہ میں سلیم ہو۔ ایسا ہونا تعلیم سے شروع ہوتا ہے۔ اور بڑھے کو گتا اور نیک صحبت میں بیٹھنا اُس کو پورا کرتا ہے۔ اگرچہ شریف کے بھی یہی معنی ہونے چاہئیں مگر چونکہ اس کا استعمال ایک خاص بات پر ہوگیا ہے تو یہ پورا پورا خیال اُس لفظ سے دل میں نہیں آتا۔ بس ایک مُحبّ قوم اہل زبان اُن خیالوں کو دل میں ڈالنے کے لئے اپنی زبان کو وسعت دیتا ہے۔ اور دوسری زبان کا نیا لفظ اپنی زبان میں ملاتا ہے تاکہ نئے لفظ کے ساتھ نیا خیال دل میں پیدا ہو۔ یہی حال اِس قسم اور لفظوں کا ہے۔ اگر ہم اُن سب کی تفصیل لکھیں تو ہمارا یہ آرٹیکل لغت یا اصطلاحات کی ایک کتاب ہوجاوے۔ اسی نمونہ سے ہمارے ہموطن خیال کرسکینگے کہ ہماری قوم کو اپنی زبان کی نسبت بھی کیا کیا کرنا ہے۔ اور ان لغو خیالات کو چھوڑینگے کہ وہ شخص تو انگریزیت پر مرتا ہے۔ انگریزی ہی لفظ بولتا ہے۔ اپنی واقفکاری انگریزوں کی جتاتا ہے۔ کیونکہ کسی جنٹلمین کو ایسے ذلیل خیالات کسی جنٹلمین کی نسبت کرنے زیبا نہیں *

اُردو نظم

ہم نے جو نیچر کی بہت ہائے پکار کی تو اب اُس کا قافیہ کیچڑ تو نہیں رہا۔ بلکہ شاعروں نے اُس کی طرف توجہ کی۔ ہماری زبان کے علم ادب میں بہت بڑا نقصان یہ تھا کہ نظم پوری نہ تھی۔ شاعروں نے اپنی ہمت عاشقانہ غزلوں اور واسوختوں اور مدحیہ قصیدوں اور ہجر کے قطعوں اور قصہ و کہانی کی مثنویوں میں صرف کی تھی۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ اُن مضامین کو چھونا نہیں چاہیئے تھا۔ نہیں وہ بھی نہایت عمدہ مضامین ہیں۔ اور جودت طبع اور تلاش مضمون کے لئے نہایت مفید ہیں۔ مگر نقصان یہ تھا کہ ہماری زبان میں صرف یہی تھی۔ دُوسرے دوسری قسم کے مضامین۔ جو درحقیقت وُہی اصلی مضامین ہیں اور نیچر سے علاقہ رکھتے ہیں نہ تھے نظم کے اوزان بھی وُہی معمولی تھے۔ ردیف و قافیہ کی پابندی گویا ذات شعر میں داخل تھی۔ رجز اور بے قافیہ شعر گوئی کا رواج ہی نہیں تھا اور اب بھی شروع نہیں ہوا۔ ان باتوں کے نہ ہونے سے حقیقت میں ہماری نظم صرف ناقص ہی نہ تھی بلکہ غیر مفید بھی تھی۔ مگر نہایت خوشی کا مقام ہے کہ زمانہ نے اس کو بھی رفارم کیا۔ اور اہل پنجاب اس نقص کے رفع کرنے پر متوجہ ہوئے۔ اُردو زبان کے علم ادب کی تاریخ میں ۱۸۷۴ء کا وہ دن جب لاہور میں نیچرل پوئیٹری کا مشاعرہ قایم ہوا ہمیشہ یادرہیگا *

ہز آنر لفٹنٹ گورنر بہادر پنجاب اور مسٹر ہالرایڈ ڈائرکٹر پبلک انسٹرکشن پنجاب نے اس مشاعرہ کے قایم ہونے پر بڑی توجہ کی ہے۔ جس کی شکر گذاری ہماری قوم پر واجب ہے ہماری قوم کے لائق و فائق لوگوں نے بھی اس پر بخوبی توجہ کی ہے۔ مولوی محمد حسین صاحب آزاد

چاندی سونا بنانے کا خیال پیدا ہوتا ہے جو ایک محض غلط خیال ہے۔ اب وہ شخص جو اپنی قوم
کی ہمدردی رکھتا ہے اور اُن غلط خیالات کو مٹانا چاہتا ہے کسی جگہ کمسٹری اور کسی جگہ کیمیا کا
لفظ بول جاتا ہے تا کہ کمسٹری کا لفظ اُس غلط خیال کو نہ آنے دے اور کیمیا کا لفظ کمسٹری اور
کیمیا کے ایک ہونے کا خیال پیدا کرے ❖

لٹریچر یعنی علم ادب اہل زبان کے لئے نہایت وسیع جولان گاہ ہے۔ اُس میں وہ اپنی طبیعت
کا زور دکھلاتا ہے۔ اُسی کے ذریعہ سے وہ اپنے دل کی بات دوسرے کے دل میں ڈالتا ہے
اپنی شستہ تقریر اور مناسب الفاظ سے لوگوں کے دلوں کو جس بات پر چاہتا ہے
اُبھارتا ہے۔ اُنہی لفظوں سے کبھی ہنسا دیتا ہے اور کبھی رولا دیتا ہے۔ پُرانے دقیانوسی خیالوں
کو مٹاتا ہے اور نئے نئے خیالات دلوں میں ڈالتا ہے۔ کبھی واحد کے بدلے جمع اور جمع کے بدلے
واحد کے صیغے بولتا ہے۔ کبھی حاضر کو غائب اور غائب کو حاضر کہہ دیتا ہے۔ کبھی ترکیب جملہ کی
دوسری زبان کی ترکیب پر گھڑ دیتا ہے۔ اور اس سب میں ایک لطف اور ایک قسم کا مزا رکھتا
جاتا ہے۔ اگر وُہی چال وہ چلے جو اہل زبان نہیں ہے تو سینکڑوں ٹھوکریں کھاتا ہے۔ یہ مطلب
نہیں ہے کہ اہل زبان جو کہے سو صحیح ہے۔ اور غیر اہل زبان وہ چال چلے تو غلط ہے۔ نہیں
درحقیقت اُس کا کہنا صحیح اور اس کا بولنا غلط ہوتا ہے اور اہل زبان ہی اُس میں تمیز کرسکتا ہے ❖

دوسری زبان کے لفظوں کو اپنی زبان میں بولنا کبھی عبارت کا لطف بڑھانے کے لئے
ہوتا ہے کبھی اپنی زبان کو وسعت دینا اور نئے لفظوں کو اُس میں داخل کرنا مقصود ہوتا ہے کبھی
سامعین کو مطلب کی طرف زیادہ متوجہ کرنے کے لئے بولا جاتا ہے۔ کبھی اُس مطلب کی عظمت جتانے
کو کہا جاتا ہے جو عظمت اُس مرادف لفظ سے جو اُس زبان میں مستعمل ہے دل میں نہیں بیٹھتی۔ مثلاً
بعضے اہل زباں اپنی تحریر و تقریر میں مناسب موقع پر جس کی مناسبت کو اہل زبان ہی جان سکتے
ہیں جنٹلمین کا لفظ بولتے ہیں۔ اگر وہ اُس کی جگہ شریف یا شریفوں کا لفظ بولیں تو اُس
لفظ یا مطلب کی عظمت خاک میں مل جاتی ہے۔ اِس لئے کہ ہماری زبان اور عام استعمال میں لفظ
شریف کم ذلیل ہو گیا ہے۔ اُس سے بجز اس خیال کے کہ اُس کی حسب و نسب میں کچھ نقصان
نہیں ہے۔ شیخ۔ سید۔ مغل۔ پٹھان ہے اور کوئی خیال پیدا نہیں ہوتا مگر اُس لفظ کے
بولنے والا اُس خیال سے زیادہ تر وسیع اور اعلےٰ خیال دل میں بٹھانا چاہتا ہے۔ وہ اِس لفظ
سے ایسا شخص بتانا چاہتا ہے جو رذیل آدمیوں کی بہ نسبت خاندان میں۔ تعلیم میں۔ حیثیت
میں۔ اطوار میں افضل ہو۔ اُس کی تعلیم و تربیت۔ اُس کا چال چلن اچھا ہو۔ نیک اور خوش اخلاق
ہو۔ وہ ہر بات میں جو اُس سے متعلق ہو حلیم ہو۔ چال چلن میں حوصلہ و مزاج میں۔ خدا [illegible]

اب بھی وہ بہت ٹھنڈی ہوگئی ہے۔ بہت لوگ سوائے چند متعصبین کے سمجھ گئے ہیں کہ ہم اسلام کی اور مسلمانوں کی کیسی خیر خواہی کرتے ہیں۔ آفتابِ اسلام کو جس کی شعاعیں گرد و غبار کے سبب دھوندلی ہوگئی ہیں اور جس کی کرنیں ہم تک نہیں پہنچتیں کس طرح روشن اور چمکتا ہوا کرنا چاہتے ہیں۔ اصلی سرچشمۂ حیات جاودانی کو جو بہت سے نالے ندیوں کے مل جانے سے گدلا اور میلا ہوگیا ہے کس طرح پاک و صاف کرنا چاہتے ہیں۔ ہماری خواہش ہے کہ اسلام جس کا مزا صرف لوگوں کی زبان پر رہ گیا ہے اور حلق سے نیچے نہیں اُترتا اُس کا اثر دل تک پہنچایا جاوے۔ ہماری آرزو ہے کہ اسلام جس کو ہم سب سے زیادہ عزیز اور سب سے عمدہ سمجھتے ہیں اُس کا اثر مسلمانوں کے دلوں میں۔ اُن کے اخلاق میں۔ اُن کے چال چلن میں۔ اُن کے معاملات میں۔ اُن کے برتاؤ میں سب میں پایا جاوے۔ اسلام کو صرف زبان ہی سے نیک نیک کہا جاوے بلکہ مسلمانوں کو اُس نیکی کا نمونہ کر دکھایا جاوے۔ ہم نہیں چاہتے کہ کوئی حاجی کہلانے کے لئے حاجی بنے۔ بلکہ یہ چاہتے ہیں کہ حج کا جو اثر دل میں ہونا چاہیئے اُس کو حاصل کرے۔ اندھے والا حاجی بننے سے تو اسلام کو کچھ عزت نہیں ہو سکتی۔ اُن کے لئے تو یہی کہنا بس ہے۔ کہ رحمت بر اخلاقِ حجاج باد۔

نماز سے اگر صرف ماتھے پر گٹا ڈال لینا مقصود ہے تو وہ تو پوری رُوسیاہی ہے۔ نماز سے نیاز پیدا کرنا چاہیئے۔ دل پر اُس کا اثر بٹھانا چاہیئے۔ اگر طہارت کو صرف ہاتھ پاؤں دھونے پر منحصر سمجھا تو اسلام کی کچھ پیروی نہیں کی۔ ظاہری طہارت تو باطنی طہارت کا اشارہ کرتی ہے۔ پھر اگر باطنی طہارت حاصل نہیں ہوئی تو یہ ظاہری طہارت نجاست سے بدتر ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ اسلام کے جو روحانی نتیجے ہیں وہ مسلمانوں کو حاصل ہوں ورنہ بکرے کی سی ڈاڑھی اور بکرے کی طرح وظیفوں کی جگالی اور بلی کی سی طہارت اور مکری کے سے فریب سے کچھ فائدہ نہیں۔ واللہ متم نورہ ولو کرہ المنکرون۔

مدرستہ العلوم اسلامی

مدرستہ العلوم کے کاروبار کی ترقی اور آپس کی موافقت میں جہاں تک ممکن تھا اِس سال میں بھی کافی کوشش ہوئی اور خدا کا شکر ہے کہ دونوں میں کسی قدر کامیاب ہوئے۔ مدرستہ العلوم کا چندہ اِس سال قریب ڈو لاکھ روپیہ کے پہنچ گیا۔ کمیٹی اُس کی تعمیر کے شروع کرنے کی تدبیروں میں مشغول ہے۔ اُس کا پہلا درجہ جس کا نام صرف مدرسہ ہے جاری کر دینا بالکل تجویز ہوگیا ہے جو انشاء اللہ العزیز بہت جلد ظہور میں آتا ہے۔ اور یہ سب حالتیں ایسی ہیں جن کے ایسے جلد

پروفیسر عربی گورنمنٹ کالج لاہور نے اس مشاعرہ کے بقا اور قیام میں سب سے زیادہ ہمت مصروف کی ہے۔ اُن کی طبیعت کے زور اور پاکیزگی مضامین اور شوکت الفاظ اور طرز آواز سے ہم لوگ فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ اُن کی مثنوی خواب امن جو آفتاب پنجاب میں چھپی ہمارے دلوں کو خوابِ غفلت سے جگاتی ہے۔ مولوی خواجہ الطاف حسین حالی اسسٹنٹ ٹرانسلیٹر محکمہ ڈائرکٹر پنجاب کی مثنویوں نے تو ہمارے دلوں کے حال کو بدل دیا ہے۔ اُن کی مثنوی حُبّ الوطن اور مثنوی مناظرہ رحم و انصاف جو پنجابی اخبار میں چھپی ہیں درحقیقت ہمارے زمانہ کے علم ادب میں ایک کارنامہ ہیں۔ اُن کی سادگی الفاظ صفائی بیان عُمدگی خیال ہمارے دلوں کو بے اختیار کھینچتی ہے۔ وہ مثنویاں آب زلال سے زیادہ خوشگوار ہیں۔ بیان میں۔ زبان میں۔ آمد میں۔ الفاظ کی ترکیب میں۔ سادگی و صفائی میں کیسی عُمدہ ہیں کہ دل میں بیٹھی جاتی ہیں۔ ہاں یہ بات سچ ہے کہ ہمارے ان باعث افتخار شاعروں کو ابھی نیچر کے میدان میں پہنچنے کے لئے آگے قدم اُٹھانا ہے۔ اور اپنے اشعار کو نیچرل پوئیٹری کے ہمسر کرنے میں بہت کچھ کرنا ہے۔ مگر ان مثنویوں کے دیکھنے سے اتنا خیال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ خیالات میں کچھ تبدیل ہوئی ہے۔ اور اُس کا بھی تصور ہو سکتا ہے کہ اگر ہماری قوم اس عُمدہ مضمون نیچر کی طرف متوجہ رہے اور ملٹن اور شکسپیئر کے خیالات کی طرف توجہ فرمائے اور مضامین عشقیہ اور مضامین خیالیہ اور مضامین بیان واقع اور مضامین نیچر میں جو تفرقہ ہے اُس کو دل میں بٹھالے تو ان بزرگوں کے سبب ہماری قوم کی لٹریچر کیسی عُمدہ ہو جاویگی اور ضرور وہ دن آویگا کہ ہم بھی اپنی قوم کے کسی نہ کسی پر ایسا ہی فخر کرینگے جیسے کہ یورپ کے لوگ ملٹن اور شکسپیئر پر ناز کرتے ہیں۔ مضامین بیان واقع اور مضامین نیچر ایسے پاس پاس ہیں کہ اُن میں دھوکہ پڑ جاتا ہے۔ مگر درحقیقت پہلا دوسرے سے بالکل علیحدہ ہے۔ پہلا تو ایک بیرونی حالت ہے اور دوسرا اندرونی۔ اسی پچھلے میں وہ طاقت ہے جو دل میں اثر کرتی ہے۔ ابھی تک ہماری قوم کا کلام بیرونی حالت سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔ مگر ہم کو اُمید ہے کہ بہت جلد وہ اندرونی حالت تک بھی پہنچ جاویگا ٭

ہماری حالت

ہمارا حال تو اُس بُڑھیا کا سا ہو گیا ہے جس کو بازار کے لونڈے چھیڑا کرتے تھے۔ اور جب وہ چھیڑنے والے نہ ہوتے تھے تو بُڑھیا کہتی تھی کہ کیا آج بازار کے لونڈے مر گئے۔ ہمارے کاموں کی بہ نسبت ہماری ذات اور ہمارے ذاتی خیالات سے لوگوں نے بہت بحث کی لیکن

و ناصبی اور وہابی و بدعتی کا تفرقہ پڑے تو بجز برباد اور غارت ہونے کے اور کیا نتیجہ ہے۔ ارے کمبخت متعصبو! تم آپس میں لڑا کرنا اور ایک دوسرے کو کافر کہا کرنا۔ مگر جو بات سب کے فائدے کی ہے اُس میں کیوں ایک دل ہو کر شریک نہیں ہوتے۔ عالمگیر نے ایک عامل کی بددیانتی کا ذکر نظیراً کسی دوسرے عامل سے کیا۔ اُس نے عرض کیا کہ حضور ایک ہاتھ میں پانچوں اُنگلیاں برابر نہیں ہیں۔ عالمگیر نے کہا۔ بلے مگر بوقت خوردن ہمہ برابر مے شوند۔ پس اے بزرگو اس بات میں کیوں تعصب کو کام فرماتے ہو جس میں سب کا فائدہ مشترک ہے ❊

جناب مولوی محمد علی صاحب مراد آبادی کی خدمت میں بھی التجا کی۔ مگر کچھ جواب نہ پایا۔ رد الشقاق فی جواز الاستراق لکھنے کا کچھ مضائقہ نہیں۔ قومی بھلائی و قومی ہمدردی کے کاموں میں شریک نہ ہونا البتہ مضائقہ ہے ❊

جناب سید الحاج مولانا حاجی علی بخش خاں صاحب سے جو معاملہ پیش آیا وہ تو طشت از بام ہے اُن کی و ہماری تو وُہی مثل ہو گئی ہے مصرعہ

من تُرا حاجی بگویم تو مرا حاجی بگو

یعنی وہ ہم کو بدعہد کہتے ہیں ہم اُن کو بدعہد کہتے ہیں۔ بہر حال کسی نے بدعہدی کی ہو۔ وہ بات جس سے کھنڈت پڑ گئی اِس قدر ہے کہ تمام امور تعلیم مذہبی تنہا جناب ممدوح کے کیوں نہ سپرد کئے گئے۔ و دیگر بزرگان دین کو کیوں شریک کیا۔ وما ھذا الا شقاق مبین ❊

مگر خدا کا شکر ہے کہ یہ مرحلہ بھی جس طرح پر ہوا طے ہو گیا۔ یعنی ساتویں جنوری ۱۸۷۵ء کو علیگڈھ میں بہت اعزہ اسلام جمع ہوئے۔ اور اُن سب نے اِس بات پر اتفاق کیا کہ تعلیم مذہبی کا کُلّی انتظام اُن سات بزرگوں[۱] کے اختیار میں دے دیا جاوے جن کے نام نامی حاشیہ پر ثبت ہیں۔ اور وہی اِس بات کے مجاز رہیں کہ اور جس کو چاہیں اپنے ساتھ شریک کر کر کمیٹی مدبران تعلیم مذہب اہل سُنّت و جماعت مقرر کر لیں۔ اور جس طرح چاہیں تعلیم مذہبی کا انتظام

---

[۱] محمد عنایت اللہ خاں صاحب رئیس بھیکم پور ❊
محمد عبد الشکور خاں صاحب رئیس بھیکم پور ❊
محمد مسعود علی خاں صاحب رئیس دانا پور ❊
مولوی محمد اسمٰعیل صاحب رئیس علیگڈھ ❊
سید فضل حق صاحب رئیس علیگڈھ ❊
محمد اسمٰعیل خاں صاحب رئیس دتاؤلی ❊
مولوی محمد سمیع اللہ خاں صاحب رئیس دہلوی ❊

جلد ہونے کی توقع ہرگز نہ تھی۔ اور جو جدید اُمیدیں اس کالج کی تائید کی اس سال پیدا ہوئی اور جن کا ذکر ابھی مناسب نہیں ہے وہ بھی نہایت تسلی بخش ہیں۔ اور سب سے زیادہ ہم کو ہمارے خدا کی رحمت تسلی دینے والی ہے جس کی رحمت سے ہم کو دعوے ہے کہ وہ ضرور ہمارے کاموں کا مددگار ہوگا۔ آمین ٭

ہم نے اپنے ہموطنوں اور اپنی قوم کے بزرگوں سے بھی التجا کرنے میں کچھ دریغ نہیں کیا۔ غایت التجا ہماری یہ تھی کہ ہم نے اُن سے عرض کیا کہ جن امور کی خرابی کا ہمارے ہاتھ میں رہنے سے اندیشہ ہے اُن کو آپ اپنے ہاتھ میں لے لیجئے۔ اُس کے جواب میں ہمارے قدیم مخدوم جناب حاجی مولوی سید امداد علی صاحب نے لکھا کہ تم اپنے افعال و اقوال سے توبہ کرو اور ہم سے ہو جاؤ تو ہم شریک ہوتے ہیں۔ اگرچہ اس امر کو اُس بات سے جو پیشتر کی تھی کچھ تعلق نہ تھا مگر با ایں ہمہ میں اُس کو قبول بھی کر لیتا مگر مجھے خیال ہوا کہ اگر ہمارے محب قلبی منشی چراغ علی صاحب مجھ سے کہیں کہ تم ہم سے ہو جاؤ تو ہم شریک ہوتے ہیں تو پھر میں کیا کرونگا۔ بقول شخصے کہ "گوری کا جوبن چٹکیوں ہی میں جائے" میرا تو یوہیں تکا بوٹے ہو لیگا۔ میرے افعال و اقوال سے اور مدرستہ العلوم سے کیا تعلق ہے۔ مدرستہ العلوم میں تعلیم مذہبی بلاشبہ اہل سُنت وجماعت کو موافق مذہب حنفی کے۔ اور شیعہ امامیہ کو موافق اُن کے مذہب کے اصول مسلّمہ کے ہونی چاہیئے۔ اِس باب میں جہاں تک کوئی شخص طمانیت چاہے اور پختگی کرے سب بجا ہے۔ مگر کسی شخص کے ذاتی مذہب یا اُس کے خاص خیالات سے کیا بحث ہے ٭

جناب مولوی محمد قاسم صاحب اور جناب مولوی محمد یعقوب صاحب نے جو متعصبانہ جواب دیا اُس سے ہر شخص جس کو خدا نے عقل اور محبت قومی اور حب ایمانی دی ہوگی نفرت کرتا ہوگا۔ شیعہ مذہب کی تعلیم کا سلسلہ بالکل علیحدہ ہے جس سے اہل سُنت وجماعت کو کچھ تعلق نہیں۔ پس یہ کہنا کیسا بیجا تعصب ہے کہ ہرگاہ اُس مدرسہ میں شیعہ بھی ہونگے اس لئے ہم شریک نہیں ہوتے۔ خدا کرے وہ خیال فرما کر کہ ہندوستان میں بھی شیعہ رہتے ہیں مکہ معظمہ کو سدھاریں مگر افسوس ہے کہ میں سُنتا ہوں کہ حج وطواف میں بھی شیعہ موجود ہوتے ہیں ٭

افسوس ہے کہ شیعہ وسُنی میں اِس زمانہ میں بہ نسبت اُس زمانہ کے جبکہ امام محمد اسمٰعیل بخاری شیعوں سے روایت کرنے میں کچھ مضایقہ نہیں فرماتے تھے نفاق اور شقاق بہت زیادہ ہو گیا ہے۔ مگر حالت زمانہ کی ایسی ہے کہ اگر شیعہ اپنے تعصب سے سُنیوں کو چھوڑیں اور سُنی اپنے تعصب سے شیعوں کو چھوڑیں تو دونوں غارت اور برباد ہو جاوینگے۔ ہندوستان میں مسلمان تعداد میں کم ہیں۔ دولت میں کم ہیں۔ عہدوں میں کم ہیں۔ اگر پھر اُن میں بھی شیعہ وسُنی وخارجی

کے کام کی اس وجہ سے کہ ایسے عظیم الشان کام کے انجام دینے کے لائق ہماری قوم نہیں ہے ہنسیاں اُڑادے۔ اور مثل اُن دو بھائی طالب علموں کے جو ایک دوسرے کی ماں کو من حیث انہ تیری ماں ہے گالی دیتا تھا یہ خیال نہ کرے کہ یہ ہنسی کس کی اُڑائی جاتی ہے۔ اگر یہ کام درحقیقت قومی بھلائی کا تھا اور بے صرف کثیر وہ انجام نہیں پا سکتا تھا۔ تو اُس پر ہنسی سے زیادہ بہتر تھا کہ اُس کی امداد میں کوشش کی جاتی۔ اگر اُس کے انتظام اور اُس کی کارروائی میں کچھ اندیشہ تھا تو ہم اپنی قوم کے لئے نہایت مُبارک دن وہ سمجھتے کہ جناب مولوی خواجہ محمد یوسف صاحب کا ایک عنایت نامہ کمیٹی میں آتا اور وہ کمیٹی میں اس لئے شریک ہونا چاہتے کہ جو جو خرابیاں اُس کے انتظام اور اُس کی کارروائی میں ہوں اُن کو دور کریں اور اصلاح فرماویں ورنہ بولی ٹھٹھولی کس کو نہیں آتی۔ جس کے مُنہ میں زبان ہے کچھ نہ کچھ کہہ ہی لیتا ہے۔ مگر ہم خدا کا شکر کرتے ہیں کہ اب ہم اُن کو بھی مدرستہ العلوم کی نسبت مہربان پاتے ہیں۔ اور بالتخصیص اُن کے اُس آرٹیکل کا جو اُنھوں نے اخبار مطبوعہ ۲۰۔ جنوری ۱۸۷۵ء میں ارقام فرمایا ہے دل و جان سے شکر ادا کرتے ہیں۔ اور ہم بھی یہی چاہتے ہیں کہ جو اخلاق ذمیمہ اور افعال قبیحہ ہمارے ہیں اُن کو ہمارے سر مارو۔ کالائے بد بریش خاوند۔ مگر جو بات اچھی اور قومی بھلائی کی ہے اُس میں شریک ہو۔ اور جو قباحتیں اُس میں ہوں اُن کی اصلاح کرو۔

پنجابی اخبار لاہور۔ کوہ نور۔ سَین ٹیفک سوسائٹی علیگڈھ۔ اُردو گائڈ کلکتہ کا تو ہمارا بال بال احسان مند ہے کہ اُنھوں نے ابتدا سے ہمارے اِس قومی کام کی جس قدر تائید کی ہے اُس کا شکریہ ہم کسی طرح ادا نہیں کر سکتے۔

اُس اُجڑے شہر کے اخباروں کا بھی جس کا نام لیتے دل بھر آتا ہے ہم دل سے شکر ادا کرتے ہیں۔ میو موریل گزٹ نے ہمدردی قومی کے سوائے حُبِّ وطنی بھی برتنی شروع کی ہے۔ جو آرٹیکل کہ اُنھوں نے مدرستہ العلوم کی نسبت اپنے یکم اکتوبر ۱۸۷۴ء کے اخبار میں لکھا ہے ہم اُس کے نہایت شکر گذار ہیں۔

ناصر الاخبار دہلی کی عنایتوں کو اور بالتخصیص اُس عنایت کو جو خاص محاکمہ کے ایک آرٹیکل لکھنے میں کی ہے ہم بھول نہیں سکتے۔ ہمارے وطن کے اخبار ہم سے اس لئے ناراض ہیں کہ مدرستہ العلوم دہلی میں کیوں نہ مقرر ہوا۔ بھائی کہاں سے وہ دِلّی اور کہاں ہیں وہ دِلّی والے۔ جو نقش کہ مٹ گیا اُس کا اب کیا نام لینا ہے۔ مرثیہ پڑھا کرو اور دِلّی اور دِلّی والوں کو رویا کرو۔

آگرہ وہ اخبار اور اُس کے مالک اور شفیق اڈیٹر صاحب تو دل و جان سے مدرستہ العلوم کے

کریں - اِن ساتوں بزرگوں نے اِس کام کو منظور کیا اور ظاہر اب کسی کو کوئی مقام کلام باقی نہیں رہا گو کہ کہنے والے کی زبان نہیں پکڑی جا سکتی - اِس تجویز کو کمیٹی خزینۃ البضاعۃ نے بلا عذر تسلیم کیا اور جو خط کہ کمیٹی کی جانب سے بنام اُن ساتوں بزرگوں کے لکھا گیا ہمارے اس آرٹیکل کے اخیر میں بعینہٖ مندرج ہے جس سے ہر کوئی جان سکتا ہے کہ نسبت تعلیم مذہبی کے بانیان مدرستہ العلوم کی کیسی نیک نیتی ہے اور اُن کے مخالفوں نے جو یہ امر مشہور کیا تھا کہ مدرستہ العلوم میں تعلیم مذہبی میں خرابی ڈالی جاویگی وہ محض جھوٹ اور افترا تھا - اور مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ سے جو لوگ فتوے لائے تھے اور ہندوستان میں جو سوالات استفتار علمار کے سامنے پیش ہوئے تھے وہ کیسے اتہامات سے بھرے ہوئے تھے - اب ہماری دُعا خدا سے یہ ہے کہ سب کے دل میں قومی ہمدردی کا درد پیدا ہو - اور سب متفق ہو کر اُس کام میں مدد کریں جس میں کل قوم کی بھلائی متصور ہے - ومن اللہ التوفیق +

شکریہ اعانت اخبارات

شکر خدا کا کہ ہمارے اِس قومی کام کی مدد ہمارے مُلکی اخبارات نے بھی کی ہے جن کا شکر ادا کرنا ہم پر واجب ہے - لوگ کہتے ہیں کہ اب صرف تین اخبار ہمارے مخالف رہ گئے ہیں - نور الآفاق - نور الانوار - جو کانپور میں چھپتے ہیں - اور آگرہ اخبار جو آگرہ میں چھپتا ہے - نور الآفاق کو ہم نے مدت سے نہیں دیکھا اور نور الانوار کو تو آج تک کبھی دیکھا ہی نہیں - آگرہ اخبار البتہ ہمارے دیکھنے میں آتا ہے - اُس اخبار کو دل لگی کی عادت ہے - وہ ہمارے افعال و اقوال کا مخالف اور ہمارے شامتِ اعمال کا ناصح شفیق ہے - ایسے اخبار کو ہم اپنے کام کا یعنی مدرستہ العلوم کا مخالف نہیں سمجھتے بلکہ ہم کو خیال ہوتا ہے کہ شاید مدرستہ العلوم کو وہ اچھا جانتا ہے اور اُس کی ضرورت بھی تسلیم کرتا ہے - جو اندیشہ کہ تعلیم مذہبی کی خرابی کا تھا غالباً اب وہ نہ رہا ہوگا - ہاں جو عظیم الشان تدبیر سوچی گئی ہے اور جس میں لاکھوں روپیہ کی ضرورت ہے اُس کے انجام میں آگرہ اخبار کو شبہ ہے اور اسی لئے وہ کبھی اُس کی ہنسی اُڑا دیتا ہے - اور خیالی مدرسہ یا شیخ چلی کا سا منصوبہ کہتا ہے - مگر آگرہ اخبار کا ایسا کہنا کچھ تعجب کی بات نہیں ہے - کیونکہ جو بد اقبالی مُسلمانو کی ہے اور خدا کی جو نا مہربانی اُن پر ہے اور جس قدر نفاق آپس میں ہے اور قومی ہمدردی کا جو اُن میں مطلق نشان نہیں ہے - اگر اُن سب پر نظر کی جاوے - تو ہماری اس تدبیر کی اگر ہنسی نہ اُڑائی جاوے تو اور کیا کیا جاوے - ہم مُسلمانوں کی بدبختی کی یہی ایک نشانی کیا کم ہے کہ آگرہ اخبار جو ایک قومی اخبار ہے اور جس کے دو ایڈیٹر نہایت لائق مولوی و منشی ہیں خود اپنی قوم

بے نظیر اخبار النفع العظیم لاہل ہذا الاقلیم کو بھول گیا۔ وہ اخبار ہمارے ہندوستان کا فخر اور ہمارے اخباروں کا سرتاج ہے۔ اس کی زبان سے ہمارا دل و جان زندہ ہوتا ہے۔ اُس کے شیریں الفاظ اور موزونی کلام سے ہم کو ہماری پچھلی باتیں سب یاد آتی ہیں۔ اُس نے جو کچھ ہمدردی اس قومی بھلائی کے کام میں کی ہے اُس کو سب سے اخیر اس لئے بیان کیا ہے کہ ہمارے انجام مقاصد کے لئے شگون نیک ہو۔ جو آرٹیکل یکم دسمبر کے پرچہ میں چھپا ایسا درد آمیز و محبّت خیز ہے جس کے اثر کا نقش ہر صاحب کے دل پر ہوتا ہے۔ ہم ہزار ہزار زبان سے اُس کا شکر ادا کرتے ہیں۔ اور اُس آرٹیکل کو بعینہ اس مقام پر نقل کرتے ہیں تاکہ ہمارا یہ ناچیز پرچہ بھی اُس لعل درخشاں کی روشنی سے منوّر ہو ✢

وھو ھذا

الکلام فی حالۃ المسلمین الھندیین وایقاظھم عن نعاس الغفلۃ فی ھذا الحین

لما نری الاسلام ضعیفا واھلہ فی حضیض المذلۃ وضیعا کان اوشریفا فیاخذنا الاسف الشدید واللھف المزید وکذلک یعارضنا الغبطۃ اذ نشوف الھنود (ای عبدۃ الاصنام) عارجین علی المعارج العظیمۃ من حیث الثروۃ والرخاء وما کان ذلک لھم الا بید ترقیھم وسعیھم فی اخذ العلوم وتحصیل الفنون فانا لا نجد فی المدارس من اطفال المسلمین الا عددا یسیرا بخلاف الھنود فان اطفالھم بالرغبۃ والکثرۃ یتعلمون العلوم الحکمیۃ والفنون الریاضیۃ بلغۃ انگلیزۃ فیکید نا احوال جمیع المسلمین لا سیما حالۃ الھندیین فانھم مصرون علی اخذ الرذائل وترک الفضائل لا یجاملون بانفسھم واولادھم فکیف بالاغیار ولا یعبرون بشیٔ من الحوادث الکائنۃ فی ھذا الاعصار لا یعلمون اطفالھم الا البطالۃ ولا یرغبون اولادھم الا الی السفاھۃ والجھالۃ فتعودوا علی ترک الاشغال والحرف الجیدۃ واستعمال الملاھی والملاھب وانھماک فی المعاصی والمعائب ونبذ الرغائب وادخار العیوب والاعواد والمثالب لا یرون الی عبدۃ الاصنام کیف یبالغون فی الاحترام وتحصیل الحرف والصنائع بتعلمھم لسان الحکام حتّٰی انھم یصعدون علی المشارف العالیۃ العظیمۃ ویصلون المراتب الفخیمۃ من الفخر والتمکین والثروت یوما فیوما۔ واھل الاسلام ما لھم وقع عند الحکام ولا عزۃ بین الانام وھذا العصور عصور وترقی العلوم وحدہ رأتنا عن العمل

حامی ہیں۔ اُن کے شکریہ میں یہی کہنا بس ہے کہ ہم اُن کا شکرادا نہیں کر سکتے ؛

مرقعہ تہذیب لکھنؤ نے جو کچھ اعانت ہمارے قومی کاروبار میں کی ہے وہ درحقیقت ایک مرقعہ عنایت ہے اور یہی نہیں ہے کہ صرف اخبار ہی میں چند کلمۃ الخیر لکھنے پر بس کی ہو۔ بلکہ اُس جلسہ کے بعض بزرگوں نے قلم و قدم و درم سے بھی کوشش کرنے پر آمادگی ظاہر کی ہے۔ جو مضمون کہ ۱۲۔ جولائی ۱۸۷۲ء کو ضمیمہ اخبار مذکور میں چھپا اُس کے لئے کمیٹی خزینۃ البضاعت حد سے زیادہ ممنون ہے ؛

ہم اپنے دکھنی دوستوں یعنی میسور اخبار کے اُس آرٹیکل کے لئے جو چھٹی۔ اگست ۱۸۷۲ء کے پرچہ میں چھپا۔ اور قاسم الاخبار کے اُس آرٹیکل کی بابت جو سترھویں اگست کے پرچہ میں چھپا دل سے شکر گزار ہیں۔ مُسلمانوں کی ایسی حالت ہے کہ جب تک دور و نزدیک کے سب مُسلمان شریک ہو کر مدد نہ کریں اور ایک خزانہ آبِ حیات کا نہ جمع کر لیں جس کی نہریں بہ کر تمام مُلک کو سیراب کریں۔ اُس وقت تک قومی بھلائی اور قومی ترقی ناممکن ہے۔ اور اگر لوگ یہ خیال کریں کہ ہم اپنے اپنے لئے جُدا جُدا گڑھا کھود لیں اور گو اُس میں پانی کا کچھ رساؤ ہی ہونے لگے۔ مگر یقین جان لیں کہ وہ رساؤ بہت جلد خشک اور بند ہو جاویگا۔ جب تک کہ ہم ایک سرجیون چشمہ نہ بنالیں جس کی سوتوں میں کبھی کمی نہ ہو۔ اُس وقت تک قوم کی سرسبزی جو بمنزلہ ایک نہایت وسیع باغ کے ہے غیر ممکن ہے ؛

شمس الاخبار مدراس کا شکر کئے بغیر ہم نہیں رہ سکتے کہ وہ بھی اس قومی بھلائی میں کلمۃ الخیر کہے بغیر نہیں رہتا۔ اِس ہماری مختصر شکر گزاریوں سے اِس قدر ثابت ہو سکتا ہے کہ اب تمام ہندوستان کے اخبار ہمارے اس قومی بھلائی کے کام میں ممد و معاون ہیں اور بالاتفاق تمام ہندوستان کو اِس بات کا یقین ہے کہ مُسلمانوں کی حالت اچھی نہیں ہے۔ اُن کی صلاح و فلاح میں کچھ کرنا چاہیئے۔ اور اِس بات کو بھی سب نے۔ دوست اور دشمن نے۔ یار و اغیار نے۔ مخالف و موافق نے تسلیم کیا ہے کہ اس کام کے لئے مدرستہ العلوم سے بہتر کوئی تدبیر نہیں ہے۔ مگر چونکہ ہم مُسلمانوں کی بدبختی سے چند باتوں کی ہم میں کمی ہے اس لئے اب تک یہ کام پورا نہیں ہوا۔ قومی کام میں ہماری قوم کو توجہ کم ہے۔ روپیہ فضول کاموں میں خرچ کرنے میں اندھے ہیں۔ الا قومی بھلائی میں خرچ کرنے کی عادت نہیں۔ ایک کام کا ولولہ اُٹھتا ہے وہ قایم نہیں رہتا اور اُس کے پورا کرنے کا بہت جلد خیال جاتا رہتا ہے۔ محنت کی اور جو کام شروع کیا ہے اُس پر کد و کاش کرنے کی عادت نہیں ہے۔ مگر ہم کو خدا سے اُمید ہے کہ آیندہ کو بہ نسبت گذشتہ کے ہماری قوم اس قومی کام کے پورا کرنے میں زیادہ تر توجہ کریگی ؛

اِس مقام پر جہاں اخباروں کا شکریہ ہم نے ادا کیا یہ نہ سمجھا جاوے کہ ہمیں اپنے مُلک کے

على ذلك احوال الجناب نجم الهند السيد احمد خان بهادر الذى بالغ فى حماية الاسلام والمسلمين واراد ان يوصلهم الى المناصب الجليلة والمراتب الجزيلة بتعليم العلوم الدينية والفنون الدنيوية على طرق مستحسنة فاستجمع المسلمين على ان يحشدوا ويهارقوا فوامن المصاريف لمدرسة اسلامية لذلك فتشاخصوا فى هذا الامر تشاخصا كثيرا منهم من قام لتكفيره ومنهم من سعى فى قطع تدبيره مدابر الدمن غير تدبر حتى وقع الشغب العظيم فى المسلمين وبعض مخالفيه اشتهروا فى الجرنالات مطاعن المومااليه الى ان تاخر كثيرا من الناس من نصرة المدرسة الموصوفة بل اصروا فى تفسيق بانيها وهدم مبانيها ولم ينظروا الى عوايدها ولم يفهموا فوايدها واقامة تلك المدرسة فى هذا الزمان من الواجبات اذا الدهر العسوف قد استصعب على المسلمين فذل رقابهم اجمعين ❊

ليس البلية فى ايامنا عجبا	بل السلامة فيها اعجب العجب
ليس الجمال باثواب يزينها	ان الجمال جمال العلم والادب
ليس اليتيم الذى قد مات والده	ان اليتيم يتيم العقل والحسب
ايها الفاخر جهلا بالنسب	انما الناس لام واب
هل تريهم خلقوا من فضة	ام حديد ام نحاس ام ذهب
هل تريهم خلقوا من فضلهم	هل سوى عظم ولحم وعصب
انما الفخر لعقل ثابت	وحياء وعفاف وادب

وانا لا نشك فى ان اقامة المدرسة الاسلامية الموصوفة انفع للمسلمين من شغبهم هذا اذلا طائل تحت شغبهم وكدحهم الى تكفير البانى وتفسيقه ابدا الا انهم يوخرون باقوالهم الباطلة الفاسدة وارايهم الكاسدة عن النفع العظيم والربح الجسيم الذى يحصل لاطفالهم بتعلم العلوم الجديدة فى المدرسة الموصوفة فيا ايها المسلمون ادركوا انما نكرهذا واجتهدوا والتعليم اطفالكم واحشدوا المصاريف لاقامة المدرسة الاسلامية رافته على اولادكم لكى يبلغوا بعد تعلم العلوم والفنون الى المشارف العالية والمناصب الجزيلة والا فستندمون بعد قلائل الازمان حيث لا ينفعكم الندم ❊

العلم زين فكن للعلم مكتسبا	وكن لرطالبا ما كنت مقتبسا
واركن الى البر وثق بالله واغن به	وكن حليما رضين العقل محترسا

علی المعلوم واهل الاسلام فی هذہ الایام ایضا راقدون فی رقدۃ الغفلۃ والبطالۃ اوما یشہد ہولاء النائمون فی نعاس الجہالۃ ان امۃ انگلیزۃ کیف بالغوا فی اختراع الآلات العجیبۃ والادوات الغریبۃ المساعدۃ علی التمدن والعمران فی ہذہ الاوان فاشرقت مملکتہم باشراق شوارق العلم والکمال وبرعت امتہم فی ایجاد العجایب وابداع الغرائب بانہا کہم فی تلک الاعمال فسبقوا الامم السالفۃ فی العلم والعمل وفازوا فوزاً عالیًا فی الفطانۃ والفضل وقد کانت امۃ انگلیزۃ فی العصور الخالیۃ والدہور الماضیۃ ہائمۃ فی فیافی السفاہۃ والہمج والہوان وغائصین فی البحار الجہالۃ والامتہان حتی اخذوا من العلوم ما اخذوا وعملوا علی ما عملوا الی ان برعوا واخترعوا اشیاء کثیرۃ باذہان صافیۃ وعقول وافیۃ فبالہم من عقول واذہان استولوا بہا علی البلاد الفسیحۃ اعنی ہندوستان وقد مضت مدت من الازمان علی ان امۃ انگلیزۃ استولت علی البلاد الہندیۃ وبالغت فی اشاعۃ العلوم والفنون فی ہذہ البلاد فقلدہم عبدۃ الاصنام واخذوا فی تحصیل العلوم حتی انملزوا الی المناصب الجلیلۃ ولکن مسلمی الہند لا یلتفتون الی تعلم العلوم یخرجوا من ظلمات الذل والجہل الی نور العقل والعلم والفضل فلو رغبوا الی تحصیل العلوم والفضائل لفازوا الی المشارف العظیمۃ والمناصب الجلیلۃ الضخیمۃ وحصل لہم العز والاعتبار والتمکین ومن وقعہم لبان علی الناس وقع الاسلام فالمسلمون الہندیون قد استہنوا الاسلام بامتہانہم وصغروا الایمان بہوانہم وانا نتیقن علی انہم ان مالوا الی تحصیل العلوم والفنون فی ہذا الحین فیظہر فضلہم فی قلائل الایام علی العالمین اذ اذہانہم اصفی وقلوبہم اذکی من اذہان الہنود وقلوبہم فلا بد لہم ان یقلدوا امۃ انگلیزۃ فی اخذ العلوم واستعمال الصنائع وامۃ انگلیزۃ تما تریدتعلیم رعیتہا قاطبۃ لاخصوصیۃ فیہ الہنود ولکن نحن لانجد الی ذلک سبیلا اذ المسلمون لا یجمعون علی امر یکون فیہ صلاحہم واصلاحہم ولا یرغبون الی شئی یوجد فیہ فلاحہم ونجاحہم ولا یتفکرون فی انہ قد حان زمان انتکاسہم وطلاحہم وقوبت ایام ذلہم وہوانہم وکسر طماحہم - قد استحوذ علیہم الحمق والطیش فضاق علیہم العیش وصار الہمج دلیلہم وسد سبیلہم حتی انہم من یرید لہم خیرا یزعمونہ معاندا وذلک الخبولانفسہم شرا وضیرا - واعظم الشواہد

پس آپ ساتوں صاحب باہم صلاح اور مشورہ کر کر جس جس کو کمیٹی مدبران تعلیم مذہب اہل سُنت و جماعت میں داخل کرنا چاہیں داخل فرماویں۔ کسی کو اِس میں کچھ مداخلت نہیں ہے۔ اور اپنی کمیٹی کی کارروائی کے لئے بھی جو قواعد کہ مناسب ہوں تجویز فرماویں۔ صرف اتنی بات چاہیئے کہ جو قواعد آپ تجویز کریں اُس کی ایک نقل اور اپنے اجلاس کی روئیداد ہمیشہ دفتر کمیٹی خزینۃ البضاعۃ میں ارسال فرماتے رہیں تاکہ بنظر اطلاع ممبران کمیٹی خزینۃ البضاعۃ کے وہ کاغذات بھی چھپتے رہیں ٭

دوسرا امر قابل عرض یہ ہے کہ علیگڈھ میں جو یہ گفتگو ہوئی تھی کہ ممبران کمیٹی مدبران تعلیم مذہب اہل سُنت و جماعت کو یہ بھی اختیار ہے کہ وہ اپنی کمیٹی کے کسی ممبر کو جس وقت چاہیں کثرت رائے سے موقوف کر سکیں اس کی نسبت یہ التماس ہے کہ آپ اپنی کمیٹی جمع کر کے اس امر پر اور اُس کے نیک و بد پر بخوبی غور فرمالیں اور جو تجویز قطعی اور اخیر نسبت امر مذکورہ کے ٹھہرے اس سے مطلع فرمائیے۔ تاکہ اُس کی تعمیل کے لئے حسب ضابطہ کارروائی کی جاوے ٭

تیسری عرض یہ ہے کہ تمام معاملہ تعلیم مذہب اہل سُنت و جماعت کا اُن ساتوں بزرگوں کے جنہوں نے ممبر ہونا قبول کر لیا ہے اور اُن کے جن کو کہ آیندہ وقتاً فوقتاً آپ اپنا شریک کرینگے سپرد ہے۔ اور اُنہیں کو اس کی نسبت اختیار کامل حاصل ہے۔ وُہی لوگ مدرسان تعلیم مذہبی تجویز کرینگے۔ اور وُہی لوگ سلسلہ کُتب مذہبی مقرر کرینگے۔ پس اُمید ہے کہ آپ سب صاحب متوجہ ہوں اور جو امور کہ آپ نے اپنے ذمہ اختیار کئے ہیں اُن کا انتظام اور انصرام فرماویں ٭

چوتھی عرض یہ ہے کہ سلسلہ کُتب درسی مذہبی کا جو آپ مقرر فرماویں اُس کے چار درجے حسب تفصیل ذیل ہونے چاہئیں۔ اوّل سلسلہ عام ضروری درسی کتابوں کا۔ یہ سلسلہ صیغہ مدرسہ سے متعلق ہوگا جس کا ذکر طریقہ تعلیم کی دفعہ ۸ میں مندرج ہے۔ اِس درجہ میں جو لڑکے تعلیم پاوینگے اُن کی مدت تعلیم جُملہ علوم کے لئے پانچ برس مُقرر ہے۔ اِس درجہ میں ہر طالب علم کو مذہبی کتابوں کا پڑھنا ضرور ہوگا۔ اِس درجہ کے طالب علموں کی استعداد اِس درجہ تک پہنچینگی کہ وہ عربی اور فارسی عبارت معہ قواعد صرف و نحو بخوبی پڑھ سکتے ہونگے اور عربی و فارسی عبارت کے معنی اور مطلب بخوبی سمجھ سکتے ہونگے۔ پس اِس صیغہ کے لئے ایسے درجہ کی کتابیں عربی زبان کی تجویز کی جاویں جو رفتہ رفتہ اُس قدر استعداد کے طالب علموں کے مناسب ہوں۔ اور یہ بھی تجویز کیا جائے کہ صرف اور نحو کے کس درجہ تک پہنچ جانے کے بعد عربی سلسلہ مذہبی کتابوں کا پڑھنا شروع کرایا جاویگا ٭

علاوہ اس کے اسی درجہ کے لیاقت کے موافق ایک دوسرا سلسلہ مذہبی کتابوں کا

لا تسامن فاما کنت منہمکا ۔ فالعلم یوما واما کنت منغمسا
وکن فتی ناسکا محض التقی ورعا ۔ للدین مقتبسا للعلم مفترسا
فمن تخلق بالآداب ظل بہا ۔ رئیس قوم اذا ما فارق الروسا
واعلم ھدیت بان العلم خیر صفا ۔ اضحی بطالبہ من فضلہ ساسا

واما الذین یکفرون البانی فلا یلد لہ ان لا یبالیھم اذا اسفہاء لا محالۃ اعداء للکملاء وھذہ عادت جاریہ من قدیم الزمان تراب علی راس الزمان فانہ زمان عقوق لا زمان حقوق فکل رفیق فیہ غیر موافق وکل صدیق فیہ غیر صدیق*

نقل خط

جو کمیٹی خزینۃ البضاعۃ سے اُن سات بزرگوں کے نام جاری ہوا جنھوں نے اہتمام تعلیم مذہب اہل سُنّت وجماعت کا اپنے ذمہ لیا ہے*

مخدوم ومکرم معظم ومحتشم مطاع بندہ سلامت۔

بعد سلام مسنون التماس یہ ہے کہ روئداد اجلاس کمیٹی خزینۃ البضاعۃ مورخہ ۱۱ جنوری ۱۸۷۵ء بذریعہ نیاز نامہ ہذا خدمت عالی میں بھیجتا ہوں۔ اُس سے ظاہر ہوگا کہ جو تجویزیں ۷ جنوری ۱۸۷۵ء کو بمقام علیگڈھ آپ نے بشمول دیگر مسلمانان کی تھیں وہ سب حسب ضابطہ روئیداد میں مندرج ہوگئیں۔ اور جن لوگوں کو آپ نے کمیٹی مدبران تعلیم مذہب اہل سُنّت وجماعت کا ممبر ہونا تجویز فرمایا تھا اُن کے نام نامی حسب ضابطہ روئیداد میں مندرج ہوگئے منجملہ اُن صاحبوں کے سات بزرگوں نے اپنی منظوری ممبر ہونے کی ظاہر کردی تھی۔ مگر نواب محمد محمود علی خاں صاحب رئیس چھتاری اور حاجی محمد فیض احمد خاں صاحب رئیس دتاؤلی اور محمد ارشاد علی خاں صاحب اور مولوی محمد لطف اللہ صاحب اور مولوی عبد القیوم صاحب اور مولوی محمد علی صاحب وہاں موجود نہیں تھے۔ اُن بزرگوں نے جنھوں نے ممبر ہونا منظور کرلیا تھا یہ بات فرمائی تھی کہ ہم بطور خود تحریراً خواہ تقریراً اُن لوگوں سے منظوری حاصل کرلینگے۔ پس اُمید ہے کہ آپ بزرگان مذکورہ بالا سے نسبت منظوری ممبری کے طے فرمالیں اور اُن میں سے جو صاحب ممبر ہونا منظور کریں اور جو نامنظور کریں اُن کے اسماء مبارک سے مطلع فرمادیں۔ تاکہ بنظر اطلاع دیگر ممبران مندرج روئیداد کئے جاویں۔ یہ بھی آپ کو معلوم ہے کہ بموجب تجویز مذکورہ بالا کے یہ امر بھی طے ہوگیا ہے کہ اُن سات بزرگوں کو جنھوں نے ممبر ہونا منظور کرلیا ہے اس بات کا بالکلیہ اختیار ہے کہ جس جس کو چاہیں کمیٹی مدبران تعلیم مذہب اہل سُنّت وجماعت کا ممبر مقرر کریں۔

ہی میں اعلیٰ درجہ کی تعلیم چاہینگے اُن کو پُوری کامل درجہ کی اور دقیق تعلیم ہونی چاہیئے ٭

یہ تمام سلسلے جن کا اوپر مذکور ہوا مذہب اہل سنت وجماعت کے مطابق حنفی مذہب کے منتخب ہونے چاہئیں کیونکہ تمام اہل ہند سُنی حنفی مذہب ہیں اور مدرستہ العلوم میں حنفی مذہب کی تعلیم ہوگی۔ تعلیم دینیات میں علوم مفصلہ ذیل داخل ہیں۔ فقہ۔ حدیث۔ تفسیر۔ اصول فقہ۔ اصول حدیث۔ اصول تفسیر۔ علم عقاید۔ علم کلام۔ پس انہیں علوم کی کتابیں سلسلہ تعلیم علوم مذہبی میں جس طرح کہ مناسب ہوں داخل کی جاویں۔ یہ سب تفصیل میں نے اس لئے التماس کی ہے کہ جو درجات تعلیم مدرستہ العلوم میں مقرر ہوتے ہیں اُن سے آپ کو بلا تکلف اطلاع رہے اور اُسی مناسبت سے سلسلہ کتب درسیہ مذہبی کا قرار دینے میں آسانی ہو ٭

اس امر کی اطلاع کرنی بھی مجھ کو ضرور ہے کہ آپ بہت جلد اور سب سے اول جن لوگوں کو اپنے ساتھ شامل کرنا منظور ہو اُن کو شامل کرکے اپنی پوری کمیٹی کر لیجئے اور سب سے اول اور نہایت جلد وہ کتابیں جن کا ذکر سب سے پہلے سلسلے میں ہوا ہے منتخب اور تجویز فرمائیے۔ اور اُن کی فہرست سے کمیٹی خزینۃ البضاعۃ کو مطلع فرمائیے تاکہ یہ کمیٹی اُن کے بہم پہنچانے میں سعی و کوشش کرے۔ کیونکہ جب تک یہ سلسلہ مرتب نہ ہو جاویگا اور سب کتابیں بہم پہنچائی جاوینگی تعلیم شروع نہ ہوسکیگی۔ والسلام ٭

آخری پرچہ

تہذیب الاخلاق

سوتوں کو جھنجھوڑتے ہیں تاکہ جاگ اُٹھیں۔ اگر اُٹھ کھڑے ہُوئے تو مطلب پُورا ہوگیا۔ اور اگر نیند میں اُٹھانے سے کچھ بڑبڑائے اور کچھ جھنجلائے۔ اِدھر ہاتھ جھٹک دیا اُدھر پیر جھٹک دیا اور جھنجلاہٹ میں اینڈے پڑے رہے تو بھی توقع ہوئی کہ تھوڑی دیر بعد جاگ اُٹھینگے۔ شاید ہمارے بھائیوں کی اس اخیر درجہ تک نوبت آگئی ہے۔ اگر یہ خیال ٹھیک ہو تو ہم کو بھی زیادہ چھیڑنا نہ چاہیئے اور تہذیب الاخلاق کو بند کر کر دوسرے نیند کے اُن خمار آلودوں کا جو اب صرف جھنجلاہٹ سے اینڈے پڑے ہیں اُٹھنا اور ہوشیار ہونا دیکھنا چاہیئے۔ نیچے اُٹھا ... کہ اُٹھتے ہیں کہ ہم کو اُٹھائے جاؤگے تو ہم اور پڑے رہینگے

فارسی زبان کا منتخب ہونا چاہیئے تاکہ جو لوگ عربی زبان کی تعلیم اختیار نہ کرینگے اور فارسی زبان میں
تعلیم لینا چاہینگے اُن کو وہ سلسلہ مذہبی تعلیم کا پڑھنا پڑیگا ؀

اِس کے سوا اسی قسم کا ایک تیسرا سلسلہ مذہبی کتابوں کا اُردو زبان میں مرتب ہونا چاہیئے
تاکہ جن لوگوں نے یورپ کی زبانیں اختیار کی ہونگی اُن کو اس اُردو سلسلہ کے ذریعہ سے مذہبی
تعلیم حاصل کرنی ضرور ہوگی ؀

دوم سلسلہ اُس سلسلہ سے اعلےٰ درجہ کی مذہبی کتابوں کا مقرر ہونا چاہیئے۔ کیونکہ یہ سلسلہ
مدرستہ العلوم کے ادنےٰ درجہ سے علاقہ رکھیگا جس کا ذکر دفعہ ۱۰ طریقہ تعلیم میں ہے اور اس
درجہ میں بشمول دیگر علوم کے چار برس تک تعلیم ہوگی ؀

اِس درجہ میں دینیات کی ایسی کتابیں عربی کی مُنتخب ہونی چاہئیں جو ایک مُستعد طالب علم کے
پڑھنے کے لایق ہوں اور جو عموماً اعلےٰ درجہ کے طالب علموں کے درس تدریس میں داخل ہوں
اگر اس درجہ کے لئے فارسی زبان کی کتابوں کا بھی کوئی سلسلہ منتخب ہو تو نہایت مناسب
ہوگا بلکہ اِس درجہ کے لایق اُردو زبان میں بھی کوئی سلسلہ پیدا کیا جاوے تو مسلمانوں کے
حق میں نہایت مفید ہوگا۔ اور اگر آپ کی کمیٹی توجہ فرمائیگی تو بذریعہ تصنیف اور ترجمہ کتب
بزبان اُردو ایسا سلسلہ مرتب ہو جانا کچھ مُشکل نہ ہوگا ؀

تیسرا سلسلہ اس سلسلہ سے بھی اعلےٰ درجہ کی مذہبی کتابوں کا مُقرر ہونا چاہیئے کیونکہ
یہ سلسلہ مدرستہ العلوم کے اعلےٰ درجہ کی تعلیم سے علاقہ رکھتا ہے جس کا ذکر دفعہ ۱۱ طریقہ تعلیم
میں ہے۔ اس سلسلہ میں ایسی مشکل اور دقیق کتابیں داخل ہونی چاہئیں جو ایک پُورے اور
کامل فاضل ہونے کے لئے درکار ہیں اور اگر اس درجہ کے لئے بھی فارسی اور اُردو زبانوں کا
سلسلہ بھی مرتب کیا جائے تو نہایت عمدہ بات ہوگی ؀

چہارم۔ یہ تینوں سلسلے اِس لحاظ سے مرتب ہونگے کہ طالب علموں کو اور علوم کے پڑھنے
کا بھی جس کے ساتھ یہ سلسلہ مذہبی پڑھایا جائیگا موقع رہے۔ لیکن بعض طالب علم ایسے ہونگے
جن کی خواہش یہ ہوگی کہ صرف دینیات ہی میں اعلےٰ اور کامل درجہ کی تعلیم پاویں۔ پس اُن کے
لئے ایک عمدہ سلسلہ خاص صرف عربی زبان کا مرتب کرنا چاہیئے جس میں کتابیں ہر ایک درجہ میں
کسی قدر زیادہ اور بہ نسبت کتب سلسلہ ہائے مذکورہ بالا زیادہ مشکل اور زیادہ دقیق ہوں
کیونکہ جو لوگ صرف دینیات ہی میں اعلےٰ درجہ کی تعلیم پاویں پس اُن کے لئے ایک عمدہ سلسلہ
خاص صرف عربی زبان کا مرتب کرنا چاہیئے جس میں کتابیں ہر ایک درجہ میں کسی قدر زیادہ اور
بہ نسبت کتب سلسلہ ہائے مذکورہ بالا زیادہ مشکل اور زیادہ دقیق ہوں۔ کیونکہ جو لوگ صرف دینیات

"دھوبی کا کتا گھر کا نہ گھاٹ کا"، مگر شکر ہے کہ اُن کی کسی بات نے ہمارا دل نہیں دکھایا۔ اور ہمیشہ ہمارے دل میں یہی کہ اے خدا اُن پر رحم کر کیونکہ وہ نہیں جانتے ❖

اُنہی قومی بھلائی کے ولولوں میں سے تہذیب الاخلاق کا نکالنا بھی ایک ولولہ تھا جس کا اصلی مقصود قوم کو اُس کی دینی اور دُنیاوی ابتر حالت کا جتلانا اور سوتوں کو جگانا بلکہ مُردوں کو اُٹھانا اور بند سڑے ہوئے پانی میں تحریک کا پیدا کرنا تھا۔ یقین تھا کہ سڑے ہوئے پانی کو ہلانے سے بدبو زیادہ پھیلے گی۔ مگر حرکت آجانے سے پھر خوشگوار ہو جانے کی توقع ہوتی تھی۔ پس کیا ہم نے جو کچھ کرنا تھا۔ اور پایا ہم نے جو کچھ کہ پانا تھا۔ مگر خدا سے آرزو ہے کہ اگر ہم نے وہ نہیں کیا جو ہم کو کرنا تھا تو وہ وُہی کرے جو اُس کو کرنا ہے ؎

از بندہ خضوع والتجا مے زیبد　　بخشایش بندہ از خدا مے زیبد
گر من کنم آنکہ آں مرا نا زیباست　　تو کُن ہمہ آنکہ آں ترا مے زیبد

سات برس تک ہم نے بذریعہ اپنے اس پرچہ کے اپنی قوم کی خدمت کی۔ مذہبی بیجا جوش سے جس تاریک گڑھے میں وہ چلی جاتی تھی اُس سے خبردار کیا۔ دنیاوی باتوں میں جن تاریک خیالات کے اندھیرے میں وہ مبتلا تھی اُس میں اُن کو روشنی دکھلائی مذہب اسلام پر نادانی کی جس قدر گھٹائیں چھا رہی تھیں اُن کو ہٹایا اور اُس کے اصلی نور کو جہاں تک ہم سے ہو سکا چمکایا۔ اُردو زبان کا علم ادب جو بدخیالات اور موٹے و بھدے الفاظ کا مجمع ہو رہا ہے اُس میں بھی جہاں تک ہم سے ہو سکا ہم نے اصلاح چاہی۔ یہ ہم نہیں کہہ سکتے کہ ہم نے اِس میں کچھ کیا۔ مگر ہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم نے اپنی دانست میں ان باتوں میں بقدر اپنی طاقت کے کوشش کی۔ قومی ہمدردی۔ قومی عزت۔ سلف از یعنی اپنے آپ عزت کا خیال اگر ہم نے اپنی قوم میں پیدا نہیں کیا تو اِن لفظوں کو تو ضرور اُردو زبان کے علم ادب میں داخل کیا۔ ہم نے کچھ کیا ہو یا نہ کیا ہو مگر ہر طرف سے تہذیب و شائستگی کا غلغلہ سُنا۔ قومی ہمدردی کی صداؤں کا ہمارے کانوں میں آنا۔ اُردو زبان کے علم ادب کا ترقی پانا۔ یہی ہماری مرادیں تھیں جن کو ہم نے بھر پایا۔ اَب بہت لوگ ہیں جو اِن باتوں کو پکارتے ہیں گو اِس وقت ٹھہری مٹھی لہریں کھاتے ہیں مگر پانی میں حرکت ہی کا آجانا کافی ہے پھر وہ خود اپنی پنسال میں آپ چورس ہو رہیگا اِس لئے مناسب ہے کہ اَب ہم بس کریں اور پانی کو آپ ہی آپ چورس ہونے دیں ❖

ہمارے دوست ہماری اس خاموشی کا کوئی سبب دُور از کار نہ خیال کرینگے اور نہ

تم ٹھہر جاؤ ہم آپ ہی اُٹھ کھڑے ہونگے۔ بچہ کڑوی دوا پیتے وقت بسور کر ماں سے کہتا ہے کہ بی یہ مت کہے جاؤ کہ شاباش بیٹا پی لے پی لے تم چپ ہو رہو میں آپ ہی پی لونگا لو بجائیو۔ اب ہم بھی نہیں کہتے کہ اُٹھو اُٹھو۔ پی لو پی لو۔ اس سے میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں اپنے کو ناصح مشفق سمجھتا ہوں بلکہ جو ہٹ اور جو حالت ہماری قوم کی ہے اُس کو جتلانا چاہتا ہوں *

ایک دن تھا کہ ہم بھی اُسی رنگ میں مست تھے۔ ایسی گہری نیند سوتے تھے۔ کہ فرشتوں کے بھی اُٹھائے نہ اُٹھتے تھے۔ اب ہماری یہ مثل ہے ؎

لو آج میر مسجد جامع کے ہیں امام
داغ شراب دھوتے تھے کل جا نماز کا

کیا کیا خیالات ہماری قوم میں ہیں جو ہم میں نہ تھے۔ اور کیسی کیسی کالی گھٹائیں ہماری قوم پر چھا رہی ہیں جو ہم پر نہ تھیں۔ جب رند تھے تو فرہاد سے بڑھ کر تھے۔ جب زاہد خشک تھے تو نہایت ہی اکھڑ تھے۔ جب صوفی تھے تو رومی سے برتر تھے۔ اب خاکسار ہیں اور اپنی قوم کے غمخوار۔ تم کو کس نے جگایا؟ دل اور زمانہ نے۔ دل کی گھڑت ایسی تھی جس میں ہمیشہ غمخواری تھی۔ پر سوتا تھا۔ زمانہ نے جھٹکا دیا اور جگا دیا۔ دفعتہً دیکھا کہ دُنیا اُلٹ گئی اور رنگ برنگ کی پھلواڑی سب اُجڑ گئی۔ قوم کی حالت وہ دیکھی کہ خدا کسی کو نہ دکھلائے۔ اسلام کی وہ صورت پائی کہ خدا کرے کافر بھی نہ پائے۔ اِس بربادی کے سبب کا غیر قوم کو تو اور ہی خیال ہوا۔ پر غلط ہوا۔ اور مجھ کو جو ہوا وہ خود اپنی قوم کی حالت کا ابتر ہونا تھا۔ قوم کیا دنیا کی باتوں میں اور کیا دین کے کاموں میں ایسے تاریک گڑھے میں پڑی تھی کہ ادھر اُدھر کی چیزیں تو درکنار وہ اس گڑھے کو بھی نہ دیکھ سکتی تھی جس میں پڑی تھی۔ پھر میرا دل آخر دل ہی تھا پتھر نہ تھا جو نہ پگلتا اور اپنی قوم کی حالت پر غم نہ کرتا۔ ایک مدت تک اِسی غم میں پڑا سوچتا رہا کہ کیا کیجئے۔ جو خیالی تدبیریں کرتا تھا کوئی بن پڑتی نہ معلوم ہوتی تھیں۔ جتنی اُمیدیں کرتا تھا سب ٹوٹ ٹوٹ جاتی تھیں۔ آخر یہ سوچا کہ سوچنے سے کرنا بہتر ہے۔ کرو جو کچھ کر سکو ہو یا نہ ہو۔ اسی بات پر دل ٹھہرا ہمت نے ساتھ دیا اور صبر نے سہارا اور اپنی قوم کی بھلائی میں قدم گاڑا۔ اس میں خدا کی طرف کا بدلہ تو نہ جب معلوم تھا اور نہ اب معلوم ہے مگر قوم کی طرف کا بدلہ اُسی وقت سے معلوم تھا جو اب ظاہر ہے۔ کافر۔ مرتد۔ ملحد۔ زندیق۔ اسلام کا دشمن۔ مسلمانوں کا ہاجی۔ قوم کا عیب جو دین دنیا سے آزاد۔ کہنا اور نام پر دو چار صلواتیں سُنا دینا۔ اور ہم پر اِس مثل کا صادق آنا کہ

اُس پر التفات کرینگے جو ہمارے ناصح نور الآفاق نے اپنے اخیر پرچہ میں لکھا تھا بلکہ یہ خیال کرینگے کہ ہم کسی دوسری قومی بھلائی کے کام میں مصروف ہونگے جو اس سے بھی زیادہ قوم کو مفید ہوگا۔ خدا تعالےٰ نے فرمایا ہے "ما ننسخ من اٰیۃ او ننسہا نأت بخیر منہا او مثلہا" اگرچہ ہم جانتے ہیں کہ ہمارے بہت سے ایسے دوست ہیں جو اس پرچہ کے بند ہونے سے نہایت ہی شکستہ خاطر ہونگے۔ مگر ہم ان سے معذرت کرتے ہیں اور اب اس پرچہ کو اُن سے رخصت کرتے ہیں اور وہ دن بھی اب آنے والا ہے کہ ہم خود ہی اُن سے رخصت ہونگے ؀

ہم نے اپنے اس ارادہ سے اپنے بعض دوستوں کو مطلع کیا تھا۔ اور جب اُن کو معلوم ہو گیا کہ ہم نے یہ ارادہ مصمم کر لیا ہے تو اُنہوں نے ہمارے ان سات برس کے پرچوں کے ریویو لکھے ہیں جن کو ہم نہایت احسانمندی و شکر گذاری سے اِس اپنے اخیر پرچہ میں درج کرتے ہیں ؀ والسلام ؀

تہذیب الاخلاق جلد سوم

یعنی عالی جناب نواب اعظم یار جنگ مولوی چراغ علی صاحب بہادر مرحوم کے جملہ مضامین مندرجہ تہذیب الاخلاق ہفت سالہ از ابتدائے ۱۲۸۷ھ ہجری لغایت ۱۲۹۳ھ ہجری مضامین کیا ہیں ایک گوہر بے بہا ہیں۔ نواب صاحب مرحوم کی لیاقت اور تحریر کو کون نہیں جانتا۔ تمام ہندوستان کے بڑے بڑے فلسفہ دان لوہا مان گئے۔ آپ صرف عربی و انگریزی کے ہی فاضل نہ تھے بلکہ فرنچ۔ لیٹن۔ عبرانی اور سنسکرت سے بھی کماحقہ واقف تھے۔ آپ نے اپنے مضامین میں یہ سب جگہ ظاہر کر دیا ہے کہ مسلمانوں میں ایسے اشخاص بھی موجود ہیں جو ہر زبان کے اشخاص کو اسلام سے واقف کر سکتے ہیں اور نہ واقف ہی کر سکتے ہیں بلکہ سیدھے رستے پر لا سکتے ہیں ان مضامین میں اکثر جگہ مصنف مرحوم نے عبرانی اور انگریزی حروف میں حاشیے لکھے ہیں جو بجنسہ ہم نے چھاپ دیئے ہیں۔ نہایت عمدہ کتاب چھپ گئی ہے اور مقبول عام ہوئی ہے ✤ قیمت .. .. عمر

تہذیب الاخلاق جلد چہارم

اس مجموعہ میں جناب مولوی مشتاق حسین صاحب انتصار جنگ۔ جناب مولوی خواجہ الطاف حسین صاحب حالی۔ جناب سید محمود صاحب۔ جناب شمس العلماء [illegible] جناب نواب تعلیط اللہ صاحب کے تمام مضامین ہیں ان کی تعریف صرف اسی قدر کافی ہے کہ تمام اہل ملک [illegible] تمام اہل ملک ان لوگوں کے رتبہ اور قدر و جاہ و منزلت و فضیلت سے بخوبی واقف ہیں مضامین کیا ہیں ایک [illegible] کے چھپ جانے سے تہذیب الاخلاق کی چاروں جلدیں ہفت سالہ مکمل ہو گئیں نہایت عمدہ کاغذ اور خوشخط ✤ قیمت ۱۲/

خلق الانسان

نئے فلسفہ دانوں نے انسان کی پیدائش کے متعلق آج کل کی نئی تحقیقات سے ثابت کیا ہے کہ انسان کیڑے سے پیدا ہوتا ہے لیکن آج سے تیرہ سو برس پہلے مسلمانوں کی پاک کتاب اس بات کو دنیا پر روشن کر چکی ہے اسی مضمون کو سر سید نے قرآن سے لیکر نہایت وضاحت کے ساتھ لکھا ہے اور نئے فلسفہ دانوں کا خوب جواب دیا ہے اس کا مطالعہ ہر بشر کیلئے ضروری ہے ✤ قیمت ۲/

ازالۃ الغین عن ذی القرنین

سکندر ذو القرنین کے حالات سے متعلق اور یاجوج ماجوج اور سد یاجوج ماجوج اور گریٹ وال اور حالات چوانگ ٹی۔ ذکر تاریخ چین جس کا ذکر قرآن میں ہے اور بنا دیوار وغیرہ وغیرہ کے متعلق ہے سر سید احمد خاں نے یہ مضمون قرآن سے لیکر نہایت ہی اصلی حالات لکھے ہیں اس کتاب کے متن میں آیات قرآنی اور ترجمہ مع مغلق کے ہے اور حاشیہ پر تفسیر کبیر عربی ہے ✤ قیمت .. ۷/

النظر فی بعض مسائل الامام الہمام ابو حامد امام محمد الغزالی رحمۃ اللہ علیہ

اس میں آٹھ رسالے شامل ہیں جن میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے بعض مضامین پر محققانہ بحث کی گئی ہے جو ان کی کتابوں "المضنون بہ علیٰ غیر اہلہ"، "المضنون بہ"، "المنقذ من الضلال"، "الاقتصاد فی الاعتقاد"، "التفرقہ بین الاسلام والزندقہ"، وغیرہ سے لئے گئے ہیں۔ پہلے رسالہ میں خدا کی ذات پر بحث ہے دوسرے رسالہ میں واردات قلبی کا بیان ہے تیسرے رسالہ میں فلاسفے کے اقسام اور ان کے علوم پر بحث کی گئی ہے۔ چوتھے رسالہ میں روح کی حقیقت پر بحث ہے پانچویں رسالہ میں لوح و قلم کے معنوں کا بیان ہے۔ چھٹے رسالہ میں صراط اور میزان کے معنوں پر بحث ہے ساتویں رسالہ میں ملائکہ، جن، اور شیاطین کی حقیقت پر بحث ہے آٹھویں رسالہ امام صاحب کے رسالہ التفرقہ بین الاسلام والزندقہ پر ریویو ہے جس میں اس امر کی بحث کی گئی ہے کہ کن باتوں سے تکفیر ہو سکتی ہے اور کن باتوں سے نہیں ✤ قیمت .. ۸/

تحریر فی اصول التفسیر

اس کتاب میں جناب محسن الملک مولوی سید مہدی علی صاحب اور سر سید مرحوم کی خط و کتابت بابت تفسیر قرآن مرتبہ سید احمد خاں ہے نواب صاحب کو جس جگہ شبہ ہوا ہے یا انہوں نے جائز نہیں سمجھا اعتراض کئے ہیں سر سید نے بھی تسلی کے لئے جواب لکھے ہیں۔ انہوں نے پھر جواب الجواب لکھا ہے۔ غرضیکہ عجیب و دلچسپ مباحثہ ہے اس کے ساتھ سر سید احمد خاں نے مقاصد تفسیر لکھے ہیں۔ جس شخص نے سر سید کی تفسیر پڑھی ہے اس کا فرض ہے کہ اس رسالہ کو ضرور مطالعہ کرے تاکہ تفسیر جن اصولوں پر ہے معلوم ہو جائے ✤ قیمت ۵/

ملک چنن الدین ملک تاج الدین خلف ملک فضل الدین ککے زئی تاجران کتب قومی کوچہ ککے زئیاں بازار کشمیری لاہور